انوارُ البیان
عام فہم اردو تفسیر
محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
دار الاشاعت
اردو بازار ○ کراچی
فون: 021-2213768

انوارُ البیان

فی کشف اسرار القرآن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم اردو میں پہلی جامع اور مفصل تفسیر جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، دلنشیں انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریحات، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر، حدیث و فقہ کے حوالوں کے ساتھ

محقق العصر حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : ۷۳۲ صفحات

مصححین: مولانا محمد شفیق کشمیری صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا سرفراز احمد صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
مولانا عرفان صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور)

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر ''انوار البیان فی کشف اسرار القرآن'' کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ انشاءاللہ

23/08/06

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338

﴿........ملنے کے پتے..........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست تفسیر انوار البیان

(جلد پنجم از پارہ ۲۵ ...... تا ...... ۳۰)

☆☆☆.................☆☆☆

(پارہ نمبر ۲۵)

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

اسی کی طرف قیامت کا علم حوالہ کیا جاتا ہے' اور جو پھل اپنے خولوں سے نکلتے ہیں اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ

اور جو بچہ جنتی ہے یہ سب اسکے علم میں ہے۔ اور جس دن وہ پکارے گا کہاں ہیں' میرے شرکاء وہ کہیں گے کہ ہم اعلان کیساتھ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی

شَهِيْدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

دعویدار نہیں ہے' اور اس سے پہلے وہ جن کو پکارا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے اور وہ لوگ یقین کرلیں گے کہ انکے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس دن مشرکین کی حیرانی و بربادی

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ (وہ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقع ہونا' آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی) ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایئے وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ (کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں) یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں۔ پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ ای اذا سئل عنها قيل الله تعالىٰ يعلم او لايعلمها الا الله عزوجل.

اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں تو اولاً ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے۔ ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف سے باہر آ جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے۔ دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں شرکاء بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں' وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا' دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے

اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور جب یہ سمجھ لیں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے۔

میدان قیامت میں وہ سب غائب ہو جائیں گے جن کی عبادت کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے۔ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ (اور یقین کر لیں گے کہ ان کے لئے بھاگنے کا کوئی موقع نہیں)۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

انسان خیر کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا، اور اگر اسے تکلیف پہنچ جائے تو پوری طرح نا امید ہو جاتا ہے، اور تکلیف پہنچ جانے کے

رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ

بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چاہئے اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں

رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ

اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اسکے پاس بہتری ہوگی، سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم ضرور ضرور انکے اعمال سے انہیں باخبر کر دیں گے اور ہم انہیں ضرور

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ

سخت عذاب چکھا دیں گے، اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور ایک جانب کو دور چلا جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی

دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

چوڑی دعا والا ہو جاتا ہے۔

انسان کا حُبِّ دنیا اور ناشکری کا مزاج اور وقوع قیامت کا انکار

ان آیات میں انسان کا ایک مزاج بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انسان برابر اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرتا ہے، مال بھی مانگتا ہے اور صحت بھی اور دوسری چیزیں بھی، جب تک یہ چیزیں پاس رہتی ہیں تو خوب خوش رہتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے، مریض ہو جائے تنگ دستی آ جائے تو اس پر ناامیدی چھا جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ بس اب تو میں مصیبت ہی میں رہوں گا کبھی میری حالت ٹھیک ہونے والی نہیں (یہ ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں پڑھا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل نہیں کیا، نیک بندوں کی صحبت نہیں اٹھائی)۔

پھر فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھا دیں خیر اور عافیت اور مالداری سے نوازیں اس کے بعد کہ اسے تکلیف پہنچ چکی تھی تو کہتا ہے کہ ہاں مجھے یہ چاہئے اور میں اس کا حق دار ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جو نعمت ملی اسے اللہ کا فضل نہیں بلکہ اپنے ہنر کا نتیجہ سمجھتا ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے دیا گیا) حالت ٹھیک ہوتی ہے اور مال مل جاتا ہے تو انسان قیامت ہی کا منکر ہو جاتا ہے کہ میرے خیال میں تو قیامت آنے والی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف

لوٹا دیا گیا تو میں وہاں بھی عزت اور کرامت سے نوازا جاؤں گا جیسا کہ دنیا میں مجھے نوازا گیا ہے وہاں بھی میرا حال اچھا ہوگا میں دنیا میں بھی اچھی حالت کا مستحق ہوں اور آخرت میں بھی، یعنی یہ ناشکرا انسان یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا ہے دنیا اور آخرت میں اچھی حالت میں رہنے کو اپنا ذاتی استحقاق مانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو ہم ان کے اعمال سے باخبر کر دیں گے اور بتا دیں گے کہ تم نے غلط سمجھا تھا تم اپنے اعمال کے اعتبار سے عزت اور کرامت کے مستحق نہیں ہو ذلت اور اہانت کے مستحق ہو۔ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ط (اور ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھائیں گے) اس وقت جھوٹی باتوں اور جھوٹے دعوؤں کا پتہ چل جائے گا۔

اس کے بعد انسان کے مزاج کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی جب اسے نعمتیں دیتے ہیں تو تکبر کے انداز میں ایک طرف کو دور چلا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا یہ مال اور نعمتیں جو موجب شکر تھیں ان کو تکبر کا ذریعہ بنالیتا ہے نعمتوں کے زمانے میں اس کا یہ حال ہوتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی[1] دعائیں کرنے لگتا ہے انسانوں کا جو حال ان آیات میں بیان فرمایا ہے، عموماً مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو دور کی

شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ

مخالفت میں پڑھ گیا۔ ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ بلا شبہ

الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ

وہ حق ہے، کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے، خبردار وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے

لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

شک میں ہیں، خبردار اس میں شک نہیں کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

ع ۶

منکرین کو قرآن حکیم کے بارے میں غور وفکر کی دعوت، اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

سورۂ حٰم سجدہ ختم ہو رہی ہے۔ شروع سورت میں قرآن مجید کی تنزیل اور تفصیل بیان فرمائی اور درمیان میں بھی قرآن مجید کی توصیف فرمائی اب آخر میں ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے مخاطبین سے فرما دیجئے کہ تم عقلمندوں کے طریقے پر سوچ لو اور اپنے نفع نقصان کو سمجھ لو، یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے میرا یہ دعویٰ ہے اور دلیل سے ثابت ہو چکا تم اس کے منکر ہوا اب تم غور کر لو اور سوچ کر بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا (یعنی آخرت میں اس کا من عند اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور تم اس کا انکار کر بیٹھے تو یہ مخالفت تم پر کس قدر بھاری پڑے گی تم عناد کی وجہ سے آج اس کے منکر ہو رہے ہو اور یہ صریح گمراہی ہے۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو حق سے دور ہوتا چلا جائے، جو شخص حق سے

---

(۱)........ (قال صاحب الروح ووصف الدعاء بما ذكر يستلزم عظم الطول ايضا لأنه لا بدات يكون أزيد من العرض والا لم يكن طولا.)

دور ہوگا وہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا آخرت میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں غور کرلو اور اپنے انکار کا انجام خود سوچ لو۔) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے) آفاق جمع ہے افق کی' افق کنارے کو کہتے ہیں اس سے آسمان اور زمین کے کنارے چاند سورج ستارے اشجار و انہار مراد ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے امم سابقہ کے واقعات مراد ہیں یعنی زمین میں جو سفر کرتے ہیں اور ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں پر گزرتے ہیں یہ بھی آفاق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھادیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی انسانوں کے نفسوں میں جو امراض آتے رہتے ہیں اور حالات بدلتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے یہ سب چیزیں سامنے آتی رہیں گی سمجھ دار انسان کا کام ہے کہ وہ آیات آفاقیہ سے بھی عبرت حاصل کرلے اور آیات اَنفسیہ سے بھی۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ یہ قرآن حق ہے) قرآن کا حق ہونا سمجھداروں پر ظاہر ہوگیا' ماننا نہ ماننا اور بات ہے دشمن بھی جانتے ہیں' گو مانتے نہیں۔

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ط (کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے) اس نے آپ ﷺ کی رسالت کی بار بار گواہی دے دی ہے آپ ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ کا گواہی دینا کافی ہے آپ ان لوگوں کے انکار اور عناد سے مغموم نہ ہوں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ (الاٰية) خبردار یہ لوگ آپ کے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں پڑے ہیں انہیں وقوع قیامت کا یقین نہیں اس لئے انکار پر کمر باندھ رکھی ہے لیکن یہ نہ سمجھیں کہ ان کی حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے وہ ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے لہٰذا وہ ان کی حرکتوں اور کرتوتوں پر سزا دے گا۔

وھٰذا اٰخر ما یسر اللّٰہ تعالیٰ لنا فی تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدۃ لیلۃ الثانی والعشرین فی محرم الحرام سنۃ ۱۴۱۸ھ من ھجرۃ سید الانام البدر التمام صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم القیام وعلیٰ اٰلہ واصحابہ البررۃ الکرام.

☆☆☆.................☆☆☆

مکی	سورۂ الشوریٰ	۵۳ آیتیں ۵ رکوع

آیاتھا ۵۳ (۴۲) سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ (٦٢) رکوعاتھا ۵

سورۃ الشوریٰ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ترپن (۵۳) آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿١﴾ عٓسٓقٓ ﴿٢﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾

حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ اسی طرح وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے اللہ جو عزیز ہے حکیم ہے،

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٤﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ برتر ہے بڑا ہے، کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر سے پھٹ

مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اہل زمین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ

خبردار! اللہ ہی مغفرت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز تجویز کر رکھے ہیں وہ اللہ کی نگاہ

عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ

میں ہیں آپ ان کے ذمہ دار نہیں اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی کی وحی بھیجی تا کہ آپ ام القریٰ

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿٧﴾

اور اسکے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں، ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں،

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لئے

مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ

کوئی دوست ہے اور نہ ہی مدد گار، کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کار ساز بنا رکھے ہیں سو اللہ ہی کار ساز ہے

وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز ہے، حکیم ہے، علی ہے، عظیم ہے، غفور ہے، رحیم ہے

یہ سورۃ الشوریٰ کے پہلے رکوع کا ترجمہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں، پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرح یہ سورت اپنے فوائد پر مشتمل ہو کر آپ کی طرف نازل کی جا رہی ہے اسی طرح آپ پر دوسری سورتوں کی بھی وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تھے ان پر وحی کی گئی، یہ وحی اللہ تعالیٰ نے بھیجی جو عزیز یعنی زبردست اور غالب ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کا ہے اس کی مخلوق اور مملوک بھی ہے، وہ برتر ہے اور عظیم الشان ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ (الأیة) (کچھ بعد نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں) اس میں مشرکین کی حرکت بد کی شناخت اور قباحت بیان فرمائی ہے کیونکہ آگے مشرکین کے شرک کا ذکر آ رہا ہے اس لئے پہلے ہی ان کی تردید فرما دی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ مریم میں فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ط لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ط اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ط (اور کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے یہ تو تم ایسی بھاری بات لائے کہ عجب نہیں آسمان پھٹ پڑیں اس کے باعث اور زمین شق ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ ٹوٹ کر، کہ ثابت کیا رحمٰن کے لئے فرزند) آیت کی یہ تفسیر صاحب معالم التنزیل نے اختیار کی ہے بعض دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بہت بڑی کثیر تعداد میں ہیں وہ آسمانوں میں سجدہ کئے ہوئے پڑے ہیں اور بہت سے فرشتے دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان فرشتوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا کوئی بعید بات نہیں آیت کا یہ معنیٰ لینا بھی بعید نہیں ہے چونکہ اس کے بعد فرشتوں کی تسبیح وتحمید کا ذکر ہے اس لئے اس کا یہ معنیٰ بھی مرتبط ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَطَّتِ السماء وحُق لها ان تاط والذی نفسی بیده ما فیها موضع اربع أصابع اِلّا وملکٌ واضع جبهتهٗ ساجد اللّٰه (آسمان چرچر بولتا ہے اور لازم ہے کہ وہ ایسی آوازیں نکالے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے نے سجدہ میں اپنی پیشانی نہ رکھ رکھی ہو) (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۴۵۷) اور مِنْ فَوْقِهِنَّ جو فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ آسمان پھٹنا شروع ہوں تو اوپر سے پھٹیں گے۔ پہلے سب سے اوپر والا آسمان پھر اس سے نیچے والا پھر اس سے نیچے والا۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کی صفات عالیہ بیان کرتے ہیں جن سے وہ متصف ہے تفسیر قرطبی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ وہ تعجب سے سبحان اللہ کہتے ہیں کہ

مشرکین کو کیا ہو گیا وحدہ لاشریک کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہیں اور خالق جل مجدہ کی ناراضگی اپنے سر لیتے ہیں)۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (اور زمین والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں) یعنی اہل ایمان جو دنیا میں بستے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (خبردار اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ غفور ہے رحیم ہے) اس کے بعد مشرکین کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے کارساز بنا لئے یعنی یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نگران ہے یعنی انکے اعمال سے باخبر ہے وہ ان کو سزا دے گا اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی جب چاہے گا سزا دے دیگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کو یہ قرآن وحی کے ذریعہ دیا جو عربی میں ہے تا کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ والوں کو ڈرائیں (جو آپ کے اولین مخاطب ہیں) اور ان لوگوں کو بھی ڈرائیں جو مکہ کے چاروں طرف رہتے ہیں یعنی دیگر اہل عرب ۔ ان سب کو کفر کی سزا سے ڈرائیں اور بتا دیں کہ اگر ایمان نہ لائیں تو اس کی سخت سزا ہے اور آپ سب کو جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرائیں اس سے قیامت کا دن مراد ہے جس کے واقع ہونے میں شک نہیں اس دن بندوں کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا اس کے بعد کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں پہلے سے اس کا فیصلہ ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا) یہ اجمالی فیصلہ دنیا میں سنا دیا ہے اور قیامت کے دن ہر فریق کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں چلے جائیں گے۔

اسکے بعد فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (الآية) یعنی ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اگر وہ چاہتا ہے تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا یعنی سب اہل ایمان ہی ہوتے، وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرما دیتا ہے اسکی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی رہیں اور اہل کفر بھی سورۂ الم سجدہ میں فرمایا، وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا (اگر ہم چاہتے ہر نفس کو اسکی ہدایت دے دیتے)۔

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (اور ظالموں کیلئے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت اپنی جگہ ہے لیکن انسانوں کو ہوش اور گوش اختیار دیا ہے اور ایمان و کفر کا فرق بتا دیا ہے اور دونوں کو جزا و سزا بھی بتا دی ہے اس لئے قیامت کے دن اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ کفر و شرک ظلم ہے۔ جب ظلم کی سزا ملے گی تو کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہ ملے گا۔

مشرکین کی تردید .... اس کے بعد شرک کا ابطال کیا اور اس کی قباحت بیان فرمائی اور فرمایا: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ (کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا لئے) یہ انہوں نے برا کیا فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ (کارساز اللہ ہی ہے) وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى (اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے) اس کے سوا کسی کو اس کی قدرت ہی نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور نہ صرف یہ کہ وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو قادر مطلق ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو کارساز بنانا حماقت کی بات ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ

اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے، وہ اللہ میرا رب ہے میں نے اس پر بھروسہ کیا اور

وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس نے تمہارے نفسوں میں سے جوڑے بنائے

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ

اور مویشیوں میں سے جوڑے بنائے وہ تمہیں مادرِ رحم میں پیدا فرماتا ہے اس جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں، وہ رزق بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور کم کردیتا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تم جس چیز میں اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے اس نے تمہارے جوڑے پیدا فرمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ کی صفاتِ جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں' پہلے تو یہ فرمایا کہ تم جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہوانہیں اللہ ہی کی طرف لوٹا دو یعنی اس کی کتاب جو فیصلہ دے اسے مان لو اور اسی کے مطابق عمل کرو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ فرمادیں کہ اللہ ہی میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں' توحید کی دعوت دینے میں تمہاری طرف سے کسی تکلیف کے پہنچ جانے سے میں نہیں ڈرتا۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی تخلیق میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے تمہاری جانوں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے لے کر آج تک جو نسلاً بعد نسل بنی آدم پیدا ہورہے ہیں اور جو پیدا ہوں گے ان میں یہ سلسلہ رکھا ہے کہ مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی' مرد عورتوں کے جوڑے ہیں اور عورتیں مردوں کے۔ اسی طرح اس نے مویشیوں میں بھی کئی قسمیں پیدا فرمائیں اور ان میں بھی نر و مادہ پیدا کئے جن سے ان کی نسلیں چل رہی ہیں۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ط (اور اس تخلیق کے ذریعے تمہاری تکثیر فرماتا ہے) اور اس کی قدرت سے تمہاری نسلیں چلتی ہیں۔

قال القرطبی ای یخلقکم وینشئکم "فیه" ای فی الرحم، وقیل فی البطن، وقال الفراء وابن کیسان "فیه" بمعنی به وکذلک قال الزجاج معنی "یذرؤکم فیه" یکثر کم به، ای یکثر کم یجعلکم أزواجا، ای حلائل، لانهن سبب النسل، وقیل ان الهآء فی "فیه" للجعل ودل علیه جعل فکانه قال یخلقکم ویکثر کم فی الجعلط

(علامہ قرطبی کہتے ہیں یعنی تمہیں پیدا کرتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش دیتا ہے اور بعض نے کہا "فیه" سے مراد ہے پیٹ میں فراء اور ابن کیسان نے کہا ہے "فیه" "به" کے معنی میں ہے اور اسی طرح زجاج کہتے ہیں۔ "یذرء کم فیه" کا معنی تمہیں اس کے ذریعے بڑھاتا ہے یعنی تمہیں خاوند جوڑے بنا کر بڑھاتا ہے کیونکہ بیویاں نسل کا سبب ہیں بعض نے کہا "فیه" میں 'ھا' جعل کے معنی میں ہے اور جعل اس پر دلالت کرتا ہے گویا کہ فرمایا وہ تمہیں پیدا کرتا ہے اور بنانے میں تمہیں زیادہ کرتا ہے)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ: .... لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کی طرح کوئی بھی چیز نہیں ہے) خالق تعالیٰ شانہ ہی کا وجود حقیقی ہے وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں تنہا ہے، بے مثال ہے، اس کی ذات کی طرح کوئی ذات نہیں، اس کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں۔ صفات کے اعتبار سے اگر کوئی لفظ کسی کے لئے بول دیا گیا ہے تو وہ محض اشتراکِ لفظی کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے' اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی متوحد اور یکتا ہے اور اپنی صفات میں بھی متفرد ہے اور اپنے اسماء میں بھی' جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم کی نسبت کرتے ہیں یا اس کے لئے مکان اور زمان اور جہت تجویز کرتے ہیں اور جو اسے تشبیہ اور تعطیل سے متصف کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں' خالق شانہ کی توحید کے منکر ہیں خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت نہیں۔ قال القرطبی والذی یعتقد فی هذا الباب ان الله جل اسمه فی عظمته وکبریائه وملکوته وحسنی أسمائه وعلی صفاته لایشبه شیأمن مخلوقاته ولا یشبه به فلا تشابه بینهما فی المعنی الحقیقی' اذ صفات القدیم جل وعز بخلاف صفات المخلوق اذصفاتهم لا

تنفک عن الاغراض والاعراض، وھو تعالٰی منزہ عن ذلک، بل لم یزل باسمائہ وبصفاتہ علی ما بیناہ فی (الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنٰی) وکفی فی ھذا قولہ الحق: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ. وقد قال بعض العلماء المحققین: التوحید اثبات ذات غیر مشبھۃ للذوات ولا معطلۃ من الصفات وزاد السیوطی رحمہ اللّٰہ بیانا فقال: لیس کذاتہ ذات، ولا کاسمہ اسمٌ ولا کفعلہ فعل، ولا کصفتہ صفۃ الامن جھۃ موافقۃ اللفظ، وجلت الذات القدیمۃ ان یکون لھا صفۃ حدیثۃ کما استحال ان یکون للذات المحدثۃ صفۃ قدیمۃ وھذاکلہ مذھب أھل الحق والسنۃ والجماعۃ رضی اللّٰہ عنھم ۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس باب میں جو اعتقاد رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بزرگی والا ہے اپنی عظمت و کبریائی اور مالکیت میں اور اپنے اسماء حسنیٰ میں اور اپنی صفات میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہے لہٰذا حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے کہ قدیم ذات کی صفات بلند ہیں اور بزرگی والی ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو اغراض اور اعراض سے جدا نہیں ہوسکتیں اور اللہ تعالیٰ اعراض و اغراض سے منزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہیں جیسا کہ ہم نے الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کیا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حق ذات کا یہ ارشاد کافی ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ بعض محققین علماء نے کہا ہے توحید ایسی ذات کے یقین سے مان لینے کا نام ہے کہ جو ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں ہے اور کسی صفت سے معطل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک بیان کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے نہ اس کے نام جیسا کوئی نام ہے اور نہ اس کے فعل جیسا کوئی فعل ہے اور نہ اس کی صفت جیسی کوئی صفت ہے مگر صرف لفظی موافقت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس کی کوئی صفت نئی پیدا شدہ ہو جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی فانی ذات کی کوئی قدیم صفت ہو یہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے)

وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ط (اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے وہ ہر بات کو سنتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے)

اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں............ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں) یعنی سارے خزانوں کا وہی مالک ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط (وہ پھیلا دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے) جس کے لئے چاہے اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جسکی اس نے نوح کو وصیت فرمائی اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اور ہم نے جسکی وصیت کی ابراہیم کو

وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ

اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو تم دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو! مشرکین کو وہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ

اِلَیْہِ ط اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا

انہیں بلاتے ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرتا ہے اسے اپنی طرف ہدایت دے دیتا ہے اور یہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر

جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ط وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ط

ضد اضدی میں اسکے بعد کہ انکے پاس علم آ گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے وقت معین تک ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو انکے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾

اور بلاشبہ ان کے بعد جنہیں کتاب دی گئی وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی وصیت فرمائی نوح اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی توحید اور فرمانبرداری اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا یہ اصل دین ہے اور یہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہے اور ان امور پر متفق ہوتے ہوئے مسائل فرعیہ متعلقہ عبادات اور معاشرت وغیرہ میں اختلاف رہا ہے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے اسی دین کو مشروع یعنی مقرر فرمایا جس کی نوح کو وصیت کی اور ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی اور یہی دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اسی دین پر قائم رہو اسی دین کی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آخر الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی (اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کامل عطا فرمادیا ہے جو عقائد کے اعتبار سے ان بنیادی عقائد پر مشتمل ہوتے ہوئے جو انبیاء سابقین علیہم السلام کے تھے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے احکام و اخلاق و آداب پر مشتمل ہے)۔

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کے ساتھ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ بھی فرمایا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اس کو ترک مت کرو، اس میں تبدیلی نہ کرو ایسا نہ کرو کہ کسی بات پر ایمان لائے کسی پر نہ لائے اور کسی بات کو مانا اور کسی کو نہ مانا (بنی اسرائیل ایسا کیا کرتے تھے جنہیں تنبیہ فرمائی تھی اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۔)

مشرکین کو آپ ﷺ کی دعوت ناگوار ہے: .... کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ. مشرکوں کو یہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں۔ ان کو ناگوار گزرنا دو طرح سے تھا اول اس طرح کہ مشرکین نے توحید کو چھوڑ دیا تھا اور اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں توحید کی دعوت دی تو انہیں بڑی ناگوار گزری اور بری لگی۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ لوگ یوں کہتے تھے کہ اللہ نے آپ ہی کو نبی کیوں بنایا ہم میں سے کسی مالدار کو نبی بنانا چاہئے تھا۔ انکے جواب میں فرمادیا۔

اللہ جسے چاہتا ہے اپنا بنالیتا ہے: .... اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنی اپنا بنالیتا ہے اور جو کوئی فضیلت کسی کو دینا ہو اس کیلئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ط (اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اسے اپنا راستہ بتادیتا ہے) یعنی اسے ہدایت دے دیتا ہے اراءۃ الطریق کے بعد ایصال الی المطلوب بھی فرمادیتا ہے یعنی قبول ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے۔

علم آنے کے بعد لوگ متفرق ہوئے: .... وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اور لوگ ضد اضدی کے باعث اس کے بعد متفرق ہوئے جبکہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ قریش مکہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ آرزو کرتے تھے کہ ان کی طرف کوئی نبی بھیجا جائے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی نبی آ گیا تو ہم پرانی امتوں سے بڑھ کر ہدایت والے ہوں گے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی تو منکر ہو گئے آپس کی ضد اضدی نے ان کے فرقے بنادیئے کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کچھ لوگ کفر و شرک پر جمے رہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں یہودیوں کو حسد کھا گیا اور جانتے بوجھتے ایمان نہ لائے اور نصاریٰ بھی انہیں کی راہ پر چل پڑے ان لوگوں کا متفرق ہونا اور رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ کے بیان میں اور اظہار حجت میں کوئی کمی تھی، حُبِّ دنیا اور مال وجاہ کی طلب نے انہیں ایمان سے روکا (ھذا ما ذکرہ القرطبی (ص ۱۲ ج ۱٦) وذکر قولاً ثالثاً وقال قیل امم الانبیاء المتقدمین فانھم فی بینھم اختلفوا لما طال بھم المدی فاٰمن قوم فکفر قوم اھ)۔ (یہ وہ ہے جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے اور ایک تیسرا قول بھی ذکر فرمایا کہ بعض نے کہا ہے سابقہ انبیاء کی امتوں میں اختلاف ہوا جب لمبا عرصہ گزرا تو ایک گروہ ایمان والا رہا اور ایک کافر ہو گیا)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط (اور اگر آپ کے رب) کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ کی جاتی (یعنی یہ فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا کہ انہیں قیامت کے دن عذاب دینا ہے دنیا میں عذاب نہیں دینا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا یعنی عذاب آ چکا ہوتا) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اجلِ مسمی سے دنیا میں عذاب آنے کا مقررہ وقت مراد ہے اسکے آنے تک عذاب رکا رہا پھر جب اجل مسمی آ گئی تو عذاب بھی آ گیا کما کان فی بدر۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ م بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ط (اور بلاشبہ جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے) علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہیں ان لوگوں کے بعد کتاب دی گئی جو حق میں ان سے پہلے اختلاف کر چکے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اورثوا الکتب سے قریش مراد ہیں جن کے پاس قرآن مجید آیا اور مِنْ م بَعْدِهِمْ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور مِنْهُ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

سو آپ اسی کی طرف بلایئے اور جیسا آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے، اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے' اور آپ فرمایئے کہ اللہ نے جو کتابیں

مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ

نازل فرمائیں میں ان پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں' اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں'

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ

ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں اللہ ہمیں اور تمہیں جمع فرمائے گا۔ اور اسی کی طرف جانا ہے اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑے

مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

میں رہتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو مان لیا گیا ہے ان کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب اور ان کے لئے سخت عذاب ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل فرمایا اور آپ کو کیا پتہ ہے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو،

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ

اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ

وہ حق ہے' خبردار اس میں شک نہیں کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں' اللہ بندوں پر مہربان

بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾

ہے وہ رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہ قوی ہے، عزیز ہے۔

ع ۲

استقامت اور عدل کا حکم، کافروں سے براءت کا اعلان

اوپر جس دین کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کی نوح اور ابراہیم اور موسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کو وصیت کی اور آپ کی طرف اس کی وحی بھیجی اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ اسی کی طرف دعوت دیتے رہیں اور آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح مستقیم رہیں اور مشرکین کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں۔ انہیں آپ کا دین ناگوار ہے اور یہ بھی ناگوار ہے کہ آپ انہیں دین توحید کی دعوت دیں اگر آپ کی دعوت میں ذرا سی بھی لچک آ گئی اور ان کی کسی بات کو مان لیا تو استقامت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

مزید فرمایا کہ آپ ان کو بتادیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتابیں نازل فرمائی ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں (جن میں قرآن مجید بھی ہے) اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم سے کوئی بات کہوں اور خود عمل نہ کروں اور تمہیں تکلیف میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں (لہٰذا تم میری بات مانو) اسے وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ میں بیان فرمایا۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے) جب سب اسی کے بندے ہیں تو لازم ہے کہ سب ایمان لائیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کا اتباع کریں اگر تم نہیں مانتے تو دیکھ لو سامنے آخرت کا دن بھی ہے سب اپنے اپنے اعمال لے کر حاضر ہوں گے ہمیں جو کچھ پیغام پہنچانا تھا پہنچادیا، ہمارا کام پورا ہو گیا اب ہمارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع فرمائے گا اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے وہ اصحاب توحید کو جزا دے گا اور اصحاب شرک کو سزا دے گا ہم اظہار حق اور دعوت توحید کے سوا کیا کر سکتے ہیں نہ ماننے کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔

معاندین کی دلیل باطل ہے: .... وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ (الآیات) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے میں حجت بازی کر رہے ہیں حالانکہ بہت سے عقل و فہم والے لوگوں نے اسے مان لیا ہے ان جھگڑا کرنے والوں کی دلیلیں باطل ہیں ان کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو توحید کے خلاف عقیدہ رکھنے کو ثابت کردے اگرچہ وہ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری دلیل کام دینے والی ہے لیکن جب بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ ان کی دلیل باطل تھی اسی باطل پر بھروسہ کئے رہے اور دنیا میں کفر و شرک پر جمے رہے، اللہ تعالیٰ کا ان پر بڑا غصہ ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے

مِنْ م بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ میں یہ بتایا کہ اللہ کے نبی نے جو توحید کی دعوت دی بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا آپ کے معجزات دیکھ کر دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ معاندین کو بھی غور کرنا چاہئے کہ جن لوگوں نے توحید کی دعوت قبول کر لی ہے کوئی دیوانے تو نہیں ہیں یہ بھی تو سمجھدار ہیں ہم ہی کو ضد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ قال فی معالم التنزیل ای استجاب له الناس فاسلموا ودخلوا فی دینه لظهور معجزته ط

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو اور میزان کو نازل فرمایا: .... اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ط (اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور میزان کو نازل فرمایا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور اکثر مفسرینؒ نے فرمایا کہ میزان سے عدل و انصاف مراد ہے کیونکہ میزان یعنی ترازو عدل و انصاف کا آلہ ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ میزان سے ترازو ہی مراد ہے کیونکہ اس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے اور کمی بیشی کا پتہ چلایا جاتا ہے۔

عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو: .... وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ (اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو) اس میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن واقعی طور پر ہر مکلّف اس کا مخاطب ہے ہر شخص فکر مند ہو کہ قیامت آنے پر میرا کیا بنے گا، عقائد اور اعمال کا حساب ہوگا تو میں کن لوگوں میں ہونگا۔ قیامت کی تاریخ نہیں بتائی گئی ہوسکتا ہے کہ عنقریب ہی واقع ہو جائے لہٰذا ہر وقت فکر مند ہونا چاہئے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا (جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ قیامت آنے کی جلدی مچاتے ہیں) چونکہ اس کے آنے کا یقین نہیں ہے اس لئے بار بار یوں کہتے ہیں وہ کیوں نہیں آجاتی، جلدی آجانی چاہئے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ (اور جو لوگ ایمان لائے وہ وقوع قیامت سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے) أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ (خبردار جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں) دلائل کے قائم ہو جانے کے باوجود بھی انکار پر اصرار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے: .... اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ (اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ قوی ہے عزیز ہے) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے نیک بندوں کو بھی کھلاتا ہے اور کفار و فجار کو بھی کھانے کی چیزیں دیتا ہے' کفر اور معصیت کی وجہ سے وہ اپنا رزق نہیں روکتا' مہربانی کی یہ ایک صورت ہے اور اس کے علاوہ اس کی بہت سی مہربانیاں ہیں دنیا میں بھی ان کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی مہربانی کا مظاہرہ ہوگا' علامہ قرطبیؒ نے لطیف کی تشریح کرتے ہوئے آٹھ دس معانی لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب دیتا ہے اور ایک یہ ہے کہ اس نے طاقت سے زیادہ اعمال کا مکلّف نہیں بنایا اور ایک یہ ہے کہ وہ سوال رد نہیں فرماتا اور امیدوار کو نا اُمید نہیں کرتا۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (وہ قوی بھی ہے اور عزیز ہے) اس کی مہربانی اور داد و دہش کو کوئی نہیں روک سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے

مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾

ہم اس میں سے اسے دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لئے کوئی بھی حصہ نہیں۔

طالب آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا

اس آیت کریمہ میں آخرت کے طلب گاروں اور دنیا داروں کی نیتوں کا اور اعمال کا اور ان کو جو بدلہ ملے گا اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی دنیا میں ایمان سے متصف ہے۔ اور اعمالِ صالحہ میں لگا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ میرے ان اعمال کا آخرت میں ثواب دیا جائے اللہ تعالیٰ اسے بہت زیادہ ثواب دے گا ایک نیکی کی کم از کم دس نیکیاں تو لکھی ہی جاتی ہیں اور ایک نیکی کا عوض سات سو گنا دینے کا قرآن مجید میں ذکر ہے كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ۔ سات سو گنا

ثواب بتانے کے بعد وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ بھی فرمادیا' حضرات علماء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہونا اور بڑھا چڑھا کر ان کا ثواب ملنا کوئی سات سو پر منحصر نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دے گا جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں' علم و عمل پھیلانے والوں اور دین کا چرچا کرنے والوں اور اعمالِ صالحہ کو آگے بڑھانے والوں کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے' جب تک معلّمین و مبلّغین کے بتائے ہوئے اعمال اور پڑھائے ہوئے امور کے مطابق لوگ عمل کرتے رہیں گے ان حضرات کو ان کے عمل کا بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی جس طرح دانہ ڈالنے کے بعد کھیتی بڑھتی ہے اور ایک دانہ بونے سے بہت سے دانے حاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح آخرت کے اعمال میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی کے لئے عمل کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں سے کچھ دے دیں گے جتنا وہ چاہتے ہیں اتنا دیں یا اس سے کم و بیش دیں۔ بہر حال جو کچھ ملے گا تھوڑا ہی ہوگا آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تو کسی دنیادار کا بڑے سے بڑا حصہ پاسنگ کا درجہ میں بھی نہیں آسکتا جتنی بھی دنیا مل جائے تھوڑی ہی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ طالبِ دنیا کو دنیا مل ہی جائے' جو کچھ ملے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور چونکہ اصلی دنیا دار مؤمن نہیں ہوئے اس لئے آخرت میں انہیں کچھ بھی نہیں ملتا' سورۃ الاسراء کی آیت کی تصریح اور تشریح دوبارہ پڑھ لیں۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا

(جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے' جس کے لئے چاہیں گے دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندا ہوا داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش کرے گا جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے اور وہ مؤمن بھی ہوگا سو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ

کیا ان کے لئے شرکاء ہیں جنہوں نے انکے لئے دین میں وہ چیزیں مشروع کر دی ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی' اگر فیصلہ کی بات طے شدہ نہ ہوتی

بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌ

تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے' آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان

بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ

پر واقع ہو کر رہے گا' اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے انکے لئے انکے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ

یہ بڑا فضل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی بشارت اللہ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۗ

آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کیلئے اس میں زیادہ خوبی کر دیں گے اور

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۗ

بلا شبہ اللہ بخشنے والا ہے قدر دان ہے کہ کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے سو اگر اللہ چاہے آپ کے دل پر مہر لگا دے

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت کرتا ہے' بلا شبہ وہ سینوں کی چیزوں کو جاننے والا ہے۔

قیامت کے دن ظالم لوگ اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے ڈر رہے ہونگے اور اہلِ ایمان اعمال صالحہ والے جنتوں کے باغیچوں میں ہونگے

اوپر تین آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جنہوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کرر کھے ہیں کیا انہوں نے ان کے لئے ایسے دینی احکام مشروع و مقرر کئے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں جو مخلوق کے لئے دین مشروع و مقرر کر دے نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا حق ہے' اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا حق ہے کہ اپنی مخلوق کے لئے دین مشروع فرمائے جب ان بنائے ہوئے شریکوں میں سے کسی نے ان کے لئے دین مشروع نہیں کیا تو ان کی عبادت کرنا حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ مشرکین پر لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسے وحدہ لاشریک جانیں۔

ان لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو عذاب کا مستحق بنا دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے کہ عذاب دنیا میں فلاں وقت ہوگا اور آخرت میں ضرور ہوگا اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کو دنیا میں ابھی عذاب دے دیا جاتا' عذاب کی تاخیر سے خوش نہ ہوں خوب سمجھ لیں کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے جس میں ضرور ہی مبتلا ہوں گے

دوسری آیت میں فرمایا کہ ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے یعنی قیامت کا دن جب ظالمین یعنی مشرکین اور کافرین اپنی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب سے ڈر رہے ہوں گے لیکن یہ ڈرنا کچھ مفید نہ ہوگا ان پر عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ اور اہلِ ایمان اعمال صالحہ والے بہشتوں کے باغوں میں نعمتوں میں مشغول ہوں گے' وہاں جو کچھ چاہیں گے ان کے پاس ان کے لئے موجود ہوگا۔ یہ جنتوں کا داخلہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے یہ دنیا کی چہل پہل اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔

تیسری آیت میں اول تو مؤمنین اعمال صالحہ والوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بشارت دیتا ہے کہ ان کو ایسی ایسی نعمتیں ملیں گے۔

دعوت و تبلیغ کے عوض تم سے کچھ طلب نہیں کرتا: ....اسکے بعد فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ (آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور ایمان لانے کی باتیں کرتا ہوں میری یہ محنت اور کوشش صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا' ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میری تمہاری رشتہ داریاں ہیں۔ رشتہ داری کے اصول پر جو تمہاری ذمہ داری ہے اسے پوری کرو' صلہ رحمی کو سامنے رکھ کر مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ تو یہ دوسری بات ہے۔ فهو استثناء منقطع وليس بمتصل حتى تكون المودة فى القربى اجرًا فى مقابلة اداء رسالة ؕ

رشتہ داری کے اصول پر تم میرے حق کو پہچانو اور ایذا رسانی سے باز آؤ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان بھی نہیں لاتے اور رشتہ داری کا بھی

خیال نہیں کرتے ایذا رسانی پر تلے ہوئے ہو یہ تو عربوں کی روایت کے بھی خلاف ہے۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى : کا ایک مطلب معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ میرا تم سے بس یہی سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو، عمل صالح اختیار کر کے اس کی دوستی کی طرف بڑھتے رہو (جب ایسا کرو گے تو میرا اجر بھی چند در چند ہو کر مجھے ملے گا اور تم لوگ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق رہو گے)

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ط (اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے) یعنی اسے ''چند کر کے اس کا ثواب بڑھا دیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ط (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے قدر دان ہے) لہٰذا گناہوں سے توبہ کرو اور نیکیوں میں لگ جاؤ اور خوب زیادہ ثواب پاؤ۔

قرآن کو افتراء علی اللہ بتانے والوں کی تردید:۔ چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ط (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی یہ لوگ ایسا کہتے ہیں) اس کے جواب میں فرمایا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ط (سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے) یعنی آپ کو قرآن بھلا دے لیکن وہ آپ پر برابر قرآن نازل فرما رہا ہے جو رحمتیں ابتدائے نبوت سے جاری تھیں وہ اب بھی جاری ہیں لہٰذا ان لوگوں کے قول سے رنجیدہ نہ ہوں' آپ پر برابر وحی آتی رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ آپ نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ (اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے) لہٰذا وہ ان کی باتوں کو مٹا دے گا وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (اور وہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ غالب کر دیتا ہے) لہٰذا وہ اپنے دین حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت فرما دے گا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ط (بلاشبہ اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے) اگر کسی نے کوئی اچھی یا بری بات سینہ میں چھپا کر رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کی جزا و سزا دے دیگا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور وہ ایسا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو'

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط وَالْكٰفِرُوْنَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے وہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کے اعمال میں اضافہ فرماتا ہے' اور جو کافر ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ

ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے روزی فراخ کر دے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں اور لیکن وہ نازل فرماتا ہے' ایک اندازہ

مَّا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا

کے ساتھ جو وہ چاہتا ہے' بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے

وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے اور وہ ولی ہے مستحق حمد ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے اپنی مشیت کے مطابق رزق نازل فرماتا ہے اور جب نا اُمید ہو جائیں بارش برساتا ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات جلیلہ اور نعمت ہائے عظیمہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے دوم یہ فرمایا کہ تم جو بھی کچھ عمل کرتے ہو وہ اسے جانتا ہے (اسے سچی توبہ کا بھی علم ہے اور صرف زبانی توبہ کو بھی جانتا ہے) سوم یہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے (نیک اعمال میں یہ بھی داخل ہے کہ دعا کرنے والا حرام روزی سے بچتا ہو) چہارم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اہل ایمان کے اعمال میں اضافہ فرماتا ہے یعنی مختصر سے عمل کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے اور ایک عمل کو کئی گنا کر کے خوب بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے۔ پنجم یہ فرمایا کہ کافروں کے لئے سخت عذاب ہے وہ دنیا کی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں اور آخرت کے عذاب سے ڈریں، ششم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے خاص اندازہ کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے اگر وہ بندوں کے لئے رزق کو پھیلا دے یعنی بہت زیادہ دے دے (اور سبھی کو بہت زیادہ مال مل جائے) تو زمین میں بغاوت کرنے لگیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کچھ لوگ زیادہ پیسے والے ہیں کچھ کم پیسے والے ہیں کچھ فقیر اور مسکین ہیں سب کو اس نے اپنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت کے مطابق موجودہ حال میں رکھا ہے اور اپنے بندوں سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ ہفتم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے اس وقت بارش برساتا ہے کہ جب وہ نا امید ہو چکے ہوتے ہیں، وہ بارش بھی برساتا ہے، رحمت بھی پھیلاتا ہے، بارش میں دیر ہوتی ہے تو بندے نا اُمید ہو جاتے ہیں اور جب بارش ہو جاتی ہے تو خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پھیل جاتی ہے اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، ہشتم دو عظیم صفات بتاتے ہوئے فرمایا وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (اللہ تعالیٰ ولی ہے کارساز ہے) مخلوق کی حاجتیں پوری فرماتا ہے اور اس کے سارے افعال لائق ستائش ہیں وہ بہر حال تعریف کا مستحق ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا جو اس نے ان دونوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے

اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

پر جب چاہے قادر ہے، اور تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور وہ بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْ

اور تم زمین میں عاجز بنانے والے نہیں ہو، اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے اور ان کی نشانیوں

ع ۴ الربع

اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ

میں سے کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح ہیں، اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے، سو یہ کشتیاں سمندر کی پشت پر رکی ہوئی رہ جائیں،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾

بلا شبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لئے یا وہ انہیں کے اعمال کی وجہ سے ہلاک فرما دے اور بہت سوں کو معاف کر دے

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

اور وہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں ان کے لئے کوئی بھی بچنے کی جگہ نہیں۔

آسمان وزمین اور چوپایوں کی تخلیق میں نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ تخلیق اور شانِ ربوبیت بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان کے اندر جو جاندار چیزیں پیدا فرمائی اور پھیلائی ہیں ان کو وجود بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ مخلوق جو آسمانوں میں اور زمین میں پھیلی ہوئی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ان کو جمع کرنا کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے اسے اس پر قدرت ہے کہ ان سب کو جمع فرمادے اور قیامت کے دن ایسا ہوگا۔

جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے: .... پھر فرمایا کہ تم میں سے جس کسی کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام وراحت کا نمبر ہی نہ آئے، بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو جان و مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ ہو گا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ آخرت میں گناہوں پر جو عذاب ہے وہ بہت سخت ہے دنیا میں جو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں وہ معمولی چیزیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کیلئے کوئی (بلند) مرتبہ دینے کا فیصلہ فرمادیتا ہے (لیکن) وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا فرمادیتا ہے یہ تکلیف اس کے مال، جان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر صبر عطا فرمادیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچادیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے پہلے سے مقرر کردیا گیا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷ از احمد و ابوداؤد)۔

یادرہے کہ مَآ اَصَابَکُمْ میں جوخطاب ہے یہ عام مؤمنین سے ہے۔ لہٰذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو معصوم تھے ان پر تکلیفیں کیوں آئیں ان حضرات کو جو تکلیفیں پہنچیں گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کی وجہ پہنچیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جس حال میں رکھے اسی میں رہو گے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے اور غیر اللہ سے اُمید باندھنا بھی فائدہ مند نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی (یعنی کارساز) نصیر (یعنی مددگار) نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کشتیاں بھی ہیں، پہاڑوں کے برابر بڑی بڑی کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں جنہیں آج کل باخرہ اور بحری جہاز کہتے ہیں ان کشتیوں میں خود بھی سوار ہوکر سفر کرتے ہیں اور ان پر مال بھی لے جاتے ہیں، بھاری بھاری کشتیاں سامان سے لدی ہوئی سمندر میں جاری ہیں، کشتی بان ہوا کے ذریعے ان کو چلاتے ہیں یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ کشتیاں سمندروں میں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اس میں صبر اور شکر کرنے والے بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ اب تو بڑے بڑے جہاز پٹرول سے چلتے ہیں، ہواؤں کا ان کے چلنے میں دخل نہیں ہے، اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور بندوں کا احتیاج بیان کرنا ہے، پیٹرول بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا ہے اور مشینوں اور انجنوں کی سمجھ اور ان کے چلانے کے طریقے بھی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے ہیں۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا ط وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ میں یہ فرمایا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ ہوا کو روک دے جس کی وجہ سے کشتیاں سمندر میں کھڑی رہ جائیں تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کشتیوں کو تباہ کردے (جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہوائیں خوب تیز چلنے لگیں اور اس کی وجہ سے کشتیوں میں بھونچال آجائے اور جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہوجائیں اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بہت سوں کو معاف فرمادے یعنی غرق نہ فرمائے، دنیا میں مؤاخذہ نہ فرمائے پھر اپنے قانون کے مطابق جسے چاہے آخرت میں سزا دے۔

وَیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ط (اور جب کشتی والوں کی ہلاکت ہونے لگے تو وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ہے) جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے مشرک ہیں، بتوں کی دھائی دیتے ہیں، ان کے سامنے جب کشتیوں اور کشتیوں میں سوار ہونے والوں کی تباہی کا منظر سامنے آجائے تو وہ سمجھ لیں کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی نفع نہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (وَیَعْلَمَ) قرأ أهل المدینة والشام وَیَعْلَمُ برفع المیم علی الاستئناف کقوله عزوجل فی سورة البراءة ویتوب الله علیٰ من یشآء" وقرأ الآخرون بالنصب علی الصرف والجزم اذا صرف عنه معطوفه نصب، وهو کقوله تعالیٰ. "وَیَعْلَمَ الصَّابرین" صرف من حال الجزم الیٰ النصب استخفافاً وکراهیة لتوالی الجزم.

(علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں کہا ہے "وَیَعْلَمَ" مدینہ اور شام کے قراء نے وَیَعْلَمُ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے یہ نیا جملہ ہے جیسا کہ سورۂ براءۃ میں ہے "وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" اور دوسروں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے صَرف کی بنیاد پر کیونکہ جب جزم سے اس کا معطوف پھیرا جاتا ہے تو نصب دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ہے جزم سے نصب کی طرف اس لئے پھیرا گیا ہے تاکہ تخفیف بھی ہوجائے اور مسلسل دو جزم بھی نہ آئیں)

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی

اور تم کو جو بھی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیا والی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آ جائے تو معاف کر دیتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾

اور جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا اور نماز قائم کی اور انکے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ظلم پہنچ جاتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔

جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اہل ایمان اور اہل توکل کے لئے بہتر ہے

ان آیات میں دنیا کی بے ثباتی بتائی ہے اور آخرت کے اجور اور ثمرات کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہ اجور و ثمرات اہل ایمان کو ملیں گے پھر اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے (۱) یہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔(۲) کبیرہ گناہوں سے اور فحش باتوں اور فحش کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔(۳) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔(۴) اور یہ لوگ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں یعنی دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔(۵) اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے امور آپس میں باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔(۶) انہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۷) اور جب ان پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں (ظلم نہیں کرتے جتنا ظلم ہوا اسی قدر بدلہ لیتے ہیں)۔

یہ ایسے امور ہیں جن کا پابند ہونا، زندگی بھر نبھاتے چلے جانا اہم کام ہے ان میں توکل کرنا بھی ہے اور گناہوں اور فحش کاموں سے بچنا بھی اور غصہ آ جائے تو معاف کرنا بھی اور مشورے سے کاموں کو انجام دینا بھی ہے صحیح طریقے پر نماز ادا کرنا اَقَامُوا الصَّلٰوةَ میں اور مالی فرائض اور واجبات ادا کرنا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں بیان فرما دیا، ایسے جامع الاوصاف اہل ایمان کے لئے آخرت کے اجر و ثواب کا خیر ہونا اور باقی ہونا ظاہر ہے۔

دنیا کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی میں کام آنے والی ہے اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اول یہ کہ جو لوگ دنیا میں جیتے اور بستے ہیں ان میں مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں دنیا سے فائدہ حاصل کرنے میں مؤمن یا کافر اور نیک بد کی کوئی تخصیص نہیں سب اس سے متمتع اور مستفید ہوتے ہیں اور دوسری جانب یہ بیان فرمایا کہ دنیا میں جسے جو کچھ ملا ہے وہ دنیا ہی کی حد تک ہے جب دنیا سے چلے جائیں گے سب یہیں دھرا رہ جائے گا (ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کیا اس کا ثواب وہاں مل جائے گا جسے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں بتا دیا)

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (جب ان کو ظلم پہنچتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں) اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ سیاقِ کلام سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جتنا ظلم ہوا ہے اس قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل آئندہ آیات کی تفسیر کے ذیل میں پڑھئے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور برائی کا بدلہ برائی ہے اسی جیسی، سو جو شخص معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، بلا شبہ وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ

اور البتہ جو شخص مظلوم ہو جانے کے بعد بدلہ لے لے سو یہ ایسے لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں، الزام انہیں پر ہے جو لوگوں پر

النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ

ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا

ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

بلا شبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

ع ۱۴ ۵

برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں، معاف کرنے اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے

تفسیر: اوپر جو آیات مذکور ہیں ان میں سے آخری آیت میں نیک بندوں کی صفات میں یہ بتایا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لے لیتے ہیں اس میں چونکہ کمی بیشی کا ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا افضل ہے اس لئے بطور استدراک ان آیات میں اوّلاً یہ بتایا کہ برائی کا بدلہ بس اسی قدر لینا جائز ہے جتنی زیادتی دوسرے فریق نے کی ہو، اگر کسی نے اس سے زیادہ بدلہ لے لیا جو اس پر زیادتی کی گئی تھی تو اب وہ اسی قدر ظلم کرنے والا ہو جائے گا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ بدلہ لینا جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے معاف کر دیا جائے، جو شخص معاف کر دے گا اس کا یہ معاف کر دینا ضائع نہ ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ معاف نہ کرے تو زیادتی بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ ثالثاً یہ فرمایا کہ جس شخص پر کوئی ظلم کیا گیا اور اس نے اسی قدر بدلہ لے لیا جتنا اس پر ظلم ہوا تھا تو اب اس کا مؤاخذہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے۔ ظالم یا ظالم کی مدد کرنے والے دوست احباب کنبہ قبیلہ کے لوگ اب اگر اس سے بدلہ کا بدلہ لیں گے تو یہ لوگ ظالم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کی گرفت ہوگی، یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ رابعاً ایک عام اعلان فرما دیا کہ صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی ہمت اور صبر کے کاموں میں سے ہے، ہر شخص اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص (بدلہ لینے کی) قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ

اور اللہ جس کو گمراہ کرے اس کے لئے اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اے مخاطب! تو انہیں اس حال میں دیکھے گا

هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ

کہ یوں کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس کئے جانے کا کوئی راستہ ہے؟ اور تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ دوزخ پر پیش کئے جا رہے ہوں گے ذلت کی وجہ سے جھکے ہوئے چھپی ہوئی نظر سے دیکھتے

خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے بلاشبہ پورے خسارے میں پڑ جانے والے وہ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے گھر والوں سے قیامت کے دن خسارہ میں پڑ گئے،

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

خبردار اس میں شک نہیں کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے، اور ان کے لئے اللہ کے سوا مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝

اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

قیامت کے دن ظالموں کی بدحالی، ہلاکت اور ذلّت کا سامنا

یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے یعنی ہدایت سے محروم فرمادے تو اس کے لئے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا ولی اور کارساز بنے، کوئی شخص اسے ہدایت نہیں دے سکتا اور کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا، پھر ظالموں یعنی کافروں کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ کیا ایسا کوئی راستہ ہے کہ ہم واپس کردیئے جائیں یعنی دنیا میں چلے جائیں پھر وہاں ایمان لائیں کفر اختیار نہ کریں لیکن وہاں سے واپسی کا کوئی قانون نہیں، مزید فرمایا کہ یہ لوگ جب دوزخ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل کئے جانے لگیں گے تو ذلت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نیچی نظر سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اہل ایمان کہیں گے کہ آج تو علی العیان پتہ چل گیا کہ اہل کفر سراسر خسارہ میں ہیں یہ اپنی جانوں کا بھی نقصان کر بیٹھے اور اپنے اہل وعیال کا بھی۔ ان کی جانیں بھی ہلاک ہوئیں اور ان کے متعلقین کی بھی، تمام کافروں کے لئے دوزخ ہے چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں یا سردار ہوں، یہ لوگ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اہل وعیال سے بھی اور وہاں کا عذاب تھوڑا سا نہیں اور تھوڑے سے دن کا نہیں، ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور دائمی عذاب ہے۔ اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (اور ان کے لئے مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر) یعنی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ اللہ کے فیصلے کے خلاف کوئی ان کی مدد کردے یعنی انہیں دوزخ سے چھڑا دے تو ایسا نہیں ہوسکتا وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

یعنی اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ کما قال تعالٰی فی سورۃ الکھف. وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ؕ اس آیت میں سابق مضمون کو دہرا دیا ہے جو تاکید کے لئے ہے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ

تم اپنے رب کا حکم مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں اللہ کی طرف سے واپس کرنا ہوگا، تمہارے لئے اس دن پناہ لینے کی

يَوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا

جگہ نہ ہو گی اور نہ کوئی نکیر کرنے والا ہو گا۔ پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کرنہیں بھیجا آپ کے ذمہ صرف

الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

پہنچانا ہے اور بلا شبہ بات یہ ہے کہ جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر انکے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے

فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ

تو بلا شبہ انسان ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کا اور زمین کا ملک وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے

اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ

اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جنسوں کو جمع کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

بلا شبہ وہ جاننے والا ہے اور قدرت والا ہے۔

قیامت آنے سے پہلے اپنے رب کا حکم مانو

ان آیات میں اوّلاً یہ ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا وہ واقع ہو گیا سو ہو گیا اس دن کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بات مان لو ایمان بھی قبول کرو اور عمل صالح بھی اختیار کرو جب قیامت کا دن ہو گا تو کسی کے لئے کوئی پناہ نہ ہو گی اللہ جس کو پناہ دے اسی کو پناہ مل سکے گی اور کافروں کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں اس دن جس شخص کے ساتھ جو بھی معاملہ ہو گا اس میں کسی کو کچھ بھی کسی کے بارے میں یہ کہنے کا اختیار نہ ہو گا کہ یہ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے؟

قولہ تعالیٰ وَمَالَكُم مِّنْ نَّكِيْرٍ ط قال القرطبیؒ أی لا تجدون منکرا یومئذٍ بما ینزل بکم من العذاب

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپؐ کی دعوت اور تبلیغ کے بعد مخاطب لوگ اگر اعراض کریں تو آپؐ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپؐ فکر نہ کریں اور غم میں نہ پڑیں آپؐ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا اور اگر ایمان نہ لائیں تو آپؐ سے اس کی کوئی باز پرس نہیں آپؐ نے پہنچا دیا آپ کا کام ختم ہوا آپ کی ذمہ داری اتنی سی ہے کہ آپؐ پہنچا دیں اور بس۔

انسان کا خاص مزاج رحمت کے وقت خوش اور تکلیف میں ناشکرا!:............اس کے بعد انسان کا ایک مزاج بتایا اور وہ یہ ہے کہ جب اسے نعمت ملتی ہے اور رحمت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے تو خوب خوش اور مگن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے جو انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور ایسے بول بولتا ہے کہ جو سابقہ نعمتیں تھیں گویا وہ اسے ملی ہی نہ تھیں، اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور معاصی سے توبہ بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت کا بیان، وہ اپنی مشیت کے مطابق اولاد عطا فرماتا ہے:............اس کے بعد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے وہی ان کا خالق اور مالک ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ انسانوں کی جو اولاد ہوتی ہے یہ سب اللہ

تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتی ہے۔ کسی کو مجال نہیں جو اس کی مشیت کے سامنے دم مار سکے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے جو جوڑے بنائے ہیں یعنی مرد اور عورت ان میں کسی کے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی کے ہاں صرف لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور کسی کو اللہ تعالیٰ بیٹا بیٹی دونوں جنسیں عطا فرما دیتا ہے اور ضروری نہیں کہ مرد عورت کا میل ملاپ ہو جائے تو اولاد ہی ہو جائے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے' وہ سب کے حال جانتا ہے حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ اور جو چاہے کر سکتا ہے اسے ہر چیز پر قدرت ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اس کی قدرت سب پر غالب ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

اور کسی بشر کیلئے یہ موقعہ نہیں ہے کہ وہ اللہ سے بات کرے ہاں وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے یا اس طرح بات ہو سکتی ہے کہ اللہ کسی رسول کو بھیج دے

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ

پھر وہ رسول اسکی اجازت سے اس کی مشیت کے مطابق وحی پہنچا دے' بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے' اور اسی طرح ہم نے آپکی طرف اپنے حکم سے قرآن کی

اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ

وحی کی' آپ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان؟ اور لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے

مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

ہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں جو اللہ کا راستہ ہے' جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے'

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع ۶

خبردار اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔

بندے اللہ تعالیٰ سے کیسے ہمکلام ہو سکتے ہیں؟

معالم التنزیل (ج ۴ ص ۱۳۲) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ اللہ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ اور اللہ کو دیکھتے کیوں نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا؟ آپ کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی بشر کیلئے یہ بات حاصل نہیں کہ اللہ سے بات کرے' بجز تین طریقوں کے' ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو الہام فرما دے' یعنی قلب میں کوئی بات ڈال دے یا خواب میں کوئی بات بتا دے (مفسرین نے وَحْيًا کا مصداق بتاتے ہوئے یہ دو صورتیں لکھی ہیں) یا اللہ تعالیٰ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کلام فرمایا تھا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے جو اللہ کا پیغام لے کر آ جائے اور اللہ کے حکم سے اللہ کی مشیت کے مطابق کسی رسول کو بطور وحی پیغام پہنچا دے یہ تین صورتیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (بے شک اللہ برتر ہے' مخلوق کو اس سے بات کرنے کا معائنہ کے طور پر تحمل نہیں ہے اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے

مطابق مذکورہ تین طریقوں میں سے اس نے جس طرح چاہا کلام فرمایا)۔

فائدہ نمبر: .... وَحْيًا کی تفسیر منام اور الہام سے جو کی گئی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منام اور الہام تو قطعی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو جو خواب میں بتایا گیا یا بطور الہام دل میں ڈالا گیا ہو وہ ظنّی ہے اور کسی کو اس پر شریعت کے خلاف عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ نمبر ۲: .... آیت کریمہ میں جو اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ فرمایا ہے۔ اس سے نورانی حجاب مراد ہے صحیح مسلم میں ہے۔

حجابه النور (اسکا پردہ نور ہے) لو کشفه لاحرقت سُبُحات وجهه ما انتهٰی الیه بصره من خلقه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱)
(اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے وجہ کریم کے انوار اس کی مخلوق کو وہاں تک جلا دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پردہ کے پیچھے سے کلام کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا تحمل نہیں دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں اور دیکھنے کی حالت میں بات چیت کر لیں جنت میں اللہ تعالیٰ شانہ قوت برداشت عطا فرما دے گا وہاں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے

اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور جس طرح ہم نے آپ سے پہلے انبیائے کرام کی طرف وحی بھیجی اسی طرح آپ کی طرف بھی روح یعنی نبوت کی وحی بھیجی۔ بعض مفسرین نے روح سے نبوت اور بعض حضرات نے روح سے قرآن مراد لیا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے) یعنی نبوت ملنے سے پہلے آپ کو یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ کی کتاب کیا ہے اور نہ آپ کو ایمانیات کا تفصیلی علم دیا گیا تھا جب آپ کو نبوت عطا کی گئی اللہ کی کتاب نازل ہوئی اور ایمان کی تفصیلات بتا دی گئیں۔ اس وقت آپ کو اللہ کی کتاب کا اور ایمانیات کا علم ہوا گو اجمالی ایمان پہلے سے حاصل تھا۔

قال القرطبی والصواب انهم معصومون قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك فی شئٍ من ذٰلک وقد تعاضدت الاخبار والاٰثار عن الانبیاء بتنزیههم عن هذه النقیصة منذ ولدوا' ونشأتهم علی التوحید والایمان بل علٰی اشراق انوار المعارف ونفحات ألطاف السعادة ومن طالع سیرهم منذ صباهم اِلٰی مبعثهم حقق ذٰلک. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں جہالت اور کسی قسم کے شک و شبہ سے پاک ہوتے ہیں ولادت سے ہی اس قسم کی نقائص سے پاک ہونے کے بارے میں خود انبیائے کرام سے احادیث و آثار کثرت سے مروی ہیں۔ ان کی نشو ونما توحید و ایمان ہی پر ہوتی ہے بلکہ انوارات و معارف اور سعادت کے الطاف کے ساتھ ہوتی ہے جس نے ولادت سے نبوت تک ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن دیا اور اس قرآن کو ایک نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیں) وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور بلاشبہ آپ سیدھے راستہ کی ہدایت بتاتے ہیں جس میں کوئی کجی نہیں ہے)۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

جو اللہ کا راستہ ہے، جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ راستہ اسی کا تجویز کیا ہوا ہے اور وہ

اس پر چلنے والوں سے راضی ہے لہٰذا اسی پر چلیں اَ لَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ط (خبردار تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے) وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

ولقد تم تفسير سورة الشورىٰ بحمد اللّٰه تعالىٰ وحسن توفيقه والحمد للّٰه تعالىٰ على التمام وحسن الاختتام والصلوٰة والسلام علىٰ سيد الانام وعلىٰ اٰله وصحبه البررة الكرام

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۂ زخرف	۸۹ آیتیں ۷ رکوع

(۴۳) سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ (٦٣) — اٰيَاتُهَا ۸۹ — رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ زخرف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں نواسی آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ

حٰـــمٓ۔ قسم ہے واضح کتاب کی۔ بلاشبہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور بلاشبہ وہ

اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾

ام الکتاب میں ہمارے پاس ہے، بلند ہے، حکمت والا ہے' کیا ہم نصیحت کو تم سے اس وجہ سے ہٹا لیں گے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾

اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے اور ان کے پاس جو بھی کوئی نبی آتا تھا اس کا مذاق بناتے تھے'

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو ہلاک کردیا جو زورآوری میں خوب بڑھ کر تھے اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر چکی ہے

قرآن کتاب مبین ہے' عربی میں ہے' نصیحت ہے' انبیائے سابقین کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کردیا گیا

اولاً قرآن ہی کی قسم کھا کر قرآن کی تعریف فرمائی ارشاد فرمایا کہ کتاب مبین کی قسم ہے ہم نے اپنی اسی کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا یعنی یہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کے اولین مخاطبین عرب ہیں یہ لوگ قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں' سمجھنا چاہیں گے تو سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے) اس کے بعد قرآن کی برتری بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ ہمارے پاس ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں محفوظ ہے، وہ بلند بھی ہے اور حکمتوں سے پُر ہے (اور بعض حضرات نے حکیم کا ترجمہ ''محکم'' کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لفظی اور معنوی اعتبار سے استحکام ہے یعنی اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (اور سورۃ البروج میں فرمایا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم جو قرآن نازل کر رہے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، یہ قرآن نازل ہوتا رہے گا تم یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اس لئے قرآن کا نازل ہونا بند ہو جائے گا، تمہارا یہ خیال غلط ہے اس میں تمہارے لئے نصیحت بھی ہے اور اس کے نازل ہونے میں تم پر حجت بھی قائم ہوتی ہے اور اہل ایمان کے لئے نافع اور مفید ہے۔

قال القرطبي و انتصب صفحًا على المصدر لان معنى افنضرب افنصفح وقيل التقدير افنضرب عنكم الذكر صافحين. (علامہ قرطبیؒ فرمایا صفحاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضْرِبُ کا معنی ہے اَفَنَصْفَحُ بعض نے کہا اصل عبارت یوں ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذكر صافحين.)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے ہیں (لفظ کم تکثیر کے لئے ہے) مطلب یہ ہے کہ ہم نے کثیر تعداد میں نبی بھیجے لیکن ان کی اُمتوں کا طریقہ یہ رہا کہ جو بھی نبی بھیجا جاتا اس کا مذاق بناتے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں جو لوگ بہت زیادہ زور آور تھے، موجودہ مخاطبین سے قوت میں بڑھ کر تھے، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، ان مخاطبین کی ان لوگوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں، وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ اور پہلے لوگوں کی حالت گزر چکی ہے۔ ان میں بعض کا انہیں علم بھی ہے۔ پھر بھی قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اپنے انجام کی طرف نظر نہیں کرتے وهذا مثل قوله تعالىٰ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِىْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا اور انہیں ہم نے جو کچھ دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، سو کیسا عذاب ہوا میرا)۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩ الَّذِىْ جَعَلَ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں عزیز علیم نے پیدا فرمایا جس نے تمہارے لئے

لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠ وَالَّذِىْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

زمین کو بچھونا بنا دیا اور تمہارے لئے اس نے راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور جس نے ایک انداز سے آسمان

مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١ وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام اقسام کو پیدا فرمایا اور تمہارے

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝١٢ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ

لئے کشتیاں اور جانوروں میں سے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے رب کی نعمت کو

رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝١٣

یاد کرو جب تم اس پر بیٹھ جاؤ اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے نہ تھے

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝١٤

اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

آسمان وزمین کی تخلیق، زمین کا بچھونا بنانا، کشتیوں اور چوپایوں کی نعمت عطا فرمانا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور بندوں کے لئے جو نفع کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان سب چیزوں کو وجود بخشنے اور بندوں کے لئے مسخر کرنے میں توحید کے دلائل ہیں، ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو یہ لوگ خود ہی اقراری ہونگے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جو عزیز بھی ہے یعنی غالب اور علیم بھی ہے جو سب کچھ جانتا ہے پھر فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جس پر آرام سے رہتے اور بستے ہو) وَجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا (اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ (تاکہ تم ہدایت پاؤ) یعنی تم اپنے اسفار میں جاؤ تو ان راستوں سے گزرو اور اپنے مقاصد پورے کرو اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تم فکر کرو اور ہدایت پاؤ اور توحید پر آؤ کہ جس ذات پاک نے یہ زمین پیدا فرمائی اور اس میں راستے بنائے وہ وحدہ لاشریک ہے۔

مزید فرمایا وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ (اور وہ ذات پاک جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار کے ساتھ پانی نازل فرمایا) فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (پھر ہم نے اس کے ذریعے زمین کے مردہ حصہ کو زندہ کردیا کَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (جیسے اس نے مردہ زمین کو زندگی بخشی خشک ہونے کے بعد سرسبز اور شاداب ہوگئی اسی طرح سے تم قبروں سے نکالے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے اس کا نمونہ تمہارے سامنے ہے زمین کی موت اور حیات کو دیکھ لو اور اس سے سمجھ لو کہ تمہارا زندہ فرمانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا (اور وہی ذات ہے جس نے مخلوق میں طرح طرح کے انواع واقسام پیدا فرمادیئے مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی، میٹھی چیزیں بھی ہیں اور کھٹی بھی، سفید بھی اور سیاہ بھی ہیں اوپر بھی ہیں اور نیچے بھی، دائیں جانب بھی ہیں اور بائیں جانب بھی، وغیرہ وغیرہ۔

وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ (اور اس نے کشتیاں اور سواریاں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے) لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُھُوْرِهٖ (تاکہ تم اچھی طرح ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ) جب خوب اچھی طرح جم کر جانوروں کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کو ایڑھ مار کر چلاتے ہیں اور ان کی پشتوں پر بیٹھنے اور جمنے کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں۔ گھوڑے پر زین کستے ہیں اور اونٹ پر کجاوہ باندھتے ہیں اور اس کے اٹھے ہوئے کوہان کے باوجود اس کی کمر پر بیٹھتے ہیں اور اس پر سفر کرتے ہیں۔

وقوله تعالیٰ مَاتَرْکَبُوْنَ ماموصوله والعائد محذوف والضمیر المجرور فی ظھورہ عائد الی لفظ ماوجمع الظھور رعایة للمعنی۔ (اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَاتَرْکَبُوْنَ میں ماموصولہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور ظُھُوْرِهٖ کی ضمیر مجرور لفظ ما کی طرف لوٹتی ہے اور ظُھُوْر کو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے۔)

سوار ہونے کی دعاء: ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ (پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جاؤ (یہ یاد کرنا زبان سے اور دل دونوں سے ہونا چاہئے زبان سے یاد کرنے کی دعا بھی بتادی فرمایا وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کردیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے) وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (اور بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں) اس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور ساتھ ہی اس بات کا بھی دھیان رکھیں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اسی دنیا میں نہیں رہنا مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے، زندگی کا اور نعمتوں کا حساب بھی ہونا ہے۔

جب جانور پر سوار ہو تو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔ سنن ترمذی (کتاب الدعوات) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سواری کے لئے جانور لایا گیا' جب رکاب میں پاؤں رکھا تو بسم اللہ کہا' پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو الحمدللہ کہا' پھر یہ آیت پڑھی سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ط وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ط (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے) اسکے بعد تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تین بار اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہا پھر یہ دعا پڑھی سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ط (اے اللہ! تو پاک ہے بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے) اسکے بعد آپ ہنسے عرض کیا گیا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں ہنسے؟ آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ شانہ' کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے جب بندہ رب اغفرلی کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا' (وھو فی المشکوٰۃ ص ۲۱۴)

سَخَّرَ لَنَا کی تشریح:........سواری کی جو دعا قرآن وحدیث میں بتائی اس میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے جو فائدہ اٹھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جانور پیدا فرمائے۔ پھر جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا یہ مستقل نعمت ہے ان پر سواری کرو، سامان لادو، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مسخر نہ فرماتا تو ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے (جب جانور بدک جاتا ہے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے)۔

ع ۱۵ ۷

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ۭ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ

اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے جزو ٹھہرا دیا' بلاشبہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے' کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں

وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝۱۶ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا

پسند کیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور جب ان میں سے کسی ایک کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے اس نے بطور مثال رحمان کیلئے تجویز کیا ہے تو اسکا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۱۷ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝۱۸ وَجَعَلُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ

اور وہ دل میں گھٹتا ہے' کیا جو زیور میں نشوونما پائے اور وہ مباحثہ میں واضح بیان نہ دے سکے اور ان لوگوں نے فرشتوں کو

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ۝۱۹

عورتیں قرار دے دیا جو اللہ کے بندے ہیں' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے' ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور ان سے باز پرس ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید، فرشتوں کو بیٹیاں بتانے والوں کی جہالت اور حماقت

مشرکین عرب اور دیگر مشرکین جو دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جن میں نصاریٰ بھی ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر لی' سب جانتے ہیں کہ اولاد اپنے باپ کا جز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے جز تجویز کرنا ہوا۔ اہل عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا

بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے مشرکین کا یہ عقیدہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (بلاشبہ انسان صریح ناشکرا ہے) اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے لیکن وہ تو توحید کے خلاف بات کرتا ہے اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرتا ہے یہ منعم حقیقی کی شکر گزاری کے تقاضوں کے خلاف ہے اور صریح ناشکری ہے۔

اس کے بعد فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتانے والوں کی تردید کی اور بطور استفہام انکاری ارشاد فرمایا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا اس نے اپنے لئے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کرلیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کرلیا اس کے لئے اولاد ہونا عیب کی بات ہے۔ وہ اس عیب سے پاک ہے لیکن تم اپنی بیوقوفی تو دیکھو کہ رحمان جل مجدہ کے لئے اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو اس کے لئے بیٹیاں تجویز کر دیں اسی کو سورۃ النجم میں فرمایا اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ط (کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں یہ تو اس حالت میں بے ڈھنگی تقسیم ہے)۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس خبر سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم میں گھٹنے لگتا ہے، جس چیز کو اپنے لئے اتنا زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں اس کو اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں اور یہ نہ سوچا کہ جو چیز زینت میں اور زیور میں نشو ونما پاتی ہے یعنی لڑکی اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو ٹھیک طرح اپنا دعویٰ بھی بیان نہ کر سکے کیا ایسی چیز کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں؟ ایسی کمزور چیز کو اللہ کی اولاد تجویز کر بیٹھے اور حماقت پر حماقت کرتے چلے گئے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ط (کیا یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا) یعنی یہ تو موجود نہیں تھے انہوں نے اللہ کی مخلوق کے بارے میں کیسے تجویز کرلیا کہ وہ عورتیں ہیں یہ ان کی جرأت جاہلانہ اور مشرکانہ ہے، سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ ط (ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لکھا جاتا ہے۔) قیامت کے دن اسے اپنے اعمال نامہ میں پائیں گے وَيُسْئَلُوْنَ (اور ان سے سوال کیا جائے گا) کہ تم نے جو یہ بات کہی تھی اس کی کیا دلیل تھی (والسین فی قوله تعالٰی ستکتب زیدت للتا کید کما ذکره صاحب الروح ص ۷۲ ج ۲۵) (اور سَتُكْتَبُ میں جو سین ہے یہ تاکید کیلئے زیادہ کی گئی ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ط مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ق اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس بات کی کچھ بھی تحقیق نہیں وہ محض اٹکل سے بات کرتے ہیں' کیا ہم نے انہیں

كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

اس سے پہلے کتاب دی ہے جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ انہوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انکے طریقوں کے

مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ لا اِنَّا

مطابق راہ یاب ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اسکے خوشحال لوگوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿٢٣﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا

دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے طریقوں کا اقتداء کرنے والے ہیں۔ انکے پیغمبر نے کہا کیا اگر چہ میں تمہارے پاس اس سے بڑھ کر ہدایت والی

وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۲۴ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ

چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ سو دیکھ لیجئے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۲۵

جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید، آباء واجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت

تفسیر: جب مشرکین کو متنبہ کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ تم جو شرک میں پڑے ہوئے ہو یہ گمراہی ہے اور تمہارا خالق اور مالک جل مجدہ اس سے راضی نہیں ہے تو کٹ حجتی کے طور پر یوں کہتے تھے کہ اگر ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے تو ہمیں اپنے علاوہ دوسروں کی عبادت کیوں کرنے دیتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک بت پرستی کا عمل صحیح ہونے کی یہ ایک بہت بڑی دلیل تھی، اللہ جل شانہ نے فرمایا مَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ (ان کو اس بات کی تحقیق نہیں) اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (یہ لوگ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) مشرکین کی یہ بات سورۂ انعام کی آیت سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا (الآیۃ) اور سورۂ نحل کی آیت وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (الآیۃ) میں گزر چکی ہے ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا جب اس نے ہمیں غیر اللہ کی عبادت کا موقع دیا یعنی ہمیں جبراً اس عمل سے نہیں روکا تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے عمل سے راضی ہے، یہ ان لوگوں کی جاہلانہ اور احمقانہ دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ابتلاء اور آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے اور آزمائش جب ہی ہو سکتی ہے جب حق اور ناحق بیان کر دیا جائے اور اچھے برے اعمال بتا دیئے جائیں اور کرنے نہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے اگر جبراً کوئی کام کروا لیا جائے تو اس میں امتحان نہیں ہوتا لہٰذا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ کفر و شرک کے اعمال پر ہم کو قدرت اور اختیار دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے کیونکہ امتحان کے لئے قدرت دے دینا راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے، یہ لوگ اپنے کفر و شرک کو جائز کرنے کیلئے اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ (الآیۃ) (کیا ہم نے انہیں اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں) یعنی مشرکین عرب کے پاس ہم نے قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی اگر اس سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل کی جاتی اور اس میں شرک کی اجازت ہوتی تو اس کو دلیل میں پیش کرتے، ان کے پاس باپ دادوں کی تقلید کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جب انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم باطل پر ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے، ہم انہیں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

دلائل صحیحہ قاہرہ کو نہ ماننا اور باپ دادوں کا اتباع کرنا دنیا میں پرانی رسم ہے اسی کو فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ ط (الآیۃ) اور جس طرح یہ لوگ جواب دیتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا تھا جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے تھے ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ہمارے امام تھے اور ہم ان کے مقتدی ہیں۔

لوگوں کی یہ جاہلانہ بات سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ اور سورۂ لقمان میں بھی ذکر فرمائی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ط (کیا باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر

نہ ہوں) اور سورۂ لقمان میں فرمایا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (کیا اپنے باپ دادوں کی اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو) خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کی تقلید کوئی چیز نہیں، ہاں اگر وہ ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع کیا جائے گمراہی میں کسی کا بھی اتباع کرنا گمراہی ہے، اتباع اس کا کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو کما قال تعالیٰ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى (الآیة) سابقہ امتوں کی طرف جو نذیر بھیجے گئے ان کے مالدار لوگوں نے جو انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے پر ہیں اسی کا اقتداء کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات نے سوال کیا کہ تم نے جن طریقوں پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اگر ہم اس سے بڑھ کر اور بہتر ہدایت لے کر آئے ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہو گے اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔

جب ان لوگوں نے حق کو نہ مانا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرما دیا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، سو اس میں کوئی

سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ

شک نہیں کہ وہ مجھے ہدایت دیتا ہے، اور اس نے اپنے بعد میں آنے والی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تا کہ وہ باز آئیں۔ بلکہ میں نے انہیں اور ان کے

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

باپ دادوں کو سامان دے دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین آ گیا اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے

وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور بے شک ہم اس کے منکر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرک سے برأت کا اعلان فرمانا اور دعوت حق کا ان کی نسل میں باقی رہنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے قریب مشرکین کے علاقے میں پیدا ہوئے تھے ان کے علاقہ کے لوگ بُت پرست بھی تھے اور ستارہ پرست بھی، ان کا باپ بھی مشرک بُت پرست تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور حق کو قبول نہ کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بَری اور بیزار ہوں میں تو صرف اس ذات کی عبادت کرتا ہوں، جس نے مجھے پیدا کیا اسی نے مجھے ہدایت دی اور وہ مجھے ہدایت پر رکھے گا۔ لفظ فطرنی میں تعریض ہے کہ تم لوگ حماقت کے کام میں لگے ہوئے ہو تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا جس نے مجھے پیدا کیا، لہٰذا پیدا کرنے والے کی عبادت کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور اپنی بیوی کو لے کر فلسطین چلے گئے، راستہ میں ایک اور بیوی بھی مل

گئی (جس کی تفصیل سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے) ان دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی۔ بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل ان کی اولاد ہیں۔ وہ جو انہوں نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور شرک سے بیزاری کا اعلان کیا۔ انکی یہ بات ان کی اولاد میں بھی رہی جسے یہاں وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ سے اور سورۂ بقرہ میں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور اسے اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی نسل کے لوگ شرک سے باز آئیں' لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ، میں یہ بات بتائی ہے۔

قریش مکہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور شرک اختیار کئے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو توحید پر جمنے کی وصیت فرما کر اپنی ذمہ داری پوری فرما دی تھی لیکن اہل عرب اکثر مشرک ہو گئے تھے پھر جب نبی عربی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی تو برس ہا برس کی محنت کے بعد قریش مکہ نے شرک چھوڑا اور توحید پر آ گئے' فصلی اللّٰه علی خلیله و حبیبه

اس کے بعد فرمایا بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ (الاٰية) ان لوگوں کے پاس حق تو آ گیا ہے لیکن قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کو اور ان کے باپ دادوں کو میں نے دنیا کا سامان دے دیا یہ لوگ اس میں مشغول ہیں اس مشغولی نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ جب ان کے پاس حق آ گیا اور رسول مبین یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جنہوں نے واضح طور پر توحید کی دعوت دے دی جسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا تھا تب بھی حق کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ط (اور جب ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے یہ جادو ہے ہم اسے نہیں مانتے) قرآن کو ان لوگوں نے جادو بتا دیا اور اس کی دعوت حق کو ماننے سے منکر ہو گئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو

رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے بعض کو بعض

دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ

پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب

اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا

لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں' انکے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی

يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ط وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ

جن پر وہ چڑھتے ہیں اور گھروں کے لئے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ صرف

لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

دنیا والی زندگی کا سامان ہے۔ اور آپ کے رب کے پاس آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔

مکّہ والوں کا جاہلانہ اعتراض کہ مکہ یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے نبی کیوں نہ آیا؟ اہلِ دنیا کو دنیا ہی محبوب ہے، سونے چاندی کے اموال دنیا میں کام آتے ہیں اور آخرت متّقیوں کے لئے ہے

دنیا دار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال واسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں خواہ کیسا ہی بڑا ظالم، خائن، سود خور، کنجوس مکھی چوس ہو، جب کسی بستی یا محلّہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے؟ تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مالدار صاحبِ اقتدار ہو، اخلاق فاضلہ والے انسان اللہ کے عبادت گزار بندے علوم ومعارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور یہی حال رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ اور خصالِ حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا جو جہاں تکذیب اور انکار کے لئے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہرِ مکہ یا شہرِ طائف کے بڑے آدمیوں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہئے تھا وہی رسول ہوتا اسی پر قرآن نازل ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری بھی حاصل نہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ولید بن المغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہلِ مکہ میں سے اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا۔ یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ط (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کے لئے تجویز کریں رسول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کے لئے چاہیں عہدۂ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمائے۔ وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اسے ان اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے جن کا نبوت کے لئے ہونا ضروری ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے اور نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا۔ پھر فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے ان کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی) کسی کو غنی بنایا، کسی کو فقیر، کسی کو مالک اور کسی کو مملوک لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا، اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے

ہیں، کم پیسے والے مزدور لگالیتے ہیں دنیا اسی طرح چل رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرمادیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا ہے جو بہت ہی بلندوبالا چیز ہے قال القرطبی فاذالم یکن امر الدنیا الیھم فکیف یفوض امر النبوۃ الیه. وَ رَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ط (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت اس کے اختیار میں کیسے دی جاسکتی ہے) (اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ پروردگار جل مجدہ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

وَلَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ (الأيات الثلث) ان تینوں آیتوں میں دنیا کی حقارت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی طریقہ اختیار کرلیں گے اور ایک ہی جماعت بن جائیں گے یعنی دنیا کی رغبت رکھنے کی وجہ سے عام طور پر لوگ کفر ہی اختیار کرلیں گے تو ہم کافروں کو اتنا سونا چاندی دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے زینے اور سیڑھیاں جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں ان سب کو سونے چاندی کا بنادیتے (انسان کا مزاج چونکہ دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتا ہے اس لئے یہ دیکھ کر کہ کافر ہونے میں دولت ملتی ہے ایمان قبول نہ کرتے اور کفر ہی کو اختیار کئے رہتے، اس لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ مال ودولت صرف کافروں ہی کو دیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ اہل ایمان میں بھی مالدار رکھے ہیں اور کافروں میں بھی اور دونوں جماعتوں میں تنگدست بھی ہیں اور فقیر بھی۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت ہی زیادہ حقیر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بھیڑ کے ایک بچے کے پاس سے گزرے جو مرا ہوا تھا اور اس کے کان بھی کٹے ہوئے تھے اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ایک درہم کے عوض اس کو لے لے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ اسے تو ہم مفت میں لینا بھی پسند نہیں کرتے! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ کے نزدیک پوری دنیا اس سے زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ (مرا ہوا بچہ) تمہارے نزدیک ذلیل ہے۔ (رواہ مسلم) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اتنی زیادہ ذلیل ہے اگر وہ اسے اپنے دشمنوں کو بھی دے دے تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے پھر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انہیں آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملنی لہٰذا انہیں دنیا میں بہت کچھ دے دیا جاتا ہے، مؤمن بندوں کو کافروں کی دنیا دیکھ کر رال ٹپکانا مؤمنانہ سمجھداری کے خلاف ہے۔

حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ دنیا ایک سامان ہے جو سب کے سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک وبد سب کھاتے ہیں اور بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلہ کرے جو عادل ہے، قادر ہے، حق ثابت فرمائے گا اور باطل کو باطل کردے گا تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے مت بنو کیونکہ ہر ماں کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

قوله تعالىٰ (وَزُخْرُفًا) قال القرطبي الزخرف هنا الذهب وانتصب زُخْرُفًا على معنى وجعلنالهم مع ذلك زخرفًا: وقيل بنزع الخافض والمعنى فجعلنا لهم سُقُفًا وابوابا وسرراً من فضة ومن ذهب فلما حذف "مِنْ" قال

"وَزُخْرُفًا" فنصب۔ (اللہ تعالیٰ کا قول زُخْرُفًا کے بارے میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہاں زُخْرُف سے مراد سونا ہے اور زُخْرُفًا اس لئے منصوب ہے کہ معنی یہ بنے گا اور ہم نے ان کیلئے اس کے علاوہ سونا بنایا ہے۔ بعض نے کہا حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی اس طرح ہے کہ ہم نے ان کیلئے چھتیں، دروازے اور تخت چاندی وسونے کے بنائے (مِنْ ذَهَبٍ) جب من حذف کیا تو زُخْرفًا کو نصب دیدی گئی)۔

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اور یہ سب دنیا والی زندگی کے سامان کے سوا کچھ نہیں (دنیا حقیر ہے اور فانی ہے یہ چیزیں بھی حقیر ہیں اور فانی ہیں)۔

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ط (اور آخرت یعنی اس کی باقی رہنے والی نعمتیں آپ کے رب کے نزدیک متقین کیلئے ہیں) وہ وہاں ان سے متمتع ہوں گے اور وہ نعمتیں دائمی ہوں گی۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ

اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں' سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور بلا شبہ وہ ان کو راستہ

عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ

سے روکتے ہیں اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں' یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کہ اے کاش! میرے اور تیرے

الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ

درمیان مشرق اور مغرب والی دوری ہوتی سو تو برا ساتھی تھا' اور جب تم نے ظلم کیا تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

میں شریک ہو۔ کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے یا اندھوں کو ہدایت دے دیں گے اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں'

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا ہم آپ کو وہ چیز دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں'

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ

سو آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے، بلاشبہ آپ صراط مستقیم پر ہیں اور بلا شبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کیلئے اور آپ کی قوم کے لئے

وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ ۗ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا اور اپنے رسولوں میں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا

اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

دوسرے معبود تجویز کئے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟

جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو اس پر شیطان مسلّط کر دیا جاتا ہے قیامت کے دن اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا کہ دوسروں کو بھی تو عذاب ہو رہا ہے' آپ کی زندگی میں بھی ان پر عذاب آسکتا ہے

تفسیر لفظ یَعْشُ عَشٰی یَعْشُوْ سے یَدْعُوْ کے وزن پر مضارع کا صیغہ ہے من شرطیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے جس کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو تب بھی نظر نہ آئے اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ نظر کمزور ہو جائے جس سے اچھی طرح نظر نہ آئے' آیت کا مطلب یہ ہے بہت سے لوگوں کے پاس حق آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آئی یعنی انھوں نے قرآن کو سنا اور سمجھا لیکن قصداً اور ارادۃً اس کی طرف سے اندھے بن گئے' جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اب یہی شیطان ان کا ساتھی بنا رہتا ہے اور ان کو حق قبول نہیں کرنے دیتا اور حق پر نہیں آنے دیتا یہ شیاطین جو اس قسم کے لوگوں کے ساتھی بن جاتے ہیں ان گمراہی اختیار کرنے والے لوگوں کو راہِ حق سے روکتے ہیں اور یہ لوگ (جن کے ساتھی شیاطین بن جاتے ہیں) راہِ حق سے ہٹ جانے اور گمراہی میں پڑ جانے کے باوجود یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں' یہ شیطان اس قرین کے علاوہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین فرشتہ اور ایک قرین شیطان مقرر ہے۔ (رواہ مسلم)

ان گمراہوں کی دنیا میں تو شیاطین سے دوستی ہے لیکن جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو گمراہ ہونے والا آدمی اپنے ساتھی یعنی شیطان سے کہے گا کہ تو نے میرا ناس کھویا کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق کے درمیان ہے تو میرا بُرا ساتھی تھا تو نے مجھے گمراہ کیا اور کفر و شرک اور بُرے اعمال کو اچھا کر کے بتایا' کما فی سورۃ حٰمٓ السجدہ **وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** ط (اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا کر دکھا رکھے تھے)

دنیا میں تو گمراہوں کا دوستانہ تھا شیاطین بھی کافر تھے اور جن انسانوں کو بہکاتے تھے وہ بھی ان کے بہکانے کی وجہ سے کفر پر جمے رہتے تھے پھر جب قیامت کے دن موجود ہوں گے تو سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں ایک دوسرے کو عذاب میں دیکھیں گے لیکن اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب دوزخ میں ہیں اور سب عذاب میں ہیں' یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ ہم تنہا مصیبت میں نہیں ہیں' دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو ہم پر آتی ہے وہاں اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب عذاب میں شریک ہیں کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہے۔

دنیا میں جو بہت سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو حق جانتے اور پہنچاتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے اور نفس و شیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اور بھی تو کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں جو ان کا حال ہوگا وہی ہمارا ہو جائے گا ایسے لوگوں کو بتا دیا کہ عذاب میں پڑنے والوں کے ساتھ عذاب میں جانا یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے جب سب عذاب میں جائیں گے تو یہ دیکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ دوسرے لوگ بھی عذاب میں ہیں۔

بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کا بھی یہی طریقہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ فرائض انجام دو، حرام سے بچو اور گناہوں کو چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں' یہ جاہلانہ جواب ہے یہاں تو گناہگاروں کی جماعت میں شریک ہونا نفس کو اچھا لگ رہا ہے لیکن روز قیامت گناہگاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے

اس وقت اس بات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ ہم بھی عذاب میں ہیں تو کیا ہوا اور ہزاروں آدمی بھی تو عذاب میں ہیں‘ اس بات کا خیال کرنے سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہو جائے گا۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ (الآیۃ) کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راہ پر لا سکتے ہیں جو صریح گمراہی میں ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جو لوگ بہرے اور اندھے ہیں اور صریح گمراہی میں ہیں آپ انہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے یعنی ان کو ہدایت دینا آپ کے اختیار سے خارج ہے آپ اپنی دعوت کا کام جاری رکھیں آپ کی اتنی ہی ذمہ داری ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (الآیۃ) سو اگر ہم آپ کو لے جائیں یعنی دنیا سے اٹھالیں (یا مکہ معظمہ سے نکال کر لے جائیں) تو ان لوگوں کو پھر بھی عذاب سے چھٹکارہ نہیں‘ ہم ان سے انتقام لے لیں گے آپ کے سامنے جسے ہم آپ کو دکھادیں یا آپ کے بعد ہو ہمیں سب پر قدرت ہے یعنی انہیں کفر کی سزا ضرور ملے گی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ غزوۂ بدر میں جو مشرکین مکہ کی شکست ہوئی قتل بھی ہوئے قیدی بھی ہوئے آیت کریمہ میں اس انتقام کا تذکرہ ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ سو جو وحی آپ کی طرف بھیجی ہے یعنی قرآن نازل کیا گیا‘ اس پر آپ مضبوطی سے قائم رہئے آپ سیدھے راستے پر ہیں‘ دعوت کے کام میں لگا رہنا اور جما رہنا یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس میں اللہ کی رضا ہے کوئی مانے نہ مانے آپ اپنا کام کئے جائیں۔ (کذافسرہ القرطبی)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کیلئے اور آپ کی قوم کے لئے) اس آیت میں اللہ جل شانہ نے امتنان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اللہ تعالیٰ شانہ مالک الملک ہے اور ملک الملوک ہے، سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کا کسی سے خطاب فرمانا یہ بہت بڑا شرف ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور بار بار آپ کو مخاطب فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ کے لئے بڑے شرف اور فخر کی بات ہے پھر آپ ﷺ کے واسطہ سے آپ ﷺ کی قوم کو خطاب فرمایا اور ان کی زبان میں، ان کی لغت میں قرآن مجید نازل فرمایا ان کے لئے بھی یہ بات بڑے شرف کی ہے۔ بہت سوں نے اس کی قدر دانی نہ کی اور کفر پر مر گئے اور بہت سوں نے قدر دانی کی اس پر ایمان لائے، اس کی تلاوت کی، اس کو پڑھا اور پڑھایا اور آگے بڑھایا۔ یہ سب اہل عرب کے لئے بڑے شرف اور فخر کی چیز ہے‘ نزول قرآن سے لے کر آج تک پورے عالم میں قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جتنے بھی پڑھانے والے ہیں سب کی سند حضرات صحابہؓ تک پہنچتی ہے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا اور اس کی قراءت اور روایات اور طرق ادا کو آگے بڑھایا۔ قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان کی پوری دنیا میں اہمیت ہوگئی اسکے قواعد لکھے گئے بلاغت پر کتابیں تصنیف کی گئیں۔ قرآن کی وجہ سے خود عرب بھی بلند ہو گئے ورنہ نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی‘ یمن میں کسریٰ کا اقتدار تھا اور شام میں قیصر نصرانی کا اور مدینہ منورہ میں یہودی صاحب اقتدار بنے ہوئے تھے۔

لِقَوْمِكَ سے بعض حضرات نے قریش مکہ کو مراد لیا ہے کیونکہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا اور بعض حضرات نے مطلقاً عربی بولنے والوں کو مراد لیا ہے یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ ذکر سے تذکرہ مراد لیا جائے جس کا حاصل ترجمہ شرف اور فخر کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے قَوْمِكَ سے عام مؤمنین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم یعنی تمام اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے۔

وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ (اورتم لوگوں سے سوال ہوگا) کہ اس قرآن کا کیا حق ادا کیا اور اس پر کیا عمل کیا اور اس کی کیا قدر کی۔

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاط (اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمان کے علاوہ معبود ٹھہرائے جن کی عبادت کی جائے) یعنی ایسا نہیں ہے، اس میں بظاہر آپ ﷺ کو خطاب ہے لیکن اصل مخاطب یہود اور نصاریٰ اور مشرکین ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے دریافت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کتابوں کے بعض حصے جو موجود ہیں انہیں دیکھ کر تحقیق کر لی جائے۔ تحقیق کریں گے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی بھی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل جاننے والوں میں سے جو حضرات ایمان لے آئے تھے ان سے سوال کرنا مراد ہے۔ کما ذکر القرطبی، وقال ایضاً والخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امته. (جیسا کہ علامہ قرطبی نے فرمایا اور یہ بھی کہ خطاب حضورؐ سے ہے اور مراد امت محمدیہ ہے)

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اسکی قوم کے بڑے لوگوں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا لہٰذا موسیٰ نے کہا بیشک میں رب العلمین کا رسول ہوں، سو جب

جَآءَهُمۡ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَضۡحَكُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا وَاَخَذۡنٰهُمۡ

وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو یکایک وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے۔ اور ہم انہیں جو بھی کوئی نشانی دیتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے انہیں

بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا

عذاب کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ باز آجائیں اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر! تو ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے بلاشبہ ہم ہدایت پانے

لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ

والے بن جائیں گے، سو جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو یکایک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا دی۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ اَمۡ اَنَا

اس نے کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے لئے مصر کا ملک نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جاری ہیں میرے نیچے، کیا تم نہیں دیکھتے، بلکہ میں اس

خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ

شخص سے بہتر ہوں جو ذلت والا ہے اور وہ واضح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا، سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا اس

اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾

کے سامنے فرشتے آجاتے لگاتار جماعتیں بنا کر، سو اس نے اپنی قوم کو مغلوب کر لیا سو انہوں نے اس کی اطاعت کی بلاشبہ وہ لوگ فاسقین تھے۔

فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾ ع ۱۱

سو جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا پھر ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے سلف اور نمونہ بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا اور ان کے لوگوں کا معجزات دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا، فرعون کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں اور چودھریوں کی تکذیب پھر ہلاکت اور تعذیب کا ذکر ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اشراف قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی معجزات لے کر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ڈال دیا، جس کی وجہ سے وہ اژدھا بن گئی تو فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ اجی یہ کیا معجزہ ہے یہ تو جادو کا کرشمہ ہے، اس کے بعد ان لوگوں نے جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا، جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں جو حاضرین کو دیکھنے میں دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہوئے دھندے کو چٹ کرنے لگا۔ اس پر جادوگر ہار مان گئے جس کا واقعہ سورۃ الاعراف، سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ ید بیضاء تھا اس کا مقابلہ کرنے کی تو ہمت ہی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی، جن کا ذکر سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ط یعنی ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیج دیا (توضیح وتشریح کے لئے آیت بالا کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے) یہ چیزیں ان پر عذاب کے طور پر آئی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات تھے۔ جب کوئی نشانی ظاہر ہوتی تھی تو وہ اپنی ساتھ والی دوسری نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی۔ عذاب آتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اسے جادو سمجھ رہے ہیں تم کہتے ہو یہ میرے رب کی طرف سے جو مجھے بطور معجزہ عطا کیا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میرا رب تمہارے اس عذاب کو ہٹا دے گا ہماری سمجھ میں یہ بات آتی تو نہیں ہے ہم تو تمہیں جادوگر ہی سمجھ رہے ہیں لیکن اگر تمہارے رب نے ہمارا عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہٹا دیا جاتا تھا تو اپنا عہد توڑ دیتے تھے اور کافر کے کافر ہی رہتے تھے۔

فرعون کو فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ شخص بڑے بڑے معجزات دکھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم کے لوگ اس کی بات کو قبول کر لیں اور میری حکومت اور سلطنت جاتی رہے اور یہی بڑا بن جائے لہٰذا اس نے اپنی قوم میں ایک منادی کرا دی اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ دیکھو میں مصر کا بادشاہ ہوں، میرے نیچے نہریں بہتی ہیں، میں اس شخص سے بہتر ہوں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، یہ میرے مقابلے میں ذلت والا ہے، اس کی مالی حیثیت بھی نہیں اور یہ اور اس کا بھائی اس قوم میں سے ہے جو ہمارے خدمت گزار ہیں، فرمانبردار ہیں فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ. یہ اول تو دنیاوی اعتبار سے مجھ سے کم ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں جو لکنت تھی اس کی طرف اشارہ کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ شخص نبی ہے تو بہت بڑا مالدار ہونا چاہئے اگر نبی ہوتا تو اس پر سونے کے کنگن ڈالے جاتے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی تائید کے لئے فرشتے آنے چاہئے تھے جو لگاتار صفیں بنا کر آجاتے اس کی تائید اور مدد کرتے۔

ہر قوم کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف دیکھا کرتے ہیں بڑے لوگ فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی قوم کے دوسرے لوگ بھی مغلوب ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے، فرعون کی اطاعت کا دم بھرتے رہے، اس کی قوم کے چھوٹے بڑے لوگ فاسق اور نافرمان تھے۔ شرارت سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے کفر پر رہنے کا فیصلہ کیا۔ سمجھانے سے باز نہ آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور معجزات کی بے ادبی کی اور معجزات کو جادو بتایا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل کرنے والی تھیں، اللہ تعالیٰ

نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا غرق کرنے تک کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا کہ ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لئے سلف یعنی پہلے گزر جانے والا نمونہ بنا دیا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں پہلے آئے۔ سرکشی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے ڈبو دیئے گئے بعد میں آنے والوں کے لئے ان کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے قصص الاولین مواعظ الآخرین پہلے لوگوں کے واقعات جنہیں سلف کہا جاتا ہے بعد میں آنے والوں کیلئے عبرت ہوتے ہیں اور اس بات کا نمونہ بن جاتے ہیں کہ جو قوم انکی طرح اعمال کرے گی ان کے ساتھ پرانے لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

قوله تعالىٰ اَمْ اَنَا خَيْرٌ قال ابو عبيدة ام بمعنى بل ليس بحرف عطفٍ، وقال الفراء ان شئت جعلتها من الاستفهام وان شئت جعلتها من النسق على قوله اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ، وقيل هي زائدة وقوله مُقْتَرِنِيْنَ معناه قال ابن عباس رضى الله عنهما يعاونونه على من خالفه وقال قتادة متتابعين قال مجاهدٌ يمشون معه والمعنى هل ضم اليه الملائكة التي يزعم أنها عند ربه حتى يتكثر بهم ويصرفهم على امره ونهيه فيكون ذلك اهيب في القلوب

وقوله تعالىٰ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ قال ابن الاعرابى المعنى فاستجهل قومه لخفة احلامهم وقلة عقولهم، وقيل استخف قومه قهرهم حتى اتبعوه يقال استخفه، خلاف استثقله، واستخف به اهانه.

قوله تعالىٰ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا عن ابن عباسؓ أى غاظونا واغضبونا والغضب من الله اما ارادة العقوبة فيكون من صفات الذات واما عين العقوبة فيكون من صفات الفعل. (من القرطبى ص ١٠١ ج ١٦)

(ارشادِ الٰہی اَمْ اَنَا خَيْر ، ابوعبیدہؒ نے کہا اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے، حرفِ عطف نہیں ہے، فراء کہتے ہیں اگر چاہو تو استفہام کیلئے سمجھو چاہو تو اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصر پر عطف مان لو بعض نے کہا زائد ہے۔

"مُقْتَرِنِيْنَ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مخالفوں کے خلاف اس کی مدد کرتے، قتادہؒ کہتے ہیں اس کا معنی ہے مُتَتَابِعِيْنَ یعنی اس کی پیروی کرتے، مجاہدؒ کہتے ہیں اس کے ساتھ چلتے مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ فرشتے ہوے جو اس بات کی دلیل ہوتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان فرشتوں سے کثرت حاصل کرتا اور امر و نہی کا ان پر تصرف کرتا تو اس سے دلوں میں رعب پڑتا۔

"فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ" ابن الاعرابی کہتے ہیں اس کا معنی ہے اس کی قوم کم عقلی و بے وقوفی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نا سمجھ سمجھتی رہی، بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں کے ظلم کو ہلکا سمجھا اور اس کی اطاعت میں لگے رہے کہا جاتا ہے مخالف نے اسے ہلکا کر دیا، اس نے اس کی اہانت کی۔

"فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا" حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے انہوں نے ہمیں غضبناک کیا اور غصہ دلایا اور اللہ تعالیٰ کے غصہ کا مطلب اگر سزا دینے کا ارادہ ہو تو یہ ذات الٰہی کی صفت ہے اگر مراد سزا ہے تو یہ فعل کی صفت ہے)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ط

اور جب انکے سامنے ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ انکی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور انہوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

ان لوگوں نے یہ بات جو آپ سے بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے طور پر ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں' وہ نہیں ہے مگر ایک ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے

مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

اسے بنی اسرائیل کیلئے ایک نمونہ بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے رہا کرتے

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا یَصُدَّنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ ۚ

اور بیشک وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں سو تم لوگ اس میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے اور شیطان تمہیں ہرگز نہ روک دے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَیِّنَ

بلا شبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تا کہ

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ

میں تمہارے لئے بعض وہ باتیں بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو' بلا شبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ

سو تم اس کی عبادت کرو' یہ سیدھا راستہ ہے' سو جماعتوں نے آپس میں اپنے درمیان اختلاف کر لیا' سو جن لوگوں نے ظلم کیا

ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

ان کے لئے ہلاکت ہے اس دن کے عذاب سے جو دردناک ہوگا۔ یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے اور انہیں

لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ ع

خبر بھی نہ ہو۔ اس دن دوست آپس میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

قریشِ مکہ کی ایک جاہلانہ بات کی تردید' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعارف' اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہی صراط مستقیم ہے

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ قریش نے عبداللہ بن زبعری سے کہا (اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سناتے ہیں۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ بلاشبہ تم لوگ اور وہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو (یہ سورۃ الانبیاء کی آیت ہے) تو عبداللہ ابن زبعری یہ سن کر کہنے لگا کہ میں موجود ہوتا تو اس کی تردید کر دیتا قریش نے کہا کہ تو کیا کہتا اس پر عبداللہ نے کہا کہ میں یوں کہتا کہ یہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ عزیرؑ ہیں جن کی یہود عبادت کرتے ہیں تو کیا یہ دونوں دوزخ کا ایندھن ہیں؟ قریش کو یہ بات پسند آئی اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ لاجواب کرنے والا

سوال ہے یہ بات سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور خوشی کے مارے چیخنے لگے سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کا جواب گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (بلاشبہ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یوں فرمایا یامعشر قریش لا خیر فی احدٍ یعبد من دون اللہ (اے قریش کی جماعت! اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہو) یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ کیا آپ یہ نہیں فرماتے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) نبی تھے اور عبد صالح تھے آپ کے کہنے کے مطابق وہ بھی دوزخ میں جانے والوں میں شمار ہوئے کیونکہ ایک جماعت نے ان کی عبادت کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کی گئی اگر وہ سب دوزخ میں ہوں گے تو ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ (علیہم السلام) کے ساتھ ہو جائیں یعنی ان حضرات کا جو انجام ہوگا وہی ہمارے معبودوں کا ہو جائے گا)۔

ان لوگوں کا مقصد صرف جھگڑنا اور الزام دینا تھا حق اور حقیقت سے انہیں کچھ واسطہ نہ تھا یہ تو ایک سیدھی بات ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہیں وہ دوزخ میں کیوں جانے لگے؟ لیکن محض جھگڑے بازی کے لئے انہوں نے ایسی بات کہی اس کو سامنے رکھ کر اب پہلی دو آیتوں کا مطلب سمجھ لیں، وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ ط اور جب ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک اعتراض کرنے والے نے ایک عجیب مضمون بیان کیا یعنی یوں کہا کہ ہمارے معبود دوزخ میں ہوں گے اور عیسیٰ بھی دوزخ میں ہونگے تو اس بات کو سن کر قریش مکہ خوشی سے چیخنے لگے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام خیر ہیں حالانکہ ان کی عبادت کی گئی تو ہمارے جو دوسرے معبود ہیں وہ خیر ہوں یہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ ان لوگوں کو چونکہ صرف جھگڑنا ہی مقصود تھا اس لئے فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط کہ ان لوگوں نے جو آپ کے سامنے ابن مریم کی بات بیان کی ہے یہ محض جھگڑے کی غرض سے ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ یعنی ان کا جھگڑنا کچھ اسی مضمون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں ان کا یہ طریقہ ہے کہ حق باتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے بعد جن لوگوں نے بھی گمراہی اختیار کی انہیں جھگڑے بازی دے دی گئی (یعنی ان کا مزاج جھگڑے بازی کا بن گیا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ط (عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہم نے انعام کیا انہیں نبوت سے سرفراز کیا۔ نبی تو اس لئے آتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیں نہ یہ کہ وہ اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں جن لوگوں نے ان کی عبادت کی وہ ان کی حماقت ہے ان کے اعمال کی سزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں ملنے لگی؟ جنہوں نے ان کی عبادت کی وہی دوزخ میں جانے والے ہیں اور جن بتوں کی عبادت کی گئی وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اللہ کے نزدیک منعم و مکرم ہیں۔

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اور ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنا دیا تھا) انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا جس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کا لوگوں کو علم ہو گیا وہ بغیر باپ کے بھی پیدا فرمانے پر قدرت رکھتا ہے قال القرطبی ای

اٰیة وعبرة یستدل بها علی قدرة اللّٰه تعالٰی فان عیسی کان من غیر اب.

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ (الاٰية) (اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کردیتے جو یکے بعد دیگر زمین میں رہا کرتے) یعنی انسانوں سے فرشتے پیدا کردیتے جو زمین میں رہتے ان کی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی یعنی وہ دنیا میں آتے جاتے رہتے۔ یہ الفاظ کا ظاہری ترجمہ ہے وهو قول فی تفسیرہ اس کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو زمین میں آباد کردیتے اپنی مخلوق کو ہم جہاں چاہیں آباد کریں مخلوق مخلوق ہی ہے' کہیں بھی رہے' وہ عبادت کے لائق نہیں ہوسکتی۔ فرشتوں کا آسمان میں ٹھہرانا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ وہ معبود ہوگئے یا یہ کہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا جاسکے والمعنی لو نشآء لاسکنا الارض الملئكة ولیس فی اسکاننا ایا هم السماء شرف حتی یعبدوا اویقال لهم بنات اللّٰه. (معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم فرشتوں کو زمین میں ٹھہرا دیتے، ان کے آسمان میں ٹھہرانے میں کوئی ان کا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت شروع کردی جائے یا انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جائے)

آیت بالا کا ایک مطلب معالم التنزیل (ج۴ ص۱۴۳) میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کردیں اور تمہارے بدلے زمین میں فرشتے پیدا کردیں جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہو جائیں اور میری عبادت میں فرمانبرداری کریں' فیكون لفظة منكم بمعنی بدلا منكم قال القرطبی ناقلا عن الزهری ان من قدتكون للبدل بدلیل هٰذه الاٰية.

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (اور بلاشبہ وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید قرب قیامت کی نشانی ہے (کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب قیامت قریب ہے کما قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعثت أنا والساعة کهاتین (میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں قریب قریب ہیں)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہٗ کی ضمیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے ان کا نزول قربِ قیامت کی دلیل ہوگا (یاد رہے کہ قرب اور بُعد امور اضافیہ میں سے ہے)۔

اور بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات میں مردوں کا زندہ کرنا بھی تھا جسے ان کے زمانہ کے لوگوں نے دیکھا یہ مردوں کا زندہ ہونا قیامت کے دن اموات کے زندہ ہونے کا نمونہ بن گیا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ (سو تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ط (یہ سیدھا راستہ ہے) وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ (اور تمہیں ہرگز شیطان صراط مستقیم سے نہ روک دے) اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اِتَّبِعُوْنِ سے پہلے لفظ قُل مقدر ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (الاٰية) اور جب عیسٰی واضح معجزات لے کر آئے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت اور اللہ کی کتاب یعنی انجیل لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو بیان کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو) یعنی امور شرعیہ دینیہ بیان کرتا ہوں جن کی تمہیں ضرورت ہے اور تم نے جو توریت شریف میں تحریف کرلی ہے اسے واضح کرتا ہوں۔ (من روح المعانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط (بلاشبہ اللہ یہ تمہارا رب ہے اور

میرا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو) هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یہ سیدھا راستہ ہے)۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو معجزات ظاہر فرمائے تھے (جن میں مردوں کو زندہ کرنا اور مٹی کو چڑیا بنا کر اس میں پھونک مار کر اڑا دینا بھی تھا) ان کی وجہ سے اندازہ فرما لیا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ میرے معبود ہونے کا عقیدہ بنا سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے پہلے ہی تردید کر دی' نصاریٰ پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے اور تم اسی کی عبادت کرو پھر بھی ان کو معبود مانتے ہیں۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ م بَيْنِهِمْ (آپس میں جماعتوں کے درمیان اختلاف ہو گیا) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عقیدت رکھنے والوں نے ان کے بارے میں گروہ بندی کر دی اور مختلف جماعتیں بن گئیں ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ تین معبود ہیں (جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ان کے قول نقل فرمائے ہیں) اور ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں نصاریٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے) پھر جن لوگوں نے ان تینوں باتوں کو نہیں مانا انہوں نے بھی اس اعتبار سے کفر اختیار کر لیا کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی رسالت کے منکر ہو گئے' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے جیسا کہ شاہ حبشہ نجاشی اور وہاں کے دوسرے افراد کا واقعہ مشہور ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (سو جن لوگوں نے ظلم کیا یعنی شرک اور کفر کو اختیار کیا ان کے لئے ہلاکت اور بربادی ہے جو دردناک عذاب کی صورت میں ظاہر ہو گی یعنی قیامت کے دن عذاب میں جائیں گے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ.

(بس یہ لوگ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو) هل ينظرون کی ضمیر مستتر کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ احزاب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو لوگ اختلاف رکھتے ہیں، راہ حق پر نہیں آتے، حق کو قبول نہیں کرتے ان کا طریقہ کار ایسا ہے کہ انہیں قیامت کا انتظار ہے اچانک قیامت آ جائے (جس کا پتہ بھی نہ ہو گا کیونکہ پہلے سے اس کی آمد کا وقت نہیں بتایا گیا) تو اس وقت توحید پر آئیں گے اور کفر و شرک چھوڑ دیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہو گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ فعل مضارع يَنْظُرُوْنَ کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے ان کے سامنے توحید کے دلائل ہیں قرآن کا معجزہ سامنے ہے پھر بھی توحید پر نہیں آتے' انہیں اس کا انتظار ہے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے اور انہیں پتہ بھی نہ ہو کہ وہ ابھی اچانک آنے والی ہے چونکہ وہ لوگ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں تھے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی کم فہمی بیان فرمائی' جیسے کوئی شخص اس چیز کے انتظار میں ہو جو ضرور واقع ہونے والی ہو اور جب وہ واقع ہو جائے تو مصیبت بن جائے) حالانکہ وہ اس کے وقوع کو اپنے لئے خیر سمجھتا رہا ہو۔

قولہ تعالیٰ اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ط

قال القرطبی (ج ١٦ ص ١٠٣). قرأ نافع وابن عامر والكسائی "يَصُدون" (بضم الصّاد) ومعناه يعرِضون' قال النخعی' وكسر الباقون' قال الكسائی :هما لغتان' مثل يَعرُشون' وَيَنِمُّون وَيَنُمُّون' ومعَناه يضجُّون' قال الجوهری :وصدّ صديدا' ای ضَجّ وقيل انه بالضم من الصدود وهو الاعراض' وبالكسر من الضجيج ' قاله

قُطرب‘ قال أبو عبيد :لو كانت من الصدود عن الحق لكانت :اذا قومك عنه يصدون قال الفراء هما سواء منه وعنه‘ ابن المسيب :يصدون يضجون‘ الضحاک يعجون‘ ابن عباس يضحكون‘ ابو عبيدة : من ضم فمعناه يعدلون‘ فيكون المعنى:من أجل الميل يعدلون والمعنى يضجون منه‘ انتهٰى

وقوله تعالٰى وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ متعلق بمقدر وجئتكم لِاُبين لكم(ذكره فى الروح)

يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے‘ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور وہ فرمانبردار تھے

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیاں اور آبخورے لائے جائیں گے

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ

اور اس میں وہ چیزیں ہونگی جنہیں نفس چاہتے ہوں گے اور جن سے آنکھیں لذت پائیں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو اور یہ جنت جس کے تم وارث

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کے بدلہ میں ہے جو تم کرتے تھے‘ تمہارے لئے اس میں بہت میوے ہیں ان میں سے تم کھا رہے ہو۔

قیامت کے دن دنیا والے دوست آپس میں دشمن ہو نگے‘ نیک بندوں کو کوئی خوف اور رنج لاحق نہ ہوگا انہیں جنت میں جی چاہی نعمتیں ملیں گی جن سے آنکھوں کو بھی لذت حاصل ہو گی

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض انعامات اور اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں دوست تھے قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے (یَلْعَنُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا) یہ جو دنیا میں دوستی ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو ایمان پر نہیں آنے دیتے قیامت کے دن وبال بن جائے گی اور آپس میں دوستی کرنے والے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ہاں جو لوگ متقی تھے کفر و شرک سے بچتے تھے یعنی اہل ایمان تھے ان لوگوں کی دوستی قائم رہے گی خاص کر وہ متقی حضرات جو چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے تھے وہ تو مسلمانوں کو بخشوانے کی کوشش کریں گے اور ان کے لئے سفارش کریں گے‘ مؤمنین قیامت کے دن حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا اپنے بندوں کیلئے مہربانی کا اعلان ہوگا کہ اے میرے بندو! آج تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے نہ غمگین ہو گے آئندہ خوشی ہی خوشی ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ (یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے) پھر فرمایا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ (یعنی فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ) وہاں داخل ہو کر جو بہت سے انعامات سے نوازے جائیں گے ان میں سے ایک یہ انعام بھی ہوگا کہ نوعمر لڑکے انکے پاس ماکولات سے بھری ہوئی سونے کی رکابیاں (پلیٹیں) اور مشروبات سے بھرے ہوئے سونے کے آبخورے لے کر آتے جاتے رہیں گے یہ تو ایک جزوی نعمت ہوئی پھر بطور ایک

قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرما دیا۔

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ (اور جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی نفسوں کو خواہش اور جس سے آنکھیں لذت پائیں) دنیا میں کوئی شخص کتنا بھی مالدار اور صاحب اقتدار ہو جائے اسے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی کہ جو بھی کوئی نفس چاہے وہ سب کچھ مل جائے بلکہ یہ لوگ تو مختلف احوال کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں ان کو کھانے پینے اور اوڑھنے، بچھانے کی چیزیں منگانی پڑتی ہیں جو بعض مرتبہ حاصل بھی نہیں ہوتیں اور حاصل بھی ہو جائیں تو صحت کی خرابی کی وجہ سے اچھی نہیں لگتیں اور ہر خواہش کے پورا ہونے کا تو کسی کے لئے بھی دنیا میں موقع نہیں ہے' یہاں سونے کی پلیٹوں اور پیالوں کا ذکر ہے اور سورۃ الدھر میں چاندی کے برتنوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے یہ سونا چاندی وہاں کا ہوگا یہاں کے حقیر سونے چاندی پر قیاس نہ کیا جائے جسے صاف کرنا اور مانجھنا پڑتا ہے' دنیا میں مردوں اور عورتوں کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے' جنت میں اہل ایمان کے لئے ماکولات اور مشروبات سونے چاندی کے برتنوں میں پیش کئے جائیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ ان میں کھاؤ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ہی بھرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں نہ کھاؤ پیو کیونکہ وہ کافروں کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

اہل جنت کے انعامات بتاتے ہوئے وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ بھی فرمایا کہ جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی یعنی جنت میں ایسی کوئی چیز سامنے نہ آئے گی جس کا دیکھنا ناگوار ہو جو بھی کچھ ہوگا جس پر بھی نظر پڑے گی آنکھوں کو مزہ ہی آئے گا وہاں ایسے مواقع بھی نہ ہوں گے کہ کوئی چیز سامنے آئے اور اس کے دیکھنے سے روکا جائے یہ ابتلا اور امتحان دنیا ہی میں ہے' وہاں بدنظری کا کوئی موقعہ نہ ہوگا' بلکہ نظر ہی بدنہ ہوگی۔ مزید فرمایا وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے)۔

اہلِ جنت کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی قدردانی کرتے ہوئے ارشاد ہوگا وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور یہ جنت ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کے عوض دی گئی ہے)

آخر میں فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ (تمہارے لئے اس جنت میں سارے میوے ہیں، مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (جن میں سے تم کھا رہے ہو)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾

بلاشبہ مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں نا اُمید ہو کر پڑے رہیں گے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کر دے' وہ جواب دیں گے کہ بیشک تم

مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا

اسی میں رہو گے' بلاشبہ ہم تمہارے پاس حق لائے اور لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنیوالے ہیں۔ کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کر لی ہے' سو ہم مضبوط تدبیر اختیار

مُبۡرِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾

کرنے والے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی چپکی باتوں کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو ہاں! ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرستادے) ان کے پاس لکھتے ہیں۔

مجرمین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' ان کا عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا

دوزخ کے داروغہ سے ان کا سوال و جواب

اہل ایمان کی نعمتیں بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مجرمین یعنی کافر لوگ دوزخ کے عذاب میں پڑے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ عذاب بہت سخت ہوگا جیسا کہ دوسری آیات میں ذکر فرمایا ذرا دیر کو بھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں نا اُمید ہو کر پڑے رہیں گے یہ مُبۡلِسُوۡنَ کا ایک ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے حزينون من شدة الباس یعنی سخت عذاب کی وجہ سے رنجیدہ ہونگے۔

وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ ہی ظلم کرنے والے تھے) دنیا میں ان کے پاس حق آیا ایمان کی دعوت پیش کی گئی انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اپنی جانوں کو انہوں نے خود ہی مبتلائے عذاب کیا۔

اس کے بعد ان کی ایک درخواست کا ذکر ہے حضرت مالک علیہ السلام جو دوزخ کے خازن یعنی ذمہ دار ہیں ان سے عرض معروض کریں گے وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ (اور اہل دوزخ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے) یعنی ہمیں موت ہی دیدے) تا کہ ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں وہ جواب دیں گے اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ (بلاشبہ تم کو اسی میں رہنا ہے)۔

سنن ترمذی میں ہے کہ اہلِ دوزخ آپس میں مشورہ کریں گے کہ داروغا ہائے دوزخ سے عرض و معروض کریں' لہٰذا وہ ان سے کہیں گے اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ط (تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے) وہ جواب دیں گے اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ط کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے تھے؟) اس پر دوزخی جواب دیں گے کہ بلٰی یعنی ہاں آتے تو تھے لیکن ہم نے ان کا کہنا نہ مانا' فرشتے جواب میں کہیں گے فَادۡعُوۡا وَمَا دُعٰٓؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ط (تو پھر ہم تمہارے لئے دُعا نہیں کرسکتے تم ہی دُعا کرلو اور وہ بھی بے نتیجہ ہوگی کیونکہ کافروں کی دُعا (آخرت میں) بالکل بے اثر ہے يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ اے مالک! (تم دُعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام تمام کردے۔'' وہ جواب دیں گے اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ط تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ حضرت مالک علیہ السلام کے جواب میں اور دوزخیوں کی درخواست میں ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہوگا ۔ (عزاه صاحب المشكوٰة الى الترمذى وقال قال عبدالله بن عبدالرحمٰن والناس لا يرفعون هٰذا الحديث قال على القارى فى المرقاة اى يجعلون موقوفاً على أبى الدرداء لكنه فى حكم المرفوع فان امثال ذلك ليس مما يمكن أن يقال من قبل الرای اه۔)

لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ط مشرکین کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہارے پاس حق پہنچا دیا، حق واضح کر دیا، توحید کی دعوت سامنے رکھ دی، اس کے دلائل بیان کردیئے لیکن تم نہیں مانتے تم میں سے اکثر لوگ حق کو برا جانتے ہیں اور اس سے

نفرت کرتے ہیں یہ حق سے دور بھاگنا انہی حالات کا پیش خیمہ ہے جو اہل دوزخ کے احوال میں بیان کئے گئے ہیں۔

قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے مشورے کرتے رہتے تھے، موقع ملنے پر تکلیف بھی پہنچاتے تھے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا بھی مشورہ کیا۔ آپ ﷺ کی دعوت انہیں بہت ہی ناگوار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا (کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کر لی ہے اور اس کے مطابق آپ کو تکلیف دینے کا پختہ مشورہ کر چکے ہیں) فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (سو ہم مضبوط تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی ان لوگوں کی اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ہم آپ ﷺ کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے یا آپ ﷺ کو شہید کر دیں گے یہ اُن کی ناسمجھی ہے، بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ ہماری مدد آپ کے ساتھ ہے ہمارے مقابلہ میں اُن کی تدبیر کامیاب نہیں۔ اس آیت میں جہاں مشرکین کو تنبیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی ہے کہ اُن کی تدبیر آپ ﷺ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوگی، سورۃ الطّور میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا ہے وہاں ارشاد فرمایا اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ؕ کیا یہ لوگ تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا وہی تدبیر میں گرفتار ہونے والے ہیں)۔

پھر فرمایا اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ (کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ باتیں اور وہ مشورے جو چپکے چپکے کرتے ہیں ہم نہیں سنتے) ان کا یہ سمجھنا غلط ہے بلٰی (ہم انکی باتیں سنتے ہیں اور خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں۔ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھ رہے ہیں) لہٰذا ایسا خیال کرنا کہ چپکے چپکے جو باتیں کرلیں گے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں یہ جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر کا اور باطن کا زور کی آواز کا اور آہستہ کی آواز کا سب کا علم ہے اور وہ اپنی حکمت کے موافق سزا دے گا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ

آپ فرما دیجئے کہ اگر رحمٰن کے لئے اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوں، آسمانوں اور زمین کا رب جو عرش کا بھی رب ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ

یہ لوگ بیان کرتے ہیں سو آپ ان کو چھوڑیئے باتوں میں لگیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ اس دن سے ملاقات کرلیں جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اور اللہ وہ ہے

الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکمت والا ہے اور علم والا ہے اور بابرکت ہے وہ ذات جس کے لئے ملک ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ

وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے بھی ہوں اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ یہی کہیں گے کہ انہیں

اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ

اللہ نے پیدا کیا۔ سو یہ لوگ کدھر اُلٹے جارہے ہیں؟ اور اسے رسول کی اس بات کی خبر ہے کہ اے میرے رب! بلاشبہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور کہہ دیجئے کہ

سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

میرا سلام ہے سو وہ عنقریب جان لیں گے

ع ٧ وقف لازم

اللہ جلّ شانہٗ کی صفاتِ جلیلہ کا بیان اور شرک سے بیزاری کا اعلان

چند آیات پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا اور اس سے پہلے یہ ذکر آیا تھا کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہیں ان لوگوں کی تردید وہیں کردی گئی تھی یہاں مکرر تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر رحمٰن جل شانہ کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا' رحمٰن تعالیٰ شانہ کے لئے کوئی اولاد نہیں ہے' اس لئے صرف رحمٰن جل مجدہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کی کہ وہ آسمانوں کا اور زمین اور عرش کا رب ہے وہ ان سب باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو آپ ﷺ چھوڑ دیں یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں (ساری دنیا لہو ولعب ہے جیسا کہ سورۃ الحدید میں فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (الآیۃ) ان لوگوں کا باطل میں لگا رہنا اور کھیل میں مشغول رہنا یہاں تک آگے بڑھتا رہے گا کہ یہ لوگ اس دن سے ملاقات کریں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے' یعنی بعض حضرات نے موت کا دن اور بعض حضرات نے یوم بدر اور بعض حضرات نے یوم القیامہ مراد لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی ہے یعنی معبود حقیقی وہی ہے اور مستحق عبادت بھی وہی ہے (جو لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جگہ جبین سائی کرتے ہیں اور غلط جگہ پیشانی کو رگڑتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے یعنی بڑی حکمت والا ہے اور علیم بھی ہے یعنی بڑے علم والا ہے اس کے علاوہ کوئی ان صفات سے متصف نہیں اور اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ (الآیۃ) اور وہ ذات عالیشان ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی سلطنت ہے اور اس کے پاس قیامت کے یعنی اس کے وقت مقررہ کا علم ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے وہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی جزا اور کفر ومعاصی کی سزا سامنے آجائے گی۔

مشرکین سے جب یہ کہا جاتا تھا کہ شرک بُری چیز ہے تو شیطان کی پٹی پڑھا دینے سے یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے لئے سفارش کردیں گے۔

یہ ان کا ایک بہانہ تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے جن کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی وہ کیا سفارش کرسکتے ہیں اور بے جان کیسے سفارش کریں گے' جس کی بارگاہ میں سفارش کی ضرورت ہوگی اس نے کب فرمایا کہ یہ میرے ہاں سفارشی بنیں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے' اس کے نبیوں نے توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان کی بات نہ مانی مشرک بنے اور جواز شرک کا حیلہ بھی تراش

لیا' ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کرسکیں گے ہاں! اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ شفاعت کرسکیں گے انہیں اللہ کی طرف سے اجازت دی جائے گی لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے۔ جس کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اسی کی سفارش کریں گے اس مضمون کو یہاں سورۂ زخرف میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ میں اور سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اور سورۃ الانبیاء کی آیت وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى میں بیان فرمایا ہے

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر (علیہم السلام) اور ان جیسے حضرات مراد ہیں گو ان حضرات کی عبادت کی گئی لیکن اس میں اُن کا کوئی دخل نہ تھا یہ حضرات شفاعت کرسکیں گے لیکن کافروں کے لئے شفاعت نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ (الاٰية) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو یہ لوگ یہی جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا' اس بات کے بھی اقراری ہیں کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر اپنی حماقت سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسی کو فرمایا فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (سو یہ لوگ کہاں اُلٹے جارہے ہیں) پیدا کیا اللہ نے اور عبادت کریں غیر اللہ کی یہ تو عقل اور فہم سے بہت دُور ہے۔

ختم سورت پر فرمایا وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اس میں لفظ قیلہ قول سے لیا گیا ہے یعنی قاف کے کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گیا ہے۔ حضرت امام عاصمؒ کی قراءت میں وقیلہ جر کے ساتھ ہے' کہ ضمیر مجرور مضاف الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں الساعة (مضاف الیہ مجرور) ہے اس پر عطف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے وقت کا بھی علم ہے اور وہ اپنے رسول کی اس بات کو بھی جانتا ہے جو انہوں نے اپنے مخاطبین کا حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کی درخواست کے جواب میں فرمایا فَاصْفَحْ عَنْهُمْ (سو آپ ان سے اعراض کیجئے) یعنی ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھئے (کمافی الروح) وَقُلْ سَلٰمٌ (اور آپ ان سے فرمائیے کہ میرا اسلام ہے) یہ سلام وہ نہیں جو ملاقات کے وقت دعا دینے کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ سلام متارکت ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اسی کو سورۃ القصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ط (اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے)۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۝ (سو یہ لوگ عنقریب جان لیں گے) یعنی کفر و شرک کا عذاب ان کے سامنے آجائے گا۔

ولقد تم تفسير سورة الزخرف والحمد لله اوّلا واٰخرًا والصّلٰوة والسلام على من ارسل طيّبًا وطاهرا وعلى من تبعه باطنًا وظاهرًا

مکی	سورۃ الدخان	۵۹ آیتیں ۳ رکوع

(۴۴) سُوْرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ (۶۴) — اٰیَاتُھَا ۵۹ — رُکُوْعَاتُھَا ۳

سورۃ الدخان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انسٹھ ۵۹ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۞

حٰمٓ: قسم ہے کتاب مبین کی بلاشبہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں،

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۞ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ط اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞ رَحْمَةً

اس رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کیا جاتا ہے جو ہماری طرف سے بطور حکم کے صادر ہوتا ہے، بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں آپ کے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكَ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا م اِنْ

رحمت کے طور پر، بلاشبہ وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے، وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے، اگر تم

كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞

یقین کرنے والے ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے وہ تمہارا اور تم سے پہلے جو تمہارے باپ دادے گزر گئے ان کا رب ہے

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۞

بلکہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔

قرآن مجید مبارک رات میں نازل کیا گیا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رب ہے

اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآنِ حکیم کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا، مبارک رات سے کون سی رات مراد ہے، اس بارے میں محققین نے فرمایا کہ اس سے شب قدر مراد ہے کیونکہ سورۃ بقرہ میں فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور سورۃ القدر میں فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ط اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا (جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں) کہ اس سے

شعبان کی پندرھویں شب مراد ہے جسے لیلۃ البراءۃ کہا جاتا ہے چونکہ بعض روایات حدیث میں شب برأت کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اس میں آئندہ سال کے ارزاق و آجال لکھ دیئے جاتے ہیں۔ حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے) اس لئے بعض حضرات نے لیلۃ مبارکۃ کا مصداق شب براءت یعنی شعبان کی پندرہ تاریخ کو بتادیا ہے (لیکن کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ قرآن مجید شب براءت میں نازل کیا گیا اور شب براءت میں ارزاق و آجال لکھے جانے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے)۔

یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو تئیس (۲۳) سال میں نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا پھر رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہونے کا کیا معنی؟ اس کا ایک جواب تو بعض علماء نے یہ دیا کہ قرآن مجید شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں نازل کیا گیا اس کے بعد (۲۳) سال میں وقتاً فوقتاً حسب احوال نازل ہوتا رہا چونکہ شب قدر خیرات اور برکات والی رات ہوتی ہے اس لئے اسے لیلۃ مبارکۃ سے تعبیر فرمایا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ (بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں) یعنی رسول اور قرآن کے ذریعے اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کی جزا اور برے اعمال کی سزا سے آگاہ کرنے والے ہیں تاکہ خیر کو اختیار کریں اور شر سے بچیں۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ط اس رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے صاحب معالم التنزیل نے حکیم کو محکم کے معنیٰ میں لیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ شب قدر میں ام الکتاب (لوح محفوظ) سے وہ چیزیں علیحدہ کر کے لکھ دی جاتی ہیں جو آئندہ پورے سال میں وجود میں آئیں گی خیر اور شر اور ارزاق و آجال سب کچھ لکھ دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا اور علیحدہ لکھ کر تکوین الٰہی کے مطابق کام کرنے والوں یعنی فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ط (یہ فیصلہ ہماری طرف سے امر کے طور پر صادر کیا جاتا ہے)

قال الفراء: نُصب على معنى " فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ " فرقاً وامراً ای نأمر امراً ببیان ذلک (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۹) اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ بیشک ہم رسالت کے طور پر آپ کو اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجنے والے تھے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (یعنی اس قرآن کا نازل فرمانا آپکے رب کی طرف سے رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے) اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا ان کی ہدایت کیلئے اپنی کتاب نازل فرمائی فی معالم التنزیل ناقلاً عن الزجاج أنزلنه فی لیلة مبرکة للرحمة)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط (بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (اگر تم یقین کرنے والے ہو) تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل فرمایا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط (اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ط (وہ تمہارا رب ہے اور جو تم سے پہلے باپ دادے گزرے ہیں ان کا بھی رب ہے)۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ (بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں) نہ آخرت کے فکر مند ہیں، نہ دلائل میں غور کرتے ہیں، نہ اپنی جان کو نقصان اور ضرر سے بچانے کا دھیان ہے، بچوں کی طرح کھیل کود میں مصروف ہیں انجام کی فکر نہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۱ رَبَّنَا

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان کی طرف دیکھنے والے کو واضح طور پر دھواں نظر آئے گا وہ لوگوں پر چھا جائے گا یہ دردناک عذاب ہے اے ہمارے رب!

اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَ قَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾

ہم سے عذاب کو دور کر دیجئے' بلا شبہ ہم ایمان لئے آئیں گے۔ کہاں ہے ان کو نصیحت حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آ گیا۔

ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾

وقف لازم

پھر اس سے انہوں نے اعراض کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص سکھایا ہوا دیوانہ ہے' بلا شبہ ہم عذاب کو تھوڑے وقت کیلئے ہٹا دیں گے۔ بیشک تم لوٹنے والے ہو'

يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

جس روز ہم بڑی پکڑ کریں گے بلا شبہ ہم انتقام لینے والے ہیں۔

اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان کی طرف سے لوگوں پر دھواں چھا جائے گا ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے' بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں

یہ سات آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس میں آسمان کی طرف ایک دھواں نظر آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔اس دُخانِ مُبین سے کیا مراد ہے۔

دُخان سے کیا مراد ہے؟............اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہو گا جب ظاہر ہو گا تو زمین میں چالیس دن رہے گا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دے گا اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہو جائے گی اور کفار اور فجار کی ناکوں میں گھس جائے گا اور سانس لینے میں انہیں سخت تکلیف ہو گی۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور زید بن علی اور حسن اور ابن ابی ملیکہ کا یہی فرمانا ہے کہ دھواں اب تک ظاہر نہیں ہوا۔ قیامت کے قریب ظاہر ہو گا۔ صحیح مسلم میں دس نشانیوں کے ذیل میں دھوئیں کا تذکرہ موجود ہے' جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (صحیح مسلم ص ۳۹۳ ج ۲) جن حضرات نے فرمایا کہ آیت مذکورہ بالا میں جس دھوئیں کا ذکر ہے وہ قیامت کے قریب ظاہر ہو گا ان حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جسے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے' جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ مذکورہ دخان سے قرب قیامت کا دھواں مراد ہے تو حضرات ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے (کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم ہی کی بات ہے) اس کے بعد فرمایا کہ جب قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کو بددعا دی اَللّٰهُمَّ اَعِنِّی علیھم بسبع کسبع یوسف (اے اللہ! ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہو گئی یہاں تک کہ وہ مُردار اور ہڈیاں کھانے لگے بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں نظر آتا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرما دیا تھا فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ط (اے ہمارے رب! عذاب

دور فرما دیجئے بلا شبہ ہم ایمان لے آئیں گے)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ تک تلاوت کی پھر فرمایا کیا قیامت کے دن کا عذاب بھی دور کر دیا جائے گا؟ یعنی آیت کریمہ میں تو عذاب کے دور کرنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کا عذاب دور نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سورۃ الدخان میں دخان مبین سے قیامت کے دن کا عذاب مراد نہیں ہے' اس کے آگے قصہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابوسفیان کو بھیجا (وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انھوں نے عرض کیا کہ اے محمد! آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اس عذاب کو ہٹا دے۔ آپ ﷺ نے دُعا کر دی' اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی اور وہ لوگ اچھی حالت میں ہو گئے لیکن کفر پر ہی باقی رہے جسے اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ میں بیان فرمایا ہے جب کفر پر ہی جمے رہے تو آیت کریمہ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْکُبْرٰی ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ نازل ہوئی (جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ' بیشک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔) بڑی پکڑ سے غزوۂ بدر مراد ہے ان لوگوں نے وعدہ تو کیا تھا کہ ہم عذاب دور ہونے پر مؤمن ہو جائیں گے لیکن عذاب ٹل جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اس لئے فرمایا اَنّٰی لَهُمُ الذِّکْرٰی وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ کہاں ہے ان کو نصیحت اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس رسول آ چکا ہے' جس کی دعوت اور دلائل سب واضح ہیں ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ (الآیة) پھر انہوں نے اس کی طرف سے روگردانی کی اور اعراض کیا اور کہنے لگے کہ اس کو دوسروں نے سکھایا ہے اور یہ دیوانہ ہے) یعنی رسول مبین کی واضح دعوت اور دلائل سے اعراض کر چکے ہیں اور اس کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ دوسروں کا پڑھایا ہوا ہے' اور دیوانہ ہے تو ان سے یہ امید کرنا کہ عذاب چلے جانے پر ایمان لے آئیں گے بے جا اُمید ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس رسول کریم آیا کہ تم اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کر دو

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾

بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو بلا شبہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں

وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

اور بلا شبہ میں اپنے رب اور تمہارے رب سے اس بات کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے علیحدہ رہو۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ

پھر موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم قوم ہیں' سو تم میرے بندوں کو رات کو لے کر روانہ ہو جاؤ' بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ اور سمندر کو سکون

الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ

کی حالت میں چھوڑ دینا بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جانے والا ہے' ان لوگوں نے کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور اچھے مکانات

الثلثة

كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِينَ ﴿٢٨﴾

اور عیش کے سامان چھوڑ دیئے جن میں وہ خوشی کی حالت میں رہا کرتے تھے اور ہم نے ان چیزوں کا دوسرے لوگوں کو وارث بنا دیا'

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا

سو نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین اور ان کو مہلت نہ دی گئی اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی

بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾

اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا' بیشک وہ بڑا سرکش اور حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے جہاں والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں انعام تھا واضح طور پر

قومِ فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول آنا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا غرق ہونا، بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا اور انعاماتِ ربانیہ سے نوازا جانا

ان آیات میں فرعون کی نافرمانی کا اور بطور سزا لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے یعنی قریشِ مکہ سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا ان کے پاس رسول کریم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم اور معظم تھے انہوں نے فرعون سے اور اس کی جماعت سے کہا کہ بنی اسرائیل کو تم دکھ تکلیف دیتے ہو، انہیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کو تم میرے حوالہ کردو اور میرے ساتھ بھیج دو، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، میں اس کا رسول امین ہوں میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سرکشی نہ کرو، اللہ کے مقابلہ میں مت آؤ، اس کی اطاعت کرو، میں تمہارے پاس واضح دلیل (یعنی معجزاتِ کثیرہ) لے کر آیا ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور حق بات پہنچائی تو فرعون اور اس کی جماعت نے ان کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو یعنی مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرو۔ مزید فرمایا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم یہ کرو کہ مجھ سے دور رہو، مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف مت پہنچاؤ کیونکہ اس سے تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا' وہ لوگ ہدایت پر نہ آئے اور سرکشی کرتے رہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دُعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے' اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو جاؤ آبادی سے نکل جاؤ اور سمندر کی راہ لے لو جب تم روانہ ہو جاؤ گے تو تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارے پیچھے سے آ پہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چل دیا اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب سمندر پر پہنچو تو سمندر میں اپنی لاٹھی مار دینا اس کا معجزہ والا اثر یہ ہوگا کہ پانی رک جائے گا، جگہ خشک ہو جائے گی اور اس میں راستے نکل آئیں گے تم سمندر کو اس کی حالت پر ٹھہرا ہوا چھوڑ کر پار ہو جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں راستے بن گئے، جگہ خشک ہو گئی' حضرت موسیٰ علیہ

السلام اپنی قوم کے ساتھ ان راستوں میں داخل ہو گئے اور سمندر اپنی ہیئت اور حالت پر سکون کے ساتھ ٹھہرا ہوا رہ گیا۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر آیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے اپنی فوجیں ڈال دیں۔ بنی اسرائیل پار ہو گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا' سمندر میں راستے بن جانے کی وجہ سے جو قرار اور سکون ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا پانی آپس میں مل گیا جیسا کہ پہلے ہی فرما دیا تھا جو راستے بن گئے تھے ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا اسی کو فرمایا وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًاؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۔

اہل دنیا کو اپنی دنیا اور دولت پر کھیتوں اور باغوں پر مالوں اور خزانوں پر بہت غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے۔ فرعونیوں کو بھی بڑا گھمنڈ تھا جب ڈوب گئے تو سب کچھ دھرا رہ گیا فرمایا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ (اور وہ لوگ کتنے ہی باغ اور کتنے ہی چشمے اور کتنی ہی کھیتیاں اور کتنے ہی عمدہ مکانات اور کتنے ہی آرام کے سامان چھوڑ گئے جن میں وہ خوش ہو کر رہا کرتے تھے كَذٰلِكَ (یہ اسی طرح ہوا) وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (اور ان چیزوں کا وارث ہم نے دوسری قوم کو بنا دیا) دوسری قوم سے بنی اسرائیل مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الشعراء میں وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فرمایا ہے اس کے بارے میں ضروری بحث سورۂ شعراء کی آیت بالا کی تفسیر میں دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ؀ (سو ان پر آسمان اور زمین کو رونا نہ آیا اور وہ مہلت دیئے جانے والے نہ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کے مبغوض اور مغضوب علیہم ہونے کی وجہ سے ہلاک فرما دیا اور یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مبغوض تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے بغض تھا گو تکوینی طور پر بامر الٰہی ان پر بارش بھی ہوتی تھی اور زمین بھی ان کا رزق اُگاتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کی عظیم مخلوق (آسمان و زمین) ان سے راضی نہ تھے لہٰذا ان کے بیک وقت غرق ہو جانے پر انہیں ذرا بھی ترس نہیں آیا اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے وہ ذرا بھی نہ روئے۔

مؤمن کی موت پر آسمان و زمین کا رونا: .... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مؤمن بندہ ہے اس کے لئے (آسمان میں) دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے جب اس کی موت ہو جاتی ہے تو وہ دونوں دروازے اس پر رونے لگتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الدخان)

بنی اسرائیل پر اِنعام اور اِمتنان: .... اس کے بعد بنی اسرائیل پر اِمتنان فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا جہان والوں پر فوقیت دی یعنی ان کے زمانے میں جو لوگ تھے ان سب کے مقابلہ میں انہیں برتری عطا فرمائی۔ (فی معالم التنزیل علی عالمی زمانھم)

مزید فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا یعنی وہ ایسی چیزیں تھیں جو ان کے لئے نعمت تھیں اور قدرتِ الٰہیہ کی بھی بڑی نشانیاں تھیں مثلاً: انہیں فرعون کے چنگل سے نکالنا جو ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کے لئے سمندر کو پھاڑ دینا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ نازل کرنا، پھر انہیں زمین میں اقتدار بخشا ان میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمانا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝۳۴ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝۳۵ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ

بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس یہی ہماری پہلی موت ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں' سو تم ہمارے باپ دادوں

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ

کو لے آؤ اگر تم سچے ہو' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے' ہم نے انہیں

اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾

ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ

ہم نے ان کو نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے' بلاشبہ فیصلہ کا دن ان سب

اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ اِلَّا

کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی تعلق رکھنے والا کسی تعلق رکھنے والے کو کچھ بھی نفع نہ دے سکے گا۔ ورنہ ان کی مدد کی جائے گی مگر

مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾

جس پر اللہ رحم فرمائے بیشک وہ عزیز ہے رحیم ہے۔

منکرینِ قیامت کی کٹ حجتی' یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے

ان آیات میں اول تو منکرین بعث کا قول نقل فرمایا ہے پھر ان کی بات کی تردید فرمائی ہے' منکرین نے یہ کہا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ مرنا ہے اور مر کر پھر جی اٹھنا ہے اور حساب و کتاب ہے یہ ہم نہیں مانتے ہمارے نزدیک بس یہی بات طے شدہ ہے کہ ہم پہلی بار جو مریں گے تو بس مر گئے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے والی بات نہیں مانتے' ان لوگوں نے مزید یوں بھی کہا کہ تم دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے ہو چلو ہمارے باپ دادوں کو لا کر دکھا دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو (کہ دوبارہ اٹھنا ہے اور قیامت قائم ہونی ہے) ان کی تردید میں فرمایا اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم بہتر تھی اور جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بہتر تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے) یعنی یہ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ اللہ کے رسول کی رسالت اور دعوت کے منکر ہیں اپنے کو دنیاوی طور پر بڑی قوت والا سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر منکر ہو رہے ہیں یہ سوچنا اور سمجھنا بالکل ہی غلط ہے ان کی کیا حیثیت ہے ان سے پہلے (یمن کے بادشاہ) تبع کی قوم گزر چکی ہے اور ان میں بھی بہت سی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا' رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جب ان پر عذاب آیا تو شوکت و قوت نے کچھ بھی کام نہ دیا سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب)

تبع کون تھے؟:۔ یہ تبع کون تھا جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۳ ج ۴ نے اس پر لمبا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اتنی بات تو تقریباً سبھی نے لکھی ہے کہ تبع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جیسے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے القاب تھے اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا یہ کون سا تبع تھا جس کا آیت

بالا میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابو کرب لکھی ہے، محمد بن اسحاق (صاحب السیرۃ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ تبع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جب اہل مدینہ کو اس کا پتہ چلا تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ میں سے دو عالم کعب اور اسد نامی اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ! تو ایسا نہ کر اگر تو ہماری بات نہیں مانتا تو جان، ہمیں ڈر ہے کہ تجھ پر جلد ہی عذاب نازل ہو جائے گا کیونکہ یہ ایک نبی کا دار الہجرت ہے وہ قریش سے ہوں گے نام محمد ہوگا ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی، یہ سن کر وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا پھر ان دونوں عالموں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی اس نے ان کا دین قبول کر لیا، یعنی یہودیت کو اپنا دین بنا لیا، اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے چلا گیا۔ اس کے ساتھ کچھ یہودی جن میں وہ دونوں عالم بھی تھے (جنہوں نے اسے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا) یمن جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستے میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ لوگ ملے انہوں نے تبع سے کہا کہ ہم تمہیں ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس میں موتی زبرجد اور چاندی کا خزانہ ہے، اس نے سوال کیا کہ وہ کونسا گھر ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ گھر مکہ معظمہ میں ہے بنی ہذیل کا مقصد اس کی خیر خواہی نہ تھی بلکہ اسے ہلاک کروانا مقصود تھا وہ جانتے تھے کہ اس بیت پر جس نے بھی حملہ کا ارادہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

تبع نے لوگوں کی بات سن کر یہودی علماء سے مشورہ لیا، جو اس کے ساتھ تھے، ان لوگوں نے کہا کہ تو اس پر حملہ آور مت ہو ہمارے علم میں صرف یہی ایک گھر جس کی اللہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو وہاں نماز بھی پڑھ، قربانی بھی کر اور سر بھی مونڈ، یہ لوگ تیری دشمنی کیلئے ایسا مشورہ دے رہے ہیں، علماء یہود نے جب اسے ایسا مشورہ دیا تو اس نے بنی ہذیل کے چند لوگوں کو پکڑ کرا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور اندھا کرنے کیلئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اور انہیں سولی پر چڑھا دیا مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے کعبہ شریف کو پردہ پہنایا اور وہاں جانور ذبح کئے، وہاں چند دن قیام بھی کیا۔ طواف بھی کیا اور حلق بھی کیا۔ جب تبع مکہ معظمہ سے جدا ہوا اور یمن کے قریب پہنچا تو قبیلہ بنی حمیر کے لوگ آڑے آ گئے (تبع اسی قبیلہ سے تھا) اور کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس ہرگز نہیں آ سکتا کیونکہ تو ہمارے دین سے جدا ہو گیا، تبع نے انہیں اپنے دین کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ میں نے جو دین اختیار کیا ہے تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے آگ کو حَکَم (یعنی فیصلہ کرنے والی چیز) بنایا اس پر آگ نے اہلِ یمن کے بتوں کو اور جو کچھ انہوں نے بتوں پر چڑھاوے چڑھائے تھے ان سب کو جلا دیا اور یہودی علماء کو دیکھ کر آگ پیچھے ہٹ گئی یہاں سے یمن میں دین یہودیت پھیلنے کی ابتداء ہوئی، تبع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی بعثت سے (۷۰۰) سال پہلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً سو سال پہلے ایمان قبول کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ تبع کو برا نہ کہو وہ نیک آدمی تھے، اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے حضرت سہل بن سعدؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تبع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ (یہ حدیث مسند احمد ص ۳۴۰ ج ۵ میں مذکور ہے۔) پھر بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث نقل کی ہے (جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا غیر نبی۔

ان روایات میں یہ تو ثابت ہوا کہ تبع اچھے آدمی تھے لیکن ان کی قوم کب اور کیسے ہلاک ہوئی اس کا پتہ نہیں چلتا جبکہ سورۂ قٓ میں اور سورۂ دخان میں قوم تبع کے ہلاک کئے جانے کی تصریح ہے، اگر معالم التنزیل کے بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ باوجودیکہ آگ نے فیصلہ کر دیا تھا پھر بھی تبع کی قوم ایمان نہ لائی اور کفر پر جمی رہی اور اس کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو یہ قرینِ قیاس ہے۔ یہاں تک لکھنے کے بعد تفسیر ابن کثیر میں دیکھا انہوں نے اس تبع کا نام اسعد بتایا ہے اور کنیت ابو کریب لکھی ہے اور باپ کا نام مللکیکو لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس

نے تین سو چھبیس سال تک حکومت کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن جب اس کی وفات ہوگئی تو وہ لوگ مرتد ہو گئے۔ آگ کی اور بتوں کی پوجا کرنے لگے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا جیسا کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے۔ مفسر ابن کثیر کا فرمانا ہے کہ قوم تبع اور سبا ایک ہی قوم کا مصداق ہے (ابن کثیر ص ۱۴۳، ص ۱۴۴ ج ۴) واللّٰہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

پھر فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (ہم نے ان دونوں کو حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) ان کے بنانے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس سے ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں سورۂ یٰس میں فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے، ہاں وہ قادر ہے اور بہت پیدا کرنے والا ہے بڑے علم والا ہے)۔

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا:۔ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ؕ (بلاشبہ فیصلوں کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے) یہ مانیں یا نہ مانیں بہرحال قیامت اپنے مقررہ وقت پر آ جائے گی اور حساب کتاب ہوگا يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا (اس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کو کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ (ہاں! مگر جس پر اللہ رحم فرمائے) اہل ایمان کا تعلق ایک دوسرے کو نفع دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کر دیں گے اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ۔ بیشک وہ زبردست ہے (اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے) الرَّحِيْمُ (وہ مؤمن بندوں پر رحم فرمانے والا ہے)

لفظ مَوْلٰی وَلِیَ یَلِیْ سے ماخوذ ہے آپس میں جن دو آدمیوں میں دوستی ہو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ ہوتا ہے۔ دنیاوی تعلقات قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا دوستی اور قریبی تعلق کچھ کام نہ دے گا ہاں! اللہ کی رحمت جس پر ہو جائے اسی کے لئے خیر ہوگی اور وہ صرف اہل ایمان کیلئے مخصوص ہے اس دن کوئی کافر کسی کافر کو نفع نہیں پہنچا سکتا، ساری دوستیاں ختم ہو جائیں گی اہل ایمان میں سے جسے اور جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی اسی کو نفع پہنچ جائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾

بلا شبہ زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہو گا جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا، وہ پیٹوں میں ایسا کھولے گا

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾

جیسے گرم پانی کھولتا ہے، اس کو پکڑو پھر اسے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر گرم پانی کے عذاب سے ڈال دو

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تو چکھ لے بیشک تو معزز مکرم ہے۔ یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے۔

معانقۃ ۱۲ عند المتأخرین

دوزخیوں کے لئے طرح طرح کا عذاب ہے، زقوم ان کا کھانا ہوگا، سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا

گزشتہ آیات میں منکرین قیامت کا انکار ذکر فرمایا پھر قیامت کا اثبات فرمایا' قیامت قائم ہونے پر جو کافروں کی دوزخ میں بدحالی ہو گی ان آیات میں اس کو بیان فرمایا دوزخیوں کو جہنم میں سخت بھوک لگے گی اور وہ کھانے کے لئے طلب کریں گے' انہیں کھانے کیلئے جو چیزیں دی جائیں گی ان میں سے زقوم کا درخت بھی ہوگا' سورۂ صٰفّٰت میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ درخت دوزخ کے درمیان سے نکلے گا اس کے گچھے ایسے ہوں جیسے سانپوں کے پھن ہوتے ہیں یہ بہت زیادہ کڑوا ہوگا۔ جب ان کو کھانے کو دیا جائے گا تو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا (کسی بوتل وغیرہ میں ایک عرصہ تک تیل رکھا جائے اور تیل میں دوسری کسی چیز کے ذرات تیل کے گاڑھے حصے میں جم جائیں اسے تلچھٹ کہتے ہیں)

زقوم دیکھنے میں بھی بہت زیادہ بدنما ہوگا اور مزے میں بھی بہت زیادہ بُرا ہوگا لیکن بھوک کی مجبوری میں دوزخیوں کو کھانا ہی پڑے گا وہ پیٹ میں پہنچ جائے گا تو وہاں جا کر تیز گرم پانی کی طرح سے کھولے گا' اس سب کے باوجود پیٹ بھر کر کھائیں گے جیسا کہ سورۃ الواقعہ میں فرمایا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک جائے تو دنیا والوں کی کھانے کی چیزوں کو بگاڑ کر رکھ دے' اب غور کرلو کہ اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا زقوم ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۸۰)

اہلِ دوزخ کو دوزخ میں جو زقوم کھانے کو ملے گا وہ پیٹ میں جا کر گرم پانی کی طرح کھولے گا پھر اوپر سے ان کے سر پر گرم پانی ڈالنے کا حکم ہوگا یہ گرم پانی ڈالا جانا مستقل عذاب ہوگا یہاں فرمایا ہے ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ اور سورۂ حج میں فرمایا يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدِ (ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو کاٹ دے گا ان چیزوں کو جو ان کے پیٹوں میں ہوگی اور ان کے چمڑوں کو)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑلو پھر دوزخ کے بیچ والے حصہ میں گھسیٹ کر لے جاؤ پھر اس کے سر پر گرم پانی کا عذاب ڈال دو یعنی گرم پانی ڈال دو جو سراپا عذاب ہے۔

قال القرطبی والعتل أن تأخذ بتلابیب الرجل فتعتله أن تجره الیک لتذهب به الی حبس اوبلیة عتلت الرجل اعتله و اعتله عتلاً اذا جذبته جذبا عنیف.

(علامہ قرطبی کہتے ہیں عُتُل کا معنی یہ ہے کہ تو کسی آدمی کو اس کے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچے تاکہ اسے جیل میں یا آزمائش میں لے جائے، عتلتُ الرجل أعتلہٗ وأعتُلہ عتلاً جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے)

دنیا کی بڑائی کا انجام: ۔ دوزخی وہاں ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا حالانکہ دنیا میں بڑا عزت والا سمجھا جاتا تھا اس کا بڑا نام تھا اور شہرت تھی۔ بادشاہ تھا' صدر تھا یا وزیر تھا' بڑے بڑے القاب تھے وہ اپنے کو بڑا آدمی سمجھتا تھا' دوزخ میں سخت عذاب کی وجہ سے اس کا برا حال ہو گا۔ اس کی دنیا والی حالت یاد دلانے کے لئے (جس کو بہت بڑی کامیابی سمجھتا تھا) کہا جائے گا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (تو یہ عذاب چکھ لے دنیا میں تو بڑی عزت والا اور بڑے اکرام والا سمجھا جاتا تھا) اس چند دن کی بڑائی اور چہل پہل پر جو لوگ جان اور دل سے فدا ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (اہل دوزخ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جسکے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ

بلا شبہ متقی لوگ امن والی جگہ میں ہونگے' باغوں اور چشموں میں ہوں گے' وہ سندس اور استبرق کا

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ

لباس پہنے ہوں گے' آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' یہ بات اسی طرح سے ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کردیں گے وہ لوگ اس میں اطمینان سے

فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ

ہر قسم کے میوے منگائیں گے' پہلی موت جو انہیں دنیا میں آچکی تھی اس کے سوا موت کو نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

عذاب سے بچا لے گا جو آپ کے رب کی طرف سے فضل ہو گا یہ بڑی کامیابی ہو گی۔

متقیوں کے انعامات' باغ اور چشمے، لباس اور ازواج، ہر قسم کے پھل اور حیاتِ ابدی

دوزخیوں کا عذاب بتانے کے بعد اہل جنت کے بعض انعامات ذکر فرمائے۔

اولاً تو یہ فرمایا کہ متقی لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے یعنی جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں ہر قسم کا خوف' ہراس' بے اطمینانی، بے چینی نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے انہیں کبھی کوئی خوف یا غم نہ ہوگا نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔

ثانیاً یہ فرمایا کہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور ثالثاً یہ فرمایا کہ سندس اور استبرق کا لباس پہنیں گے' سُنْدُسٌ باریک ریشم کو اور اِسْتَبْرَقٌ موٹے ریشم کو کہتے ہیں رابعاً یہ فرمایا کہ آپس میں مقابل ہو کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے یعنی لا یریٰ بعضھم قفا بعض یعنی اس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی پشت کسی طرف نہ ہوگی خامساً یہ فرمایا کہ ہم حور عین سے ان کا نکاح کردیں گے لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو استعمال میں حور کو مفرد سمجھا جاتا ہے) حوراء گورے رنگ کی عورت کو کہتے ہیں۔ جس کا رنگ خوب آنکھوں میں جچ رہا ہوں اور اچھا لگ رہا ہو' اور عین عیناء کی جمع ہے' اس کا معنی ہے بڑی آنکھوں والی عورت' اللہ تعالیٰ حور عین کو اہل جنت کے نکاح میں دے دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کے درمیان کو روشن کردے اور ان دونوں کے درمیان کو خوشبو سے بھر دے اور فرمایا کہ یہ واقعی بات ہے کہ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے' اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر جنتی کی کم از کم (قال الحافظ فی الفتح والذی یظھر ان المراد ان اقل مالکل واحد منھم زوجتان۔) دو بیویاں ہوں گی۔ ان میں سے ہر ایک ستر ۷۰ جوڑے پہنے ہوئے ہوگی اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا۔ (رواہ البخاری)

سادسًا یوں فرمایا کہ اہل جنت ہر قسم کے میوے طلب کریں گے۔ سابعًا یوں فرمایا کہ وہاں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی دنیا میں جو موت آ گئی تھی اس کے بعد اور کسی موت کا خطرہ نہ ہوگا ثامنًا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دوزخ سے بچا لے گا۔ عذاب دوخ سے بچانا اور جنت میں داخل فرمانا یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا (اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان پر اور اعمالِ صالحہ پر جنت دینے کا اور دوزخ سے محفوظ فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

آخر میں فرمایا ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یہ جو کچھ مذکور ہوا بڑی کامیابی ہے) اس میں اہل دنیا کو تنبیہ ہے کہ تم جس چیز کو کامیابی سمجھ رہے ہو وہ فانی چیزیں ہیں جنت کی طرف رخ کرو اور اس کے اعمال میں لگو وہاں جو ملے گا وہ بڑی کامیابی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

سو بات یہی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں سو آپ انتظار کیجئے، بلاشبہ وہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ہم نے قرآن کو آپ ﷺ کی زبان پر آسان کر دیا ہے، آپ انتظار کریں، یہ لوگ بھی منتظر ہیں

یہ سورۃ الدخان کی آخری دو آیتیں ہیں، یہ سورت قرآن کریم کی قسم کھانے اور مبارک رات میں نازل فرمانے کے ذکر سے شروع ہوئی تھی، آخر سورت میں پھر قرآن کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اس کو آپ ﷺ کی زبان پر آسان کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کی زبان عربی ہے، یہ بھی عربی ہے، آپ اسے پڑھیں اور ان کے سامنے بیان کریں، تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں نیز یہ فرمایا کہ آپ ﷺ انتظار فرمائیں یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں، یعنی اگر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس انتظار میں ہیں کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچ جائے تو آپ سمجھ لیں کہ ان کے انتظار اور آرزو سے کچھ ہونے والا نہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۃ الطور میں فرمایا اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ○ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ط (بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کے بارے میں موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے تم انتظار کرو سو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

وهذا آخر ما وفق الله تعالىٰ فی تفسیر سورة الدخان والحمد لله الرحمٰن المنان ، والصلوٰة والسلام الاتمان الاكملان سيد ولد عدنان ، وخير الانس والجان وعلى اله وصحبه أصحاب العلوم والعرفان، ومن تبعهم باحسان الى ان يتناوب الملوان ويتعاقب النيران. (وكان ذلك فی اليوم الرابع من الشهر الثالث من ۱۴۱۸ھ)

مکی	سورۃ الجاثیہ	۳۷ آیتیں ۴ رکوع

(۴۵) سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۶۵) اٰیَاتُهَا ۳۷ رُکُوْعَاتُهَا ۴

سورۃ الجاثیہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ۳۷ آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

حٰمٓ . اتارنا ہے کتاب کا اللہ کی طرف سے جو عزیز ہے، حکیم ہے۔ بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَ فِيْ خَلْقِكُمْ وَ مَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ

مؤمنین کیلئے اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے، انکے پیدا کرنے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں اور رات اور دن

الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

کے آگے پیچھے آنے میں اور جو رزق اللہ نے آسمان سے اتارا ہے، پھر اس کے ذریعہ زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ فرما دیا

وَ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ

اور ہواؤں کے پھیرنے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو سمجھتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں،

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

سو یہ لوگ اللہ کے اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

یہ کتاب عزیز و حکیم کی طرف سے ہے، آسمان و زمین، انسان کی تخلیق، لیل و نہار کے اختلاف اور بارش کے نزول میں معرفتِ الٰہیہ کی نشانیاں ہیں

ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ وہ عزیز بھی ہے، حکیم بھی ہے اس کے بعد توحید کی نشانیاں بیان فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اہل ایمان ان کو دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے اللہ نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں، ان سب میں ان لوگوں کے لئے

نشانیاں اور دلائل ہیں جو لوگ یقین رکھتے ہیں اسی طرح رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمان سے رزق نازل فرمایا یعنی بارش جس کے ذریعہ زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا یعنی اس کی خشکی کو دور فرما کر اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور سبزیاں پیدا فرمادیں اور ہوا کو بھیج کر مختلف کاموں میں لگایا جو کبھی پورب کو جاتی ہے اور کبھی پچھم کو کبھی گرم ہے اور کبھی ٹھنڈی کبھی نفع دینے والی ہے کبھی ضرر پہنچانے والی ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں عقل والے دیکھتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ سب امور قادر مطلق جل شانہ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آیات ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں، جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہے یہ آپ کو فرشتہ سناتا ہے) پھر آپ ﷺ کے ذریعہ آپ کے مخاطبین کو پہنچتی ہے لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان آیات کو سننے کے بعد انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سامنے آ گئے اس کی آیات جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچیں آپ سے ان لوگوں نے سنیں ان پر وہ ایمان لائے اس سب کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

بڑی خرابی ہے ہر جھوٹے کے لئے جو نافرمان ہے اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہے پھر وہ تکبر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے گویا کہ

لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ

اس نے ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی کو جان لیتا ہے تو ان کا مذاق بناتا ہے ان لوگوں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّ

کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ان کے آگے دوزخ ہے انہوں نے دنیا میں جو کچھ کمایا اور اللہ کے

لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ

سوا انہوں نے جو کارساز بنائے ان میں سے انہیں کوئی بھی کچھ نفع نہیں دے گا اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے یہ ایک بڑی ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

ع ۱۱ ۱۷

آیات کے ساتھ کفر کیا، ان کے لئے عذاب ہے سختی والا دردناک۔

ہر جھوٹے گناہگار اور متکبر اور منکر کے لئے عذاب الیم ہے

قریش مکہ میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے ان میں بعض لوگ کفر و شرک کے سرغنہ بنے ہوئے تھے جو خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی قبول نہیں کرنے دیتے تھے ان میں سے ابو جہل بھی تھا اور نضر بن حارث بھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ عجمیوں کی باتیں (قصے کہانیاں) خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں اور قرآن شریف نہ سنیں (جس کا کچھ بیان سورۂ لقمان کے پہلے رکوع میں آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے ذیل میں گزر چکا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ شان نزول

خواہ کسی ایک شخص کے بارے میں ہو لیکن الفاظ کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو اپنے عمل اور کردار سے آیت کے مفہوم کا مصداق ہو اور ارشاد فرمایا کہ ہر اَفَّاکٍ یعنی خوب جھوٹ بولنے والے اور ہر اَثِیْمٍ یعنی بڑے گنہگار کے لئے وَیْلٌ ہے یعنی خرابی اور بربادی اور ہلاکت ہے (جس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی وہ چونکہ بہت جھوٹا اور بہت بڑا گنہگار تھا اس لئے یہ دونوں لفظ لائے گئے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تھوڑا جھوٹ اور تھوڑے گناہ جائز ہیں)۔

اس بڑے جھوٹے اور بڑے گنہگار کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ. (یہ اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں۔ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا (پھر وہ اپنے کفر پر اور شرارت پر اور گنہگاری پر اصرار کرتا ہے اس کا یہ اصرار تکبر کرنے کی حالت میں ہے كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا. (وہ تکبر کرتے ہوئے اس طرح بے رخی اختیار کر لیتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. (سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں) یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں بڑا ہوں سردار بنا ہوا ہوں ہمیشہ اسی حال میں رہوں گا۔ یہ دنیا فانی ہے تھوڑی سی ہے مرنا بھی ہے موت کے بعد اللہ کے رسول اور کتاب کو جھٹلانے والے دردناک عذاب میں داخل ہوں گے۔

اَفَّاکٌ اور اَثِیْمٌ (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کی مزید بیہودگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئَا نِ اتَّخَذَهَا هُزُوًا. (یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کا مذاق بناتا ہے یعنی تمسخر کرتا ہے) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ. ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے) مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ط (ان کے آگے دوزخ ہے اپنے شرک کی وجہ سے اس میں داخل ہوں گے) وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْئًا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ (اور انہوں نے جو کچھ بھی کمایا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اللہ کے سوا جو انہوں نے اپنے خیال میں اولیاء یعنی کارساز بنا رکھے تھے وہ بھی کچھ نفع نہ دیں گے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

هٰذَا هُدًی ج (یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا لازم ہے)۔

مذکورہ صفات سے متصف ہونے والوں کیلئے تینوں طرح کا عذاب بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ (الآیۃ) اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے ساتھ سخت عذاب کا بڑا حصہ ہوگا جو دردناک ہوگا۔ وہاں کا عذاب اَلِیْمٌ بھی ہے یعنی دردناک اور مُهِیْنٌ بھی ہے یعنی ذلیل کرنے والا اور عظیم یعنی بڑا بھی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط

تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر بنا دیا

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں۔

تسخیر بحر اور تسخیر فی السمٰوٰت و الارض میں فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔

اولاً سمندر کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا یعنی تمہاری ضرورتوں میں کام آنے والا بنا دیا اس تسخیر کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں، ان کشتیوں میں سفر کرتے ہو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان بھی لے جاتے ہو اور اللہ کا فضل بھی تلاش کرتے ہو، تجارت کے ذریعہ فائدہ اٹھاتے ہو، سمندر میں غوطے مارتے ہو، موتی نکالتے ہو، شکار پکڑتے ہو، یہ سب اللہ کا فضل ہے تمہیں چاہئے کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔

ثانیاً فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں اللہ نے ان کو تمہارے کام میں لگا دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں آنے والا بنا دیا یہ چیزیں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے مسخر ہیں اللہ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق تمہارے منافع کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں بعض منافع آخرت سے متعلق ہے اور بعض دنیا سے متعلق ہیں، آخر میں فرمایا کہ یہ جو سب کچھ مذکور ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، فکر کرنے والے لوگوں کے لئے (جو لوگ فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کرتے ہیں)۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے ایام کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ہر قوم کو اس کی جزا دے جو وہ کماتے ہیں

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ز

جو شخص نیک کام کرے سو وہ اسی کی جان کے لئے ہے اور جو شخص کوئی برا کام کرے اس کا وبال اسی کے نفس پر ہے،

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آپ ﷺ اہل ایمان سے فرما دیں کہ منکرین سے درگزر کریں، ہر شخص کا نیک عمل اسی کیلئے ہے اور برے عمل کا وبال بھی عمل کرنے والے پر ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یَغْفِرُوْا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا یعنی آپ ﷺ اپنے ایمان والوں سے فرما دیں کہ درگزر کرو وہ اس پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں کرتے یعنی کافر لوگ جنہیں اس کا خیال نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنوں کو پلٹ دیتا ہے، ہمیشہ یکساں زمانہ نہیں رہتا، وہ دشمنوں سے انتقام لے لیتا ہے، صاحب روح المعانی نے اس کی دوسری تفسیر حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں نقل کی ہے کہ ان لوگوں سے درگزر فرمائیں جنہیں ان اوقات کی امید نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ثواب دینے کیلئے مقرر فرمائے ہیں، جن میں مؤمنین کو کامیابی حاصل ہوگی یعنی وہ لوگ آخرت کو مانتے ہی نہیں، ان سے درگزر کریں، پھر علماء کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ یہ آیت قتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ نسخ نہیں ہوا بلکہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو دشمنوں کی طرف سے

ہوتی رہتی ہیں، جن سے ایذا پہنچتی ہے یا وحشت ہوتی ہے ان باتوں سے درگزر کرنا مراد ہے۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یعنی آپ ایمان والوں کو درگزر کرنے کا حکم دیں وہ درگزر کریں' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا اور کافروں کے عمل کی کافروں کو سزا دے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ. (جو شخص نیک عمل کرے سو وہ اسی کی جان کے لئے ہے) وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (اور جس نے برے کام کئے ان کا وبال اسی پر ہوگا) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اہل ایمان کو ایمان کا اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا ثواب ملے گا اور ان کے مخالفین کافرین اور مشرکین اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہونگے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم عطا کیا اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا

اور جہانوں پر فضیلت دی' اور ہم نے دین کے بارے میں انہیں کھلی کھلی دلیلیں عطا کیں۔ سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

کہ ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے' بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' جن میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾

وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات، کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمانا، طیّبات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم دیا' بعض حضرات نے حکم کا ترجمہ فقہ فی الدین سے کیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے حکمتیں مراد لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی دی یعنی ان میں کثرت سے نبی بھیجے سورۂ مائدہ میں فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ. (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں دیں)۔

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں دیں) یعنی عمدہ اور حلال اور لذت والی چیزیں عطا فرمائیں وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ. (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت دی) یعنی ان کے زمانہ میں جو لوگ تھے بنی اسرائیل کو ان پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلے ہوئے واضح دلائل عطا فرمائے) جن میں سے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے معجزات بھی تھے، صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نشانیاں مراد ہیں، یہودیوں کو آپ کی بعثت کی نشانیاں معلوم تھیں لیکن جب آپؐ تشریف لائے تو یہ لوگ جانتے ہوئے اور آپؐ کی بعثت اور رسالت کا یقین ہوتے ہوئے منکر ہو گئے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ. (پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے)۔

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ط (سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے)۔

بَغْيًا کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے اختلافات میں لگ گئے دلائل واضحہ سامنے ہوتے ہوئے حق سے منہ موڑا اور ریاست اور چودھراہٹ کی وجہ سے اختلافات میں پڑ گئے، اور ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا پہلے تو آپؐ کی آمد کے منتظر تھے جب آپؐ تشریف لے آئے تو کہنے لگے کہ عرب میں سے کیسے کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم میں سے ہمیشہ نبی آتا رہے گا، ان میں سے صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اور آج تک اسلام اور مسلمان کے خلاف ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دنیاوی ریاست اور چودھراہٹ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بغاوت کی اور انبیاء کرام کو قتل کر دیا۔ یہی حال آپ کے زمانہ کے مشرکین کا ہے، ان کے پاس کھلی ہوئیں دلیلیں آ گئی ہیں لیکن دنیاوی ریاست کے چلے جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے)۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾

پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا، سو آپ اس کا اتباع کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے جو نہیں جانتے،

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ج

بلا شبہ وہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں کچھ نفع نہیں دے سکتے اور بیشک ظلم کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ متقیوں کا دوست ہے،

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

یہ قرآن لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

ہم نے آپ ﷺ کو مستقل شریعت دی ہے، کفار آپ کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور اللہ متقیوں کا ولی ہے

یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بعد ہم نے آپ کو ایک شریعت دی ہے جو دین سے متعلق ہے (قال القرطبی ای علی منهاج واضح من امر الدين يشرع بك من الحق) (علامہ قرطبی فرماتے ہیں یعنی آپ کو دین حق کی جو شریعت (قانون) دی ہے اس کے واضح راستے پر چلتے رہیں) سو آپ اس کا اتباع کریں اور

ان لوگوں کا اتباع نہ کریں جو نہیں جانتے' یعنی قریش مکہ جو آپ کا دین قبول کرنے کے بجائے اپنے باپ دادوں کا دین قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں ان کا اتباع نہ کیجئے۔

دوسری آیات میں فرمایا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے یعنی اگر آپ نے ان کے دین کا اتباع کرلیا اور اس پر اللہ کی طرف سے گرفت ہوگئی تو یہ لوگ ذرا بھی آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ . (ظالم لوگ یعنی کفار و مشرکین اور منافقین اور یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی نیت رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ متقیوں کا ولی ہے) وہ دنیا میں بھی مدد فرماتا ہے اور آخرت میں بھی مدد فرمائے گا۔

تیسری آیت میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا ذریعہ ہے اس میں غور کریں تو بصیرت کی باتیں پائیں گے' مزید فرمایا کہ یہ قرآن ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

جن لوگوں نے برے کام کئے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ

سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

کئے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے' یہ برا فیصلہ کرتے ہیں اور اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ

وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور تا کہ ہر جان کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور ان لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

ع ٢ ١٠ ١٨

کیا گناہگار یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے برابر کردیں گے

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اہل باطل کے اس گمان کی تردید فرمائی کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ہم سے بڑھ کر درجہ والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں مال دیا ہے آخرت میں بھی ہمیں نعمتیں دی جائیں گی جیسا کہ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے۔ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (اور اگر میں اپنے رب کی طرف واپس کر دیا گیا تو بلا شبہ میرے لئے اچھی حالت ہوگی)۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجرمین کفار و مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے' ان کا یہ خیال غلط ہے یہ بات نہیں کہ ہم دونوں فریق کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے دنیا میں مؤمنین کی زندگی اور ہے وہ فرمانبردار ہیں، مؤحد ہیں، اللہ کے دین پر ہیں اگر چہ مال نہ ہو اور کافر منکر ہیں اپنے خالق کے باغی اور نافرمان ہیں۔ پھر موت کے بعد مؤمن کو نعمتیں ملیں گے۔ جنت میں داخل ہوں گے اور کافر عذاب میں مبتلا ہوں گے، دوزخ میں جائیں گے لہٰذا نہ دونوں کی زندگی برابر ہے اور نہ موت برابر ہے۔ مؤمن دنیا میں بھی کافر سے بہتر ہے اور آخرت میں بھی کافر سے بہتر ہوگا۔ کافروں کا یہ خیال کرنا کہ موت کے بعد بھی ہم مؤمنین سے اچھی حالت میں رہیں گے یہ ان کی جہالت کی بات ہے، جھوٹا اور غلط خیال ہے' اسی کو فرمایا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ط

(برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں) قال صاحب الروح قاله عزوجل سواء بدل من الکاف بناء علی انها بمعنی مثل وقوله تعالیٰ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ فاعل سواء اجری مجری مستو کما قالوا مررت برجل سواء هو والعدم ا ه. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں سواء بدل ہے کاف سے اس بنیاد پر کہ کاف مثل کے معنی میں ہے۔ اور مَحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ، سَوَآءً کا فاعل ہے جو کہ مُستو کا قائم مقام ہے جیسا کہ کہتے ہیں مررت برجل سواء هو والعدم میں ایسے آدمی کے پاس سے گذرا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے) دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق (یعنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا اور اس لئے پیدا فرمایا کہ انہیں دیکھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ہر نفس کو اس کے اپنے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو دیکھنے والے پیدا کرنے والے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں اور یہ سمجھ لیں کہ جس ذات پاک نے ان کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ فرما دے اور حساب کتاب کے لئے حاضر کر دے اور ان کے اعمال کی جزاء سزا دیدے۔ سورۃ الاحقاف میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ. (کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

وقوله تعالیٰ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ معطوف علی لفظة بالحق ای خلقها لیدل سُبحانه وتعالیٰ بها علیٰ قدرته ولیعلم الناس انه تعالیٰ یجزی کل نفس بما کسبت فان الخالق جل مجدهٗ لم یخلق السمٰوٰت والارض عبثا بلا حکمة ولا الانس والجان عبثاً بل خلقهم لیجزیهم باعمالهم قال تعالیٰ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. (اللہ تعالیٰ کے قول ولتجزی کل نفس بما کسبت کا عطف لفظ بالحق پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اس لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ انہیں دیکھنے والے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں' نیز یہ بھی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیں گے کیونکہ خالق جل مجدہ نے آسمانوں اور زمینوں کو بدون حکمت بیکار پیدا نہیں کیا' اسی طرح انسانوں اور جنوں کو بھی بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ انہیں اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' (کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے'' یعنی تمہارا یہ گمان کرنا کہ تمہیں بیکار پیدا کیا گیا ہے بالکل غلط ہے)۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر

جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا

مہر لگا دی اور اس کے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا' سو کون ہے جو اللہ کے بعد اس شخص کو ہدایت دے گا۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے' اور ان لوگوں نے

مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

کہا کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا والی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ' اور انہیں اس کا کچھ بھی

عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ

علم نہیں، یہ لوگ صرف گمان کرتے ہیں اور جب ان کے اوپر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی حجت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ

اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو، آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر موت دیتا ہے

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

ع ۳ ۱۹

اے مخاطب! کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کردیا

تفسیر ان آیات میں مشرکین کی گمراہی بتائی کہ وہ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی خواہش ہی کو معبود بنا رکھا ہے، جس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں کبھی اس پتھر کے سامنے جھکے عاجزی کررہے ہیں، کبھی اس پتھر کو سجدہ کئے ہوئے نظر آتے ہیں، علامہ قرطبیؒ نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ عرب کے مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ کسی پتھر کو پوجنے لگتے تھے پھر جب اس سے اچھا پتھر نظر آجاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے تھے اور دوسرے پتھر کو پوجنے لگتے تھے یعنی ان کا معبود نفس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا، آیت کا دوسرا معنی مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں دیکھا جو اپنے نفس کے پابند ہیں؟ انہیں ہدایت سے کوئی محبت نہیں اور گمراہی سے کوئی نفرت نہیں جو نفس چاہتا ہے وہی کہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں یہ تفسیر پہلے مفہوم کو بھی شامل ہے۔عربی میں ھَـوٰی خواہش کو کہتے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جتنی جگہ بھی ھَوٰی کا ذکر ہے مذمّت کے ساتھ ہی ہے سورۃ القصص میں فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا)۔

اتباع ھَوٰی کے بارے میں ضروری تنبیہ: ۔جیسا کہ نفس کی خواہش کفر پر جما کر رکھتی ہے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھتی ہے اسی طرح بہت سے مدعیانِ اسلام بھی نفس کے پابند ہونے کی وجہ سے بڑھ چڑھ کر گناہ کرتے ہیں جو نفس کی خواہش ہوتی ہے وہی کرتے ہیں نمازیں بھی چھوڑتے ہیں، زکوٰتیں بھی حساب کرکے نہیں دیتے حرام مال بھی کماتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں، دشمنوں کی طرح شکل وصورت بناتے ہیں اور ان کے جیسا لباس پہنتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب رہتے ہیں، اتباع ہوٰی یعنی نفس کی خواہش پر چلنا برباد کردینے والی چیز ہے اور نفس کی مخالفت کرنا کامیابی کا راستہ ہے، سورۃ النازعٰت میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کی خواہش سے رکا تو بیشک جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

مومن بندہ پر لازم ہے کہ نفس کی خواہش سے خبر دار رہے۔جائز اور حلال خواہش پوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر نفس کی خواہش پورا کرنے کے پیچھے پڑا تو نفس تباہ کرکے چھوڑے گا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو کرے اور

موت کے بعد کیلئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

۱۔ پوشیدہ اور ظاہر طریقے پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا۔

۲۔ رضامندی اور ناراضگی میں حق بولنا۔

۳۔ مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔

۱۔ نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے۔

۲۔ کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے۔

۳۔ انسان کا اپنے نفس پر اترانا۔ اور یہ ان میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴۔)

مؤمن پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی خواہش کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع کر دے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۰) البتہ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے، نفس کو دبانا پڑتا ہے اور اسے خیر کے لئے آمادہ کرنا پڑتا ہے۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ (اور اسے اللہ نے علم والا ہوتے ہوئے گمراہ کر دیا) وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشَاوَةً ط یہ تینوں جملے پہلے جملہ پر معطوف ہیں چاروں جملوں کا ترجمہ یوں ہوا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ فرما دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (سو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے گا) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) در حقیقت نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنا انسان کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے، اتباع ہوی کرتے کرتے اور جی چاہی زندگی پر چلتے چلتے قبول حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے پھر علم بھی کام نہیں دیتا، جانتے اور سمجھتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتا، کان بھی حق سننے کو تیار نہیں اور دل بھی قبول نہیں کرتا اور آنکھوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اتنی دور کی گمراہی میں پڑ جانے کے بعد ہدایت پر آنے کی کوئی بھی اُمید نہیں رہتی۔

قولہ تعالیٰ: عَلٰی عِلْمٍ یجوز ان یکون حالا من الفاعل أی اضله اللّٰه عالما بانه من اهل الضلال فی سابق علمه ویجوز ان یکون حالا من المفعول أی أضله عالما بطریق الهدی. (یعنی لفظ "عَلٰی عِلْمٍ" یا تو فاعل سے حال ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی معلوم تھا کہ یہ گمراہوں میں سے ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مفعول سے حال ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا درانحالیکہ گمراہ ہونے والا ہدایت کے راستہ سے واقف تھا)۔

وقوله تعالیٰ: فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ای من بعد اضلال اللّٰه أیاه وقیل معناه فَمَنْ یَّهْدِیْهِ غیر اللّٰه (اور فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہے جو اس کی راہنمائی کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون اسے ہدایت دے سکتا ہے)

دہریوں کی جاہلانہ باتیں اوران سے ضروری سوال: ....اس کے بعد مشرکین کے انکار قیامت کا تذکرہ فرمایا: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (الآیۃ) ان لوگوں نے کہا کہ جس کا نام زندگی ہے وہ ہماری اس دنیا والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے ہمیں ایک ہی بار یہ زندگی ملی ہے۔ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا نہیں نَمُوْتُ وَنَحْيَا موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے، ہم مر جائیں گے اور ہماری اولاد اس دنیا میں پیچھے زندہ رہ جائے گی پھر وہ بھی مر جائیں گے اور ان کی اولاد زندہ رہ جائے گی یہ قیامت کا آنا اور حساب کتاب کا ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ) عموماً منکرین اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے دنیا میں آتے ہیں مر جاتے ہیں قیامت اور حساب کتاب کچھ نہیں۔ ان میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن موت اور حیات اور انقلابات اور حوادث اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ زمانہ نے ایسا کیا' اور زمانہ کو جو برا کہتے ہیں۔ یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ سب کچھ حوادث اور انقلابات اسی کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور زمانہ خود اسی کی مخلوق ہے' بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے اور ہر نشیب وفراز کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ عالم کی ابتداء کے قائل ہیں اور نہ انتہاء کے، ان کو عرف عام میں دہریہ کہا جاتا ہے ان لوگوں سے اگر بات کی جائے کہ زمانہ تو رات دن گزرنے کا نام ہے' اس میں کوئی تاثیر نہیں پھر زمانہ میں تو خود تغیرات ہیں وہ فاعل مختار کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ جو مخلوق کی انواع واقسام ہیں اور آپس میں امتیازات ہیں انسانوں میں قلب ہے اور جوارح ہیں' درخت ہیں' ان کے پھل مختلف ہیں' مزے مختلف ہیں' جانور کی صورتیں اور ان کے اعمال مختلف ہیں اور اس طرح کے ہزاروں امتیازات ہیں' یہ صرف رات دن کے گزرنے سے وجود میں آ گئے، آم کا پھل بڑا اور جامن کا پھل چھوٹا کیوں ہے، کھجور کا تنا لمبا کیوں ہے، اس کے پھل چھوٹے کیوں ہیں' بڑے بڑے سمندروں کا پانی شور کیوں ہے میٹھا کیوں نہیں' کسی کے اولاد ہوتی ہی نہیں، کسی کے صرف لڑکے ہوتے ہیں، کسی کے صرف لڑکیاں ہوتی ہیں تو ان سب باتوں کے جواب سے دہریے عاجز رہ جاتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ (اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے) اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۚ (بس اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) ان لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے قیامت رُک نہ جائے گی' وہ ضرور واقع ہوگی جو اس کے منکروں کے لئے عذاب شدید کا باعث بنے گی۔

منکرین قیامت کی حجت بازی: .... وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ (الآیۃ) اور جب ان کے اوپر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت واقع ہونے کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اس کے امکان اور وقوع کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو اصلی دلیل سے عاجز ہوکر کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت آنے کی جو خبر دے رہے ہو اگر تمہارا یہ خبر دینا سچا ہے تو ہمارے باپ کو سامنے لے آؤ جنہیں مرے ہوئے زمانہ دراز گزر چکا ہے۔ اگر وہ لوگ زندہ ہوکر سامنے آ جائیں تو ایک تو ہمیں موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین آ جائے گا دوسرے ہم ان سے پوچھ لیں گے کہ موت کے بعد کیا کیا ہوا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے یعنی بے جان نطفہ سے پیدا فرماتا ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ (پھر تمہیں موت دے گا) ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں) یعنی تم مانو یا نہ مانو ایسا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے باپ دادو کو زندہ فرمائے' اس نے وقوع قیامت کی خبر دیدی امکان اور وقوع کے دلائل بیان فرما دیئے سب پر حجت پوری ہوگئی وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نبیوں نے جو وقوع قیامت کی خبر دی ہے وہ سچ ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى

اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے خسارہ میں پڑ جائیں گے، اور اے مخاطب! تو

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

ہر امت کو دیکھے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی، ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا

یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے، بیشک ہم لکھوا لیتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے سو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے،

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا کیا تمہارے پاس میری آیات نہیں آئیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ

اور جب کہا گیا کہ بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے ہم تو بس یوں ہی

نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

خیال کرتے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔ اور جو عمل انہوں نے کئے تھے ان کے برے نتیجے ظاہر ہو گئے اور جس چیز کی وہ مذاق بنایا کرتے تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ

وہ ان پر نازل ہوگئی اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھولتے ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے، اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا لیا اور دنیا والی زندگی نے تمہیں دھوکہ دیا،

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ

سو آج وہ اس میں سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ راضی کر لو، سو اللہ ہی کے لئے سب تعریف جو رب ہے آسمانوں کا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱ ۲۰

اور رب سارے جہانوں کا اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہ عزیز ہے حکیم ہے۔

قیامت کے دن اہلِ باطل خسارہ میں ہوں گے، ہر امّت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی اور اپنی اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی' اہلِ ایمان رحمت میں اور اہلِ کفر عذاب میں ہوں گے

یہ سورۃ الجاثیہ کے آخری رکوع کی آیات ہیں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں کا اور زمین کا ملک صرف اللہ ہی کے لئے ہے' اسی نے سب پیدا فرمایا، وہی خالق ہے اور مالک ہے اور بادشاہ ہے ملک اور ملکوت سب اسی کا ہے' پھر آخری دو آیتوں میں بھی اس مضمون کو دہرایا ہے درمیان میں قیامت کے احوال واہوال بیان فرمائے اور مؤمنین اور کافرین میں جو قیامت کے دن امتیاز ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا اور مجرمین سے جو گفتگو ہوگی اس کو بتایا۔

ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ. (اور جس دن قیامت قائم ہوگی باطل والے یعنی مجرمین' منکرین' مشرکین اور کافرین نقصان میں پڑ جائیں گے) ان لوگوں نے دنیا میں بہت کچھ کمایا، مال حاصل کیا' جاہ اور شہرت کے لئے کوششیں کیں اپنی دنیاوی اغراض کے لئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور اس انداز سے زندگی گزار دی جیسے ہمیشہ اسی دنیا میں رہیں گے۔ جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو تنہا ہوں گے، نہ اولاد ہوگی' نہ اصحاب ہوں گے، نہ احباب ہوں گے۔ جو جرم کئے تھے ان کی سزا ملے گی جو کچھ کمایا تھا وہ دنیا میں دھرا رہ گیا، اب جرم ہی جرم ہے، خسارہ ہی خسارہ ہے، بربادی ہی بربادی ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (اور جو بھی امتیں دنیا میں گزریں ان میں سے ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی یعنی ہر شخص خائف اور پریشان ہو کر مذکورہ صورت اور حالت میں ہوگا (یہ جاثیہ کا لفظی ترجمہ ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جاثیہ بمعنی مُجْتَمِعَةٌ ہے یعنی سب امتیں جمع ہوں گی۔

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا (ہر امت کو اس کی کتاب یعنی اعمالنامے کی طرف بلایا جائے گا جو پہلے فرشتوں نے لکھ رکھے ہوں گے) یہ بلانا ہر ایک کا اعمالنامہ ہاتھ میں دینے کیلئے ہوگا جس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے مزید ارشاد ہوگا هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یہ ہماری کتاب ہے (یعنی تمہارے اعمالنامے ہیں) جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول رہے ہیں یعنی اعمال کے بارے میں بالکل صحیح گواہی دے رہے ہیں اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور تھے بندوں کے اعمال لکھنا ان کے سپرد تھا یہ انھیں کے لکھے ہوئے اعمال نامے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔

فائدہ: لفظ جاثية کا ترجمہ اگر مُجْتَمِعَةٌ ہو تو اس میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانوں بیٹھے ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں' اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے صالحین کو ان میں سے عام مخصوص منہ البعض کے طور پر مستثنیٰ مان لیا جائے تب بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اگر لفظ كُلُّ کا مصداق سب ہی کو لیا جائے تو یہ بظاہر وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ کے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کیفیت کی مدت اور مقدار بیان نہیں کی گئی اس لئے ذرا دیر کو صالحین کی بھی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ بھی معارض نہیں ہے۔

اس کے بعد اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الآية) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا' جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی' یہ جنت اور رحمت کھلی ہوئی کامیابی ہے۔ پھر کافرین کی سزا کا تذکرہ

فرمایا وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (الآیة) جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے دن عذاب میں داخل ہوں گے جب مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو چھٹکارہ کے لئے معذرت کریں گے۔ اس وقت ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائے گا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيَاتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کیا تمہارے اوپر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ جب یہ آیات تمہارے پاس پہنچیں تو تم نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا' کفر پر قائم رہنے ہی میں تم اپنی بڑائی سمجھتے رہے' وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ. (اور تم جرم کرنے والے لوگ تھے) تم نے تکبر کیا' حق کو ٹھکرایا' مجرمانہ زندگی، اختیار کی آج تمہارے لئے اسی جرم کی سزا کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ان سے مزید خطاب ہوگا کہ دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، قیامت ضرور آئے گی، اس میں شک نہیں تو جواب یوں دے دیتے تھے۔

مَا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ (ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے) اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ط (ہم خیال نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) مطلب یہ تھا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ قیامت قائم ہوگی تم لوگوں کے کہنے سے یوں ہی چلتا ہوا خیال دل میں آجاتا ہے وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں)

یہ لوگ قیامت کا صرف انکار ہی نہیں کرتے تھے۔ اس کا مذاق بھی بناتے تھے اسی لئے فرمایا وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوْا (انہوں نے جو برے کام کئے تھے ان کے برے نتائج وہاں ان کے سامنے آجائیں گے) وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور ان پر وہ عذاب نازل ہو جائے گا جس کا استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے) جب ان سے کہا جاتا تھا کہ قیامت پر ایمان لاؤ اور برے اعمال سے بچو تو حق کی دعوت کا مذاق بناتے تھے اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ. (اور مجرمین سے کہا جائے گا آج ہم تمہیں بھلا دیتے ہیں) یعنی تمہیں عذاب میں ڈال کر چھوڑ دیتے ہیں جیسے کوئی چیز بھول بھلیاں کر دی جاتی ہیں' یہ نہ سمجھنا کہ کبھی عذاب سے چھٹکارہ ہو جائے گا) جیسے تم نے آج کے دن کو بھلایا ایسے ہی ہمیشہ کیلئے تمہیں رحمت سے محروم کر دیا گیا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

مجرمین سے مزید خطاب ہوگا کہ یہ جو کچھ نتیجہ (عذاب کی صورت میں) تمہارے سامنے ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق بنایا تھا اور تمہیں دنیا والی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا تھا' آج یہاں دوزخ میں ڈال دیئے گئے تو نہ عذاب سے نکالے جاؤ گے اور نہ یہ موقعہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو۔ یہ موقعہ دنیا میں تھا وہاں توبہ کر سکتے تھے اور اپنے رب کو راضی کر سکتے تھے' جب موت آئی اور اس کے بعد میدان حشر میں پہنچ گئے تو کوئی طریقہ خالق و مالک جل مجدہ کے راضی کرنے کا نہیں رہا۔

اللہ ہی کے لئے رحمت ہے اور اسی کے لئے کبریائی ہے:۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (اِلٰى اٰخر السُّورة) سو اللہ ہی کے لئے حمد ہے جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے اور سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی کے لئے بڑائی ہے' آسمانوں اور زمین میں اور وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی (اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں)

وهذا اٰخر تفسير سُورة الجاثية' والحمد لله رب كل راكبةٍ وما شية والسلام علٰى من علم اعمالًا لها اُجورٌ باقية وعلٰى اٰله واصحابه الذين جاهد واكل باغية وطاغية

☆☆☆..........☆☆☆

(پارہ نمبر ۲٦)

مکی	سورۃ الاحقاف	۳۵ آیتیں ۴ رکوع

(اٰیَاتُھَا ۳۵) (۴٦) سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ مَکِّیَّۃٌ (٦٦) (رُکُوْعَاتُھَا ۴)

سورۃ الاحقاف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

حٰمٓ یہ کتاب ہے اتاری ہوئی اللہ کی طرف سے ہے جو عزیز ہے حکیم ہے۔ ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو مگر حق کے ساتھ

اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

اور ایک میعاد معین کے لئے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ڈرائے گئے۔ آپ فرما دیجئے

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ

کہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو ان کے بارے میں بتاؤ، مجھے دکھا دو، انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کیا پیدا کیا؟ کیا ان کیلئے آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ لے آؤ میرے

بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ

پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے ہو یا کوئی ایسا علم لے آؤ جو منقول ہو کر آیا ہو، اگر تم سچے ہو۔ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو گا جو اللہ کے سوا

دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۞ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ

اسے پکارتا ہو جو قیامت کے دن تک اس کا جواب نہ دے اور وہ ان کے پکارنے سے غافل ہیں، اور جب لوگوں کو جمع کیا

كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ

جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور جب ان پر واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

کفر کیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں جب ان کے پاس آ گیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دیں گے!

یہاں سے سورۃ الاحقاف شروع ہو رہی ہے اس سورت کے تیسرے رکوع میں احقاف کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت اس نام سے موصوف اور مشہور ہوئی' اوپر جن آیات کا ترجمہ کیا گیا اس میں تنزیل قرآن اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی تخلیق حکمت کے ساتھ ہے اور اجل مسمیٰ یعنی مقررہ وقت تک کے لئے ہے جب مقررہ میعاد پوری ہو جائے گی تو یہ چیزیں فنا ہو جائیں گی قال فی معالم التنزیل یعنی یوم القیامة وھو الا جل الذی تنتھی الیه السمٰوٰت والارض' وھو اشارة الی فنائھا (معالم التنزیل میں ہے "یعنی قیامت کا دن ہی مقررہ وقت ہے جس پر آسمان وزمین اپنے انتہا کو پہنچ جائیں گے اور یہ ان کے فناء ہونے کا اشارہ ہے")، یہ سب کچھ توحید کے دلائل میں سے ہیں اس کے بعد مشرکین کی حماقت اور ضلالت بتائی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کا جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں خبر بھی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار رہا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اپنی حاجات کے لئے پکارتے ہیں' ان سے دریافت کیجئے کہ بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کا کوئی حصہ انہوں نے پیدا کیا ہے، یا زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا ان کا آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا اور نہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے پھر وہ لائق عبادت کہاں سے ہو گئے؟ ان میں سے کوئی خالق نہیں اس کو تو تم بھی مانتے ہو اور خالق تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ اس کو تو تمہاری عقل بھی تسلیم کرے گی اگر اسے کام میں لاؤ گے' عقل کے علاوہ کسی بات کے ماننے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو جو قرآن سے پہلے تمہارے پاس آئی ہو' جس نے غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم دی ہو یا تمہارے پاس کوئی بات اکابر و اسلاف سے نقل در نقل پہنچی ہو جس نے شرک کی تعلیم دی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ پھر شرک کرنا انتہا درجہ کی گمراہی ہوئی یا نہیں۔ قوله تعالیٰ اَوْ اَثَارَةٍ من علم فی معالم التنزیل ای بقية من علم یوثر عن الاولین ای یسند الیھم قال مجاھد وعکرمة ومقاتل روایة عن الانبیاء وقال قتادة خاصة من علم واصل الكلمة من الاثر وھو الروایة (معالم التنزیل میں ہے "یعنی باقی رہا ہوا علم جو پہلے لوگوں سے روایت کیا جائے یعنی جس کی سند اولین تک پہنچتی ہو عکرمہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا مراد ہے انبیاء کرام سے روایت، قتادہ کہتے ہیں مخصوص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے جو کہ روایت ہی کو کہتے ہیں) اس کے بعد فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ (الأية) اور جب قیامت کے دن لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے۔ یہ مفہوم اس صورت میں ہے جبکہ کانوا کی ضمیر مرفوع عابدین کی طرف اور لھم کی ضمیر معبودین کی طرف راجع ہو' اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس کا عکس مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ معبودین اپنے عابدوں کے دشمن ہو جائیں گے جیسا کہ سورۂ قصص میں ہے۔ تَبَرَّأْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ.

منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات:۔ اس کے بعد منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات نقل فرمائی اور وہ یہ کہ جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو قرآن کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے' جب دلیل کا جواب دلیل سے نہ دے سکے اور قرآن کے مقابلے میں کوئی سورت بنانے سے عاجز رہ گئے تو اسے جادو بتا دیا' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ

والسلام کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ سورة الذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ. (اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے پاس جو بھی کوئی رسول آیا اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے)۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسکو اپنی طرف سے بنالیا' آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اسکو اپنی طرف سے بنالیا تو تم مجھے اللہ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے' وہ خوب جانتا ہے

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ

جن باتوں میں تم رہتے ہو' میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے' وہ بڑی مغفرت والا ہے اور بڑی رحمت والا ہے' آپ فرما دیجئے کہ

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ

میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' میں صرف اسکا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' اور میں صرف واضح

اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ

طور پر ڈرانے والا ہوں' آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو گئے اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر کرو' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

قریشِ مکہ کی اس بات کا جواب کہ آپ ﷺ نے قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے

قریش مکہ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو طرح طرح کی باتیں بناتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ یہ قرآن مجید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے بنالیا ہے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی ہے، یہ اللہ پر افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا (العیاذ من ذلک) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرمائے گا اور مجھے اس کی سزا دے گا (جیسا کہ سورة الحاقہ میں فرمایا (وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ) میں صحیح راستہ پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر وحی بھیجی ہے وہی سناتا ہوں اگر میں اس کا حکم نہ پہنچاؤں اور تمہیں راضی رکھنے کے لئے اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے جب مجھے تم سے کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہیں راضی کروں۔ هذا ماظهر لي في معنى الآية الكريمة قال صاحب الروح المعاني جواب ان في الحقيقة محذوف وهو عاجلني وماذكر مسبب عنه اقيم مقامه أوتجوز به عنه. (یہ وہ ہے جو آیتِ کریمہ کے معنی میں مجھ پر واضح ہوا، صاحب المعانی فرماتے ہیں درحقیقت ان کا جواب محذوف ہے اور وہ عاجلنی ہے اور جو مذکور ہے وہ اسکا مسبب ہے جسے محذوف کا قائم مقام بنایا گیا ہے یا اس مذکور کیوجہ سے محذوف سے صرف نظر کیا ہے)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم لگے رہتے ہو) یعنی اللہ کی وحی کے بارے میں جو تم باتیں

بناتے ہو کبھی اسے جادو بتاتے ہو کبھی افتراء سے تعبیر کرتے ہو ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھو کہ یہ صرف باتیں ہیں خوب سمجھ لو کہ ان کا بدلہ ملے گا اور سزا دی جائے گی۔

کَفٰی بِهٖ شَهِیْدًاۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ط (میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے) وہ میرے بارے میں اس بات کا گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اس کی کتاب لایا ہوں اور تمہارے بارے میں اس کا گواہ ہے کہ تم حق کو جھٹلا رہے ہو اور اس کے قبول کرنے سے انکاری ہو میرے عمل کا بدلہ مجھے ملے گا اور تمہاری تکذیب کی سزا تمہیں ملے گی وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (وہ غفور بھی ہے، رحیم بھی ہے) تم توبہ کرو ایمان لاؤ وہ بخش دے گا۔ وہ جو کفر کے ساتھ تمہیں رزق مل رہا ہے اور زندگی گزر رہی ہے یہ اس کی رحمت ہے اگر وہ رحم نہ فرماتا تو تمہیں جلد ہی سزا دے دیتا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آپ فرما دیجئے کہ میں کوئی رسولوں میں سے انوکھا رسول نہیں ہوں) مجھ سے پہلے بھی رسول آئے جن کے بارے میں تمہیں علم ہے اور تواتر کے ساتھ ان کی خبریں پہنچی ہیں توحید کی جو دعوت انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے وہی دعوت میں تمہیں دیتا ہوں۔ ان سے بھی معجزات ظاہر ہوئے، تم نے بھی میرے معجزات دیکھ لئے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے۔ بندوں کے تجویز کردہ معجزات کا ظہور ہونا نہ ان کے نبی ہونے کے لئے شرط تھا، نہ میری نبوت کے ثبوت کیلئے شرط ہے اگر تم غیب کی خبریں پوچھنا چاہتے ہو تو میں غیب دانی کا مدعی نہیں ہوں اور نہ غیب کا جاننا نبوت اور رسالت کے لئے شرط ہے وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اور چونکہ میں غیب نہیں جانتا اس لئے مجھے یہ علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا یعنی دنیا میں کیا حالات پیش آئیں گے اور میں نہیں جانتا کہ میری تکذیب کرنے کی وجہ سے تمہارا کیا حال بنے گا۔ گزشتہ امتیں مختلف عذابوں کے ذریعہ ہلاک کی گئیں اگر تم میری مخالفت پر قائم رہے ایمان نہ لائے تو تمہیں دنیا میں کیا سزا ملے گی، میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ (میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی جاتی ہے) وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میں نے حق واضح کر دیا دلائل پیش کر دیئے اب نہ مانو تو تم جانو۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (الاٰیة) (آپ فرما دیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب کے صدق پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو، بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) اس آیت میں مشرکین مکہ سے ایک سوال فرمایا، اگر وہ اس میں غور کرتے اور جواب کے لئے فکرمند ہوتے تو انہیں ایمان لانے کا راستہ مل جاتا اور کفر پر نہ جمے رہتے اس آیت سے پہلے گذر چکا ہے کہ مشرکین یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے خود بنا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے، اس آیت میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اس قرآن کے منکر ہو رہے ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس کی گواہی دے دی کہ اس جیسی کتاب اللہ کی طرف سے ہو سکتی ہے اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم تکبر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کفر پر ہی اڑے رہے تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے، گمراہی پر جمے رہنا اور بڑی گمراہی ہے، اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تم اپنے انکار و تکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو۔ عذاب آ جائے گا تو کچھ نہ کر سکو گے لہٰذا سوچو اور غور کرو ایمان لے آؤ، مزید تشریح یہ ہے کہ اے منکرو! تمہارے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثابت کرنے اور قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے کی بہت سی دلیلیں آ چکی ہیں اب ایک اور بات تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل یعنی یہودی توریت شریف کے حامل تھے توریت شریف کو گم کرنے کے باوجود اس کے منتظر تھے کہ عرب میں سے ایک نبی تشریف لائیں گے ان میں سے کئی آدمی ایمان لا چکے ہیں

اور وہ گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن جیسی کتاب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اپنی اس معرفت کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کیا تم مانتے ہو کہ یہودی اہل علم ہیں اور ان سے پوچھ کر سوالات بھی کر چکے ہو مثلاً یہ کہ روح کیا ہے؟ اصحاف کہف کون تھے اور ذوالقرنین کون تھے؟ تمہیں ان سوالات کے جواب بھی مل گئے۔ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے انہوں نے بھی ان جوابوں کی تصدیق کی۔ اب تمہیں ایمان سے روکنے والی کیا چیز ہے یہ روکنے والی چیز تکبر ہے جو تمہارے دلوں میں گھسا ہوا ہے۔ اس تکبر کو چھوڑو ایمان قبول کرو ورنہ تمہارا برا انجام ہوگا۔ جب حق سامنے آ گیا تو بنی اسرائیل کے نیک دل افراد نے اسلام قبول کر لیا تمہیں بھی قبول کرنا ہے اگر کفر پر جمے رہے حق کو نہ مانا تو اسی پر مر جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نہ آئے تو گمراہی کی سزا ملے گی۔

قال صاحب الروح :ای وشهد شاهد عظيم الشان من بنی اسرائيل الواقفين علی شئون الله تعالی واسرار الوحی بما أوتوا من التوراة علی مثل القران من المعانی المنطوية فی التوراة التوحيد الوعد والوعيد وغير ذلک فانها فی الحقيقة عين مافيه كما يعرب عنه قوله تعالی (وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ) علی وجه وكذاقول سبحانه :(اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی) (صاحب روح المعانی نے کہا ہے: یعنی بنی اسرائیل میں سے عظیم الشان گواہ نے گواہی دی، بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی سنتوں اور وحی کے اسرار سے توراۃ ملنے کی وجہ سے واقف تھے توراۃ میں قرآن کریم جیسے مضامین تھے مثلاً توحید، وعدہ وعید وغیرہ بلکہ توراۃ کے مضامین بعینہٖ قرآن کریم کے مضامین میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد نے بھی اسے بیان فرمایا کہ وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْن جیسا کہ یہ ارشاد الٰہی ہے کہ ان ہذا لفی الصحف الاولی)

عَلٰی مِثْلِهٖ کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے گواہی دے دی کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور ان کان من عند الله کے بارے میں فرمایا کہ اس کی جزا محذوف ہے وهو اليس قد ظلمتم يدل علی هذا المحذوف قوله :اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ. (اور وہ الیس قد ظلمتم ہے اس پر اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ دلالت کرتی ہے)

اس کے بعد حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس کی جزا محذوف ہے اور وہ فمن اضل منکم ہے جیسا کہ سورۂ حم سجدہ کی آخری دو آیتوں سے پہلے فرمایا ہے :قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ (آپ فرما دیجئے کہ بتاؤ اگر یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو دور دراز کی مخالفت میں پڑ گیا ہو)۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ

اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں یوں کہا کہ اگر یہ ایمان لانا کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے کیوں بڑھ جاتے اور جب قرآن کے ذریعہ انہوں نے ہدایت

فَسَیَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ۞ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَهٰذَا

نہ پائی تو یوں کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو پیشوا تھی اور رحمت تھی اور یہ

كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا

کتاب ہے جو تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور خوشخبری ہے اچھے کام کرنے والوں کیلئے۔ بلاشبہ جن لوگوں نے یوں

رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ

کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے' یہ جنت والے ہیں وہ اس پر ہمیشہ

فِيْهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾

رہیں گے' ان کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔

کافروں کی کٹ حجتی کی تردید، توریت شریف کا امام اور رحمت ہونا، اہل ایمان اور اہل استقامت کا انعام الٰہیہ سے سرفراز ہونا

انسانوں میں چھوٹائی بڑائی کو دیکھنے کا مزاج ہے' مالدار لوگ اپنے کو غریبوں سے بہتر اور زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں' اسی طرح بعض قبائل اپنے قبیلے کو دوسرے قبیلے سے برتر جانتے ہیں' اسی سلسلے کی ایک بات اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل فرمائی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید پر جب لوگ ایمان لے آئے تو جو لوگ کفر پر جمے رہے انہوں نے کہا کہ عقل وفہم اور احوال دنیاویہ کے اعتبار سے ہم ان لوگوں سے بہتر ہیں، ہم ہر خیر کے مستحق ہیں اگر یہ دین بہتر ہوتا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں تو ہم اس کی طرف سبقت کرتے جب ہم اس کی طرف آگے نہ بڑھے اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے جو دنیاوی احوال کے اعتبار سے پھسڈی ہیں اور ہم سے پیچھے ہیں' تو معلوم ہوا کہ جس دین کو ان لوگوں نے قبول کیا ہے وہ بہتر نہیں ہے' کوئی شخص ہم سے خیر میں آگے بڑھ جائے اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جن کافروں نے یہ بات کہی انہوں نے اپنی جانوں کو بہت بڑا سمجھا' تکبر نے ان کا ناس کھو دیا اور ہدایت پر نہ آنے دیا' اپنی جہالت اور حماقت سے کفر پر ہی جمے رہے اور ایمان قبول کرنے والوں کو حقیر سمجھا' جب قرآن کے ذریعہ ہدایت کا راستہ نہ پایا تو قرآن کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ پرانا جھوٹ ہے' وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوالی ہیں)

یہ سب کچھ عناد کے طور پر تھا۔ قرآن کے چیلنج فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا جواب تو نہ دے سکے البتہ اسے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر کفر میں مزید ترقی کرلی' دوسری آیت میں توریت شریف کا تذکرہ فرمایا کہ قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی تھی' جسے اللہ تعالیٰ نے مخاطبین کے لئے امام یعنی پیشوا اور رحمت بنایا تھا یہ کتاب یعنی قرآن گزشتہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہے' عربی زبان میں ہے اس آیت کریمہ کا یہ مطلب لکھا ہے کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ یہ قرآن پرانا جھوٹ ہے تمہارا یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ تم یہ مان چکے ہو' کہ موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی اور قرآن اس کی تصدیق کرنے والا ہے دونوں کے مضامین متحد ہیں۔ جیسے توریت شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرنے سے کیا چیز مانع ہے جبکہ وہ عربی زبان میں ہے اس کے مضامین کو سمجھتے ہو اس جیسا بنا کر لانے سے عاجز ہو چکے ہو (انتھی مع زیادة شرح من ھٰذا العبد الفقیر)

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہو اور یہ مطلب ہو کہ اس کتاب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر بھی کتاب نازل ہوئی تھی وہ پیشوا تھی اور رحمت تھی' اس کو ماننے والے بھی تھے اور عمل کرنے والے بھی اور ان کے مخالفین بھی تھے' اسی طرح آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اس کے ماننے والے بھی ہیں اور منکرین بھی' پس منکرین ومکذبین کی طرف سے جو ایذا پہنچے مثلاً: اس کتاب کو پرانا جھوٹ بتائیں تو آپ صبر کریں جیسے: موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا۔

اس کے بعد اصحابِ استقامت کے بارے میں فرمایا کہ جن لوگوں نے رَبُّنَا اللّٰهُ کہا اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا اقرار کیا اور یہ اقرار زبانی نہیں تھا' دل سے تھا اور محض وقتی طور پر نہ تھا اس پر وہ استقامت کے ساتھ جمے رہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے' ان لوگوں کے لئے وعدہ ہے کہ انہیں کوئی خوف لاحق نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے درحقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے' حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اسلام کے احکام تو بہت ہیں۔ مجھے آپ ایک بتا دیں جسے میں مضبوطی سے تھامے رہوں آپؐ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تم اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہہ دو (پھر اس پر جمے رہو)

ان حضرات کو بشارت دیتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے دنیا میں جو نیک اعمال کرتے تھے۔ انہیں ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهٗ

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا' اور اس کا حمل میں رہنا

وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۖ حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ

اور دودھ چھڑانا تیس ماہ کی مدت میں ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے اس بات پر قائم رکھئے

أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ

کہ میں آپ کی نعمت کا شکر ادا کروں جس کا آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے اور اس بات پر بھی مجھے قائم رکھئے کہ میں نیک عمل کروں' جس سے آپ راضی ہوں اور میری اولاد

لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ

میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے! بیشک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے کاموں کو

أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا

ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے۔ جنت والوں میں شامل کرتے ہوئے سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ

يُوْعَدُوْنَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدٰنِنِيْٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ

کیا جاتا تھا' اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اف ہے تمہارے لئے کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے امتیں

قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ

گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لے آ! بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچ ہے' اس پر وہ کہتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی

الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ

ہوئی باتیں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں'

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں اور ہر ایک کیلئے ان کے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں اور تا کہ اللہ انکے اعمال کی پوری جزا دیدے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

والدین کے بارے میں وصیت، نیک بندوں کی دعا اور انکا اجر نافرمانوں کا عناد وانکار اور ان کی سزا

تفسیر یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ یہ مضمون سورۃ العنکبوت رکوع اول اور سورۂ لقمان رکوع دو میں بھی گزر چکا ہے۔ ماں باپ چونکہ ظاہری طور پر دنیا میں آنے کا سبب ہیں اور اپنے بچہ کی دیکھ بھال پرورش اور پرداخت میں جان و مال لگاتے ہیں اپنا آرام کھوتے ہیں' ان کے لئے مشقت برداشت کرتے ہیں' ان کے لئے ان کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔

انسان کی والدہ جو تکلیف اٹھاتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا. انسان کو اس کی والدہ مہینوں پیٹ میں رکھتی ہے حمل کے زمانے کی مشقت برداشت کرتی ہے پھر جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے تو عموماً وہ بھی مشقت اور تکلیف کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، بچہ جننے والی ماں کو دردزہ کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے اور عین ولادت کے وقت بھی مصیبت کو سہنا پڑتا ہے۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ انسان کا ماں کے پیٹ میں رہنا پھر پیٹ سے باہر آ کر دودھ پینا اس میں تیس ۳۰ مہینے لگ جاتے ہیں' یہ عام حالات کے اعتبار سے ہے۔

دودھ پلانے کے زمانہ میں بھی والدہ کو دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے' باپ ضرورت کی چیزوں کا اہتمام کرتا ہے' مال کما کر لاتا ہے' یہ دن بھی ماں باپ کے مشقت اور تکلیف سے گزرتے ہیں۔

اس کے بعد ان انسانوں کا حال بیان فرمایا جو اہل ایمان ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی احساس ہے اور ماں باپ کی خدمتوں کا بھی' ان کے بارے میں فرمایا کہ جب یہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتے ہیں اور جوانی سے آگے بڑھ کر چالیس (۴۰) سال کی عمر ہو جاتی ہے (جو ہوش گوش سمجھ کے اعتبار سے بہت اچھی عمر ہوتی ہے نہ اس میں جوانی کی بہکانے والی امنگیں ہوتی ہیں اور نہ بڑھاپے والا ضعف ہوتا ہے) ایسے نیک آدمی کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دُعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے اس بات کا پابند رکھیئے اور استقامت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں جن سے آپ نے مجھے بھی نوازا ہے اور میرے والدین کو بھی (والدین کے نوازنے سے ظاہری اسباب کے طور پر میں وجود میں آیا) اور مجھے یہ بھی توفیق دیجئے اور اس پر قائم رکھئے کہ میں ایسے عمل کروں جن سے آپ راضی ہوں اور (یہ نیک عمل کرنا جن میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ہے مجھ ہی تک محدود نہ رہے) میری ذرّیت میں بھی میرے نفع کے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے (اس میں اولاد کے لئے اور اپنے لئے دنیا اور آخرت کی خیر کی دعا ہے اولاد میں صلاحیت ہوگی تو نیک عمل کریں گے جن سے ماں باپ کی خوشی ہوگی اور ماں باپ کی جو خدمت کریں گے اس سے انہیں راحت ہوگی) اولاد مؤمن نیک صالح ہو گی (جن کے نیک بنانے میں ماں باپ کو بھی دخل ہوگا) تو آخرت میں بھی ان کے اعمال کا ثواب ماں باپ کو ملے گا (جبکہ اولاد کے ثواب میں کچھ کمی نہ آئے گی) نیز صالح اولاد ماں باپ کے لئے نیک دعا بھی کرتی ہے والدین کو اس کا نفع بھی پہنچے گا۔ لفظ اَصْلِحْ لِیْ میں جو لام ہے اس کے معنی کی طرف یہ تھوڑا سا اشارہ ہے۔

نیک انسان اللہ تعالیٰ سے نیک عمل کی بھی دعا کرتا ہے اور نیک اولاد کی بھی' اور اللہ کے حضور میں توبہ بھی کرتا رہتا ہے' نیز اپنی فرمانبرداری کا بھی اقرار رہتا ہے' اسی کو ان الفاظ میں نقل فرمایا اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اے رب! بے شک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)

جن مؤمن بندوں کا اوپر تذکرہ ہوا ان کو خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (یہ وہ لوگ ہیں جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے) وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ (اور ہم ان کی برائیوں سے درگزر کردیں گے) فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ (یہ لوگ جنت والوں میں شمار ہوں گے)۔

قال صاحب الروح: کائنین فی عدادهم منتظمین فی سلکهم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اہل جنت کے شمار میں ہونگے اور انہیں کے نظم سے وابستہ ہونگے)، وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ان کا یہ جنت کا داخلہ اس وعدہ کے مطابق وموافق ہوگا جو وعدہ ان سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زبانی کیا جاتا تھا' یہ وعدہ اللہ کی طرف سے تھا۔ سچا تھا پورا ہونا ہی تھا۔

فائدہ اولیٰ: .... آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی جوانی میں اور خاص کر جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ یوں تو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے لیکن ہوش گوش اور قوت وطاقت کے زمانہ میں اس طرف توجہ کرنا اور زیادہ ضروری ہے۔ جو نعمت اپنی ذات پر ہے اور جو نعمت والدین پر ہے اس کا بھی شکر ادا کرے اور اپنی اولاد کی اصلاح اور فلاح کے بارے میں فکرمند ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے دُعا گو رہے۔

فائدہ ثانیہ: .... آیت کریمہ میں مدت حمل اور مدت رضاع (یعنی دودھ پلانے کا زمانہ) تیں (۳۰) ماہ بتایا ہے۔ عامۃ الفقہاء نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس میں چھ ماہ حمل کے اور چوبیس (۲۴) ماہ دودھ پلانے کے زمانے کے ہیں۔ لہٰذا حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینہ اور دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چوبیس ماہ یعنی دو سال ہوئی' دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اس کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے دودھ پلائیں (یہ) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے) نیز سورۂ لقمان میں فرمایا ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے) اس میں بھی یہ بتایا کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو (۲) سال ہے۔

قرآن حکیم میں حمل کی اکثر مدت نہیں بتائی۔ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا ہے کہ حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو (۲) سال ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے استدلال کیا ہے کہ بچہ پیٹ میں دو (۲) سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلہ کے سایہ کے برابر ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول امام دارقطنی نے روایت کیا ہے لیکن جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا یہ بات کون کہتا ہے؟ یہ ہماری پڑوسن ہے اس کا ہر بچہ چار سال میں پیدا ہوتا ہے خود حضرت امام مالکؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تین سال رہے وہیں ان کے دانت نکل آئے تھے' چونکہ اس پر عامۃ الورود مسائل میں سے کوئی مسئلہ موقوف نہیں ہے' اس لئے زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔

مدت حمل جو چھ ماہ بتائی ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ حمل نہیں رہ سکتا' بلکہ مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ پورا ہونا تو ضروری ہی ہے' اس سے زیادہ بھی حمل کی مدت ہوسکتی ہے جیسا کہ عام طور سے نو ماہ میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور تاریخ نکاح سے (چاند کے حساب سے) چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے اس عورت کے بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ اس مرد کا نہیں مانا جائے گا اور اس شخص کی میراث کا مستحق نہیں ہوگا۔

فائدہ ثالثہ: .... كُرْهًاوَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (کہ ماں نے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ جنا) پھر اس کے بعد دودھ پلانے کا ذکر فرمایا وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ دودھ پلانا اور اس زمانے میں بچہ کی خدمت کرنا یہ بھی ماں پر پڑتا ہے۔ باپ کا کام اتنا ہے کہ پیسے کما کر لے آئے اور تھوڑی بہت بچے کی دیکھ بھال کر لیا کرے اور ماں کو بہت دیکھنا سنبھالنا پڑتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ماں کی خدمت کرنے کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمایئے میری حسن مصاحبت (اور خدمت) کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا کہ تیری والدہ! سائل نے کہا پھر کون؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا باپ (صحیح بخاری ص ۸۸۳)۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ تین بار ماں کا حق اس لئے بیان فرمایا کہ وہ تین تکلیفیں اٹھاتی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مال خرچ کرنے میں والدہ کا زیادہ خیال رکھنا لازم ہے۔

نیک بندوں کا جو اپنے والدین سے حسنِ تعلق ہونا چاہیے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جن میں بغاوت کی شان ہوتی ہے بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ ایمان ہی نہیں لاتے۔ جب والدین ان میں سے کسی سے کہتے ہیں کہ تو اللہ پر اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان لا تو وہ بُرے انداز میں انہیں جواب دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تف ہے تم دونوں پر کیا باتیں کرتے ہو تم مجھ سے، کہہ رہے ہو کہ میں قیامت کے دن قبروں سے نکالا جاؤں گا، یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے. مجھ سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں ان کو بھی تمہارے جیسے لوگوں نے یہی کہا تھا کہ مر کر زندہ ہو جاؤ گے، آج تک تو ان میں سے کوئی زندہ ہوا نہیں میرے نزدیک تو یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں اس کی یہ بات سن کر ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس سے کہتے ہیں وَيْلَكَ اٰمِنْ (تیرے لئے ہلاکت ہے ایمان لے آ) یعنی ان باتوں سے تو ہلاکت کے دھانہ پر کھڑا ہے ایمان لے آ تا کہ ہلاکت سے بچ جائے۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے) اس نے جو بتایا ہے اور پیشگی خبر دی ہے کہ مُردے زندہ ہوں گے، قبروں سے اٹھیں گے۔ یہ وعدہ حق ہے، ضرور پورا ہوگا، قیامت ضرور آئے گی، قبروں سے نکلنا ہوگا، پیشی ہوگی حساب ہوگا یہ جو تو کہتا ہے کہ بہت سی امتیں گزر گئیں کوئی زندہ ہو کر نہیں آیا یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کا جو وقت مقرر فرمایا ہے وہ اسی وقت آئے گی اس کے واقع ہونے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ آنی ہی نہیں۔ یہ بات سن کر وہ شخص کہتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت قائم ہونے کی باتیں پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔ نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ سچائی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں (العیاذ باللہ) ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ (یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی بات ثابت ہوگئی) یعنی ان کا عذاب میں مبتلا ہونا لازم ہوگیا) فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (یہ لوگ جنات اور انسانوں کی اس جماعت میں شامل ہیں جن کو عذاب میں مبتلا ہونا ہے) اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ (بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں) ایمان لاتے تو جنت میں جاتے اور نعمتیں ملتیں اور کامیابی کی زندگی گزارتے جب ایمان نہ لائے تو عذاب نار کے مستحق ہوئے ان کے لئے

خسارہ ہی خسارہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لئے درجات ہیں' اہل ایمان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت عالیہ میں درجات ملیں گے اور اہل کفر کو دوزخ کے طبقات سافلہ میں جانا ہوگا۔

قال فی الجلالین فدرجات المؤمن فی الجنة عالیة ودرجات الکافر فی النار سافلة وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ (تفسیر جلالین میں ہے کہ جنت میں مؤمن کے درجات اوپر سے اوپر کو ہوں گے اور جہنم میں کافر کے درجات نیچے سے نیچے ہونگے) (اور ان کیلئے درجات اس لئے مقدر اور مقرر کردیئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں انکے اعمال کی جزاء پوری پوری دیدے) وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اوران پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا) نہ کسی مؤمن کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی غیر مجرم کو سزا دی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

اور جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا' ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذتوں کو اپنی دنیا والی زندگی میں ختم کر لیا اور ان سے نفع

بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

حاصل کر لیا سو آج تمہیں سزا کے طور پر ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس سبب سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے

الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

تھے اور اس سبب سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

ع ۲

کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذّت کی چیزیں دنیا میں ختم کر دیں آج تمہیں ذلّت کا عذاب دیا جائے گا

اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لئے آگ کے سامنے لایا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔ تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا، دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، دنیا ہی کے لئے جیئے، اسی کے لئے مرے، لذت کی چیزوں کے پیچھے پڑے، انہیں کو سب کچھ سمجھا' حلال سے، حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی' اب تمہارے لئے لذت کی چیزوں سے کچھ نہیں ہے' جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی دعوت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلّت کا عذاب دیا جائے گا۔ دنیا میں کفر پر جمے رہنے میں اپنی عزت سمجھی۔ آج اس کے عوض تمہارے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیخ فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذتوں سے استمتاع کیا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تا کہ آخرت میں ثواب ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ایک

چٹائی پر لیٹے ہوئے اس پر کوئی بستر نہ تھا آپ کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے آپ چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تا کہ آپ کی امت کو وسعت دیدے۔ فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے' یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم اب تک اسی میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دی گئی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینے کیلئے کچھ طلب کیا لہٰذا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ہے تو عمدہ چیز لیکن میں اسے پیوں گا نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے خواہشیں پوری کرنیوالی قوم کی خواہشوں کا برا انجام بتادیا ہے' ان سے کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (تم نے اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا اور ان سے نفع حاصل کرلیا) لہٰذا میں لذت کی چیزیں استعمال کرنے سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دنیا ہی میں دے دی جائیں' یہ فرمایا اور اس شہد ملے ہوئے پانی کو نہیں پیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا اے جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہٰذا میں نے گوشت خریدا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا ہر وہ چیز خریدلو گے جس کے لئے جی چاہے گا' کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے۔ (اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا) (معالم التنزیل)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ

اور قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور حال یہ ہے کہ ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے گزر چکے ہیں' یہ کہ

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں وہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ

سو تو جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسکولے آ! اگر سچوں میں سے ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ علم اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمہیں وہ بات پہنچاتا ہوں جو میں دے کر بھیجا

بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ

گیا ہوں اور لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ سو جب انہوں نے بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کے سامنے آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے

مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا

جو ہم پر بارش برسائے گا' بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم جلدی مچارہے تھے۔ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کردے گی۔

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ

سو وہ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا' ہم ایسے ہی مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں' اور ہم نے

اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ

انہیں ان چیزوں میں قدرت دی تھی جن میں تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے انکو سننے کی قوت دی اور آنکھیں بھی اور دل بھی سو انہیں فائدہ نہ دیا انکے کانوں نے

اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور ان کی آنکھوں نے اور ان کے دلوں نے کچھ بھی' اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انہیں اسی چیز نے آ گھیرا جس کا

یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ مذاق کرتے تھے۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جو تمہارے آس پاس تھیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بیان کر دیں تا کہ وہ باز آ جائیں

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ

سو اللہ کے سوا ان لوگوں کی انہوں نے کیوں مدد نہیں کی جنہیں انھوں نے تقرب حاصل کرنے کیلئے معبود بنا رکھا تھا بلکہ وہ لوگ ان سے غائب ہو گئے اور ان پر ان کی تراشی ہوئی

اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

بات ہے اور وہ بات ہے جس کو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت، قوم کا انکار اور تکذیب، پھر ہلاکت اور تعذیب

یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے اس میں قوم عاد کے کفر و عناد کا اور حضرت ہود علیہ السلام کے تبلیغ کرنے کا پھر عاد کے ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے' اس قوم کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے' جن کا یہاں اَخَا عَادٍ کے عنوان سے ذکر ہے چونکہ حضرت ہود علیہ السلام عاد ہی کی قوم میں سے تھے اس لئے اَخَا عَادٍ فرمایا لفظ الاحقاف 'حقف' کی جمع ہے۔ قوم عاد کا رہنا' سہنا اور بود و باش یمن میں تھی جس علاقہ میں یہ لوگ رہتے تھے۔ وہاں ریت کے پہاڑ تھے اس لئے اسے احقاف سے تعبیر فرمایا۔ حقف اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو گولائی لئے ہوئے ہو اور نیچے کو جھکی ہوئی ہو ریت کی پہاڑیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ چونکہ ریت میں مضبوطی سے ٹھہرنے اور قرار پانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جبکہ ہود علیہ السلام نے احقاف کے علاقہ میں اپنی قوم کو ڈرایا اور انہیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ان سے پہلے بھی اللہ کی طرف سے پیغمبر آئے تھے جنہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی' توحید کی دعوت دی اور انکار پر عذاب کی وعید سنائی' حضرت ہود علیہ السلام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اسی کو وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ سے تعبیر فرمایا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں) یعنی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو تم پر بڑا عذاب آئے گا۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (الآیۃ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے جو معبود ہیں ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور تم ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا دو' تم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ میری دعوت پر عمل نہ کیا تو عذاب آ جائے گا تم نے عذاب کی بڑی رٹ لگا لی ہے اگر تمہارا یہ ڈرانا صحیح ہے اور واقعی تمہاری بات ہے کہ نہ ماننے پر ہم عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے تو بس لے آؤ اگر قول سچا ہے تو دیر کی کیا

ضرورت ہے؟۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ کسی قوم پر کب عذاب آئے گا اور کب ہلاک ہوگی میرا کام عذاب لانا نہیں ہے مجھے اللہ نے جو پیغام دے کر بھیجا ہے میں تو اس کے پہنچانے کا پابند ہوں اور تمہیں اسی کی تبلیغ کرتا ہوں میں تو تمہیں حق کی دعوت دیتا ہوں اور تم جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ (الآیۃ) ان لوگوں پر عذاب آنے کی یہ صورت ہوئی کہ سخت گرمی کی وجہ سے گھروں کو چھوڑ کر باہر میدان میں آ گئے اسی حال میں انہیں ایک بادل آتا ہوا نظر آیا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ بادل تو ہم پر پانی برسائے گا وہ پانی برسانے والا بادل کہاں تھا وہ تو وہی عذاب تھا جس کی جلدی مچا رہے تھے وہ عذاب ہوا کی صورت میں آ گیا۔ یہ ہوا بہت سخت تھی جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کرتی جا رہی تھی۔

سورۂ ذاریات میں فرمایا مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (وہ ہوا جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو) سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ. (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کئے گئے تیز ہوا کے ذریعہ اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرما دیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ گری ہوئی کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں' کیا تو ان میں دیکھتا ہے کوئی باقی رہا)

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ 'نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (ہم اسی طرح مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپؐ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپؐ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے' جب بارش ہو جاتی تو آپؐ کی کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا کہ یہ بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۹۴/۲۹۵)

قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل مکہ کو توجہ دلائی۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ (الآیۃ) اور اور ہم نے قوم عاد کو ان چیزوں کی قوت دی تھی' جن کی قوت وقدرت تمہیں نہیں دی' ان کے پاس جو مالی اور جسمانی قوتیں تھیں وہ تم سے کہیں زیادہ تھیں جب وہ کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تو تمہاری کیا حیثیت ہے؟ وہ لوگ نہ تو بہرے تھے، نہ اندھے تھے، نہ باؤلے تھے، نہ بے وقوف تھے' ہم نے انھیں کان بھی دیئے تھے اور آنکھیں بھی اور دل بھی' لیکن جب ان پر عذاب آیا ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی نہ، ان کے حواس ظاہرہ بچا سکے اور نہ کسی تدبیر سے عذاب سے محفوظ ہو سکے،جس کا دل اور دماغ سے ادراک ہوتا ہے۔ یہ عذاب کا ابتلاء اور عدم اغناء الجوارح والا معاملہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے (کوئی دنیاوی مصیبت عام حالات میں آ جائے تو کچھ حواس ظاہرہ سے اور کچھ عقل وفہم کے ذریعہ سوچ بچار کر کے اور کوئی تدبیر نکال کر کبھی کبھار مصیبت سے نکلنے کا کچھ راستہ نکل آتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو آنکھ، کان، سوچ، سمجھ کچھ چیز فائدہ نہیں دیتی۔

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور ان پر وہ عذاب نازل کیا گیا جس کا مذاق بناتے تھے) یعنی اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ

السلام سے جو ٹھٹھہ کرتے تھے اور کہتے تھے کیا عذاب‘ عذاب کی رٹ لگاتے ہو عذاب آنا ہے تو لے آؤ اپنی اس بات کا انہوں نے نتیجہ دیکھ لیا، عذاب میں مبتلا ہوئے اور بالکل برباد ہو گئے۔

اس کے بعد اہل مکہ سے مزید خطاب کرتے ہوئے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى (ہم نے تمہارے چاروں طرف کی بستیاں ہلاک کر دیں) اس سے یمن اور شام کی بستیاں مراد ہیں یمن کی بستیاں تو وہی عاد والی بستیاں تھیں‘ اور جب اہل مکہ تجارت کے لئے ملک شام جاتے تھے تو قوم ثمود کی بستیوں پر اور حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دیکھا کرتے تھے ان کی تباہی اور بربادی سے عبرت حاصل کرنا ضروری تھا لیکن عبرت نہیں لیتے تھے وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (اور ہم نے انہیں بار بار نشانیاں بتا دی تھیں تاکہ وہ باز آئیں) لیکن وہ باز نہ آئے بالآخر وہ ہلاک ہو گئے یہ ہلاک ہونے والے مشرک تھے اللہ کے سوا انہوں نے معبود بنا رکھے تھے اور ان کے تقرب کو اپنی مشکلات دور ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے‘ جب عذاب آیا تو انہوں نے ذرا بھی مدد نہ کی بلکہ ان سے غائب ہو گئے‘ ان لوگوں کی یہ بات کہ یہ معبود ہیں، ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا جھوٹ تھی‘ اپنی تراشی ہوئی تھی‘ جھوٹ سے کچھ فائدہ نہ پہنچا اسی کو فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۔سو اللہ کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے تقرب حاصل کرنے کیلئے اپنا معبود بنا کر رکھا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات تھی)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ

اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے‘ سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو‘ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا

وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا

تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے‘ کہنے لگے اے ہماری قوم! بیشک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ ان کتابوں کی تصدیق

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا

کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں‘ وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے

بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ

آؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا‘ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے تو وہ زمین میں عا[illegible]

بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

کرنے والا نہیں اور اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی نہ ہو گا۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں‘ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ

اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ َۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ

اللہ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا‘ وہ اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے‘ ہاں! اسے ضرور قدرت ہے۔ بیشک وہ

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ

ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر لوگ آگ پر پیش کئے جائیں گے کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟

قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

کہیں گے کہ قسم ہے ہمارے رب کی یہ ضرور امر واقعی ہے! ارشاد ہوگا تو چکھ لو عذاب اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جنّات کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث تھے اور جنات کی طرف بھی' یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے۔ علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انھیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی' محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں۔ حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ (٦) مرتبہ پیش آیا' معالم التنزیل ج ٤ ص ٧٤ امیں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں' انھیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلٰی کے علاقہ کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا' آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے آس پاس گدھوں جیسی چیزیں جمع ہوگئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں' یہاں تک کہ مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہوگیا۔ آپ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فارغ ہوکر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آ گئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جانِ عزیز کا خیال آرہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں۔ فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا' پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا۔ عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجئے لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرہ کی لید' نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کردی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا' اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہوگیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ وہ میرے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے' میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمادی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری۔ آپ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا اور ان کو قرآن مجید کو سنایا۔

جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو، جب آپ نے تلاوت ختم فرمادی تو جنات واپس ہو گئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے۔ واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں ان کی تصدیق کرنے والی اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے (اس سے بعض مفسرینؒ نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ جنات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے) جنات کی مذکورہ بالا جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات مانو! اس پر ایمان لاؤ، جب ایمان لے آؤ گے اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچادے گا۔

جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر و ثواب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا اور عذاب سے محفوظ فرمادے گا اس میں داخلہ جنت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مؤمن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی۔ اس لئے مسئلہ اختلافی ہوگیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کردیئے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لئے یہی ارشاد ہوگا۔ لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ (مزید تفصیل کیلئے سورۃ الرحمٰن کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ (الآية) یہ جنات کے کلام کا تتمہ ہے یا جملہ مستأنفہ ہے؟ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اس میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے یعنی ایمان نہ لائے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور عذاب میں گرفتار ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب گرفت ہوگی تو کہیں بھاگ کر نہیں جا سکے گا اور اللہ کے سوا کوئی مدد نہ کرسکے گا، جس نے اللہ کے داعی کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہی میں ہے۔

جو لوگ توحید کے منکر ہوتے ہیں وقوع قیامت کے بھی قائل نہیں ہوتے، لہٰذا دعوت توحید کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرمایا اور منکرین کا استبعاد دور کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ہے، اس کو تو تم مانتے ہو اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا فرمایا اور اسے ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی جس نے ان کو پیدا فرمادیا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اور دوسری چیزوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے؟ تم تو غور ہی نہیں کرتے اگر غور کرو گے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی۔ بَلٰى ہاں وہ ضرور

دوبارہ پیدا کرسکتا ہے مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

اس کے بعد کافروں کو یاد دہانی فرمائی کہ قیامت کے دن جب اہل کفر آگ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل ہونے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ (دنیا میں جب تم سے کہا جاتا تھا کہ کفر کی سزا دوزخ ہے تو تم اسے نہیں مانتے تھے اور جو حضرات اس بات کی خبر دیتے تھے تم اس کا مذاق بناتے تھے۔ اب بولو کیا کہتے ہو کیا یہ آگ جو تمہارے سامنے ہے اس کے سامنے ہونا اور تمہارا اس میں داخل ہونا حق ہے یا نہیں ہے؟ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا وہ اس پر کہیں گے کہ ہاں واقعی یہ حق ہے ہم مانتے ہیں، تصدیق کرتے ہیں، وہ اس بات کو قسم کھا کر کہیں گے لیکن اس وقت اقرار اور قسم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ارشاد ربانی ہوگا کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ

سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا، اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے، جس دن یہ لوگ وعدہ کی

مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ

چیز کو دیکھیں گے گویا صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہرے تھے۔ یہ پہنچا دینا ہے، سو ہلاک نہیں ہوں گے مگر نافرمانی

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

کرنے والے ہی۔

ع ٤

رسول اللہ ﷺ کو تسلّی اور صبر کی تلقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور محبت اور جدوجہد برابر جاری رہی، آپ کے مخاطبین انکار وعناد پر تلے ہوئے تھے، اس سے آپ کو رنج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کیلئے فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. (سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا) (وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ) (اور ان لوگوں کیلئے جلدی نہ کیجئے) یعنی ان پر جلدی عذاب آ جائے اس فکر میں نہ پڑیئے كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے) یعنی عذاب میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اس کی وجہ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ عذاب نہیں آئے گا لیکن جب عذاب آ جائے گا تو وہ یوں سمجھیں گے کہ دنیا میں جو زندگی گزاری وہ صرف ایک گھڑی ہی تھی دنیا کی لمبی زندگی کو جس میں خوب مزے کئے اسے شدت عذاب کی وجہ سے بھول جائیں گے بَلٰغ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا سنایا گیا نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے کافی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ھٰذا جو محذوف ہے اس کا مشار الیہ قرآن مجید ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ کی طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا ثواب کی چیزیں بھی بتا دیں گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے) جو اللہ کے باغی ہیں اس کی فرماں برداری

سے دور ہیں۔

فائدہ: ۔آیت کریمہ میں جو اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک من بیانیہ ہے اوران حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام رسول اولوالعزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے جیسے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے' اس تفسیر کی بنا پر تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلاۃ والسلام اولوالعزم کی صفت سے متصف تھے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ 'من تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے ان میں جو اولوالعزم تھے آپ ان کا اتباع کیجئے' جب یہ تفسیر کردی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات میں کون کون اولوالعزم تھے پھر ان حضرات کے نام تجویز کئے گئے کسی نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کا استثناء کیا اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ فرمایا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورۂ انعام کی آیات وَتِلْكَ حُجَّتُنَا (الآیت) میں مذکور ہیں اور یہ اٹھارہ ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجئے) اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ چار ہیں پانچویں صاحب شریعت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب. قال العبد الفقیر ان القول الاول اصح لان سیاق الکلام یدل علی کثرتھم لاعلی عدد قلیل فتدبر، (بندہ عاجز کہتا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سیاق کلام ان کی کثرت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ قلت پر بس غور کرنا چاہئے)۔

وھٰذا اٰخر تفسیر سُورۃ الاحقاف انعم اللّٰہ بتمامہ وحسن ختامہ وصلی اللّٰہ علٰی سید رسلہ محمد المصطفٰی وعلٰی اٰلہ وصحبہٖ اولی الاحلام والنھٰی

مدنی	سورۂ محمد (ﷺ)	۳۸ آیتیں ۴ رکوع

ایاتھا ۳۸ (۴۷) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ (۹۵) رکوعاتھا ۴

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس میں اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع فرما دیا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ

اور جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور وہ انکے رب کی طرف سے امر واقعی ہے اللہ انکے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور انکے حال کو درست فرما دے گا۔ یہ اس

بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ

وجہ سے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا اور بے شک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے رب کی طرف سے ہے اسی طرح

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

اللہ لوگوں کے لئے ان کے احوال بیان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی' اور اہلِ حق پر انعام کا اعلان

آیات مذکورہ بالا میں اہلِ کفر اور اہل ایمان کے درمیان فرق واضح فرمایا ہے۔ اور اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے' کفر وشرک پر تو کسی خیر کی امید رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں اہل کفر جو بعض مرتبہ صلہ رحمی یا خدمت خلق کے کام کرتے ہیں آخرت میں ان چیزوں کا بھی کچھ نہیں ملے گا' اعمال ضائع کرنے کا سبب کفر ہی بہت ہے پھر اوپر سے جنہوں نے اللہ کے راستے سے روکنے کا جو کام کیا یہ ان کے اعمال ضائع ہونے کا ایک مزید سبب بن گیا۔

مؤمنین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرما دے گا) آیت کریمہ میں ایمان کی تعریف فرماتے ہوئے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور ساتھ ہی وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ. فرمایا جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اللہ کی طرف سے اس کے اتارے جانے کی توثیق اور تصدیق فرمائی اور یہ بتا دیا کہ آپ کا دعویٰ رسالت اور دعویٰ نزول کتاب من اللہ تعالیٰ حق ہے اور صحیح ہے

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ جو اہل کفر کی بدحالی ہوگی اور اہل ایمان کے حال کو اللہ تعالیٰ سدھار دے گا یہ اس وجہ سے ہے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا اور اہل ایمان نے حق کا اتباع کیا' اتباع الحق کے ساتھ لفظ مِنْ رَّبِّهِمْ بھی فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئیے)

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ. (اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے امثال بیان فرماتا ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امثال سے احوال مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مومنین اور کافرین کے احوال بیان فرماتا ہے۔ مؤمنین کو حق پر بتایا ہے اور اسکے نتیجے میں فلاح اور فوز کی بشارت دیتا ہے اور کافروں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ باطل کا اتباع کرتے ہیں جس کا نتیجہ خیبت اور خسران ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا

سو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو انکی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم اچھی طرح سے انکی خون ریزی کر دو تو خوب مضبوط باندھ دو پھر اسکے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا انکی

فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۫ ذٰلِكَ ؕۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ

جانوں کا بدلہ لے کر چھوڑ دو جب تک کہ لڑائی اپنے ہتھیاروں کو نہ رکھ دے یہ اسی طرح ہے' اور اگر اللہ چاہے تو ان سے انتقام لے لے اور لیکن تاکہ تم میں بعض کا بعض کے ذریعہ

بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵

امتحان فرمائے' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے سو اللہ ہرگز انکے اعمال ضائع نہ فرمائے گا۔ وہ انہیں عنقریب مقصود تک پہنچا دے گا۔ اور انکا حال درست فرما دے گا

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جسکی انہیں پہچان کرا دے گا اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کیلئے ہلاکت ہے اور اللہ انکے اعمال کو ضائع کر دے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو مکروہ جانا جو اللہ نے نازل فرمائی سو اس نے انکے اعمال کو اکارت کر دیا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو انہوں نے نہیں دیکھا کیسا ہوا ان کا انجام جو ان سے پہلے تھے' اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لئے

اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ

اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ ہے اور بے شک کافروں کے لئے کوئی بھی مولیٰ نہیں' بے شک جو لوگ

مع ١٣ و قليبتدا بقوله ذلك ط و لكن حسن اتصاله بما قبله و يوقف على ذلك ط

ع ١١
٥

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا

ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا' جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں

تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ

جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم انکا ٹھکانہ ہے' اور بہت سی بستیاں تھیں جنکے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا یہ بستیاں آپ کی بستی سے زیادہ سخت تھیں' جنہوں نے آپ کو نکال دیا'

اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

ان بستیوں کا کوئی مددگار نہ ہوا جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو اچھی چیز بتائی گئی اور جو نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

جہاد و قتال کی ترغیب' قیدیوں کے احکام' مجاہدین اور مقتولین کی فضیلت

یہ آیات متعدد مضامین پر مشتمل ہیں جہاد اور قتال کے بعض مسائل بتائے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور کافروں کی بدحالی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور قتل و قتال کی نوبت ہو جائے تو دشمنان اسلام کے قتل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو' ان میں سے جو قتل ہو جائیں ان کے علاوہ جو زندہ ہوں ان کو قید کر لو اور اچھی طرح کس کے ان کو باندھو' ان کے بعد ان کو احسان کے طور پر یا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے بدلہ ان کو چھوڑ دو۔

اس کی تشریح اور تفسیر یہ ہے کہ جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرنے والے مقتول بھی ہوتے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو قید بھی کر لیتا ہے' مجاہدین اسلام دشمن کے افراد کو قید کر لیں تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اس کے بارے میں یہاں سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دو حکم بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ ان پر احسان کر دیا جائے یعنی بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے یا دوم یہ کہ اپنے قیدیوں کے بدلہ میں انہیں چھوڑ دیں۔ یعنی امیر المؤمنین اپنے قیدی ان سے واپس لے لے اور ان کے بدلہ کافر قیدیوں کو واپس کر دے تیسری صورت یہ ہے کہ مالی عوض لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور چوتھی صورت یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینا سورۂ انفال میں مذکور ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ انہیں غلام باندی بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا' اور ایک صورت یہ ہے کہ ان قیدیوں کو ذمی بنا کر دار الاسلام میں رکھ لیا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا کہ نہ قیدیوں کا تبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے یہ جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن (ص ۳۹۲ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ سورۂ انفال سورۂ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد نازل ہوئی سورۂ محمد میں جو مَن' اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۂ براءت کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ نے منسوخ کر دیا۔ لہٰذا فداء اور مَن کی اجازت نہیں رہی۔ فوجب ان یکون الحکم المذکور فیھانا سخا للفداء المذکور فی غیرھا اھ (پس ضروری ہے کہ اس میں مذکورہ حکم فدیہ کئے اس حکم کیلئے ناسخ ہو جو دوسری جگہ مذکور ہے) کافر قیدیوں کو بلا عوض مالی یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ چھوڑ دیا جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرات صاحبینؒ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے، رہی یہ بات کہ کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ بھی جائز نہیں۔ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''سیر کبیر'' میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا نْتَصَرَ مِنْهُمْ (اور اگر اللہ چاہے تو کافروں سے انتقام لے) یعنی کسی طرح کا کوئی بھی عذاب دے کر ہلاک فرما دے وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۠ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اور لیکن تاکہ تم میں سے بعض کا بعض کے ذریعہ امتحان فرمائے یعنی تمہیں جو جہاد کا حکم دیا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ وہ کون ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں مقتول بھی ہو سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتا ہے اور جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اور اس میں کافروں کا بھی امتحان ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر مقتول ہونے اور شکست کھانے اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا معاملہ دیکھ کر حق کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اللہ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا)۔ اس میں یہ بتا دیا کہ جہاد میں امتحان کی حکمت کے ساتھ ساتھ تمہارا فائدہ بھی ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ گے تو یہ صرف امتحان کی کامیابی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تمہارے اعمال کے عوض بڑے بڑے انعامات ملیں گے، شہادت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (اللہ انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کا حال درست فرما دے گا) قبر، حشر اور تمام مواقع میں ان کا حال درست فرما دے گا۔ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جو ان کی منزل مقصود ہے عَرَّفَهَا لَهُمْ (اللہ نے انہیں جنت کی پہچان کرا دی ہے) یعنی دنیا میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ انہیں جنت کی پہچان کرا دی ہے جنت کی پہچان کرانے کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو اپنے اپنے مقرر کردہ مقام کو وہ اس طرح جانتے ہوں گے جیسے اپنے دنیا والے گھروں میں اس کو پہچانتے تھے بلکہ ان سے زیادہ اپنی جنت والی مقررہ جگہ کے راستے کو پہچانتے ہوں گے۔ (کما ورد فی الحدیث)

اس کے بعد مسلمانوں سے مدد کا وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ اس میں یہ بتا دیا کہ تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین کی بلندی کے لئے کوششوں میں لگو گے (جس کا وہ محتاج نہیں ہے) تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور ثابت قدم رکھے گا۔

مؤمنین کا انعام بیان کرنے کے بعد کافروں کی بدحالی بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا ہلاکت ہے ان کے لئے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے) دنیا میں بھی مؤمنین کے ہاتھوں ان کی تباہی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے ہلاکت یعنی عذاب شدید اور دائمی ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (ان لوگوں کی یہ ہلاکت اور اعمال کا حبط ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جو کچھ اللہ نے نازل کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط فرما دیئے)۔

دنیا میں چل پھر کر عبرت حاصل کریں:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد منکرین کو تنبیہ فرمائی کہ اپنی دنیا اور ساز و سامان اور عمارات سے دھوکہ نہ کھائیں ان سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جو ہلاکت و بربادی کا منہ دیکھ چکی ہیں، ارشاد فرمایا اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے) دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (اللہ نے ان کو ہلاک فرما دیا) وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا (اور کافروں کے لئے ایسی کئی چیزیں ہیں) یعنی موجودہ جو

کفار ہیں اور انکے بعد جو بھی کافر ہوں گے ان کے لئے دنیا میں اسی طرح عذاب ہوگا اور ہلاک کر دیئے جائیں۔ اور آخرت میں شدید اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مولیٰ ہے: .... ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (یہ جو کچھ مذکور ہوا یعنی اہل ایمان کا جنت میں داخل ہونا اور اہل کفر کا دنیا و آخرت میں برباد ہونا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے یعنی ان کا ولی ہے مددگار ہے کارساز ہے وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (اور کافروں کا کوئی کارساز مددگار نہیں)۔

اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بدحالی: .... اس کے بعد اہل ایمان کا انعام اور کافروں کا طرز زندگی (دنیا میں) اور انکا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لئے تیار کیا گیا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بلاشبہ اللہ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں (یہ ان کا دنیاوی حال ہے) وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع اور دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں صرف دنیا مطلوب ہے اس لئے کمانے میں اور کھانے پینے میں ہر طرح کی لذت حاصل کرنے میں کوئی حیاوشرم' انسانیت ومروت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی' جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لئے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں دیکھو قانونی طور پر عورت اور مرد کے میل ملاپ کے لئے نکاح کی شرط کو ختم کر دیا گیا اور دوستانہ زندگی کا رواج پالیا ہے عورت اور مرد دوست (فرینڈ) بن کر گھومتے پھرتے ہیں' کبھی اس سے جوڑ بیٹھ گیا کبھی دوسرے سے دوستی ہوگئی' پارکوں میں' ہوٹلوں میں بلکہ سڑکوں پر مرد عورت آپس میں لطف اندوز ہوتے ہیں حرام حلال کا اور شرم وحیا کا کوئی دھیان نہیں اور اب تو قانونی طور پر ان کی بعض حکومتوں نے مرد کا مرد سے استمتاع اور استلذاذ جائز قرار دے دیا ہے' اب یہ لوگ یہاں تک اتر آئے ہیں کہ آدمیت اور انسانیت باقی نہ رہی تو کیا حرج ہے مزہ تو مل رہا ہے' انسانیت اور شرافت کو دیکھیں تو بہت سی لذتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے لہٰذا وہ ایسی انسانیت سے بھر پائے جس سے مزہ میں فرق آئے اور لذت کو بٹہ لگے' یہ یورپ اور امریکہ کے کافروں کے احساسات ہیں' ایشیاء والوں نے بھی ان کی راہ اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔

جس طرح جنسی لذت کے لئے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں' اسی طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں' حلال وحرام سے کوئی بحث نہیں جو ملا کھالیا جو چاہا کھالیا سور اور شراب تو ان کی روزانہ کی غذا ہے قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے' اس مضمون کو سورۂ زمر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا نفع حاصل کرلے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے)۔

اہل مکہ کو تنبیہ: .... اس کے بعد اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی' اس میں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ آپ کو اس میں تسلی دی ہے اور سنانا منکرین کو بھی ہے' تاکہ وہ عبرت حاصل کریں ارشاد فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ (الاٰیۃ) اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے رہنے

والے آپ کی اس بستی کے رہنے والوں سے قوت میں زیادہ سخت تھے جس نے آپ کو نکال دیا ہے، ہم نے ان کو ہلاک کر دیا کوئی بھی ان کا مددگار نہ تھا۔ ان کو بھی اپنی قوت اور طاقت پر غرور کرنے کا کوئی مقام نہیں۔

اہل ایمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے: .... پھر فرمایا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الآیۃ) جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوگا کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے (اس نے کفر کو اچھا سمجھا اور شرک کو اختیار کیا یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس ان کے رب کی طرف سے دلیل موجود ہے اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی انہیں اچھے لگتے ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ دونوں فریق یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا

طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ

بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے

كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ

پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کے

اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اہل جنت کے مشروبات طیبہ اور اہل نار کا مشروب ماء حمیم

اس آیت میں بھی مومنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے اول تو جنت کا حال بیان فرمایا جس کا متقیوں سے وعدہ ہے، جنت میں بہت سی نعمتیں ہیں ان میں نہریں بھی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ بدلا نہ ہوگا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کیلئے سراپا لذت ہوگی اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو (۱۰۰) درجے ہیں، جنہیں اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار فرمایا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے، سو تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۱)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے۔ منها تفجر انهار الجنة الاربعة یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں، یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یعنی پانی اور دودھ اور شراب اور شہد کی نہریں اھ حدیث شریف کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے

چار نہریں نکلتی ہیں ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے (پھر ان کی شاخیں پھوٹتی ہوئی دوسری جنتوں میں بھی پہنچتی ہے) اس میں جو شراب کی نہریں بتائی ہیں ان کے ساتھ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ بھی فرمادیا یعنی یہ بتایا کہ یہ شراب سراپا لذت ہوگی اس کو پینے سے نشہ نہ آئے گا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی سورۃ الصافات میں فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا۔ سفید ہوگی' پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی' نہ اس میں دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ٥ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جنت میں جو کچھ پینے پلانے کے لئے دیا جائے گا۔ اس میں لذت ہی لذت ہوگی نہ عقل میں فتور آئے گا نہ نشہ ہوگا' نہروں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (اور ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔)

اس کے بعد فرمایا كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ (الاٰية) یہاں عبارت حذف ہے یعنی من كان فى هذا النعيم كمن هو خالد فى النار (جو شخص ان مذکورہ بالا نعمتوں میں ہوگا کیا ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کو (اتنی زبردست) بھوک لگادی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے۔ اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے نہ بھوک دفع کرے' پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامٌ ذِىْ غُصَّةٍ (گلے میں اٹکنے والا کھانا) دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا۔ اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں تھے تو گلے میں اٹک جانے والی چیزوں کو اتارنے کیلئے پینے کی چیز پیا کرتے تھے۔ لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے' چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کے سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کردیا جائے گا۔ وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گی' پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۴ از ترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا' پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرے کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں (اول آیت سورۂ محمد ﷺ یعنی) وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (دوسری سورۂ کہف کی آیت یعنی وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳ از ترمذی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات

اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱٦﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے انکے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں' اور جو لوگ صحیح راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اس پر دفعۃً آ پڑے سو اس کی علامتیں تو آ چکی ہیں سو جب قیامت انکے

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

سامنے آ کھڑی ہوئی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی لائق عبادت نہیں' اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

اور سب عورتوں کے لئے بھی اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

منافقین کی بعض حرکتیں ان کے قلوب پر مہر ہے یہ لوگ اپنی خواہشوں کے پابند ہیں

یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں منافقین کی ایک خصلت بد کا تذکرہ فرمایا ہے منافقین ظاہر میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے اور اندر سے کافر تھے' جس کسی کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو اس کے رنگ ڈھنگ خد و خال اور چال ڈھال سے اس کی دورنگی معلوم ہو جاتی ہے' اس سلسلے کی یہ ایک کڑی ہے کہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تھے تو آپ کی باتوں کی طرف بظاہر کان لگا کر ایسے بیٹھتے تھے جیسے بڑے دھیان سے سن رہے ہیں یہ طریقہ صرف دھوکہ دینے کیلئے تھا دلوں سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے جب مجلس سے باہر آتے تو دوسرے حضرات یعنی اہل علم صحابہؓ سے کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابھی ابھی کیا فرمایا؟ پہلی منافقت تو یہ تھی کہ جھوٹ موٹ کان لگا کر بیٹھے اور دھیان سے باتیں نہ سنیں اور دوسری منافقت یہ تھی کہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کا اشتیاق ہے یہ معلوم کرتے تھے کہ آپ نے ابھی ابھی کیا فرمایا' اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہیں راہ حق پر آنا نہیں ہے۔

دوسری آیات میں اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا ہے (جیسے جیسے احکام نازل ہوتے ہیں وہ ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے جاتے ہیں) اور اللہ ان کو ان کا تقویٰ نصیب فرماتا ہے (احکام پر بھی عمل کرتے ہیں اور جن افعال و اعمال سے منع فرمایا ہے ان سے بھی بچتے ہیں)۔

تیسری آیت میں منکرین اور منافقین کو تو بیخ فرمائی کہ ان لوگوں کا طور طریق ایسا ہے کہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں (نہ ایمان لاتے ہیں، نہ اعمال خیر میں مشغول ہوتے ہیں، نہ گناہوں سے بچتے ہیں اور نہ انذار و تبشیر ان کے حق میں مفید ہوتا ہے' نہ عذاب کی وعید سے متاثر ہوتے ہیں نہ جنت کی بشارت کا یقین کرتے ہیں۔ اب کیا رہ گیا؟ بس قیامت کا آنا باقی ہے اس کے انتظار میں ہیں کہ وہ

اچانک آ جائے اور قیامت آ جائے تو نصیحت حاصل کریں) سو قیامت کی علامتیں آ چکی ہیں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا بھی علامات قیامت میں سے ہے اور معجزہ شق القمر بھی علامات قیامت میں سے ہے جسے سورۃ القمر کی پہلی آیت میں بیان فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. جب قیامت آ جائے گی تو اس وقت سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کا نہ موقعہ ہوگا نہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔ اس مضمون کو فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ میں بیان فرمایا، یہ مضمون سورۃ الفجر کی آیت کریمہ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ م بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى میں بیان فرمایا ہے (اس دن جہنم کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب کہاں ہے نصیحت حاصل کرنا یعنی اب اس کا فائدہ کچھ نہیں۔

توحید پر جمے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین: .... چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنے اس علم اور یقین پر جمے رہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کریں، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور آپ کے توسط سے دیگر اہل ایمان کو بھی، خلاف شان نبوت جو کوئی امر آپ سے صادر ہو گیا اسے لذنبک سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خطاء اجتہادی سے کبھی ایسا واقع ہوا، معصیت حقیقت کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے نہیں ہو سکتا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں امر بالاستغفار مع انه مغفور له لیستن به امته (یعنی آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ کا سب کچھ بخشا جا چکا ہے تا کہ امت آپ کا اتباع کرے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک میرے دل پر میل سا آ جاتا ہے اور بیشک میں اللہ سے روزانہ سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور بعض روایت میں ہے کہ آپ ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے ہیں۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں هذا اکرام من اللّٰه تعالیٰ لهذه الامة حیث امر نبیهم ان یستغفر لذنوبهم وهو الشفیع المجاب فیه (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لئے استغفار کریں۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۴۔)

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ کی تفسیر .... مفسرین کرام نے اسکے متعدد معنی بیان کئے ہیں، پہلے ترجمہ غور سے پڑھئے (اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے) یہ ترجمہ مفسر ابن جریرؒ کے قول کے مطابق ہے جسے علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے دنیاوی اعمال میں مشغول رہنا اور اس میں چلنا پھرنا مراد ہے اور مَثْوٰىكُمْ سے ہر ایک کا آخرت کا ٹھکانہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؓ نے فرمایا ہے کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے ارحام الامہات کی طرف منتقل ہونا اور مَثْوٰىكُمْ سے زمین میں ٹھہرنا مراد ہے اور ابن کیسان سے نقل کیا ہے کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے لیٹتے وقت پلٹیاں کھانا اور مَثْوٰىكُمْ سے قبروں میں ٹھہرنا مراد ہے۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۲) (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ

جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی

الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ

طاری ہو گئی ہو' سوعنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے' انکی اطاعات اور بات چیت معلوم ہے' پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچا وعدہ کرتے تو ان کیلئے

خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾

بہت ہی بہتر ہوتا' سو اگر تم والی بن جاؤ تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع رحمی کر دو'

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا' پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا' سو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے

قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

یا دلوں پر ان کے قفل ہیں۔

منافقین کی بدحالی اور نافرمانی

ان آیات میں اہلِ ایمان کا شوقِ جہاد اور منافقین کا حکم جہاد سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے' ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کوئی نئی سورت کیوں نازل نہ ہوئی یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے' جب کوئی بھی سورت نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزولِ احکام سے ڈرتے رہتے تھے خصوصاً جب کسی سورت میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا نہ سچے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے تھے، نہ قرآن کو مانتے تھے، نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے لہٰذا جہاد والی سورت کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور ان کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے یہ لوگ سمجھتے تھے اب رکھ رکھاؤ کے لئے جہاد میں جانا ہی پڑے گا، دل چاہتا نہیں، لیکن شریک ہونا ہی ہے بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب ہے اور اگر میدان جہاد میں مقتول ہو تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا اسی کو فرمایا فَاَوْلٰى لَهُمْ کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے صاحب معالم التنزیل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اولٰی لک ای ولیک وقار بک ماتکرہ. (یہ "اولی لھم" کا ایک مطلب ہے اس صورت میں طاعة وقول معروف علیحدہ جملہ ہوگا۔ اور ایک صورت یہ ہے اولی لھم مبتداء ہو اور طاعة اس کی خبر ہو کما ذکر البغوی فلیتدبر۔)

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی منافقین کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو تو تنگ دل ہونے کی بجائے یوں کہیں کہ ہمارا کام تو فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے قال صاحب معالم التنزیل ای لو اطاعوا و قالوا قولا معروفا کان امثل و احسن، ثم قال و قیل ھو متصل بما قبلہ واللام بمعنی الباء فا ولی بھم طاعة اللہ ورسولہ و قول معروف بالا جابة و ھذا قول ابن عباس فی روایة عطاء. (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض نے کہا ہے یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے اور لام باء کے معنی میں ہے یعنی ان کے لائق یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور قبول کر کے اچھی بات کہتے اور یہ عطاء کی روایت کے مطابق

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔)

فَاِذَاعَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا، یعنی جہاد کرنے کا واقعی حکم ہو گیا تو اسوقت یہ لوگ اپنے دعویٰ ایمان اور دعویٰ فرماں برداری میں سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ (سوکیا یہ صورت پیش آنے والی ہے کہ اگر تم والی بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور آپس میں قرابت کے تعلقات کو قطع کر دو۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ منافقین کو خطاب ہے جسے استفہام کی صورت میں لایا گیا ہے' اس میں ان کو توبیخ ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے جو احوال معلوم ہیں یعنی دنیا پر حرص کرنا اور جہاد کی بات سے گھبرانا اور شرکت جہاد سے کترانا اس بات کو جاننے کے بعد کیا کوئی شخص تم سے سوال کر سکتا ہے کہ اگر تمہیں ولایت فی الارض مل جائے یعنی عامۃ الناس کے والی اور متولی بنا دیئے جاؤ اور تمہیں اقتدار سپرد کر دیا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتہ داریوں کو کاٹ پیٹ کر رکھ دو گے یعنی تمہارا فساد اتنا آگے بڑھے گا کہ تمہیں رشتہ داریوں کی پاسداری بھی نہ رہے گی اور آپس کے تعلقات کو ختم کر ڈالو گے یعنی تم سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے اور سائل کا یہ سوال کرنا درست ہے۔

قال صاحب الروح: فالمعنى انكم لما عهد منكم من الاحوال الدالة على الحرص على الدنيا حيث امرتم بالجهاد الذى هو وسيلة الى ثواب اللّٰه تعالٰى العظيم فكر هتموه وظهر عليكم ماظهر احق بأن يقول لكم كل من ذاقكم وعرف حالكم ياهئولاء ماترون هل يتوقع منكم ان توليتم ان تفسدوا في الارض الخ.

(صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دنیا پر تمہاری حرص کے جو حالات ظاہر ہو چکے ہیں کہ تمہیں جہاد کا حکم ہوا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثوابِ عظیم کا ذریعہ ہے تو تم نے اسے ناپسند کیا اور تمہاری جو حالت ہوئی سو ہوئی لہٰذا جو آدمی تمہیں جانتا ہو اور تمہارے حالات سے آگاہ ہو تو وہ تمہیں کہہ سکتا ہے کہ اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہیں والی بنایا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے)

یہ ترجمہ اور تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ والی اور صاحب اقتدار ہونے کا لیا جائے اور بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ اَعْرَضْتُمْ لیا ہے صاحب بیان القرآن نے اسی کو اختیار کیا ہے' انہوں نے اس کو استفہام تقریری قرار دیا ہے اور مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر تم جہاد سے کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی چاہئے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر دو گے یعنی اگر جہاد کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے گا اور کوئی باقی نہ رہے گا جس میں تمام مصلحتوں کی رعایت ہو اور ایسا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے فساد ہو گا اور حقوق کی اضاعت ہو گی۔

پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے رحمت سے دور فرما دیا سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا لہٰذا ان سے قبول حق کی اور راہ حق پر چلنے کی کوئی امید نہ کی جائے۔

تدبر قرآن کی اہمیت اور ضرورت: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (یا ان کے دلوں پر قفل ہیں) اس میں توبیخ ہے اور منافقوں کے حال کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں قرآن میں تدبر کرنا چاہیے تھا۔ قرآن کے اعجاز اور معانی اور دعوت حق کے بارے میں غور کرتے تو نہ تو منافق ہوتے اور نہ وہ حرکتیں کرتے جو ان سے صادر ہوتی رہی ہیں' ان کے تدبر نہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ جیسے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قال صاحب الروح: واضافة الاقفال اليها للدلالة على انها اقفال مخصوصة بها مناسبة لها غير مجانسة

لسائر الاقفال المعهودة. (صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں اقفال کی ان کی طرف اضافت اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ مخصوص تالے ہیں جو انہیں کے مناسب ہیں مشہور و معروف تالوں کی طرح نہیں ہیں)

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ

بے شک جو لوگ پشت پھیر کر پلٹ گئے، اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو گئی تھی، شیطان نے ان کے سامنے

لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ

مزین کر دیا اور انہیں تاخیر والی باتیں سمجھا دیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کے نازل کئے ہوئے فرمان کو ناپسند کیا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری

الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ

اطاعت کریں گے، اور اللہ ان کے خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے، سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانوں کو قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کے

وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

پشتوں پر مار رہے ہوں گے، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جس نے اللہ کو ناراض کیا اور انہوں نے اللہ کی رضا کو ناپسند کیا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

ع ۳ ۹ ۷

مرتدین کے لئے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان آیات میں بھی منافقین کا ذکر ہے ان سے جو مخالفانہ اور باغیانہ حرکتیں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے لئے دعوائے اسلام پر باقی رہنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر پہچان لیا جو اپنی کتابوں میں پاتے تھے پھر بھی کفر پر جمے رہے (اس کو اِرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ سے تعبیر فرمایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ضرور اتباع کریں گے۔ اس دعوے کے مطابق جو کچھ کرنا تھا اس سے پھر گئے) آیات کا نزول جن لوگوں کے بارے میں بھی ہوا، الفاظ کا عموم ہر طرح کے مرتدین کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ بیشک جو لوگ پشت پھیر کر دین حق سے پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی تھی شیطان نے ان کا ناس کھویا اس نے کفر اور ارتداد کو اور برے اعمال کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا، اور حقیقت کو جانتے ہوئے دنیا کی ظاہری زینت کو انہوں نے ترجیح دی، شیطان نے مزید یہ کیا کہ ان کو یہ بتایا کہ دیکھو کہ ابھی دنیا میں تمہیں بہت رہنا ہے اور زیادہ جینا ہے اسلام قبول کر کے یہ لمبی زندگی آرام سے کیسے گزارو گے؟ دیکھو جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں کتنی تکلیفوں میں پڑ جاتے ہیں۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ط اس میں ذلک کا مشار الیہ اور انھم کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اور الَّذِينَ كَرِهُوا سے کون لوگ مراد ہیں اور بعض الامر سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں، بِأَنَّهُمْ کی با کو سببیہ لینے کی صورت میں وہی قول قرین قیاس ہوگا جس سے ذلک کا مشار الیہ مسبب اور با کا مدخول سبب بن سکتا ہو۔ علامہ قرطبیؒ نے ذلک کا مشار الیہ أَمْلَىٰ لَهُمْ کو قرار دیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ شیطان کا انہیں لمبی عمر والی باتیں سمجھانا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے یعنی منافقوں اور یہودیوں نے مشرکین سے کہا جن کو اللہ کا نازل فرمودہ ناگوار ہے کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کر

لیں گے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں (مثلاً) آپ سے دشمنی رکھنے میں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے میں اور دین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان لیں گے۔ تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفات کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی کر دیا اس لئے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۵۰ ج ۱۶)

معالم التنزیل میں بھی یہ تفسیر لکھی ہے لیکن ذلک کا مشار الیہ متعین نہیں کیا صاحب روح المعانی اس سے متفق نہیں کہ ذلک کا اشارہ اَمۡلٰی لَھُمۡ ہے لیکن احقر کے نزدیک تمام احتمالات میں یہی راجح ہے، صاحب بیان القرآن نے ذٰلِکَ کا مشارٌ الیہ ارتداد علی الادبار کو لیا ہے اور سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الامر کا یہ مطلب لیا ہے کہ منافقین نے رؤسا یہود سے کہا کہ یہ عدم اتباع ظاہراً کرنے کے بارے میں تمہارا حکم نہیں مانیں گے کیونکہ وہ ہماری مصلحت کے خلاف اور عدم اتباع باطناً کا جو حکم دیتے ہو ہم اس میں تمہارا اتباع کر لیں گے کیونکہ ہم اس میں تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

موت کے وقت کافر کی مار پیٹ: .... پھر فرمایا فَکَیۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ (الآیة) اس میں منافقین کی موت کے وقت بدحالی کا بیان ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں ان کو عذاب نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے محفوظ ہو گئے، ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے جو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے، ارشاد فرمایا کہ ان منافقین کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چہروں اور پشتوں کو مار رہے ہوں گے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دنیا میں یہ لوگ جہاد سے بچ رہے ہیں، ان کا یہ بچاؤ کتنے دن چلے گا بالآخر مریں گے اور موت کے وقت سے ہی ان کی پٹائی شروع ہو جائے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو کوئی بھی شخص گناہگاری کی حالت میں مرتا ہے فرشتے اس کی موت کے وقت اس کے چہرہ پر اور پچھلے حصہ پر مارتے رہتے ہیں اس مار پیٹ کو حاضرین محسوس نہیں کرتے مگر ایسا ہوتا ضرور ہے جیسا کہ برزخ کے احوال مرنے والے پر گزرتے ہیں اور دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا: وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡمَلٰٓئِکَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ○ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ۙ (اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے)۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا (ان کی یہ سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس کی رضامندی کو اچھا نہ جانا سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے) یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا (جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے) اور ایمان قبول نہ کیا (جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے) اللہ کو راضی کرنے والے عمل سے ان کو نفرت اور کراہت تھی، ان کو موت کے وقت یہ سزا ملے گی (اور اس کے بعد بھی برابر عذاب ہی عذاب ہے) اور انہوں نے دنیا میں جو کوئی عمل ایسا کیا تھا، جس پر ثواب دیا جا سکے ان اعمال کو بھی اللہ نے اکارت کر دیا یعنی آخرت میں ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ

کیا ان لوگوں نے خیال کیا ہے جن کو دلوں میں مرض ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو نکالے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو

لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝

انہیں دکھا دیتے سو آپ انہیں انکی نشانی سے پہچان لیتے اور آپ انہیں ضرور بالضرور بات کرنے کے ڈھنگ سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝

اور بلاشبہ ہم ضرور تم کو آزمائیں گے تا کہ ہم تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تا کہ ہم اعمال کو جانچ لیں۔

منافقین کے دلوں میں مرض ہے' طرز کلام سے ان کا نفاق پہچانا جاتا ہے!

جولوگ منافقین تھے انہیں اسلام سے اور مسلمانوں سے دشمنی تھی' بظاہر دوست بنے ہوئے تھے اور اندر سے دشمن تھے اس دشمنی کا کسی نہ کسی طرح ظہور ہوتا رہتا تھا۔ لیکن ان کا دعویٰ یہی تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تم میں سے ہیں اور یوں سمجھتے تھے کہ ہمارا باطن پوشیدہ رہے گا اور اسی طرح اپنے کفر کو چھپا کر مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے اور ان سے جو منافع متعلق ہیں حاصل کرتے رہیں گے' یہ ان کا خیال تھا' منافق اپنے نفاق کو چھپاتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ بڑا ہوشیار اور چالاک ہوں' اللہ تعالیٰ شانہ نے ایک عرصہ تک اشخاص کی تعیین کر کے ان کی پہچان نہیں کرائی ہاں ان کے احوال اور اعمال بیان فرما دیئے سورۂ براءت میں ان کے تفصیلی احوال بیان فرمائے ہیں اسی لئے اس سورت کا ایک نام فاضحہ...... (یعنی رسوا کرنے والی) بھی ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی انکی حرکتیں اور ان کے اعمال بیان فرمائے ہیں وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (اور اگر ہم چاہیں آپ کو واضح طور پر ان منافقین میں سے ہر ایک کی الگ الگ پہچان کرا دیں (مگر اس کی ضرورت نہیں ہے) آپ ان کے رنگ ڈھنگ سے انہیں پہچان لیں گے' ان کا لب ولہجہ اور بات کرنے کا ڈھنگ بتادے گا کہ یہ منافق ہیں اندر سے مؤمن نہیں ہیں کیونکہ غیر مخلص کا طریقہ کار اور طرز زندگی اور میل جول اور بول چال کا ڈھنگ مخلصین سے مختلف ہوتا ہے بلا وجہ قسمیں کھانا رک رک کر بات کرنا سوچ سوچ کر جواب دینا تا کہ الفاظ اور طرز گفتگو سے مخاطب کو بدعقیدگی کا پتہ نہ چل جائے۔ یہ منافقین کے ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ایک عرصہ تک تو ایسا ہی رہا پھر بالآخر ایک دن وہ آیا کہ وہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبویؐ سے نکال دیئے گئے جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام جلد ثانی کے اوائل میں مذکور ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ (اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے) اسے اہل ایمان کے اخلاص کا اور اہل نفاق کی منافقت اور مکر وفریب کا علم ہے، منافقین یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم مسلمانوں سے اپنی منافقت کو چھپا کر اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے، اگر مؤمنین مخلصین کو پتہ نہ چلا تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ علم ہے اس کے عذاب اور عقاب سے کیسے مطمئن ہو گئے؟

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ (الآية) یعنی اعمال شرعیہ جہاد وغیرہ کے جو احکام نافذ کئے جاتے ہیں ان کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے، ہم ضرور بالضرور تمہاری آزمائش کریں گے تا کہ مخلص مجاہدین اور صابرین کا ظاہری طور پر علم ہو جائے وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (اور تا کہ تمہارے احوال کو جانچ لیں)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے

الْهُدٰى ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـا ؕ وَ سَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ

ہدایت ظاہر ہوگئی یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور وہ عنقریب ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا' اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ اس حال میں

مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ

مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ہرگز اللہ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا' سو تم ست نہ بنو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم غالب رہوں گے'

وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' ان کے اعمال حبط کئے جائیں گے

اوپر چار آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اور ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ایسے لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچائیں گے اور انہیں قیامت کے دن بربادی کا سامنا ہوگا) دنیا میں انہوں نے کوئی عمل ایسا کیا تھا جس پر اللہ کی طرف سے اہل ایمان کو ثواب ملتا ہے' قیامت کے دن کافروں کو اس کا کچھ بھی ثواب نہ ملے گا یہ اعمال بالکل اکارت چلے جائیں گے۔

دوسری آیت میں یہ حکم فرمایا کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' اعمال صالحہ سابقہ ایمان میں شک کرنے اور کفر و شرک اختیار کرنے اور بعض کبیرہ گناہوں کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں یعنی ان کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ نے نقل کیا ہے کہ لاتبطلوا بالریاء والسمعۃ کہ ریاکاری اور شہرت کی طلب کے ذریعے اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ آیت عام ہے اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم یعنی صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی ضرور مقبول ہوتی ہے' جب آیت کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ نازل ہوئی تو ہم نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمارے اعمال کو باطل کرے گی پھر ہم نے سمجھ لیا کہ اس سے کبیرہ گناہ اور فواحش مراد ہیں (یعنی ان سے اعمال صالحہ باطل ہو سکتے ہیں) اس کے بعد جب ہم کسی کو دیکھتے تھے کہ کوئی گناہ یا فحش کام اس سے سرزد ہو گیا تو ہم کہتے تھے کہ یہ شخص تو ہلاک ہو گیا یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ نازل ہوئی تو اس کے بعد ہمارا طریقہ یہ ہوا کہ جب کوئی شخص کبیرہ گناہ کر لیتا تھا تو اس کے بارے میں مواخذہ کا خوف رکھتے تھے (یعنی اس کا مواخذہ یقینی نہیں جانتے تھے) اور جس سے کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوتا اس کے بارے میں بخشش کی امید

رکھتے تھے۔ (ذکرہ صاحب الروح ص ٧٩ ج ٢٦)

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر حالت کفر میں مر گئے اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا' ہاں اگر کسی کافر نے اسلام کی مخالفت کی اور اللہ کے دین سے روکتا رہا پھر توبہ کر لی یعنی اسلام قبول کر لیا' پھر حالت اسلام میں ہی مر گیا تو اس کے زمانہ کفر کا سب کچھ معاف ہو جائے گا۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اماعلمت یاعمرو ان الاسلام یهدم ماکان قبله (اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو (زمانہ کفر میں کئے) ختم کر دیتا ہے۔

نفلی نماز' روزہ فاسد کرنے کے بعد قضا واجب ہونا: ۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے توڑ دے تو اس کی قضا واجب ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ١٨١ از مسلم۔) اس کے دلائل بھی لکھے ہیں' ان میں سے آیت بالا کو بھی دلائل میں پیش کیا ہے' تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' جب کسی نے ایک رکعت پڑھ لی یا گھنٹہ دو گھنٹہ روزہ رکھ لیا پھر توڑ دیا تو اس سے وہ عبادت بیچ میں رہ گئی جس کو شروع کیا گیا تھا۔ پوری عبادت کر کے کسی عمل سے باطل کر دے یا پوری کرنے سے پہلے ہی باطل کر دے دونوں طرح سے ابطال کی ممانعت پر آیت کریمہ کی دلالت ہوتی ہے' شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں' قال تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم وهواعم من ابطالها قبل اتمامها بالا فساد او بعده بفعل مایحبطه ونحوه۔

کمزور نہ بنو اور دشمنوں کو صلح کی دعوت نہ دو: .... چوتھی آیت میں فرمایا۔ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ (اے مسلمانو! تم ہمت مت ہارو اور اپنے دشمنوں کو صلح کی طرف مت بلاؤ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب کافروں سے جنگ ٹھن جائے تو تم جنگ پر آمادہ رہو اور جہاد فی سبیل اللہ میں کمزوری نہ دکھاؤ' کمزور پڑ جانے میں یہ بھی داخل ہے کہ خود سے دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے' اگر دشمن صلح کی بات اٹھائیں تو بعض احوال میں صلح کر لینا جائز ہے' جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہو۔ جب کہ سورۂ انفال میں فرمایا وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ مزید توضیح کیلئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

تم ہی بلند رہو گے اگر مؤمن ہو: ۔ پھر فرمایا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ یہاں صرف یہی الفاظ ہیں اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اس میں یہ وعدہ فرمایا کہ تم غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو لہٰذا صفات ایمان تقویٰ حب آخرت اور فکر آخرت ، امانت داری ادائے فرض و واجبات ، ترک معاصی کی صفات سے متصف رہیں اگر ایسا ہو گا تو مسلمان ہی غالب رہیں گے اگر ایمانی صفات کھو بیٹھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں پر غلبہ پانے کا وعدہ نہیں۔ بعض حالات میں قلت عدد کی وجہ سے جو ترک قتال کی اجازت ہے وہ اس کے معارض نہیں اس بات کے سمجھنے کے لئے آیت کریمہ اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (اور اللہ تمہارے ساتھ ہے) لہٰذا جم کر پوری قوت کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کرنے کی نیت سے قتال کریں۔ اسی سورت کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی یعنی اس کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا)۔

پھر فرمایا: وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا) وہ ہر عمل صالح کا ثواب دے گا بشرطیکہ اسے باطل

نہ کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر وعدہ فرمایا ہے کہ ایک عمل کا ثواب کم از کم دس گناہ دیا جائے گا اور اس سے زیادہ جتنا چاہے اپنے فضل ورحمت سے عطا فرمائے گا۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

قال القرطبی فی تفسیر ولن يتركم اعمالكم اى لن ينقصكم، عن ابن عباس وغيره ومنه الموتور الذى قتل له قتيل فلم يدرك بدمه، تقول منه وتره يتره وترا وترة ومنه قوله عليه السلام "من فاتته صلاة العصر فكانما وتر اهله وماله" اى ذهب بهما (علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں وَلَن يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی تمہارے اعمال میں کمی نہ ہوگی حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور اس سے موتور ہے وہ شخص جس کا کوئی آدمی قتل ہو گیا اور اس کا خون بہا اسے نہ ملا ہو تم کہتے ہو وتر، وترۃ اور اسی سے حضور اکا ارشاد ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کا اہل اور مال ہلاک ہو گیا۔)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ

دنیا والی زندگی بس لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو وہ تمہیں تمہارے اجور عطا فرما دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال طلب نہ

اَمْوَالَكُمْ ۞ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۞ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ

فرمائے گا اگر وہ تم سے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک طلب فرمائے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی ناگواری کو ظاہر فرما دے گا

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

خبردار تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے سو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا

تو وہ اپنی جان کی طرف سے بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے تم محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہارے جیسے

اَمْثَالَكُمْ ۞

نہ ہوں گے۔

ع ۸

دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے، کنجوسی کا وبال بخل کرنے والے پر ہی ہے، اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو!

گزشتہ آیت میں مؤمنین سے خطاب تھا کہ سست نہ بنو اور کافروں سے صلح کرنے کی طرف نہ جھکو اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ فرمائے گا' ان آیات میں مسلمانوں کو چند تنبیہات فرمائی ہیں کچھ عام احوال سے اور کچھ فی سبیل اللہ اموال خرچ کرنے سے متعلق ہیں اول تو یہ فرمایا کہ دنیا کھیل ہے نفوس کو بہلانے والی چیز ہے' سورۃ العنکبوت میں بھی یہ مضمون ہے وہاں یہ بھی فرمایا وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے) کھیل کود سے مقاصد حقیقیہ حاصل نہیں ہوتے مقصد حقیقی یعنی ہمیشہ نعمتوں اور فرحتوں اور لذتوں میں رہنا یہ موت کے بعد دار آخرت ہی میں نصیب ہوگا اسی کے لئے کوشش کرنا لازم ہے' انہیں اعمال میں مشغول ہو جو وہاں کام آئیں پھر فرمایا وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیا (جس میں فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور ترک معاصی سب داخل ہے) تو اللہ تمہارے اعمال کے اجور عطا فرمائے گا۔ مفسر قرطبیؒ نے اس کے

کئی معنی لکھے ہیں اول یہ کہ اللہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ پورے اموال زکوٰۃ میں دے دو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمارے اموال کو اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کا ثواب تمہیں کو مل جائے گا اور ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کسی جگہ مال خرچ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ تمہارے اموال کا سوال نہیں ہے وہ تو اسی کا مال ہے اسی نے تم کو عطا فرمایا وہی مالک حقیقی ہے اپنی رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرنے کا حکم فرمائے اس پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ اس نے اپنا مال طلب فرمایا۔ (لَایَسْـئَلْـكُمْ اَمْوَالَكُمْ کا ترتب ان تـومـنـوا پر جیسا کہ اس کے جزا ہونے کا مقتضا ہے بایں معنی نہیں ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو تمہارا مال لے لے گا بلکہ بایں معنی ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے ہماری کوئی خصوصیت ہی نہیں اس میں تو سوال اموال کا احتمال ہی نہیں۔ البتہ شاید ایمان لانے کی صورت میں ڈرو تا کہ کہیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں جیسا کہ اکثر دنیا میں مشاہدہ کیا جاتا ہے)

اِنْ یَّسْئَلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ (اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور انتہاء درجہ تک طلب فرمائے تو تم بخل کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری کو ظاہر فرما دے گا (یعنی تم اس صورت میں مال خرچ نہ کرو گے اور خرچ کرنے کا حکم ہوتے ہوئے خرچ نہ کرنے کی ظاہری بے عملی سے تمہارے اندر کی ناداری ظاہر ہو جائے گی اور یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ حکم کے مطابق عمل کرنے پر دل سے راضی نہیں ہے (مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے طور پر 1/40 خرچ کرنے کا حکم ہے اسے خرچ کرنے سے بھی جان چھڑاتے ہیں دینداری کے دعویدار بھی پورا حساب کر کے پوری زکوٰۃ دینے کو تیار نہیں اگر پورے اموال کا خرچ کرنے کا حکم ہوتا تو کیا حال ہوتا خوب سمجھ لیا جائے) اس مضمون کے بعد والی آیت میں بیان فرمایا ارشاد ہے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ (خبردار تم ایسے لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض وہ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں)

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (اور جو شخص بخل اختیار کرے گا کنجوس بنے گا تو وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے یعنی اپنی ہی جان کو خرچ کرنے کے منافع سے محروم رکھتا ہے خرچ نہ کرنے کا ضرر خود اسی کو پہنچتا ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اور اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو) اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرماتا ہے اسے نہ حاجت ہے نہ ضرورت ہے وہ بے نیاز ہے تم سب اس کے محتاج ہو اس غلط فہمی میں کوئی نہ رہے کہ شرعی قوانین کے مطابق جو اموال خرچ کرنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی نفع ہے۔ (العیاذ باللہ)

اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا: .... وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (اور اگر تم روگردانی کرو دین اسلام کی طرف سے بے رخی اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں دوسری قوم کو لے آئے گا۔

ثُمَّ لَایَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے) اس میں ان مسلمانوں کو جو نزول آیت کے وقت تھے خصوصاً اور تمام بعد میں آنے والے مسلمانوں کو عموماً تنبیہ فرما دی کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ دین اسلام کی نصرت اور اس کے اعمال وانفاق مال اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ مجھ پر یا میری قوم پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ خالق اور مالک بھی ہے غنی بھی ہے۔ قادر مطلق بھی ہے جس کو چاہے جس کام میں چاہے استعمال فرما سکتا ہے۔

عجمی اقوام کی دینی خدمات: .... سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ہم لوگ روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے بدلہ ان کو اختیار فرما دے گا پھر وہ ہمارے جیسے نہ ہوں گے؟ اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ

ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مونڈھے پر اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ شخص اور اس کی قوم' اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اور ان کے اصحاب' قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر ایمان ثریا (ستاروں) پر بھی لٹکا ہو تو فارس کے بہت سے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے (سنن ترمذی ابواب تفسیر سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

درحقیقت ایسا ہی ہوا جب اہل عرب کو اسلامی خدمات کی طرف توجہ نہ رہی تو اللہ شانہ نے فارس کے شہروں اور بستیوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے' جنہوں نے خوب بڑھ چڑھ کر علوم اسلامیہ کی خدمت کی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لے لو جن کا علم اور تقویٰ اور شان تفقہ عوام اور خواص سب کو معلوم ہے پھر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پڑھ لو اور مکی بن ابراہیم کا ترجمہ بھی پڑھ لو جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے ان سے امام بخاریؒ نے گیارہ ثلاثیات کی روایت کی ہے' ابوعبید قاسم بن سلام ہروی' نعیم بن حماد مروزی' اسحاق بن ابراہیم مروزی' زہیر بن حرب' قتیبہ بن سعید بلخی' ابوجعفر محمد بن مہران رازی' ابوزکریا یحییٰ بن موسیٰ البلخی السجستانی' حافظ زکریا بن یحییٰ بلخی' امام ابوزرعہ رازی' امام ابوحاتم الرازی' امام ابوداؤد (صاحب السنن) سلیمان بن اشعث السجستانی' صاحب السنن امام ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ' امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ صاحب السنن امام احمد بن شعیب النسائی' امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری الحافظ الکبیر محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسا پوری' الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ الاصبہانی بلاد فارس کے رہنے والے تھے' حضرت امام مسلم بن الحجاج (صاحب الصحیح) بھی نیسا پوری تھے' ان کو قشیری بھی کہا جاتا ہے' تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی قشیر کی طرف منسوب ہے جو عرب کا ایک قبیلہ تھا۔ اگر وطن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل عجم کی فہرست میں ان کا اسم گرامی بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

یہ چند اسماء محدثین کرام کے ہم نے حافظ ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ سے منتخب کر کے لکھے ہیں' مزید مطالعہ کیا جائے تو فارس کے محدثین کی بڑی تعداد سامنے آ جائے گی' حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے جو تذکرۃ الحفاظ کا تکملہ لحظ الالحاظ کے نام سے لکھا ہے اس سے بھی انتخاب کر لیا جائے' حافظ ابوالقاسم طبرانی صاحب المعاجم اور حافظ ابوحاتم محمد بن حبان البستی اور ابن السنی ابوبکر دینوری اور حافظ ابونعیم اصبہانی اور صاحب السنن امام بیہقی کا اضافہ تو کر ہی لیں۔

ہم نے چند محدثین کرام کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو بلاد فارس کے رہنے والے تھے' دوسرے بلاد عجم کے محدثین ان کے علاوہ ہیں' اہل مغرب کے جن حضرات نے کتاب وسنت کی خدمت کی ہے ان کو بھی فہرست میں لے لیا جائے' حضرت امام ابوعمرو دانی امام شاطبی امام ابن الجزری کے اسماء گرامی کو بھی فہرست میں لکھ لیں۔ مفسرین عظام اور فقہائے کرام کا تذکرہ باقی ہے' ان کی بھی فہرست بنالی جائے' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ کو آگے بڑھانے والے تو اہل فارس ہی تھے' جنہیں علمائے ماوراء نہر کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد تاتاریوں نے جو اسلام کی خدمات انجام دی ہیں اور ترکوں نے جو صلیبی جنگیں لڑی ہیں ان کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے' یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ کے عموم میں تمام عجمی اقوام آ جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور مثال فارس کا تذکرہ فرما دیا ہے۔

وهذا اٰخر الكلام فى تفسير سورة محمد عليه الصلوٰة والسلام وعلىٰ اٰله وصحبه البررة الكرام والحمد لِلّٰه تعالىٰ على التمام
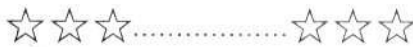
مدنی	سورۃ الفتح	۲۹ آیتیں ۴ رکوع

ایاتہا ۲۹ (۴۸) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۱) رکوعاتہا ۴

سورۃ الفتح مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ۲۹ آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ

بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ

پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اللہ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہو۔ اللہ وہی ہے

اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

جس نے مؤمنین کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تا کہ ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر

وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے تا کہ اللہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا

ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی

عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ

کامیابی ہے۔ اور تا کہ اللہ منافق مردوں، منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ

برا گمان رکھنے والے ہیں، ان پر برائی کی مصیبت پڑنے والی ہے اور اللہ ان پر غصہ ہوا ان پر لعنت کر دی اور ان کے لئے جہنم تیار کر دی

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور برا ٹھکانہ ہے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے، اور اللہ عزیز ہے، حکیم ہے۔

فتح مبین کا تذکرہ، نصر عزیز اور غفرانِ عظیم کا وعدہ

تفسیر یہ سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے اس سورت میں فتح مبین کا اور صلح حدیبیہ کا اور فتح خیبر کا تذکرہ ہے اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی توصیف اور تعریف ہے، سورت کا ابتدائی حصہ سفر میں نازل ہوا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ منورہ کے لئے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ عمرہ نہ کر سکے اس وقت سورۃ الفتح نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جب آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مبارک ہو اس میں تو آپ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا ایسا ہوگا، سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا اس کا بھی پتہ چلنا چاہیے اس پر آیت کریمہ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ نازل ہوئی (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۸۸ ج ۴ وھو فی صحیح البخاری مختصراً ص ۲۰۰ ج ۲)

حضرت زید بن اسلمؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے ایک روز رات کے وقت ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کچھ سوال کیا آپ ﷺ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپ ﷺ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی پھر تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ تیری ماں تجھے گم کرے (پریشانی کے وقت اہل عرب اپنے بارے میں یہ کلمات بول دیا کرتے تھے) تو نے تین بار سوال کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں ڈالا تین بار سوال کیا آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا یہ سوچتے ہوئے میں جلدی سے اپنے اونٹ کو حرکت دے کر سب مسلمانوں سے آگے بڑھ گیا اور میں اس بات سے ڈرنے لگا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل نہ ہو جائے، تھوڑی ہی دیر میں ایک آواز سنی ایک شخص زور سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے عمر! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں ڈرا کہ واقعۃً میرے بارے میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اس رات میں مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے پھر آپ ﷺ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۶۰۰ ص ۷۱۶)

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ: .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشِ مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، ذی قعدہ ٦ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں چلنے کے لئے فرمایا۔ آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے۔ آپ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج وعمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کئے جاتے ہیں) جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ

مقام ذی طوٰی میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لے کر کراع الغمیم (ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں' آپ نے یہ سن کر راستہ بدل لیا اور داہنی ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ باقاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا' یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے' حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے' حرم کے حدود وہاں ختم ہو جاتے ہیں (عسفان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے آ جانے کا امکان تھا' اس لئے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے)۔

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ آپ نے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی' آپ نے فرمایا ہٹ کرنا اس کی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا' جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا' کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آ جانے اور مکہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا' اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بنیاد پر ہو تو میں اس میں ان کی موافقت کر لوں گا اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی ایسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام فرما لیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا حضرات صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہاں تو پانی نہیں ہے۔ نہ وضو کر سکتے ہیں، نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ میں ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا' وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرات جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے' اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعت رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی۔ ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے' حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کر لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کلی کی اور اس کنویں میں پانی ڈالا پھر فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو' کچھ دیر کے بعد اس میں سے پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنی سواریاں سمیت سیراب ہو گئے اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنویں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرما لیا تو قریش نے یکے بعد دیگرے بذیل بن ورقاء اور مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں لڑائی ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضرات صحابہ کی محبت اور جانثاری:......... عروہ بن مسعود حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہ کی

محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضوفرماتے تھے جو پانی آپ کے اعضا سے جدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے، جب آپ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپؐ کا اگر کوئی بال گرتا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا دیکھو میں کئی بار کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتادو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت پیش کردی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کرسکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں۔ قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپؐ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کو پیغام پہنچادیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں، البتہ تم چاہو تو طواف کرسکتے ہوں انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی حضرت عثمانؓ کو قتل کردیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کا واقعہ:............ جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کرلی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے بیعت لینا شروع کیا اور ایک شخص کے علاوہ آپؐ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کرلی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ہی بیعت کرلی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے (یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نازل ہوئی۔ اس لئے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان معروف ہوگیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں)۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ بھی نصیب ہوگیا جس کا قرآن مجید میں اعلان ہوگیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہوگی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھ لو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہوگئے۔ سہیل ابن عمرو نے خدمت

عالی میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہو گئیں (صحیح بخاری (باب الشروط فی الجهاد) ص ۳۷۷ ج ا، وراجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۳ ج ۴۔) جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط:......... صحیح بخاری (ص ۳۷۱، ص ۳۷۲) اور صحیح مسلم (ص ۱۰۴ ج ۲) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان یہ عبارت لکھ دی هذا ماقاضی علیه محمد رسول الله"۔ اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے، آپ نے فرمایا میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے، نازو انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں "هذا ماقاضی علیه محمد بن عبدالله" لکھا گیا۔

صحیح مسلم (ص ۱۰۵ ج ۲) میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے؟ ہم اس کو نہیں جانتے، بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ **باسمک اللّٰھم** ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا کما ذکرہ النووی)

البدایہ والنهایة (ص ۱۲۸ ج ۴) میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔

هذا ماصالح علیه محمد بن عبدالله سهیل بن عمرو، اصطلحا علٰی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیهن الناس ویکف بعضهم عن بعض، وعلٰی انه من أتٰی محمدا من قریش بغیر اذن ولیه رده علیه، ومن جاء قریشاً ممن مع محمد له یردوه علیه وان بیننا عیبة مکفوفة، وانه لااسلال ولا اغلال، وانه من احب ان یدخل فی عقد محمد وعهده دخل فیه، ومن احب ان یدخل فی عقد قریش وعهدهم دخل فیه، وانک ترجع عامک هذافلاتدخل علینا مکة وانه اذاکان عام قابل خرجنا عنک فد خلتها باصحابک فاقمت بهاثلاثا معک سلاح الراکب السیوف فی القرب لاتدخلها بغیرها.

ترجمہ:۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

ا۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے ان دس (۱۰) سالوں میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے (پر حملہ کرنے) سے رکیں گے۔

۲۔ قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد علیہ السلام کے پاس آ جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

۳۔ اور محمد علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۴۔ اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بندر ہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے) (لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے) اور بعض حضرات نے گٹھڑی بندر کھنے کا یہ معنی بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے صلح کی ہے وہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی، اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہیں کرے گا۔

۵۔ نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی)۔

٦۔ اور جو شخص محمد علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے۔

۷۔اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ ومعاقدہ کرنا چاہے اسے اس کا اختیار ہے۔
۸۔آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔
۹۔اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں
۱۰۔اس وقت جب عمرہ کے لئے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے' تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۲ کے مطابق بنوخزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہیں اور بنوبکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے عہد ہیں (پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنوبکر کی مدد کر دی جب بنوخزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی) معاہدہ کی شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری (صحیح بخاری باب الشروط فی الجھاد) ص ۳۷۷ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۳ ج ۴۔) میں اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تردد اور سوال و جواب: .... کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا' کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں۔عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس جائیں؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں اور وہ میری مدد فرمائے گا' حضرت عمرؓ نے عرض کیا' کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کرینگے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا' جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا اور ابوجندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپؐ نے منظور فرما لی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا' بالآخر حضرت ابوجندلؓ کو وہیں چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑ دے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرما دے گا (اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہوگا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔(صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱)

حلق رؤس اور ذبح ہدایا:۔ جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کرو اور سر منڈالو یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا (کیونکہ حضرات صحابہؓ اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے) آپؐ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپؐ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپؐ چاہتے ہیں

کہ یہ لوگ ذبح اور حلق والا کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوا دیں' آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما رہے ہیں اور حلق کروالیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰)

حضرت ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ: .... وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا کہ حضرت ابوبصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے' اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔ پیچھے سے حضرت ابوبصیرؓ بھی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی آپ نے مجھے واپس کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی' آپ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا یہ سن کر حضرت ابوبصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارہ پر پڑاؤ ڈال لیا جب حضرت ابوجندل کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا حضرت ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں کے سمندر کے کنارہ ایک جماعت اکٹھی ہو گئی' قریش کا جو قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے' جب یہ صورت حال سامنے آئے تو قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلالیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے تو اسے واپس کرنا ہو گا جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچے گا اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہو گی اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آ جائیں۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰' ص ۳۸۱ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیرؓ کے نام خط لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آ جائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سیاق موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوجندلؓ نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی' پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵)

صلح حدیبیہ کی تفصیل کے بعد اب آیات بالا کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے ان میں فتح مبین کی خوشخبری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اور تکمیل نعمت کا اور صراط مستقیم پر چلانے کا اور نصر عزیز کا اعلان کیا۔

اہلِ ایمان پر انعام کا اعلان اور اہلِ نفاق اور اہلِ شرک کی بدحالی اور تعذیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے دلوں میں سکون و اطمینان نازل فرما دیا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اہل ایمان کو مرد ہوں یا عورت ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ

رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا۔ ان کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں اوّل اَلظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں) اس برے گمان میں یہ بھی داخل ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں کہ مؤمنین مغلوب ہوں گے اور کافروں کے حملہ سے محفوظ ہو کر واپس مدینہ نہ آئیں گے چونکہ اپنے قلبی جذبات میں اور اعتقادات میں منافق عورتیں اور مشرک عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ ہوتی ہیں اس لئے انہیں بھی وعید میں شریک کر لیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ (کہ ان پر برائی کی چکی گھومنے والی ہے) یعنی دنیا میں مقتول اور ماخوذ ہونے اور اسلام کی ترقی ان کے قلبی احساسات کے لئے سوہان روح بنی رہے گی۔

تیسری اور چوتھی یہ بات بتائی وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ (اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کر دی) اور پانچویں بات بتائی وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ (کہ ان کے لئے جہنم تیار کر دیا) اور آخر میں اس مضمون کو وَسَآءَتْ مَصِیْرًا پر ختم فرمایا کہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں کے اور زمینوں کے لشکر) ان آیات میں یہ مضمون دو مرتبہ بیان فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے اس میں کافروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ہم انہیں دبا لیں گے چونکہ ان کے علاوہ بھی اللہ کے لشکر ہیں اس لئے ان کی تعداد کو نہ دیکھیں اللہ اپنے دوسرے لشکروں سے بھی کام لے سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے تذکیر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں۔ وہ تمہاری تائید کیلئے اور کافروں کو زک دینے کیلئے اپنی دوسری مخلوق کو بھی استعمال فرما سکتا ہے۔

فائدہ:۔ ان آیات میں ایک جگہ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا اور ایک جگہ وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا فرمایا ہے اس میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اسے اپنے دوستوں کا بھی علم ہے دشمنوں کا بھی وہ سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ عزیز بھی ہے یعنی زبردست ہے اس کے فیصلے اور ارادہ کو کوئی پلٹ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے بعد جسے چاہتا ہے انعام دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عقاب وعذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ: .... آیت کریمہ میں جو لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فرمایا ہے باجماع امت اس سے گناہ حقیقی واقعی مراد نہیں ہیں کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا بلکہ بعض وہ امور مراد ہیں جن میں خطا اجتہادی ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو متنبہ فرمایا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے میں آپ ؐ نے فدیہ لینے والوں کی رائے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ بعض منافقین نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تو آپ ؐ نے اجازت فرما دی جسے عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں بیان فرمایا ہے اور جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم ؓ نابینا صحابی کے آنے پر آپ ؐ کو خیال ہوا کہ اس وقت نہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ ؐ کے چہرہ انور پر ظاہر ہو گیا کیونکہ آپ ؐ اس وقت کافروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر عَبَسَ وَتَوَلّٰی نازل ہوئی۔ اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ ؐ کا سب کچھ معاف فرمایا پھر بھی آپ ؐ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے آپ ؐ رات کو نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ؐ کے قدموں مبارک پر ورم آ جاتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں پھٹنے لگے تھے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ ؐ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ ؐ کا سب کچھ معاف فرما دیا؟ آپ ؐ نے فرمایا تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح بخاری ص ۱۵۲ ج ا ص ۷۱٦ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا کرم فرمایا تو اس تقاضا یہ تو نہیں ہے کہ عبادت کم کر دوں' احسان مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت میں لگ جاؤں۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ

بلا شبہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور

وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ﴿۹﴾

اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

رسول اللہ ﷺ شاہد، مبشر اور نذیر ہیں'

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول' شاہد ہونا' دوسرے، مبشر ہونا' تیسرے، نذیر ہونا' عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں قیامت کے دن آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۃ البقرہ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا اور سورۃ الحج لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ میں بیان فرمایا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی ڈرانے والے ہیں' تبشیر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا اور احادیث شریفہ میں آپ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا (کہ ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ عقیدۂ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں بھی لگے رہو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا

بلا شبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے' سو جو شخص عہد توڑ دے گا' اس کا توڑنا

يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۹

اسی کی جان پر ہو گا اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو وہ اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا

جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا اور حضرات صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آ جانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضا بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے۔ پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے، بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپؐ سے جو بیعت کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں، اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں، جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی، قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے۔ سورۃ النساء میں واضح طور پر فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.

بیعت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی ہو زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی تھی اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لئے ارشاد فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہیں) اللہ تعالیٰ شانہ اعضاء اور جوارح سے تو پاک ہے لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لئے اور اس بات کو مؤکد کرنے کیلئے کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جا رہی ہو اس لئے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کیلئے فرمایا فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ. (کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا) معاہدہ کر کے توڑ دینا تو ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے پھر جبکہ معاہدہ کو بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جب اللہ کے رسول سے بیعت کر لی تو اس کو پورا کرنا ہی کرنا ہے

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

فائدہ:۔ اصحابِ طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و متبرک ہے اگر کسی متبع سنت شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے لیکن شیخ خلافِ شریعت کسی کام کا حکم دے تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے، اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

عنقریب دیہات کے وہ لوگ جو پیچھے ڈال دیئے گئے آپ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں نے اور اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا سو آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

وہ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ فرما دیجئے، سو وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچانے کیلئے کسی بھی چیز کا اختیار رکھتا ہو

اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ

اگر وہ تمہیں کوئی نقصان یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے' بلکہ بات

ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

یہ ہے کہ تمہارا خیال تھا کہ رسول اور مؤمنین کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کر دی گئی'

وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ

اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ

کافروں کیلئے دوزخ تیار کر رکھا ہے' اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا' وہ بخش دے جسے چاہے' اور عذاب

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

دے جسے چاہے' اور اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔

آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں نہ جانے والے دیہاتیوں کی بدگمانی اور حیلہ بازی کا تذکرہ

معالم التنزیل (صفحہ ۱۹۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے آس پاس دیہاتوں میں یہ منادی کرادی کہ ہم عمرہ کیلئے روانہ ہو رہے ہیں' مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ عمرہ بھی کرلیں اور قریش مکہ سے کوئی جنگ کی صورت پیدا ہو جائے یا وہ بیت اللہ سے روکنے لگیں تو ان سے نمٹ لیا جائے' آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی بھی ساتھ لی تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپؐ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہوئے اس وقت ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ روانہ ہوگئی (جن کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) اس موقع پر دیہات میں رہنے والوں میں سے بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے اور آپؐ کے ساتھ سفر میں نہ گئے ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں پہلے سے آپؐ کو خبر دی اور فرمایا سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا کہ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے (جس کی شرکت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی) وہ شرکت نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول رکھا ہم ان کی ضروریات میں لگے رہے (پیچھے گھروں میں چھوڑنے کیلئے بھی کوئی نہ تھا) لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کر دیجئے کہ وہ ہماری مغفرت فرما دے۔ جب آنحضرت سرور عالم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو یہ لوگ حاضر ہو گئے اور انہوں نے ساتھ نہ جانے کا وہی عذر بیان کر دیا کہ ہمیں بال بچوں سے متعلق کام کی مشغولیتوں نے آپ کے ساتھ جانے نہ دیا اب آپؐ ہمارے لئے استغفار کر دیں' اللہ جل شانہ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے' یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہمارا شریک ہونے کا ارادہ تو تھا لیکن گھر کی مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکے اور یہ کہنا کہ آپؐ ہمارے لئے استغفار کر دیں یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو ان کے قلبی جذبات اور اعتقادات کے خلاف ہیں نہ ان کا شریک ہونے کا ارادہ تھا اور نہ استغفار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہ لائے پھر گناہ اور ثواب اور استغفار کی باتوں کا

کیا موقع ہے؟

پھران لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو جھوٹی معذرتواہی اور حیلہ بازی کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ضرر یا نفع پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلہ کے بارے میں کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ جب اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لئے حکم ہو گیا تو ساتھ جانا ضروری تھا آپ کے ساتھ نہ جانے کی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرر پہنچ جائے تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا؟ بات وہ نہیں ہے جو تم بطور معذرت پیش کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہل ایمان جو سفر میں جا رہے ہیں یہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے دشمن ان کو بالکل ختم کر دیں گے۔ یہ بات تمہارے لئے شیطان نے مزین کر دی اور تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے برا خیال کر لیا کہ یہ لوگ ہلاکت کی راہ پر جا رہے ہیں اگر کسی کے جانے کا ارادہ بھی تھا تو تم نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ کہاں جا رہے ہو ذرا انتظار کرو دیکھو ان کا کیا حال ہوتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا اور تم اپنے اس گمان کی وجہ سے اور ساتھ نہ جانے کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے)۔ (معالم التنزیل)

قولہ تعالیٰ وكنتم قوما بورا قال صاحب الروح ای هالكين لفساد عقيد تكم وسوء نيتكم مستوجبين سخطه تعالیٰ وعقابه جل شانه وقيل فاسدين فی انفسكم وقلوبكم ونياتكم اه يقال "قوم بور" هلكی وهو جمع بائر مثل حائل وحول وقد بار فلان ای هلك وأباره الله ای اهلكه ومنه قوله تعالیٰ تجارة لن تبور وقوله

تعالیٰ واحلوا قومهم دار البوار (راجع مفردات الراغب وتفسير القرطبی) (صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا کا مطلب ہے کہ تم ہلاک ہونے والے تھے اپنے عقیدے کے فاسد ہونے اور اپنی نیتوں کے بد ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عتاب کے مستحق تھے بعض نے کہا تم اپنے نفسوں اور دلوں میں فاسد تھے، کہا جاتا ہے "قوم بور" یعنی ہلاک شدہ بور جمع ہے بائر کی جیسے حائل کی جمع حول ہے بَارَ فُلَانٌ کا معنی ہے فلاں ہلاک ہو گیا اور اَبَارَهُ اللّٰهُ کا معنی ہے اللہ اسے ہلاک کرے اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ اور وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ)

اس کے بعد کافروں کے لئے وعید بیان فرمائی وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا (اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کیا ہے)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت اور مغفرت اور مؤاخذہ کا تذکرہ فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا) يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (وہ مغفرت فرمائے جس کی چاہے اور عذاب دے جسے چاہے) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی اور کفر پر جمے رہے اور جھوٹے منہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے استغفار کیجئے اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دے گا کافر کی توبہ بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتی۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ

جب تم اموال غنیمت لینے کیلئے چلو گے تو وہ لوگ کہیں گے جو پیچھے ڈال دیئے گئے کہ ہمیں چھوڑ دو کہ تمہارے پیچھے چلیں، وہ لوگ چاہتے ہیں

اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ

کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں، آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ چلو، اللہ نے پہلے سے یہی فرمایا ہے، سو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم ہم

تَحْسُدُوْنَنَا ۔ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾

سے حسد کرتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا سا۔

جولوگ حدیبیہ والے سفر میں ساتھ نہ گئے تھے ان کی مزید بدحالی کا بیان!

صلح حدیبیہ کے بعد تھوڑی سی مدت ہی کے بعد خیبر فتح ہو گیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب شرکا حدیبیہ کو اموال غنیمت ملیں گے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے اموال غنیمت شرکا حدیبیہ کیلئے مخصوص فرما دیئے تھے تاکہ ان اموال کی محرومی کی تلافی ہو جائے جوانہیں اہل مکہ سے جنگ کر کے بطور غنیمت حاصل ہو سکتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہ نے پہلے سے خبر دے دی تھی کہ جب تم لوگ مغانم خیبر کے لئے چلو گے یعنی جنگ خیبر کے لئے روانہ ہونے لگو گے جس کا نتیجہ فتح اور اموال غنیمت حاصل ہونے کی صورت میں کچھ قتال ظاہر ہوگا تو یہ لوگ جو صلح حدیبیہ کی شرکت سے قصداً رہ گئے تھے یوں کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے کچھ قتال میں حصہ لے لیں گے اور اموال غنیمت میں بھی شریک ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپؐ ان سے فرما دیں کہ ہرگز ساتھ نہ جاؤ گے' اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ حکم فرما دیا ہے' درمیان میں یہ بھی فرمایا يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ متخلفین کو ساتھ نہ لیں اس کو بدلنا چاہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مغانم خیبر جو صرف اہل حدیبیہ کیلئے مخصوص کر دیئے گئے تھے اس حکم کو بدلنا چاہتے ہیں' چونکہ ان لوگوں کا مقصد مال حاصل کرنا تھا اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ذرا سی محنت سے اموال غنیمت حاصل ہو جائیں گے اس لئے سفر خیبر میں ساتھ لگنے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا یہ خبر بمعنی النہی ہے (اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ سفر خیبر میں ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے یعنی ہم تمہیں ساتھ نہ لیں گے۔) (فامر الله ان لا یأذن لهم فی ذلک معاقبة لهم من جنس ذنبهم (ابن کثیر ص ۱۸۹ ج ۴)۔)

پھر فرمایا فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا (کہ جب تم ان سے یوں کہو گے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے تو وہ یوں کہیں گے کہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہے بلکہ تم یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں اموال غنیمت میں شریک کرو' تمہارا یہ جذبہ اور قول و فعل حسد پر مبنی ہے۔ تم ہم سے حسد کرتے ہو اسی لئے یہ بات کہہ رہے ہو۔)

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (اے مسلمانو! بات یہ نہیں ہے کہ تم حسد کر رہے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ بس تھوڑی سی سمجھ رکھتے ہیں (صرف دنیاوی امور کو سمجھتے ہیں) نصرت دین اور فکر آخرت سے ان کے قلوب خالی ہیں۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے اموال غنیمت میں سے بعض مہاجرین کو بھی اموال عطا فرمائے تھے پھر اہل حدیبیہ کا استحقاق اور اختصاص کہاں رہا؟ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس یعنی ۱/۵ میں سے دیا تھا۔ جس میں مجاہدین غانمین کا حق نہیں ہوتا وہ ۴/۵ کے مستحق ہوتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غانمین سے اجازت لے کر ان حضرات کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ مال عطا فرما دیا۔ (راجع معالم التنزیل ۱۹۲ ج ۴ وروح المعانی ص ۱۰۱ ج ۲٦)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ

آپ ان دیہاتیوں سے فرما دیجئے جو پیچھے ڈال دیئے گئے تھے کہ تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائے گا جو سخت قوت والے ہوں گے تم ان سے قتال کرو گے

اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

یا وہ مسلمان ہو جائیں گے' سو اگر تم فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا عوض عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا اس سے پہلے

مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

روگردانی کر چکے ہوتو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

حدیبیہ کی شرکت سے بچھڑ جانے والے دیہاتیوں سے مزید خطاب

اس آیت سے اللہ جل شانہ نے بطور پیش گوئی ان دیہاتیوں کو بتایا ہے جو حدیبیہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے کہ عنقریب ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے تمہیں بلایا جائے گا جو بڑی قوت والے ہوں گے، سخت جنگ جو ہوں گے (خیبر کی جنگ میں تمہیں نہ لے جایا گیا جو حدیبیہ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے لئے ایک قسم کی سزا ہے) جنگ لڑنے کے اور بھی مواقع آئیں گے آنے والی قوموں سے تم لڑتے رہو گے یا وہ فرمانبردار ہو جائیں گے، جب تمہیں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے بلایا جائے گا تو اس وقت اطاعت کرو گے (یعنی دعوت دینے والے امیر کی فرمانبرداری کرو گے) اللہ تعالیٰ تمہیں اجر حسن یعنی نیک عوض عطا فرمادے گا اور اگر تم نے اس وقت روگردانی کی جہاد سے پشت پھیری جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

جن مواقع میں اعراب مذکورین کو قتل کے لئے دعوت دی گئی یہ مواقع کب پیش آئے اور جس قوم سے جنگ کرنے کیلئے حکم دیا گیا وہ کون سی قوم تھی؟ اس بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس آیت کو پڑھتے تو تھے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ جب قبیلہ بنوحنیفہ سے جنگ کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تو سمجھ میں آ گیا کہ آیت کا مصداق یہی بنوحنیفہ سے جنگ کرنا ہے، بنوحنیفہ یمامہ کے رہنے والے تھے اور مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس قوم سے فارس اور روم مراد ہیں جن سے جنگ کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعوت دی تھی اور لشکر بھیجے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی ہوازن مراد ہیں جن سے غزوہ حنین میں جہاد ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے رومی کفار مراد ہیں جن کے حملہ کرنے کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے تھے، صاحب روح المعانی نے یہ اقوال لکھے ہیں، ان میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت مراد ہونا اقرب ہے کیونکہ انہوں نے جو قتال بنی حنیفہ کے لئے دعوت دی تھی وہ امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے تھی اور امیر المؤمنین کی اطاعت نہ کرنے پر عذاب کی وعید دی گئی ہے اور ساتھ ہی تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ بھی اس پر صادق آتا ہے کیونکہ مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے جنگ ہوئی تو اس کے ساتھیوں میں سے بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (وھذا علی ان تکون لفظة او للتنویع و الحصر کما ھو الظاھر) اور یہ اس وقت ہے جبکہ لفظ او تنویع اور حصر کیلئے ہو جیسا کہ مفہوم ہو رہا ہے۔

قبیلہ بنی ہوازن سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں دعوت نہیں دی گئی فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین تشریف لے گئے تھے جہاں بنی ہوازن مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے، اور غزوہ تبوک کی شرکت بھی مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ وہاں قتال نہیں ہوا، اور نہ رومی مسلمان ہوئے (کیونکہ وہ سامنے ہی نہیں آئے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فارس اور روم کے جہادوں کے لئے دعوت دی تھی چونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ جہاد فرض عین تھا اس لئے اس کو ترک وعید کا مصداق نہیں بنایا جاسکتا امیر کا جو حکم جہاد فرض کفایہ کے

لئے ہو وہ ایجابی نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ اَوْ یُسْلِمُوْنَ کا ایک ترجمہ تو یہ کیا گیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے اور ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں گے یعنی جزیہ دے کر جھک جائیں گے اگر قتال بنی حنیفہ مراد لیا جائے تو پہلا معنی اقرب الی السیاق ہے کیونکہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایہ میں بنی حنیفہ کے قتال کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے کہ بنی حنیفہ میں سے دس گیارہ ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے دعوت دینے پر اسلام قبول کر لیا اور یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر بھی ہو گئے البدایہ والنہایہ (ص ۳٦۵ ج ٦) واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب.

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ

نابینا پر کوئی گناہ نہیں، اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں اور بیمار پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

رسول کی فرمانبرداری کرے وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے وہ اسے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

دردناک عذاب دے گا۔

ع ۲ النصف

معذوروں سے کوئی مؤاخذہ نہیں، فرمانبرداروں کے لئے جنت اور روگردانی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا نازل ہوئی (جس میں حکم جہاد سن کر روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید ہے) تو جو لوگ اپاہج قسم کے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا کیا بنے گا ہم تو جہاد میں شرکت نہیں کر سکتے؟ اس پر آیت کریمہ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى (آخر تک) نازل ہوئی جس میں یہ بتایا دیا کہ جو لوگ مجبوری کی وجہ سے جہاد میں نہ جا سکے مثلاً: نابینا ہوں یا لنگڑے ہوں یا بیمار ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ مضمون سورۃ التوبہ میں بھی گزر رہا ہے وہاں فرمایا لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرما دے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روگردانی کرے گا یعنی ہٹے گا اور بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو معلوم تھا

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرما دیا اور ان کو لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ

اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے' اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لو گے' سردست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے

اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى

ہاتھ تم سے روک دیئے' اور تا کہ یہ اہل ایمان کے لئے نمونہ ہو جائے' اور تا کہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے اور ایک فتح

لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ

اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' اور اگر کافر لوگ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

تم سے جنگ کرتے تو پشت پھیر لیتے پھر نہ کوئی کار ساز پاتے اور نہ کوئی مددگار' یہ پہلے سے اللہ کا

مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

دستور رہا ہے۔ اور اے مخاطب تو اس کے دستور میں تبدیلی نہ پائے گا۔

بیعتِ رضوان والوں کی فضیلت' ان سے فتح ونصرت اور اموال غنیمت کا وعدہ

ان آیات میں بیعت رضوان کا ذکر ہے' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعت اس بات پر لی تھی کہ جنگ ہونے کی صورت میں ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے جم کر لڑیں گے' اللہ جل شانہ نے اعلان فرما دیا کہ جن مؤمنین نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ان حضرات کے لئے اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ مل گیا' رہتی دنیا تک کے لئے قرآن پڑھنے والے تمام اشخاص وافراد کے سامنے بار بار یہ اعلان سامنے آتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ دوزخ میں ان لوگوں میں سے کوئی بھی داخل نہ ہوگا جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی۔ (صحیح مسلم)

رضامندی کا اعلان فرماتے ہوئے فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی حالت کو جان لیا' جس سے ان کے قلب معمور تھے پھر اپنی مزید نعمت کا اظہار فرمایا فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ (کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ نازل فرما دی) ان کے قلوب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ مصالحت کی ہے اور قریش مکہ سے جو معاہدہ فرمایا ہے یہ بالکل صحیح ہے درست ہے اہل ایمان کیلئے باعث خیر ہے اور مبارک ہے پھر فتح قریب کی بھی بشارت دی' مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے خیبر کی فتح مراد ہے ٦ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے دو ماہ بعد خیبر فتح ہو گیا جہاں یہود بنی نضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن کئے جانے

کے بعد آباد ہو گئے تھے، وہاں بھی انہوں نے شرارتیں جاری رکھیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لے گئے خیبر فتح ہو گیا اور یہود کے اموال بھی غنیمت کی صورت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مل گئے۔

اس مضمون کے ختم پر وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے۔ وہ سب پر غالب ہے وہ جس کو چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے) اور حکمت والا بھی ہے (اس کا ہر فیصلہ جلدی ہو یا دیر سے ہو سب کچھ حکمت کے مطابق ہوتا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا (اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (سو یہ اموال غنیمت جو تمہیں خیبر سے ملے ان کو جلدی عطا فرما دیا) (اور ان کے علاوہ اور بہت سے مال غنیمت ملیں گے)۔

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری جانب سے روک دیا یعنی جن لوگوں نے تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ان کی دست درازی سے تمہیں محفوظ فرما دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لے گئے اور وہاں اہل خیبر کا محاصرہ فرمایا تو یہاں قبیلۂ بنی اسد اور قبیلۂ بنی غطفان کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمان تھوڑے سے ہیں اکثر غزوۂ خیبر کے لئے گئے ہیں۔ لہٰذا مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اہل عیال اور بال بچوں کو لوٹ لیا جائے' اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادہ کو ارادہ تک ہی رکھا ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے مدینہ منورہ چڑھائی کرنے کیلئے نہ آ سکے۔ (معالم التنزیل)

روح المعانی (ص ۱۰۹ ج ۲۶) میں یوں لکھا ہے کہ یہودی لوگ مسلمانوں کے پیچھے ان کے اہل وعیال پر حملہ کرنے والے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں باز رکھا اور ارادہ کے باوجود وہ حملہ نہ کر سکے' ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی اسد اور بنی غطفان اہل خیبر کی مدد کے لئے نکلے تھے' پھر واپس ہو گئے اور حضرت مجاہد تابعیؒ نے وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی صورت پیدا فرما کر اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک لیا جو اہل ایمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔

وَلِتَكُونَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اموال غنیمت عطا فرما دیئے تاکہ تم اس سے نفع حاصل کرو اور تاکہ یہ اموال مؤمنین کے لئے اس بات کی نشانی بن جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے اور اس سے ایمان مزید مؤکد ہو جائے۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا اور تاکہ اللہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائے یعنی ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والا بنا دے قال فی الروح فعجل لکم هذه وکف ایدی الناس عنکم لتنتفعوا بذلک ولتکون ایة (وفیه أیضا) والآیة الامارة ای ولتکون امارة للمؤمنین یعرفون بها انهم من الله تعالیٰ بمکان اویعرفون بها صدق الرسول فی وعده ایاهم فتح خیبر وماذکر من المغانم وفتح مکة ودخول المسجد الحرام. وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا هو الثقة بفضل الله تعالیٰ والتوکل علیه فی کل ماتأتون وتذرون.

(روح المعانی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ جلدی دیدی اور وگون کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا تاکہ تم اس صورت حال سے نفع حاصل کرو اور یہ نشانی بنے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیۃ کہتے ہیں اَمَارۃ کو یعنی یہ مؤمنین کیلئے نشانی ہے اس سے انہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک مقام پر فائز ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر غنیمت اور فتح مکہ اور مسجد حرام میں داخلہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ان سے وعدہ سچا تھا۔

ویهدیکم صراطاً مستقیماً، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح راہ نما ہے اور ہر کام کے کرنے یا چھوڑنے میں اسی پر ہی اعتماد ہے)

وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا اور ان کے علاوہ بھی فتوحات ہوں گی جن پر تم قادر نہیں ہوئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ فتوحات مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کو نصیب ہوئیں مثلاً: فارس اور روم فتح ہوئے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے علاقے تمہارے اور ممالک ان کے قبضے میں آئے' حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؒ کا قول ہے کہ اس سے فتح حنین مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا ہے کہ قیامت تک مسلمانوں کو جو بھی فتوحات نصیب ہوں گی وہ سب مراد ہیں یہ اقوال مفسر قرطبیؒ نے لکھے ہیں۔

لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ اس وقت تو تم کو ان پر قدرت حاصل نہیں ہوئی اور بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ لن تکونوا ترجونها تمہیں ان کے فتح ہونے کی امید نہ تھی' بعض حضرات نے اسی کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ فتوحات تمہارے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔

قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے' اس نے مقدر فرمادیا ہے کہ ان پر تمہارا قبضہ ہوگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے جسے چاہے ملک اور مملکت نصیب فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ (اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو پشت پھیر کر چلے جاتے) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے کفار قریش مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بنی غطفان اور بنی اسد مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیبر تشریف لے جانے کے بعد مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا (پھر وہ کوئی اپنا دوست اور مددگار نہ پاتے)۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (یہ پہلے سے اللہ کی عادت رہی ہے کہ کار خیر کے ساتھ انجام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں رہا ہے اپنے اولیا کی اس نے مدد فرمائی ہے اور دشمنوں کو مغلوب کیا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (اور تم اللہ کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اچھا انجام ہمیشہ حضرات انبیاء کے حق میں ہی ہوا' یہ مطلب نہیں ہے کہ جب کبھی بھی کافروں سے قتال ہوا تو کافروں پر غلبہ ہوا ہو' ولعل المراد ان سنته تعالٰی ان تكون العاقبة للانبياء عليهم السلام لا انهم كلما قاتلوا الكفار غلبوهم وهزموهم اھ (شاید مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ انجام کار فتح انبیاء کی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ جب بھی کفار سے لڑائی ہو تو یہ ان پر غالب آجائیں اور انہیں شکست دیدیں)۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور اللہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ میں ہوتے ہوئے روک دیا اس کے بعد کہ تمہیں ان پر

عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾

قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں اور کافروں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رکھا

علامہ قرطبیؒ نے اپنے تفسیر میں آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں' صحیح مسلم میں ایک واقعہ حضرت سلمہ بن

اکوع رضی اللہ عنہ سے اور دوسرا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور دونوں کو آیت بالا کا سبب نزول بتایا ہے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان صلح ہوگئی تو میں ایک درخت کے نیچے کانٹے ہٹا کر لیٹ گیا اس وقت اہل مکہ میں سے چار مشرکین وہاں پہنچ گئے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ناشائستہ کلمہ کہنے لگے مجھے برا لگا اور جگہ چھوڑ کر دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے ہتھیار لٹکا دیئے اور لیٹ گئے میں نے اپنی تلوار لی اور ان چاروں آدمیوں کے ہتھیاروں پر قبضہ کرلیا اور ان سے کہا کہ دیکھو قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت بخشی ہے اگر تم میں سے کوئی شخص سر اٹھائے گا اس کا سرتن سے جدا کردوں گا اس کے بعد میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور میرے چچا ٠ ٧ آدمی قید کر کے لائے جن کا نام عامر تھا، ان کے گرفتار کردہ لوگوں میں مکرز نامی بھی ایک شخص تھا۔ اس کے ساتھ اور افراد بھی تھے جو مشرکین میں سے تھے جن کی تعداد ستر تھی آپ نے ان کو معاف کردیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ (الآیۃ) نازل فرمائی۔ صحیح مسلم ص ۱۱۳ ج ۲

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یوں روایت کی ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی ٨٠ آدمی جبل تنعیم سے اتر کر آ گئے یہ لوگ ہتھیار پہنے ہوئے تھے ان کا ارادہ یہ تھا کہ غفلت کا موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر حملہ کردیں، آپ نے ان لوگوں کو پکڑ لیا وہ لوگ قابو میں آ گئے تو اپنی جانوں کو سپرد کردیا، آپ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی (صحیح مسلم ص ۱۱٦ ج ۲) مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے مؤمن بندوں پر احسان جتایا ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں سے تمہیں محفوظ رکھا اور ان کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی اور مؤمنین کے ہاتھوں کو بھی مشرکین تک نہ پہنچنے دیا۔

اس کے بعد آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے، اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ کس کی کس طرح حفاظت فرمائے اور مخالف کے قبضہ ہونے کے بعد اس کے حملہ سے کس طرح بچائے اور قلوب کو جس طرح چاہے پلٹ دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن لوگوں سے نرمی کا معاملہ فرمایا اور معاف کردیا عموماً وہ لوگ بعد میں مسلمان ہی ہوگئے۔

هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو روک دیا جو رکا ہوا رہ گیا، اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا،

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ

اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی انکے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بے خبری میں ضرر پہنچ جاتا

بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

تو سب قصہ طے کردیا جاتا، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے یہ مسلمان مرد و عورت جدا ہو جاتے تو ہم ان کو دردناک عذاب دیتے جو اہل مکہ

عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۲۵ اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ

میں سے کافر تھے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی تھی

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

کافروں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا' ان پر حمیت جاہلیہ سوار ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمائی اور انہیں تقوٰی کی بات پر جما دیا!

ان آیات میں چند امور بیان فرمائے ہیں اول مشرکین کی مذمت فرمائی کہ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے روک دیا اور وہ جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے ان کو ان کے موقع ذبح میں نہ جانے دیا (ان کی حرکتوں کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے جنگ کی جاتی اور انہیں سزا دے دی جاتی)۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ہدی کے جانور جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے گئے تھے ان کی تعداد ستر (۷۰) تھی۔ عمرہ کر کے انہیں مکہ معظمہ میں ذبح کیا جانا تھا' قریش آڑے آئے لہٰذا حدیبیہ ہی میں حلق کرنا پڑا اور ہدی کے جانور وہیں ذبح فرما دیئے۔

دوسرے یہ فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایسے مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں موجود تھیں جن کا تمہیں علم نہ تھا ہو سکتا تھا کہ تم بے علمی میں اپنے قدموں سے انہیں روند ڈالتے اور اس کی وجہ سے تم کو ضرر پہنچ جاتا اللہ تعالیٰ نے ضعیف اور مؤمنین اور مؤمنات کی وجہ سے صلح کی صورت پیدا فرما دی اگرچہ قریش مکہ کی حرکت ایسی تھی کہ ان سے جنگ کی جاتی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لولا کا جواب محذوف ہے۔

وجواب لولا محذوف' لدلالة الكلام عليه' والمعنىٰ على ماسمعت اولا لولا كراهة ان تهلكوا اُناسا مؤمنين بين ظهرانى الكفار جاهلين بهم فيصيبكم باهلاكهم مكروه لما كف ايديكم عنهم وحاصله انه تعالىٰ لو لم يكف ايديكم عنهم لانجرالا مرالىٰ اهلاك مؤمنين بين ظهرانيهم فيصيبكم من ذالك مكروه وهوعزوجل يكره ذلك.

(لَـولَا کا جواب محذوف ہے۔ اس بناء پر معنی یہ ہے کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ان جانے میں تم کافروں کے درمیان مؤمن لوگوں کو قتل کرو گے اور ان کی ہلاکت سے تمہیں تکلیف ہوگی تو ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکے جاتے حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکتا تو معاملہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کافروں کے درمیان رہنے والے مؤمن ہلاک ہوتے اور اس سے تمہیں تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کو ناپسند کرتے ہیں)۔

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ جو فرمایا اس میں لفظ معرة وارد ہوا ہے اس کا ترجمہ ضرر اور مکروہ اور مشقت اور گناہ کیا گیا ہے بعض حضرات نے اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ اگر جنگ ہوتی تو مؤمن مرد اور عورتیں اس کی زد میں آ جاتے تو اہل ایمان کو رنج پہنچتا اور دکھ ہوتا اور کافروں کو یوں کہنے کا موقع مل جاتا کہ دیکھو مسلمانوں نے اپنے اہل دین ہی کو قتل کر دیا' بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ ان کے قتل کرنے سے گناہ میں مبتلا ہو جاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دیت واجب ہو جاتی' لیکن صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں قول ضعیف ہیں طبری کا قول ہے کہ اس سے قتل خطا کا کفارہ مراد ہے۔

تیسرے لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کو جنگ کرنے سے بچا دیا تا کہ وہ اس کے ذریعے جنگ کے بغیر جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرما دے یعنی اس نے اہل ایمان کو جنگ سے بھی بچا لیا اور انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دیا جو ضعیف مؤمن اور مؤمنات مکہ میں تھے ان کے پر امن رہنے کی بھی صورت نکل آئی اور مشرکین کی طرف سے جو انہیں ضعیف سمجھ کر تکلیفیں دی جاتی تھیں ان سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو گیا اور پوری طرح عبادت کرنے کے مواقع بھی نکل آئے، بعض حضرات نے فرمایا کہ مَنْ يَّشَآءُ سے اہل ایمان بھی مراد ہیں جنہیں اللہ کی رحمت شامل حال ہو گئی اور مشرکین بھی مراد ہیں کیونکہ انہیں سوچنے اور سمجھنے اور اسلام قبول کرنے کا موقعہ دے دیا گیا۔ (راجع روح المعانی ص ۱۱۵ ج ۲٦)

چوتھے یہ فرمایا لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اگر وہ مؤمنین اور مؤمنات کافروں سے علیحدہ ہو جاتے جو مکہ معظمہ میں موجود تھے (اور ضعف کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دے دیتے یعنی کافر مقتول ہوتے اور قیدی بنا لئے جاتے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جو مؤمن مرد وعورت مکہ معظمہ میں موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو جنگ سے محفوظ رکھا یہ نو افراد تھے جن میں سات مرد اور دو عورتیں تھیں۔

پھر فرمایا اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآية) (کہ ان لوگوں نے تمہیں ایسے وقت میں روکا جبکہ اپنے دلوں میں انہوں نے حمیت کو جگہ دے دی، یہ جاہلیت کی حمیت تھی جس کسی چیز کو انسان اپنے لئے عار اور عیب سمجھے پھر اس کی بنیاد پر اپنی جان کو بچانے کے لئے کوئی حرکت یا کوئی بات کرے اسے حمیت کہا جاتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے اور قریش مکہ کو اس کا پتہ چل گیا تو ان پر جہالت سوار ہو گئی اور حمیت جاہلیہ کو سامنے رکھ کر انہوں نے طے کر لیا کہ آپ کو عمرہ کرنے نہیں دیں گے ورنہ عرب میں مشہور ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ والوں کی رضا مندی کے بغیر زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے، اسطرح سے اہل عرب ہمیں طعنہ دیں گے، ان لوگوں نے حمیت جاہلیہ کی وجہ سے صلح نامہ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہ لکھنے دیا اور محمد رسول اللہ جو لکھ دیا گیا تھا اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوانے کی ضد کی۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سو اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اطمینان نازل فرمادیا اور انھوں نے لڑائی لڑنے پر اور اسی سال عمرہ کرنے پر ضد نہ کی وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (اور اللہ نے تقوٰی کا کلمہ ان کے ساتھ لازم فرما دیا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور یہ لوگ کلمۃ التقوٰی کے زیادہ حق دار تھے اور اس کے اہل تھے) وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) کلمۃ التقوٰی سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ترمذیؒ نے بروایت ابی بن کعبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اس سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اس کو تقویٰ کا کلمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ شرک سے اور کفر سے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے کلمہ کو اپنا لیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے اسے ان کا ساتھی بنا دیا اب یہ اس کے ذریعہ اللہ کو بھی یاد کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ یہ لوگ اس کلمہ کے احق تھے اور اہل تھے اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ یہ لوگ کلمہ قبول کریں گے اور اس کے تقاضوں پر چلیں گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کا مزاج قبول حق کا بنا دیا تھا، اسی مزاج اور طبیعت کے مطابق وہ اس کی طرف آگے بڑھے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے) وہ اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے اہل بناتا ہے اور پھر اہلیت کے مطابق محض اپنے فضل سے خیر اور رشد وہدایت پر جما کر رکھتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ

بیشک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے' انشاء اللہ تم ضرور ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوں گے

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

اپنے سروں کو مونڈنے والے ہوں گے اور اپنے بالوں کو کتروانے والے ہوں گے تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا' سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا' سو اس سے پہلے عنقریب

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ

ہی ایک فتح نصیب فرما دی' اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے'

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا، اس نے آپ کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا

مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خواب دکھایا گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ امن وامان سے مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور وہاں کچھ لوگ سر مونڈیں گے اور کچھ لوگ بال کتروائیں گے آپ نے یہ خواب صحابہؓ کو بتایا تھا صحابہ کرامؓ خواب سن کر بہت خوش ہوئے اور اس امید پر روانہ ہو گئے کہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ نصیب ہوگا' جب حدیبیہ میں پہنچے اور مشرکین مکہ آڑے آ گئے جس کی وجہ سے صلح کر لی گئی اور مکہ معظمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس آ گئے گو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صلح کرنے کو حق جانتے ہوئے اور مانتے ہوئے طبعی طور پر اس بات سے صحابہ کو رنج ہو رہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکے بلکہ صلح کے وقت ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا کہ آپ نے تو یہ خبر دی تھی کہ مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے یہ تو اس کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس کا جواب دیدیا تھا' اس جواب سے حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے تھے۔ (کمافی صحیح مسلم فطابت نفسہ ص ١٠٦ ج ٢)

اطمینان عقلی کے ہوتے ہوئے طبعی طور پر جو رنج تھا اس کو دور فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو خواب دکھایا تھا کہ تم انشاء اللہ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے وہاں کوئی بال مونڈائے گا اور کوئی بال کتروائے گا اور کسی کو کسی کا ڈر نہیں ہوگا یہ خواب اللہ تعالیٰ نے صحیح دکھایا تھا واقعہ کے مطابق جس کا آئندہ سال مظاہرہ ہوگا اور چونکہ خواب میں اسی سال داخل ہونے کی خبر نہیں دی گئی تھی' اس لئے خواب سچا ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑا' اس میں جو لفظ ان شاء اللہ فرمایا ہے یہ شک کیلئے نہیں ہے بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے' اور ابو عبیدہؓ کا قول ہے کہ اِن یہاں اِذا کے معنی میں ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ چاہے داخل ہو جاؤ گے۔

اور یہ جو فرمایا فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا) اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے داخل ہونے میں جو تاخیر کی گئی اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اس کا تمہیں علم نہ تھا' بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اسی عمرہ کرنے کی ضد کرتے اور مشرکین مکہ سے قتل وقتال کیا جاتا ہے اور

صلح نہ ہوتی تو دوڈھائی مہینے بعد جو خیبر فتح ہوا اس کے لئے سفر کرنا مشکل ہو جاتا اور اگر سفر میں چلے جاتے تو یہ خطرہ رہتا کہ اہل مکہ کہیں پیچھے مدینہ منورہ پر حملہ نہ کردیں پس صلح کرنے میں اور دخول مکہ کی تاخیر میں جو فائدہ پہنچا اس کا تمہیں علم نہیں تھا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سواللہ نے مکہ معظمہ کے داخل ہونے سے پہلے عنقریب ہی ایک فتح دیدی) یعنی خیبر کو فتح فرمادیا اور وہاں کے اموال غنیمت شرکاءِ حدیبیہ کو مل گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا اس مضمون کی آیت سورۂ توبہ میں بھی گزر چکی ہے وہاں تفسیر اور تشریح دیکھ لی جائے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے) مشرکین نے صلح نامہ میں جو هذا ما صالح علیه محمد رسول الله لکھنے سے انحراف کیا تو اس کی وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۲ ج ۱٦)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجود میں ہیں اور

يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ

اللہ کے فضل اور رضا مندی کو تلاش کرتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں، ان کی یہ مثال

فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى

توریت میں ہے، اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیت ہو اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسے قوی کیا پھر وہ کھیتی موٹی ہوگئی پھر اپنے تنہ پر

عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سیدھی کھڑی ہوگئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ اللہ ان کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

معانقة ۱۵ ع ۱۲

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور منقبت

اس سورت میں جگہ جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف و تعریف بیان فرمائی ہے، اولاً ارشاد فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں، اس مضمون کو سورۂ مائدہ میں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى

الْكَافِرِيْنَ میں بھی بیان کیا ہے۔ اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں۔ یہ صفت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت زیادہ نمایاں تھی، آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے پیچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (اے مخاطب تو ان کو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کئے ہوئے ہیں، کبھی سجدہ کئے ہوئے' اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا، نوافل کا اہتمام کرنا، راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (یہ حضرات اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے' ان کے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں' جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر کچھ مٹی لگ جاتی ہے اور بعض حضرات سے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع و تواضع مراد ہے' جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات حاصل ہوتی ہیں' انمیں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے' ان کے چہروں سے ان کی یہ صفت واضح ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ (ان کی مذکورہ صفت توریت میں بھی بیان کی گئی ہے) پھر انجیل میں جو ان کی صفت بیان کی گئی ہے اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ (الی اٰخرہ) کہ انجیل میں ان لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسان نے نرم زمین میں بیج ڈالا اس زمین سے کھیتی کی سوئی نکلی ہلکا بہت پتلا تنا ظاہر ہوا' پھر وہ آگے بڑھا تو اس میں قوت آگئی پھر اور آگے بڑھا تو موٹا ہو گیا' ان حالتوں سے گزر کر اب یہ ٹھیک طریقے سے اپنی پنڈلی پر اچھی طرح کھڑا ہو گیا' اب یہ ہرا بھرا بھی ہے اندر سے نکل کر بڑھ بھی چکا ہے اور اس کا تنا اپنی جڑ پر کھڑا ہے' کسان لوگ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔

اس مثال میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہؓ اولاً تھوڑے سے ہوں گے پھر بڑھتے رہیں گے اور کثیر ہو جائیں گے اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی قوت بن جائیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پہلے تھوڑے سے تھے پھر بڑھتے بڑھتے ہزاروں ہو گئے' زمانہ نبوت ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ ان کی تعداد ہو گئی۔ پھر انہوں نے دین اسلام کو خوب پھیلایا' قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے' ان کے مقابلے میں کوئی جماعت جم نہیں سکتی تھی۔

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بڑھایا چڑھایا قوت وطاقت سے نوازا تا کہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلا دے۔ کافروں کو یہ گوارا نہیں تھا اور نہ اب گوارا ہے کہ اسلام اور مسلمان پھلیں پھولیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی بڑھایا اور مسلمانوں کو بھی قوت دے دی جیسا کہ سورۃ الصّف میں فرمایا يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو نا گوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب پر غالب فرمادے۔ اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو) یہ دوسری آیت هُـــوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ سورۃ توبہ اور سورۃ الفتح میں بھی ہے جسکا ترجمہ گزر چکا ہے۔

وَعَـدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی مغفرت ہوگی اور انہیں اجر عظیم دیا جائے گا۔) یہ بات بطور قاعدہ کلیہ بیان فرمائی ہے لفظوں کا عموم حضرات صحابہ کو بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے اعمال صالحہ والے مومنین کو بھی۔

فائدہ: سورۃ الفتح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کئی جگہ تعریف فرمائی ہے۔ اول فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَنْـزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ پھر فرمایا لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰـلِدِیْـنَ فِیْهَا وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا پھر فرمایا اِنَّ الَّـذِیْـنَ یُبَـایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ پھر فرمایا لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا پھر فرمایا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔

پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الآیة)

پھر فرمایا لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پھر فرمایا وَعَـدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اور سورۂ توبہ میں فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (الآیة)

قرآن مجید کی ان تصریحات کو دیکھ لو اور روافض کی دشمنی کو دیکھ لو جو دو تین صحابہ کے علاوہ باقی سب کو کافر کہتے ہیں اس فرقہ کی بنیاد ہی بغض صحابہؓ پر ہے جو لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کو کافر کہتے ہیں وہ قرآنی تصریحات کے منکر ہونے کی وجہ سے خود کافر ہیں، قرآن کے جھٹلانے کی وجہ سے جب ان لوگوں پر کفر عائد ہو گیا تو کہنے لگے کہ یہ قرآن ہی وہ نہیں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے، یہ کہنا خود کفر ہے۔ اور قرآن نے بھی ان لوگوں کو کافر بتا دیا جن کے دل میں صحابہؓ کی طرف سے بغض ہوگا لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کو بار بار پڑھ لیا جائے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے حضرات صحابہؓ کی شان میں کچھ کہہ دیا اس پر ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے بغض ہوگا آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہوگا (یعنی وہ آیت کا مصداق ہوگا (یعنی اس پر کفر عائد ہوگا) (تفسیر قرطبی)

بعض شیعوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ وَعَـدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ساتھ جو مِنْهُمْ کا اضافہ فرمایا ہے اس میں من تبعیضیہ ہے، یہ ان لوگوں کی جہالت ہے حضرات صحابہؓ کے بغض میں یہ بات کہہ رہے ہیں اور مزید کفر کی چادر میں لپٹ رہے ہیں، سیاق کلام سے واضح ہو رہا ہے کہ من بیانیہ ہے، اگر بالفرض من تبعیضیہ ہو تو کیا آیات قرآنیہ سے دو تین صحابہؓ کا ایمان ثابت ہوتا ہے جن کے ایمان کے روافض قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو لَـقَـدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فرمایا ہے کیا اس سے ان چودہ پندرہ سو صحابہؓ کا ایمان اور وعدہ رضوان ثابت نہیں ہوتا جنہوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے جن کے بغض میں شیعہ جل کر خاک ہوئے جا رہے ہیں اور سورۃ توبہ میں جو مہاجرین اور

انصار اور ان کے متبعین (اہل السنۃ والجماعۃ) سے رضامندی کا اعلان فرمایا ہے اس میں تو کہیں بھی مبہم نہیں ہے۔

یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی سابقین اولین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور شیعہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں جو حضرات انصار اور مہاجرین سے راضی ہے۔ جو شخص قصداً قرآن کو جھٹلائے ایمان سے منہ موڑے اس سے کیا بات کی جا سکتی ہے؟ شیعوں کا عقیدہ ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مؤمن نہیں تھے۔ شیعوں کو خود اپنے ایمان کی فکر نہیں ہے کہ بغض صحابہ انہیں کچھ سوچنے نہیں دیتا۔ عامۃ المسلمین سے ہمارا خطاب ہے کہ ان آیات میں غور کریں تا کہ شیعوں کے کفر میں کوئی شخص شک نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو (دوبار فرمایا) میرے بعد تم انہیں نشانہ نہیں بنالینا' سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا ہے تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی' اور جس نے اللہ کو اذیت دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۵۵۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا کہہ رہے ہیں تو کہہ دو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر کی وجہ سے۔ (ایضاً)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ﷺ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر دے تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) ان میں سے کسی کے ایک مد یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچ گا۔ (کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۵۳ عن البخاری و مسلم)

اس زمانہ میں غلہ ناپنے کا ایک برتن ہوتا تھا اسے مد کہتے تھے (نئے اوزان کے اعتبار سے ایک مد کا وزن سات سو گرام کے لگ بھگ بنتا ہے۔ ۱۲)۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ روافض کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ وھو الھادی الی سبیل الرشاد '

ھٰذا اٰخر تفسیر سورۃ الفتح' الحمد للّٰہ الذی فتح علینا اسرار القراٰن وجعلنا ممن یدخل الجنان والصلاۃ والسلام علٰی خیر رسلہ محمد سید ولد عدنان ' وعلٰی اٰلہ وصحبہ ما طلع النیران وتعاقب الملوان.

مدنی	سورۂ حجرات	۱۸ آیتیں ۲ رکوع

آیاتها ۱۸ (۴۹) سُورَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۶) رکوعاتها ۲

سورۂ حجرات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھارہ آیات اور دو (۲) رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول سے پہلے سبقت مت کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوٰی کے لئے خاص کر دیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا

عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ

اجر ہے۔ بیشک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں' اور اگر وہ صبر کرتے

صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لئے بہتر تھا' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور خدمتِ عالی میں حاضری کے احکام و آداب کی تلقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں، کھجوروں کی ٹہنیوں سے بنا دی گئی تھیں۔ چونکہ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں ان حجروں کا ذکر ہے' اس لئے یہ

سورت سورۃ الحجرات کے نام سے موسوم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توقیر اور احترام کی تلقین فرمائی اور اس سلسلے میں چند آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول ﷺ سے سبقت مت کرو یہ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا ترجمہ ہے ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے۔ حضرات مفسرین نے اس کے متعدد معنی لکھے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ تم پہلے سے کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو وہ اپنے رسول کی زبانی جو فیصلہ فرمادے اس کے مطابق عمل کرو۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے بھی تقریباً یہی مطلب بتایا ہے' حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یوں کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں کچھ حکم نازل ہو جاتا اور فلاں مسئلہ میں کوئی قانون نازل ہو جاتا تو اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سبقت نہ کرو۔ (معالم التنزیل ص ٢٠٩ ج ٤ ابن کثیر ص ٢٠٥ ج ٤)

ساتھ ہی وَاتَّقُوا اللّٰهَ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بیشک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے بواسطہ عبداللہ بن الزبیر نقل کیا ہے' کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کسی شخص کو ہمارا امیر بنا دیجئے (ابھی تک آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا تھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن معبد کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابسؓ کے امیر بنانے کی رائے پیش کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا اس کے علاوہ کچھ مقصد نہیں کہ میری مخالفت کرو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپؓ کی مخالفت کے طور پر رائے پیش نہیں کی' اس پر جھگڑا ہونے لگا' جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں' لہٰذا آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا (آخر تک) نازل ہوگئی (ص ٧١٨)

معالم التنزیل میں ہے کہ اس موقع پر شروع سورت سے لے کر اجر عظیم تک آیات نازل ہوگئیں' جن میں اللہ اور رسولؐ کے حکم سے آگے بڑھنے کی اور آپؐ کی خدمت میں رہتے ہوئے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت فرما دی اور یہ حکم فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باتیں کرو تو ادب کا خیال رکھو اور اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر تمہاری آواز بلند ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں یعنی تمہاری نیکیاں ختم کر دی جائیں اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ ہو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ٧١٨)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو آپؐ کو اس کا احساس ہوا' ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کا پتہ چلاتا ہوں وہ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے اور انہیں اس حال میں دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں' دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہوا ہے؟ جواب دیا کہ میری آواز بلند ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کر چکا ہوں (جو اپنی عادت کے طور پر تھی) لہٰذا میں اہل نار میں سے ہوں'

اس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جا کر بتائی آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں بتادو کہ وہ اہل نار میں سے نہیں ہیں۔ اہل جنت میں سے ہیں۔ (صحیح بخاری ١٠٥١، ص ٧١٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص راز کی باتیں کررہا ہو اور حضرت ابن زبیرؓ نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی نازل فرمائی۔

(بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے)۔

اِمْتَحَنَ لفظ اِمْتِحَان سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ جانچ کرنا کیا گیا ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں امتحن اخلص کے معنی میں ہے جس طرح سونے کو پگھلا کر خالص کردیا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لئے خالص کردیا ہے ان کے قلوب میں تقویٰ ہی تقویٰ ہے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب واحترام کو دیکھو اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کو اور مدح اور توصیف کو دیکھو اور شیعوں کے بغض اور دشمنی کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ تین چار صحابہؓ کے علاوہ سب کافر تھے۔ (العیاذ باللہ)

فائدہ:۔ حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ کو برزخی حیات حاصل ہے۔

جب خدمت عالی میں سلام پیش کرنے کیلئے حاضر ہو تو دھیمی آواز میں پیش کرے اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ (الآیہ) اس آیت کے سبب نزول میں صاحب معالم التنزیل نے متعدد قصے لکھے ہیں جو حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت زید بن الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ حضرت زید بن الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ آج اس شخص کے پاس چلیں جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ واقعی نبی ہیں تو ہمیں سب لوگوں سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لاکر سعادت مند ہونا چاہئے اور اگر وہ نبی نہیں ہیں بلکہ انہیں بادشاہت ملنے والی ہے تو ہمیں ان کے زیر سایہ زندگی گزارنی چاہئے (بہر حال ان سے تعلق قائم کرنے میں فائدہ ہے) اس کے بعد حاضر ہوئے تو یَامُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدُ کہہ کر آوازیں دینے لگے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قبیلہ بنی عنبر کے آدمی دوپہر کے وقت آئے انہوں نے پکارا یامحمد اخرج الینا (کہ ہماری طرف نکلئے) دوپہر کا وقت تھا آپ آرام فرما رہے تھے ان لوگوں کی چیخ وپکار سے آپ کی آنکھ کھل گئی

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ یہ لوگ قبیلہ بنی تمیم کے تھے جنہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ کو باہر آنے کے لئے پکارا اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ (اور اگر وہ لوگ صبر کرلیتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جس کسی

سے جو بھی کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو تو بہ کر کے معاف کرالے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچا دو'

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞

پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

کوئی فاسق خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کرلو' ایسا نہ ہو کہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچا دو

معالم التنزیل (ص ۲۱۲ ج ۴) میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیطؓ کے بارے میں نازل ہوئی' واقعہ یوں پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو قبیلہ بنی المصطلق کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا' جب ان لوگوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ایک شخص ہمارے قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے پہنچ رہا ہے تو لوگوں نے آبادی سے باہر آ کر اکرام کے طور پر ان کا استقبال کیا' چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ولید بن عقبہ اور قبیلۂ مذکورہ کے درمیان عداوت تھی اس لئے شیطان کو ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالنے کا موقع مل گیا کہ یہ لوگ تمہیں قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں' انہوں نے شیطانی وسوسہ کو حقیقت پر محمول کرلیا اور راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کردیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کیلئے آمادہ ہو گئے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت ناگواری ہوئی آپؐ نے ان سے جہاد کرنے کا ارادہ فرمالیا جب آپؐ کے ارادہ کا ان لوگوں کو علم ہوا تو خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں معلوم تھا کہ آپ کا قاصد پہنچا ہے ہم بطور استقبال اکرام کے لئے باہر نکلے تھے ہمارا ارادہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے موافق زکوٰۃ کے اموال آپ کے قاصد کے سپرد کردیں لیکن آپ کے قاصد نے واپس ہونا مناسب جانا ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ نے ناراض ہو کر کوئی خط لکھ کر انہیں واپس بلالیا ہو' ہم اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسولؐ کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں' آپؐ نے ان لوگوں کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر بھیج دیا اور فرمایا کہ جاؤ اگر وہ لوگ ایمان پر باقی ہیں تو ان کے اموال کی زکوٰۃ لے لینا اور اگر دوسری کوئی صورت ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں فرمانبردار پایا لہٰذا ان سے اموال زکوٰۃ وصول کر لئے اور واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صورت حال سے باخبر کردیا' اس پر آیت کریمہ یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ (الآیۃ) نازل ہوئی جس میں ایمان والوں کو یہ بتادیا کہ ہر خبر بھروسہ کرنے کی نہیں ہوتی اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی بات سن کر کوئی اقدام نہ کریں بلکہ پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کرلیں اور چھان بین کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ صرف خبر سن کر تحقیق کئے بغیر کسی قوم پر حملہ کر بیٹھیں پھر بعد میں انکے بے قصور ہونے کا پتہ چلے تو ندامت اٹھانی پڑے اور بے جا اقدام کرنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے۔

واقعہ تو ایک جزئی تھی لیکن قرآن حکیم میں ایمان والوں کو ہمیشہ کیلئے نصیحت فرمادی اور متنبہ فرمادیا کہ ہر خبر سچی نہیں ہوتی' خبر کی تحقیق

ضروری ہے اور تحقیق کے بعد ہی کوئی اقدام کیا جا سکتا ہے' آیت کے عموم نے بتا دیا کہ یہ ہدایت اور امور دنیا اور امور آخرت سب سے متعلق ہے' اس لئے احادیث شریف کی روایات میں سچے اور متقی آدمی کی روایت قبول کی جاتی ہے جس راوی کا حال معلوم نہ ہوا سے مستور الحال کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں' حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس آیت کو ذکر کیا ہے اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے مقبول نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ

اور تم جان لو کہ بیشک تمہارے اندر اللہ کے رسول موجود ہیں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ' اور لیکن اللہ نے ایمان کو

اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تمہارے لئے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے قلوب میں مزین کر دیا اور کفر اور فسوق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ بنا دیا ہے'

هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

یہ لوگ ہدایت والے ہیں' اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے' اور اللہ جاننے والا ہے' حکمت والا ہے۔

اللہ نے اپنے فضل وانعام سے تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین فرما دیا اور کفر وفسوق اور عصیان کو مکروہ بنا دیا

ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے امت مسلمہ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو مبعوث فرما دیا' وھذا کقولہ تعالیٰ **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ** دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے' بعض مواقع پر تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے دلگیر نہ ہوا گر وہ تمام امور میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گی کہ ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کر لی جائے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی (جو بطور امتنان ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اسے تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا' تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں اور اس کی جگمگاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سچا مؤمن بندہ کسی قیمت پر بھی ایمان کی نعمت سے محروم ہو جانے پر راضی نہیں ہوتا' مزید انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر کو اور فسوق کو اور نافرمانی کو مکروہ بنا دیا۔ تمہیں کفر سے بھی نفرت ہے اور گناہوں سے بھی۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

١۔ جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

٢۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔

٣۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا دیا اب وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا ہی برا جانتا ہے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ٧ ج ١)

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہو گیا اور نافرمانی سے نفرت ہو گئی انکے بارے میں فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں) فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً (اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں فضل اور انعام کے طور پر ہیں (اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی واجب نہیں ہے وہ جسے جو بھی نعمت عطا فرمائے وہ اسکا فضل ہی فضل ہے اور انعام ہی انعام ہے) آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ علیم ہے اسے سب کا ظاہر باطن معلوم ہے اور حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق انعام سے نوازتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ

الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

پر زیادتی کرے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ سو اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا

انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں

بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

کے درمیان صلح کرادو' اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مؤمنین کی دو جماعتوں میں قتال ہو تو انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، سب مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جاتے تو اچھا ہوتا (عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف خود یہ اور اسکے ساتھی کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے رہتے تھے) جس شخص نے اس کے پاس آنے کی رائے دی تھی اس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ آپ خود ہی اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو ممکن ہے اس کا مخالفانہ جذبہ ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو جائے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی تھے جو پیدل چل رہے تھے' آپ ایک شور زمین سے گزرے جب عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا اجی تم مجھ سے دور رہو تمہارے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کے جواب میں ایک انصاری صحابیؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گدھا خوشبو کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہے' یہ بات سن کر عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک آدمی کو غصہ آ گیا اور دونوں میں گالم گلوچ ہونے لگی اور دونوں میں سے ہر شخص کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ٹہنیوں اور ہاتھوں اور چپلوں سے کچھ مار پیٹ ہو گئی' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آیت کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا واقعہ مذکورہ کے بعد نازل ہوئی یہ صحیح بخاری (ص ۳۷۰ ج ۱) کی روایت ہے' صاحب درمنثور نے آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے دوسری روایات بھی نقل کی ہیں (اس میں کوئی اشکال کی بات

نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں)۔

آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اور اگر صلح ہو جانے کے بعد دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت زیادتی کرے تو اس سے جنگ کا حکم دے دیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کو چھوڑ دے اور اللہ کے دین کے مطابق جینے کا فیصلہ کرے اور صلح کرانے والوں کو بتا دے اور یقین دلا دے کہ اب ہمیں لڑنا نہیں ہے۔

بغاوت کو دبانے کے لئے جو جنگ لڑی جائے اس میں جو فریق زیادتی پر اتر آیا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا تو یہ صلح کرانے والے ان رجوع کرنے اور لڑائی چھوڑ دینے والوں کو نہ مانیں حق اور ناحق کو دیکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرا دیں انصاف بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے محض جنگ کو رکوا دینا کافی نہیں ہے آپس میں صلح بھی کرادی جائے اور جو بات مابہ النزاع ہے اس کو ختم کرا دیا جائے ورنہ آئندہ پھر لڑائی کا امکان رہے گا۔ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے لگے تو امام المسلمین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرادے اور دونوں فریق کو کتاب و سنت کے احکام قبول کرنے پر آمادہ کرے اگر کوئی جماعت امام المسلمین ہی سے باغی ہو جائے تو امام ان سے گفتگو کرے ان کی شکایت سنے ان کو کوئی شبہ ہے یا غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرے۔ اگر یہ باغی جماعت امام اور امیر کی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کرے جن سے امام کا ظالم ہونا یقینی طور پر ثابت ہو تو عامۃ المسلمین اس جماعت کی مدد کریں جو امام کی اطاعت سے منحرف ہوگئی تا کہ امام اپنے ظلم سے باز آ جائے اگر باغی فرقہ ایسی وجوہ نہ بتا سکے جن سے امام المسلمین کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہو اور یہ باغی جماعت سمجھانے سے بھی باز نہ آئے اور امام المسلمین سے جنگ کرنے پر ہی تلی رہے تو امام المسلمین اور عامۃ المسلمین اس جماعت سے قتال کریں تا کہ امام المسلمین کے باغی لوگ اطاعت میں آ جائیں اس سلسلہ کی تفصیلات ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

آخر میں فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہ سارے مؤمن آپس میں ایمانی رشتہ کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں (اول تو انہیں خود ہی بھائی بھائی ہونے کا لحاظ رکھنا لازم ہے آپس میں لڑائی نہ کریں میل محبت کے ساتھ رہیں، کسی کی طرف سے کوئی خطا ہو جائے حقوق کی ادائیگی میں بھول چوک ہو جائے تو درگزر کرتے رہیں (لفظ اخوۃ میں اس بات کو واضح فرمادیا) اور اگر دو جماعتوں میں کوئی بگاڑ ہو جائے اور کوئی فریق درگزر کرنے کو تیار نہ ہو جس سے جنگ و جدال کی نوبت آ سکتی ہے تو دوسرے مسلمان اس وقت کے اہم تقاضے پورا کریں یعنی دونوں فریق کے درمیان باہمی صلح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ان دونوں کی اصلاح اور صلاح اور ان کے درمیان صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لئے تدبیریں سوچیں اور آپس میں جوڑ بٹھا دیں اور آپس میں تعلقات استوار کرا دیں ان ساری کوششوں میں اور زندگی کے ہر موڑ میں اللہ سے ڈرتے رہیں اگر خوف خدا ہوگا تو حدود شرعیہ کی رعایت کر سکیں گے اصلاح کی کوشش اور اللہ تعالیٰ کا خوف اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والی چیزیں ہیں اسی لئے آخر میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرمایا۔

سورۃ النساء میں فرمایا ہے لَاخَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ط وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ط (نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کا بڑا اجر دیں گے) آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا) اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہئے اصلاح بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان موافقت پیدا کرا دینا، ان کی رنجشیں دور کر دینا اور ان کے دلوں کے جوڑنے کی

کوشش کرنا، روٹھے ہوئے دوستوں کو منا دینا، میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کرا دینا، بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم کو نفلی روزوں اور صدقہ دینے اور نفلی نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتادوں؟ ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں آپس میں صلح کرا دینا ہے (پھر فرمایا کہ بغض (یعنی آپس کا بگاڑ) مونڈ دینے والا ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال ہذا حدیث صحیح)

دوسری روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ بغض بالوں کو مونڈتا ہے، بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۸ از احمد و ترمذی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ

اے ایمان والو! نہ تو مرد، مردوں کی ہنسی اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں

مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ

کی ہنسی اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنی جانوں کو عیب لگاؤ، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو۔

الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے، یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں، اے ایمان والو! بہت

اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ

سے گمانوں سے بچو۔ بلا شبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں،

بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو برا سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے، مہربان ہے۔

رَّحِيْمٌ ۝ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ

اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیئے، تاکہ آپس میں شناخت کر سکو

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

بیشک تم میں سے سب سے بڑا عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہے، بیشک اللہ جاننے والا ہے، باخبر ہے۔

باہم مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام

ان آیات میں اہل ایمان کو چند نصیحتیں فرمائی ہیں اولاً تو یہ فرمایا کہ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ بنائیں اور کوئی کسی کے ساتھ تمسخر نہ کرے، چونکہ مردوں کا آپس میں زیادہ ملنا جلنا رہتا ہے اور عورتوں کا عورتوں سے زیادہ میل جول رہتا ہے، اس لئے طرز خطاب یوں اختیار فرمایا کہ مرد مردوں کا اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ بنائیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کے مذاق اڑانے کی اجازت دی گئی ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہنسی کرنے والوں کو اس کا کیا حق ہے کہ کسی کا مذاق بنائیں اصل بڑائی ایمان اور اعمال

صالحہ سے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے سے ہے کوئی شخص دوسرے آدمی کے اعمال اور باطنی جذبات اخلاص وحسن نیت کو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ موت کے بعد کون کس سے افضل ہوگا اس کا بھی علم نہیں، ہوسکتا ہے کہ جس کی مذاق بنائی جارہی ہے وہ مذاق بنانے والے سے بہتر ہو مردوں میں بھی یہی بات ہے اور عورتوں میں بھی۔ اگر موت کے بعد اپنے اچھے حال کا اور جس کا مذاق بنارہے ہیں اس کی بدحالی کا یقین ہوجاتا تو تمسخر کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی، لیکن جب اپنے ہی بارے میں علم نہیں کہ میرا کیا بنے گا، دوسرے کا مذاق بنانے کا کیا مقام ہے؟ کسی کی مذاق بنانے میں ایک تو تکبر ہے کیونکہ مذاق بنانے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ ہے اگر اپنے حالات کا استحضار ہو تو کبھی کسی کی برائی اور غیبت کرنے اور کسی کا مذاق بنانے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے، دوسرے کا مذاق بنانے میں ایذاء رسانی بھی ہے اس سے اس کو قلبی تکلیف ہوتی ہے، جس کا مذاق بنایا گیا ایذا دینا حرام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور اس سے مذاق نہ کر (جس سے اسے تکلیف پہنچے) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر جس کی تو خلاف ورزی کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۴)

خوش طبعی کے طور پر جو آپس میں مذاق کیا جائے جسے عربی میں مزاح کہتے ہیں وہ درست ہے مگر جھوٹ بولنا اس میں بھی جائز نہیں ہے، اگر مزاح سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی مزاح فرما لیتے تھے آپ نے فرمایا کہ میں اس موقع پر بھی حق بات ہی کہتا ہوں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶)

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مذاق زبان سے ہی ہو آنکھ سے یا ہاتھ سے یا سر سے اشارہ کرکے کسی کا مذاق بنانا اسے معلوم ہو یا نہ ہو یہ سب حرام ہے۔ سورۃ الہمزہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ فقال اللّٰہ تعالیٰ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ.

دوسری نصیحت یہ فرمائی وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ) یہ بھی بہت جامع نصیحت ہے کسی کو طعنہ دینا اس کے جسم میں، بول چال میں، قد میں عیب ظاہر کرنا، زبان سے ہو یا اشارہ سے خط لکھ کر یا مضمون شائع کرکے لفظوں کے عموم میں یہ سب باتیں آگئیں، اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو تب بھی عیب ظاہر کرنے کے طور پر بیان کرنا حرام ہے کسی دراز قد کو لمڈھیک یا لمبو یا پستہ قد کو ٹھگنا بتادیا، کسی کے ہکلے پن کی نقل اتار دی، جس کی چال میں فرق ہے اسے لنگڑا کہہ دینا، نابینا کو اندھا کہہ کر پکارنا، سیدھے آدمی کو بدھو کہنا، یہ سب عیب لگانے کے زمرے میں آتا ہے، یہ سب اور اس طرح کی جو باتیں عام طور پر رواج پذیر ہیں ان سب باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کہہ دیا کہ صفیہ کا قد بس اتنا سا ہے۔ (اور یہ بطور عیب لگانے کے کہا) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ بولا ہے کہ اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کرکے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۴)

یاد رہے کہ وَلَا تَلْمِزُوْا غَيْرَكُمْ نہیں فرمایا بلکہ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں کسی کو کچھ کہیں گے تو وہ الٹ کر جواب دے گا اس طرح سے اپنا عمل اپنی ہی طرف لوٹ کر آجائے گا دوسرے کو عیب لگانے والا خود اپنی بے آبروئی کا سبب بنے گا۔

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو) ایک دوسرے کو برا لقب دینے اور برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ مثلاً کسی مسلمان کو فاسق یا منافق یا کافر کہنا یا کسی اور ایسے لفظ سے یاد کرنا جس سے برائی ظاہر ہوتی ہو اس سے منع فرمایا، کسی کو کتا یا گدھا یا خنزیر کہنا کسی نومسلم کو اس کے سابق دین کی طرف منسوب کرنا یعنی یہودی یا نصرانی کہنا یہ

سب تنابز بالالقاب میں آتا ہے یہ بھی حرام ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے یہودی دین پر تھیں ان کا اونٹ مریض ہو گیا تو آپ نے اپنی دوسری اہلیہ حضرت زینت بنت جحشؓ سے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ دے دو انہوں نے کہا کیا میں اس یہودی عورت کو اونٹ دے دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے اس جواب کی وجہ سے غصہ ہو گئے اور ذی الحجہ اور محرم اور کچھ ماہ صفر کا حصہ ایسا گزرا کہ آپ نے حضرت زینبؓ سے تعلقات نہیں رکھے (رواہ ابوداود ص ۲۷۶ ج ۲)

مسند احمد (ص ۳۳۷، ۳۳۸ ج ۶) میں ہے کہ یہ واقعہ سفر حج کا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس کو اس عمل کے عنوان سے پکارا جائے، مثلاً: چور یا زانی یا شرابی وغیرہ کہہ دیا جائے (معالم التنزیل) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عیب دار بتایا یعنی عیب لگایا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کو نہ کر لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۴)

پھر فرمایا بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مؤمن ہو، اگر کسی کا مذاق بناؤ گے، عیب لگاؤ گے، برے لقب سے یاد کرو گے تو یہ فسق کا کام ہوگا، کہنے والے کہیں گے کہ دیکھو وہ آدمی فاسق ہے، مسلمان ہو کر فسق اور گناہگاری کا کام کرتا ہے، اپنی ذات کو برائی سے موصوف اور معروف کرنا بری بات ہے کوئی شخص مؤمن ہو اور اس کی شہرت گناہگاری کے ساتھ ہو یہ بات اہل ایمان کو زیب نہیں دیتی جب اسلام کو اپنا دین بنالیا تو اسلام ہی کے کاموں پر چلیں اور صالحین میں شمار ہوں۔ فاسقین کی فہرست میں کیوں شمار ہوں۔ تفسیر قرطبی میں بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ کا معنی یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے گناہ کر لیا تو بہ کر لی تو اس کو فسق کے نام سے یاد کرنا بری بات ہے، مثلاً: نو مسلم کو کافر بتانا یا سابق گناہ کی وجہ سے زانی یا سارق یا چور کہنا بری بات ہے یعنی جس کے حق میں یہ بات کہہ رہے ہو۔ اس کو برے لقب سے کیوں یاد کر رہے ہو؟ اس کی آبرو کے خلاف لقب کیوں دے رہے ہو۔
چوتھی نصیحت، پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو گناہوں سے توبہ نہ کرے سو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ان کا ظلم ان کی جانوں پر ہے۔ تمام گناہوں سے توبہ کریں۔ عموم حکم ان تینوں گناہوں سے توبہ کرنے کو بھی شامل ہے۔ جن کا آیت بالا میں ذکر گزرا ہے۔
پانچویں نصیحت، پھر فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے، بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض اٹکل اور گمان سے طے کر لیا جاتا ہے اور پھر اپنے گمان کے مطابق تہمتیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں، بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اس سے آپس میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے حالانکہ گمان اپنا ایک ذاتی خیال ہوتا ہے خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسی لئے سورۃ النجم میں فرمایا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا) مؤمنین سے اچھا گمان رکھیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۷)
یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ نقصان کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اسکے شر سے بچنے کیلئے یہ خیال کرنا کہ

ممکن ہے کہ یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچا دے یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے اپنی احتیاط کرلے غیبت نہ کرے اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

آیت کریمہ میں فرمایا کہ اے ایمان والو! بہت سے گناہوں سے بچو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا، معاف فرمادے گا اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے۔ نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مؤمنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۹ از احمد وابوداؤد)

البتہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہوسکتی ہو۔ اپنے اعمال و احوال چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے، جس سے لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو جائے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

چھٹی نصیحت یوں فرمائی وَلَا تَجَسَّسُوْا (اور تجسس نہ کرو) یعنی لوگوں کے عیبوں کا سراغ نہ لگاؤ اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے؟ یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے۔ بہت سے لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں حالانکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے دنیا اور آخرت میں اس کی سزا مل جاتی ہے اور تجسس کرنے والا ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے، بہت سی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کا استعمال کرنا پڑتا ہے، جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی، مؤمن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپائے نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا پھر اس کو چھپا لیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے وہ لوگو! جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، انہیں عیب نہ لگاؤ۔ ان کے پیچھے چھپے ہوئے حالات کی تلاش میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیب کے ظاہر ہونے کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے چھپے ہوئے عیب کا پیچھا کرتا ہے، یہاں تک کہ اسے رسوا کرتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو (رواہ الترمذی)

ساتویں نصیحت یہ فرمائی وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، مزید فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو) یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے، جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے، بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بلا ہے نمازی اور تقویٰ کے دعویدار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا، قیامت کے دن جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا لیکن اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا، اب اس بات کو سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ

جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اسے برا لگے یہ غیبت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اگر تیرے بھائی کے اندر موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی اور اگر تو نے کوئی ایسی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۳ ج ۲)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی عیب ہے اگر جھوٹی بات کسی کے ذمہ لگا دی تو وہ تو تہمت دھرنا ہوا اس میں دو گناہ ہیں۔ ایک گناہ تہمت دھرنے کا دوسرا غیبت کرنے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقہ پر یاد کرنا جس سے اسے ناگواری ہو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں، غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ کہا جا رہا ہے وہ اسے برا لگے سامنے ہو یا پیچھے جو لوگ غیبتیں کرتے ہیں، پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ غلط نہیں کہہ رہا ہوں میں اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں حدیث بالا سے ان کی جرأت بے جا کا پتہ چلا، ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، جس کا عذاب اور وبال بہت بڑا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم گناہ سے بری ہیں اللہ تعالیٰ شانہ سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کر لیتا ہے تو پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور اگر کوئی شخص غیبت کرے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہو جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ضائع کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے، اس لئے اس کا حق بھی ضائع کیا، اس کا نام احترام سے لیا جاتا یا کم از کم اس کی برائی نہ کی جاتی، جب غیبت کرے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لئے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی، ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لئے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے اور یوں دعا کرے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ اے اللہ! ہماری اور اس کی مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا جس کے تانبے کے ناخن تھے اور ان کے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے آبروئی کرتے تھے (رواہ ابوداؤد ص ۳۱۳ ج ۲) غیبت کرنے والے آیت کریمہ اور احادیث شریفہ کے مضامین پر اور اس کی وعید پر غور کریں۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے، اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کی کاٹ کرے اور جس کی غیبت ہو رہی ہے، اس کی طرف سے دفاع کرے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا جس کا غیبت کے ذریعہ گوشت کھایا جا رہا تھا

تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد کردے' اور حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے' اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (ذکرھما صاحب المشکوٰۃ ص ۴۲۴)

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مؤمن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہ' قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا، اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روک دے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کرے جس کو عیب دار بتایا تھا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۳۱۳ ج ۲)

اور حضرت جابر اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جاری ہو اور اسکی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور وہاں جو شخص موجود ہو اسکی مدد نہ کرے (یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے) اللہ تعالیٰ ایسی جگہ میں اسے بغیر مدد کے چھوڑ دیگا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا، اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اسکی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کسی کے سامنے کوئی شخص کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کا دفاع کرے۔

یہ جو ارشاد فرمایا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے اور وہ یہ کہ ایک صحابی نے زنا کرلیا تھا جن کا نام ماعز رضی اللہ عنہ تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے' پھر ان کو سنگسار کر دیا گیا۔ ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اسے رہا نہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کی رجم کی گئی یعنی پتھروں سے مارا گیا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر ہو جو اوپر کو ٹانگ اٹھائے ہوئے تھا' آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہے؟ (ایک بات کہنے والا دوسرا بات سننے والا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں' فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس میں سے کون کھا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جو ابھی ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بیشک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۵۲ ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ زندہ کی غیبت کرنا حرام ہے۔

فائدہ:۔ یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت ہو' آنکھ کے اشارہ سے، ہاتھ کے اشارہ سے، نقل اتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے۔ کسی کی اولاد میں عیب نکالے' کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کردے اس میں دُگنا غیبت ہے' باپ کی بھی اور اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی' بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کر

دیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

آٹھویں نصیحت: .... پھر فرمایا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرو) اس میں سب گناہوں سے بچنے کا حکم فرما دیا اور ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے، جس کسی سے جو گناہ ہو گیا اس سے توبہ کرے اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا ہو غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرالے، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا معاف فرما دے گا۔

نویں نصیحت: .... اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے چھوٹے بڑے قبیلے بنا دیئے تاکہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا ہے، آدمی ہونے میں برابر ہو کیونکہ سب آدم اور حواء علیہما السلام کی اولاد ہیں لہٰذا آدمیت میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے، اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزت کا معیار بتا دیا ہے، اس کے برخلاف لوگوں کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں نمازوں کے بھی تارک ہیں، زکوتیں بھی نہیں دیتے، فسق و فجور میں مبتلا ہیں، حرام کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں لیکن نسب کی بڑائی بگھارتے ہیں۔ سید اور ہاشمی اور صدیقی اور فاروقی عثمانی، علوی، انصاری، شیخ، ملک، چودھری اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے، آ رہے ہیں سید صاحب ڈاڑھی مونڈی ہوئی ہے، پتلون پہنے ہوئے ہیں۔ ٹائی لگی ہوئی ہے، بینک کے منیجر ہیں اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں، ظاہر اور باطن دشمنوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے اور ہیں سید صاحب یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء و صلحاء نمازی اور متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کچھ لوگ سفید اور سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی فضیلت کی خام خیالی میں مبتلا ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انک لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوی** (بے شک تو کسی گورے اور کالے سے بہتر نہیں ہے الا یہ کہ تو تقویٰ میں بڑھ جائے) رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (۱۰۸/۵)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صفا پر چڑھ کر قریش سے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچا لو میں قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا، بنی کعب، بنی مرۃ، بنی عبد شمس، بنی عبد مناف، بنی ہاشم، بنی عبد المطلب اے جماعت بنی قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا اور ان سے یہی فرمایا **انقذوا انفسکم من النار** کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ اپنے چچا عباسؓ بن مطلب اور پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی خاص طور سے یہ خطاب فرمایا (رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰)

نسبت کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر رفع درجات ہوگا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ایمان ہی کے لئے ہوگی۔

جزوی طور پر جو نسبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتہ پر گناہ کرتے چلے جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا بہت بڑے دھوکہ کی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت (یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی) کو اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے اب تو بس مؤمن متقی ہے یا فاجر شقی ہے۔ انسان سب آدم کے بیٹے ہیں آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۱۸)

دسویں نصیحت: .... اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (بیشک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے)

استحضار ہے کیونکہ اللہ علیم وخبیر ہے' کس کا کیا درجہ ہے، کون ایمان دار ہے، کون بے ایمان ہے، کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ سب تقویٰ اختیار کرنے کیلئے فکرمند ہوں تاکہ متقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

لِتَعَارَفُوْا کی تشریح کرتے ہوئے صاحب بیان القرآن فرماتے ہیں "تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں مثلاً: ایک نام کے دو (۲) شخص ہیں' خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتی ہے اور یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور بقدر قرب وبعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب وبعد معلوم ہوتا ہے تو حاجب اور محجوب متعین ہوتا ہے اور مثلاً یہ کہ اپنا خاندان ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندان کی طرف منسوب نہ کرے گا جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ شُعُوْبٌ اور لفظ قَبَائِل مذکور ہے۔ شعب خاندان کی جڑ کو یعنی اوپر والے خاندان کو اور قبیلہ اس کی شاخ کو کہتے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ

دیہات کے رہنے والوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے' آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم ظاہری فرمانبردار ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

داخل نہیں ہوا' اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا' بیشک اللہ غفور

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رحیم ہے۔ ایمان والے وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور جانوں سے جہاد کیا' یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں' آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دین بتا رہے ہو اور اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے' وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں

اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ

کہ اسلام لے آئے آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر احسان نہ دھرو' بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دے دی

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ٢ ٨ ١٤

اگر تم سچے ہو۔ بیشک اللہ آسمان اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔

محض زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قبیلہ بنی اسد کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ خشک سالی کا زمانہ تھا ان لوگوں نے ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے حالانکہ دل سے مؤمن نہ تھے انہوں نے مدینہ منورہ کے راستوں کو گندگیاں ڈال کر خراب کر دیا اور مالوں کے بھاؤ بھی مہنگے کر دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح وشام جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپؐ کے پاس عرب کے لوگ اپنی جانوں کو لے کر آ گئے اور ہم اپنا سارا سامان اور بال بچوں کو لے کر آ گئے اور ہم نے آپؐ سے جنگ نہ کی جیسا کہ فلاں فلاں قبیلہ نے آپؐ سے جنگ کی یہ باتیں کہہ کر کہ آپؐ پر احسان رکھتے تھے اور صدقات کے اموال آپؐ سے طلب کرتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی، ارشاد فرمایا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا دیہات کے لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے یعنی دل سے ہم نے آپ کی تصدیق کرلی اور آپ کے دین کو مان لیا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہ لائے (یہ تمہاراز بانی دعویٰ ہے) وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (لیکن تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے ظاہری طور پر بات مان لی ہے اور فرمانبرداری کا اعلان کر دیا ہے۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اور تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا) محض زبانی اقرار اور ظاہری طور پر اعمال اسلام اپنا لینے سے بندہ مؤمن نہیں ہوتا، اسلام تصدیق قلبی کا نام ہے، منافقین کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے رسول کو دل سے سچا جاننے اور ماننے سے مؤمن ہوتا ہے اگر یقین نہ ہو یا یقین تو ہو لیکن تسلیم نہ ہو یعنی مانتا نہ ہو تو مؤمن نہیں ہوتا جیسا کہ فرعون کی قوم کے بارے میں فرمایا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور انہوں نے ان آیات کا انکار کیا حالانکہ انہیں ان کے سچا ہونے کا یقین تھا یہ انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا)۔

بہت سے لوگ دنیاوی اغراض کے لئے یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن اندر سے تصدیق نہیں کرتے مسلمان انہیں، ظاہری دعویٰ کی وجہ سے مسلمان سمجھ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے دل وجان سے ظاہر سے بھی باطن سے بھی، لوگوں کے سامنے بھی تنہائیوں میں بھی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کوئی کمی نہ فرمائے گا یعنی تمہارے اعمال کا پورا پورا ثواب دے گا، بلکہ کم از کم دس گنا بڑھا کر کے دے گا۔ اس میں یہ بات بتا دی کہ ایمان اعمال صالحہ پر آمادہ کرتا ہے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی آخرت میں کام آئیں گے۔ طلب دنیا کے لئے یہ کہنا کہ ہم مؤمن ہیں اور ظاہری طور پر ایمان قبول کرلیا آخرت میں مفید نہیں ہے وہاں کی نجات اور اجر وثواب ایمان حقیقی پر موقوف ہے، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اگر سچے دل سے ایمان قبول کرلو گے تو اس سے پہلے جو کیا ہے اس سب کی معافی ہو جائے گی۔

قوله تعالٰى : لَا يَلِتْكُمْ قرأ أبوعمرو يَاْلِتْكُمْ بالالف كقوله تعالٰى : وما التنا هم والآخرون بغير الف وهما لغتان ومعنا هما لا ينقصكم يقال :ألت يالت ألتاً ولات يليت ليتاً اذانقص (معالم التنزیل میں ہے لَایَلِتْكُمْ اسے ابو عمرو نے يَاْلِتْكُمْ پڑھا ہے، الف کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ اور دوسروں نے بغیر الف کے پڑھا ہے، اور دونوں صورتوں میں معنی ہے، تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا کہا جاتا ہے اَلَتَ يَاْلِتُ اَلْتاً و لَاتَ يَلِيْتُ لِيْتاً جب نقصان ہو جائے)

(ذكره فى معالم التنزيل)

اس کے بعد فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الآية) اس آیت میں یہ بتایا کہ واقعی اور سچے مؤمن وہی ہیں جو اللہ

پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی انہوں نے سچے دل سے تصدیق کی ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا (پھر انہوں نے شک نہیں کیا) وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا) اس میں کافروں سے اور اپنے نفس سے جہاد کرنا اور اپنے کو غیر شرعی کاموں سے اور اپنے خاندان اور دیگر افراد کو شریعت اسلامیہ پر چلانے کے سلسلہ میں محنت اور کوشش کرنا سب داخل ہے اپنے نفس کو دینی تقاضوں پر لگانا اس بارے میں مال و جان خرچ کرنا بڑے مجاہدہ کی بات ہے نفس پر قابو پانے کیلئے فکرمند رہنا لازم ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ في طاعة الله عزوجل علی تكثر فنونها من العبادات البدنية المحضة والمالية الصرفة والمشتملة عليهما معًا كالحج والجهاد. (فی سبیل اللہ کا مطلب ہے کہ مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خواہ وہ محض عبادت بدنی ہو خواہ مالی و بدنی دونوں قسم کی ہو جیسے جہاد اور حج)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) یعنی ان کا دعویٰ ایمان سچا ہے وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اوپر کے دل سے دنیا سازی کے لئے امنا کہہ دیا یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں لفظ انما جو حصر پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ آیت بالا میں ان لوگوں کو مؤمن بتایا ہے جو اللہ پر بھی ایمان لائیں اور اس کے رسولوں پر اور انہیں اپنے ایمان میں شک بھی نہ ہو اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ محض اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور توحید کا قائل ہو جانا ایمان نہیں ہے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے اور جس پر نجات کا وعدہ ہے مؤمن ہونے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی فرض ہے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو وحدت ادیان کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بس اللہ کو مان لینا آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے یہ ان کی گمراہی ہے۔

معالم التنزیل اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اٰمَنَّا کہا تھا خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ واقعی ہم سچے دل سے اسلام لائے ہیں آیت کریمہ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (الآية) نازل ہوئی یعنی وہ آپ پر اس بات کا احسان دھرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان مت جتاؤ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دیدی اگر تم واقعی ایمان میں سچے ہو) جس کا اب دوبارہ دعویٰ کر رہے ہو تو تمہیں اللہ کا احسان ماننا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور باطن سب کا پتہ ہے تمہارے دین کا بھی علم ہے اللہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارا دین اسلام ہے اگر سچے مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمان شمار ہو جاؤ گے پھر وہ اس کی جزا دے دے گا تمہیں اپنے دلوں کی تلاشی لینا چاہئے کہ واقعی مؤمن ہیں یا نہیں؟

آیت میں يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا فرمایا ہے اس کے بارے میں یہ سوال ہوتا ہے کہ انہوں نے تو اٰمَنَّا کہا تھا ان کی بات کو اسلموا سے تعبیر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ سمجھ میں آئی کہ انہوں نے جو اٰمَنَّا کہا تھا ان کا پہلی بار بھی دعوائے ایمان صحیح نہ تھا اور دوبارہ جو انہوں نے یوں کہا کہ واقعی ہم سچے دل سے اسلام لائے ہیں یہ بھی اوپر ہی کے دل سے تھا لفظ اسلموا سے اس بات کو ظاہر کر دیا اور ایک بات اور سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اس میں احسان دھرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب سچے اللہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان دھرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس میں رہتی دنیا تک آنے والوں اور دین اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے اگر سچے دل سے قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام کا ماننے والا فرد تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ یہ بات بھی بتادی کہ جو شخص

اسلام قبول کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لئے قبول کرتا ہے وہ مسلمانوں پر احسان نہ دھرے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لہٰذا تم لوگ میرے لئے چندہ کرو اور روٹی رزق کا انتظام کرو۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن اسے چاہئے کہ مسلمانوں پر احسان نہ دھرے اور نہ ان سے کچھ طلب کرے خود کمائے کھائے آخر زمانہ کفر میں بھی تو کسب کرتا تھا۔ آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور بیشک اللہ جانتا ہے آسمان اور زمین کے غیب کو) یعنی چھپی ہوئی باتوں اور چھپی ہوئی چیزوں کو وہ خوب جانتا ہے وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے)۔

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ الحجرات ، والحمد للّٰہ الذی بعزتہ و نعمتہ تتم الصالحات وقد فرغت منہ فی اللیلۃ السابعۃ من شھر شعبان فی ۱۴۱۸ھ ھجریۃ والحمد للّٰہ اولاواٰخر اوباطنًا وظاھرا.

مکی	سورۂ قٓ	۴۵ آیتیں ۳ رکوع

(۵۰) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (۳۴)
اٰیَاتُهَا ۴۵ — رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ قٓ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیات اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

قٓ: قسم ہے قرآن مجید کی، بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، سو کافر لوگ کہنے لگے

شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ

کہ یہ عجیب بات ہے، جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے۔ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو زمین

مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ﴿۵﴾

کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے، بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں، اور زمین کو

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ

ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا، اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں، جو ذریعہ ہیں دانائی کا اور نصیحت کا ہر رجوع ہونے والے

عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ

بندہ کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

کے گچھے خوب گندے ہوئے ہوتے ہیں، بندوں کو رزق دینے کیلئے اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح نکلنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کا بیان، نعمتوں کا تذکرہ، منکرین بعث کی تردید

یہاں سے سورۃ قٓ شروع ہو رہی ہے۔اس میں دلائل توحید اور وقوع قیامت اور قیامت کے دن کے احوال اور مومنین و کافرین کا انجام بتایا ہے، درمیان میں باغی اور طاغی قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

قٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۔قسم ہے قرآن مجید کی تم ضرور اٹھائے جاؤ گے اور قیامت کے دن حاضر ہو گے یہ جواب قسم لَتُبْعَثُنَّ محذوف کا ترجمہ ہے۔

پھر فرمایا بَلْ عَجِبُوْٓا (الأیات الثلاث)بل کا عطف کس پر ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: فکانه قیل انا انزلناه لتنذربه الناس فلم یؤمنو ابه بل جعلوا کلامن المنذر والمنذربه عرضة للتکبر والتعجب (یعنی ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں لیکن وہ لوگ اس پر ایمان نہ لائے انہوں نے ڈرانے والے کو بھی جھٹلایا اور جس چیز سے ڈرایا اس کو بھی جھٹلایا، حق کو نہ مانا تکبر اختیار کیا اور تعجب کرنے لگے) کہ کیا ہم ہی میں سے ڈرانے والا آ گیا اور کہنے لگے کہ یہ تو عجیب چیز ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ یہ تو بہت ہی بعید بات ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے، ہمارے نزدیک تو ایسا نہیں ہو سکتا، ان لوگوں نے جو موت کے بعد واپس ہونے کو بعید کہا اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ کہ ہم جانتے ہیں زمین جو ان کے اعضاء کو کم کرتی ہے یعنی ان کے گوشتوں کو ہڈیوں کو اور بالوں کو زمین جو کم کر دیتی ہے ہمیں اس سب کا علم ہے وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ اور ہمارے پاس کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو محفوظ کر رکھا ہے (زمین نے جو جز و کم کیا، ہڈیوں کی مٹی بن گئی (جانوروں کی غذا ہو گئی) ان سب کا ہم کو پتہ ہے جب صور پھونکا جائے گا تو یہ چیزیں زندہ ہو جائیں گی، اجسام تیار ہو کر روح میں داخل ہو جائیں گی، اور مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے، جو پیدا کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے، وہی موت کے بعد زندہ فرمائے گا، اس کو سب علم ہے اور دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دفن کئے جاتے ہیں ان کی سب چیزیں گل جاتی ہیں، یعنی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتی ہیں۔سوائے ایک ہڈی کے وہ باقی رہ جاتی ہیں یعنی ریڑھ کی ہڈی کا تھوڑا سا حصہ قیامت کے دن اسی سے نئی پیدائش ہو گی۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۱)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ (بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جبکہ ان کے پاس آ گیا) موت کے بعد زندہ ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا اور آپ کی نبوت کے دلائل اور معجزات سامنے آ گئے تو وہ اس کے بھی منکر ہو گئے، وقوع قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریف سامنے ہوتے ہوئے معجزات و دلائل کو دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت کو نہیں مانتے یہ بھی گمراہی ہے اور شناعت و قباحت میں پہلے تعجب سے بڑھ کر ہے۔

فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ : (سو یہ لوگ ایک متزلزل حالت میں ہیں) کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ بشر نبی ہو ہی نہیں سکتا، کبھی کہتے ہیں مالدار اور قوم کا بڑا آدمی ہونا چاہئے، کبھی صاحب نبوت کو جادوگر بتاتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا اعجاب دور کرنے کے لئے مزید فرمایا اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ (الآية) کیا انہوں نے اپنے اوپر

آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اسے کیسا بنایا ہے (بغیر کسی ستون کے کھڑا ہے) اور ہم نے اسے زینت دی ہے یعنی ستاروں کے ذریعہ اس کو مزین کر دیا ہے۔

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (اور آسمانوں میں شگاف نہیں ہے)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا (اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ (اور ہم نے زمین میں بوجھل چیزیں یعنی پہاڑ ڈال دیئے) وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کے پودے اور درخت پیدا کر دیئے ہیں جو دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (ہم نے ان چیزوں کو بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنا دیا جو بھی بندہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو وہ اس کے مظاہر قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ کی معرفت حاصل کرے گا)۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (سو ہم نے اس کے ذریعہ باغیچے اگا دیئے اور ایسی کھیتی اگا دی جسے پک جانے کے بعد کاٹ کر دانے نکالے جاتے ہیں) وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ (اور ہم نے کھجور کے درخت اگائے جو لمبے ہیں اپنے تنہ پر کھڑے ہیں۔ ان کھجوروں کے درختوں سے گچھے نکلتے ہیں جو ترتیب سے دیکھنے میں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں رِزْقًا لِّلْعِبَادِ (یہ سب چیزیں بندوں کے رزق کے لئے پیدا فرمائی ہیں) وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (اور ہم نے اس بارش کے ذریعہ زمین کے مردہ ٹکڑوں کو زندہ کر دیا)۔

كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا) یعنی اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکال دے گا جیسا کہ مُردہ زمین کو زندہ فرما کر اس سے مذکورہ بالا چیزیں نکالتا ہے، اس آخری جملہ سے پوری آیت کا ماسبق سے ارتباط سمجھ میں آ گیا یعنی منکرین بعث وقوع قیامت کو نہیں مانتے حالانکہ انکے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں، جیسے وہ ان چیزوں پر قادر ہے ایسے ہی مُردوں میں جان ڈال کر اور قبروں سے نکال کر میدان حشر میں جمع کرنے پر بھی قادر ہے، سورۃ الرُّوم میں فرمایا فَانْظُرْ اِلٰى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہے)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ

ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور اصحاب رس نے اور ثمود نے اور عاد نے اور فرعون نے اور لوط کی قوم نے اور ایکہ والوں

الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ

نے اور تبع کی قوم نے جھٹلایا ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید ثابت ہو گئی، کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ پیدائش

مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

کی طرف سے شبہ میں ہیں۔

ع ۱۵/۱۵

اقوام سابقہ ہالکہ کے واقعات سے عبرت حاصل کریں

ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ اپنے کفر اور تکذیب کے باوجود یہ لوگ مطمئن ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں ہم صحیح راہ پر ہیں اور ہمارا مؤاخذہ نہ ہوگا یہ ان لوگوں کی غلطی ہے ان سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے رسولوں کو

جھٹلایا (جس میں وقوع قیامت کا انکار بھی تھا لہٰذا یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے) جن لوگوں کی ہلاکت و بربادی کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے ان کی ہلاکت کے تفصیلی حالات متعدد سورتوں میں گزر چکے ہیں۔ اصحاب الرس کا تذکرہ سورۃ فرقان میں اور اصحاب الایکہ کا تذکرہ سورۃ الشعراء میں اور قوم تبع کا ذکر سورۃ الدخان میں گزر چکا ہے ارشاد فرمایا کُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ (ان لوگوں نے نبیوں کو جھٹلایا لہٰذا ان پر میری وعید ثابت ہوگئی) یعنی ان کو جو پیشگی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ ایمان نہ لانے پر مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اس وعید کے مطابق ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

یہ لوگ جو کہتے تھے کہ ہم مرکھپ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں اور گوشت پوست مٹی بن جائے گا تو پھر کیسے زندہ ہوں گے؟ ان کے تعجب کو دفع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط (کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے) مطلب یہ ہے کہ جس نے تمہیں اور دوسری مخلوات کو پیدا کیا جس میں زمین و آسمان بھی ہے وہ قادر مطلق کیا پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گیا ہے؟ ہرگز نہیں وہ ہرگز نہیں تھکا اسے ہمیشہ سے پوری قدرت ہے، جس نے پہلی بار پیدا فرمایا وہی دوبارہ بھی پیدا فرمادے گا۔ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شبہ میں ہیں)۔

دلائل عقلیہ تو ان کے پاس ہیں نہیں جن کی بنیاد پر دوبارہ پیدا کرنے کے عدم کو ثابت کر سکیں، ان کے پاس بس شبہ ہی شبہ ہے، اس شبہ کو انکار بنا کر انکار کرتے رہتے ہیں، جس کا ازالہ بار بار کیا جا چکا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں ان وسوسوں کو جو اس کے جی میں آتے ہیں اور ہم اسکی گردن کی رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں،

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ

جبکہ دو لینے والے لے لیتے ہیں، جو داہنی طرف سے اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں، اور کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

کے پاس ایک نگران تیار ہے اور موت کی سختی حق کے ساتھ آگئی یہ وہ ہے جس سے تو ہٹتا تھا۔

اللہ انسان کے وساوس نفسانیہ سے پوری طرح واقف ہے اور انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

یہ چار آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو وسوسے آتے رہتے ہیں (جو بہت ہی زیادہ مخفی چیز ہے) ہم ان سب کو جانتے ہیں، پھر فرمایا کہ انسان کی جو شہ رگ ہے، ہم انسان سے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال سے باخبر ہیں، اس کی کوئی بھی حالت جو پوشیدہ سے پوشیدہ ہو اور اس کی بات جو آہستہ سے بھی آہستہ ہو اس میں سے کچھ بھی ہم پر پوشیدہ نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کو بیان فرمایا ہے۔ حَبْلِ الْوَرِيْدِ گردن کی رگ کو کہا جاتا ہے یہ وہ رگ ہے جس کے کٹ جانے سے انسان کی زندگی باقی نہیں رہتی۔

انسانوں پر عمل لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں: .... دوسری آیت میں اعمال نامے لکھنے والے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس میں یہ بتایا کہ انسان کی طبیعت اور احوال اللہ تعالیٰ جانتا تو ہے ہی اس علم کے ساتھ ساتھ اس نے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے بھی مقرر

فرما رکھے ہیں جو انسان کے اعمال کو لکھتے ہیں' جیسے ہی کوئی بات کرتا ہے یا کوئی عمل کرتا ہے' اسے لے کر فرشتے لکھ لیتے ہیں' ایک فرشتہ دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ سورۃ الانفطار میں فرمایا وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ مَاتَفۡعَلُوۡنَ (اور یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے افعال کو جانتے ہیں) یہ اعمال نامے جو فرشتے تیار کرتے ہیں قیامت کے دن انسان کے سامنے آ جائیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ (یہ ہمارا لکھا ہوا نوشتہ ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتا ہے) اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو عمل تم کرتے تھے)۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ انسان جو بھی کوئی لفظ بولتا ہے اس کے پاس انتظار کرنے والا فرشتہ تیار رہتا ہے جو منہ سے نکلتے ہی لکھ لیتا ہے اگر کلمہ خیر ہو تو دائیں طرف والا فرشتہ لکھتا جاتا ہے اور اگر شر ہو تو بائیں طرف والا فرشتہ لکھ لیتا ہے الفاظ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل لکھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ فرشتے خیر اور شر کی وہ باتیں لکھتے ہیں جن پر عقاب و ثواب کا دارومدار ہوتا ہے مباحات کو نہیں لکھتے اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے کہ لکھا تو سب کچھ جاتا ہے پھر ہر جمعرات کو بارگاہ الٰہی میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں خیر اور شر کو باقی رکھا جاتا ہے' باقی اعمال یعنی مباح کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سورۂ رعد کی آیت یَمۡحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ تلاوت فرمائی۔ آیت کے عموم الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے یہ باتیں لکھی ہیں' پھر شرح جوہرہ سے نقل کیا ہے کہ بچہ کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دیوانہ پر لکھنے والے فرشتے مقرر نہیں ہیں۔ جنات پر فرشتے مقرر ہیں یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان پر بھی مقرر ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی بات منقول نہیں ہے۔ (روح المعانی ۱۸۰ ج ۲۶)

موت کی سختی کا تذکرہ: .... چوتھی آیت میں موت کی سختی کا تذکرہ فرمایا ہے وَجَآءَتۡ سَکۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ط (اور حق کے ساتھ موت کی سختی آ جائے گی)

ذٰلِكَ مَا کُنۡتَ مِنۡهُ تَحِیۡدُ: .... نافرمان لوگ جو موت سے [illegible] تے ہیں' ان سے کہا جائے گا دیکھو یہ وہ موت ہے جس سے تم بچتے اور گھبراتے تھے آخر اس نے تمہیں پکڑ ہی لیا' اللہ تعالیٰ نے جو موت آنے کا فیصلہ فرما دیا ہے اس سے کوئی چھٹکارہ نہیں اس کے بعد جو برزخ اور حشر کے احوال ہیں وہ بھی انسانوں پر گزریں گے ان سے بھی چھٹکارہ نہیں آئندہ آیات میں ایام قیامت کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ؕ ذٰلِكَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِیۡدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدۡ

اور صور پھونکا جائے گا' یہ وعید کا دن ہے' اور ہر شخص اس طرح سے آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک سائق اور شہید ہو گا' واقعی بات

کُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَکَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِیۡنُهٗ

یہ ہے کہ تو اس کی طرف سے غفلت میں تھا' سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ تیز ہے اور اس کا ساتھی کہے گا

هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیۡدٌ ﴿۲۳﴾ اَلۡقِیَا فِیۡ جَهَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیۡدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِیۡبِ ﴿۲۵﴾

یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے' ڈال دو جہنم میں ہر کفر کرنے والے ضدی کو۔ خیر سے منع کرنے والے کو۔ حد سے بڑھنے والے کو۔ شبہ میں ڈالنے والے کو۔

إِلَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ إِلٰهًا اٰخَرَ فَأَلْقِیَاهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ أَطْغَیْتُهٗ

جس نے اللہ کے سوا دوسرا معبود تجویز کر دیا' سو اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ساتھی کہے گا کہ اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا

وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾

لیکن یہ دور کی گمراہی میں تھا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا میرے سامنے جھگڑا مت کرو اور میں نے تمہارے پاس پہلے سے وعید بھیج دی تھی،

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾

میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں

نفخ صور اور میدانِ حشر میں حاضر ہونے والوں کا ذکر

ان آیات میں نفخ صور اور اس کے بعد کے بعض حالات ذکر فرمائے ہیں' ارشاد فرمایا: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ (اور صور پھونکا جائے گا) ذٰلِکَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ (یہ وہ دن ہوگا جس میں وعید کا ظہور ہوگا' یعنی دنیا میں جو وعیدیں بتادی گئی تھیں آج ان کا ظہور ہوگا۔ وَجَآءَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِیْدٌ (اور ہر شخص اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ہوگا) سائق ساتھ لانے والا فرشتہ اور شہید گواہی دینے والا فرشتہ۔

صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' سے نقل کی ہے اور حافظ ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو اعمال نامے لکھا کرتے تھے ان میں سے ایک سائق اور ایک شہید ہوگا۔

اس دن اُسے خطاب کر کے کہا جائے گا لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (تو اس دن کے واقع ہونے کی طرف سے غافل تھا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خطاب کافر کو ہوگا فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ (سو آج تیری نظر تیز ہے) دنیا میں جو کچھ ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور کفر و شرک سے روکا جاتا تھا اور معاصی کا عذاب بتایا جاتا تھا تو، تو متوجہ نہیں ہوتا تھا اور غفلت کے پردوں نے تجھے ڈھانپ رکھا تھا آج وہ پردے ہٹ گئے جو کچھ سمجھایا بتایا جاتا تھا سامنے آ گیا۔

وَقَالَ قَرِیْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ (اور اس کا ساتھی کہے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے) قرین یعنی ساتھی سے کون مراد ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصریؒ) نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے برائیوں کا لکھنے والا کاتب مراد ہے وہ اپنے لکھنے ہوئے صحیفہ کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ یہ اس کے اعمال ناموں کا کتابچہ ہے جو میرے پاس لکھا ہوا ہے تیار ہے' اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ شیطان مراد ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا دیا گیا ہے' حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس کا ایک ساتھی جنات میں اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے آپؐ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی اسی طرح تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا وہ مجھے صرف خیر کا حکم کرتا ہے' اس قول کی تائید سورہ حٰم سجدہ کی آیت شریفہ وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ أَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ سے بھی ہوتی ہے اور آئندہ آیت بھی اس کی مؤید ہے۔

ہر ضدی کافر کو دوزخ میں ڈال دو: .... مزید ارشاد فرمایا أَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ

مُّرِیْبِ نِ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یعنی ہر کافر کو ضرور دوزخ میں ڈال دو جو حق کو قبول نہیں کرتا تھا' خیر روکنے والا تھا۔ (یعنی دوسرے لوگوں کو اسلام لانے سے روکتا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) حد سے بڑھ جانے والا تھا، شک میں ڈالنے والا تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں اس کے دین کے بارے میں اور قیامت واقع ہونے کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈالتا تھا اور مشرک بھی تھا جس نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود اور شریک ٹھہرا رکھا تھا فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ (سو اسے ضرور ضرور سخت عذاب میں ڈال دو) قال صاحب الروح: خطاب من اللّٰه تعالٰی للسائق والشهید بناء علی انهما اثنان لاواحد جامع للوصفین او للملكین من خزنة النار' اولواحد علی ان الالف بدل من نون التوکید علی اجراء الوصل مجری الوقف واید بقراء ة الحسن (القین) بنون التوکید الخفیفة' وقیل ان العرب کثیرا مایرافق الرجل منهم اثنین فکثر علی السنتهم ان یقولوا خلیلی وصاحبی قفا واسعد احتی خاطبوا الواحد خطاب الاثنین' وما فی الایة محمول علی ذلک کما حکی عن الفراء اوعلی تنزیل تثنیة الفاعل منزلة تثنیة الفعل بان یکون اصله الق الق ثم حذف الفعل الثانی وابقی ضمیره مع الفعل الاول فثنی الضمیر للدلالة علی ماذکر.

(یعنی صیغہ تثنیہ سے خطاب سائق و شہید دو فرشتوں کو ہے یا جہنم پر مامور فرشتوں میں سے دو فرشتوں کو ہے یا خطاب تو ایک ہی فرشتہ کو ہے لیکن نون تاکید کے بدلے الف زیادہ کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب لوگ عموماً اپنے ساتھ دو آدمیوں کو رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کی زبانوں پر تثنیہ کے صیغے مثلاً خلیلی وصاحبی' قفا اور اسعدا وغیرہ کثرت سے جاری ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایک آدمی کو بھی تثنیہ کے صیغہ سے مخاطب کرنے لگے' لہٰذا آیت میں جو تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا وہ بھی اسی پر محمول ہے)

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ کافر کو جب دوزخ میں داخل کئے جانے کا حکم ہوگا تو اس کا قرین یعنی اس کا ساتھی (جس کے ساتھ رہنے اور برے اعمال کو مزین کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوا اور دوزخ میں جانے کا مستحق ہوا) یوں کہے گا کہ اے میرے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا یعنی میں نے اسے جبراً وقہراً زبردستی کافر نہیں بنایا بلکہ بات یہ ہے کہ یہ خود ہی دور کی گمراہی میں تھا اگر اس کا مزاج گمراہی کا نہ تھا اور اس کو گمراہی پسند نہ ہوتی تو میری مجال نہ تھی کہ میں اس کو کفر پر ڈالتا اور جمائے رکھتا' جب یہ گمراہ تھا میں نے اس کی گمراہی پر مدد کر دی۔

قال صاحب الروح :فاعنته علیه بالاغواء والدعوة الیه من غیر قسرولا الجاء فهو نظیر وماکان لی علیكم من سلطان. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پس میں نے اس کو گمراہ کر کے اور کفر کی دعوت دیکر اس کے کفر پر اس کی مدد کی بغیر کسی جبر واکراہ کے اور یہ جملہ وما کان لی علیکم من سلطان کی طرح کا ہے)

کافر جو قرین ہوگا وہ بھی کافر ہی تھا وہ دوزخ سے بچ جائے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر اس کے مَآ اَطْغَیْتُهٗ کہنے کا کیا مقصد ہوگا؟ اس کے بارے میں بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ یہ چاہے گا کہ میری گمراہی کا اثر صرف مجھ پر پڑے اور مزید فرد جرم مجھ پر نہ لگے اور دوسروں کی گمراہی کی وجہ سے عذاب میں اضافہ نہ ہو لیکن ایسا نہ ہوگا' دوسروں کو گمراہ کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ (میرے سامنے جھگڑا نہ کرو) وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ (اور میں نے تو پہلے ہی ہر کافر اور کافر گر کے بارے میں وعید بھیج دی تھی کہ یہ سب دوزخ کے مستحق ہیں' ابلیس کو خطاب کر کے اعلان کر دیا تھا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (میں ضرور ضرور تجھ سے اور تیری اتباع کرنے والے سے دوزخ کو بھر دوں گا)۔

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) اب

وعید کے مطابق تمہیں سزا ملنا ہی اور دوزخ میں جانا ہے۔

فائدہ:۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض فرمائی تھیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں کم کرنے کی درخواست کی تو پانچ رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ گنتی میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی رہیں گی کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس (۱۰) گنا کر کے دیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (میرے سامنے بات نہیں بدلی جاتی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح (۵۲۹) عن البخاری)

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ

جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے اور متقیوں کے لئے جنت قریب کی جائے گی

بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ

دور نہ رہے گی' یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر ایسے شخص کیلئے جو رجوع کرنے والا پابندی کرنے والا ہو جو بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل

مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾ اِۨدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

لے کر آیا' اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ' یہ ہمیشگی والا دن ہے۔ ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

دوزخ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب کیا تو بھر گئی؟ اس کا جواب ہوگا' کیا کچھ اور بھی ہے؟

ان آیات میں جنت اور دوزخ کا حال بتایا ہے دوزخ کی وسعت اور لمبائی' چوڑائی اور گہرائی مجموعی حیثیت سے اتنی زیادہ ہوگی کہ کروڑوں افراد جنات میں سے اور انسانوں میں سے داخل کئے جانے کے بعد بھی خالی ہی رہے گی اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا هَلِ امْتَلَئْتِ (کیا تو بھر گئی) اس کا جواب ہوگا کچھ اور بھی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت اور دوزخ میں آپس میں مباحثہ ہوا دوزخ نے (فخر کے طور پر) کہا کہ تکبر والے تجبر والے میرے اندر داخل ہوں گے اور جنت نے کہا کہ کیا بات ہے کہ میرے اندر صرف کمزور اور گرے پڑے اور بھولے بھالے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں تیرے ذریعہ رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دوں گا' اور تم دونوں سے بھر دینے کا وعدہ ہے۔ (رواہما البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۵۰۵)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں برابر دوزخیوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور وہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہتی رہے گی (یعنی یوں کہتی رہے گی کیا کچھ اور بھی کیا کچھ اور بھی ہے) یہاں تک کہ رب العزت تعالیٰ' اس میں اپنا قدم رکھ دیں گے اور وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس میں آپ کی عزت و کرم کا واسطہ دیتی ہوں' اور جنت میں بھی برابر جگہ خالی بچتی رہے گی اسے بھرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا فرمائے گا اور اس خالی جگہ میں ان کو آباد فرما دے گا۔

یہ جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے قدم کا ذکر آیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے اس کا معنی سمجھنے کی فکر میں نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ شانہ اعضاء و جوارح سے پاک ہے۔

وقد استشكل بعض العلماء بان الله تعالیٰ قال لابليس "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ"

فاذا امتلأت بهؤلآء فكيف تبقى خاليًا؟ وقد الهمنى الله تعالى جواب هذا الاشكال انه ليس فى الآية أنها تملأ كلها بالانس والجن فان الملا لايستلزم أن يكون كاملا لجميع اجزاء الاناء (بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا ہے کہ میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے متبعین سے بھر دوں گا تو جب جہنم ان سے بھر گئی تو وہ خالی کہاں سے رہے گی؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اشکال کا یہ جواب الہام فرمایا کہ آیت میں یہ نہیں کہ جہنم پوری کی پوری جن وانس سے بھر دی جائے گی کیونکہ کسی شے کو کسی برتن میں بھرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شے اسی برتن کے جمیع اجزاء کو مستغرق ہو جائے)۔

یہ جو جنت میں خالی جگہ بچنے کی وجہ سے مخلوق پیدا کر کے بسائی جائے گی اس کے بارے میں بعض اکابر سے کہا گیا کہ وہی مزے میں رہے کہ پیدا ہوتے ہی جنت میں چلے گئے۔ انہوں نے فرمایا انہیں جنت کا کیا مزہ آئے گا' انھوں نے دنیا نہیں بھگتی' تکلیف نہیں جھیلی' مصیبتیں نہیں کوٹیں' انہیں وہاں کے راحت وآرام کی کیا قدر ہوگی؟ مزہ تو ہمیں آئے گا' آرام کی قدر ہم کریں گے جو دنیا کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے اور مشقت ودکھ تکلیف کو دیکھا اور سہا' جھیلا اور بھگتا۔

جنت اور اہل جنت کا تذکرہ:۔ اس کے بعد جنت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ متقیوں سے قریب کر دی جائے گی' کچھ دور نہ رہے گی پھر وہ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے' اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ نعمتوں اور لذتوں کی وہ جگہ ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا ہے' یہ وعدہ ہر اس شخص سے تھا جو اَوَّابٌ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف خوب رجوع کرنے والا اور حَفِيْظٌ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کا خاص دھیان رکھنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا رہتا تھا' اہل جنت کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے تھے' دنیا میں اس حالت پر رہے اور یہاں جو پہنچے تو قلب منیب لے کر آئے' ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہتا تھا' اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی فکر میں رہتے تھے اور متقیوں سے کہا جائے گا کہ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ آج وہ دن ہے' جس میں ہیشگی کا فیصلہ کر دیا گیا' یعنی تم لوگ اس جنت میں ہمیشہ کیلئے جارہے ہو۔

جنت میں دیدار الٰہی:۔ پھر فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والوں کیلئے وہاں سب کچھ ہوگا' جس کی انہیں خواہش اور چاہت ہوگی اور نہ صرف ان کی خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی بلکہ ان کی خواہشوں سے زیادہ انہیں وہ نعمتیں ملیں گی جہاں ان کی خواہش بھی نہ پہنچے گی۔ علامہ قرطبیؒ نے حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مزید سے باری تعالیٰ شانہ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کیا تم اور کچھ چاہتے ہو جو میں تمہیں مزید دے دوں؟ یہ سن کر اہل جنت کہیں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں فرما دیئے، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا کیا، آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (ہمیں اور کیا چاہئے) اس کے بعد پردہ اٹھا دیا جائے گا پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار میں مشغول ہو جائیں گے' اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر انہیں عطا کی گئی چیزوں میں سے کوئی چیز محبوب نہ ہوگی' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ یونس کی آیت کریمہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر ان کا گزر ہوا۔

پھر فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سو کسی شخص کو علم نہیں کہ ان لوگوں کے لئے

آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ وجعلنا اللّٰہ منْ اھلھا و ادخلنا فیھا.

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا جو گرفت کرنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں، سو وہ شہروں میں چلتے پھرتے رہے کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے، جس کے پاس دل ہو یا جو ایسی حالت میں ہو کہ کان لگائے ہوئے حاضر ہو اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى

آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا، اور ہم کو تھکن نے چھوا تک نہیں، سو آپ ان باتوں پر صبر

مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ

کیجئے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اپنے رب کی تسبیح وتحمید بیان کیجئے اور رات کے حصہ میں بھی اسکی تسبیح

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

بیان کیجئے اور سجدوں کے بعد بھی۔

گزشتہ امتوں کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

اول تو ان آیات میں گزشتہ اقوام کی بربادی کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کے مخاطبین سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا وہ لوگ گرفت کرنے میں ان لوگوں سے زیادہ سخت تھے، جیسا کہ قوم عاد کے بارے میں فرمایا وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر پکڑتے ہو)۔

اور سورۂ محمد میں فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىْ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں، جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، سو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوا)

فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ (سو وہ لوگ شہروں میں چلتے پھرتے رہے جب ہلاک ہونے کا وقت آیا تو ان کی قوت اور سیر و سیاحت نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا، عذاب آنے پر کہنے لگے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے) لیکن بھاگنے کا کوئی موقع نہیں ملا اور بالآخر ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ لکھا ہے کہ فَنَقَّبُوْا کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ سے پہلے جو قومیں ہلاک ہو چکی ہیں یہ لوگ اپنے اسفار میں اپنے تباہ شدہ شہروں سے گزرتے ہیں کہ ہم بھی انہیں کی طرح راہ فرار حاصل کر لیں گے (یعنی ایسا نہیں ہے) جب ایسا نہیں ہے تو یہ لوگ کفر پر کیوں جمے ہوئے ہیں؟

اس کے بعد فرمایا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (یہ جو کچھ سابق مضمون بیان کیا گیا

اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو جو سمجھتا ہو اور حقائق سے آگاہ ہو یا ایسی حالت میں کان لگاتا ہو کہ وہ اپنے دل سے حاضر ہو) یہ بطریق **مانعة الخلو** ہے جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے دل نہیں رکھتے اور صحیح طریقہ پر حضورِ قلب کے ساتھ بات نہیں سنتے ایسے لوگ عبرت اور نصیحت حاصل کرنے سے دور رہتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان دوسری مخلوق ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ذرا سی بھی تھکن نے ہمیں نہیں چھوا' جو کمزور ہوتا ہے وہ کام کرنے سے تھک جاتا ہے' اللہ جل شانہ قوی قادر مقتدر ہے اسے ذرا بھی تھکن نہیں پہنچ سکتی' صاحب روح المعانی نے حضرت قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے' اس میں جاہل یہودیوں کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے دن سے پیدا فرمانا شروع کیا اور جمعہ کے دن فارغ ہوا اور سنیچر کے دن آرام کیا (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی جہالت ہے اور کفر ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ہ (اور اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے) مفسرین نے فرمایا کہ اس سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے ان دونوں نمازوں کی حدیث شریف میں خاص فضیلت وارد ہوئی ہے' حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج نکلنے سے پہلے اور چھپنے کے بعد نماز پڑھی ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۲)۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ (اور رات کو اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے) علماء نے فرمایا کہ اس سے قیام اللیل یعنی رات کو نماز پڑھنا مراد ہے وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (اور سجدوں کے بعد اللہ کی تسبیح بیان کیجئے) اس سے فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مراد ہے اور بعض حضرات نے نماز کے بعد تسبیحات پڑھنا مراد لیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ **قبل طلوع** سے نماز فجر اور **قبل الغروب** سے ظہر اور عصر اور **من الّیل** سے مغرب اور عشاء اور **ادبار السجود** سے فرضوں کے بعد کے نوافل مراد ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ

اے مخاطب! اس بات کو سن لے کہ جس دن پکارنے والا قریب ہی جگہ سے پکارے گا جس روز چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے یہ نکلنے

الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ

کا دن ہوگا بے شک ہم زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے' جس دن زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی جبکہ دوڑتے ہوں گے'

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ

یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے' ہم خوب جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کیجئے

مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾

جو میری نصیحت سے ڈرتا ہے۔

ع ۳ ۱۶ ۱۷

وقوع قیامت کے ابتدائی احوال اور رسول ﷺ کو تسلی

ان آیات میں اولاً وقوع قیامت کے ابتدائی احوال بیان فرمائے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ معاندین کی باتوں سے دلگیر نہ ہوں ہمیں ان کی سب باتوں کی خبر ہے وَاسْتَمِعْ (اور اے مخاطب سن لے) یعنی آئندہ جو قیامت کے احوال بیان ہونے والے ہیں انہیں دھیان سے سن' يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ (جس دن پکارے گا) یعنی حضرات اسرافیل علیہ السلام صور پھونک دیں گے، صور کی یہ آواز دور اور قریب سے سنی جائے گی یعنی ہر جگہ ہر سننے والے کو ایسا معلوم ہوگا کہ یہیں قریب سے پکارا جا رہا ہے۔ پوری زمین کے رہنے والے زندہ اور مردے سب کے سب یکساں سنیں گے۔

پہلے زمانہ میں تو لوگ اس کو سن کر کچھ تامل کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ ایک آواز کو پوری دنیا میں اور آسمانوں میں یکساں کیسے سنا جاسکتا ہے۔ لیکن آج کے حالات اور آلات نے بتادیا کہ اس میں کچھ بھی اشکال کی بات نہیں ہے' آلات تو بہت ہیں ایک ٹیلی فون ہی کو لے لو بآسانی اس کے ذریعہ ہلکی سی آواز بھی ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں سنی جاسکتی ہے دور اور نزدیک میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ (جس دن حق کے ساتھ چیخ کو سنیں گے) اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے اور بالحق فرما کر یہ بتادیا کہ اس چیخ کو یقین کے ساتھ سنیں گے جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہ ہوگی یہ جو دنیا میں کسی کو آواز پہنچتی ہے کسی کو نہیں پہنچتی ایسا نہ ہوگا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ (یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا) اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيْتُ (بے شک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم موت دیتے ہیں) وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ (اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) کہیں کسی کو بھاگ جانے اور جان بچانے کا موقع نہیں ملے گا يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا (جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہونگے) ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ (ہمارے نزدیک یہ جمع کرنا آسان ہے) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں) فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ. (سو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے)۔

آپ کی تذکیر تو عام ہے جو قبول کرنے والوں اور نہ قبول کرنے والوں کیلئے برابر ہے تاہم جو لوگ وعید کو سنتے ہیں پھر ڈرتے ہیں ان کی طرف خاص توجہ فرمائیے یوں زبردستی منوالینا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔

لقدتم تفسير سورة ق بفضل الله و برحمته

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الذاریات	۶۰ آیتیں ۳ رکوع

ایاتہا ۶۰ (۵۱) سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۶۷) رکوعاتہا ۳

سورۃ الذاریات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ساٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

قسم ہے ہواؤں کی جو (غبار وغیرہ کو) اڑاتی ہیں، پھر ان بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں، پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں، تم سے جس کا وعدہ کیا

لَصَادِقٌ ۝۵ وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸

جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور جزاء ضرور ہونے والی ہے، قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو۔

یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ یَسْـَٔلُوْنَ

اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے، غارت ہو جائیں گے اٹکل پچو باتیں کرنیوالے جو جہالت میں بھولے ہوئے غارت ہو جائیں۔ پوچھتے ہیں کہ

اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۝۱۲ یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ

روز جزا کب ہو گا۔ جس دن وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے، اپنی اس سزا کا مزہ چکھو، یہی ہے جس کی تم

بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

جلدی مچایا کرتے تھے۔

قیامت ضرور واقع ہوگی، منکرین عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے

یہاں سے سورۃ الذّاریات شروع ہو رہی ہے، اس میں الذّاریات، اور الحاملات اور الجاریات اور المقسمات کی قسم کھائی ہے، اس میں ذَرْوًا اور یُسْرًا تو مفعول مطلق ہیں۔ اور وقرًا اور امرًا مفعول بہ ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے جو ترجمہ میں لکھ دی گئی ہے، چاروں چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تم سے جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ سچ ہے اور جزاء یعنی اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے، یعنی قیامت ضرور قائم ہوگی، بنی آدم

میدان حشر میں حاضر ہوں گے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان میں فرشتے ہیں، جو آسمان میں رہنے والی مخلوق ہے اور بادل ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہوتے ہیں اور ہوائیں ہیں جو زمین کے اوپر چلتی ہیں اور اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آتی جاتی ہیں، اور کشتیاں ہیں جو سمندر اور نہروں میں چلتی ہیں، ان چیزوں کے جاننے والے اور دیکھنے والے غور وفکر کریں گے تو یہ سمجھ میں آ جائے گا کہ قیامت قائم ہونے میں شک کرنا غلط ہے، جس ذات پاک کے یہ تصرفات ہیں اس کیلئے قیامت قائم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، اس نے وقوع قیامت کی خبر اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ دی ہے یہ خبر سچی ہے

اس کے بعد آسمان کی قسم کھائی اور فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ کہ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے آنے جانے کے) راستے ہیں تم لوگ ایک ایسی گفتگو میں لگے ہوئے ہو، جس میں اختلاف ہو رہا ہے کوئی قیامت کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی جھٹلاتا ہے اس میں جو لوگ قول حق کے مخالف ہیں یعنی وقوع قیامت کی تکذیب کر رہے ہیں، وہ اس قول سے ہٹائے جا رہے ہیں، یعنی جس کو بالکل ہی خیر سے اور حق سے محروم ہونا ہے وہی اس قول حق سے ہٹتا اور بچتا ہے۔

پھر فرمایا قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ غارت ہو جائیں اٹکل پچو باتیں کرنے والے (یعنی جھوٹے لوگ) جو قرآن کو جھٹلاتے ہیں، دلائل سامنے ہوتے ہوئے ان میں غور نہیں کرتے اپنی جاہلانہ اٹکل کو سامنے رکھ کر تکذیب کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (جو جہل عظیم میں پڑے ہوئے ہیں غافل ہیں)

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ (تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا جزا کا دن)

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ (یہ بدلہ کا دن اس دن ہوگا جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے) ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے) دنیا میں تم باتیں بناتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ بدلہ کا دن کب ہوگا کب ہوگا؟ اب یہ دن آ گیا انکار کی سزا بھگت لو اور جلدی مچانے کا مزہ چکھ لو۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾

بلاشبہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے، ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اسے لینے والے ہوں گے، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے،

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے، اور رات کے آخری اوقات میں استغفار کرتے تھے، ان کے مالوں میں حق تھا، سوال کرنے والے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

کیلئے اور محروم کے لئے۔

متقی بندوں کے انعامات کا اور دنیا میں اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کا تذکرہ

مکذبین کی سزا بتانے کے بعد مؤمنین متقین کا انعام بتایا اور فرمایا کہ متقی لوگ باغوں میں چشموں میں ہوں گے ان کے رب کی طرف سے انہیں وہاں جو کچھ دیا جائے گا اس کو (بڑی خوشی سے) لینے والے ہوں گے، دنیا میں یہ حضرات گناہوں سے تو بچتے ہی تھے، جس کی وجہ سے انہیں متقین کے لقب سے سرفراز فرمایا، اعمال صالحہ بھی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور اس کی وجہ سے انہیں محسنین کے لقب

سے ملقب فرمایا' ان کے نیک کاموں میں ایک بڑا قیمتی عمل یہ تھا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے، نمازیں پڑھتے رہتے تھے، دنیا سوتی رہتی اور یہ لوگ جاگتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ سے لولگاتے تھے۔

قال صاحب الروح: ناقلاً عن الحسن: کابدوا قیام اللیل لاینا مون منه الاقلیلًا وعن عبداللّٰہ بن رواحة رضی اللّٰہ عنه ھجعوا اقلیلاً ثم قاموا

(صاحب روح المعانی حسنؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے رات کے قیام میں بڑی مشقت جھیلی کہ رات کو بس تھوڑی دیر ہی سوتے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے مروی ہے کہ وہ بہت تھوڑا سوتے تھے پھر کھڑے ہوجاتے تھے)

یہ لوگ راتوں کو نماز پڑھتے تھے اور راتوں کے آخری حصہ میں استغفار کرتے تھے (انہیں راتوں رات نماز پڑھنے پر غرور نہیں تھا) اپنے اعمال کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے کوتاہیوں کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ اہل ایمان کا یہ طریقہ ہے کہ نیکی بھی کرے اور استغفار بھی کرے تاکہ کوتاہی کی تلافی ہوجائے۔

ان حضرات کی جسمانی عبادت کا تذکرہ فرمایا ' ان کے مالوں میں حق ہے' سوال کرنے والوں کے لئے اور محروم کے لئے یعنی اپنے مالوں کا جو حصہ اہل حاجت کو دیتے ہیں' اس کے دینے کا ایسا اہتمام کرتے ہیں جیسے ان کے ذمہ واجب ہو اس لئے اس کو حق سے تعبیر فرمایا۔

لفظ سائل کا ترجمہ تو معلوم ہی ہے محروم کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں' بعض حضرات نے فرمایا کہ سائل کے مقابلہ میں ہے' یعنی جو شخص سوال نہیں کرتا وہ محروم ہے جو سوال نہیں کرتا وہ اس لئے محروم رہ جاتا ہے کہ لوگ اس کا حال جانتے نہیں اور وہ خود بتاتا نہیں لہٰذا دینے والے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے' جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ اور ایک کھجور اور دو کھجور لئے لئے پھرتے ہوں لیکن مسکین وہ ہے جس کے پاس حاجت پوری کرنے کیلئے کچھ بھی نہ ہو' اور لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ (پتہ چل جاتا تو صدقہ کردیتے) اور وہ سوال کرنے کے لئے کھڑا بھی نہ ہوتا۔ (رواہ البخاری ج ۱)

یعنی وہ اسی طرح اپنی حاجت دبائے ہوئے وقت گزار دیتا ہے' صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے محروم کا یہ معنی لکھا ہے کہ وہ کمانے کی تدبیر تو کرتا ہے لیکن دنیا اس سے پشت پھیر لیتی ہے اور وہ لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ پھر حضرت زید ابن اسلمؒ سے نقل کیا ہے کہ محروم وہ ہے جس کے باغوں کا پھل ہلاک ہوجائے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ جس کے مویشی ختم ہوجائیں' جن سے اس کا گزارا تھا' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے' اور تمہاری جانوں میں' کیا تم نہیں دیکھتے' اور آسمان میں تمہارا رزق ہے' اور جس کا تم

تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

سے وعدہ کیا جاتا ہے' سو قسم آسمان اور زمین کے رب کی بے شک وہ حق ہے جیسا کہ تم بول رہے ہو۔

زمین میں اور انسانوں کی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور رازقیت بیان فرمائی ہے' ارشاد فرمایا کہ زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں

ہیں۔ اور تمہاری جانوں میں بھی نشانیاں ہیں۔ ان میں غور کرنے سے تمہاری سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ اپنی مخلوق میں جو ایسے ایسے تصرفات کرنے والا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے والا اس بات کو کچھ سمجھ سکتا ہے کہ قیامت قائم کرنا اس ذات کیلئے کچھ مشکل نہیں جس کے یہ تصرفات ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اور اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے)

پھر فرمایا کہ آسمانوں میں تمہارا رزق ہے اور جو کچھ وعدہ کیا جاتا ہے وہ بھی ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رزق سے بارش مراد ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور وہ انسانوں کی خوراک یعنی کھانے پینے کی چیزیں پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے اور وَمَا تُوْعَدُوْنَ کے بارے میں حضرت مجاہدؒ نے نقل کیا ہے کہ اس سے خیر و شر مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ثواب اور عقاب مراد ہے یہ دونوں مقرر ہیں اور مقدور ہیں۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ پھر فرمایا کہ آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ اسی طرح حق ہے جیسے تم باتیں کرتے ہو تمہیں اپنی باتیں کرتے وقت اس بات میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ ہم بول رہے ہیں اور یہ بات بہت واضح ہے اَنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رزق کی طرف یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف یا قرآن کی طرف یا دین (جزاء) کی طرف راجع ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے سب حق ہے لیکن ثواب اور عقاب کی طرف راجع ہونا زیادہ اوفق اور اظہر ہے ان دونوں کا تعلق چونکہ یوم جزاء سے ہے اس لئے ان کے مراد لینے سے یوم الدین کے واقع ہونے کا تذکرہ مزید موکد ہو جاتا ہے جس کے وقوع کا مخاطبین انکار کرتے تھے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ

وقف لازم

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ کو پہنچی ہے' جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا' ابراہیم نے بھی کہا سلام ہو'

مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ

انجان لوگ ہیں۔ پھر اپنے گھر والوں کی طرف چلے تو ایک موٹا بچھڑا لے آئے۔ پھر اسے انکے پاس لا کر رکھا' کہنے لگے کیا تم نہیں کھاتے؟ پھر ان کی طرف

مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ

سے دل میں ڈر محسوس کیا انہوں نے کہا کہ ڈرو نہیں اور انہوں نے ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دی' اور پھر ان کی بیوی زور سے پکارتی ہوئی آئی' پھر اس نے اپنے

وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

ماتھے پر ہاتھ مارا' کہنے لگی بڑھیا ہوں' بانجھ ہوں' فرشتوں نے کہا کہ تمارے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے بیشک وہ حکمت والا ہے' علم والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کا آنا اور صاحبزادہ کی خوشخبری دینا' اور آپ کی بیوی کا تعجب کرنا

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے (جو بابل کے آس پاس تھا) ہجرت فرما کر فلسطین میں قیام فرما لیا تھا' آپ کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی ہجرت کر کے ملک شام میں

آ کر بس گئے تھے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا تھا' حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی وہ شام کے علاقہ میں نہر اردن کے آس پاس تھی' یہ لوگ بڑے نافرمان تھے' بُرے کام میں لگے رہتے تھے۔ مردوں سے قضاءِ شہوت کیا کرتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا لیکن یہ لوگ ایمان نہ لائے نہ اپنی حرکتوں سے باز آئے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کیلئے فرشتوں کو بھیجا' یہ فرشتے انسانی شکل میں اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے چونکہ یہ حضرات اللہ کے مقرب اور مکرم بندے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ کیا آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ یہ حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو سلام کیا' انھوں نے سلام کا جواب دے دیا لیکن چونکہ ان حضرات سے ابھی ابھی نئی ملاقات ہوئی تھی' اس لئے قَوْمٌ مُّنكَرُوْنَ فرمایا یعنی آپ حضرات بے جان پہچان کے لوگ ہیں۔ ابھی آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اندر اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لے گئے اور بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے کر باہر تشریف لائے اور مہمانوں کے پاس رکھ دیا اور کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ کیا آپ حضرات نہیں کھاتے' زبان سے کہنے پر بھی انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا' یہ ماجرا دیکھا تو مزید توحش ہوا' یہاں سورۃ الذاریات میں ہے فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً فرمایا کہ ان کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا اور سورۃ الحجر میں ہے کہ زبان سے اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ فرمادیا کہ ہم آپ سے خوف زدہ ہورہے ہیں' مہمانوں نے کہا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ کہ آپ نہ ڈریئے ہم آپ کو ایک صاحب علم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں' اب مجھے کیسی بشارت دے رہے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی وہیں کھڑی تھی ان کو خوشخبری سنائی کہ تمہارا ایک بیٹا اسحاق ہوگا اور اس کا بھی ایک بیٹا ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے کیا میں اب جنوں گی اور حال یہ ہے کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو عجیب بات ہے۔ یہ مضمون سورۂ ہود میں مذکور ہے۔ یہاں سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ کہ ان کی بیوی بولتی ہوئی پکارتی ہوئی آئیں فَصَكَّتْ وَجْهَهَا انہوں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ اور کہنے لگیں میں بڑھیا ہوں' بانجھ ہوں۔ یہاں سورۃ الذاریات میں لفظ عقیم یعنی بانجھ کا بھی اضافہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی بوڑھے تو تھے ہی اس سے پہلے اس خاتون سے کبھی اولاد بھی نہیں ہوئی تھی۔ فرشتوں نے کہا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے بیشک وہ جب چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' فرشتوں کی بشارت کے مطابق لڑکا پیدا ہوا اور اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی وجود میں آیا' جس کا لقب اسرائیل تھا اور سب بنی اسرائیل ان کی اولادیں ہیں۔
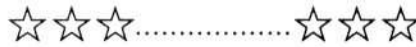
(پارہ نمبر ۲۷)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ

ابراہیم نے کہا کہ اے بھیجے ہوئے لوگو! تم کو کیا بڑا کام کرنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں' تاکہ ہم ان پر ایسے پتھر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ

برسائیں جو مٹی سے بنائے گئے ہوں' جن پر آپ کے رب کے پاس سے خاص نشان بھی ہے۔ ان کیلئے جو حد سے گزرنے والوں میں سے ہیں۔ سو ان میں جتنے ایمان والے تھے'

فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً

انہیں ہم نے نکال دیا' سو اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا، اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

کے لئے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ یقین کرلیا کہ یہ فرشتے ہیں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو سوال فرمایا کہ آپ حضرات کیا مہم لے کر آئے ہیں؟ تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یہ مجرم لوگ ہیں' ہمیں ان کو ہلاک کرنا ہے' ان کی ہلاکت کا یہ طریقہ ہوگا کہ ہم ان پر آسمان سے پتھر برسا دیں گے۔ یہ پتھر مٹی سے بنائے ہوئے ہوں گے (جن کا ترجمہ کھنگر کیا گیا ہے) ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے' بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پتھروں پر نام لکھے ہوئے تھے' جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا' اسی پر گرتا تھا' یہ مُسَوَّمَةً کا مطلب ہے (وفیہ اقوال اُخر) فرشتوں نے کہا کہ یہ پتھر مُسْرِفِيْنَ یعنی حد سے گزر جانے والوں کیلئے تیار کئے گئے ہیں سورۃ العنکبوت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (بے شک ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں' بلاشبہ اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں) جب فرشتوں نے بستی کا نام لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فکرمند ہوئے قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا۔ (کہ اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں) فرشتوں نے جواب میں کہا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا (ہمیں ان لوگوں کا خوب پتہ ہے جو اس بستی میں ہیں) لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے) یہ سورۂ عنکبوت کا مضمون ہے اور یہاں سورۃ الذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اس بستی میں جو اہل ایمان ہیں ان کو ہم نے مجرمین سے علیحدہ کر دیا ہے) یہ لوگ ہمارے علم میں ہیں' جو تھوڑے ہی سے ہیں' جس گھر کا تذکرہ فرمایا یہ گھر حضرت لوط علیہ السلام کا تھا' جس میں ان کے آل واولاد تھے جو مؤمن تھے' ہاں ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے یَعْنِی لُوْطًا وَّابْنَتَیْهِ یعنی حضرت لوط علیہ السلام اوران کی دو بیٹیاں تینوں افراد نجات پا گئے اور عذاب سے بچا لئے گئے۔ روح المعانی میں حضرت سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ اہل ایمان میں تیرہ افراد تھے اگر اس بات کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ باقی دس افراد حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جانا اسے بھی عذاب پہنچنے والا ہے جو دوسرے مجرمین کو پہنچے گا۔ جب یہ حضرات رات کو بستی سے باہر نکل گئے تو سورج نکلتے وقت ان کی قوم کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور ان کا تختہ الٹ دیا گیا یعنی اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا اور ان پر کھنکر کے پتھر برسا دیئے گئے یہ تینوں عذاب سورۃ الحجر میں مذکور ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان کو چیخ نے بھی پکڑا اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور جو لوگ ادھر اُدھر باہر نکلے ہوئے تھے وہ اسی پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ آخر میں فرمایا وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں) واقعہ کا تذکرہ عبرت دلانے کیلئے ہے لیکن لوگوں نے ان کی ہلاکت شدہ بستیوں کو سیر و سیاحت کی جگہ بنا رکھا ہے۔ ان بستیوں کی جگہ بحر میت کھڑا ہے لوگ تفریح کے طور پر سفر کرتے ہیں، عبرت حاصل نہیں کرتے، سارے انسانوں پر لازم ہے کہ سابقہ امتوں کے واقعات سے عبرت لیں اور نصیحت حاصل کریں، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ سورۂ انعام ع/۱۰ اور سورۂ ہود ع/۷ اور سورۃ الحجر ع/۴، ع/۵ اور سورۃ النمل ع/۵ اور سورۃ الانبیاء ع/۵ اور سورۃ العنکبوت ع/۳، ع/۴ میں بھی مذکور ہے۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

اور موسیٰ کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ہم نے انہیں فرعون کے پاس کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ بھیجا۔ سو فرعون نے اپنی جماعت کیساتھ روگردانی کی اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾

سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، سو ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اور اس حال میں کہ وہ ملامت کا کام کرنے والا تھا۔ اور عاد کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر ہوا بھیج دی جو ہر خیر سے خالی

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾

تھی۔ وہ جس چیز پر بھی گزرتی تھی، اسے ایسی بنا دیتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے اور ثمود کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا کہ تھوڑے سے وقت تک نفع حاصل کر لو۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا

سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی لہٰذا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ سو وہ کھڑے نہ ہو سکے اور نہ بدلہ

مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ع ۲ ۲۳

لے سکے اور ان سے پہلے نوح کی قوم کا ایسا ہی حال ہوا، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔

فرعون اور قوم عاد وثمود کی بربادی کا تذکرہ

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرعون اور عاد اور ثمود کی سرکشی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت ہے، ہم نے انہیں کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا یعنی انہیں متعدد معجزات دیئے انہیں دیکھ کر ہر صاحبِ عقل فیصلہ کرسکتا تھا کہ یہ شخص واقعی اپنے دعوائے نبوت میں سچا ہے اور اس کا حق کی دعوت دینا اور خالق اور مالک جل مجدہٗ کی توحید اور عبادت کی طرف بلانا حق ہے لیکن فرعون نے حق سے اعراض کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور انہیں جادوگر اور دیوانہ بتایا اس نے جو یہ حرکت کی یہ اس بنیاد پر تھی کہ اس کے ساتھ اس کی جماعت کے لوگ اور درباری سردار تھے غرور اور تکبر اسے لے ڈوبا وہ بھی ڈوبا اس کے ساتھ اس کے لشکری بھی ڈوبے، اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں، جس کی وجہ سے اس پر ملامت آ گئی اپنے نفس کی طرف سے بھی مستحقِ ملامت ہوا اور اپنے عوام کی طرف سے بھی۔

فرعون کی ہلاکت اور بربادی اور ڈوبنے کا قصہ کئی سورتوں میں گزر چکا ہے اور سورۂ نازعات میں بھی آ رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا سورۂ انعام، سورۂ ہود، سورۃ الشعراء اور سورۂ حم سجدہ میں ان کی ہلاکت کا تذکرہ گزر چکا ہے اور سورۃ الحاقہ میں بھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا، ان لوگوں نے سرکشی کی اور کبر اور طاقت کے گھمنڈ میں یہاں تک کہہ گئے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر طاقت میں کون ہے) اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت تیز ہوا بھیج دی جو سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی، ہوا میں خیر ہوتی ہے جو بارش لے کر آتی ہے لیکن جو ہوا ان پر بھیجی گئی، وہ بالکل ہی ہر خیر سے خالی تھی اسی لئے اسے یہاں سورۃ الذاریات میں ''اَلرِّيْحَ الْعَقِيْمَ '' فرمایا، عربی میں عقیم بانجھ کو کہتے ہیں جیسے بانجھ عورت سے کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح عاد کو برباد کرنے والی ہوا میں کچھ بھی خیر نہ تھی۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ جب ہوا چلی تو وہ لوگ ایسے گرے ہوئے پڑے تھے جیسے کھجور کے درخت کے وہ تنے پڑے ہوئے ہوں جو اندر سے خالی ہوں یہاں سورۃ الذاریات میں اس ہوا کی سختی بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہ جس چیز پر بھی گزرتی اسے رَمِيْمٌ یعنی چورا چورا بنا کر رکھ دیتی تھی، جو ہڈیاں گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں یا گھاس پھونس دبدبا کر گھس پٹ کر بھوسہ بن جائے اس کو رمیم کہا جاتا ہے۔

قال صاحب الروح ناقلاعن الراغب: يختص الرم بالفتات من الخشب والتبن والرمة بالكسر تختص بالعظم البالي'' (صاحب روح المعانی امام راغبؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ الرم ٹوٹی پھوٹی ہوئی لکڑیوں اور گھاس کے لئے خاص ہے اور الرمۃ بوسیدہ ہڈیوں کے لئے خاص ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افراد تو کھجوروں کے تنوں کی طرح گر گئے تھے اور باقی چیزیں (جانور وغیرہ) ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے جثے بھی بعد میں ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں یہ ہوا کہ پچھم کی طرف سے آنے والی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۲ عن البخاری)

بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بھیج دی تھی)

اور دبور کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی۔ صبا وہ ہوا جو مشرق کی طرف سے چل کر آئے اور دبور وہ ہوا جو مغرب کی طرف سے چل کر آئے۔

اس کے بعد ثمود کی بربادی کا ذکر فرمایا ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، انہوں نے انہیں توحید کی دعوت دی،

سمجھایا لیکن وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے' ان کا تذکرہ بھی ان سورتوں میں گزر چکا ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پہاڑ سے اونٹنی برآمد فرمائی تھی اور ان لوگوں کو بتا دیا کہ یہ اونٹنی ایک دن تمہارے کنویں کا پانی پئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پئیں گے' یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اونٹنی کو قتل کرنے کا مشورہ کیا' حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور تم اسے برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا) وہ لوگ نہ مانے بالآخر اس اونٹنی کو قتل کر ہی دیا' اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اٹھالو) یعنی زندہ رہ لو اور کھا پی لو، اسکے بعد تمہاری بربادی اور ہلاکت ہے ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے بالکل سچا ہے) چنانچہ ان پر عذاب آیا اور انہیں ہلاک کر کے رکھ دیا' اس عذاب کو یہاں الصاعقة فرمایا اور سورۂ حم سجدہ میں صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ سے تعبیر فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ صاعقہ ہر عذاب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اصل لغوی معنی وہ عذاب ہے جو بجلی کے گرنے یا بادلوں کے گرجنے سے ہو۔ سورۂ ہود اور سورۂ قمر میں ان کے عذاب کو صَيْحَةٌ سے تعبیر کیا ہے وہ چیخ کے معنی میں ہے۔ بہر حال ان لوگوں پر تین دن بعد عذاب آیا اور لوگ دیکھتے ہی رہ گئے اسی کو فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۔ سورۂ ہود میں فرمایا: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا کہ وہ گھٹنوں کے بل اپنے گھروں میں ایسے گرے گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو عذاب کو دفع نہیں کر سکے' کسی سے مدد نہیں لے سکے' اللہ تعالیٰ سے انتقام نہیں لے سکے وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت: .... اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرمایا یعنی ان لوگوں سے پہلے قوم نوح بھی عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے یہ لوگ بھی فاسق یعنی نافرمان تھے قال فی معالم التنزیل:

''وقوم نوح'' قرأابو عمرو وحمزة والكسائي ''وقوم'' بجرالميم اى وفى قوم نوح وقرأالأخرون بنصبها بالحمل على المعنى وهوان قوله ''فاخذناه وجنوده فنبذناهم فى اليمّ'' معناه اغرقناهم كانه واغرقنا قوم نوح ''من قبل'' اى من قبل هولاء وهم عادو ثمود وقوم فرعون ا ھ (وقوم نوح: ابوعمرو، کسائی اور حمزہ نے قومِ میم کے کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وفی قوم نوح اور قوم نوح میں اور دیگر حضرات نے معنی پر محمول کرتے ہوئے میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہم نے اسے پکڑا اور اس کے لشکروں کو اور ہم نے انہیں دریا میں پھینکا یعنی ہم نے انہیں غرق کیا گویا کہ یہاں بھی یہی معنی ساتھ لگتا ہے کہ ہم نے قوم نوح کو غرق کیا اس سے پہلے یعنی ان لوگوں عاد، ثمود اور قوم فرعون سے پہلے)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝۴۷ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸ وَمِنْ

اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا اور بے شک ہم وسیع قدرت والے ہیں' اور زمین کو ہم نے فرش بنایا سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں' ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۴۹ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ

سے ہم نے دو قسمیں بنائی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ سو تم اللہ کی طرف دوڑو' بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا

مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ

ڈرانے والا ہوں' اور اللہ کیساتھ دوسرا معبود قرار نہ دو' بے شک میں تمہیں اسکی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں' اسی طرح اس سے پہلے انکے پاس کوئی

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾

رسول نہیں آیا' جسے انہوں نے دیوانہ یا جادوگر نہ بتایا ہو' کیا وہ لوگ آپس میں اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

سو آپ ان کی طرف سے اعراض کیجئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر' اور اللہ کی طرف دوڑنے کا حکم

ان آیات میں آسمان اور دوسری مخلوقات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور موحّد بننے اور توحید پر قائم رہنے کا حکم فرمایا' اولاً آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ (اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا) یعنی ہماری قوت اور قدرت بہت زیادہ ہے اپنے ارادہ کے مطابق جو چاہیں کر سکتے ہیں اتنے بڑے آسمان کا پیدا فرمانا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے یہ وہی بات ہے جو سورۂ قٓ کی آیت وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ میں مذکور ہے۔ حضرت حسنؒ سے لَمُوْسِعُوْنَ کا ترجمہ یہ منقول ہے کہ ہم رزق میں وسعت دینے والے ہیں۔

ثانیاً زمین کا تذکرہ فرمایا کہ زمین کو ہم بچھانے والے ہیں۔ زمین کے بچھونے پر انسان لیٹتے ہیں، سوتے ہیں' اسی کو سورۃ الغاشیہ میں فرمایا وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (اور کیا زمین کو نہیں دیکھتے کیسے بچھادی گئی)

ثالثاً: یہ فرمایا کہ ہم نے ہر قسم سے دو چیزیں بنائی ہیں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے متقابلات مراد ہیں یعنی رات دن اور شقاوت وسعادت اور ہدایت وضلال اور آسمان وزمین اور سیاہی وسفیدی وصحت اور مرض وغیرہ ذلک۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) یعنی ہماری ان نعمتوں کو دیکھ کر رب ذوالجلال قادر مطلق کی طرف متوجہ ہو اور اس کی عبادت میں لگو۔

رابعاً: فرمایا فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (سو تم اللہ کی طرف دوڑو) اسکی عبادت بھی کرو' اور نافرمانی سے بھی باز رہو۔

خامساً: فرمایا اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (کہ اے رسول! آپ ان سے فرمادیں کہ میں تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں۔

سادساً: فرمایا وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت قرار دو)۔

سابعاً: اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کو پھر دوہرادیا۔

ثامناً: یہ فرمایا کہ اے رسول! تمہارے بارے میں جو کچھ مخالفین کہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح اُن سے پہلے ان لوگوں کے پاس جو بھی کوئی رسول آیا اس کے بارے میں انہوں نے یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر یا دیوانہ ہے (جس طرح ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں)

تاسعاً: فرمایا اَتَوَاصَوْا بِهٖ (کیا آپس میں ایک قوم نے دوسری قوم کو وصیت کی تھی کہ ہمارے طرح تم بھی ایسی ایسی باتیں کرنا) یہ

استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی لیکن چونکہ سرکشی میں سب ہی مشترک ہیں اس لئے دورِ حاضر کے مکذبین اور ان سے پہلے معاندین سب ہی کو ان کی طغیانی اور سرکشی نے رسولوں کی تکذیب پر ابھارا اور آمادہ کیا۔

عاشراً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ آپ ان کی طرف سے اعراض کریں۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے' آپ نے پہنچا دیا محنت کر لی جو شخص ان میں سے ایمان نہ لائے' وہ اس کی شقاوت کی بات ہے فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں بنایا۔

آخر میں وعظ اور نصیحت کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا ایمان والوں کو نفع دیتا ہے) یعنی جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان مقدر فرمایا ہے آپ کا نصیحت کرنا ان کے لئے نفع مند ہوگا اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید بصیرت حاصل ہوگی اور یقین میں قوت حاصل ہوگی (ذکرہ صاحب الروح)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور یہ نہیں چاہتا کہ مجھے کھلائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ

بلاشبہ اللہ وہ ہے جو خوب رزق دینے والا ہے، قوت والا ہے' نہایت ہی قوت والا ہے سو بیشک ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا ان کیلئے عذاب کا بڑا حصہ ہے جیسا کہ انکے ہم مشربوں کا تھا' سو وہ مجھ

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

سے جلدی نہ کریں۔ سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے' ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

ع ۳ / ۱۴ / ۲

اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے
وہ بڑا رزق دینے والا ہے' کسی سے رزق کا طالب نہیں

یہ پانچ آیات ہیں پہلی آیت میں نہایت واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ ہم نے جنات کو اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جنہیں عقل اور فہم سے نوازا ہے ان میں فرشتے بھی ہیں اور جنات و انسان بھی ہیں' انسان اور جنات کا اختیار اور اقتدار بھی بہت زیادہ ہے۔ ان دونوں قوموں کے لئے فرمایا کہ ہم نے انہیں صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے لیکن ان میں عبادت کرنے والے کم ہیں شر اور شرارت اور سرکشی والے زیادہ ہیں حالانکہ انہی کا سب سے زیادہ فرمانبردار عبادت گزار ہونا لازم ہے' ایک طرف تو انہیں متوجہ فرما دیا کہ تم صرف عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہو' اور دوسری طرف نافرمانی کی سزا بھی بتا دی' سورۂ ہود میں فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ انسانوں اور جنات پر لازم ہے کہ خالق جلّ مجدہٗ کی عبادت اختیار کریں۔ فسق اور کفر سے بچیں اور اپنے کو دوزخ میں جانے والا نہ بنائیں۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلائیں، اس میں شانِ بے نیازی کا اظہار فرمایا کہ جس طرح دنیا والے اپنے غلاموں سے کسب اور کمائی چاہتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ ہمیں کما کر دیں تا کہ ہمارا رزق کا

کام چلے یہ صرف اہل دنیا کی خواہشیں اور تقاضے ہیں میں نے جو جن اور انس کو عبادت کا حکم دیا ہے اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں میں ان سے رزق کا امیدوار نہیں ہوں۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰـهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (بلاشبہ اللہ بہت زیادہ رزق دینے والا ہے وہ قوت والا ہے اور نہایت ہی قوت والا ہے) وہی سب کو رزق دیتا ہے وہ قوت والا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی قوت والا نہیں پھر بھلا وہ بندوں سے رزق کا کیا امیدوار ہوسکتا ہے۔

اسکے بعد ظالموں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ظالموں کے لئے عذاب کا بڑا حصہ ہے جیسا کہ ان سے پہلے ان جیسے لوگوں کا حصہ تھا لہٰذا عذاب آنے کی جلدی نہ مچائیں کفر کے باعث ان پر عذاب آنا ہی ہے دیر لگنے کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہ ہوجائے گا۔

لفظ ذنوب بھرے ہوئے ڈول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بطور استعارہ یہاں نصیب کی معنی میں آیا ہے آخر میں فرمایا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۔ (سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بدر کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیامت کا دن مراد ہے۔ واللّٰـه تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب.

وقدانتهى تفسير سورة الذاريات بفضل المليک الحنان المنان والصلٰوة والسلام على رسوله سيد الانسان والجان وعلٰى من تبعه باحسان الٰى يوم يدخله فيه المؤمنون الجنان ويجارون من عذاب النيران.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الطّور	۴۹ آیتیں ۲ رکوع

اٰیَاتُہَا ۴۹ (۵۲) سُوْرَۃُ الطُّوْرِ مَکِّیَّۃٌ (۷۶) رُکُوْعَاتُہَا ۲

سورۃ الطور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انچاس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵

قسم ہے طور کی اور کتاب مسطور کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہوئی ہے اور بیت معمور کی اور سقف مرفوع کی،

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَہٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ یَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ

اور بحر مسجور کی، بلا شبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں، جس دن آسمان

مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا ۝۱۰ فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝۱۱ الَّذِیْنَ ہُمْ فِیْ خَوْضٍ

تھرتھرانے لگے گا، اور پہاڑ چل پڑیں گے، سو اس دن بڑی خرابی جھٹلانے والوں کے لئے جو بیہودگی میں لگے

یَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳ ہٰذِہِ النَّارُ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِہَا تُکَذِّبُوْنَ ۝۱۴

رہتے ہیں، جس دن انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دیئے جائیں گے۔ یہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

اَفَسِحْرٌ ہٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْہَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ اِنَّمَا

کیا یہ جادو ہے، یا تم نہیں دیکھتے، اس میں داخل ہو جاؤ صبر کرو یا نہ کرو برابر ہے تمہارے حق میں، تمہیں

تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

انہی اعمال کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔

وقف لازم

قیامت کے دن منکرین کی بدحالی، انہیں دھکے دے کر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جس کی بڑی اہمیت ہے اس کے بعد فرمایا ہے کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے، قیامت کو جھٹلانے والے اس کے وقوع کے منکر ہیں ان کے شک اور انکار کو رد کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار قسمیں کھائی ہیں۔ سورۃ الذاریات کا افتتاح اور سورۃ النازعات کی ابتداء بھی اسی طرح ہے۔ ان آیات میں اولاً طُور پہاڑ کی قسم کھائی یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اس کے بعد کتاب مسطور کی قسم کھائی مسطور بمعنی مکتوب ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں چند اقوال نقل کئے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے بندوں کے اعمال نامے مراد ہیں جو قیامت کے دن کسی کو داہنے ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بعض حضرات نے اس سے قرآن کریم مراد لیا ہے' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔ کتاب مسطور کی صفات بتاتے ہوئے فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ فرمایا رق جلد رقیق یعنی پتلے چمڑے کو کہا جاتا ہے جب دنیا میں کاغذ نہیں تھے تو اس میں لکھا کرتے تھے اور منشور کا معنی ہے کھلی ہوئی چیز' جن حضرات نے کتاب مسطور سے اعمال نامے مراد لئے ہیں ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الاسراء میں اعمال ناموں کے بارے میں وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا فرمایا ہے۔

اس کے بعد بیت معمور کی قسم کھائی شب معراج میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم بالا میں دیکھا تھا آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بیت معمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکل کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ کبھی نہیں آتی (صحیح مسلم ص ۹۴ ج ۱)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آسمان میں بیت المعمور کی حرمت وہی ہے جو زمین میں کعبہ معظمہ کی حرمت ہے' اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں' اس کا طواف کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی ان کے دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

اس کے بعد اَلسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ یعنی بلند چھت کی قسم کھائی روح المعانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے عرش الٰہی مراد ہے جو جنت کی چھت ہے۔

اس کے بعد اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کی قسم کھائی جس کا ترجمہ ہے وہ سمندر جو دھکایا گیا یعنی خوب اچھی طرح تنور کی طرح جلایا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر منقول ہے سورۃ التکویر میں قیامت کے دن کے احوال میں وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ جو فرمایا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے سجرت بمعنی او قدت لکھا ہے کہ جب سمندروں کو جلایا جائے گا اور اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کا ایک ترجمہ البحر المملوء یعنی بھرا ہوا سمندر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سمندر کا سفر صرف وہ آدمی کرے جو حج یا عمرہ کیلئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی طرف روانہ ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۳۴۷ ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ جلّ نے چند امور کی قسم کھائی ہے کہ اول کوہ طور کی قسم کھائی جو وادیٔ مقدس ہے' پھر کتاب مسطور کی قسم کھائی' جس میں بندوں کے اعمال درج ہیں' اس کے بعد بیت المعمور کی قسم کھائی جو فرشتوں کے طواف کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہونے کا مقام ہے پھر السقف المرفوع کی قسم کھائی جو فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے' وہاں سے آیات نازل ہوتی ہیں اور جنت بھی وہیں ہے پھر البحر المسجور کی قسم کھائی جو آگ کی جگہ ہے۔

ان کی قسموں کے بعد فرمایا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے) مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں) یہ جواب قسم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے جو عظیم الشان ہیں اور کائنات

میں بڑی چیزیں ہیں اس کی قدرت سے یہ باہر نہیں ہے کہ صالحین کو ثواب اور منکرین کو عذاب دینے کیلئے قیامت قائم کرے جب قیامت قائم ہوگی تو اسے کوئی بھی دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں (اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں آپؐ کے قریب پہنچا تو آپ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور مسجد کے باہر آپ کی آواز آرہی تھی میں نے والطور سے لےکر مالہ من دافع تک آپ کی قراءت سنی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسا میرا دل پھٹا جارہا ہے میں عذاب نازل ہونے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔ میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ یوں سمجھنے لگا کہ گویا یہاں سے اٹھنے سے پہلے ہی عذاب میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ (معالم التنزیل ص ۲۳۷ ج ۴)

اس کے بعد قیامت کے بعض احوال بیان فرمائے یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا) وَتَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا (اور پہاڑ چل پڑیں گے) یعنی اپنی جگہ چھوڑ کر روانہ ہوجائیں گے اس کو سورۂ تکویر میں یوں فرمایا وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ اور سورۂ نمل میں فرمایا وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (اور تو پہاڑ کو دیکھ کر خیال کر رہا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں اور حال یہ ہوگا کہ وہ بادلوں کی طرح گزریں گے)

اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَکَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (اور جس دن زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، سو وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے) اس کے بعد جھٹلانے والوں کی بدحالی بیان فرمائی فَوَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (سو اس دن بڑی خرابی ہے یعنی بربادی ہے اور عذاب میں گرفتاری ہے ان لوگوں کیلئے جو حق کو جھٹلاتے ہیں) الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ خَوْضٍ یَّلْعَبُوْنَ (جو بیہودہ باتوں میں گھسے ہوئے ہیں اور اس شغل کو انہوں نے کھیل کے طور پر اختیار کر رکھا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں یخوضون فی الباطل یلعبون غافلین لاھین یعنی یہ لوگ باطل چیزوں میں گھستے ہیں حق کے خلاف بولتے ہیں اور مشورے کرتے ہیں غافل ہیں اپنے شغل کو کھیل بنا کر رکھا ہے، یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا یہاں ان کا یہ حال ہے اور قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ جب دوزخ کے قریب لے جائے جائیں گے تو فرشتے انہیں دھکے دے دے کر اس میں داخل کردیں گے ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے اور موڑ توڑ کر سروں کو قدموں سے ملا دیا ہوگا۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے کہ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ (مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے سو سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔

ان سے کہا جائے گا هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ.

(یہ وہ آگ ہیں جسے تم دنیا میں جھٹلاتے رہے) جب تمہارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق کی دعوت پیش کرتے تھے اور قیامت قائم ہونے کی خبر دیتے تھے اور معجزات پیش کرتے تو تم کہتے تھے کہ انہوں نے ہم پر جادو کردیا ہے اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَاتُبْصِرُوْنَ۔ اب یہ دوزخ تمہارے سامنے ہے کیا یہ جادو ہے؟ اب بھی دیکھ رہے ہو یا نہیں؟

قال صاحب الروح ام انتم عمی عن المخبر به کما کنتم فی الدنیا عمیا عن الخبر، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یعنی تم مخبر بہ سے بھی اندھے ہو جیسا کہ تم دنیا میں اس کی خبر سے اندھے تھے) ان سے مزید کہا جائے گا اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْلَا تَصْبِرُوْا (تم اس دوزخ میں داخل ہوجاؤ پھر چاہے صبر کرو یا نہ کرو) سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ (تمہارے لئے دونوں چیزیں برابر ہیں) نہ جبر سے عذاب دفع ہوگا اور نہ بے صبری سے، دنیا میں جو مصیبت پر صبر کرنے سے کبھی کبھی تکلیف دور ہوکر آرام مل جاتا تھا یہاں وہ بات نہیں ہے۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

(تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائیگا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے کسی قسم کا کوئی ظلم نہ ہوگا)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾

بے شک متقی لوگ باغوں اور نعمتوں میں ہونگے' جو کچھ انکے رب نے انہیں دیا ہوگا' خوشی کے ساتھ اس میں مشغول ہوں گے' اور انکا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

کھاؤ اور پیو مبارک طریقہ پر ان اعمال کے بدلہ جو تم کیا کرتے تھے' یہ لوگ ایسے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جو برابر بچھے ہوئے ہوں گے' اور ہم گورے رنگ والی بڑی آنکھوں والی عورتوں

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ

سے انکا بیاہ کرا دیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انکی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا تو ہم انکی ذریت کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور انکے عمل

مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں کریں گے' ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے محبوس ہوگا' اور ہم ان کو میوے اور گوشت بڑھا کر دیتے رہیں گے' جس کی انہیں خواہش ہوگی۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

وہ اس میں جام کی چھینا چھپٹی کریں گے' نہ اس میں کوئی لغو بات ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات' اور ایسے لڑکے انکے پاس آتے جاتے رہیں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں'

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ

اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے' وہ کہیں گے کہ بے شک ہم پہلے اپنے اہل وعیال میں رہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ سو اللہ نے

اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع

ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں دوزخ سے بچا لیا' بلا شبہ ہم پہلے اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے' بے شک وہ بڑا محسن ہے' مہربان ہے۔

متقی بندوں کی نعمتوں کا تذکرہ' حور عین سے نکاح' آپس میں سوال وجواب!

تکذیب کرنے والوں کی سزا کا تذکرہ فرمانے کے بعد متقیوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔ اول تو یہ فرمایا کہ تقویٰ والے بندے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ ان میں ان کا رہنا فرحت اور لذت کے ساتھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوں گی ان میں مشغول رہیں گے اور محظوظ ہوتے رہیں گے' ان پر جو نعمتوں کا انعام ہوگا' دائمی ہوگا اور ہمیشہ کیلئے انہیں دوزخ سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ تم دنیا میں جو نیک عمل کرتے تھے ان کے بدلے خوب کھاؤ پیؤ یہ کھانا پینا تمہارے لئے مبارک ہے' اس سے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور کھانے پینے سے دنیا میں جو شکایتیں پیدا ہو جاتی تھیں' ان میں سے کوئی بھی پیش نہیں آئے گی' کھانا بھی مبارک' پینا بھی مبارک ہر طرح سے خیر ہی خیر ہوگی۔

متقی حضرات کی نعمتیں بتاتے ہوئے مزید فرمایا کہ یہ لوگ ایسے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جو برابر قطار میں بچھے ہوئے ہوں

گئے سورۃ الدخان میں اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے معلوم ہوا کہ یہ تخت قطار سے بھی لگے ہوئے ہوں گے اور آمنے سامنے بھی ہوں گے۔ اس کے بعد زوجیت کی نعمت کا تذکرہ فرمایا' اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کے جوڑے کے لئے حضرت حواء کو پیدا فرمایا پھر ان دونوں سے نسل چلی اور دنیا میں زن وشوہر کا نظام چلتا رہا' چونکہ فطری طور پر انسانوں میں اس بات کی اشتہاء رہتی ہے کہ انس والفت کے لئے بیویاں بھی ساتھ ہوں' اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں بھی اہل جنت کے جوڑے بنا دیئے جائیں گے' دنیا والی عورتیں بھی ان کے پاس ہوں گی اور نئی مخلوق میں سے حورعین بھی ان کی زوجیت میں دے دی جائیں گی' لفظ حور' حوراء کی جمع ہے' جس کا ترجمہ گورے رنگ والی عورت کیا گیا ہے اور عین عیناء کی جمع ہے' جس کا معنیٰ ہے بڑی آنکھوں والی عورت۔

اہل ایمان کی ذرّیت: .... اس کے بعد ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اہل ایمان جو جنت میں جائیں گے ان کی ایمان والی ذریت یعنی اہل واولاد بھی جنت میں ان کے درجات میں پہنچادی جائے گی' اگرچہ وہ لوگ یعنی اہل واولاد اعمال کے اعتبار سے اپنے آباء سے کم ہوں' بڑوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کیلئے چھوٹوں کو بھی ان کا درجہ دے دیا جائے گا اور یہ جو کچھ دیا جائے گا' محض انعام اور فضل ہوگا۔ بڑوں کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے گی' ان کا پورا پورا اجر اور انعام دیتے ہوئے انکی ذریت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہوگی۔

روح المعانی میں بحوالہ مستدرک حاکم اور سنن بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مؤمن بندہ کی ذریت کو اس کے درجہ میں بلند فرمادے گا اگرچہ اس سے عمل میں کم ہوں تاکہ اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں' اس کے بعد آیت بالا تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد بحوالہ طبرانی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہو جائے گا تو وہ اپنے ماں باپ، بیوی اور اولاد کے بارے میں سوال کرے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ جواب میں کہا جائے گا کہ وہ عمل کے اعتبار سے تیرے درجہ کو نہیں پہنچے اس پر وہ دعا کرے گا تو اللہ پاک کی طرف سے حکم ہوگا کہ انہیں بھی اسی کا درجہ دے دیا جائے۔

اس کے بعد اہل ایمان کے ایک اور انعام کا تذکرہ فرمایا' ارشاد ہے: وَاَمْدَدْنٰـهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا' بڑھا کر دیتے رہیں گے) اس میں اہل جنت کو فَاكِهَةٌ یعنی میوے پیش کئے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے' سورۃ الزخرف میں فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ. (تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا رہے ہو) اور سورۂ مرسلات میں فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ (پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں مرغوب میووں میں ہوں گے) اور سورۂ واقعہ میں فرمایا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (اور وہ میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا) سورۂ واقعہ میں فرمایا کہ ان کے لئے ایسے میوے ہوں گے جن کو وہ خود اپنے اختیار سے چن چن کر کھائیں گے اور سورۃ المرسلات میں وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ فرمایا جس میں یہ بتادیا کہ جن میووں کی خواہش ہوگی ان میں سے کھائیں گے، سورۃ الطور میں وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ فرمایا جس میں مطلق لحم (گوشت) مذکور ہے اور سورۂ واقعہ میں وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ فرمایا دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے علاوہ بھی دوسری انواع کے گوشت ہونگے اور جو بھی نعمت وہاں پیش کی جائے گی مرضی کے مطابق پیش کی جائے گی دنیا میں بعض چیزیں خلاف طبیعت اور خواہش کے خلاف کسی مجبوری کی وجہ سے کھانی پڑتی ہیں' وہاں ایسا نہ ہوگا۔

جام کی چھینا جھپٹی:۔ اسکے بعد اہل جنت کے جام کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا: یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ (کہ یہ لوگ جنت میں دل لگی کے طور پر آپس میں جام شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے وہاں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی یہ چھینا جھپٹی بطور دل لگی ہوگی، کَاْس بھرے ہوئے جام کو کہا جاتا ہے یہ جام خوب بھرے ہوئے ہوں گے جنہیں سورۂ نبا میں وَكَاْسًا دِهَاقًا سے تعبیر فرمایا اور ہر شخص کے لئے وقت کی خواہش کے مطابق بھرے ہوئے ہوں گے اسکو سورۂ دہر میں قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا میں بیان فرمایا ہے۔ان جاموں میں تسنیم زنجبیل کافور کی آمیزش ہوگی۔اس شراب کو پینے کی وجہ سے نشہ نہیں آئے گا اسی کو لَا لَغْوٌ فِیْهَا میں بیان فرمایا دنیا میں شراب پی کر نشہ آجاتا ہے اور اول فول بکتے ہیں اور بے ہودہ باتیں کرتے ہیں وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی۔ یہ شراب چونکہ بطور انعام ملے گی اور اس میں نشہ بھی نہ ہوگا (جو دنیا میں اس کے حرام ہونے کا سبب ہے) اس لئے اس کے پینے میں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا جسے وَلَا تَاْثِیْمٌ فرما کر بیان فرمادیا۔

مذکورہ بالا شراب لانے والے اور پیش کرنے والے نوعمر لڑکے ہوں گے۔ارشاد فرمایا وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ (اور ان کے خدمت گار لڑکے ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے۔ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ جو خوبصورتی اور رنگت کی صفائی ستھرائی میں ایسے ہوں گے جیسے محفوظ رکھا ہوا چھپا ہوا موتی ہو) سورۃ الدہر میں فرمایا وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اے مخاطب! اگر تو ان کو دیکھے تو یوں سمجھے جیسے بکھرے ہوئے موتی ہوں) وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ (اور اہل جنت آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال و جواب کریں گے (آپس میں یہ پوچھیں گے کہ کہو بھئی یہاں آنے کا کیا سبب بنا اور ہم لوگ کیسے پہنچ گئے؟ وجہ تو سبھی کو معلوم ہوگی لیکن پرانی باتیں یاد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور انعام الٰہی یاد کرنے کی تجدید کے لئے سوال کریں گے اور جواب میں مشغول ہوں گے۔

جن سے سوال ہوگا ان کا جواب یوں نقل فرمایا قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ وہ جواب دیں گے بے شک ہم اس سے پہلے جو اپنے گھر بار اور اہل و عیال میں رہتے تھے وہ ہمارا رہنا اور بسنا ڈرتے ڈرتے تھا یعنی ہم ڈرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے آخرت کی پیشی اور محاسبہ و مؤاخذہ کی فکر تھی۔اس مضمون کو سورۃ الحآقہ میں یوں بیان فرمایا اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ (مجھے یقین تھا کہ میرا حساب میرے سامنے آئے گا) آخرت کا یقین اور وہاں کے لئے فکرمند ہونا یہی مؤمن کی اصل پونجی ہے جسے یہ دولت مل گئی وہ وہاں پار ہو جائے گی۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (سو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور دوزخ کے عذاب سے بچالیا) مؤمن آدمی جتنا بھی عمل کرے اسے اپنے ہنر کا کمال نہیں سمجھتا دل کی گہرائی سے وہ یہی جانتا ہے کہ اعمال صالحہ ایمان اور تقویٰ پرہیزگاری اور آخرت کی فکر یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اس نے جنت میں داخل فرمایا اور دوزخ کے عذاب سے بھی بچایا۔

شکر خدا کن کہ موفق شدی بخیر ۔۔۔۔۔ زفضل وانعامش معطل نہ گزاشتت

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ (بے شک ہم دنیا میں اللہ کو پکارتے تھے اور اس سے دعائیں کیا کرتے تھے) اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ (واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے) اسی کے احسان اور اسی کی مہربانی کی وجہ سے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ فللّٰہ المنۃ و منہ النعمۃ.

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ

سو آپ سمجھاتے رہیں کہ کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کی موت کے حادثہ کا

الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ

انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے انتظار میں رہو سو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انہیں اس کا حکم دے رہی ہیں یا یہ ایسے لوگ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ہیں جو سرکش ہیں؟ کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے بات بنالی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے' سو اسطرح کا کوئی اور کلام لے آئیں اگر سچے ہیں'

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ

کیا وہ کسی خالق کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' بلکہ یہ لوگ یقین نہیں لاتے' کیا ان کے

عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ

پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ غلبہ والے ہیں' یا کیا ان کے پاس کوئی زینہ ہے جس سے باتیں سنتے ہیں' سو ان کا سننے والا

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

کوئی واضح دلیل لے آئے' کیا اس کیلئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں' کیا آپ ان سے کسی معاوضہ کا سوال کرتے ہیں' سو وہ تاوان سے گراں بار ہو رہے ہیں'

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کیا ان کے پاس غیب ہے جسے لکھ لیتے ہیں' کیا وہ لوگ کسی برائی کا ارادہ رکھتے ہیں' سو جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے'

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کا کوئی معبود ہے اللہ کے سوا' اللہ پاک ہے اس چیز سے جو شرک کرتے ہیں۔

منکرین اور معاندین کی باتوں کا تذکرہ اور تردید

ان آیات میں ابتدائی خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے پھر اسی ذیل میں اہل مکہ سے سوال و جواب ہے' گویا آپ کے واسطہ سے ان لوگوں سے بات ہو رہی ہے' ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت حق فرماتے رہیں' دشمنوں کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں یہ لوگ آپ کو کاہن اور دیوانہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل وانعام ہے' آپ نہ کاہن ہیں، نہ دیوانہ ہیں' نیز ان منکرین کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ شاعر ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ ان کی موت کا حادثہ ہو جائے تاکہ ان سے ہمارا چھٹکارہ ہو جائے اور ہم سے جو خطاب کرتے ہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بند ہو جائے' جیسے بہت سے شاعر دنیا میں آئے شاعری کی اور دنیا سے گزر گئے' ان کا بھی یہی حال بننے والا ہے' نہ ان کا کوئی ماننے والا رہے گا نہ جاننے والا نہ ان کی راہ پر چلنے والا' ارشاد فرمایا قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ

مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تم لوگ انتظار کرتے رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں) دیکھو تمہارا کیا حال بنتا ہے اور حق قبول کرنے سے پہلوتہی کرنے پر کیسے عذاب میں مبتلا ہوتے ہو میری محنتوں کا انجام فلاح اور کامیابی ہے اور تمہارا انجام ناکامی اور بربادی اور ہلاکت ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے مشرکین کا غزوۂ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بتا رہی ہیں کہ شرک میں مبتلا رہیں جو باطل چیز ہے اور دعوت توحید کو قبول نہ کریں جو حق ہے اپنی عقل کو بہت بڑی سمجھتے ہیں، حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ باطل کو ترک کریں اور حق کو قبول کریں۔ اگر غور و فکر کرتے تو حق کو نہ ٹھکراتے وہاں تو بس شر ہے اور شرارت ہے اسی کو اپنائے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے خود ہی بنالیا ہے اور اپنی طرف سے بنا کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، ان کا یہ قول شرارت پر مبنی ہے، ایمان نہیں لاتے ایسی باتیں کر کے دور ہوتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ عربی جانتے ہیں، فصیح و بلیغ ہونے کے دعویدار ہیں اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آئیں، ان کو چیلنج کیا جا چکا ہے کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لے آئیں لیکن نہیں لائے اور نہ لا سکیں گے (لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا) منکرین قرآن پر یہ بہت بڑی مار ہے ڈیڑھ ہزار سال سے چیلنج ہے، کوئی بھی آج تک اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر کے لا سکا اور نہ لا سکے گا۔

پھر فرمایا اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ (کیا یہ لوگ یوں ہی بغیر خالق کے پیدا کر دیئے گئے ہیں) ظاہر ہے کہ انہیں خود اقرار ہے کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور ہم مخلوق ہیں اگر یوں کہیں کہ ہمارا کوئی خالق نہیں تو پھر بتائیں یہ کیسے پیدا ہوئے؟ کیا انہوں نے اپنی جانوں کو خود پیدا کر لیا؟ ظاہر ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کیونکہ جو شخص موجود نہ ہو نہ وہ اپنی ذات کو پیدا کر سکتا ہے نہ اور کسی کو، جب مخلوق ہیں تو اپنے خالق پر ایمان بھی لائیں، اس کی توحید کا بھی اقرار کریں، اور اس پر ایمان بھی لائیں۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے) یہ استفہام انکاری ہے یعنی انہوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا، ان چیزوں کو بھی اسی نے پیدا فرمایا، جس نے ان لوگوں کو پیدا کیا، یہ سب باتیں ظاہر ہیں۔ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (بلکہ ان باتوں کو جانتے اور مانتے ہیں یقین نہیں کرتے کفر اور شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں)۔

پھر فرمایا اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ (کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں) اگر ان کے پاس رحمتِ الٰہیہ کے خزانے ہوتے تو جسے چاہتے نبوت دے دیتے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اگر نبی اور رسول بنانا ہی تھا تو محمد بن عبداللہ کو کیوں بنایا مکہ معظمہ اور طائف میں بڑے بڑے مالدار اور سردار پڑے ہیں ان میں سے کسی کو نبوت ملنا چاہئے تھی بطور سوال ان کا جواب دے دیا (جو استفہام انکاری کے طور پر ہے)

اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ کیا ان کے پاس حکومت اور طاقت اور ایسا غلبہ ہے کہ اپنے اختیار سے کسی کو نبوت دلا دیں جب یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو انہیں کیا اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی رسالت پر اعتراض کریں اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو نبوت ملنے کیلئے پیش کریں۔

سورۃ الانعام میں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جانتا ہے جہاں چاہے کر دے اپنی رسالت کو)

پھر فرمایا اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ (کیا ان کے پاس زینہ ہے جس میں وہ باتیں سنتے ہیں فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (سوان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے کر آئے) علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں احجة بينة ان هذا الذی هم عليه حق مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پیش کرتے ہیں اس کا کتاب اللہ ہونا تو اسی سے ثابت ہو گیا کہ تم اس جیسی کتاب بنا کر لانے سے عاجز ہو اب تم اپنے دین حق کو ثابت کرو اس کو ثابت کرنے کے لئے کوئی واضح دلیل ہونی لازمی ہے۔ وہ کون سا زینہ ہے جس پر چڑھ کر تمہارا کوئی شخص اپنے دین کے حق ہونے کی حقانیت معلوم کر چکا ہے جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بطریق وحی کلام حاصل کرتے ہیں پھر تمہیں سناتے ہیں اور حق کی تبلیغ کرتے ہیں اور دلائل پیش کرتے ہیں تم بھی دلیل پیش کرو۔

پھر فرمایا اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ (کیا اس کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے) قریش مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور فرشتوں کو بنات اللہ کہتے تھے اور جب ان کے سامنے ان کے اپنے ہاں بیٹیاں پیدا ہونے کی بات آتی تھی تو اس کو برا مانتے تھے اس آیت میں ان کی بیوقوفی بتا دی کہ جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ کے لئے تجویز کرتے ہو جن لوگوں کی سمجھ کا یہ حال ہے کیا انہیں یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ ہماری سمجھ کے مطابق کسی کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا نیز یہ لوگ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں یہ بھی ان کی بیوقوفی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سفه احلامهم توبيخالهم وتقريعاأی اتضيفون الی الله البنات مع أنفتكم منهن ومن كان عقله هكذاخلا يستعد منه انكالی البعث. (اللہ تعالیٰ نے ان کے عقلمندوں کو بیوقوف کہا ہے انہیں ملامت کرنے اور بیدار کرنے کے لئے یعنی تم لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو باوجود یہ کہ تم خود اپنی طرف ان کی نسبت کو ناپسند کرتے ہو تو جن کی عقل اس طرح کی ہو انہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکار کا کیا حق ہے)

پھر فرمایا اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (کیا آپ ان سے کسی معاوضہ کا سوال کرتے ہیں ان پر اس تاوان کی ادائیگی بھاری پڑ رہی ہے) اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لے آئے تو کیا کچھ دینا پڑے گا تو یہ ان کا غلط خیال ہے ان کی دنیا سے ذرا سا بھی سوال نہیں اور ان کے آخرت کے نفع کے لئے ان کو ایمان و اعمال صالحہ کی دعوت دی جا رہی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایمان سے منہ موڑیں قال فی معالم التنزيل اثقلهم ذلك المعزم الذی تسالهم فمنعهم ذالک عن الاسلام. (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ انہیں اس قرض نے بوجھل کر دیا ہے جو آپ ان سے طلب کرتے ہیں پس اس نے انہیں اسلام لانے سے روک رکھا ہے)

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ یعنی یہ جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام موت کے حادثہ میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے جسے یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے ان کی اس بات کی بنیاد کیا ہے۔ کیا ان کے پاس غیب کا علم اور انہیں پتہ ہے کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موت ہمارے سامنے ہوگی اور یہ خود اس کے بعد زندہ رہیں گے اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ نہ یہ رہے گا نہ ان کا دین رہے گا۔ (ذکرہ القرطبی)

پھر فرمایا اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (کیا وہ لوگ کسی بری تدبیر کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی تدبیر کی زد میں آنے والے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت بالا نازل ہونے کے کئی سال بعد اس پیشینگوئی کا ظہور ہوا، جس کا اس آیت میں اظہار فرمایا ہے مشرکین مکہ مشورہ لے کر بیٹھے تھے کہ محمد رسول اللہ کے ساتھ کیا کریں اس پر تین باتیں آئیں جن کو سورۂ انفال کی آیت کریمہ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں بیان فرمایا ہے ان لوگوں کی سب تدبیریں دھری رہ گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح سلامت

مدینہ منورہ پہنچ گئے آپ کا مدینہ منورہ تشریف لانا غزوۂ بدر کا سبب بنا اور غزوۂ بدر میں قریش مکہ میں سے ستر ۷۰ افراد مقتول ہوئے جن میں ان کے بڑے بڑے سردار بھی تھے مکر اور تدبیر والے خود ہی مکر کی زد میں آ گئے۔ (روح المعانی ص ۳۹ ج ۲۷)

هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ای الذین یلحق بهم کیدهم ویعود علیه وباله لامن ارادوان یکیدوه وکان وباله فی حق اولئک قتلهم یوم بدر فی السنة الخامسة عشر من النبوة. (مکر کئے ہوئے خود یہی ہیں یعنی یہی ہیں جنہیں ان کا مکر گھیر لے گا اور اس کا وبال خود انہیں پر پڑے گا۔ جن کے ساتھ دھوکہ کا انہوں نے ارادہ کیا ہے ان پر نہیں پڑے گا اور سن ۱۵ نبوی میں بدر والے دن ان کے قتل کی صورت میں ان کے حق میں ان کے مکر کا وبال ثابت ہو گیا)

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ (کیا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟) سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ

اور اگر آسمان سے کسی ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو کہیں گے کہ یہ تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے' سو آپ انہیں چھوڑیئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے ملاقات کریں جس میں وہ

فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

بے ہوش ہو جائیں گے' جس دن انکی کوئی تدبیر انکے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور انکی کچھ بھی مدد نہ کی جائے گی' بلا شبہ جن لوگوں نے ظلم کیا

عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

ان کیلئے عذاب ہے۔ اس سے پہلے لیکن بہت سے لوگ جانتے' اور آپ رب کی تجویز پر صبر کیجئے' سو بے شک آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کی

حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع ۲

تسبیح اور حمد کیجئے اور رات کے حصہ میں بھی اس کی تسبیح بیان کی جائے اور ستاروں کے چھپنے کے بعد بھی۔

قیامت کے دن منکرین کی بدحالی اور بدحواسی

ان آیات میں معاندین کی بدحالی اور سرکشی بتائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمائی ہے اور آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی سرکشی کا یہ حال ہے کہ اگر آسمان کا ٹکڑا اوپر سے گرتا ہوا دیکھیں گے جو ان کو عذاب دینے کے لئے گرتا چلا آ رہا ہو تب بھی متاثر نہ ہوں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ حالانکہ خود ہی ایمان لانے کی شرطوں میں آسمان کا ٹکڑا گرنے کی بھی شرط یہ لگائی تھی حیث قالوا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (اور یوں کہیں گے کہ اجی یہ نہ تو آسمان کا کوئی ٹکڑا ہے اور نہ ہی ان کے کہنے سے اتر رہا ہے بلکہ یہ تو بادل ہے' بادل پر بادل جم کر موٹا ہو جاتا ہے اور اوپر نیچے ہو جاتا ہے نہ یہ کوئی عذاب کی بات ہے اور نہ آپ کی نبوت کا معجزہ ہے (العیاذ باللہ)

سورۃ الحجر میں ان کے اسی عناد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت چڑھ

جائیں تب بھی یوں کہہ دیں گے ہماری نظر بند کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو جادو کر رکھا ہے)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (آپ ان کو چھوڑیں ان کی طرف التفات نہ فرمائیں یہاں تک کہ وہ دن آ جائے گا، جس میں یہ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے) بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یوم بدر مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا نفخہ اولی مراد ہے (یعنی جب صور پھونکا جائے گا) اس میں جو بے ہوشی ہوگی اس دن تک انہیں چھوڑ رکھئے يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (جس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئے گی) وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی)

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ (اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے اس سے پہلے عذاب ہے) اس عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے یوم بدر مراد ہے اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ وہ قحط مراد ہے جو سات سال تک مکہ معظمہ کے مشرکین کو پیش آیا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ بطور وعید جس عذاب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے محض دھمکی نہیں ہے بلکہ واقعی ہو جانے والی چیز ہے)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے) ان کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے۔ اس پر صبر کیجئے، انتقام کے لئے جلدی نہ کیجئے، وقت معین پر مبتلائے عذاب ہونگے، فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (سو بیشک آپ ہماری حفاظت میں ہیں) آپ کے خلاف ان کی تدبیریں کامیاب نہ ہوں گی وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (اور آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے، جس کے ساتھ حمد بھی ہو جب آپ کھڑے ہوں)

صاحب روح المعانی حضرت عطاء اور مجاہد سے اور ابن جریج سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہوں، اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کیجئے، اس واقعہ پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے، جو حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس سے کھڑے ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ وہ کلمات ادا فرماتے ہیں جو اس سے پہلے آپ کے معمول میں نہیں تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمات ان سب باتوں کا کفارہ ہے، جو مجلس میں ہوئی ہوں (رواہ ابوداؤد)

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ (اور رات کے حصہ میں اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں کے چھپنے کے بعد) اس میں رات کے اوقات میں تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ستاروں کے غروب ہو جانے کے بعد بھی۔ بعض حضرات نے ومن الیل فسبحہ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد لی ہے اور ادبار النجوم سے فجر کی دو رکعتیں مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے ومن الیل سے رات کو نفل پڑھنا مراد لیا ہے۔

وباللّٰہ التوفیق وھو خیر عون وخیر رفیق

☆☆☆.................☆☆☆

مکی	سورۃ النجم	۶۲ آیتیں ۳ رکوع

(۵۳) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (۲۳) — اٰيَاتُهَا ۶۲ — رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۃ النجم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کی باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

قسم ہے ستاروں کی جب وہ غروب ہونے لگے تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے' اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا۔ وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ

ہے' اس کو سکھایا ہے بڑے طاقت والے نے' وہ طاقتور ہے' پھر وہ اصلی صورت میں نمودار ہوا' اور وہ بلند کنارہ پر تھا' پھر وہ اس حال میں تھا کہ دونوں کمانوں

قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى

کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا' پھر اللہ نے اپنے بندہ کی طرف وحی نازل فرمائی جو نازل کرنی تھی' دل نے جو کچھ دیکھا اس میں غلطی نہیں کی' کیا تم اس چیز میں جھگڑتے

مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ

ہو جو کچھ اس نے دیکھا اور یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اسکو ایک بار اور دیکھا' سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ اسکے قریب جنۃ الماویٰ ہے' جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو وہ چیزیں ڈھانپ رہی تھیں۔

مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

جنہوں نے ڈھانپ رکھا تھا' نہ تو نگاہ ہٹی نہ بڑھی' یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی آیات کو دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح راہ پر ہیں، اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے، وحی کے مطابق اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں، آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو دو بار ان کی اصلی صورت میں دیکھا

یہاں سے سورۃ النجم شروع ہے اس کے پہلے رکوع کے اکثر حصہ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور وحی کی حفاظت اور وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت اور ان کی رؤیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ارشاد فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (قسم ہے ستاروں کی جب غروب ہونے لگے)

مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى (تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا)

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی ہے)

آیت شریفہ میں جو لفظ اَلنَّجْم وارد ہوا ہے بظاہر یہ صیغہ مفرد کا ہے لیکن چونکہ اسم جمع ہے اس لئے تمام ستارے مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے ثریا مراد ہے جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے ستارے چونکہ روشنی دیتے ہیں اور انکے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے ہیں اس لئے ان کی قسم کھا کر نبوت اور رسالت اور وحی کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں قلوب کے منور ہونے کا ذریعہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کبھی بھی مشرک نہ تھے نبوت سے پہلے بھی موحد تھے اور نبوت کے بعد بھی آپ کا موحد ہونا توحید کی دعوت دینا قریش کو ناگوار تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ انہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں اور آپ کو کاہن یا ساحر یا شاعر کہتے تھے۔ ستارہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ بتاتے ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں وہ سب حق ہے۔ ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ راہ سے بھٹک گئے اور غیر راہ پر پڑ گئے ان کا دعوائے نبوت اور توحید کی دعوت اور وہ تمام امور جن کی دعوت دیتے ہیں یہ سب حق ہیں سراپا ہدایت ہیں ان میں کہیں سے کہیں تک بھی راہ حق سے ہٹنے کا نہ کوئی احتمال ہے اور نہ یہ بات ہے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر کہی ہوں ان کا یہ سب باتیں بتانا صرف وحی سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر وحی کی گئی اس کے مطابق سب باتیں بتا رہے ہیں ان کا فرمانا سب سچ ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے بطریقہ وحی بتایا گیا ہے اور چونکہ ستاروں کے غروب ہونے سے صحیح سمت معلوم ہو جاتی ہے اس لئے والنجم کے ساتھ اذاھوٰی بھی فرمایا یعنی جس طرح ستارہ ہدایت بھی دیتا ہے اور صحیح سمت بھی بتاتا ہے اسی طرح تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اور سمجھایا حق ہے اور راہ حق کے مطابق ہے ان کا اتباع کرو گے تو صحیح سمت پر چلتے رہو گے یہ شخص تمہارا ساتھی ہے بچپن سے اس کو جانتے ہو اور اس کے اعمال صادقہ اور احوال شریفہ سے واقف ہو ہمیشہ اس نے سچ بولا ہے جانتے پہچانتے ہوئے اس کی تکذیب کیوں کرتے ہو (اس نے مخلوق سے کبھی جھوٹی باتیں نہیں کیں وہ خالق تعالیٰ شانہ پر کیسے تہمت رکھے گا)

اس کے بعد وحی لانے والے فرشتہ کا تذکرہ فرمایا عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (اس کو سکھایا ہے بڑی طاقت والے نے) **ذُو مِرَّةٍ** (وہ طاقتور ہے)

یعنی جبریل فرشتہ نے آپ کو یہ قرآن سکھایا جو بڑی قوت والا ہے طاقتور ہے اس میں اس احتمال کی تردید فرمادی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر چلے ہوں اور درمیان میں کوئی دوسری مخلوق شیطان وغیرہ پیش آ گیا اور اس نے صحیح طور پر وحی پہنچانے سے باز رکھا ہو ارشاد فرمادیا کہ وحی لانے والا فرشتہ بڑی قوت والا ہے پوری قوت والا ہے اس کے پیغام پہنچانے میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔

پہلی بار رؤیت:............اس کے بعد ارشاد فرمایا فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (کہ وہ فرشتہ ایک مرتبہ افق اعلیٰ میں نمودار ہوا) یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور آپ نے اس کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ لیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے اور وحی سنا دیتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی کہ آپ مجھے اپنی اصل صورت دکھا دیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایسے وقت اپنی اصل صورت میں ظاہر ہوئے جبکہ

آپ حراء پہاڑ میں تھے (اور بعض روایات میں ہے کہ مکہ معظمہ کے محلّہ اجیاد میں تشریف فرما تھے) آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مشرقی اُفق میں دیکھا ان کے چھ سو بازو تھے اور اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ مغربی اُفق تک کو گھیر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بیہوش ہو کر گر پڑے اسی وقت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں آپ کے پاس پہنچے اور آپ کو لپٹا لیا اور آپ کے چہرۂ انور سے غبار صاف کر دیا اس نزدیک آنے کو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى میں بیان فرمایا ہے (پھر وہ قریب آیا پھر وہ نیچے آیا)

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (اور اتنا قریب ہو گیا جیسا دو کمانوں کے درمیان قرب ہوتا ہے) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب آپس میں معاہدہ کرتے تھے تو دونوں کمانوں کی تانت کو خوب اچھی طرح ملا دیتے تھے اور اس طرح سے ایک دوسرے کو باور کراتے تھے اور یقین دلاتے تھے کہ اب تم ایک ہو گئے آپس میں کوئی بعد نہیں رہا۔

اَوْ اَدْنٰى اس میں یہ بتا دیا کہ دو کمانوں کے درمیان جو نزدیکی ہوتی ہے قرب کے اعتبار سے اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا جو اتحاد روحانی اور قلبی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر جب آپ کو افاقہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی جسے فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى میں بیان فرمایا ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اس موقع پر وحی فرمائی تھی وہ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى سے لے کر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ تھی یہ حضرت سعید بن جبیرؓ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس وقت یہ وحی فرمائی کہ جب تک آپ جنت میں داخل نہ ہوں گے کوئی نبی داخل نہ ہوگا اور جب تک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہوگی کسی امت کو داخلہ نہ ملے گا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى یعنی قلب نے جو کچھ دیکھا اس میں غلطی نہیں کی یعنی جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (کیا تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑا کرتے ہو) انہوں نے جو دیکھا ہے صحیح دیکھا اس میں کسی انکار اور مجادلہ کا موقع نہیں۔ قال فی معالم التنزیل قرأ حمزه والكسائی ويعقوب افتمرونه بفتح التاء بلاالف ای افتجحدونه تقول العرب مريت الرجل حقه اذا جحدته وقرأ الاخرون افتمارونه بالالف وضم التاء على معنى افتجادلونه على مايرٰى. (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حمزہ، کسائی اور یعقوب نے اسے افتمرونہ پڑھا ہے تاء کی زبر کے ساتھ الف کے بغیر یعنی کیا پس تم اس کا انکار کرتے ہو، عرب کہتے ہیں مریت الرجل حقہ جب تو نے اس کے حق کا انکار کر دیا ہو اور دیگر حضرات نے اسے افتمارونہ پڑھا ہے الف کے ساتھ اور میم کے ضمہ کے ساتھ معنی یہ ہے کہ کیا پس تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا ہے)

دوسری بار رؤیت:۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (اور بلاشبہ انہوں نے اس فرشتے کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا) اس میں دوسری مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت کا ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اصلی صورت میں دیکھا تھا اس کے بعد ایک مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اصلی صورت میں دیکھا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى. (سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں)

اس میں یہ بتایا کہ دوسری بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہے اس وقت سدرۃ المنتہیٰ کو عجیب عجیب حسین چیزیں لپٹ رہی تھیں۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی آپ نے جو دیکھا ٹھیک دیکھا صحیح دیکھا آپ کی نظر مبارک دیکھنے کی جگہ سے دائیں بائیں نہیں ہٹی اور جن چیزوں کو دیکھنا تھا ان سے آگے نہ بڑھی۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی آیات کو دیکھا) آیت کبریٰ سے کیا مراد ہے اسکے بارے میں صحیح مسلم (ص ۹۸ ج ۱) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے ان کو وہاں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے (جیسا کہ زمین والی رؤیت میں بھی یہی بات دیکھی تھی)

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ .... سدرہ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور المنتہیٰ کا معنی ہے انتہاء کی جگہ عالم بالا میں جَنَّۃُ الْمَاْوٰی کے قریب سِدْرَۃُ الْمُنْتَهٰی ہے یعنی بیری کا وہ درخت جس کے پاس چیزیں آکر منتہی ہو جاتی ہیں، یعنی ٹھہر جاتی ہیں۔ زمین سے جو کچھ اعمال وغیرہ اوپر جاتے ہیں وہ پہلے وہاں ٹھہرتے ہیں، پھر اوپر جاتے ہیں اوپر سے جو کچھ نازل ہوتا ہے، پہلے وہاں ٹھہرایا جاتا ہے، پھر نیچے اترتا ہے۔ (راجع تفسیر القرطبی ص ۹۴ ج ۹)

حدیث شریف کی کتابوں میں معراج شریف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، صاحبِ معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے کہ ہجر بستی کے مشکیزے ہوتے ہیں اور اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں، جیسے ہاتھی کے کان، اس درخت کو سونے کے پتنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا، دوسری روایت میں ہے کہ اسے ایسے الوان (یعنی رنگوں) نے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا اور ایک روایت ہے کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ان چیزوں نے ڈھانپ لیا، جنہوں نے ڈھانپا تو وہ بدل گیا (یعنی پہلی حالت نہ رہی) اس میں بہت زیادہ حسن آ گیا اس وقت اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ اللہ کی مخلوق سے کوئی بھی اس کے حسن کو بیان نہیں کر سکتا۔ (صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۱)

چونکہ اس کے حسن اور سونے کے پتنگوں اور الوان کے ڈھانپنے کی وجہ سے اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی، اس لئے تفخیما للشان اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی فرمایا۔

جنۃ الماْوٰی کیا ہے؟ .... آیت کریمہ میں فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنۃ الماْوٰی ہے، ماْوٰی ٹھکانہ پکڑنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں جنۃ الماْوٰی سے کیا مراد ہے؟ علامہ قرطبیؒ نے اس کے بارے میں متعدد اقوال لکھے ہیں۔ حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ جنت مراد ہے، جس میں متقی حضرات داخل ہوں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس جنت میں شہداء کی ارواح پہنچتی ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ جنت ہے، جس میں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ تمام مؤمنین کی روحیں جنت ماویٰ میں ٹھہرتی ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام ان کی طرف ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: .... اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رؤیت ہوئی تو وہ بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی، یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں نے دیدار کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رؤیت کا انکار کرتی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں باری تعالیٰ شانہ کا دیدار کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس بارے میں توقف کیا جائے نفی یا اثبات کے بارے میں کوئی

فیصلہ نہ کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے شاگرد حضرت مسروقؒ نے آیت کریمہ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ، اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى تلاوت کی اور اس سے رؤیت باری تعالیٰ پر استدلال کیا یعنی یہ ثابت کیا کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس امت میں میری سب سے پہلی شخصیت ہے جس نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا' آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل کو ان کی اصلی صورت پر صرف دو مرتبہ دیکھا (صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱)۔ نیز حضرت مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آیت کریمہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى بھی پیش کی۔ انہوں نے اس بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت مراد ہے وہ آپ کے پاس انسانی صورت میں آیا کرتے تھے' اس مرتبہ اپنی اصلی صورت میں آئے اس وقت انہوں نے آسمان کے افق کو گھیر رکھا تھا۔ (صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱)

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کلام طویل کے بعد لکھا ہے:

فالحاصل ان الراجح عند اكثر العلماء ان رسول الله صلّى الله عليه وسلم راى ربه بعينى راسه ليلة الاسراء لحديث ابن عباس وغيره مما تقدم واثبات هذا لاياخذونه الابالسماع من رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا مما لا ينبغى ان يتشكك فيه. (مطلب یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کا سر کی آنکھوں سے دیدار کیا ہے' اس کی دلیل ابن عباسؓ وغیرہ کی احادیث ہیں اور چونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی' لازماً ان حضرات نے یہ بات آپؐ سے سنی ہوگی اس لئے اس میں شک کرنا مناسب نہیں ہے) (شرح مسلم ص ۹۷ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے۔ روایت میں غور کرنے سے اور سورۃ النجم کی آیات کے سیاق سے اور ضمائر کے مراجع پر نظر کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت مراد ہے' رؤیت اولیٰ جس کا ذکر ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں ہے' اس سے بلا تاویل یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس سے جبرئیل مراد ہے اور مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا راى جبرئيل له ستمائة جناح' (صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱) اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى' اس کی ضمیر منصوب اسی کی طرف راجع ہے' جس کی رؤیت پہلے ہو چکی تھی' اس کے بعد جو لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو پڑھ کر بھی راى جبرئيل فى صورته ستمائة جناح فرمایا' (صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى کی تلاوت فرمائی اور فرمایا رأى جبرئيل عليه السلام. (صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد حضرت مسروقؒ نے جو ان سے سوال کیا تو انہوں سورۃ النجم میں ذکر فرمودہ دونوں رؤیتوں کو جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت قرار دیا' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ اثبات رؤیت کا جو انہوں نے دعویٰ کیا ہے بظاہر وہ سماع پر ہی مبنی ہے' یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپؐ نے فرمایا کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى میں جبرئیل کی رؤیت مذکور ہے اور حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے جو امام نوویؒ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ انہوں نے سنا ہی ہوگا یہ ایک محض حسن ظن پر مبنی ہے پھر حضرت ابن عباسؓ نے بھی رؤیت بصری کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ فرمایا راه بفؤاده مرتين. (صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱)

پوری طرح غور وفکر کرنے اور روایات کو دیکھنے سے شب معراج میں رؤیت باری تعالیٰ شانہ کا مضبوط ثبوت نہیں ہوتا لہٰذا تیسرا قول یعنی توقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (ص ۶۰۸ ج ۸) میں لکھتے ہیں:

وقد اختلف السلف فی رؤیة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ربه فذهبت عائشة وابن مسعود الی انکارها' واختلف عن ابی ذروذهب جماعة الیٰ اثباتها' وحکیٰ عبدالرزاق عن معمر عن الحسن أنه حلف أن محمدا رأی ربه. وأخرج ابن خزیمة عن عروة بن الزبیر اثباتها' وکان یشتد علیه اذا ذکرله انکار عائشةؓ' وبه قال سائر اصحاب ابن عباس ' وجزم به کعب الاحبار والزهری وصاحبه معمر وآخرون' وهوقول الاشعری وغالب اتباعه' ثم اختلفوا اهل راٰه بعینه او بقلبه وعن احمد کالقو لین قلت :جاء ت عن ابن عباس اخبار مطلقة واخریٰ مقیدة فیجب حمل مطلقها علیٰ مقیدها' فمن ذلک مااخرجه النسائی باسناد صحیح وصححه الحاکم أیضامن طریق عکرمة عن ابن عباس قال: اتعجبون ان تکون الخلة لابراهیم والکلام لموسیٰ والرؤیة لمحمد؟ واخرجه ابن خزیمه بلفظ ان اللّٰه اصطفیٰ ابراهیم بالخلة الحدیث واخرج ابن اسحٰق من طریق عبداللّٰه ابی سلمة ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس : هل رأی محمد ربه؟ فارسل الیه ان نعم. ومنها مااخرجه مسلم من طریق ابی العالیة عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ(ماکذب الفؤاد مارایٰ' ولقد راٰه نزلة اخریٰ) قال : راٰی ربه بفؤاده مرتین ' وله من طریق عطاء عن ابن عباس قال :راٰه بقلبه واصرح من ذٰلک مااخرجه ابن مردویه من طریق عطاء ایضا عن ابن عباس قال :لم یره رسول اللّٰه علیه وسلم بعینه انما راٰه بقلبه' وعلی هذا فیمکن الجمع بین اثبات ابن عباس ونفی عائشة بأن یحمل نفیها علی رؤیة البصرواثباته علیٰ رؤیة القلب ' ثم المراد برؤیة الفؤادرؤیة القلب لا مجرد حصول العلم' لانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان عالما باللّٰه علی الدوام. بل مراد من اثبت له أنه راٰه بقلبه أن الرؤیة التی حصلت له خلقت فی قلبه کما یخلق الرؤیة بالعین لغیره' والرؤیة لا یشترط لها شی ء مخصوص عقلا ولو جرت العادة بخلقها فی العین ' وروی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربه' وعند مسلم من حدیث ابی ذرانه سأل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن ذلک فقال نور انی اراه' ولا حمد عنه ' قال ورأیت نورا' ولا بن خزیمة عنه قال راٰه بقلبه ولم یره بعینه وبهٰذایتبین مراد ابی ذر بذکره النور أی النور حال بین رؤیته له ببصره' وقدرجع القرطبی فی(المفهم) قول الوقف فی هذه المسالة وعزاه لجماعة من المحققین' وقواه بانه لیس فی الباب دلیل قاطع' وغایة مااستدل به للطائفتین ظواهر متعارضة قابلة للتاویل' قال ولیست المسالة من العملیات فیکتفیٰ بالدلالة الظنیة' وانما هی من المعتقدات فلا یکتفی فیها الا بالدلیل القطعی' وجنح ابن خزیمة فی(کتاب التوحید) الی ترجیح الاثبات واطنب فی الاستدلال له بما یطول ذکره' وحمل ماوردعن ابن عباس علی أن الرؤیاوقعت مرتین مرة بعینه وفیما اور دته من ذٰلک مقنع وممن اثبت الرؤیة لنبینا صلی اللّٰه علیه وسلم الامام احمد فروی الخلال فی(کتاب السنة) عن المرزوی قلت لاحمد انهم یقولون ان عائشة

قالت : من زعم ان محمد ارأى ربه فقد اعظم على الله الفرية ' فبأى شى 'يدفع قولها؟ قال : بقول النبى صلى الله عليه وسلم رأيت ربى قول النبى صلى الله عليه وسلم اكبر من قولها. وقد انكر صاحب الهدى على من زعم ان احمد قال رأى ربه بعينى رأسه قال :وانما قال مرة رأى محمد ربه وقال بفؤاده. وحكى عنه بعض المتأخرين رأه بعينى رأسه وهذامن تصرف الحاكى ' فان نصوصه موجودة. انتهى.

قلت : وهذاالذى روى عن الامام احمد رحمه الله تعالىٰ انه يدفع قولها بقوله صلى الله عليه وسلم : رأيت ربى فانه اذااثبت بسند صحيح دل على الرؤية منه صلى الله عليه وسلم يحتاج الى رواية صحيحة صريحة دالة على الرؤية الحقيقة فى اليقظةسواء كان فى اليلة الاسراء اوغيرها فاما ماحمل ابن خزيمة ماوردعن ابن عباس رضى الله عنهما على ان الرؤية وقعت مرتين مرة بعينه ومرة بقلبه فهو خلاف مانص عليه ابن عباس رضى الله عنهما نفسه انه رأه بفؤاده مرتين كمارواه مسلم)

(سلف حضرات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن رب کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ پس حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما رویت کے انکار کی طرف گئے ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اختلاف مروی ہے، اور ایک جماعت اس کے اثبات کی طرف ہے اور عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے حسن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور ابن خزیمہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اثبات نقل کیا ہے اور جب حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے روایت کا انکار نقل کیا جاتا ہے تو اس پر شدت سے نکیر کرتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام اصحاب اسی طرف ہیں۔ اور کعب احبار، زہری اور ان کے شاگرد معمر اور دیگر حضرات کا اعتقاد اسی پر ہے اور اشعری اور ان کے اکثر اتباع کا قول بھی یہی ہے پھر ان کا اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا دل سے اور امام احمد سے تو دونوں صورتوں کے مطابق اقوال منقول ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے اس بارے میں مطلق روایات بھی ہیں اور مقید بھی پس ان سے مطلق روایات کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ انہیں میں سے ایک وہ ہے جو امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور امام حاکم نے بھی عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے اس کی تصحیح کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ خلیل اللہ ہونے کا مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہو؟ اور ابن خزیمہ نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت کے لئے منتخب فرمایا ہے الخ اور ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی سلمہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف یہ سوال بھیجا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو انہوں نے جواب بھیجا کہ ہاں دیکھا ہے اور ان روایتوں میں سے ایک وہ ہے جو مسلم نے ابوالعالیہ عن ابن عباس کے طریق سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ما كذب الفؤاد مارای ولقدراٰہ نزلة اُخرىٰ کے بارے میں نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے اور مسلم ہی میں عطا عن ابن عباس کے طریق سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا حضور نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا اور اس سے زیادہ صریح وہ روایت ہے جو ابن مردویہ نے حضرت عطاء عن ابن عباس سے ہی نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں

دیکھا بلکہ اپنے دل سے دیکھا ہے۔ اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عباس کے اثبات رؤیت اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انکار رؤیت کو جمع کیا جاسکتا ہے اس طرح کی نفی سے مراد آنکھوں سے دیکھنے کی نفی ہے اور دیکھنے سے مراد دل سے دیکھنا ہے پھر دل سے دیکھنے سے مراد واقعۃً دل کا دیکھنا ہی ہے صرف علم کا حاصل ہو جانا مراد نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر وقت تھا' بلکہ جس نے دل کی رؤیت کو مانا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آنکھوں سے کسی کو دیکھا جاتا ہے اسی طرح کی کیفیت دل میں پیدا کی گئی کیونکہ دیکھنے کے لئے عقلاً کوئی چیز مخصوص نہیں ہے اگرچہ عام قاعدہ یہ ہے کہ دیکھنے کا کام آنکھیں کرتی ہیں اور ابن عباس نے قوی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور مسلم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک نورانیت میں نے دیکھی ہے اور امام احمد نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور میں نے نور دیکھا ہے اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوذر کے حوالہ سے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا ہے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور اس قول سے حضرت ابوذر کے سابقہ قول میں نور کے ذکر کی مراد واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے سامنے نور مانع ہو گیا۔ اور امام قرطبی نے المفہم میں اس مسئلہ میں توقف کرنے کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے اور اس قول کو اس سے مضبوط کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی قطعی دلیل تو ہے نہیں۔ دونوں حضرات کے جو مستدلات ہیں وہ متعارض روایتوں کے ظاہر الفاظ ہیں جن میں تاویل ہو سکتی ہے اور یہ مسئلہ عملیات کا نہیں ہے کہ جس میں ظنی دلائل پر اکتفاء کیا جائے یہ مسئلہ تو اعتقادات میں سے ہے اس میں قطعی دلیل ہی کی ضرورت ہے اور ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں رؤیت کے اعتبار کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے اور اس قدر طویل دلائل پیش کئے کہ یہاں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مروی ہے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ رؤیت دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ دل سے اور ایک دفعہ آنکھوں سے اور اس بارے میں میں نے جو ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کے لئے رؤیت کو ثابت کرنے والوں میں امام احمد بھی ہیں۔ چنانچہ خلال نے کتاب السنّت میں مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جس کا خیال ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اپنے رب پر بہت بڑا جھوٹ باندھا پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کس دلیل سے رد کیا جاتا ہے۔ امام احمد نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے پس حضور ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے بڑا ہے اور صاحب ھدی نے اس کے قول کا انکار کیا ہے جس کا خیال ہے امام احمد نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ہے اور فرمایا اپنے دل سے دیکھا ہے اور بعض متاخرین نے آپ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ حکایت کرنے والے کا تصرف ہے کیونکہ امام احمدؒ سے نصوص موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ جو امام احمد سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا حضور اکرم ﷺ کے قول رأیت ربی سے جواب دیا جاتا ہے یہ بھی جب صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو نگاہوں سے دیکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ النجم کے سیاق سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس حضور ﷺ سے رؤیت کا اثبات صحیح وصریح روایت کا محتاج ہے جو کہ بیداری میں آنکھوں سے دیکھنے پر دلالت کرتی ہو خواہ یہ رؤیت معراج کی رات ہوئی ہو یا کسی اور وقت، اور ابن خزیمہ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال کو اس بات پر محمول کیا

ہے کہ رؤیت دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ آنکھوں سے اور ایک دفعہ دل سے یہ احتمال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صراحت کے خلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے۔)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾

کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے بارے میں غور کیا ہے کیا تمہارے لئے مذکر ہو اور اللہ کے لئے مؤنث ہے یہ قسمت تو بڑی ظالمانہ ہے'

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

یہ تو بس کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی' صرف گمان کا اور نفسوں کی خواہشوں کا

وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

اتباع کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کے پاس انکے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے' جس کی وہ آرزو کرے' سو اللہ ہی کے لئے آخرت ہے

وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ

ع ۱ ۲۵ ۵

اور اولیٰ ہے' اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں ان کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہ دے گی' مگر اس کے بعد جس کے لئے اللہ اجازت

يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ

دے اور راضی ہو' بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام مؤنث کے نام پر رکھتے ہیں' حالانکہ انہیں اس کا کچھ

مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾

بھی علم نہیں' صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں' اور بلاشبہ گمان حق کے بارے میں ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا۔

مشرکین عرب کی بت پرستی' لات' عزّیٰ اور منات کی عبادت' اور ان کے توڑ پھوڑ کا تذکرہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب مشرک تھے اہل مکہ بھی شرک اختیار کئے ہوئے تھے حالانکہ یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اولاد تھے' جنہوں نے توحید کی دعوت دی اور مکہ معظمہ میں کعبہ شریف بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (اے رب! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا) ان کی اولاد میں ایک عرصہ تک موحدین مخلصین کا وجود رہا' پھر شدہ شدہ عرب کے دیگر قبائل سے متاثر ہو کر اہل مکہ بھی مشرک ہو گئے۔ اہل عرب نے بہت سے بتوں کو معبود بنا رکھا تھا' خود تراشتے تھے' پھر انہیں معبود بنا لیتے تھے' ان بتوں میں تین بت زیادہ معروف تھے' جن کا آیت بالا میں تذکرہ ہے ایک کا نام لات تھا اور ایک نام عزّیٰ تھا اور ایک کا نام مناۃ تھا۔

لات و منات اور عُزّیٰ کیا تھے؟ ...... فتح الباری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ لات طائف میں تھا اور اسی کو اَصح بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام نخلہ میں اور ایک قول کے مطابق عکاظ میں تھا نیز فتح الباری میں یہ بھی لکھا کہ لات لت یلت سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ایک شخص طائف کے آس پاس رہتا تھا' اس کی بکریاں تھیں آنے جانے والوں کو ان کے دودھ کا حریرہ بنا کر کھلاتا تھا

اور ستو گھول کر پلاتا تھا' اس وجہ سے اسے لات کہا جاتا تھا' کثرت استعمال کی وجہ سے ت کی تشدید ختم ہو گئی' کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عامر بن ظرب تھا اور اہل عرب کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا' جس شخص کو حریرہ پلا دیتا تھا وہ موٹا ہو جاتا تھا جب وہ مر گیا تو عمرو بن لحی نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں ہے پتھر کے اندر داخل ہو گیا' لہٰذا لوگ اس کی عبادت کرنے لگے اور اسکے اوپر ایک گھر بنا لیا۔ (فتح الباری ص ۶۱۲ ج ۸)

علامہ قرطبیؒ نے عزّیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سفید پتھر تھا' اس کی جگہ بطن نخلہ بتائی ہے' ظالم ابن اسعد نے اس کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا اس پر لوگوں نے گھر بنا لیا تھا' اس میں سے آواز آیا کرتی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عُزیٰ ایک شیطان عورت تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آتی جاتی تھی۔

مشرکین مکہ میں ایک بت ھُبل بھی تھا ان کے یہاں اس کی بھی بڑی اہمیت تھی' غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہو گئی تو ان کے لشکر کے سردار ابوسفیان نے پکار کر جیکارہ لگایا أعل هُبل (اے ھبل تو اونچا ہو جا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو عرض کیا کیا جواب دیں؟ فرمایا یوں کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ (کہ اللہ سب سے بلند ہے اور سب سے بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ (ہمارے لئے عزی ہے تمہارے لئے کوئی عزی نہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یوں جواب دو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ (اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا کوئی مولیٰ نہیں) شرک نے ان کا ایسا ناس کھویا تھا کہ خالص موحدین جب اللہ کی عظمت بیان کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے بتوں کی دہائی دیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۹' ۱۰۰ ج ۱۷)

تیسرا بت (جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا) منات تھا یہ بھی عرب کے مشہور بتوں سے میں تھا۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس کا نام منات اس لئے رکھا گیا کہ تقرب حاصل کرنے کیلئے اسکے پاس کثرت سے خون بہائے جاتے تھے' یہ بت بنی ہذیل اور بنی خزاعہ کا تھا۔

اور اسکے نام کی دہائی دیتے تھے مقام مشلل میں اس کی عبادت کرتے تھے۔ مشلل قدید کے قریب ایک جگہ ہے (جو آج کل مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ میں واقع ہے' بنسبت مدینہ منورہ کے مکہ معظّمہ کے قریب ہے) نیز فتح الباری میں لکھا ہے کہ عمرو بن لحی نے منات کو ساحل سمندر پر قدید کے قریب نصب کر دیا تھا' قبیلہ ازد اور غسان اس کا حج کرتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے جب بیت اللہ شریف کا طواف کر لیتے اور عرفات سے واپس آ جاتے اور منیٰ کے کاموں سے فارغ ہو جاتے تو منات کے لئے احرام باندھتے تھے (سیرت ابن ہشام (ذکر وفد ثقیف واسلامھا))، مذکورہ تینوں بتوں کی عرب قبائل میں بڑی اہمیت اور شہرت تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (کیا تم نے لات اور عزی اور تیسرے نمبر کے منات کو دیکھا) یعنی تم نے غور کیا تو کیا سمجھ میں آیا؟ کیا انہوں نے کوئی نفع دیا یا ضرر دیا؟ جب ایسا نہیں تو وہ شریک فی العبادۃ کیسے ہو گئے اور تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے؟ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان تینوں کا ناس کھو دیا گیا۔

لات کی بربادی: .... جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ لات طائف میں تھا وہاں قبیلہ بنی ثقیف رہتا تھا اس قبیلے کے افراد مدینہ منورہ میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارا سب سے بڑا بت یعنی لات تین سال تک باقی رہنے دیا جائے' آپ نے انکار کر دیا اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا' انہوں نے بت کو گرایا اور توڑ تاڑ کے رکھ دیا' بنی ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا تھا کہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے اور ہم سے نماز پڑھنے کے لئے بھی نہ کہا جائے' آپؐ نے فرمایا کہ بتوں کو تم اپنے ہاتھوں

سے نہ توڑو یہ بات تو ہم مان لیتے ہیں، رہی نماز تو (وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی) اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں (سیرت ابن ہشام، ذکر وفد ثقیف و اسلامھا)۔

عُزّٰی کی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عزّٰی کے بارے میں فتح الباری ص ۶۱۲ ج ۸ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عام الفتح یعنی فتح مکہ کے سال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے اسے گرا دیا تفسیر قرطبی میں لکھا ہے عزّٰی (جنّی) عورت تھی بطن نخلہ میں تین ببول کے درختوں کے پاس آتی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور بتلایا کہ بطن نخلہ میں جاؤ وہاں ببول کے تین درخت ہیں، پہلے درخت کو کاٹ دو انہوں نے اس کو کاٹ دیا، جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ فرمایا اب دوسرے درخت کو کاٹ دو وہ واپس گئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا، پھر حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے پھر وہی سوال فرمایا، عرض کیا میں نے تو اب بھی کچھ نہیں دیکھا۔ فرمایا جاؤ تیسرے درخت کو بھی کاٹ دو۔ جب تیسرے درخت کے پاس آئے اور اسے کاٹ دیا تو ایک حبشی عورت کو دیکھا جو اپنے بال پھیلائے ہوئے تھی اور اپنے ہاتھوں کو مونڈھے پر رکھے ہوئے تھی اور اپنے لمبے لمبے دانتوں کو گھما رہی تھی، اس کے پیچھے اس کا مجاور بھی تھا، جس کا نام دُبیہ تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس شیطان عورت کے سر پر ضرب ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور مجاور کو قتل کر دیا، واپس آ کر پورا واقعہ عرض کر دیا آپؐ نے فرمایا یہی عورت عُزّٰی تھی آج کے بعد کبھی بھی اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۰ ج ۹)

البدایہ والنہایہ ص ۳۱۶ ج ۴ میں ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ننگی عورت بال پھیلائے ہوئے بیٹھی ہے اپنے چہرے اور سر پر مٹی ڈال رہی ہے، اسے انہوں نے تلوار سے قتل کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر قصہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا، یہ عورت عزّٰی تھی۔

(یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ پہلے تو عزّٰی کو سفید پتھر بتایا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ جنی عورت تھی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنات مشرکین کے پاس آتے تھے اور اب بھی آتے ہیں، بری بری ڈراؤنی صورتیں لے کر لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں، وہ ان کی صورتوں کے مطابق بت بناتے ہیں، پھر ان کی پوجا کرتے ہیں، جنات اسے اپنی عبادت سمجھ لیتے ہیں، بت خانوں میں اور مشرکین کے استھانوں میں ان کا رہنا سہنا آنا جانا ہوتا ہے اور مشرکین کو بیداری میں اور خواب میں نظر آتے ہیں)

منات کی بربادی اور تباہی:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب رہی یہ بات کہ منات کا انجام کیا ہوا تو اس کے بارے میں تفسیر ابن کثیر (ص ۲۵۴) میں لکھا ہے کہ اس کے توڑنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، جنہوں نے اس کا تیاپانچا کر دیا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کام کے لئے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بھیجا تھا، اہل عرب کے اور بھی بہت سارے بت تھے، ان میں ایک ذی الخلصہ تھا یہ قبیلہ دوس اور خثعم کا بت تھا اس کو کعبہ یمانیہ کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے منہدم کرنے کیلئے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو روانہ فرمایا جنہوں نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

مشرکین کی ضلالت اور حماقت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مشرکین کے بڑے بڑے بتوں کی عاجزی اور محتاجی اور نفع ضرر پر قدرت نہ رکھنے کی حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى (کیا تمہارے لئے نر ہو اور اللہ کے لئے مادہ ہو) اول تو یہ گمراہی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر دی پھر جو اولاد تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا حالانکہ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے تھے اسی کو سورۃ الاسراء میں فرمایا: اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

عَظِیْمًا (کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا؟ بے شک تم بڑی بات کہتے ہو) سورۂ نحل میں فرمایا: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ٥ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ ٥ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ٥ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ٥ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ٥ مَالَكُمْ وقف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ٥ سوان لوگوں سے پوچھئے کہ کیا اللہ کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند کیں، تم لوگوں کو کیا ہو گیا' کیسا حکم لگاتے ہو)

ان لوگوں کی اسی تجویز باطل کے بارے میں فرمایا تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (قوله تعالٰى تلك اذا قسمة ضيزى قال الراغب فى مفردات القرآن أى ناقصة أصله فعلى فكسرت الضاد للياء وقيل ليس فى كلامهم فعلى (أى بالياء) وفى مجمع البحار قسمة ضيزىٰ جائرة ضازهٗ يضيزه نقصه واصله ضوزىٰ وزكره المجد فى القاموس فى المهموز حيث قال وقسمه ضأزى) کہ یہ تقسیم بڑی ظالمانہ ہے، بھونڈی ہے، باطل ہے، خود غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہوا سے اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے تجویز کیا؟

مشرکین نے اپنے لئے خود معبود تجویز کئے اور ان کے نام بھی خود ہی رکھے: .... مشرکین نے جو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے تھے خود ہی تجویز کئے تھے، خود ہی ان کے نام رکھے تھے اسی کو فرمایا اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ (یہ صرف نام ہی نام ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اور انہیں معبود تجویز کر لیا ہے) یہ مستحق عبادت ہو ہی نہیں سکتے غیر معبود کو تم معبود کہنے لگے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (اللہ تعالیٰ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی) اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ط یہ لوگ صرف بے اصل خیالات اور محض گمان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور نفسوں کی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جو جی میں آیا کہہ دیا اور تجویز کر لیا اور جو اصحاب اھواء نے بتا دیا (جن میں ان کے باپ دادا بھی ہیں) اسی کو مان لیا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے) اپنی اٹکل پر اور نفس کی تجویز پر ضد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو واقعی اور یقینی ہدایت آئی ہے اس کو نہیں مانتے۔ ہدایت ربانی سے اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس سے منحرف ہو رہے ہیں۔

پھر فرمایا اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (کیا انسان کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ تمنا کرے) یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کی ہر آرزو پوری نہیں ہوتی، مشرکین نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے دنیا میں ہماری حاجتیں پوری ہوں گی اور آخرت میں یہ معبود ہماری سفارش کریں گے اور بخشوا دیں گے یہ ان کی صرف اپنی آرزو اور تمنا ہے جو پوری ہونے والی نہیں، دنیا میں خود دیکھتے ہیں کہ ہر ایک انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی، پھر اس بات کا یقین کیسے کئے بیٹھے ہیں کہ ان معبودوں سے فائدہ پہنچے گا جب کہ انہیں خود ہی معبود تجویز کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں نازل کی گئی۔

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (سو اللہ ہی کے لئے آخرت ہے اور اولیٰ ہے) اُولیٰ سے دنیا اور اُخریٰ سے آخرت مراد ہے،

مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو کچھ تجویز کرنے اور طے کرنے کا اختیار نہیں' دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اور آخرت میں اس کی بادشاہت ہوگی' وہ اپنے قوانین تشریعیہ اور تکوینیہ کے مطابق فیصلہ فرمائے گا' کافروں کی سب امیدیں اور آرزوئیں ضائع ہیں اور رائیگاں ہیں۔

مشرکین کا خیال باطل کہ ہمارے معبود سفارش کریں گے: .... مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے ان معبودوں میں بت بھی تھے اور فرشتے بھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے اور ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ یہ شیطان نے انہیں سمجھایا تھا' مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ ہم جو شرک کرتے ہیں یہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لئے کرتے ہیں' قرآن مجید نے ان لوگوں کی تردید فرمائی بت تو بیچارے کیا سفارش کریں گے وہ تو خود ہی بے حس' بے روح اور بے جان ہیں' اپنے نفع ضرر کو نہیں جانتے جو انہیں توڑنے لگے اس سے بچاؤ نہیں کر سکتے وہ کیا سفارش کریں گے' فرشتے اور انبیاء کرام اور اللہ کے دوسرے نیک بندے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت تو کر دیں گے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو کہ فلاں فلاں کی سفارش کر سکتے ہو۔

آیت کریمہ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ (الاٰية) میں اسی مضمون کو بتایا ہے کہ آسمانوں میں بہت فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی' ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لئے اجازت دے اور جس سے راضی ہو اس کی سفارش سے فائدہ پہنچ سکے گا۔

اور چونکہ کافر اور مشرک کی بخشش ہی نہیں ہونی اس لئے ان کے لئے شفاعت کی اجازت ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا' سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کی شفاعت کی امید رکھتے تھے ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ط لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ط يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ط (اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنالی ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ معزز بندے ہیں وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں' وہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتے ہیں اور وہ سفارش کر سکتے ہیں مگر جس کے لئے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

مشرکین نے اپنی طرف سے فرشتوں کا مادہ ہونا تجویز کیا: .... مشرکین جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ط (بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو مؤنث یعنی لڑکی کے نام سے نامزد کرتے ہیں) ان کی یہ سب بری حرکتیں ہیں اور برے عقیدے ہیں اور ان کے یہ جو خیالات ہیں فکر آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر آخرت پر ایمان لاتے اور یہ فکر ہوتا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا ایسا تو نہیں کہ ہمارے عقائد اور اعمال ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں تو بغیر قطعی دلیل کے فرشتوں کو نہ عورت بناتے اور نہ ان کو اللہ کی اولاد بتاتے' اپنی عقل کو کام میں نہ لائے ساری باتیں محض گمان سے کرتے رہے' نہ دلیل نہ حجت محض اٹکل پچو باتیں بناتے رہے اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کو فرمایا وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ط (اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں) اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (صرف بے اصل خیالات اور محض گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (اور بلاشبہ گمان حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا) گمان کا اتباع کرنے کا تذکرہ دوبارہ فرمایا ہے پہلی جگہ باطل معبود تجویز کرنے سے متعلق ہے اور دوسری جگہ ان کو شفاعت والا سمجھنے سے متعلق ہے۔

ایمان اور فکرِ آخرت کی ضرورت: .... اللہ جل شانہ نے جو اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الأية) فرمایا ہے اس میں ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرکیہ باتیں کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین نہ ہونا کفر و شرک اختیار کرنے اور اس پر جمے رہنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ آخرت پر یقین نہیں اور اگر آخرت کا تصور ہے تو یوں ہی جھوٹا سا دھندلا سا ہے پھر ان کے دینی ذمہ داروں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ تمہیں قیامت کے دن سفارش کر کے عذاب سے بچالیں گے۔ لہٰذا تھوڑا بہت جو آخرت کا ڈر اور فکر تھا وہ بھی ختم ہوا' مشرکین تو کافر ہیں ہی ان کے علاوہ جو کافر ہیں ان کی بہت سی قسمیں اور بہت سی جماعتیں ہیں' ان میں بعض تو ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ شانہ کے وجود کو مانتے ہیں نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں' ان کے عقیدہ میں جب کوئی خالق ہی نہیں تو کون حساب لے گا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا یہ ملحدین کا اور دہریوں کا عقیدہ ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دین اور دھرم کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کو بھی خالق اور مالک مانتے ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں اور تناسخ یعنی آواگون کا عقیدہ رکھتے ہیں آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ اور عقاب کا تصور ان کے یہاں نہیں ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں' یعنی یہود و نصاریٰ یہ لوگ دوسرے کافروں کی نسبت آخر کا ذرا زیادہ تصور رکھتے ہیں' لیکن دونوں قوموں کو عناد اور ضد نے برباد کر دیا' سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتے یہودیوں کی آخرت سے بے فکری کا یہ عالم ہے کہ یوں کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط (ہمیں ہرگز آگ نہ پکڑے گی مگر چند روز) یہ جانتے ہوئے کہ دنیاوی آگ ایک منٹ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتے اپنے اقرار سے چند دن کے لئے دوزخ میں جانے کو تیار لیکن ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ آخرت کے عذاب کا یقین رکھتے ہوئے اپنے دینی پیشواؤں اور پادریوں کی باتوں میں آ گئے۔ جنہوں نے یہ سمجھا دیا کہ کچھ بھی کرلو اتوار کے دن چرچ میں آ جاؤ بڑے بڑے گناہ جو کئے ہیں وہ پادری کو بتادو وہ انہیں معاف کر دے گا اور دوسرے گناہوں کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں' پادری کے اعلان عام میں معاف ہو جائیں گے ایسی بے وقوفی کی باتوں کو مان کر آخرت کے عذاب سے غافل ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہیں' بے فکری نے ان سب کا ناس کھویا ہے' آخرت کے عذاب کا جو دھندلا سا تصور ذہن میں تھا' اسے بھی ان کے بڑوں نے کالعدم کر دیا' دھڑلے سے کفر پر بھی جمے ہوئے ہیں اور شرک پر بھی اور کبیرہ گناہوں پر بھی' غور کرنے کی بات ہے کہ نافرمانی کی خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اور معاف کر دیں بندے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنا لازم ہے: .... انسانوں کو موت کے بعد کی فکر ہی نہیں اور یہ یقین ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے اپنی طرف سے کوئی دین بھیجا ہے' جس کے ماننے اور قبول کرنے پر آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے' نہ فکر ہے نہ یقین ہے اسی لئے کفر و شرک اور گنہگاری کی زندگی میں مبتلا ہیں' فکر اور یقین بہت بڑی چیز ہے اگر کسی کو فکر لاحق ہو جائے اور کفر و شرک پر مرنے سے عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے تو نیند نہ آئے اور نہ کھانے میں مزا آئے' جب تک اس دین کو تلاش نہ کرلیں' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اس کے انکار پر دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کی تحقیق کرنے سے پہلے نہ جینے میں مزہ آتا نہ خوشیاں مناتے نہ مستیاں کرتے۔ اگر واقعی فکر کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ سب کی سمجھ میں یہی آئے گا کہ صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے اور اسی میں نجات ہے' اس کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں گے نہ کسی سردار کی' نہ پیشوا کی' نہ پوپ کی' نہ پادری کی اور ہر شخص مذہب کے بڑوں کو جواب دے کہ دین کو اختیار کرنا دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے ہے' دنیا میں گروہ بندی کرنے کیلئے نہیں تم اپنی بڑائی باقی رکھنے اور ایک جماعت کا سردار اور پیشوا بننے کی حرص میں ہمارا ناس کیوں کھوتے ہو اور اپنے ساتھ ہمیں دوزخ

میں لے جانے کی فکر میں کیوں مبتلا ہو؟

درحقیقت آخرت پر پختہ ایمان نہ ہونا، خواہشات نفس کا اتباع کرنا، اٹکل پچو اپنے لئے دین تجویز کر لیا، ان تین باتوں نے انسانوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہیں آخرت کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن خواہش نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ لوگ بھی اپنی جانوں کو آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے تیار ہیں، نمازیں چھوڑنے والے زکوٰۃ روکنے والے، حرام کمانے والے، حرام کھانے والے اور دوسرے گناہوں میں جو لوگ پھنسے ہوئے ہیں ان کے ایمان کو خواہشات نفس نے کمزور کر رکھا ہے، فکر آخرت نہیں اس لئے گناہ نہیں چھوڑتے۔

گمان کی حیثیت :۔ آیات بالا میں گمان کے پیچھے پڑنے کی بھی مذمت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ گمان حق کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت ہے جو قرآن وحدیث کی تصریحات کے مقابلہ میں اپنے خیال اور گمان کے تیر چلاتے ہیں اور دینی مسائل میں دخل دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یوں ہے یا یوں ہونا چاہئے جو لوگ عموماً دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان کی یہ بدگمانی انہیں غیبت اور تہمت پر آمادہ کر دیتی ہے (اپنی آخرت کی فکر نہیں کرتے یہ لوگ اپنی بہت سی ایسی ہی) حرکتوں کی وجہ سے رسوا بھی ہو جاتے ہیں اور آخرت میں گناہوں کا نتیجہ سامنے آ ہی جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی باتوں میں سب سے جھوٹی بات ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۷ عن البخاری ومسلم)

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ

سو آپ اسکی طرف سے اعراض کیجئے جس نے ہماری نصیحت سے روگردانی کی اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اس نے کوئی مقصد نہ پایا، یہ ان کے علم کی حد ہے،

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

بیشک آپکا رب اسے خوب جانتا ہے، جو اس کے راستہ سے بھٹکا اور وہ اسے خوب جانتا ہے جس نے ہدایت پائی اور اللہ ہی کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے

فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ

اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے برے عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کا اور جن لوگوں نے اچھے کام کئے، ان کی اچھائی کا بدلہ دے، وہ لوگ ایسے ہیں

كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں مگر ہلکے گناہ، بے شک آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں

الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿٣٢﴾

زمین سے پیدا فرمایا اور جب تم ماؤں کے پیٹوں میں تھے، سو تم اپنی جانوں کو پاک باز نہ بتاؤ وہ تقوے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اہل دنیا کا علم دنیا ہی تک محدود ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو اور گمراہوں کو خوب جانتا ہے

یہ چند آیات کا ترجمہ ہے، ان میں اولاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ جس شخص نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا

آپ اس کی طرف سے اعراض فرمائیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کی حرکتوں سے دلگیر نہ ہوں ان کو دنیا میں جھٹلانے اور انکار کرنے کی سزا مل جائے گی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے عذاب ہے ہی اس سے چھٹکارہ نہیں۔ جن لوگوں نے قرآن سے اعراض کیا ان کی ایک صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (کہ اس نے صرف دنیاوالی زندگی کا ارادہ کیا) اس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اعراض کرنے والوں کی یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ صرف دنیا ہی کو چاہتے ہیں دنیا ہی ان کا مقصود اور مطلوب ہوتی ہے اور اسی کے لئے کھاتے ہیں اور کماتے ہیں اور اسی کے لئے جیتے ہیں اور مرتے ہیں، جس نے دنیا ہی کو مقصود بنالیا وہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے اور وہاں کام آنے والے اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہی نہیں اس کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، دنیا ہی کے لئے ہوتا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط (یہ ہی ان کے علم کی پہنچ ہے) جتنی بھی ترقی کرلیں اور جتنا بھی پڑھ لیں اور جتنی بھی ڈگریاں حاصل کرلیں ان کا سب کچھ غور وفکر اور مقصود اور مطلوب دنیا کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا جو دنیا میں غرق ہو گیا، آخرت کی فکر سے اسے واسطہ ہی نہ رہا، سورۂ روم میں فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ط (یہ لوگ دنیاوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں) اصحاب دنیا کو دنیا کی محبت ایمان قبول نہیں کرنے دیتی اور جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں، ان کا بھی یہی حال ہوتا ہے، جتنی دنیا غالب ہوگی اسی قدر آخرت سے غفلت ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من احب دنیاہ اضر باٰخرته ومن احب اٰخرته اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقٰی علٰی ما یفنی (جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا لہٰذا تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱)

مطلب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ اس کو ترجیح دینا ہوش مندی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا حب الدنیا رأس کل خطیئۃ (دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو دعائیں کیا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا ط (اے اللہ! ہمارے دین میں کوئی مصیبت مت بھیج اور دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر اور ہمارے علم کی پہنچ مت بنادے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹)

پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ط (بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ خوب جانتا ہے اس شخص کو جس نے ہدایت پائی) دونوں فریقوں کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ ہر ایک کے حال کے مطابق جزا سزا دے دے گا۔

برے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اور محسنین کو اچھا بدلہ دیا جائے گا: .... وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اسی نے سب چیزوں کو پیدا فرمایا ہے اسی مخلوق میں بنی آدم بھی ہیں جن کیلئے ہدایت بھیجی ہے ہدایت پہنچنے کے بعد دو فریق ہو گئے ایک برے اعمال والا ہے دوسرا فریق اچھے اعمال والا ہے دونوں فریق کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اسی بات کو لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى میں بیان فرمایا ہے پھر اچھے عمل کرنے والوں کی صفت بتاتے ہوئے اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ فرمایا ہے اس میں نیک ہونے کی سلبی صفت بیان فرمادی اور یہ بتایا کہ جیسے فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا اور دیگر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ

عالیہ کا انجام دینا نیکیوں سے متصف ہونے کی ایک صفت ہے' اسی طرح اس کے مقابل بڑے گناہوں اور فحش کاموں کو چھوڑ دینا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے' کوئی شخص نیک عمل کرتا رہے اور ساتھ ہی گناہ کبیرہ کا بھی ارتکاب کرے تو یہ شخص کامل طریقہ پر اچھے بندوں میں شمار نہیں ہوگا' دونوں پہلو نیکی کا جزو ہیں' جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے' ان پر عمل کرنا اور جن سے منع کیا گیا ہے' ان سے بچنا دونوں چیزیں مل جائیں تو تب ایمان کا کمال حاصل ہوتا ہے اور بندہ اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کا مصداق بنتا ہے' بہت سے لوگ نفلیں زیادہ پڑھتے ہیں لیکن گناہ چھوڑنے کی طرف توجہ نہیں کرتے حالانکہ گناہوں کو چھوڑنا بہت بڑی نیکی ہے بلکہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتق المحارم تکن اعبدالناس (تو گناہوں سے بچ لوگوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) بات یہ ہے کہ نیکی کرنا بہ نسبت گناہ چھوڑنے کے آسان ہے اور بہت سے لوگ گناہوں سے بچنے میں کوئی خاص زیادہ ثواب نہیں سمجھتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں سے بچنا سب سے بڑی عبادت ہے' جن گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے' انہیں کرتے ہی رہتے ہیں نیکیوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ ہی گناہوں کو چھوڑنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے۔

آیت شریفہ میں کبیرہ گناہوں سے اور فواحش سے بچنے والوں کو اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کا مصداق بتایا ہے' کبیرہ گناہ کون سے ہیں' ان کی تفسیر سورۂ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

بڑے گناہوں سے بچنے کے ساتھ فواحش سے بچنے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ فواحش سے بچنا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے اور فواحش گو کبآئر الاثم میں داخل ہیں لیکن الگ سے بھی ان کا تذکرہ فرما دیا تا کہ ان کبیرہ گناہ سے بھی بچیں جو بے حیائی اختیار کرنے کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں' مردوں اور عورتوں سے جو بے حیائی کے اعمال صادر ہوتے ہیں' لفظ الفواحش ان سب کو شامل ہے دیگر گناہوں کے ساتھ بے حیائی والے اعمال سے بچنے کا خاص اہتمام کریں۔ کبائر اور فواحش کے تذکرہ کے ساتھ اِلَّا اللَّمَمَ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے گناہ صغیرہ سرزد ہو جائے تو اس کی وجہ سے اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کی صفت میں خلل نہیں آتا جو لوگ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں' ان سے کبھی کبھی صغیرہ گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کا دینی مزاج ہوتا ہے اور دل پر خوف وخشیت کا غلبہ رہتا ہے اس لئے جلد ہی توبہ واستغفار بھی کر لیتے ہیں اور گناہ پر اصرار بھی نہیں کرتے اور چھوٹے گناہ نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ فرمایا ہے

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ مطلب استثناء کا یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کی جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے' اس کا مصداق بننے کیلئے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لئے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے نہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ الذین احسنوا کا مجزی بالحسنٰی ہونا موقوف ہے۔ اجتناب عن الکبائر پر کیونکہ مرتکب کبائر بھی جو حسنہ کرے گا اس کی جزا پائے گا لقولہ تعالیٰ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ پس اشتراط کا معنی یُجْزٰی کے اعتبار سے نہیں بلکہ تلقیب بالمحسن اور محبوبیت خاصہ کے اعتبار سے ہے جس پر عنوان اَحْسَنُوْا دال ہے اھ

بیان القرآن میں یہ جو فرمایا ہے کہ اس میں صغیرہ گناہوں کی اجازت نہیں دی گئی یہ تنبیہ واقعی ضروری ہے' صغیرہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہیں اور نیکیوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں پھر بھی صغیرہ گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر کسی چھوٹے بڑے گناہ کی اجازت ہو جائے تو وہ گناہ ہی کہاں رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! حقیر گناہوں سے بھی

بچنا کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اللہ کی طرف سے جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں اور ان کے بارے میں محاسبہ اور مواخذہ ہو سکتا ہے (رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۴۸۵)

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے) جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یوں نہ سمجھیں کہ بس عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے، بڑی مغفرت والا ہے' اس کی طرف رجوع کریں تو بہ واستغفار کو لازم پکڑیں اور ضائع شدہ حقوق کی تلافی کریں۔ یہ بندہ کا کام ہے' یوں تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسے چاہے بغیر توبہ کے بھی معاف فرما دے' لیکن کفر و شرک معاف نہیں ہوگا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (وہ تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔)

یہ بنی آدم کی ابتدائی تخلیق تھی اس کے بعد نسل در نسل انسان پیدا ہوتے رہے' بڑھتے رہے پھر ہر انسان کی انفرادی تخلیق کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مرد و عورت جو اپنی ماؤں کے پیٹوں میں مختلف اطوار سے گزرتے ہیں' ان کی حالتوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

اپنا تزکیہ کرنے کی ممانعت:۔ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (لہٰذا تم اپنے نفسوں کو پاکباز نہ بتاؤ) هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (جو لوگ شرک اور کفر سے بچتے ہیں وہ انہیں خوب جانتا ہے) جسے تمہاری تخلیق سے پہلے ہی تمہارے حالات کا علم ہے اسے ہر شخص کا اور ہر شخص کے اعمال کا علم ہے اور اعمال کی خوبی اور اچھائی اور اعمال کے کھوٹ اور نقص کا بھی ہے' وہ ہر شخص کو اپنے علم کے مطابق اس کے عمل کے موافق جزا دے گا۔ یہ کہتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں نے ایسا ایسا عمل کیا، اتنے روزے رکھے، اتنی نمازیں پڑھیں اور اتنے حج کئے اور فلاں موقع پر حرام سے بچا' بندہ جیسا بھی عمل کرے' وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو ہی نہیں سکتا' عموماً جو متقی اور صالح بندے عمل کرتے ہیں' ان میں بھی کچھ نہ کچھ لچک خرابی اور کھوٹ کی ملاوٹ رہتی ہی ہے' پھر اپنی تعریف کرنے کا کسی کو کیا مقام؟ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بندہ ہماں بہ کہ بتقصیر خویش　　عذر بدر گاہ خدا آورد
ورنہ سزا وار خدا وندیش　　کس نتو اند کہ بجا آورد

اپنا تزکیہ کرنا اور اپنی تعریف کرنا یعنی اپنے اعمال کو اچھا بتانا اور اپنے اعمال کو بیان کر کے دوسروں کو معتقد بنانا یا اپنے اعمال پر اترانا اور فخر کرنا آیت شریفہ سے ان سب کی ممانعت معلوم ہوگئی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہ تھا' جس سے اپنی بڑائی اور خوبی کی طرف اشارہ ہوتا ہو' حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ نے بیان کیا کہ میرا نام برہ تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں کا تزکیہ نہ کرو' یعنی یوں نہ کہو کہ میں نیک ہوں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں نیکی والے کون ہیں اس کا نام زینب رکھ دو۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۸ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کسی کا نام برّہ (نیک عورت) ہوگا تو اس سے جب پوچھا جائے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ یہ کہے گی کہ برّہ یعنی میں نیک عورت ہوں' اس میں بظاہر صورتاً خود اپنی زبان سے نیک ہونے کا دعویٰ ہو جاتا ہے' لہٰذا اس سے بھی منع فرما دیا۔ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح ایک لڑکی کا نام زینب رکھ دیا جس کا پہلا نام برّہ تھا اسی طرح آپ نے ایک لڑکی کا نام جمیلہ رکھ دیا جس کا پہلا نام عاصیہ (گناہگار) تھا (رواہ مسلم) معلوم ہوا کہ اپنی نیکی کا ڈھنڈورہ بھی نہ پیٹے اور اپنا نام اور لقب بھی ایسا نہ کرے جس سے گناہگاری ٹپکتی ہو' مؤمن نیک ہوتا ہے لیکن نیکی کو بگھارتا نہیں پھرتا' اور کبھی گناہ ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے' نیز اپنی ذات کے لئے کوئی ایسا

نام ولقب بھی تجویز نہیں کرتا، جس سے گناہ گاری کی طرف منسوب ہوتا ہو۔ بہت سے لوگ تواضع میں اپنے نام کے ساتھ العبد العاصی یا عاصی پر معاصی لکھتے ہیں یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ

اے مخاطب! کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا، کیا اسکے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے، کیا اسے ان مضامین کی خبر نہیں

بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ

دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور جو ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں کہ جس نے پوری بجا آوری کر دی یہ کہ کوئی بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کیلئے نہیں

اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ

ہے مگر وہی جو کچھ اس نے کمایا۔ اور یہ کہ اسکی سعی عنقریب دیکھ لی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور یہ کہ تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی

هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور یہ کہ اسی نے جوڑے پیدا کئے یعنی مذکر اور مؤنث نطفے

اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗٓ

سے جبکہ وہ ڈالا جاتا ہے، اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا اور یہ کہ اسی نے دولت دی اور سرمایہ باقی رکھا اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے۔ اور یہ کہ اسی نے

اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾

عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی سو باقی نہیں رکھا۔ اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو بیشک یہ لوگ خوب بڑھ کر ظالم اور سرکش تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

اور الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک دیا، سوان بستیوں کو ڈھانپ لیا، جس چیز نے ڈھانپا ہو تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا۔

کافر دھوکہ میں ہیں کہ قیامت کے دن کسی کا کام یا عمل کام آجائے گا

روح المعانی (ص ۶۵ ج ۲۷) میں حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت سنی تو متاثر ہوا اور اسلام کے قریب ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس کے اسلام کے قبول کرنے کی امید بندھ گئی پھر اسے مشرکین میں سے ایک شخص نے ملامت کی اور کہا کیا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ہٹ رہا ہے تو سمجھتا ہے کہ محمد علیہ السلام کا دین قبول نہ کیا تو موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہو گا ایسا کر تو اپنے دین پر واپس آجا اور تجھے جو عذاب کا ڈر ہے تیری طرف سے میں برداشت کرلوں گا، مگر یوں ہی مفت میں نہیں شرط یہ ہے کہ تو مجھے اتنا اتنا مال دے دے۔ ولید اس پر راضی ہو گیا اور جو کچھ تھوڑا بہت ارادہ اسلام قبول کرنے کا کیا تھا اس سے باز آ گیا اور جس شخص نے اس سے یہ بات کہی تھی اسے کچھ مال دیدیا، ابھی اتنا مال نہیں دیا تھا جتنے مال کی بات ہوئی تھی کہ کنجوسی سوار ہو گئی اور باقی مال جس کا وعدہ کیا تھا وہ روک لیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات کریمہ نازل فرمائیں اَفَرَءَيْتَ

الَّذِیْ تَوَلّٰی (اے مخاطب! کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی)۔
وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی (اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا) اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی (کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے) یعنی اس کو کیسے پتہ چلا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لے سکتا ہے اور کافروں نے جو کفر اور شرک کا جرم کیا ہے اس کے بجائے دوسرے کو عذاب دے دے گا ان کے پاس علم غیب تو ہے نہیں پھر قیامت کے دن کے فیصلہ کا انہیں کیسے علم ہوا؟ نہ انہیں علم غیب ہے نہ ایسا ہونے والا ہے اپنے پاس سے باتیں بناتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جس طرح چاہیں گے اس طرح ہو جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ۙ وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ۙ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۙ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ۙ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ۪ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ۙ (کیا اسے ان مضامین کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں اور جو ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں جس نے پوری بجا آوری کر دی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہی جو کچھ اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھ لی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا)
مشرکین مکہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور مدینہ منورہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بتاتے تھے دونوں قوموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جھگڑا کیا لہٰذا ان دونوں حضرات (حضرت ابراہیمؑ وموسیٰؑ) کے صحیفوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے صحیفوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا دوسرا کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہر شخص کا اپنا ایمان اور کفر کی جزا سزا ملے گی، کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا (وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ) اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ بات ہے کہ کسی ایک شخص کو دوسرے شخص کے بدلہ عذاب دے دیا جائے جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا مؤمن ایمان کا پھل پائے گا اور کافر کو کفر کی سزا ملے گی۔ ہر شخص کی محنت اور سعی سامنے آ جائے گی لہٰذا اس بل بوتہ پر کفر پر جما رہنا کہ میں دنیا میں کسی کو مال دے دیتا ہوں وہ میری طرف سے عذاب بھگت لے گا یا کسی سے یوں کہہ دینا کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا۔ قانون الٰہی کے خلاف ہے۔ دنیا میں بیٹھ کر باتیں بنا لینے اور خود ہی فیصلے کر لینے سے عذابِ آخرت سے چھٹکارہ نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفصیل کے لئے سورۃ النحل رکوع ۱۳ اور سورۃ العنکبوت رکوع ۱ کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے۔
یہ جو فرمایا ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی) اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر ایصال ثواب کا کوئی فائدہ نہ رہا کیونکہ جو شخص عمل کرتا ہے آیت کریمہ کی رو سے اس کا ثواب صرف اس کو پہنچنا چاہیے نہ کہ کسی دوسرے شخص کو۔ اس اشکال کو حل کرنے کے لئے بعض اکابر نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو اِلَّا مَاسَعٰی فرمایا ہے اس سے ایمان مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی ایمان کا ثواب ملے گا اس بات کو سامنے رکھ کر اشکال ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ کسی شخص کا ایمان کسی ایسے شخص کو فائدہ نہیں دے سکتا جو کافر ہو اور کافر کو ایصال کرنے سے بھی ثواب نہیں پہنچتا۔ ذریت کو جو آباء کے ایمان کا ثواب پہنچے گا (جس کا سورۂ طور میں ذکر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توجیہ میں آ رہا ہے) اس میں اِتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ کے ساتھ بِاِیْمَانٍ بھی مذکور ہے۔
بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کا مفہوم عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہے کیونکہ احادیث شریفہ میں حج بدل کرنے کا ذکر ہے اور حج بدل دوسرے شخص کا عمل ہے پھر بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا جس کی طرف سے حج ادا کیا ہے' بعض احادیث میں (جو سند

کے اعتبار سے صحیح ہیں) دوسرے کی طرف صدقہ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص ذکر یا تلاوت کا ثواب پہنچائے جبکہ ذکر تلاوت محض اللہ کی رضا کیلئے ہو کسی طرح کا پڑھنے والے کو مالی لالچ نہ ہو تو اس میں ائمہ کرام علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے، حضرات حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بدنی عبادات کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور حضرات شوافع اور مالکیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا، جن حضرات کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے وہ حج بدل اور صدقات پر قیاس کرتے ہیں اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی مروی ہے۔

فقد روی ابو داؤد بسنده عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال من يضمن لی منكم ان يضمن لی فی مسجد العشار ركعتين او اربعا ويقول هٰذه لابی هريرة سمعت خليلی ابا القاسم صلی اللّٰه عليه وسلم يقول ان اللّٰه يبعث من مسجد العشار يوم القيامة شهداء لا يقوم مع شهداء بدر غيّر هم قال ابو داؤد هٰذا المسجد مما يلی النهر (ای القرات ص ۲۳۶ ج ۲)

قال فی الدر المختار الاصل أن كل من اتی بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وان نواها عندالفعل لنفسه لظاهر الا دلة وأما قوله تعالٰی وان ليس للانسان الا ماسعٰی ای الااذاوهبه له(انتهی) قال الشامی فی ردالمحتار(قوله لی جعل)ثوابها لغيره) خلافا للمعتزلة فی كل العبادات ولمالک والشافعی فی العبادات البدنية المحضة كا لصلٰوة والتلاوة فلا يقولان بوصولها بخلاف غير ها كا لصدقة والحج وليس الخلاف فی ان له ذلک اولا كما هوظاهر اللفظ بل فی انه ينجعل بالجعل اولا بل يلغو جعله' افاده فی الفتح ای الخلاف فی وصول الثواب وعدمه(قوله لغيره) ای من الاحياء والاموات(بحرعن البدائع)(ص ۲۳۶ ج ۲) وقد اطال الكلام فی ذلک الحافظ ابن تيمية فی فتاواه(۳۰۶ الی ص ۳۲۴ ج ۲۴) وقال يصل الی الميت قراءة اهله تسبيحهم وتكبير هم وسائر ذكرهم اللّٰه تعالٰی واجاب عن استدلال الما نعين وصول الثواب باٰية سورة النجم ثم اطال الكلام فی ذلک صاحبه ابن القيم فی كتاب الروح(من ص ۱۵۶ الی ص ۱۹۲) واليک ماذكر فی فتاوی الحافظ ابن تيمية فی آخر البحث:وسئل هل القراءة تصل الی الميت من الولدأ ولا؟ علی مذهب الشافعی.

فاجاب :أما وصول ثواب العبادات البدنية : كالقراءة والصوم' فمذهب أحمد وأبی حنيفة' وطائفة من اصحاب مالک' والشافعی' الی أنها تصل' وذهب اكثر أصحاب مالک' والشافعی' الی أنهالا تصل' واللّٰه أعلم.

وسئل :عن قراءة أهل الميتأتصل اليه؟ والتسبيح والتحميد ' والتهليل والتكبير ' اذااهداه الی الميت يصل اليه ثوابها ام لا؟

فاجاب :يصل الی الميت قراءة أهله' وتسبيحهم' وتكبير هم' وسائر ذكرهم اللّٰه اذاأهدوه الی الميت' وصل اليه' واللّٰه أعلم(ص ۳۲۴ ج ۲۴)

وسر المسألة أن الثواب ملک للعامل فاذاتبرع به واهداه الی اخيه المسلم اوصله اللّٰه اليه ' فما الذی خص من هذاثواب قراءة القراٰن وحجر علی العبدأن يوصله الٰی اخيه وهذا عمل الناس حتی المنكرين فی سائر الأعصار والا مصار من غير نكير من العلماء اه

(ابوداؤد نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ

مسجد عشار میں جا کر دو یا چار رکعت نماز پڑھ کر کہے یہ ابو ہریرہ کے لئے ہیں کہ میں نے اپنے خلیل حضرت ابو القاسم ﷺ سے سنا ہے آپ فرمار ہے تھے بیشک اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن شہداء اٹھائیں گے کہ ان کے علاوہ بدر کے شہداء کے ساتھ اور کوئی نہیں اٹھایا جائے گا۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں یہ مسجد نہر فرات کے کنارہ پر ہے۔ درمختار میں ہے اصل یہ ہے کہ جس نے کوئی مالی عبادت کی اور اس کا ثواب کسی اور کو بخش دیا اگر چہ اس عمل کے وقت اپنی نیت کی تھی (تو بھی ثواب پہنچ جائے گا) ظاہر دلائل کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان لیس للانسان الا ماسعی اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جب اس کو کسی نے اسے ہبہ کیا۔ شامی نے ردالمحتار میں کہا ہے کہ درالمختار والے کا جعل ثوابھا لغیرہ اس میں تمام عبادات کے ثواب میں معتزلہ کا اختلاف ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ان عبادات کے ثواب میں اختلاف ہے جو محض بدنی ہیں جیسے نماز، تلاوت، وہ ان کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں۔ بخلاف دوسری عبادات صدقہ حج وغیرہ کے اور اختلاف اس میں نہیں ہے کہ ان اعمال کا ثواب ان کے کرنے والے کو ہے یا نہیں بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ اس کی طرف سے ثواب منتقل کرنے سے دوسرے کو منتقل ہوتا ہے یا نہیں بلکہ اس کا انتقال ثواب کا عمل لغو ہے۔ اس اختلاف کا تذکرہ فتح الباری میں ہے۔ درمختار کا قول لغیرہ اس سے مراد خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کی تلاوت، تسبیح وتکبیر وغیرہ تمام ذکر اللہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور سورۃ النجم کی آیت سے ایصال ثواب کے مانعین کے استدلال کا جواب دیا ہے پھر علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں اس بحث کے آخر میں جو مذکور ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق اولاد کی جانب سے میت کو قرأت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا عبادات بدنیہ جیسے قراءۃ، نماز اور روزہ کے بارے میں امام احمد، امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعیؒ کے شاگردوں کی ایک جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام مالکؒ کے اکثر اصحاب اور امام شافعی کے اکثر اصحاب کا خیال یہ ہے کہ ان کا ثواب نہیں پہنچتا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ میت کے گھر والوں کی قرأت تسبیح، تکبیر، تہلیل وتحمید کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا میت کے گھر والوں کی قراءت، تسبیح تہلیل، تکبیر وغیرہ تمام اذکار کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اس بحث کے آخر میں کہا ہے اس مسئلہ کی روح یہ ہے کہ ثواب، عمل کرنے والے کی ملکیت ہے جب وہ اس کا تبرع اور ہدیہ اپنے مسلمان بھائی کو کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دیتا ہے پس وہ کون سی دلیل ہے کہ جس نے اس اصول سے قراءت قرآن کے ثواب کو خاص کر لیا ہے اور آدمی کو اپنے بھائی کی طرف ثواب بھیجنے سے روکتی ہے۔ نیز اس پر تو تمام شہروں میں تمام مسلمانوں کا عمل ہے حتیٰ کہ منکرین بھی کرتے ہیں۔ علماء اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آیت کریمہ کا عموم منسوخ ہے کیونکہ دوسری آیت میں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کے ایمان کا انکی ذریت کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ والی خراسان نے حضرت حسین بن الفضل سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ فرمایا ہے اور دوسری طرف وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى فرمایا ہے دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ حضرت حسین ابن الفضل نے فرمایا ہے کہ سورۂ نجم کی آیت میں عدل الٰہی کا تذکرہ ہے کہ جو بھی کوئی اچھا عمل کرے اس کو بقدر عمل ضرور ہی اجر ملے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کا استحقاق ہے اس کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا اور وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ میں فضل کا بیان ہے وہ جسے جتنا چاہے زیادہ سے زیادہ دیدے اسے اختیار ہے۔

والئ خراسان کو یہ جواب پسند آیا اور حضرت حسین بن الفضل کا سر چوم لیا صاحب روح المعانی نے بھی اس جواب کو پسند کیا' پھر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عطیہؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی صرف گناہ کے ساتھ مخصوص ہے نیکی کا ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا' جس کی تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں اور قرآن مجید میں جو وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ اعمال صالحہ سے متعلق ہے جو شخص گناہ کرے گا اس کا گناہ اتنا ہی لکھا جائے گا جتنا اس نے کیا ہے اور اسی پر مواخذہ ہوگا گناہ بڑھا کر نہیں لکھا جاتا (وھذا توجیہ حسن)

صاحب معالم التنزیل نے حضرت عکرمہؒ سے ایک جواب یوں نقل کیا ہے کہ سورۃ النجم کی آیت حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ہے کیوں کہ یہ مضمون بھی ان حضرات کے صحیفوں میں ہے' ان کی قوموں کو صرف اپنے ہی کئے ہوئے عمل کا فائدہ پہنچتا ہے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل بھی فرمایا کہ کوئی دوسرا مسلمان ثواب پہنچانا چاہے تو وہ بھی اسے پہنچ جائیگا۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور مؤمنین کے لئے جو ان کے گھر میں داخل ہوں' مغفرت کی دعا کی جیسا کہ سورۂ نوح کی آخری آیت میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لئے اور اپنی قوم کے لئے مغفرت کی دعا کی جو سورۂ اعراف رکوع نمبر ۱۹ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں ایک دوسرے کے لئے دعا قبول ہوتی تھی (ہاں اگر دعائے مغفرت کو مستثنیٰ کیا جائے تو یہ دوسری بات ہے)

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔

(۱)۔صدقہ جاریہ (۲)۔ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو (۳)۔ وہ صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔ اور بعض روایات میں سات چیزوں کا ذکر ہے) ان کا ثواب پہنچنے سے کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ یہ مرنے والے کے اپنے کئے ہوئے کام ہیں' اولاد صالح جو دعا کرتی ہے اس میں والد کا بڑا دخل ہے کیونکہ اسی کی کوششوں سے اولاد نیک بنی اور دعا کرنے کے لائق ہوئی۔

وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف میں اَلَّذِیْ وَفّٰی فرمایا انہوں نے مامورات الٰہیہ کو پورا کیا۔ اللہ نے جو انہیں رسالت کا کام سپرد کیا اور دعوت وارشاد کے لئے انہوں مامور فرمایا اور جن اعمال کے کرنے کا حکم فرمایا ان سب کو پورا کیا' سورۂ بقرہ میں جو وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ فرمایا ہے اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا اَسْلِمْ کہ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں امتحان میں ڈالا جان و مال اور اولاد میں ایسے احوال سامنے آئے جن پر صبر کرنا اور احکام ربانیہ پر قائم رہنا بڑا اہم کام تھا' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں' وفی قصة الذبح مافیه کفایة یعنی انہوں نے جو اپنے بیٹے کو اپنے رب کے حکم سے ذبح کرنے کیلئے لٹا دیا اور اپنی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی رب جل شانہ کے فرمان پر عمل کرنے کی مثال قائم کرنے کیلئے یہی قصہ کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان کے زمانہ کے لوگ ایک شخص کو دوسرے شخص کے عوض پکڑ لیتے تھے' جس شخص نے قتل نہ کیا ہوا سے اس کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور چچا اور ماموں اور چچا کے بیٹے اور بیوی اور شوہر اور غلام کے قتل کر دینے کے عوض قتل کر

دیتے تھے یعنی قصاص لینے کے لئے قاتل کے کسی بھی رشتہ دار کو قتل کر دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچایا کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۙ (کہ ایک جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔)

بعض مفسرین نے یہاں دو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ علی الصبح چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور انہیں اخیر تک پڑھتے رہے۔ یہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کے بارے میں الذی وفّٰی کیوں فرمایا؟ پھر آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ وہ صبح شام فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الآیۃ) پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۹)

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (اور یہ کہ تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے) اس دنیا میں جتنی بھی زندگی گزار لے آخر مرنا ہے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے حسنات اور سیئات کا حساب ہے یہ آیت کی ایک تفسیر ہے دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوقات میں غور کریں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے بارے میں غور نہ کریں کیونکہ اس کا ادراک نہیں ہو سکتا صاحب روح المعانی نے اس بارے میں بعض احادیث بھی نقل کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہی ہنسایا اور رُلایا:۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اور بلاشبہ اسی نے ہنسایا اور رلایا) ہنسنا اور رونا اور اس کے اسباب سب اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا (اور بلاشبہ اسی نے موت دی اور زندہ کیا) زندگی بخشنے اور موت دینے کی صفات بھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص ہیں اس کے علاوہ کوئی شخص کسی کو زندہ نہیں کر سکتا اور کسی کو موت نہیں دے سکتا۔

اللہ ہی نے جوڑے پیدا کئے: وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۔ (اور بیشک اسی نے دو جوڑے پیدا کئے مذکر اور مؤنث مذکر مؤنث کے لئے اور مؤنث مذکر کیلئے جوڑا ہے مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى مرد و عورت دونوں کو نطفہ سے پیدا فرمایا وہ کود کر اندر رحم میں پہنچتا ہے تو اس سے حمل ٹھہرتا ہے۔ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى (اور بلاشبہ اس کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا) یعنی زندگی کے بعد یوں ہی مر کر ختم نہیں ہو جانا ہے۔ دوبارہ پھر زندہ ہوں گے حساب و کتاب عذاب و ثواب کا مرحلہ درپیش ہوگا اس کو یوں ہی چلتی ہوئی بات نہ سمجھیں دوبارہ زندہ ہونا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذمہ ضروری قرار دے رکھا ہے قال صاحب الروح المعانی ناقلا عن البحر لما کانت هذه النشاة ینکرها الکفار بولغ لقوله تعالیٰ علیه کانه تعالیٰ اوجب ذلک علیٰ نفسه (روح المعانی ص ۲۹ ج ۲۷)

(صاحب روح المعانی بحر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ کافر اس اٹھنے کا انکار کرتے تھے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ذریعہ مبالغہ کیا گیا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ اسے واجب کر لیا ہے)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى (اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور سرمایہ باقی رکھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا اور مالیات میں وہ چیزیں بھی عطا فرمائیں جو باقی رہتی ہیں ذخیرہ کے طور پر کام دیتی رہتی ہیں جیسے باغیچے اور عمارتیں وغیرہا۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (اور یہ کہ وہ شعریٰ کا رب ہے) شعریٰ ایک ستارہ کا نام ہے جس کی اہل عرب عبادت کرتے تھے اور اس عالم میں اس کی تاثیر کے معتقد تھے روح المعانی میں لکھا ہے کہ بنی حمیر اور بنی خزاعہ نے اس کی عبادت شروع کی تھی، جسے ابو کبشہ کہا جاتا تھا، اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ شعریٰ میں کوئی تاثیر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ شانہ جیسے سب چیزوں کا رب ہے شعریٰ کا بھی رب ہے۔ لہٰذا شعریٰ کی عبادت کرنے والے غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے عاد اولیٰ اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو الٹ دیا:۔ وَاَنَّـهٗ اَهْلَكَ عَادَا نِ الْاُوْلٰى ہ (اور بیشک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک فرمایا) وَثَمُوْدَاْ فَمَآ اَبْقٰى (اور ثمود کو بھی ہلاک کیا سوان کو باقی نہ چھوڑا)۔

ان دونوں آیتوں میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے‘ قوم عاد کے لوگ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقت ور ہے اور قوم ثمود کے لوگ پہاڑوں کو تراش کے گھر بنالیتے تھے ان دونوں قوموں کی قوت اور طاقت کچھ بھی کام نہ آئی، کفر کی سزا میں ہلاک اور برباد کردیئے گئے۔ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ط اور ان سے قبل نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ط (بیشک یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے) وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (اور اللہ تعالیٰ نے الٹی بستیوں کو پھینک مارا)

اس سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد ہیں ان کی قوم کے لوگ کافر بھی تھے اور بدکاری میں بہت زیادہ مبتلا تھے۔ مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے‘ اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا جس کی وجہ سے سب کافر ہلاک ہوگئے چونکہ یہ بہت سخت عذاب تھا تختہ الٹے جانے کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بارش بھیج دی گئی اس لئے فرمایا فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى (انہیں اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا) اس میں عذاب کی سختی اور وحشت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ فرعون اور اس کے لشکروں کی ہلاکت کا تذکرہ فرماتے ہوئے فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ فرمایا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى (سوائے انسان! تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گا) اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا مرد اور عورت کے جوڑے بنائے‘ ہنسایا اور رُلایا‘ موت دی پھر زندہ فرمائے گا اس نے مال دیا ذخیرہ رکھنے کی چیزیں دیں اور سابقہ امتوں کی بربادی سے باخبر فرمایا اب بھی تو اس کی نعمتوں میں شک کرتا ہے اور عبرت حاصل نہیں کرتا قال القرطبی أی فبای نعم ربک تشک والمخاطبة للانسان المکذب۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ پس اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو کامیاب ہوجاؤ گے ورنہ تو تم پر بھی سابقہ انبیاء کو جھٹلانے کا عذاب آئیگا۔)

فائدہ: ....قوم عاد کی صفت بیان کرتے ہوئے الاولیٰ فرمایا۔ صاحب روح المعانی نے الاولیٰ کا ترجمہ القدماء کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد چونکہ قوم عاد ہلاک ہونے میں بعد میں آنے والی امتوں سے پہلے ہلاک کی گئی‘ اس لئے صفت الاولیٰ لائی گئی‘ پھر مفسر طبری سے نقل کیا ہے کہ‘ قبائل سابقہ میں ایک دوسرا قبیلہ تھا اسے بھی عاد کہا جاتا تھا یہ قبیلہ مکہ مکرمہ میں عمالیق کے ساتھ مقیم تھا‘ پھر مبرد سے نقل کیا ہے کہ عادِ اولیٰ ثمود کے مقابلہ میں لایا گیا ہے کیونکہ قوم ثمود عادِ اُخریٰ تھی۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

یہ ایک ڈرانے والا ہے پرانے ڈرانے والوں میں سے۔ جلدی آنے والی قریب آ پہنچی‘ اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں‘

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾

کیا اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة ع

سو اللہ کو سجدہ کرو اور عبادت کرو۔

السجدة ع ۳ ۱۲

قیامت قریب آ گئی تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور تکبر میں مبتلا ہو، اللہ کو سجدہ کرو اور اسکی عبادت کرو

ھٰذَا کا اشارہ رسول کریم یا قرآن عظیم کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ اوپر جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا ہے، جسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور پرانے ڈرانے والوں میں سے ہی ایک ڈرانے والا ہے یعنی قرآن میں جو ڈرانے والے مضامین ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام آتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر کتابیں نازل فرمائی ہیں، پرانی قوم نے بھی تکذیب کی ہے اور انہیں ڈرایا گیا، جب انہیں ڈرایا گیا تو ایمان نہ لائے پھر اس کی سزا میں ہلاک ہوئے اب جو قرآن کریم کے مخاطب ہیں انہیں بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہئے قال القرطبی فان اطعتموہ افلحتم والاحل بکم بمکذبی الرسل السابقہ.

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (جلدی آنے والی چیز یعنی قیامت قریب آ پہنچی) لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ (جب وہ آ جائے گی تو اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں ہوگا)۔

قال القرطبی وقد سمیت القیامۃ غاشیۃ' فا ذا کانت غاشیۃ کان ردّھا کشفاً ' فالکاشفۃ علی ھذانعت مؤنث محذوف' أی نفس کاشفۃ أوفرقۃ کاشفۃ اوحال کا شفۃ وقیل ان کاشفۃ بمعنی کاشف والھاء للمبالغۃ مثل راویۃ وداھیۃ۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں قیامت کا نام غاشیہ رکھا گیا ہے جب قیامت غاشیہ ہے تو اس کا لوٹانا کاشفہ ہے۔ پس اس بناء پر کاشفہ مونث محذوف کی صفت ہے یعنی نفس کاشفہ یا فرقۃ کاشفہ یا حال کاشفہ اور بعض نے کہا کہ کاشفۃ کاشف کے معنی میں ہے اور ھاء مبالغہ کے لئے ہے جیسے راویۃ اور واھیۃ ہے)

قیامت پر ایمان نہیں لاتے لیکن اس کا آنا ضروری ہے اور اس کا وقت قریب ہے (قرب اور بعد اضافی چیز ہے) اللہ تعالیٰ کے علم اور قضاء وقدر کے مطابق جو چیز وجود میں آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی، کسی کے نہ ماننے سے اس کا آنا رک نہیں سکتا اور آئے گی بھی اچانک اسے کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی کو رد کرنے کا اختیار ہے، لیکن وہ رد نہیں فرمائے گا، لہٰذا اس کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے جھٹلانے سے اور باتیں بنانے سے نجات ہونے والی نہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو) وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ (اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو) وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ (اور تم تکبر کرتے ہو)

یہ قرآن اور اس کا ڈرانا اور وقوع کی خبر دینا۔ کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو اور ساتھ ہی ہنستے بھی ہو اور روتے نہیں تمہیں تو کفر چھوڑ کر ایمان لانا لازم ہے، سابقہ زندگی پر روؤ اور کفر سے توبہ کرو، ایمان اور قرآن کے نام سے ہنستے ہو یہ چیز تمہارے لئے دنیا اور آخرت میں بربادی کا سبب ہے، تکبر تمہیں لے ڈوبے گا۔ تکبر کی وجہ سے تم اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو اور ایمان لانے میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہو تمہارا یہ انکار اور ہنسنا اور تکبر کرنا، دنیا اور آخرت میں عذاب لانے کا سبب ہے سٰمِدُوْنَ کا ترجمہ متکبرون کیا گیا ہے مفسرین نے اس کے دوسرے معانی بھی لکھے ہیں۔ اس کا مصدر سُمُوْدٌ ہے جس کا معنی تکبر کی وجہ سے سر اٹھانا ہے گانا، لہو ولعب میں مشغول ہونا، غصے میں پھول جانا وغیرہا معانی بھی لکھتے ہیں۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (سو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو)۔

یہ سورۂ نجم کی آخری آیت ہے مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے حقائق بیان کر دیئے گئے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت اور صفت علم

اور صفت قدرت تمہیں بتادی گئی اور بعض اقوام سابقہ کی ہلاکت اور بربادی بیان کردی گئی اور یہ بھی بتادیا گیا کہ قیامت آنی ہے اور ضرور آنی ہے۔ تو ہر عقلمند کی عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تکذیب اور انکار کو چھوڑے اور قرآن کریم کی دعوت کو تسلیم کرے اور اپنے رب پر ایمان لائے لٰہذا تمام مخاطبین پر لازم ہے کہ اللہ ہی کے لئے سجدہ کریں اور اسی کی عبادت کریں۔ ایمان لانے کا سب سے بڑا تقاضا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور اس کی عبادت کرنا ہی ہے۔ قال صاحب الروح واذاكان الامر كذلك فاسجدوا لله تعالىٰ الذى أنزله واعبدوه جل جلاله. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جب معاملہ اس طرح ہے تو تم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے اتارا ہے اور اسی بزرگ و برتر ذات کی عبادت کرو۔)

بعض حضرات نے فاسجدوا کا ترجمہ اطيعوا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔

سورۃ النجم کی آخری آیت آیت سجدہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا واجب ہے۔

وقد انتهى تفسير سورة النجم بفضل المليك الحنان المنان والصلوٰة والسلام على رسوله سيد الانسان والجان وعلٰى من تبعه باحسان الٰى يوم يدخل فيه المؤمنون الجنان ويدخل الكفرة النيران.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ القمر	۵۵ آیتیں ۳ رکوع

(۵۴) سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (۳۷) آیاتہا ۵۵ رکوعاتہا ۳

سورۃ القمر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کی پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا، اور یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہو جانے والا ہے اور انہوں نے

وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌ

جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا، اور ہر بات قرار پانے والی ہے، اور بلا شبہ انکے پاس ایسی خبریں آئیں ہیں جن میں باز آنے کیلئے عبرت ہے، یعنی اعلیٰ درجے کی حکمت ہے۔

بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵

وقف لازم

سوڑرانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دے رہی ہیں۔

قیامت قریب آ گئی، چاند پھٹ گیا، منکرین کی جاہلانہ بات اور ان کی تردید

ان آیات میں انشقاقِ قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود طلب کیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھا دیں لہٰذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۲ ج ۲)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا، اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آ گیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۱ ج ۲)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا جس پر سورۂ قمر کی شروع کی دو آیات نازل ہوئی۔ تفسیر معالم التنزیل (ص ۲۵۸ ج ۴) میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا ہے پھر جب باہر سے آنے والوں (مسافروں) نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ نازل ہوئی، سنن ترمذی میں ہے کہ (جب مسافروں سے تصدیق ہو گئی تو ان میں بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر

دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا)۔

بہر حال چاند پھٹا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ وجود میں آ گئی' اسی سے قیامت کا وقوع سمجھ میں آ جانا چاہئے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ط منکرین کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں۔ حق کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے جس کا اثر دیر پا نہیں ہے عنقریب یہ ختم ہو جائے گا۔ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا) اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور ان کے نفسوں میں جو باطل نے جگہ پکڑ رکھی تھی اسی کو امام بنایا اور اسی کے پیچھے چلتے رہے اور انکار نبوت پر اصرار کرتے رہے وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (اور ہر بات قرار پانے والی ہے) یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا متعین ہو جاتا ہے' اگر عناد یا کم فہمی کی وجہ سے اب نہیں سمجھتے تو کچھ عرصہ بعد سمجھ میں آ ہی جائے گا کہ یہ سحر نہیں ہے وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ کی یہ ایک تفسیر ہے اور صاحب معالم التنزیل نے حضرت قتادہؓ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ خیر اہل خیر کے ساتھ اور شر اہل شر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے' خیر اہل خیر کو لے کر جنت میں اور شر اہل شر کو لے کر دوزخ میں ٹھہر جائے گا۔

اہل مکہ جو توحید اور رسالت کے منکر تھے ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ (الاٰية) یعنی ان کے پاس پرانی امتوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبریں آ چکی ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان خبروں میں عبرت ہے موعظت ہے اور نصیحت ہے' یہ چیزیں غافل کو جھڑکنے والی اور چوکنا کرنے والی ہیں جو سراپا حکمت کی باتیں ہیں اور زجر و توبیخ میں کامل ہیں لیکن یہ لوگ متاثر نہیں ہوتے' کفر و شرک سے باز نہیں آتے جو سنتے ہیں سب ان سنی کر دیتے ہیں' ڈرانے والی چیزیں انہیں کچھ نفع نہیں دیتی ہیں۔

كما قال تعالٰى فى سورة يونس عليه السلام وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (اور آیات اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتی ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔

معجزہ شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور اور مروی ہے' دشمنان اسلام کو محض دشمنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت ہو رہی ہے' انہوں نے معجزۂ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہونا ضروری تھا یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اول تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے۔ تصنیف اور تالیف کا دور نہیں تھا پھر اگر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرنوں گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کی کثرت کا زمانہ بھی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن ہوتا ہے کہیں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اول رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے' یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منٰی میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے لوگ دیکھ سکتے تھے، بہت سے لوگ اپنے کاموں میں تھے، بہت سے سو رہے تھے' بہت سے گھروں میں تھے، بہت سے دکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھٹے گا' ان حالات میں لوگوں کا باہر آنے اور چاند پر نظر جمانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی چاند پھٹا' تھوڑی دیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے۔ جن لوگوں کو اس کا پھٹا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا' اگر سارا عالم

دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی، جس پر وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا، جنہوں نے پھٹا ہوا دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا تھا کہ چاند پھٹا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو ایک صاحب بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے، صاحب فیض (الباری ص ۶۰ ج ۴) فرماتے ہیں۔ وقد شاھد ملک بھوپال من الھند اسمہ بھوج پال ذکرہ الفرشتۃ فی تاریخہ، دیکھئے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ بھی طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہے تو کہیں دن ہوتا ہے۔ اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا، پہلے سے اخبارات میں اطلاع دیدی جاتی ہے، اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا تھا اور کتنی بار ہوا تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتا سکتے اور وہ کون سی تاریخ کی کتاب ہے، جن میں تاریخ اور سورج گرہن ہونے کے واقعات لکھے ہوں۔ جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے جو بار ہا ہوتا رہتا ہے تو چاند کا پھٹنا جو ایک ہی بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذرا سی دیر کو ہوا اور اسی وقت پھٹ کر دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کونسی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر معجزہ شق القمر کا انکار کیا ہے۔ اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے، آیت کریمہ میں جو لفظ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ فرمایا ہے یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ مستقبل کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتباع ھویٰ ہے پھر اگر آیات قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیث شریفہ جو صحیح اسانید سے مروی ہیں ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذات پاک جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ کی مشیت اور ارادہ سے نفخ صور سبب شق القمر ہو سکتا ہے، اسی کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا بعید ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ

وقف لازم

سو آپ ان سے اعراض کیجئے جس دن بلانے والا ایسی چیزوں کی طرف بلائے گا جو ناگوار ہوگی۔ انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قبروں سے نکل رہے ہوں گے

كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨

جیسے ٹڈیاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہوں گے کافر لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا سخت دن ہے۔

قیامت کے دن کی پریشانی، قبروں سے ٹڈی دل کی طرح نکل کر میدان حشر کی طرف جلدی جلدی روانہ ہونا

ان آیات میں اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور تسلی حکم فرمایا کہ آپ ان سے اعراض کریں یعنی ان کے انکار اور تکذیب سے دلگیر نہ ہو (حق قبول نہ کرنے کا انجام خود ان کے سامنے آجائے گا) پھر فرمایا کہ جس دن بلانے والا بلائے گا یعنی فرشتہ صور پھونکے گا

اس دن قیامت کا ظہور سامنے آ جائے گا جو آنکھوں دیکھا ہو گا اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خبر دینے سے اس وقت نہیں مانتے لیکن جب واقع ہو گا تو ماننا ہی پڑے گا فرشتے کا صور پھونکنا قبروں سے نکلنے کے لئے ہو گا (یہ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے سے متعلق ہے) جب صور کی آوازسنیں گے تو زندہ ہو کر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور بڑی تیزی سے میدان حشر کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور چونکہ کروڑوں افراد ہوں گے اس لئے زمین پر اس طرح پھیلے ہوئے ہوں گے جیسے ٹڈیوں کا دل نکلتا ہے اور جہاں تک نظر ڈالو پھیلا ہوا نظر آتا ہے' نظریں جھکی ہوئی ہوں گی۔ کافر لوگ کہیں گے کہ یہ تو بڑا سخت دن ہے' سورۂ معارج میں فرمایا یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ٥ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ٥ (جس دن قبروں سے جلدی جلدی نکل کر دوڑیں گے' گویا کہ وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں' ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی' یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ

ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا سو انہوں نے ہمارے بندہ کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑک دیا گیا' سو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیشک میں مغلوب ہوں

فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ

میری مدد فرمائیے سو ہم نے آسمان کے دروازے خوب زیادہ برسنے والے پانی سے کھول دیئے اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیئے پھر پانی اس کام

عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝١٢ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝١٣ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝١٤

کے لئے مل گیا جس کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی' یہ اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے کیا گیا جس کی ناقدری کی گئی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٥ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝١٦ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

اور بلاشبہ ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا کر چھوڑ دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا' پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور البتہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٧

کرنے کیلئے آسان کر دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب' قوم کا عناد وانکار پھر قوم کی ہلاکت اور تعذیب

اہل مکہ کا انکار اور عناد بڑھتا جا رہا تھا انہیں گزشتہ اقوام کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب کے واقعات بتائے گئے' یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد وثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں' اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کہ اہل مکہ سے پہلے ہمارے بندہ نوح علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ان کی قوم نے انہیں دیوانہ بتایا اور ان کی بے ادبی کرتے رہے' قوم نے انہیں جھڑکا اور بے ادبی کے ساتھ مقابلہ کیا (جس کی تفصیل سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۃ الشعراء میں گزر چکی ہے اور سورۂ نوح میں بھی آ رہی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)

حضرت نوح علیہ السلام ان کے درمیان ساڑھے نو سو سال رہے انہیں توحید کی دعوت دی' حق پیش کیا' بارہا سمجھایا' لیکن انہوں نے نہ

مانا بلکہ الٹا انہیں کو گمراہ بتانے لگے (کما فی سورۃ الاعراف قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ) ان لوگوں نے ضد پکڑلی، عناد پر اتر آئے اور کہنے لگے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ کہ تم جو کچھ دھمکیاں دے رہے ہو عذاب کی باتیں کر رہے ہو اگر سچے ہو تو عذاب لے آؤ ابھی سامنے کر کے دکھاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کی حرکتوں سے بہت عاجز آ چکے تھے بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے (سورۂ ہود میں ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ) ان لوگوں نے تو عذاب مانگا ہی تھا حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان کے لئے بددعا کر دی۔ سورۂ نوح میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ اور یہاں سورۂ قمر میں ہے کہ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (سو انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! میں مغلوب ہوں سو میری مدد فرما دیجئے) اور سورۃ نوح میں ہے کہ انہوں نے دعا میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (اے میرے رب! کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر چلتا پھرتا مت چھوڑ۔) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی انہیں حکم دیا کشتی بناؤ اس کشتی کو یہاں سورۃ القمر میں ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی تختوں سے بنی ہوئی چیز جس میں میخیں یعنی کیلیں لگی ہوئی تھیں، جب یہ کشتی تیار ہوگئی تو ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو اور دیگر اہل ایمان کو اس میں سوار کرلو، جب یہ حضرات سوار ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیج دیا، آسمان سے بھی پانی برسا اور خوب برسا اور زمین کے بھی چشمے جاری ہوگئے دونوں پانی آپس میں مل گئے اور جو فیصلہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر میں لکھا ہوا تھا اسی کے مطابق ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی ہوگی، کشتی پانی میں بہتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنی نگرانی میں اس کو جاری رکھا، اور جو لوگ ان میں سوار تھے ان کی حفاظت فرمائی اور کافروں کو ڈبو دیا، چونکہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بہت ستایا تھا اور ان کی ناقدری کی تھی اس لئے فرمایا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (ان لوگوں کی غرقابی اس شخص کا بدلہ لینے کیلئے تھی جس کی ناقدری کی گئی)۔

کافروں کی غرقابی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ط (اور بلاشبہ ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا کر چھوڑ دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا) فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کے واقعات محض حکایت کیلئے نہیں ہیں، ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے، پرانی امتوں کی جو ہلاکت ہوئی وہ یوں ہی ذرا بہت تھوڑی سی تکلیف نہیں تھی، وہ تو بہت بڑا عذاب تھا، پڑھنے اور سننے والے سوچیں اور غور کریں اس بھیانک عذاب کی سختی اور ہولناکی کو ذہن میں لائیں اور ساتھ ہی یہ بھی غور کریں کہ اگر ہم برابر انکار کرتے رہے اور اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کے جھٹلانے پر کمر باندھے رہے تو ہمارا بھی ایسا ہی انجام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کو آسان فرما دینا:.......... وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ط یہ آیت کریمہ سورۃ القمر میں چار جگہ ہے پہلی بار حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کے بعد ذکر فرمائی ہے نیز قوم عاد و ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے ذکر کے بعد بھی مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی شخص نصیحت حاصل کرنے والا ہے، اس میں قرآن کریم کی تسہیل اور تیسیر کا بھی ذکر ہے اور دعوت فکر بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سہل کر دیا تو بندوں پر لازم ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ذکر و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے) (هٰذه الكلمة اصلها مذتكر من الافتعال ابدلت التاء والدال كلتاهما ثم ادغم بعضها في بعض كما في سورة یوسف علیه السلام وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ) (لفظ مدکر اصل میں باب افتعال سے مذتکر کے وزن پر تھا پھر ذال اور تا دونوں کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ یوسف کی آیت ادكر بعد امة میں کیا گیا ہے)۔

لفظ لِـلذِّكْرِ میں نصیحت حاصل کرنا' عبرت لینا' سب کچھ داخل ہے۔ اور معالم التنزیل میں حضرت سعید ابن جبیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے حفظ اور قراءت مراد ہے (قرآن کا پڑھنا اور حفظ کرنا بھی آسان ہے اور اس کے معانی اور مضامین اور احکام کا سمجھنا بھی سہل ہے' رہیں وجوہ استنباط تو ان کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا' اور قرآن میں یہ ہے بھی نہیں کہ سارے قرآن کو من کل الوجوہ ہر شخص کے لئے آسان کر دیا بہت سے وہ لوگ جو آیت شریفہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کا مطلب اپنے پاس سے تجویز کرتے ہیں جبکہ عربی لغات اور قواعد عربیہ کو بھی نہیں جانتے ایسے لوگ شدید گمراہی میں ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسہیل اور تیسیر ہے کہ اس نے پورے قرآن کو مؤمن بندوں کے سینوں میں بالفاظہ وحروفہ محفوظ فرما دیا' اگر بالفرض خدانخواستہ سارے مصاحف ختم ہو جائیں تو قرآن مجید پھر بھی محفوظ رہے گا ایک نو عمر حافظ بچہ کھڑے ہو کر پورا قرآن مجید لکھوا سکتا ہے' اہل کتاب نے لکھے ہوئے صحیفوں پر بھروسہ کیا اس لئے اپنی کتاب ضائع کر دی' اب ان کے پاس ترجمے ہیں۔ اصل کتابیں نہیں ہیں' جن سے ترجموں کا تقابل کیا جا سکے)۔

قرآن کا اعجاز اور لوگوں کا تغافل: .... قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے جو سب کے سامنے ہے کہ اسے عورتیں' بوڑھے' بچے' جوان' سب ہی حفظ کر لیتے ہیں' اتنی بڑی کتاب کوئی بھی شخص اپنی زبان کی لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف یاد نہیں کر سکتا۔

دنیا اور دنیا کی محبت نے ایسے لوگوں کو قرآن سے اور اس کے حفظ کرنے سے اور اس کی تجوید اور قراءت سے محروم کر دیا جو خود بھی آخرت سے بے فکر ہیں اور بچوں کو بھی طالب دنیا بنا کر ان کا ناس کھوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں میں نسلی مسلمان رہ گئے یعنی ان کے باپ دادا مسلمان تھے یہ بھی ان کے گھروں میں پیدا ہو گئے۔ اسلام کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نہ پڑھا نہ سمجھا' جیسے خود ہیں ویسے ہی اولاد کو بنانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ اصلی مسلمان ہیں وہ لوگ قرآن کو سینہ سے لگاتے ہیں' حفظ کرتے ہیں' تجوید سے پڑھتے ہیں' بچوں کو بھی حفظ کرواتے ہیں اور اس کے معانی بتاتے ہیں' عالم بناتے ہیں' علماء کی صحبتوں میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانو! اپنے بچوں کو حفظ میں لگاؤ' یہ بہت آسان کام ہے۔ جاہلوں نے مشہور کر دیا ہے کہ قرآن حفظ کرنا لوہے کے چنے چبانے کے برابر ہے۔ یہ بالکل جاہلانہ بات ہے۔ قرآن حافظہ سے یاد نہیں ہوتا معجزہ ہونے کی وجہ سے یاد ہوتا ہے۔

بہت سے جاہل کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹانے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ روپے پیسے کو فائدہ سمجھتے ہیں ہر حرف پر دس نیکیاں ملنا اور آخرت میں ماں باپ کو تاج پہنایا جانا اور قرآن پڑھنے والے کا اپنے گھر کے لوگوں کی سفارش کر کے دوزخ سے بچوا دینا فائدہ میں شمار ہی نہیں کرتے کہتے ہیں کہ حفظ کر کے مُلا بنے گا تو کہاں سے کھائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ حفظ کر لینے کے بعد تجارت اور ملازمت سے کون روکتا ہے' مُلا بننا تو بڑی سعادت ہے جسے اپنے لئے یہ سعادت مطلوب نہیں وہ اپنے بچے کو تو حفظ قرآن سے محروم نہ کرے جب حفظ کر لے تو اسے دنیا کے کسی بھی حلال مشغلے میں لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی برکات: .... ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ہم میں سے دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے اور اسکول' کالج میں پڑھتے ہوئے بہت سے بچوں نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بہت سے لوگوں نے سفید بال ہونے کے بعد حفظ کرنا شروع کیا' اللہ جل شانہ نے ان کو بھی کامیابی عطا کی۔ جو بچہ حفظ کر لیتا ہے اس کی قوت حافظہ اور سمجھ بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ جو بھی تعلیم حاصل کرے ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا ہے۔ قرآن کی برکت سے انسان دنیا و آخرت میں ترقی کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں کوئی قرآن کی طرف بڑھے تو قرآن کی برکات کا پتہ چلے۔

قرآن کو بھول جانے کا وبال: .... جس طرح قرآن کو یاد کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قرآن کو یاد رکھنے کا دھیان رکھو (یعنی نماز میں اور خارج نماز اس کی تلاوت کرتے رہو) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو اونٹ رسیوں میں بندے ہوئے ہوں جس طرح وہ اپنی رسیوں میں بھاگنے کی کوشش میں رہتے ہیں قرآن ان سے بڑھ کر تیزی کے ساتھ نکل کر چلا جانے والا ہے'' (رواہ البخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۰)

بات یہ ہے کہ قرآن جس طرح جلدی یاد ہو جاتا ہے اور محبت کرنے والوں کے دل میں سما جاتا ہے اسی طرح وہ یاد رکھنے والے کا دھیان نہ کرنے والوں کے سینوں سے چلا جاتا ہے' کیونکہ وہ غیرت مند ہے جس شخص کو اس کی حاجت ہے جب وہ یاد رکھنے کی کوشش نہ کرے تو قرآن کیوں اس کے پاس رہے' جبکہ وہ بے نیاز ہے۔ قرآن پڑھ کر بھول جانے والے کے لئے سخت وعید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جو شخص قرآن پڑھتا ہے' پھر بھول جاتا ہے' وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ جزامی ہوگا (یعنی اس کے اعضأ اور دانت گرے ہوئے ہوں گے) (رواہ ابوداؤد والدارمی' مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے تو میں نے ثواب کے کاموں میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اور کوئی شخص اسے نکال دے اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اس کو بھول جائے۔'' (رواہ الترمذی وابوداؤد' مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

بچوں کو قرآن کی تعلیم پر لگانے والے دنیا کی چند دن چہک مہک نہیں دیکھتے بلکہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لئے فکر مند ہوتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا.

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾

جھٹلایا قوم عاد نے سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ بیشک ہم نے ان پر سخت ہوا بھیج دی ایسے دن میں جو نحوست والا تھا دیر تک رہنے والا تھا

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی کہ وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں' سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

آسان کر دیا' سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

ع ۱ / ۲۲ / ۸

قوم عاد کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب

ان آیات میں قوم عاد کی تکذیب اور تعذیب کا ذکر ہے' ان کی طرف اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی' توحید کی دعوت دی' یہ لوگ بری طرح پیش آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو تم کم عقل ہو بیوقوف ہو، ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ جو تم نے عذاب' عذاب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ دھمکی ہم پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو چلو عذاب کو بلا لو' بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہوا کا عذاب بھیج دیا' بہت سخت تیز ہوا آئی جو ان پر سات رات آٹھ دن مسلط رہی

یہ دن ان کیلئے نامبارک اور منحوس تھے۔ ہوا چلتی رہی اور یہ لوگ مرتے رہے' تیز ہوا نے انہیں اٹھا اٹھا کر پھینک دیا یہ لوگ بڑی جسامت والے تھے' قد آور تھے، اپنی قوت اور طاقت پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا انکے سامنے جب دین و ایمان کی بات آئی تو کہنے لگے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت کے اعتبار سے کون زیادہ سخت ہوگا) اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی تو ساری شیخی دھری رہ گئی ہوا نے انہیں اپنی جگہوں سے ایسا اٹھا اٹھا کر پھینکا کہ ان میں کوئی جان ہی نہ تھی' یہاں سورۃ القمر میں فرمایا ہے کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (گویا کہ وہ کھجور کے درختوں کے تنے تھے جو کھڑا کھڑ کر زمین پر گر پڑے) اور سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ. (سوائے مخاطب تو اس قوم کو مذکورہ ایام میں پچھاڑے ہوئے دیکھتا ہے گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اندر سے خالی ہیں)۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِىَ الذِّكْرُ

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ سو انہوں نے کہا کیا ہم ایسے انسان کا اتباع کریں جو ہمیں میں سے ایک شخص ہے بیشک اس صورت میں تو ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم سب

عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

کے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ بڑا جھوٹا ہے یا شیخی باز ہے' عنقریب کل کو جان لیں گے کہ کون ہے بڑا جھوٹا شیخی باز۔ بیشک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں انکی آزمائش

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى

کے لئے' سو آپ ان کو دیکھتے رہئے اور صبر کیجئے۔ اور آپ انہیں بتادیں کہ بیشک پانی تقسیم ہے ان کے درمیان ہر ایک اپنے پلانے کی باری پر حاضر ہوا کرے۔ سو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس

فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

نے حملہ کر دیا اور کاٹ ڈالا۔ سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا؟ بیشک ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی سو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ لگانے والے کا چورا ہو'

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

اور بلاشبہ یہ بات حق ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

قوم ثمود کی تکذیب اور ہلاکت و تعذیب

ان آیات میں قوم ثمود کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے' پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی' خیر کا راستہ دکھایا لیکن ان پر تکبر سوار ہو گیا اور کہنے لگے کہ تم بھی انسان ہو اور ہم بھی انسان ہیں پھر ہو بھی تم ہم ہی میں سے تم میں کون سی خاص بات ہے' جس کی وجہ سے تم نبی بنائے گئے؟ ہم اپنے ہی میں سے ایک آدمی کا اتباع کریں یہ تو بڑی گمراہی کی بات ہے' ہم کوئی دیوانے تو نہیں ہیں جو اتنی بات بھی نہ سمجھیں ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع کریں یہ دیوانگی نہیں ہے تو کیا ہے؟ بس جی ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ اس شخص کو

رسالت نہیں ملی اپنی بڑائی بگھارنے کے لئے اور بڑا بننے کے لئے اس نے یہ بات نکالی ہے کہ رسول ہوں نبی ہوں تا کہ قوم اس کو بڑا ماننے لگے' اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ط انہیں عنقریب کل کو پتہ چل جائے گا کہ کون ہے بہت جھوٹا شیخی بگھارنے والا یعنی خود بڑے جھوٹے ہیں اور شیخی خورے ہیں' اسی لئے اللہ کے نبی کو نہیں مانتے۔ اپنے جھوٹ کا اور شیخی بگھارنے کا انجام عنقریب دیکھ لیں گے۔

ان لوگوں نے معجزہ کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہاری نبوت کے اقراری ہو جائیں گے' اللہ جل شانہ نے ایک بڑی اونٹنی ظاہر فرما دی سب نے دیکھ لیا کہ اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی۔ چونکہ اللہ کی اونٹنی جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی' اس لئے خوب زیادہ کھاتی پیتی تھی' سورۃ الاعراف میں فرمایا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿ (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔ سو اسے تم چھوڑے رکھو۔ اللہ کی زمین میں کھاتی رہے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا)۔

ان لوگوں کا ایک کنواں تھا۔ جس سے پانی بھرتے اور اپنے مویشیوں کو پلاتے تھے اللہ کی اس اونٹنی کو بھی پانی پینے کی ضرورت تھی حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتا دیا۔

لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس کے لئے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہارے پینے کیلئے باری مقرر ہے) اس مضمون کو یہاں سورۂ قمر میں یوں بیان فرمایا اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ (کہ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان لوگوں کی آزمائش کیلئے (اے صالح) ان کو دیکھتے رہئے اور صبر کیجئے۔

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ. اور انہیں بتا دیجئے کہ بیشک پانی ان کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوا کرے)۔

یہ لوگ اس اونٹنی سے تنگ آ گئے اس کا اپنے نمبر پر پانی پینا ناگوار ہوا لہٰذا آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے' ان میں سے ایک آدمی قتل کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکارا اس نے ہاتھ میں تلوار لی اور اونٹنی کو مار ڈالا' پہلے سے ان کو بتا دیا گیا کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ لگاؤ گے تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا' جب اسے قتل کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتا دیا تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ (اپنے گھروں میں تم تین دن بسر کر لو (اس کے بعد عذاب آ جائے گا) ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ. (یہ وعدہ سچا ہے جھوٹا نہیں ہے) پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ تین دن بعد عذاب آیا اور کافر ہلاک کر دیئے گئے اور مؤمنین عذاب سے محفوظ رہے۔

ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ بلاشبہ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی سو وہ سب اس طرح ہلاک ہو کر رہ گئے جیسے کھیتی کی حفاظت کے لئے باڑ لگانے والے کی باڑ کا چورا چورا ہو جاتا ہے) یعنی ان کی جانیں تو گئیں جسم بھی باقی نہ رہے چورا چورا ہو کر رہ گئے۔ یہ بات تقریباً وہی ہے جسے اصحاب فیل کے بارے میں فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ فرمایا ہے انہیں ایسا بنا دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہو)

سورۂ ہود اور سورۂ قمر میں فرمایا ہے کہ ان کو ہلاک کرنے کیلئے چیخ بھیجی گئی اور سورۃ الاعراف میں فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا' چونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اس لئے کہیں چیخ کا تذکرہ فرمایا اور کہیں زلزلہ کا' عذاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ فرمایا سو کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا) اور آخر میں آیت کریمہ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

مُّدَّكِرٍ کا اعادہ فرمادیا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً

لوطؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا' بیشک ہم نے ان پر پتھر لانے والی تیز ہوا بھیج دی' سوائے لوطؑ کے گھر والوں کے ہم نے انہیں آخری رات میں اپنے فضل سے نجات دے دی۔ ہم ایسا ہی

مِّنْ عِنْدِنَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ

بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو شکر ادا کرے اور لوطؑ نے ان کو ہماری گرفت سے ڈرایا تھا' سو انہوں نے ڈرانے کی چیزوں میں جھگڑے بازی کی' اور بے شک

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ

بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے لوطؑ کے مہمانوں کو برے ارادہ سے لینا چاہا سو ہم نے انکی آنکھیں چوپٹ کر دیں' سو چکھو لو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ اور یہ بات یقینی ہے کہ صبح سویرے ان پر ایسا عذاب آ گیا

مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۸/۹

جو برقرار رہنے والا تھا' سو چکھو لو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا' اور قوم کا کفر پر اصرار کرنا' معاصی پر جمار ہنا اور آخر میں ہلاک ہوتا

ان آیات میں حضرت لوطؑ کی قوم کی نافرمانی اور ہلاکت کا ذکر ہے' حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے وطن سے ہجرت کر کے آئے تھے' دونوں نے ملک شام میں قیام فرمایا' حضرت لوط علیہ السلام چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ان میں بڑی بستی کا نام سدوم تھا' ان بستیوں کے رہنے والے بُرے لوگ تھے۔ بُرے اخلاق اور بُرے اعمال میں مشغول رہتے تھے' مرد' مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا توحید کی دعوت دی' برے افعال سے روکا لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی اور اپنی بد قسمتی میں مشغول رہے' بالآخر ان پر عذاب آ ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے جو فرشتے بھیجے وہ اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ (کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں تو لوط علیہ السلام ہیں' پوری بستی کیسے ہلاک ہوگی؟ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے' ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے ہاں ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی' پھر وہاں سے چل کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ یہ فرشتے انسانی صورت میں تھے اور خوبصورت شکل میں آئے تھے' اس لئے ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور انہیں خیال آیا کہ یہ مہمان ہیں۔ خوبصورت ہیں' اندیشہ ہے کہ گاؤں والے ان کے ساتھ بُری حرکت کا ارادہ نہ کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ لوگ جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آئے اور اپنا مطلب پورا کرنا چاہا جسے وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ میری بیٹیاں ہیں امت کی لڑکیاں جو گھروں میں موجود ہیں' ان سے کام چلاؤ یعنی نکاح کرلو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور یہ بھی بتایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ' ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ لوگ نہ مانے حضرت لوط علیہ

السلام کی تکذیب کرتے رہے اور عذاب میں بھی شک اور تردد کرتے رہے، جب انہوں نے بات نہ مانی تو اولاً یہ عذاب آیا کہ ان کی آنکھوں کو مطموس کر دیا گیا یعنی ان کے چہرے بالکل سپاٹ ہو گئے، آنکھیں بالکل ہی نہ رہیں، اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہو گیا فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ط (سو تم میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ چکھ لو)۔

جب ہلاکت والا عذاب آنے کا وقت قریب ہوا تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنی بیوی کے علاوہ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور برابر چلتے جائیے تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، صبح کے وقت ان لوگوں پر عذاب نازل ہو جائے گا، جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا، نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی، وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر بھی برسا دیئے جو کنکر کے پتھر تھے وہ لگا تار برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے، بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا تھا، اس کو سورۂ ہود میں مُسَوَّمَةً یعنی نشان زدہ فرمایا ہے (کماذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوال اُخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان پر زمین الٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسائے گئے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوطؑ میں سے کوئی رہ گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا، وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

سورۂ ہود میں ان لوگوں کی زمین کا تختہ الٹنے کا اور پتھروں کی بارش کا ذکر ہے اور یہاں سورۃ القمر میں اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا فرمایا ہے علامہ قرطبیؒ نے اولاً ابو عبیدہ سے نقل کیا کہ اس سے پتھر مراد ہیں پھر صحاح سے نقل کیا کہ الصاحب الریح الشدیدۃ التی تطیر الحصباء کہ صاحب اس ہوا کہ کہا جاتا ہے جو کنکریاں اڑاتی ہوئی چلے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے، ان پتھروں کو تیز ہوا لے کر آئی تھی۔

پھر جو فرمایا وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ میں عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ کا ترجمہ عذاب دائمی پھر کیا گیا ہے، مستقر کا اصل ترجمہ ہے 'ٹھہرنے والا' کافر کا عذاب موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا، پھر اس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا، اس لئے مُسْتَقِرٌّ کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت لوط علیہ السلام کے اہل کو نجات دینے کا تذکرہ کے بعد كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ فرمایا اس میں یہ مستقل قانون بتا دیا کہ مؤمن شکر گزار بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ وہ عبادت گزار بھی رہیں اور شکر گزار بھی، پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مظاہر دیکھیں۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ آل فرعون کے پاس ڈرانے کی چیزیں آئی تھیں۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے انہیں پکڑ لیا، زبردست صاحب قدرت کا پکڑنا کیا تمہارے کافر بہتر ہیں

خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ

ان لوگوں سے یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی معافی ہے؟ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہماری جماعت ہے جو غالب رہے گی۔ عنقریب جماعت شکست کھا جائے گی اور پشت پھیر کر چل

الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ

دیں گے۔ بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی کڑوی چیز ہے۔ بلا شبہ مجرمین بڑی گمراہی اور بڑی بے عقلی میں ہیں۔ جس دن

يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا

دوزخ میں چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، چکھ لو دوزخ کا عذاب' بیشک ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔ اور ہمارا حکم بس یکبارگی

وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

ہوگا' جیسے آنکھوں کا جھپکنا اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے تمہارے جیسے لوگوں کو ہلاک کیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا' اور جو کچھ بھی ان لوگوں نے کیا ہے سب کتابوں میں ہے۔

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

اور ہر چھوٹی بڑی چیز کتابوں میں لکھی ہوئی ہے' بیشک پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے' ایک عمدہ مقام میں بادشاہ کے پاس جو قدرت والا ہے۔

آل فرعون کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب

ان آیات میں اولاً آل فرعون کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ شانہ کے باغی تھے۔ فرعون کی بڑی طاقت تھی' اس کی جمعیت بھی تھی' اسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا' وہ کہتا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف بھیجا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا' فرعون کا دبدبہ تو تھا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگ دربار کے حاضر باش اور قوم کے سردار جنہیں کئی جگہ مَلَا ئِہٖ سے تعبیر فرمایا) لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور عوام الناس بھی ان کا اتباع کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا دنیا کی بربادی اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونے کی باتیں بتائیں' ان کے ہاتھ پر متعدد معجزات بھی ظاہر ہوئے جن کو سورۃ الاعراف کی آیات وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ (الآیات الثلث) میں تذکرہ فرمایا ہے ان لوگوں نے تمام آیات کو جھٹلا دیا' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون اور عسا کر فرعون یعنی اس کے لشکروں کو ڈبو دیا' اس سے پہلے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق ہونے کا تذکرہ کئی جگہ قرآن مجید میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان کی تکذیب اور تعذیب کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔

اہل مکہ سے خطاب تم بہتر ہو یا ہلاک شدہ قومیں بہتر تھیں:۔ اس کے بعد اہل مکہ سے خطاب فرمایا: اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ کہ اے اہل مکہ! حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قومیں اور فرعون اور آل فرعون یہ سب لوگ جو ہلاک کئے گئے ان کے اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہارے کافر بہتر ہیں یا وہ لوگ بہتر تھے' یعنی ان کی قوت اور سامان اور تعداد زیادہ تھی' یا تم ان سے قوت میں بڑھ کر ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ وہ لوگ قوت وطاقت اور مال واسباب میں تم سے کہیں زیادہ تھے انہوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کی' تکذیب اور انکار کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تم نے اپنے بارے میں جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم پر کفر کا وبال نازل نہ ہوگا غور کر لو اور سوچ لو کیا تمہارا یہ سمجھنا صحیح ہے؟ خوب سمجھ لو یہ صحیح نہیں ہے۔ گھمنڈ میں مت رہو۔

• اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ط (کیا تمہارے پاس ایسی کوئی دلیل ہے جو پرانی کتابوں سے منقول ہو) جس پر بھروسہ کر کے تم یہ کہتے ہو کہ پرانی قوموں پر جو عذاب آیا وہ تم پر نہیں آئے گا اور کفر کے باوجود تم محفوظ رہو گے۔ یہ بھی استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسی کوئی بات بھی محفوظ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی سابقہ کتب سے منقول ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ تم لوگ عذاب میں مبتلا نہ ہو گے، نہ قوت میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہو نہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو سابقہ کتب سے منقول ہو جو کفر کے باوجود تمہاری حفاظت کی ذمہ داری اور ضمانت لے رہی ہو جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو کفر پر اصرار کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟

غزوۂ بدر میں اہل مکہ کی شکست اور بڑا بول بولنے کی سزا: .... اَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ (کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت ہے غلبہ پانے والی) یعنی ہمارے اندر اتفاق اور اتحاد ہے۔ ہمارے سامنے جو بھی دشمن آئے گا شکست کھائے گا اور ذلیل ہوگا۔ کون ہے جو ہمیں زک دے سکے یہ ان لوگوں نے بہت بڑی بات کہی اول تو سارے عرب کے سامنے اہل مکہ کی تعداد ہی کیا تھی، بس اتنی بات تھی کہ حرم میں ہونے کی وجہ سے لوگ ان پر حملہ نہیں کرتے تھے لیکن عرب کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، پھر بھی اتنی بڑی بات کہہ دی، تفسیر در منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے یہ بات غزوۂ بدر کے موقع پر کہی تھی ان لوگوں کو اپنی متحدہ جماعت پر گھمنڈ ہو گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو ذات خالق اور مالک ہے وہ جسے چاہے اور جس کے ذریعہ چاہے شکست دیدے، ادھر تو ان لوگوں نے اتنا بڑا بول بولا ادھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا شروع کی اور خوب زیادہ دعا کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں آپ کے عہد اور آپ کے وعدہ کو پیش کر کے عرض کرتا ہوں (کہ مسلمانوں کی مدد فرمائیں) اے اللہ! اگر آپ چاہیں (یہ مؤمن بندے ہلاک ہو جائیں) آج کے دن کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا کر لی۔ اس وقت آپ ایک قبہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ آیت پڑھتے ہوئے آپ قبہ سے باہر نکلے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (دشمنوں کی جماعت عنقریب شکست کھائے گی اور پشتیں پھیر کر بھاگیں گی۔ (صحیح بخاری ص ۴۰۸، ص ۵۶۴، ص ۷۲۲)

اہل مکہ نے جو غرور کا کلمہ بولا تھا اس کا نتیجہ انہوں نے بھگت لیا۔ ذلیل ہوئے، خوار ہوئے ان کی ایک ہزار کی جماعت تھی۔ تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھا گئی مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا، بڑا بول وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقابلہ میں، ذلیل نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔

دنیا میں ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں، بڑی بڑی لڑائیاں ہوئی اپنی کثرت پر بھروسہ کر کے مقابلہ میں پھر ذلیل ہوئے ان کی حکومتیں پاش پاش ہوئیں، کافروں کی بعض جماعتیں اب بھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ذلت کا منہ دیکھیں گے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَهْ.

یوم قیامت کی سخت مصیبت اور مجرمین کی بدحالی: .... اس کے بعد ارشاد فرمایا: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّهْ (بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بہت سخت مصیبت کی چیز ہے اور بہت کڑوی ہے) دنیا میں یہ لوگ شکست کھائیں گے ذلت اٹھائیں گے، مقتول ہوں گے، موت کی سختی جھیلیں گے پھر برزخ کی مصیبت گزار کر قیامت کے دن کی مصیبت میں مبتلا ہوں گے، وہ مصیبت بہت ہی زیادہ ہوگی اور بہت ہی زیادہ کڑوی ہوگی، جیسے بہت سخت کڑوی چیز کا چکھنا اور نگلنا بہت دشوار ہوتا ہے، اسی طرح قیامت کی مصیبت کو سمجھ لو۔ اس سے قیامت کی مصیبت کا تھوڑا سا اندازہ ہو جائے گا۔ قال صاحب الروح واشد مرارة فی الذوق و هو

استعارة لصعوبتها على النفس.

مزید فرمایا اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (بلاشبہ جرم کرنے والے لوگ ہلاکت میں اور جلتی ہوئی آگوں میں ہوں گے یہ آیت کا ایک ترجمہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ کی تفسیر میں في خسر ان وجنون فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہلاکت اور بے عقلی کیا گیا۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ (جس دن یہ لوگ چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے چھونے کو چکھ لو) دنیا کی آگ کا جلانا دوزخ کی آگ کے جلانے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، وہاں کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے۔ یہاں کی آگ سے ذرا دیر کو بدن چھو جائے، تو کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ وہاں کی آگ کیسی ہوگی اس کا اندازہ کرلیا جائے اس آگ کا چھونا ہی بہت سخت عذاب ہوگا۔ پھر اس میں جلنا کیسا عذاب ہوگا، ہر مجرم کو یہ سوچنا چاہئے۔

ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے .... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق کے بارے میں خبر دی فرمایا اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا کیا ہے) یعنی ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، مخلوق کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں جھگڑنے لگے اس پر يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیروں کو آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲) اور حضرت عبداللہ بن ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز مقدر ہے۔ حتیٰ کہ عاجز ہونا اور ہوش مند ہونا بھی مقدر ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۶ ج ۲)

پلک جھپکنے کے برابر: .... پھر فرمایا وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا امر یکبارگی ہو جائے گا جیسا کہ آنکھ جھپک جاتی ہے) صاحب روح المعانی نے اس کے تین مطلب لکھے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم جو کچھ کرنا چاہیں وہ محض فعل واحد کی طرح سے ہے ہمیں کوئی مشقت لاحق ہوتی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم جو بھی کچھ وجود میں لانا چاہیں اس کے لئے کلمۂ واحد کن ہی کافی ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کا قائم ہونا آناً فاناً ایسے جلدی ہو جائے گا جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے اگر یہ معنی مراد ہو تو سورۃ النحل کی آیت کریمہ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ کے مطابق ہوگا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ اور تم سے پہلے جو تمہاری طرح کے لوگ، کفر اختیار کئے ہوئے تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا (جن کے واقعات تم جانتے بھی ہو) فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

بندوں نے جو اعمال کئے ہیں صحیفوں میں محفوظ ہیں: .... وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ (اور لوگوں نے جو بھی کام کئے وہ سب کتابوں میں ہیں) فرشتوں نے لکھ لیا اعمال ناموں میں محفوظ ہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو اعمال کئے ہوا میں اڑ گئے لاشئ

بن گئے وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ (اور ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہے) تفصیل کے ساتھ لوح محفوظ ہے۔

متقیوں کا انعام و اکرام: .... اس کے بعد متقین بندوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (بیشک متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے۔) ان نہروں کا تذکرہ سورۂ محمد کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے)۔

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (سچائی کی جگہ میں ہوں گے) مَقْعَدِ صِدْقٍ جو فرمایا ہے (جس کا ترجمہ عمدہ مقام اور سچائی کی جگہ کیا گیا ہے) حقیقت میں یہ استعارہ ہے۔ لفظ صدق اقوال اور اعمال اور عقائد کی سچائی کے لئے بولا جاتا ہے' جو حضرات ان چیزوں میں سچے ہیں' انہیں اپنی سچائی کی وجہ سے وہاں بلند مقام ملے گا جہاں بہت زیادہ خوش ہوں گے اس لئے اس کا نام مقعد صدق رکھا گیا ہے۔

ساتھ ہی عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ بھی فرمایا کہ یہ بندے عظیم القدرت بادشاہ کے جوار میں ہوں گے یعنی ان کا مرتبہ بلند ہوگا' اللہ تعالیٰ شانہٗ مکان اور محل و جہت سے پاک ہے۔ قال صاحب الروح والعندية للقرب الرتبى ص ۹۶ ج ۲۷)

وقد انتهى تفسير سورة القمر بفضل المليک الحنان المنان والصلوٰة والسلام علٰى رسوله سيد الانسان والجان وعلٰى من تبعه باحسان الٰى اواخر الدهور والازمان.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الرحمٰن	۷۸ آیتیں ۳ رکوع

آیاتہا ۷۸ (۵۵) سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَکِّیَّۃٌ (۹۷) رکوعاتہا ۳

سورۃ الرحمٰن مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھہتر آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو بیان سکھایا، سورج اور چاند حساب کے ساتھ ہیں،

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸

اور بے تنہ کے درخت اور تنہ آور فرمانبردار ہیں اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھ دی کہ تم تولنے میں سرکشی نہ کرو

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ

اور وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ، اور اس نے زمین کو لوگوں کے واسطے رکھ دیا۔ اس میں میوے

وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳

اور کھجور کے درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے اور دانے ہیں بھوسہ والے اور غذا ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو بیان سکھایا، چاند وسورج آسمان وزمین اسی کی مخلوق ہیں، اس نے انصاف کا حکم دیا، غذائیں پیدا فرمائیں، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

یہاں سے سورۃ الرحمٰن شروع ہورہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دنیاوی اور اخروی نعمتیں اور مظاہر قدرت اور وعیدیں بیان فرمائی ہیں اس میں اکتیس (۳۱) بار فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ آیا ہے اس آیت کے تکرار سے ایک بہت بڑا لفظی اور معنوی حسن پیدا ہوگیا ہے

فضائل قرآن: .... مذکورہ بالا آیات میں چند نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو ایمانی، روحانی اور جسمانی غذاؤں پر مشتمل ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ رحمٰن جل مجدہ نے قرآن سکھایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو مؤمنین کو عطا فرمائی، پھر اس کے الفاظ بھی سکھائے اور معانی بھی بتائے، اس کی فصاحت وبلاغت بھی سمجھائی، اس کا سمجھنا اور حفظ کرنا بھی آسان فرمایا، یہ زمین پر رہنے والے عاجز بندے جن کے اندر خون ہی خون بھرا ہوا ہے انہیں یہ شرف عطا فرمایا کہ اللہ کا کلام ان کے دلوں میں محفوظ ہے اور زبانوں پر جاری رہتا

ہے اس کے الفاظ اور کلمات اور معانی کے بیان کے سلسلے میں سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور الحمدللہ یہ سلسلہ برابر جاری ہے، قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور اپنے بندوں کو سکھایا پھر اس کے سکھانے کا شرف بھی عطا فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی نعمت دی، پھر اس نے کسی دوسری نعمت کی وجہ سے کسی کے بارے میں یہ سمجھا کہ اس کو جو نعمت دی گئی ہو اس نعمت سے افضل ہے جو مجھے دی گئی تو اس نے سب سے بڑی نعمت کی ناقدری کی۔ (السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ص ۲۷۰ ج ۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (رواہ البخاری ص ۷۵۲ ج ۲)۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ الَّیْلِ یعنی میری امت میں سب سے زیادہ شریف لوگ وہ ہیں جو قرآن کے حاملین ہیں اور راتوں کو بیدار رہنے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۰)

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہے یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ان کی زبانوں پر جاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بے تکلف روانی کے ساتھ پڑھتے ہیں، متشابہات تک یاد ہیں، جنہیں قرآن مجید حفظ یاد ہے، سوتے میں تلاوت کرتے چلے جاتے ہیں "تَقْرَاُہٗ نَائِمًا وَّیَقْظَانَ" (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۴۶۰)

جس دل میں قرآن نہیں ہے وہ بہت بڑا محروم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ ۔ (بلاشبہ جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ (رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی حدیث صحیح کمافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۶ ج ۱)

بیان کرنے کی نعمت: .... خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، اسے بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں، انہی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے علم دیا، بولنے کی صفت سے نوازا، بات کرنے کا طریقہ بتایا، بیان کرنے کی صفت عطا فرمائی، اظہار مافی الضمیر پر قدرت دی، فصاحت اور بلاغت سکھائی، اسالیب کلام کا القاء فرمایا قرآنِ کریم کے الفاظ اور معانی اور احکام و مسائل بیان کرنے اور دوسروں کو اس کے مفاہیم بتانے اور قرآن مجید کے علاوہ بھی ایک دوسرے سے بولنے اور بات کرنے اور لکھنے اور سمجھانے پر قدرت عطا فرمائی، پھر ایک ہی زبان نہیں اسے بہت سی زبانیں سکھائی اور طرق ادا بتائے، ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی قوت بخشی۔ فسبحانہ مآاعظم شانہ

چاند و سورج ایک حساب سے چلتے ہیں: .... اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (چاند اور سورج کیلئے جو رفتاروں کے مدار مقرر فرمادیئے ہیں انہیں کے مطابق چلتے ہیں) اپنی رفتار میں آزاد نہیں ہیں، جیسے چاہیں چلیں، جدھر کو چاہیں چلیں اور جب چاہیں چلیں اور جب چاہیں رُک جائیں۔ یہ ان کے اختیار سے باہر ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَاالشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

(اور آفتاب اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے، اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے: کھجور کی پرانی ٹہنی نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا کر پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں)۔

نجم اور شجر سجدہ کرتے ہیں: .... وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ (اور بے تنہ والا یعنی بیلدار درخت اور تنہ والا درخت (جو کھڑا رہتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے فرمان بردار ہیں جس طرح سجدہ کرنے والا اپنے خالق کے لئے خوشی سے سجدہ کرتا ہے اسی طرح یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں انقیاد اور فرمانبرداری کو سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کدو، تربوز، خربوزہ کی بیل کو النجم فرمایا اور دوسرے چھوٹے بڑے درخت جو اپنی ساق یعنی پنڈلی پر کھڑے ہوتے ہیں (جن میں موٹے درخت بھی ہوتے ہیں اور پتلے بھی) ان سب کو شجر سے تعبیر فرمایا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن جبیرؒ سے اسی طرح مروی ہے۔

آسمان کی رفعت اور بلندی:۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا (اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند فرمادیا) شمس وقمر کے بعد آسمان کی بلندی کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ آسمان کی جو بلندی ہے یہ اسے اس کے خالق جل مجدہ نے عطا فرمائی ہے جب آسمان کی بلندی اس کے خالق تعالیٰ شانہ کی دی ہوئی ہے تو دوسری مخلوق کے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ جس کسی کو جو کسی قسم کی رفعت ہے یا مل سکتی ہے وہ خالق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف سے ہے اور ہو سکتی ہے۔

انصاف کے ساتھ وزن کرنے کا حکم:۔ وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اور اللہ تعالیٰ نے ترازو کو رکھ دیا اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ تا کہ تولنے میں سرکشی یعنی نافرمانی نہ کرو (عدل پر قائم رہو ایسا نہ کرو کہ دوسروں سے اپنے حق میں زیادہ تلواؤ اور دوسروں کے لئے تولو تو ڈنڈی مار دو اور گھٹا کر تولو) جیسا کہ سورۃ التطفیف کے شروع میں تولنے والوں کی زیادتی کا طریقہ بیان فرمایا ہے سورۃ الانعام اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی یہی حکم ہے (کہ ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ قائم کرو)۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۚ (اور زمین کو رکھ دیا لوگوں کے نفع کے لئے)

زمین کو اللہ تعالیٰ نے بچھونا بنا دیا اسے نرم بنا دیا تا کہ اسے کھود سکیں۔ حوض و تالاب بنا سکیں اس پر عمارتیں کھڑی کر سکیں، مردے دفن کر سکیں، درخت لگا سکیں، کھیتی بو سکیں، ریلیں چلائیں، گھوڑے دوڑائیں بیچاری بے زبان ہے، کچھ بھی انکار نہیں کرتی، اسی لئے سورۃ الملک میں اسے ذَلُوْلًا بتایا ہے اس کے علاوہ بھی زمین سے بنی آدم کے بہت سے فوائد اور منافع وابستہ ہیں اس کو لفظ لِلْاَنَامِ میں ظاہر فرمایا، اس کے بعد بعض فوائد کا خصوصی تذکرہ فرمایا فِيْهَا فَاكِهَةٌ (الایتین) اس میں میوے ہیں اور کھجوریں ہیں۔

اَكْمَامٌ، كِمٌّ کی جمع ہے پھلوں پر جو غلاف ہوتا ہے اسے کم کہا جاتا ہے اس سے ایک تو پھل کی حفاظت رہتی ہے دوسرے خود یہ غلاف کام آتے ہیں وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ اور زمین میں دانے ہیں (گیہوں، جو وغیرہ) جو انسان کی غذا بنتے ہیں اور ان دانوں پر بھی غلاف چڑھے ہوئے ہیں، جن کو علیحدہ کیا جاتا ہے ان دانوں کو انسان کھاتے ہیں اور ان کے اوپر جو غلاف یعنی بھوسہ ہوتا ہے اسے حیوان کھاتے ہیں وَالرَّيْحَانُ اس کا ایک ترجمہ تو خوشبودار نباتات کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ پھول کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے رزق مراد ہے بطور قاعدہ کلیہ انہوں نے ارشاد فرمادیا کہ کل ریحان فی القرآن فھو رزق (قرآن کریم میں جہاں ریحان کا لفظ آیا ہے مراد رزق ہے) یہ اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رزق کو ریحان اس لئے کہا گیا کہ اس سے راحت ملتی ہے، زمین سے نکلنے والی جن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں وہ چیزیں بھی ہیں، جن میں غذا ہے اور لذت ہے اور وہ چیزیں بھی ہیں، جن میں محض غذائیت ہے اور وہ چیزیں بھی ہیں جو بہائم یعنی چوپایوں کے کام آتے ہیں ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ سوائے جنو اور اے انسانو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) اور پر جو نعمتیں مذکور ہوئی

ہیں ان سے دونوں فریق نفع حاصل کرتے ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

اللہ نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح سے تھی، اور پیدا کیا جان کو لپٹیں مارتی ہوئی آگ سے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو خالص آگ سے پیدا فرمایا

یہ تین آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا یعنی ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو سب سے پہلے انسان ہیں اور سب انسانوں کے باپ ہیں ان کا پتلا مٹی سے بنایا یہ پہلے صرف مٹی تھی اس میں پانی ملا دیا گیا تو طین یعنی کیچڑ بن گئی، پھر اس سے پتلا بنایا گیا اور وہ سوکھ گیا تو صلصال ہو گیا جیسا فخار ہوتا ہے۔ فخار اس چیز کو کہتے ہیں جو کیچڑ والی مٹی سے بنائی گئی ہو جب وہ سوکھ جائے تو اس میں انگلی مارنے سے آواز نکلتی ہے اسی آواز دینے والی مٹی کو صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر مختلف ادوار گزرے تھے اس کی تفصیل کے لئے سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

جنات کا جو سب سے پہلا باپ تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ جان کو خالص آگ سے پیدا فرمایا بعض علماء کا کہنا ہے کہ جیسے حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، ایسے ہی جان ابوالجن یعنی جنات کا باپ ہے اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ابلیس شیطان تمام جنات کا باپ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے اور جنات آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اور ہر فریق اپنے اپنے اصل مادہ کی طرف منسوب ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جس طرح پیدا فرمانا چاہا پیدا فرمادیا، وجود بخشا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کے ساتھ اور بہت سی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ انسان اور جنات اپنے خالق جل مجدہ کے شکر گزار رہوں اور نعمتوں کی قدر دانی کریں اسی لئے اخیر میں فرمادیا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا (سو تم دونوں فریق انسان اور جن اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾

وہ دونوں مغربوں اور دونوں مشرقوں کا رب ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اس نے دونوں سمندروں کو ملا دیا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ

ان کے درمیان آڑ ہے وہ دونوں بغاوت نہیں کرتے، سوائے جن وانس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں، سوائے جن وانس

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اور اسی کیلئے کشتیاں ہیں جو بلند کی ہوئی ہیں سمندروں میں پہاڑوں کی طرح۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور اکرام والا ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

النصف ع

اللہ مشرقین اور مغربین کا رب ہے، میٹھے اور نمکین دریا اسی نے جاری فرمائے اس سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں، اسی کے حکم سے کشتیاں چلتی ہیں

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر بیان فرمائے ہیں اور اس کی نعمتیں ذکر کی ہیں، اول تو یہ فرمایا کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے، اسی نے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کو پیدا فرمایا اور چاند اور سورج کو مقرر فرمایا جو اپنی مقررہ رفتار پر چلتے ہیں، مشرقین سے طلوع ہوتے ہیں اور مغربین میں چھپ جاتے ہیں، ان کے طلوع اور غروب سے رات اور دن کا ظہور ہوتا ہے اور دن میں دن کے کام اور رات میں رات کے کام انجام پذیر ہوتے ہیں، رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں انسانوں اور جنات کے بڑے منافع ہیں، اس لئے اخیر میں فرمایا کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

دو مشرق اور دو مغرب سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں صاحب روح المعانی نے علمائے تفسیر کے چند اقوال لکھے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرقین سے گرمی اور سردی کے دونوں مشرق اور مغربین سے سردی اور گرمی کے دونوں مغرب مراد ہیں، اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ مشرقین سے مشرق الفجر اور مشرق الشفق مراد ہیں اور مغربین سے مغرب الشمس اور مغرب الشفق مراد ہیں۔

اس کے بعد سمندروں کا تذکرہ فرمایا کہ دونوں سمندروں کو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا جو آپس میں ملتے ہیں یعنی نظروں کے سامنے ملے ہوئے ہیں اور حقیقت میں ان کے درمیان میں ایک قدرتی حجاب ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کی جگہ نہیں لیتے، ان دونوں سمندروں میں ایک میٹھا ہے اور ایک نمکین ہے، دونوں سمندروں سے لوگ فوائد حاصل کرتے ہیں، ان فوائد کا شکر لازم ہے جنات اور انسان دونوں فریق شکر ادا کریں۔

پھر فرمایا کہ ان دونوں سمندروں سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں، ان دونوں کے منافع بھی ظاہر ہیں، جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے والوں پر شکر لازم ہے۔ لؤلؤ اور مرجان میں کیا فرق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لؤلؤ سے چھوٹے موتی اور مرجان سے بڑے موتی مراد ہیں، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرجان سے سرخ رنگ کے مونگے مراد ہیں اور لؤلؤ چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کے موتیوں کو شامل ہے (ذکرہ صاحب الروح)

دو سمندر جو آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ان میں ایک میٹھا سمندر اور دوسرا نمکین ہیں، اس بارے میں سورۃ الفرقان کے تیسرے رکوع میں لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیں۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ لؤلؤ اور مرجان تو شور یعنی نمکین پانی والے سمندر سے نکلتے ہیں پھر مِنْهُمَا تثنیہ کی ضمیر کیوں لائی

گئی؟ اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ مِنْهُمَا کا مطلب من مجموعهما ہے اور دونوں کے مجموعہ میں بحر ملیح بھی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ موتی نکالنے والے عموماً دریائے شور ہی سے نکالتے ہیں (میٹھے سمندر سے نکالنے کی طرف توجہ نہیں کرتے (شاید اس وجہ سے کہ اس میں زیادہ مال نہیں ملتا) بہر حال اللہ تعالیٰ کا کلام صحیح ہے بندوں کا علم ہی کتنا ہے جس پر بھروسہ کر کے خالق جل مجدہٗ پر اعتراض کریں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اونچی اونچی کشتیاں پہاڑوں کی طرح سمندروں میں بلند ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے قائم ہیں۔ وہی اپنی قدرت کاملہ سے ان کی حفاظت فرماتا ہے سمندر کا تلاطم اور تیز ہواؤں کے حملوں سے محفوظ فرماتا ہے یہ کشتیاں بڑے بڑے وزن کے سامانِ تجارت کو اور تاجروں کو اور انسانوں کی خوراکوں اور دوسری ضروریات کو ایک برّ اعظم سے دوسرے برّ اعظم تک لے جاتی ہیں جیسے سورۃ البقرہ میں یوں فرمایا ہے وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ (اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں وہ چیزیں لے کر چلتی ہیں جو انسانوں کو نفع دیتی ہیں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کشتیاں بنانے کا طریقہ بھی الہام فرمایا ہے پھر ان کو سمندر میں جاری کرنے اور ان میں مال لاد کر لے جانے کا طریقہ بتایا یہ سب فوائد اور منافع کی صورتیں ہیں۔ یہ کشتیاں لاکھوں انسانوں کی ضروریات زندگی کو ادھر ادھر پہنچاتی ہیں لہٰذا فائدہ اٹھانے والوں پر لازم ہے کہ خالق جل مجدہٗ کا شکر ادا کریں اور ان کی نعمتوں کی ناشکری نہ کریں۔

زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے: .... كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ زمین پر جو کچھ بھی ہے انسان اور جنات اور حیوانات اور ہر نفع یا ضرر کی چیز سمندر اور خشکی بحار اور اشجار اور پہاڑ اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب فنا ہونے والا ہے اور اے نبی! آپ کے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے اس کی ذات ذوالجلال بھی ہے اور ذوالاکرام بھی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں الجلال عظمة الله و کبریائه یعنی جلال سے اللہ کی عظمت اور بڑائی مراد ہے اور الاکرام کے بارے میں لکھا ہے ای هو اهل لان یکرم عما لایلیق به من الشرک. یعنی اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور اس کی ذات گرامی کے لائق جو چیزیں نہیں ہیں مثلاً شرک اس سے اس کی تنزیہ کی جائے۔ یہ ترجمہ اور تفسیر اس صورت میں ہے کہ اکرام مصدر مبنی للمفعول لیا جائے، اور بعض حضرات نے اس کو مبنی للفاعل لیا ہے اور معنی یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس صفت سے متصف ہے کہ وہ انعام فرمائے یعنی اپنی مخلوق پر رحم اور کرم فرمائے یہ معنی سورۃ الفجر کی آیت فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ؕ سے مفہوم ہو رہا ہے۔

سورۃ الفجر کی آیت میں اکرمه بھی فرمایا جو باب تفعیل سے ہے اور سورۃ الاسراء میں فرمایا وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ اس میں باب افعال سے لفظ انعام وارد ہوا ہے۔ فیض القدیر (ص ۱۶۰ ج ۱۲) شرح الجامع الصغیر میں لکھا ہے کہ اکرام انعام سے اخص ہے کیونکہ انعام کبھی گنہگاروں پر بھی ہوتا ہے اور اکرام صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جن سے کبھی نافرمانی نہ ہوئی ہو احقر کی سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اعتبارات سے ہر انسان مکرم ہے انسان کا وجود ہی اس کے لئے بہت بڑی چیز ہے پھر انسان کو بہت سے اکرامات سے نوازا ہے جسے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو بھی نعمت ملے وہ انعام تو ہے ہی اکرام بھی ہے یہ بات الگ ہے کہ انسان کفر و فسق و فجور اختیار کر کے اس نعمت کو اپنے لئے اہانت کا ذریعہ بنا لے یہ دنیا کا معاملہ ہے اور آخرت میں جو بھی نعمتیں ملیں گی وہ اہل ایمان ہی کو ملیں گی وہاں اہل ایمان ہی معزز مکرم ہوں

گے کافر کو تو موت کے وقت سے ذلت گھیر لیتی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہی رہے گا موت کے بعد اس کے لئے نہ انعام ہے نہ اکرام وہاں کا انعام و اکرام اہل ایمان ہی کے لئے مخصوص ہے۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ

اس سے سوال کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہے ہر دن وہ ایک شان میں ہے' سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے' اے دونوں جماعتو!

لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ

ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے' سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے' اے جماعت جنات کی اور انسانوں کی اگر تم سے

اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ

ہو سکے کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل سکو تو نکل جاؤ تم' بغیر قوت کے نہیں نکل سکتے' سو اے انس وجن!

اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات عالیہ اور انسان اور جنات کی عاجزی بیان فرمائی ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اس دنیا میں جو کچھ کرتے ہو یہ نہ سمجھو کہ عمل کرنے میں آزاد ہو' اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی۔ جزا و سزا کا دن آنے والا ہے' تمہارے حساب و کتاب کے لئے ہم عنقریب فارغ ہوں گے یعنی تمہارا محاسبہ کریں گے' مخلوق کے سمجھانے کے لئے مجازاً ایسا فرمایا ورنہ حق تعالیٰ شانہ کو کوئی بھی فعل دوسرے فعل سے مانع نہیں ہوسکتا کل یوم کا ترجمہ کل وقت اس لئے کیا گیا کہ مخلوق میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تصرفات جاری رہتے ہیں۔

حساب و کتاب کی خبر دے کر پہلے سے آگاہ فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے' اسی لئے فرمایا کہ اے انس وجن اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اس کے بعد انسانوں اور جنوں کی عاجزی بیان فرمائی کہ تم دونوں جماعتوں کو اگر یہ قدرت حاصل ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکو تو نکل جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ نکل جانا بغیر طاقت وقوت اور زور کے نہیں ہوسکتا اور تم میں یہ طاقت نہیں ہے جس طرح وقوع قیامت سے پہلے عاجز ہو اسی طرح قیامت قائم ہونے کے وقت بھی عاجز ہو گے یہ نہ سمجھنا کہ قیامت قائم ہوئی تو ہم گرفت سے بچ جائیں گے اور خالق اور مالک جل مجدہ کے ملک کی حدود سے باہر چلے جائیں گے' اس بات کو جانتے ہوئے کیسے کفر اختیار کیا ہوا ہے اور گناہوں پر کیوں تلے ہوئے ہو' تمہیں پہلے بتا دیا گیا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور حساب ہوگا' یہ پیشگی بتا دینا بھی انعام عظیم ہے' اس نعمت کا شکر ادا کرو' سو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا' سو تم اسے ہٹا نہ سکو گے' تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا سو ایسا ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا ہو تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے سو اس دن کسی انسان

عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ

یا جن سے اسکے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے مجرم لوگ اپنی نشانی کے ذریعہ پہچانے جائیں گے۔

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ

سو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ جہنم ہے جسے

بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

مجرمین جھٹلاتے ہیں دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ سو اے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ع ۲ وقف لازم

قیامت کے دن کفار انس وجان کی پریشانی، مجرمین کی خاص نشانی
پیشانی اور اقدام سے پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جانا

ان آیات میں قیامت کے دن کا کچھ حال بتایا ہے اور مجرموں کا دوزخ میں داخلہ اور وہاں جو ان کی بدحالی ہوگی اس کا تذکرہ فرمایا ہے ان حالات کی پیشگی اطلاع دینا بھی نعمت ہے تاکہ لوگ کفر سے اور بداعمالیوں سے بچیں اور قیامت کے دن بدحالی اور دوزخ کے داخلہ سے بچیں، اس لئے ہر آیت کے ختم پر فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا۔

اول تو یہ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم دونوں پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے اور دھواں بھی پھینکا جائے گا یہ دھواں بھی آگ ہی سے نکلا ہوگا، چونکہ اس میں روشنی نہ ہوگی اس لئے اس کو نحاس یعنی دھویں سے تعبیر فرمایا۔ اس کے سخت گرم ہونے میں تو کوئی شک نہیں سورۃ المرسلات میں فرمایا۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۔ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۔ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (چلو ایک سائبان کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ والا نہیں ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے، بیشک وہ دوزخ بڑے بڑے انگارے پھینک رہا ہے، جیسے بڑے بڑے محل ہوں گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں، اس روز جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی)۔ سورۃ المرسلٰت کی آیت میں بتادیا کہ دوزخ سے جو دھواں نکلے گا۔ بظاہر ایک سائبان معلوم ہوگا دنیا میں جو سائبان ہوتے ہیں وہ دھوپ اور سردی سے بچنے کے لئے بنائے جاتے ہیں لیکن وہ دھواں اگرچہ تاریک ہوگا لیکن سخت گرم ہوگا اس دھویں سے بچ نہ سکو گے نہ کوئی شخص اپنی مدد کر سکے گا نہ کسی دوسرے کی۔

پھر آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ فرمایا کہ جب وہ پھٹ جائے گا تو رنگت کے اعتبار سے ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے لال رنگ کا چمڑا ہوتا ہے، سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (اور جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ پڑے گا اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے) یہ قیامت کا دن ہوگا جس میں اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

پھر فرمایا اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ مجرم سے سوال کبھی تحقیق حال کے لئے ہوتا

ہے کیونکہ پوچھنے والے کو پوری طرح صورت حال معلوم نہیں ہوتی اور کبھی اسے بتانے اور جتانے کے لئے ہوتا ہے کہ تم نے ایسا ایسا کیا' اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے ہر چیز کی ہمیشہ سے اسے خبر ہے بندوں کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے احوال سے باخبر ہے جو بھی مجرمین قیامت کے دن حاضر ہونگے اسے اپنے علم میں لانے کیلئے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین سے ان کے اعمال کا سوال اس لئے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا جرم آ جائے' سورۃ القصص کی آیت وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ میں بھی یہی بات بتائی اور دوسری قسم کا پوچھنا جو اقرار کرنے اور جتانے کے لئے ہوتا ہے' قیامت کے دن اس کا وقوع ہوگا' جسے سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ میں بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ مجرموں کو ان کی علامت اور نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔ ان نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا اور گونگا اور بہرا کر کے منہ کے بل چلائیں گے) اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا يَّتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ (اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے) کافروں کا چہروں کے بل چلنا پھر اندھا گونگا اور بہرا ہونا اور آنکھیں نیلی ہونا یہ سب ان کی پہچان کی نشانیاں ہوں گی ان کے ذریعہ کافروں کو پہچان لیا جائے گا اور ان کے قدم اور پیشانی کے بال پکڑ کر گٹھڑی سی بنا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

جب جہنم میں ڈالے جانے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ جہنم ہے' جسے مجرمین جھٹلاتے تھے اب جب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے' دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگاتے ہوں گے۔

جہنم تو آگ ہی آگ ہے اور آگ کے علاوہ بھی اس میں طرح طرح کے عذاب ہیں ان ہی عذابوں میں سے عَذَابُ الْحَمِيمِ یعنی گرم پانی کا عذاب بھی ہے' گرم پانی انکے سروں پر بھی ڈالا جائے گا' جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ؕ اور پینے کیلئے پانی طلب کریں گے تو گرم پانی دیا جائے گا' جیسا کہ سورۃ الکہف میں فرمایا وَإِنْ يَّسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ (اور اگر فریاد کرینگے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا' وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔

اور سورۂ محمد میں فرمایا وَسُقُوا مَآءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا' جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا) اور سورۃ المؤمن میں فرمایا يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ. (وہ لوگ گرم پانی میں کھینچے جائیں گے پھر انہیں آگ میں جلایا جائے گا) یہاں سورۂ رحمٰن میں فرمایا يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اٰنٍ (وہ دوزخ کے اور سخت گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے) مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ کبھی انہیں آگ میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا اور کبھی پانی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم پانی پلانے کے لئے انہیں گرم پانی کی جگہ لے جایا جائے گا پھر واپس جحیم یعنی آگ کی جگہ واپس لوٹا دیا جائے گا بعض علماء نے آیت کے ظاہری الفاظ لے کر یہ کہا ہے کہ حمیم یعنی گرم پانی کی جگہ جحیم سے باہر ہوگی' لیکن چونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دخول جہنم کے بعد پھر خروج ہو اس لئے دیگر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ گرم پانی کی جگہ بھی دوزخ ہی کی حدود میں اندر ہی ہوگی۔ گرم پانی پی کر واپس اپنے ٹھکانہ پر لائے جائیں گے جو آگ ہی میں ہوگا حدود جہنم سے باہر جانا مراد نہیں ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) لفظ اٰنٍ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حَمِيمٌ کی صفت ہے' اس کا مادہ اَنیٌ ہے مفسرین

نے اس کا ترجمہ بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ قد انتھی حرہ یعنی وہ انتہائی حرارت کو پہنچ چکا ہوگا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَيِّ

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کیلئے دو باغ ہیں سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ دونوں باغ بہت سی شاخوں والے ہوں گے، سوائے انس و جن تم اپنے

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيْهِمَا

رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی

مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ

سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان جنتوں میں رہنے والے لوگ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جس کے استر دبیز ریشم کے ہوں

اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ

گے اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے۔ سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان باغوں میں ایسی عورتیں ہوں

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

گی جو نیچی نگاہ رکھنے والی ہوں گی، انکو ان لوگوں سے پہلے کسی انسان یا کسی جن نے استعمال نہ کیا ہوگا۔ سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ یاقوت

وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾

اور مرجان ہیں۔ سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ بھی ہے؟

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

سوائے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اہل تقویٰ کی دو جنتیں اور ان کی صفات

ان آیات میں اہل جنت کے بعض انعامات کا تذکرہ ہے اور ہر نعمت بیان کرنے کے بعد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا ہے کہ اے انس و جن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پہلے رکوع میں دنیاوی جنتوں کا تذکرہ فرمایا اور تیسرے رکوع میں آخرت کی جنت کا تذکرہ کیا اور دوسرے رکوع میں جنات اور انسانوں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا، جس میں قیامت کے دن اور اس کے بعد دوزخ میں مجرمین مبتلا ہوں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہوں گے، جنت خود بہت بڑا باغ ہے، پھر اس باغ میں الگ الگ باغ ہوں گے، جو حسب اعمال جنتیوں کو دیئے جائیں گے، جو حضرات گناہوں سے بچتے ہیں، آخرت کے حساب کی فکر رکھتے ہیں اور آخرت کے دن کے حساب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو دو باغ ملیں گے، آخرت کا خوف انسان سے گناہوں کو چھڑا دیتا ہے اور طاعات اور عبادات پر لگائے رکھتا ہے سورۃ النازعات میں فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے

سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا سو اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا)۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ تلاوت کی پھر فرمایا کہ دو جنتیں سونے کی ہیں جو سابقین کے لئے ہیں اور دو جنتیں چاندی کی ہیں' جوان لوگوں کی ہوں گی جو ان کے تابع ہوں گے (رواہ الحاکم فی المستدرک والذہبی فی التلخیص (م) ای ہو علی شرط مسلم)

مذکورہ بالا دونوں جنتوں کی تین صفات بیان فرمائیں۔ اول تو یہ کہ ان میں درخت ہوں گے، ان کی شاخیں زیادہ ہوں گی جو ہری بھری ہوں گی' دیکھنے میں خوب اچھی اور پھیلی ہوں گی' ظاہر ہے کہ جب شاخیں اور ٹہنیاں خوب زیادہ ہوں گی تو پھل بھی خوب زیادہ ہوں گے' دوسری صفت یہ بتائی کہ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے' یہ چشمے روانی کے ساتھ بہتے ہوں گے' دیکھنے سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی' اہل جنت کے چشموں کا ذکر سورۃ الدھر اور سورۃ التطفیف میں بھی فرمایا ہے سورۃ الدھر میں ایک چشمہ کا نام سلسبیل بتایا ہے' اور سورۃ التطفیف میں ایک چشمہ کا نام تسنیم بتایا ہے' سورۃ الدھر میں یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔

(جو نیک ہیں وہ ایسے جام شراب سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے)

متقیوں کے دونوں باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ان میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی ایک قسم معروف یعنی جانی پہچانی ہوگی' جسے دنیا میں دیکھا اور دوسری قسم نادر ہوگی' جسے پہلے نہیں جانتے تھے' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک قسم رطب یعنی تازہ اور دوسری قسم یابس یعنی خشک ہوگی اور لذت میں دونوں برابر ہوں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پھل ہیں میٹھے اور کڑوے سب جنت میں موجود ہوں گے' حتیٰ کہ حنظل بھی ہوگا اور جو پھل یہاں کڑوا تھا وہاں میٹھا ہوگا۔ (روح المعانی ص ۱۱۷ ج ۲۷)

متقی حضرات کے بستر: .... متقی حضرات کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ان کے بستروں اور بیویوں کا بھی تذکرہ فرمایا۔ بستروں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے' جس کا استر یعنی اندر کا کپڑا استبرق یعنی دبیز ریشم ہوگا' دنیا میں جو بستر بچھائے جاتے ہیں' ان میں ایک استر اوپر کا اور ایک استر نیچے کا ہوتا ہے' اوپر والا نقش ونگار والا خوبصورت ہوتا ہے' اور نیچے والا نقش ونگار والا نہیں ہوتا قیمتاً بھی اوپر والے کی نسبت گھٹیا ہوتا ہے' آیت میں اہل جنت کے بستروں کے نیچے والے حصے کے بارے میں بتایا کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں جنت کے بستروں کے نیچے والے استروں کے بارے میں بتایا کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے اس سے سمجھ لو کہ اوپر والے استر کیسے خوشنما اور آرام دہ ہوں گے (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین واقر الذھبی فی تلخیصہ) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اندرونی بستر استبرق کے ہوں گے اور اوپر کے بستروں کا کیا حال ہوگا؟' تو اس کے جواب میں سورۂ الم سجدہ کی یہ آیت تلاوت فرمادی فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپایا گیا ہے) مطلب یہ تھا کہ اس کے بارے میں دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جنت میں دیکھ کر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیسے ہیں؟

دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے: .... وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے) حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جنت میں ہوں گے، اگر چاہیں گے کھڑے ہو کر پھل توڑ لیں گے اور اگر چاہیں گے بیٹھے بیٹھے توڑ لیں گے اور اگر چاہیں تو لیٹے لیٹے لے لیں گے ہر حال میں درخت ان کے قریب آ جائیں گے۔ (روح المعانی)

قولہ جنی ھو مایجتنٰی من الثمار بالالف المقصورۃ اصلہ یاء في آخرہ ودان اسم فاعل من دنایدنو (جنیٰ اس کا معنی ہے پھلوں سے جو چنا جائے۔ الف مقصورہ کے ساتھ اور یہ الف اصل میں یاء تھی جو کہ آخر میں تھی اور دان یہ دنا یدنو فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے)

اہلِ جنت کی بیویاں: .... اس کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا یہ بیویاں دنیا والی بھی ہوں گی اور وہ حور عین بھی ہوں گی، جن سے وہاں نکاح کیا جائے گا، ان سب کا حسن و جمال بھی بہت زیادہ ہوگا وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں گی، اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کو ذرا سی نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھیں گی۔

مزید فرمایا لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (ان کے جنتی شوہروں سے پہلے کبھی انسان یا جن نے ان کو اپنے رجولیت والے کام میں استعمال نہیں کیا ہوگا وہ بالکل بکر یعنی کنواری ہوں گی، کسی مرد نے انہیں ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا) اور ہر مرتبہ ان کے پاس جائیں گے تو کنواری ہی پائیں گے۔ قال صاحب الروح واصل الطمث خروج الدم ولذٰلک یقال للحیض طمث ثم أطلق علی جماع الأبکار لمافیہ من خروج الدم ثم عمم لکل جماع وھوالمروی ھنا عن عکرمۃ والی الاول ذھب الکثیر، وقیل ان التعبیر بہٖ للاشارۃ الی انھن یوجدن أبکارًا کلما جومعن (صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ طمث کے اصل معنی خون نکلنے کے ہیں، اسی لئے حیض کو بھی طمث کہا جاتا ہے پھر اس کا اطلاق کنواری لڑکیوں سے جماع پر ہونے لگا کیونکہ اس صورت میں بھی خون کا خروج ہوتا ہے پھر اس کا اطلاق ہر طرح کے جماع پر ہونے لگا خواہ باکرہ سے ہو یا ثیبہ سے حضرت عکرمہؓ سے اس مقام پر طمث سے یہی دوسرے معنی مراد ہونا مروی ہے۔ جبکہ دیگر بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس لفظ سے تعبیر کرنے کا مقصد اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ان حوروں کے شوہر جب بھی ان کے پاس جائیں گے انہیں کنواری ہی پائیں گے) (ص ۱۱۹ ج ۲۷)

پھر ان بیویوں کا حسن و جمال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (گویا کہ وہ یاقوت ہیں اور مرجان ہیں) یہ دونوں موتیوں کی قسمیں ہیں مرجان کا تذکرہ گزر چکا ہے حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ یاقوت کی صفائی اور لؤلؤ کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چہرے کی سرخی کو یاقوت سے اور باقی جسم کو موتیوں کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں ایسی ہوں گی جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ پھر جو دوسری جماعت جنت میں داخل ہوں گی ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی خوبصورت ستارہ آسمان میں نظر آتا ہے، ان میں سے ہر شخص کیلئے حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودہ حسن کی وجہ سے ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ (صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ص ۴۶۱ ج ۱)

اور سنن ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہر بیوی پر ستر (۷۰) جوڑے ہوں گی (اس کے باوجود) اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۷)

حدیث بالا میں دو بیویوں کا ذکر ہے، جو کم سے کم ہر شخص کو دی جائیں گی اور ان کے علاوہ جتنی زیادہ جس کو ملیں وہ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم

بالائے کرم ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنتی کو اسی (۸۰) ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں دی جائیں گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۹ از ترمذی)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ دنیا والی عورتوں میں سے دو بیویاں اور حور عین سے ستر بیویاں ملیں گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

احسان کا بدلہ احسان:............ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ ہے؟) یعنی جس بندہ نے اچھی زندگی گزاری، اچھے عمل کئے، موحد رہا، شرک سے بچا، ایمان لایا، اعمال صالحہ میں لگا رہا، اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہی ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب فرمائے گا اور وہاں کی نعمتوں سے نوازے گا جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں جو احسان کے بارے میں ان تعبداللّٰه کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک فرمایا ہے اس کے مضمون کو بھی آیت بالا کا مضمون شامل ہے (مسلم صحیح ص ۲۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہو سو اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ

اور ان دو باغوں سے کم درجے کے اور دو باغ ہیں، سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے۔ سوائے انس وجن!

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان دونوں باغوں میں خوب جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہوں گے۔ سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾

ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان باغوں میں اچھی عورتیں ہونگی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، وہ عورتیں حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

ان میں سے پہلے کسی انسان یا جن نے انہیں استعمال نہ کیا ہوگا۔ سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان جنتوں میں داخل ہونے والے لوگ

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ

سبز رنگ کے نقش ونگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ سوائے انس وجن! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، بڑا بابرکت ہے آپ کے

ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے۔

ع ۳

دوسرے درجہ کی جنتوں اور نعمتوں کا تذکرہ

گزشتہ آیات میں دو جنتوں کا ذکر فرمایا۔ اب یہاں سے دوسری دو جنتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ یہ دونوں جنتیں پہلی دو جنتوں سے مرتبہ اور فضیلت میں کم ہوں گی یہ جن بندوں کو دی جائیں گی وہ اپنے احوال اور اعمال کے اعتبار سے ان حضرات سے کم درجے کے ہوں گے جن کو پہلی دو جنتیں دی جائیں گی گو صفت ایمان سے سب متصف ہوں گے' آئندہ سورت واقعہ میں سابقین اولین اور اصحاب یمین جنت میں جانے والی دو جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی دو جنتیں سابقین اولین کیلئے اور بعد والی دو جنتیں (جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اصحاب یمین کے لئے ہوں گی (جو درجہ کے اعتبار سے سابقین اولین سے کم ہوں گے)۔

لفظ مُدْهَآمَّتٰنِ کی تحقیق: .... مُدْهَآمَّتٰنِ (یہ دونوں جنتیں بہت گہرے سبز رنگ والی ہوں گی) یہ کلمہ لفظ ادھیمام باب افعیلال سے اسم فاعل مؤنث کا تثنیہ ہے جو لفظ دُهْــمَة سے مشتق ہے۔ دُهْمَةٌ سیاہی کو کہتے ہیں' جب سبزی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو سیاہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے' اسلئے مُـدْهَآمَّتٰنِ فرمایا جس کا ترجمہ سبز گہرے رنگ کا کیا گیا' قرآن مجید میں یہی ایک آیت ہے' جو کلمہ واحدہ پر مشتمل ہے۔

خوب جوش مارنے والے دو چشمے: .... فِيْهِـمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (ان دونوں باغوں میں خوب جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہوں گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دونوں چشمے اہل جنت پر خیر اور برکت نچھاور کرتے رہیں گے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چشمے اہل جنت کے گھروں میں خوشبوؤں کی چیزیں پہنچاتے رہیں گے جیسے بارش کی چھینٹیں ہوتی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دو چشموں سے جوش مارتا ہوا پانی جاری ہوگا جو برابر جاری رہے گا۔ (معالم التنزیل)

فِيْهِـمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ (ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے) یہ سب چیزیں وہاں کی ہوں گی' دنیا کی چیزوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ بعد والی دو جنتوں کی نعمتوں کے تذکرہ میں بھی آیت کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا ہے۔

جنتی بیویوں کا تذکرہ .... فِيْهِـنَّ خَيْــرَاتٌ حِسَــانٌ (ان چاروں جنتوں میں اچھی اور خوبصورت عورتیں ہوں گی) معالم التنزیل میں حضرت ابن سلمہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! خَيْرَاتٌ حِسَانٌ کا مطلب بتائیے' آپ نے بتایا خیرات الاخلاق حسان الوجوہ یعنی وہ اچھے اخلاق والی خوبصورت چہروں والی ہوں گی' مزید فرمایا حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِيَامِ (وہ عورتیں حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی) یہ خوبصورت عورتیں پردوں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان جتنی جگہ ہے اس سب کو روشن کر دے اور سب کو خوشبو سے بھر دے۔ اور فرمایا کہ اس کے سر کا دوپٹہ ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۵ عن البخاری)

جنت کے خیموں کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں مؤمن کے لئے ایک ہی موتی سے بنایا ہوا خیمہ ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اس کی چوڑائی (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی) ساٹھ (۶۰) میل کی مسافت تک ہوگی اس کے ہر گوشے میں اس کے اہل ہوں گے جنہیں دوسرے گوشہ والے دیکھ پائیں گے۔ مؤمن بندہ اپنے اہل کے پاس آنا جانا کرتا رہے گا۔ مؤمنین کے لئے دو جنتیں ایسی ہوں گی جن میں برتن اور ان کے علاوہ جو

کچھ ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں، جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہیں سب سونے کا ہے اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف رداء الکبریاء حاجب ہوگی، یہ سب کچھ جنت عدن میں ہوگا۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۴۹۵)

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ (ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ان حوروں کا استعمال نہ کیا ہوگا)

بیویوں کی خوبی اور ان کا حسن و جمال بیان کرنے کے بعد فرمایا مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۚ (ان جنتوں میں داخل ہونے والے لوگ سبز رنگ کے نقش و نگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے) لفظ عبقریؔ کی شرح میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق اس کا ترجمہ نقش و نگار والا کیا گیا ہے، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عمدہ اور بڑھیا فخر کے قابل ہو اہل عرب اسے عبقری کہتے ہیں، اسی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا فلم ار عبقریا یفری فریہ ۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ (بڑا بابرکت ہے، آپ کے رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے) یہ سورۃ الرحمٰن کی آخری آیت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اکرام کے بیان پر ختم ہو رہی ہے، پہلے رکوع کے ختم پر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ذوالجلال والاکرام بیان فرمائی ہے، وہاں اس کی تفسیر لکھ دی گئی ہے۔

''فوائد ضروریہ متعلقہ سورۃ الرحمٰن''

''فائدہ اولیٰ''

سورۃ الرحمٰن میں اکتیس جگہ (۳۱) جگہ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا فرمایا ہے اس کے بار بار پڑھنے سے ایک کیف اور سرور محسوس ہوتا ہے ایمانی غذا بھی ملتی ہے اور تلاوت کرنے والا اور تلاوت سننے والے پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو عروس القرآن یعنی قرآن کی دلہن فرمایا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ۱۸۹)

''فائدہ ثانیہ''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ میں جنات اور انسان دونوں جماعتوں کو خطاب فرمایا ہے اور بار بار یاددہانی ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان ان نعمتوں سے نوازا ہے سو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے اپنے صحابہ کو سورۃ الرحمٰن اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی یہ لوگ خاموشی سے سنتے رہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اس سورت کو لیلۃ الجن میں جنات کو پڑھ کر سنائی وہ جواب دینے میں تم سے اچھے ثابت ہوئے، میں جب بھی فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تھا تو وہ جواب میں یوں کہتے تھے لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ اے ہمارے رب! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، آپ ہی کے لئے سب تعریف ہے۔ (رواہ الترمذی)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو ہر طرح کی چھوٹی بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کا انکار کر دینا کہ مجھے نہیں ملی یا اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں دی، میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کی ہے یا ایسا طرز عمل اختیار کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ شخص نعمتوں کا اقراری نہیں ہے، یہ سب نعمتوں کی تکذیب ہے، یعنی ان کا جھٹلانا ہے، کفرانِ نعمت بھی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

''فائدۂ ثالثہ''

یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ سورۃ الرحمٰن کے دوسرے رکوع میں بعض عذابوں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد بھی آیت بالا ذکر فرمائی ہے عذاب تو نقمت ہے وہ نعمتوں میں کیسے شمار ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلے تنبیہ کر دی گئی کہ گنہگاروں کے ساتھ ایسا ایسا ہوگا تا کہ کفر و شرک اور مصیبتوں سے بچیں اس لئے پیشگی خبر دے دینا کہ ایسا کرو گے تو ایسا بھرو گے یہ بھی ایک نعمت ہے اور حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

''فائدۂ رابعہ''

آیاتِ کریمہ سے یہ واضح ہوگیا کہ جنات بھی مکلف ہیں اور مخاطب ہیں سورۃ الذاریات میں واضح طور پر فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ؁ (اور میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) اور جس طرح انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جنات پر بھی ہیں (گو انسانوں کو فوقیت حاصل ہے کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے دونوں فریق کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہدایات آئیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول آئے دونوں جماعتیں اللہ کے احکام کی مکلف ہیں (گو یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ جنات میں بھی رسول آئے تھے یا نہیں بنی آدم کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے وہی جنات کی طرف مبعوث تھے یا ان میں سے بھی رسول مبعوث ہوتے تھے)۔
البتہ اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں۔ یعنی رہتی دنیا تک کیلئے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جس طرح آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے اسی طرح آپ جنات کی طرف بھی مبعوث کئے گئے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیات سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے اور سورۃ الاحقاف میں ہے کہ جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی بار جنات کے رہنے کی جگہ تشریف لے گئے جس کا کتب احادیث میں تذکرہ ملتا ہے۔

''فائدہ خامسہ''

یہ تو معلوم ہوگیا کہ جنات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ان کی طرف رسول بھی بھیجے ان میں مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی، کافروں کے لئے جہنم ہے خواہ انسان ہوں خواہ جنات جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کی ہدایت عطا فرماتے اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا)
حضرات محدثین اور مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مؤمن جنات پر اتنی مہربانی ہوگی کہ صرف دوزخ سے بچا لئے جائیں گے یا انہیں جنت میں بھی داخل کیا جائے گا، سورۃ الرحمٰن کی آیات جن میں جنت کی نعمتیں بتائی ہیں ان میں بار بار جو فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا ہے اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ جنات بھی جنت میں جائیں گے۔
آکام المرجان (تالیف شیخ بدر الدین شبلی حنفی رحمۃ اللہ علیہ) نے چوبیسویں باب میں اس سوال کو اٹھایا ہے اور چار قول لکھے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مؤمن جنات جنت میں داخل ہوں گے اور اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ وقال وعليه جمهور العلماء وحكاه ابن حزم في الملل عن ابن أبي ليلى وابي يوسف وجمهور الناس قال وبه نقول. (اور کہا ہے کہ جمہور علماء اسی پر ہیں اور ابن حزم نے

الملل میں اسے ابن ابی لیلیٰ سے اور امام ابو یوسف سے اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسی کے قائل ہیں)

دوسرا قول یہ ہے کہ جنات جنت میں داخل نہ ہوں گے اس کے باہر ہی دروازوں کے قریب رہیں گے انسان انہیں دیکھ لیا کریں گے وہ انسانوں کو نہ دیکھیں گے۔ (علی عکس ذلک فی الدنیا)

اس قول کے بارے میں لکھا ہے کہ وھذا القول مأثور عن مالک والشافعی واحمد وابی یوسف ومحمدؒ حکاہ ابن تیمیۃ فی جواب ابن مری وھو خلاف ماحکاہ ابن حزم عن ابی یوسف. (یہ قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہے اسے ابن تیمیہ نے ابن مریؒ کے جواب میں نقل کیا ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو ابن حزمؒ نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے نقل کیا ہے)

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اعراف میں رہیں گے اور اس بات میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے۔

چوتھا قول توقف کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

''فائدۂ سادسہ''

سورۃ الرحمٰن کے پہلے رکوع کے ختم پر اور تیسرے رکوع کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی صفت ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ عظمت والا ہے اور اکرام والا ہے یعنی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے۔ (اس کی تشریح گزر چکی ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اَلِظُّوْا بِیَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یعنی یاذاالجلال والاکرام میں لگے رہو اس کو پڑھتے رہو اس کے ذریعے دعا کرتے رہو۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد ص ۴۹۹ واقرہ الذھبی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار استغفار کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اے اللہ! تو باسلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ملتی ہے اے جلال اور اکرام والے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (اے عظمت والے اور بخشش کرنے والے) آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تیری دعا قبول کر لی گئی لہٰذا تو سوال کر لے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس شخص نے نماز کے بعد یہ الفاظ ادا کئے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔

اے اللہ! بے شک میں آپ سے اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے لئے سب تعریف ہے کوئی معبود آپ کے سوا نہیں ہے۔ آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمانے والے ہیں اے عظمت والے اے عطا فرمانے والے اے زندہ اے قائم رکھنے والے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کہ اس شخص نے اللہ کے اس بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو عطا فرما دیتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۱۰)۔

مکی	سورۃ الوقعہ	۹۶ آیتیں ۳ رکوع

آیاتھا ۹۶ (۵۶) سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۴۶) رکوعاتھا ۳

سورۃ الواقعہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اوراس میں چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ۝ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۝ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۝ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ (وقف لازم)

جب قیامت واقع ہو گی ' اس کو جھٹلانے والا کوئی نہ ہو گا۔ وہ پست کر دے گی ' بلند کر دے گی ' جبکہ زمین کو سخت

رَجًّا ۝ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَکَانَتْ ہَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝ وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ۝

زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ' پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے ' اور تم تین قسم ہو جاؤ گے۔

قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے

اس سورت میں وقوع قیامت' اور قیامت واقع ہونے کے بعد جو فیصلے ہوں گے اور ان کے بعد جو اہل ایمان کو انعامات ملیں گے اور اہل کفر جو عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ کی دینی اور دنیاوی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا آج تو دنیا میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے وقوع کے منکر ہیں جب وہ آ ہی جائے گی' جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے' اسے نظر سے دیکھ لیں گے اور جھٹلانے والے پریشان حال مبتلائے عذاب ہوں گے' اس دن مان لیں گے اور رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا کہیں گے' قیامت کی یہ خاص صفت ہوگی کہ وہ خَافِضَۃٌ بھی ہوگی اور رَافِعَۃٌ بھی' یعنی پست کرنے والی بھی اور بلند کرنے والی بھی ہوگی' بہت سے لوگ جو دنیا میں بہت اونچے تھے' بادشاہ تھے' امیر تھے' وزیر تھے' قوموں کے سردار تھے' مال کی ریل پیل کی وجہ سے اہل دنیا انہیں بڑا سمجھتے تھے لیکن کافر' مشرک' منافق یا کم از کم فاسق تھے' یہ لوگ قیامت کے دن برے حال میں ہوں گے' اس دن کی گرفت دنیا والی ساری بڑائی کو ملیامیٹ کرکے رکھ دے گی اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر سمجھے جاتے تھے اصحاب دنیا کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن ایمان والے تھے' متقی اور پرہیزگار تھے اعمال صالحہ سے مزین اور متصف تھے قیامت انہیں بلند کردے گی بہت بڑی تعداد میں تو یہ لوگ بلاحساب جنت میں چلیں جائیں گے اور بہت سوں سے آسان حساب ہوگا' اور بہت سوں سے تھوڑا بہت حساب ہو کر چھٹکارہ ہو جائے گا' حضرات انبیاء عظام اور شہداء کرام اور علماء اصحاب احترام کی سفارشیں کام دے جائیں گی۔

اس کے بعد قیامت کے زلزلے کا تذکرہ فرمایا اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا) وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے) فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے)۔

قوله اذا رجت قال المفسرون اذا ثانية بدل من الاولى وقيل ظرف لخافضة رافعة على التنازع ذكره صاحب الكمالين' بل اقرب ان يقال اذا الثانية كا لشرط وقوله تعالىٰ ورجت عطف عليه وكنتم وجزاءه محذوف اى تنقسمون وتثابون حسب ايمانكم واعمالكم. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذا رجت: مفسرین حضرات فرماتے ہیں دوسرا اذا پہلے اذا سے بدل ہے اور بعض نے کہا یہ خافضۃ رافعۃ کے لئے ظرف ہے تنازع فعلین کی بناء پر یہ توجیہ صاحب کمالین نے ذکر کی ہے بلکہ زیادہ قریب یہ ہے کہ یوں کہا جائے دوسرا اذا شرط کے قائم مقام ہے اور رجت اس پر اور کنتم پر عطف ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے یعنی تم تقسیم کئے جاؤ گے اور تمہیں تمہارا ایمان واعمال کے مطابق جزا دی جائے گی)

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً اور اے لوگو! قیامت کے دن تم تین قسموں پر ہو گے، ان تینوں قسموں کا تفصیلی بیان آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ کی دو قسمیں بیان فرمائیں اول سابقین جنہیں مقربین فرمایا'

دوم عام مؤمنین جنہیں اصحاب الیمین سے تعبیر فرمایا سوم تمام کفار جو اصحاب الشمال ہونگے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹

سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں' اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں'

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۱۲ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۳ وَ

اور جو آگے بڑھنے والے ہیں وہ آگے بڑھنے والے ہیں۔ وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں' یہ لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے' انکا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے

قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝۱۴ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝۱۶ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ

پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے' وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' ان کے پاس ایسے لڑکے

وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ۬ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝۱۸ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ

جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے' یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کیا کریں گے' آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا' نہ اس سے انکو درد سر ہوگا اور نہ اس سے

لَا یُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۝۲۰ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَحُوْرٌ عِیْنٌ ۝۲۲ كَاَمْثَالِ

عقل میں فتور آئے گا' اور میوے جن کو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہوگا اور ان کیلئے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جیسے پوشیدہ

اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِیْلًا

رکھا ہوا موتی' یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا' وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بے ہودہ بات بس سلام ہی

سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶ وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۝۲۷ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝۲۸ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝۲۹

سلام کی آواز آئے گی اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں' وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہ بتہ کیلے ہوں گے۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

اور لمبا لمبا سایہ ہو گا اور چلتا ہوا پانی ہو گا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہو گی، اور اونچے اونچے

مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾

فرش ہوں گے ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی تین قسمیں

ان آیات میں اصحاب المیمنہ کی دونوں قسموں یعنی مقربین اور عام مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے انعامات بتائے ہیں۔

اولاً اجمالاً یوں فرمایا فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (سو داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے) وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے) پہلی قسم کے افراد کو اصحب المیمنۃ (داہنے ہاتھ والے) کس اعتبار سے فرمایا؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے دو قول لکھے ہیں، اوّل یہ کہ ان حضرات کے صحائف اعمال (یعنی اعمال نامے) داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، دوم یہ کہ جب یہ حضرات جنت میں جانے لگیں گے تو میدان حشر سے ہٹ کر داہنے ہاتھ کو چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل نے تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جب صلب آدم سے نکالے گئے تو یہ لوگ ان کے داہنے طرف سے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ یمن (بمعنی مبارک) سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات مبارک ہیں۔ ان کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں گزری ہوں گی ان کے مقابلہ میں اصحاب المشئمۃ کو سمجھ لیا جائے۔ مذکورہ اقوال میں سے ہر بات کا مقابل ذہن میں لے آنا چاہئے (یعنی اصحب المشئمۃ کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور جب ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو میدان حشر سے بائیں ہاتھ میں لے جائے جائیں گے، جدھر دوزخ ہوگا اور جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا تو یہ ان کے بائیں طرف سے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ لوگ نامبارک یعنی بدبختی کے کام کرتے تھے اپنی عمریں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہیں لگاتے تھے) اس کے بعد سابقین (یعنی آگے بڑھنے والوں) کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، اصحب المیمنہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان کے اعتبار سے یہ حضرات مقربین بھی اصحب المیمنۃ ہی ہیں لیکن اعمال میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ان کو سابقین کا لقب دیا گیا ان کے انعامات بھی خوب بڑے بڑے بتائے، اس اعتبار سے میدان حشر میں حاضر ہونے والوں کی مذکورہ دو قسموں (اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمۃ کے علاوہ تیسری قسم یہی مقربین کی جماعت ہوگی۔

سابقین اولین کون سے حضرات ہیں: .... سابقین کے بارے میں فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (اور آگے بڑھنے والے وہ آگے بڑھنے والے ہیں وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں)۔

جن حضرات کو سابقین کا لقب دیا اور اس سبقت سے کون سی سبقت مراد ہے، اس بارے میں متعدد اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ہجرت کی طرف سبقت کی اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ اس سے اسلام قبول کرنے کی طرف سبقت کرنے والے مراد ہیں حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔

حضرت ربیع بن انسؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے میں سبقت کی اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو حضرات پانچوں نمازوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ السابقون سے وہ حضرات مراد ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ جو حضرات توبہ کی طرف اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں وہ حضرات سابقون ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور فرمایا اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ: مذکورہ بالا اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے سب سے زیادہ جامع قول حضرت سعید بن جبیرؒ کا ہے جو دیگر اقوال کو بھی شامل ہے۔

سابقین اولین کے لئے سب سے بڑا انعام............ حضرات سابقین کے بارے میں اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فرمایا ہے قرب الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ساتھ ہی فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ بھی فرمایا کہ یہ حضرات نعمت والے باغیچوں میں ہوں گے۔ پھر ان حضرات کی اجمالی تعداد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ یعنی یہ جو سابقین مقربین بندے ہونگے ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے لوگ بعد والوں میں سے ہوں گے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں سے بشمول حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سابقین اولین زیادہ ہوں گے جنہیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ سے تعبیر فرمایا، اور امت محمدیہ میں سے بھی ایک جماعت سابقین میں سے ہوگی۔ لیکن یہ لوگ تعداد میں پہلی امتوں کے سابقین سے تعداد میں کم ہوں گے (گو یہ کم تعداد بھی بہت ہی بڑی تعداد میں ہوگی کیونکہ ان کو امم سابقہ کے اعتبار سے قلیل فرمایا ہے) یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سابقہ امتوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملا کر سابقین اولین کی تعداد اس امت کے سابقین اولین سے زیادہ ہونے سے پوری امت محمدیہ (جس میں عوام وخواص سب ہیں) کا تعداد میں کم ہونا لازم نہیں آتا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں اسی (۸۰) اس امت کی ہوں گی اور (۴۰) سب امتوں کو ملا کر ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

سابقین اولین کی مزید نعمتیں:........ سابقین اولین کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (یہ حضرات ایسے تختوں پر ہوں گے جو بنے ہوئے ہوں گے) قرآن کریم میں صرف لفظ مَوْضُوْنَةٍ ہے کس چیز سے بُنے ہوئے ہوں گے اس کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سونے کے تاروں سے اور جواہر سے ان کی بناوٹ ہوگی مُتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِيْنَ (ان تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے ہوں گے) اہل جنت کا تختوں پر بیٹھنا اس طرح سے ہوگا کہ کوئی کسی کی پشت نہیں دیکھ پائے گا۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کیا کریں گے) بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھر جائے گا) اول تو خدام کے بارے میں فرمایا کہ وہ لڑکے ہوں گے اور ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور ہمیشہ خادم بنے رہیں گے نہ انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا، ان وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ کو سورۃ الطور میں غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ فرمایا ہے یہ وِلْدَانٌ اہل جنت کے پاس چھوٹے بڑے برتنوں میں پینے کی چیزیں لے کر آئیں گے اکواب کوب کی جمع ہے گول منہ کا پیالہ جس میں پکڑنے کا کڑا نہ ہوا سے کوب کہا جاتا ہے اور اباریق ابریق کی جمع ہے ان سے وہ برتن مراد ہیں جن میں ٹونٹیاں لگی ہوں گی۔ ان پینے کی چیزوں میں شراب بھی ہوگی جس کا سورۃ محمد کی آیت

خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِیْنَ میں تذکرہ فرمایا ہے لفظ خمر سے کسی کو نشہ آنے کا شبہ نہ ہو اس شبہ کو دور کرتے ہوئے لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ فرمایا (نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا)

پینے کی چیزوں کے بعد کھانے کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ (اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے) وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ (اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا)

کھانے کی چیزوں کے تذکرہ کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا وَحُوْرٌ عِیْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی ہو) لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو والے اس کو مفرد ہی سمجھتے ہیں) جس کا معنی ہے گوری سفید رنگت والی عورت اور عین عیناء کی جمع ہے، جس کا ترجمہ بڑی آنکھ والی عورت۔ ان دو لفظوں میں جنتی عورتوں کی خوبصورتی بیان فرمائی ہے۔ پھر انکے رنگ کی صفائی بیان کرتے ہوئے كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ فرمایا یعنی وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح سے ہوں گی

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا)

ناگوار کلمات نہ سنیں گے: ۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ انسان اچھے حال میں ہے جمال بھی ہے ازواج بھی ہیں اور اولاد بھی، لیکن بے تکی تکلیف دینے والی اور آرام میں خلل ڈالنے والی کانوں کو تکلیف دینے والی آوازیں بھی آتی رہتی ہیں اور بعض مرتبہ انسان ان کو دفع کرنے اور ناگوار آوازیں بند کرنے پر قدرت نہیں رکھتا جنت میں ایسا نہ ہوگا وہاں ناگوار بات اور لغویات نہیں سنیں گے اور اسی کو فرمایا لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا (وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بے ہودہ بات)

اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوگا جیسا کہ سورۂ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ اور آپس میں بھی سلام کریں گے سورۂ یونس میں فرمایا تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ اور فرشتے بھی سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ غرض یہ کہ ہمیشہ با سلامت رہیں گے اور سلام پیش کیا جاتا رہے گا۔

اصحاب الیمین کی نعمتیں: ....اس کے بعد اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ (اور داہنے ہاتھ والے کیا خوب ہیں داہنے ہاتھ والے) فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی) سِدْر کو مَخْضُوْدٍ کے ساتھ متصف فرمایا یعنی انکے درختوں میں کانٹے نہیں ہوں گے جیسا کہ دنیا والی بیریوں میں کانٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو ایذا دینے والا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ کون سا درخت ہے؟ عرض کیا وہ سدر بیری کا درخت ہے اس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ فرمایا ہے یعنی وہ بیری کے درخت ایسے ہوں گے جن میں کانٹے کاٹے ہوئے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کانٹے کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دے گا اس میں ایسے پھل لگیں گے کہ ہر ایک پھل پھٹے گا تو اس میں سے بہتر رنگ کے پھل نکل آئیں گے ایک رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہ ہوگا (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی ص ۴۷۶ ج ۲)

دوسری نعمت میں بیان کرتے ہوئے وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ فرمایا (یعنی وہاں تہ بتہ لگے ہوئے کیلے ہوں گے) کیلوں کا مزہ اور مٹھاس اور مخصوص کیف جو یہاں دنیا میں پُر لطف ہے دنیا والے اس سے واقف ہیں۔ آخرت کے کیلوں میں جو مزہ ہوگا وہ اہل دنیا کے تصور سے باہر ہے، تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ کہ اصحٰب الیمین خوب زیادہ وسیع پھیلاؤ والے سایہ میں ہوں گے، جنت کا سایہ

سراسر آرام دینے والا ہوگا اور سایہ بھی اصلی ہوگا جھوٹا سایہ نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں دھوپ کا سایہ ہوتا ہے اسی لئے سورۂ نساء میں فرمایا ہے وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اور ہم انہیں گہرے سایہ میں داخل کریں گے یہ سایہ چونکہ آرام دہ ہوگا اس لئے اس میں ذرا سی بھی گرمی اور سردی نہ ہوگی سورۃ الدّھر میں فرمایا مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش پاویں گے اور نہ سردی)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ سواری پر چلنے والا سو سال تک چلتا رہے مگر اس کی مسافت کو قطع نہ کر سکے گا۔ (رواہ البخاری)

مزید فرمایا وَمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ کہ اصحٰب الیمین کو ماء جاری کی بھی نعمت دی جائے گی صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ پانی برابر زمین پر جاری ہوگا اس میں کھدی ہوئی نہریں ندی نالے بنے ہوئے نہ ہونگے جہاں چاہیں گے یہ پانی پہنچ جائے گا۔ ڈول اور رسی کی ضرورت نہ ہوگی۔ (ص ۲۱۴ ج ۴)

وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ اور اصحاب الیمین خوب زیادہ فواکہ یعنی میووں میں ہوں گے یہ میوے ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی ختم نہ ہوں گے اور کبھی بھی کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی جب چاہیں گے کھائیں گے جتنا چاہیں گے کھائیں گے) حدیث شریف میں ہے کہ جنتی آدمی جب بھی جنت میں کوئی پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۴۱۴ ج ۱۰)

وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (اور اصحاب الیمین بلند بستروں پر ہوں گے) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفرش مرفوعة کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی بلندی اتنی ہوگی جیسے آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے یعنی پانچ سو (۵۰۰) سال کی مسافت کے بقدر۔ (رواہ الترمذی وقال غریب کمافی المشکوٰۃ ص ۴۹۷)

بوڑھی مؤمنات جنت میں جوان بنادی جائیں گی: ۔ اس کے بعد جنتی عورتوں کا تذکرہ فرمایا کہ وہاں جو بیویاں ملیں گی ان میں حور عین بھی ہوں گی جو مستقل مخلوق ہے اور دنیا والی عورتیں جو ایمان پر وفات پا گئیں وہ بھی اہل جنت کی بیویاں بنیں گی یہ دنیا والی عورتیں وہ بھی ہوں گی جو دنیا میں بوڑھی ہو چکی تھی اور وہ بھی ہوں گی جو شادی شدہ یا بے شادی شدہ یا چھوٹی عمر میں وفات پا گئی تھیں یہ سب جنت میں اہل ایمان کی بیویاں ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت میں سے جو بھی کوئی چھوٹا یا بڑا وفات پا گیا ہوگا قیامت کے دن سب کو جنت میں تیس (۳۰) سال کی عمر والا بنا دیا جائے گا ان کی عمر کبھی بھی اس سے آگے نہ بڑھے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۹)

لہٰذا بوڑھی مؤمن عورتیں جنہوں نے دنیا میں وفات پائی تھی جنت میں داخل ہوں گی تو جوان ہوں گی تیس ۳۰ سال کی ہوں گی۔ آیت بالا میں اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ.

(ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں)

جنتی عورتیں حسن و جمال والی بھی ہوں گی محبوبات بھی ہوں گی اور ہم عمر بھی ہوں گی۔

ایک بوڑھی صحابیہ عورت کا قصہ .... شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ نے فرمایا کہ اے فلاں کی ماں! جنت میں بڑھیا داخل نہ ہوگی' یہ سن کر وہ بڑی بی روتی ہوئی واپس چلی گئی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اس سے کہہ دو کہ جنت میں جب داخل ہوگی تو بڑھیا نہ ہوگی (یعنی جنت میں بڑھاپا باقی نہ رہے گا داخل ہونے سے پہلے ہی جوان بنا دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا۔ یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ شانہ کے فرمان اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نئے طور پر زندگی دیں گے ان میں وہ عورتیں بھی ہوں گی جو دنیا میں چُندھی تھیں اور جن کی آنکھوں میں میل اور چیپڑ بھرے رہتے تھے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الواقعہ)

چندھی اس عورت کو کہا جاتا ہے کہ جس کی آنکھیں پوری طرح نہ کھلیں عام طور پر آنسو بہتے رہتے ہیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا)۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لوگ سموم میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾

ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا' وہ لوگ اس سے پہلے بڑی خوش حالی میں رہتے تھے' اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ

اور یوں کہا کرتے تھے' کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ آپ کہہ

اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ

دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے ایک معین دن پر پھر تم کو اے گمراہو!

الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ

جھٹلانے والو! درخت زقوم سے کھانا ہوگا۔ سو اس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا

عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ہوگا۔ ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

اصحاب الشمال کا عذاب

ان آیات میں اصحاب الشمال کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جنہیں شروع سورت میں اصحاب المشئمۃ سے تعبیر فرمایا تھا' ارشاد فرمایا

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (اور بائیں جانب والے کیسے ہی برے ہیں بائیں جانب والے)۔ فِیْ سَمُوْمٍ (یہ لوگ سخت گرم زہریلی ہواؤں میں ہوں گے) وَحَمِیْمٍ (اور خوب زیادہ سخت گرم پانی میں ہوں گی) وَظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ (اور ایسے سایہ میں ہوں گے جو یحموم کا سایہ ہوگا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یحموم سے دخان اسود یعنی کالا دھواں مراد ہے۔ یہ ظل ممدود کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے اصحٰب الیمین بہت بڑے لمبے چوڑے گھرے سایہ میں ہوں گے اور اَصْحٰبُ الشِّمَالِ اس کے برعکس سخت گرم کالے دھوئیں میں ہوں گے لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (یہ دھواں نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ہوگا)۔

دنیا میں کافروں کی مستی اور عیش پرستی .... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ (اس سے پہلے یہ لوگ جب دنیا میں تھے بڑی خوشحالی میں رہتے تھے) یعنی دنیا میں خوش حالی نے انہیں تباہ و برباد کیا اور مستحق عذاب بنا دیا اپنے مال اور دولت اور عیش و آرام میں مست تھے ایمان قبول نہیں کرتے تھے اپنے مالک اور خالق کی طرف رجوع نہیں ہوتے تھے انہوں نے دنیا والے عیش و آرام ہی کو سب کچھ سمجھا لہٰذا آج عذاب میں گرفتار ہوئے۔

وقال صاحب الروح والمعنى انهم عذبوا لانهم كانوا فى الدنيا مستكبرين عن قبول ماجاء هم به رسلهم من الايمان بالله عزوجل وما جاء منه سبحانه وقيل :وهو الذى اقرفته النعمة ابطرته واطغته(ص ۱۴۵ ج ۲۷)

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں انہیں عذاب دیا جائے گا اس لئے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے ذریعہ لائی ہوئی دعوت ایمان اور دوسرے احکام سے اعراض کرنے والے تھے۔ اور بعض نے کہا یہ وہ ہے جس کو نعمتوں نے خوشحال بنایا اور خوشحالی نے اسے تکبر اور سرکشی میں ڈال دیا) صفحہ ۱۴۵/۲۷)

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ (اور یہ لوگ بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے) یعنی شرک اور کفر پر اصرار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم ایمان قبول نہیں کریں گے اور ہمیشہ کفر پر جمے رہیں گے۔

ان لوگوں کو توحید قبول کرنے سے بھی انکار تھا اور قیامت قائم ہونے کا بھی سختی سے انکار کرتے تھے اسی لئے اس کے بعد فرمایا وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے یہ بات کہنے سے ان کا مطلب وقوع قیامت کا استبعاد بھی تھا اور انکار بھی) وہ یوں بھی کہتے تھے کہ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی اٹھائے جائیں گے ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قیامت کی خبر دینے والے اگر یوں کہتے کہ تم مرو گے اور مرتے ہی زندہ کر دیئے جاؤ گے تو یہ ایک بات بھی تھی ممکن تھا کہ ہم اسے مان لیتے لیکن یہ تو یوں کہتے ہیں کہ تم بھی اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے باپ دادے بھی' یہ تو ہمارے سمجھ میں نہیں آیا۔ قال فى الروح والمعنى ايبعث ايضا آباء ناعلى زيادة الاثبات يعنون انهم اقدم فبعثهم ابعدوابطل

(صاحب روح المعانی میں ہے کہ: مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر یہ اٹھانا مان بھی لیا جائے تو ہمارے آباؤ اجداد بھی اٹھائے جائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پہلے گذر چکے ہیں پس ان کا اٹھایا جانا ناممکن وغلط ہے)

وقوع قیامت کا انکار کرنے والوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (آپ فرما دیجئے کہ بیشک اولین اور آخرین مقررہ معلوم دن کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی قیامت ضرور واقع ہوگی' اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کا جو وقت مقرر ہے اسی وقت آئے گی' سب اولین و آخرین اس وقت جمع ہوں گے اس دن بندوں کی پیشی ہوگی ایمان

والوں کو جنت دی جائے گی اور اہل کفر و شرک دوزخ میں جائیں گے جہاں طرح طرح کے عذاب ہیں ان عذابوں میں سے ایک زقوم بھی ہے۔ ارشاد فرمایا ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ

(پھر اے گمراہو جھٹلانے والو! تم زقوم کے درخت سے ضرور کھاؤ گے) جو سخت کڑوا بدمزہ اور دیکھنے میں بہت بدصورت ہوگا۔

فَمَالِـئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (باوجودیکہ وہ بہت زیادہ بدمزہ ہوگا پھر بھی بھوک کی شدت کی وجہ سے اس میں سے کھاؤ گے اور تھوڑا بہت نہیں خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گے)

فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (پھر اس زقوم کے درخت پر خوب گرم کھولتا ہوا پانی پیو گے اور یہ پانی اس طرح خوب زیادہ پیو گے جیسے پیاسے اونٹ دنیا میں پانی پیتے ہیں) هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (یہ روز جزاء میں ان کی مہمانی ہوگی)۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ

بنانے والے ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت

فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو چورا چورا کر دیں۔ پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ

کہ ہم پر تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم

مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ

برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر دیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو

الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ

تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں، ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

ع ۲ | ۱۵ الثلثة

بنی آدم کی تخلیق کیسے ہوئی؟ دنیا میں ان کے جینے اور بسنے کے اسباب کا تذکرہ

بنی آدم کی تینوں قسمیں بیان فرمانے کے بعد بنی آدم کی تخلیق کو بیان فرمایا اور بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کیلئے اسباب کے طور پر زندگی کا سامان ہیں، خطاب کا رخ منکرین کیطرف ہے لیکن نعمتوں کی یاد دہانی سب ہی کے لئے ہے۔ ارشاد فرمایا نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ہم نے تم کو پیدا کیا (جبکہ تم کچھ نہ تھے) کما فی سورۃ الدھر وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا) سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتے، موت کے بعد اٹھائے جانے اور قیامت قائم ہونے پر کیوں ایمان نہیں لاتے) جس ذات پاک نے تمہیں عدم سے نکالا یا وجود بخشا اس کی قدرت کے کیوں منکر ہو رہے ہو اور یہ بات کیوں کہہ رہے ہو کہ دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتے جیسے اس کو پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت تھی، ایسے ہی اسے اب دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ جب اس نے تمہیں پیدا فرمایا زندگی بخشی، اپنے رسول بھیجے تمہیں عمل کرنے کا اختیار دیا تو ان اعمال کی جزا سزا دیئے جانے کے لئے ایک وقت مقرر ہونا چاہئے اسی جزا ملنے والے دن کو قیامت کا دن کہا جاتا ہے، تمہیں اس کے وقوع کی خبر دی جا رہی ہے اور اس پر ایمان لانے کو کہا جا رہا ہے، تو تم اس کے ماننے کے منکر ہو رہے ہو، حالانکہ اعمال کی جزا و سزا کے بارے میں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

انسان کی تخلیق اول مٹی سے تھی اس کے بعد سلسلہ توالد اور تناسل نطفہ منی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے، مردوں کی منی عورتوں کے رحم میں پہنچتی ہے، اس سے حمل قرار پاتا ہے، اسی کو فرمایا اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (تم یہ بتاؤ کہ جس منی کو تم رحموں میں پہنچاتے ہو اس منی سے تم آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں (یعنی ماء مھین (ذلیل پانی) سے جو جیتی جاگتی تصویر وجود میں آجاتی ہے اسے کون پیدا کرتا ہے کبھی تو حمل قرار پاتا ہی نہیں اور بہت سی مرتبہ قرار پا کر ادھورا بچہ گر جاتا ہے، کبھی پیٹ ہی میں مر جاتا ہے، کبھی لولا لنگڑا، اندھا، بہرا، گونگا پیدا ہوتا ہے اور عموماً اچھی حالت میں پیدا ہوتے ہیں یہ سب کس کے تصرفات ہیں کیا ان میں تمہارا کوئی دخل ہے۔ کسی کا کوئی دخل نہیں ہے صرف اللہ ہی کی قدرت و اختیار سے سب کچھ وجود میں آتا ہے، سب تصرفات اللہ ہی کے ہیں تم سب اسی کی مخلوق ہو، اسی کی بھیجی ہوئی ہدایت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ اس کے رسولوں اور کتابوں کو کیوں نہیں مانتے؟

اس کے بعد موت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا) وہ اپنے مقررہ وقت پر آئے گی، یہ موت کا مقدر کرنا اور اس کے وقت کا مقرر فرمانا اور ہر ایک کے مقررہ وقت پر موت دے دینا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کوئی بھی شخص موت سے نہیں بچ سکتا اور وقت مقررہ سے آگے اس کی زندگی نہیں بڑھ سکتی۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (الأية) اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہاری جیسی دوسری مخلوق تمہارے بدلہ پیدا کر دیں، اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ ہم تمہیں ان صورتوں میں پیدا کر دیں جنہیں تم نہیں جانتے یعنی ہم موجودہ صورتوں کے علاوہ دوسری صورتوں میں پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى (اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا علم ہے) اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ (سو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس نے پہلی بار پیدا فرمایا وہ دوبارہ بھی پیدا فرما سکتا ہے۔ پہلی تخلیق کرنے کے بعد اس کی قدرت ختم نہیں ہو گئی، جیسی تھی ویسی ہی ہے قال تعالٰی فی سورۃ قٓ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کے بارے میں شبہ میں ہے)

کھیتی اگانے کی نعمت:............ اَفَرَءَیْتُمْ مَّاتَحْرُثُوْنَ (الأیات الخمس) ان آیات میں کھیتی کا تذکرہ فرمایا جو عام انسانوں کی زندگی کا ذریعہ ہے ارشاد فرمایا کہ تم جو کھیتی کرتے ہو یعنی ہل یا ٹریکٹر چلا کر زمین کو نرم کرتے ہو پھر اس میں بیج ڈالتے ہو اس کے بارے میں یہ بتاؤ کہ بیج ڈالنے کے بعد کھیتی کو کون اگاتا ہے؟ تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ یعنی تم بیج ڈال کر فارغ ہو جاتے ہو اب کھیتی کا اگانا ہمارا کام ہے اگائیں یا نہ اگائیں ہمیں اختیار ہے؟ پھر اگر کھیتی نکل بھی آئی تو اس میں دانے نکلنے تک اس کا بڑھنا ضروری نہیں پہلے بھی ہلاک ہو سکتی ہے اور اگر کھیتی پوری ہوگئی بالیں نکل آئیں تو ضروری نہیں کہ تم اس سے نفع حاصل کر سکو ہم چاہیں تو اس سب کا چورا چورا کر دیں پھر تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ (ہائے ہائے یہ کیا ہوا اس مرتبہ تو) ہم پر تاوان ہی پڑ کر رہ گیا بلکہ ہم بالکل ہی محروم کر دیئے گئے یعنی بیج بھی خرچ ہوا محنت بھی اکارت گئی اور غلّہ بھی کچھ نہ ملا۔

بارش برسانے کی نعمت:............ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ (الأیات الثلاث) ان آیات میں پانی کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا: کہ بتاؤ یہ پانی جو تم پیتے ہو تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں (ظاہر ہے کہ پانی کو بادل سے اتارنے میں تمہارا کوئی دخل نہیں جب بارش نہیں ہوتی تو ٹک ٹک آسمان کی طرف دیکھا کرتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش برسا دیتا ہے۔ کمافی سورۃ الشوریٰ

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَاقَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (اور اللہ وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش بھیجتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے)

مزید فرمایا کہ یہ پانی جو ہم نے بادل سے اتارا ہے اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا بنا دیں اگر ہم ایسا کر دیں تو تم کچھ بھی نہیں کر سکتے یہ میٹھا پانی پیتے ہو تمہارے مویشی پیتے ہیں اس سے نہاتے دھوتے ہو۔ تم پر اس کے پینے پلانے اور دیگر استعمال میں لانے کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

آگ بھی نعمت ہے:............ اس کے بعد آگ کا تذکرہ فرمایا انسانوں کے کھانے پکانے اور بہت سے کاموں میں آگ استعمال ہوتی ہے جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے ارشاد ہے: اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ (سو پھر آگ کے بارے میں بتاؤ جس کو تم جلاتے ہو) ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں) نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ (ہم نے اسکو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے) ان آیات میں یہ بتا دیا کہ یہ آگ جسے تم جلاتے ہو یہ بھی تو ہماری ہی پیدا کی ہوئی ہے بتاؤ اس کا درخت کس نے پیدا کیا ہے تم نے پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ اہل عرب بعض درختوں سے آگ حاصل کیا کرتے تھے اس لئے اس کا تذکرہ فرمایا (سورۂ یٰسین کے ختم پر اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ کے ذیل میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے درختوں کے علاوہ پتھروں سے بھی آگ پیدا ہوتی تھی (جنہیں پرانے زمانے میں چقماق کہتے تھے) بہرحال جس ذریعہ سے بھی آگ پیدا ہو آگ انسانوں کے لئے نعمت ہے (اگرچہ بعض مواقع میں نقمت بھی بن جاتی ہے) آگ کے درخت کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ درخت ہرا بھرا ہوتا ہے اس کے اندر پانی ہوتا ہے آگ اور پانی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ اس میں سے آگ نکال دیتا ہے آگ بڑی عبرت اور نصیحت کی چیز ہے اور بڑی نعمت ہے اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اگر آگ نہ ہوتی تو کچا آٹا لئے بیٹھے رہتے اور اس آگ سے آخرت کی آگ کی طرف بھی ذہن لے جاؤ وہ تو اس سے بہت زیادہ گرم ہے کفر و شرک اور گناہوں سے بچو۔

قال فی معالم التنزیل تذکرۃ للنار الکبری اذا رآھا الرأی ذکر جھنم قالہ عکرمۃ ومجاھد، وقال عطاء موعظۃ یتعظ بھا المؤمن. (معالم التنزیل میں ہے کہ یہ آگ بڑی آگ کو یاد دلاتی ہے جب آگ جلانے والا اس آگ کو دیکھتا ہے تو اسے جہنم یاد آتی ہے یہ عکرمہ ومجاہد کا قول ہے اور عطاء فرماتے ہیں یہ ایک نصیحت ہے جس سے مؤمن نصیحت حاصل کرتا ہے)

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ کا معنی: .... آخر میں فرمایا وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ.

یعنی آگ کو ہم نے مسافروں کیلئے نفع کا ذریعہ بنا دیا ہے، مسافر جب کہیں جنگلوں میں ٹھہرتے ہیں تو آگ جلا لیتے ہیں، روٹی سالن بھی پکاتے ہیں، سردی میں تاپتے بھی ہیں، اسے دیکھ کر درندے بھی بھاگتے ہیں اور جو راستہ بھول گئے ہوں وہ بھی جلتی ہوئی آگ دیکھ کر جلانے والوں کے قریب آجاتے ہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل: المقوی النازل فی الارض والقواء ھو القفر الخالیۃ البعیدۃ من العمران یقال قویت الدار اذا خلت من سکانھا والمعنی انہ ینتفع بھا اھل البوادی والاسفار (ص ۲۸۸ ج ۴).

(علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں: المقوی کا معنی ہے زمین میں چلنے والا، اور القواء کہتے ہیں آبادی سے دور افتادہ میدانوں کو کہا جاتا ہے قویت الدار جبکہ گھر رہنے والوں سے خالی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اس سے آبادیوں میں رہنے والے اور سفر کرنے والے نفع اٹھاتے ہیں) (صفحہ ۲۸۸: ج ۴)

مختلف نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ○ (سواے مخاطب! اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کر) جس ذات عالی کی مذکورہ بالا نعمتیں ہیں وہ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے، وہ عظیم ہے، اس کی پاکی بیان کرنا لازم ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾

سو میں مواقع النجوم کی قسم کھاتا ہوں اور بیشک یہ بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو۔ بیشک وہ قرآن کریم ہے

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا

محفوظ کتاب میں اسے نہیں چھوتے ہیں مگر پاکیزہ لوگ، یہ اتارا ہوا ہے رب العٰلمین کی طرف سے، کیا تم اس

الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾

کلام کو سرسری سمجھتے ہو، اور تم نے اپنا حصہ یہی تجویز کر لیا ہے کہ جھٹلاتے رہو۔

بلاشبہ قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ وہ قرآن کریم ہے یعنی عزت والا ہے عمدہ چیز ہے، بندوں کو نفع دینے والا ہے (اور) محفوظ کتاب ہے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے جیسا کہ البروج کے ختم پر فرمایا ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ط (بلکہ وہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں) وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے، اس میں تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

مَوَاقِعُ النُّجُوْمِ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے آسمان کے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہیں مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مطالع النجوم مراد ہیں۔اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نجوم سے نجوم القرآن مراد ہیں نجوم نجم کی جمع ہے جو ستارہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور قسط وار جو کوئی چیز دی جائے' اس کی تھوڑی تھوڑی ادائیگی کو بھی نجم کہتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا قرآن مجید جو نازل ہو رہا ہے' جسے فرشتے لوح محفوظ سے لے کر آتے ہیں' ان نجوم اور اقساط کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن جو بالاقساط نازل ہو رہا ہے' کتاب محفوظ میں محفوظ ہے۔اس کتاب محفوظ تک انسان اور جنات کی رسائی نہیں ہو سکتی اور ان کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ یہ جملہ معترضہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان واقع ہے مطلب یہ ہے کہ مواقع النجوم کی قسم عظیم قسم ہے اگر تم صاحب علم ہوتے تو اس کی عظمت کو جان لیتے۔پھر جواب قسم فرمایا کہ ''اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ'' مواقع نجوم کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو قرآن کریم ہے'' فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ '' جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے جیسا کہ سورۃ البروج میں فرمایا ہے۔''بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ'' اس لوح تک شیاطین نہیں پہنچ سکتے اور تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے۔

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اسے صرف پاکیزہ بندے چھوتے ہیں) ان پاکیزہ بندوں سے فرشتے مراد ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یہ قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے) بندوں کا فریضہ ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں اس کی عظمت کا حق ادا کریں' اس کو یاد کریں' پڑھیں اور پڑھائیں لیکن بہت سے لوگ (جن میں اولین مخاطب اہل مکہ تھے) قرآن کی طرف سے بے رخی اور بے توجہی اختیار کرتے ہیں اور اسے یوں ہی سرسری بات سمجھتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ اس نے اپنا کلام نازل فرمایا اس کی تکذیب کرتے ہیں یعنی جھٹلاتے ہیں اور کفر اختیار کرتے ہیں۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ: .... لفظ مُدْهِنُوْنَ کا ترجمہ صاحب روح المعانی نے متہاونون کیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کو معمولی چیز سمجھتے ہو پھر لکھا ہے کہ یہ لفظ ''ادھان'' سے ماخوذ ہے' چمڑے کو تیل وغیرہ لگا کر جو نرم کرتے ہیں اس کو ادھان کہتے ہیں' بطور مجاز یا بطور استعارہ یہ لفظ لایا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم کی طرف جو مضبوط توجہ ہونی چاہیے تمہارے اندر وہ توجہ نہیں ہے اور ہمزہ استفہام لا کر اس پر توبیخ فرمائی۔''یوں ہی سرسری بات سمجھتے ہو؟'' یہ اس کا حاصل ترجمہ ہے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ : .... اس کا ایک ترجمہ اور مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ تمہیں نزول قرآن کی نعمت پر شکر کرنا چاہئے تھا شکر کے بجائے تم نے جھٹلانے ہی کو اختیار کر لیا۔اب تمہارا نصیب یہی رہ گیا کہ تم تکذیب کیا کرو اس صورت میں رِزْقَكُمْ بمعنی شکرکم یا بمعنی حظکم لیا جائے گا۔قال صاحب الروح وقيل معنى الأية وتجعلون شكركم لنعمة القرآن انكم تكذبون به ويشير الى ذلك ماروا ه قتاده عن الحسن بئس مأأخذالقوم لأ نفسهم لم يرزقوا' من كتاب الله تعالىٰ الاالتكذيب.

یہ اس صورت میں ہے جبکہ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے لے کر وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ تک تمام آیات کا تعلق نزول قرآن مجید ہی سے ہو' صحیح مسلم (ص ۵۹ ج ۱) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بارش ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ آج صبح کچھ لوگ شاکر ہوئے اور کچھ لوگ کافر ہوئے جن لوگوں نے

یوں کہا کہ بارش اللہ کی رحمت ہے وہ لوگ شاکر ہوئے اور جن لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کے سقوط یعنی نیچے جانے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ لوگ کافر ہوئے اس پر فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ سے وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں۔اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بارش نازل فرماتا ہے جو تمہارے لئے رزق کا سبب بنتی ہے اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم اللہ کی نعمت نہیں مانتے' علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں شیخ ابوعمر بن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پانچوں آیات ستاروں ہی کے بارے میں نازل ہوئیں (جن کے سقوط اور غروب کو اہل عرب بارش کا ذریعہ سمجھتے تھے) کیونکہ پوری آیات کی تفسیر اس کی موافقت نہیں کرتی' بات یہ ہے کہ بارش کے بارے میں آیت کریمہ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ نازل ہوئی اور باقی آیات میں دوسرے مضامین بیان کئے گئے ہیں' چونکہ سب آیات بیک وقت نازل ہوئی تھیں اسلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سب کی تلاوت کر دی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت کی یہ تفسیر کہ تم نعمت قرآن کا شکر ادا کرنے کے بجائے تکذیب کو اختیار کرتے ہو سبب نزول کے خلاف نہیں ہیں' کیونکہ قرآن حکیم میں دنیاوی اخروی دونوں قسم کی نعمتوں کا بیان ہے۔

قرآن کریم میں جو نعمتیں بیان کی گئی ہیں' ان کو سامنے رکھ کر خالق تعالیٰ شانہ' کا شکر ادا کرنا لازم تھا لیکن تم شکر کے بجائے تکذیب اور انکار میں لگے ہوئے ہو اسی ناشکری میں یہ بات بھی ہے کہ بارش ہوتی ہے تو تم اسے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو حالانکہ قرآن کریم میں بار بار بتایا گیا کہ تمہارا عقیدہ صحیح عقیدہ کے خلاف ہے بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

قال صاحب الروح :فما جاء من تفسير تكذبون بتقولون مطرنا بنوء كذا و كذاليس المراد منه الابيان نوع اقتضاه الحال من التكذيب بالقران المنعوت بتلك النعوت الجليلة و كون ذلك على الوجه الذى يزعمه الكفار تكذيبا به مما لا ينطح فيه كبشان ' وهذالاتمحل فيه' (ص ۱۵۷ ج ۲۷)

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں تکذبون کی جو تفسیر یہ آئی ہے کہ تم کہتے کہ ہمیں ان ان ستاروں کی وجہ سے بارش ملی ہے اس سے مراد فقط مذکورہ صفات سے موصوف قرآن کریم کی تکذیب کی ایک صورت کا بیان ہے جو مشرکین کی حالت کے تقاضے سے ہے۔اور اس کا اس طور پر ہونا کہ جسے کافر اس کی تکذیب خیال کرتے تھے) (صفحہ ۱۵۷: ج ۲۷)

قرآن مجید کو پڑھنے اور چھونے کے احکام: .... لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ جو فرمایا (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اسے صرف پاکیزہ بندے ہی چھوتے ہیں) چونکہ یہ صیغۂ خبر ہے اس لئے مفسرین کرام نے اس سے فرشتے مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فرشتے گناہوں سے پاک ہیں وہی لوح محفوظ تک پہنچ سکتے ہیں اور اسکے مضامین پر مطلع ہو سکتے ہیں اور بعض حضرات نے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کو خبر بمعنی امر لیا ہے اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ قرآن مجید جو تمہارے پاس لکھا ہوا موجود ہے اس کو صرف وہی لوگ چھوئیں جو حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے پاک ہوں' اگرچہ یہ مسئلہ اس پر موقوف نہیں ہے کہ آیت کریمہ میں جو کلمات ہیں وہ نہی کے معنی ہی میں ہے کیونکہ احادیث شریفہ سے بھی بلا طہارت قرآن مجید چھونے کی ممانعت ثابت ہے۔

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے. عن عبدالله ابى بكر بن حزم ان فى الكتاب الذى كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمروبن حزم أن لايمس القران الاطاهرًا. (عبداللہ ابوبکر بن حزم سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ قرآن کریم کو کوئی نہ چھوئے مگر پاک)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں بہت سی باتوں کی نصیحت فرمائی اور لکھ کر دیں ان میں یہ بھی تھا کہ کوئی شخص قرآن کو نہ چھوئے مگر اس حالت میں کہ پاک ہو (وبسط الکلام علی الحدیث الزیلعی فی نصب الرایة وقال روی من حدیث عمر وبن حزم ومن حدیث عمرو من حدیث حکیم بن حزام ومن حدیث عثمان بن ابی العاص ومن حدیث ثوبان)۔ (اور اس حدیث پر علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بات حضرت عمرو بن حزم کی حدیث سے بھی مروی ہے اور حضرت حکیم بن حزام کی حدیث میں بھی اور حضرت عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں بھی اور حضرت ثوبان کی حدیث میں بھی مروی ہے)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لایمس القران الاطاھر۔ پاک ہونے میں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے پاک ہونا مراد ہے، قرآن مجید کو ناپاکی کی حالت میں اور ایسے جزدان اور غلاف سے چھو سکتے ہیں، جو اس سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے، جلد کے ساتھ مستقل سلے ہوئے کپڑے کے ساتھ اور اس کپڑے کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے جو پہن رکھا ہو۔ حالت حیض اور نفاس میں بھی قرآن مجید کا چھونا جائز نہیں ہے، البتہ بے وضو قرآن کو حافظہ (زبانی) سے پڑھ سکتے ہیں اگر دیکھ کر پڑھنا چاہے اور وضو نہ ہو تو کسی رومال سے یا چاقو، چھری سے ورق پلٹ کر پڑھ سکتا ہے اور حالت حیض ونفاس اور حدث اکبر میں قرآن مجید کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنابت (حدث اکبر) کے علاوہ کوئی چیز قرآن شریف پڑھنے سے روکنے والی نہ تھی (حیض ونفاس بھی جنابت کے حکم میں ہیں کیونکہ ان سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے۔)۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ

جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکتے رہتے ہو، اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم

لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ

سمجھتے نہیں ہو، سو اگر تمہارا حساب وکتاب ہونے والا نہیں، تو تم اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لیتے اگر تم سچے ہو، پھر

اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ

جو شخص مقربین میں سے ہو گا اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں

الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾

میں سے ہو گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے سلامتی ہے تو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے اور جو شخص جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہو گا

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾

سو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی ضیافت ہو گی اور وہ دوزخ میں داخل ہو گا، بے شک یہ تحقیقی یقینی بات ہے۔

اگر تمہیں جزا ملنی نہیں ہے تو موت کے وقت روح کو کیوں واپس نہیں لوٹا دیتے

ان آیات میں اولاً انسانوں کی بے بسی ظاہر فرمائی ہے جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے ثانیاً انسانوں کی انہیں تینوں جماعتوں کا عذاب وثواب بیان فرمایا ہے جن کا پہلے رکوع میں تذکرہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں بہت سے اعمال کرنے کا حکم دیا اور بہت سے اعمال سے منع فرمایا تا کہ بندوں کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا امتحان لیا جائے' سورۃ الملک میں فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (موت اور حیات کو پیدا فرمایا تا کہ وہ آزمائے تم میں اچھے عمل والا کون ہے)

لہٰذا زندگی کے بعد موت بھی ضروری ہے اور ان دونوں میں سے بندوں کو کسی کے بارے میں کچھ بھی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی دی وہی موت دے گا' اس نے دونوں کا وقت مقرر اور مقدر فرما دیا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ خود سے پیدا ہو جائے یا وقت مقرر سے پہلے مر جائے۔ خالق تعالیٰ شانہٗ کی قضاء اور قدر کے خلاف اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ارشاد فرمایا فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الأیات الخمس) کہ جب مرنے والے کی روح حلق کو پہنچ جاتی ہے تو تم وہاں موجود ہوتے ہو اسے حسرت کی آنکھوں سے ٹک ٹک کر دیکھا کرتے ہو اور اس پر ترس کھاتے ہو اور تمہاری آرزو ہوتی ہے کہ اسے موت نہ آئے اور ہم بہ نسبت تمہارے مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں (کیونکہ تم اس کی صرف ظاہری حالت کو دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں) لیکن تم نہیں سمجھتے اگر تم یہ سمجھتے ہو اور اپنے خیال میں سچے ہو کہ تمہیں اعمال کے بدلے دیئے جانے والے نہیں ہیں تو مرنے والے کی موت کو روک کر دکھا دو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر فرمایا ہے وہ اپنے فرشتے بھیجتا ہے جو روح نکالتے ہیں۔ حاضرین بے بس ہیں کچھ نہیں کر سکتے' جس طرح یہاں بے بس ہیں' اسی طرح اس وقت بھی بے بس ہوں گے' جب اللہ تعالیٰ شانہ اعمال کی جزا دینے کے لئے جسموں میں روحیں ڈالے گا' یہ عاجز بندے نہ دنیا میں کسی مرنے والے کی روح کو واپس کر سکتے ہیں نہ قیامت کے دن دوبارہ زندگی کو روک سکتے ہیں۔ یہ دوبارہ زندہ ہونا اور پہلی زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جانا خالق تعالیٰ شانہ کی طرف سے طے شدہ ہے تم قیامت ہونے اور اعمال کا بدلہ دیا جانے کے منکر ہو اور اس انکار کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اگر تمہیں موت سے نپٹنے بچانے کی قدرت ہوتی تو یہ کہنے کا بھی موقعہ تھا کہ ہم دوبارہ زندہ نہ ہونگے اور جزا وسزا کے لئے پیشی نہ ہوگی جب اسی دنیا میں اپنی عاجزی دیکھ رہے ہو تو دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کی پیشی کا انکار کس بنیاد پر کر رہے ہو جبکہ خالق جل مجدہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ تم سب کو مرنا ہے اور اعمال کی جزا ملنی ہے

کذافسر حکیم الامة قدس سره فی بیان القرآن وان رده صاحب روح المعانی وقال: انه لیس بشیٔ' ثم فسر بتفسیر اٰخر وجعل المدینین بمعنی مربوبین وقال: التقدیر فلولا ترجعونها اذابلغت الحلقوم. وحاصل المعنٰی انکم ان کنتم غیر مربوبین کما تقتضیه اقوالکم وافعالکم فمالکم لا ترجعون الروح الی البدن اذا بلغت الحلقوم وتردونها کما کانت بقدرتکم اوبواسطة علاج للطبیعة اه والاقرب الی السیاق ماذکر فی بیان القراٰن وقال القرطبی (ص ۲۳۱ ج۱۷) ای فهلا ان کنتم غیر محاسبین ولا مجزیین باعمالکم ای ولن ترجعوها فبطل زعمکم انکم غیر مملوکین ولا محاسبین (ثم قال) ترجعونها جواب لقوله تعالٰی فلولا اذا

بلغت الحلقوم ولقوله فلولا ان كنتم غير مدينين اجيبنا بجواب واحدقاله الفراء اور بما اعادت العرب الحرفين ومعنا هما واحد وقيل حذف احدهما لدلالة الآخر عليه انتهى.

(حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے پھر اس کی دوسری تفسیر کی ہے اور مدینین کا ترجمہ مربوبین سے کیا ہے اور کہا ہے کہ تقدیر یوں ہے کہ جب روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو تم اسے لوٹا کیوں نہیں لیتے۔ اس معنی کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم (اللہ تعالیٰ کے) پروردہ نہیں ہو جیسا کہ تمہارے اعمال واقوال تقاضا کرتے ہیں تو پھر تمہیں کیا ہے کہ تم روح کو اس کے حلقوم تک پہنچ جانے کے وقت بدن کی طرف کیوں نہیں لوٹاتے اور واپس کیوں نہیں کرتے جیسا کہ تمہاری قدرت سے ہو سکے یا طبعی علاج کے ذریعہ اھ۔ اور سیاق آیت کے قریب وہی ہے جو بیان القرآن میں مذکور ہے اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا حساب نہیں ہوگا اور تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا اور تم روح کو بھی نہیں لوٹا سکتے تو تمہارا یہ گمان باطل ہو گیا تم کسی کے مملوک نہیں ہو اور تمہارا حساب نہیں ہوگا۔ آگے علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ''ترجعونها'' اللہ تعالیٰ کے قول ''فلو لا اذابلغت الحلقوم'' اور ''فلولا ان كنتم غير مدينين'' کا جواب ہے دونوں کا جواب ایک ہی دیا گیا ہے۔ یہ فراء کا قول ہے۔ یا بعض دفعہ عرب دو حرف لوٹاتے ہیں ان کا معنی ایک ہوتا ہے اور بعض نے کہا ایک کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے)

مقربین اور صالحین کا انعام: .... اس کے بعد فرمایا فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ہ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ ہ کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والے بندوں میں جو مقربین ہوں گے وہ بڑے آرام میں ہوں گے ان کو رزق ملتا رہے گا اور نعمتوں والی جنت میں داخل ہوں گے وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ہ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ہ اور جو بندے اصحاب یمین ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ اے اصحاب یمین! تمہارے لئے سلامتی ہو۔

مکذبین اور ضالین کا عذاب: .... پھر کافروں اور مشرکوں کا عذاب بیان فرمایا وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ہ اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا (یہ اصحاب الشمال میں سے ہوگا۔ اس کے لئے سخت کھولتا ہوا گرم پانی ہوگا جس کا دوسرے رکوع میں ذکر ہوا) اور دھکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ہ (بے شک یہ تحقیقی بات ہے)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

ع ۳ / ۲۲ / ۱۶

یہ آیت سورۃ الواقعہ کی آخری آیت ہے اس سے پہلا رکوع بھی انہیں الفاظ پر ختم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیاوی اور اخروی بیان کرنے اور کافروں کو تذکیر و تنبیہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جو عظیم ہے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے، اس کی طرف سے جو اخبار اور تبشیر ہے سب صحیح ہے یوں تو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے اور اس کی حمد و ثناء میں لگے رہیں، لیکن جن مواقع میں خصوصیت کے ساتھ تسبیح اور تحمید کا خصوصی اہتمام کرنے کا فرمایا ہے ان مواقع میں خاص طور سے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا اجعلوھا فی رکوعکم کہ اسے اپنے رکوع میں مقرر کرلو (یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہا کرو) پھر جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اسے سجدہ میں پڑھنے کیلئے مقرر کرلو (یعنی سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۲)

فائدہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لے اسے کبھی بھی فاقہ نہ ہوگا یعنی تنگدستی لاحق نہ ہوگی' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ روزانہ ہر رات کو اس سورۃ کو پڑھا کریں (راجع شعب الایمان ص ۴۹۲ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مرضِ وفات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا فَمَا تَشْتَهِیْ (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں؟) فرمایا رَحْمَةَ رَبِّیْ (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلالوں؟ فرمایا اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِیْ مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا یعنی طبیب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے' اسی نے مجھے بیماری دی ہے اس کے سوا کس طبیب کو بلاؤ گے) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کوئی عطیہ بھیج دوں فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں' حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ قبول کرلو اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ جانا' فرمایا میں نے انہیں ایک چیز سکھادی ہے اسے پڑھتے رہیں گے تو کبھی محتاج نہ ہوں گے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ من قرء الواقعة کل ليلة لم يفتقر (جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لے گا۔ کبھی محتاج نہ ہوگا) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ص ۴۹۱ ج ۲)

کنز العمال میں حدیث نقل کی ہے:

علموا نسائكم سورة الواقعة فانها سورة الغنى. (کنز العمال ص ۵۹۲ ج ۱ مسند الفردوس للدیلمی)

(کہ اپنی عورتوں کو سورۃ الواقعہ سکھاؤ' کیونکہ وہ غنی (یعنی مالداری) لانے والی سورت ہے۔

وَلَقَدْ تم تفسير سورة الواقعة بفضل الله فالحمد له اولا واٰخرًا وباطنًا وظاهرًا.

☆☆☆..................☆☆☆

مدنی	سورۃ الحدید	۲۹ آیتیں ۴ رکوع

ایاتہا ۲۹ (۵۷) سُوْرَةُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّةٌ (۹۴) رکوعاتہا ۴

سورۃ الحدید مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے، اسی کیلئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی،

یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ

وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی

اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر

عَلَی الْعَرْشِ ۚ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ

مستوی ہوا۔ وہ جانتا ہے اس چیز کو جو زمین کے اندر ہوتی ہے اور جو اس میں سے نکلتی ہے اور جو آسمانوں سے اترتی ہے اور جو اس میں

فِیْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ اسی کی سلطنت ہے آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۚ

اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے، وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے،

وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

اور وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے، آسمانوں میں اسی کی سلطنت ہے، وہ سب کے اعمال سے باخبر ہے

یہاں سے سورۃ الحدید شروع ہو رہی ہے اوپر چھ آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کے لئے ہے وہ زندہ بھی کرتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اول بھی ہے، اپنی مخلوق سے پہلے بھی اور آخری بھی ہے یعنی جب مخلوق فنا ہو جائے گی تب بھی باقی رہے گا، یعنی اس پر نہ عدم سابق طاری ہوا نہ عدم لاحق طاری ہوگا اور وہ ظاہر بھی ہے کہ دلائل قاہرہ سے اسے پہچانا جاتا ہے اور باطن بھی ہے کہ اس کی ذات کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو چیزیں اس سے نکلتی ہیں اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے وہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ اپنے علم کے اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں کا اور زمینوں کا ملک اسی کے لئے ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اس میں بندوں کے اعمال بھی ہیں جو قیامت کے دن پیش ہوں گے اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے کبھی دن بڑا اور کبھی رات بڑی ہوتی ہے یہ سب تصرفات اسی ذات عالی کی ہیں وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے جس کسی کے دل میں جو بھی کچھ خیال اور وسوسہ آئے اور جو بھی کوئی شخص ایمان قبول کرے یا کفر پر جما رہے اسے ان سب کی خبر ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے، اس میں سے خرچ کرو،

لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا، اور تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان

اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ

لاؤ اور اللہ نے تم سے عہد لیا تھا، اگر تم کو ایمان لانا ہو، وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

روشنی کی طرف لائے، اور بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیق ہے اور مہربان ہے، اور تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ

حالانکہ سب آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ برابر نہیں ہیں،

أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ

وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں، جنہوں نے بعد میں خرچ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے،

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٠﴾ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ

اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے، کوئی شخص ہے جو اللہ کو قرض حسن دے پھر اللہ اس کو اس کے لئے بڑھائے اور اس کے لئے

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾

اجر پسندیدہ ہے۔

ع ۱۷

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو

یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو ساتھ ہی مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ بھی فرمایا ہے یعنی یہ مال وہ ہے جو تم سے پہلے دوسروں کے پاس تھا ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلیفہ بنا دیا اب یہ مال تمہارے تصرف میں ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ خرچ کیا ہوا مال ضائع نہ ہو جائے گا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کے لئے بڑا ثواب ہے) دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے' اللہ نے تمہارے اندر اپنا رسول بھیج دیا وہ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور مزید بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لیا تھا جس کے جواب میں تم نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا (اس سے عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ مراد ہے جو سورۂ اعراف میں مذکور ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تمہیں ایمان لانا ہے تو ایمان لے آؤ کس بات کا انتظار ہے، حجتیں قائم ہو گئیں' دلائل بیان کر دیئے براہین سمجھ میں آ گئے اب ایمان لانے میں کیوں دیر کر رہے ہو؟ فی معالم التنزیل ان کنتم مؤمنین یومًا فالآن اخری الاوقات ان تؤمنوا لقیام الحجج والا علام ببعثة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ونزول القراٰن (ص ۲۹۴ ج ۴) (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ اگر تم نے کسی دن ایمان لانا ہے تو اب ایمان لانے کا آخری وقت ہے کیونکہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کے سبب بہت سارے دلائل اور نشانیاں قائم ہو چکی ہیں)

تیسری آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا اور آپ پر آیات قرآنیہ نازل فرمانے کی نعمت کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے اپنے بندہ پر واضح آیات نازل فرمائیں تا کہ وہ (کفر وشرک کی) اندھیریوں سے نور ایمان کی طرف لائے (یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے) اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ شفقت ورحمت فرمانے والا ہے۔

چوتھی آیت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ تمہیں اس بات سے کیا چیز روکنے والی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو' سب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے حقیقتاً وہی مالک ہے۔ مجازی مالکوں کی موت کے بعد تمہیں یہ مال ملا ہے تمہارا نہ حقیقت میں ہے نہ اب ہے اور نہ مجازی طور پر تمہارے پاس ہمیشہ رہے گا۔ قال فی معالم التنزیل أی شیء لکم فی ترک الانفاق فیما یقرب من اللّٰه وانتم میتون تارکون اموالکم (ص ۲۹۴ ج ۴) (معالم التنزیل میں ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستوں میں خرچ کرنے

سے تمہیں کون سی چیز روکتی ہے حالانکہ تم اپنے مالوں کو چھوڑ کر کوچ کرنے والے ہو)

فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے: .... حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ حضرات بھی تھے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا تھا اور کافروں سے جنگ لڑی تھی' پھر جب مکہ فتح ہو گیا' کافروں کو شکست ہو گئی تو اس کے بعد مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا ڈر ختم ہو گیا اسی لئے فرمایا لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے فی سبیل اللہ مال خرچ کئے اور جہاد کئے یہ جماعت اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد مال خرچ کئے اور جہاد کئے' برابر نہیں ہیں۔ پہلے فریق کے بارے میں فرمایا۔

اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ ۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا (یہ لوگ درجہ کے اعتبار سے ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اموال خرچ کئے اور جہاد کیے) اگرچہ بعد میں خرچ کرنے والے اور جہاد میں شرکت کرنے والے بھی محروم نہ ہوں گے' ثواب انہیں بھی ملے گا' اسی کو فرمایا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (اور اللہ تعالیٰ نے سب سے خوبی یعنی ثواب کا وعدہ فرمایا ہے) وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے) جس نے جو بھی خیر کا کام کیا اللہ تعالیٰ اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے صحابہؓ کے بارے میں وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی فرما کر اعلان عام فرما دیا کہ سب کیلئے حُسنٰی یعنی مغفرت اور جنت ہے اور سورۂ توبہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (الآیة) میں مہاجرین وانصار کیلئے اور جو لوگ ان کا اتباع بالاحسان کریں ان کیلئے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ فرمادیا اور یہ بھی فرمادیا کہ ان کیلئے جنتیں تیار فرمائی ہیں۔ (دیکھو سورۂ توبہ)

اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کو دیکھو اور روافض کو دیکھو جنہیں اسلام کا دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو صحیح نہیں مانتے' دو چار کے سوا سب صحابہ کو گمراہ اور کافر کہتے ہیں اور ان حضرات سے براءت کا اعلان کئے بغیر ان کو چین نہیں آتا' یاد رہے کہ سابقین اولین میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے' جن سے روافض کو انتہائی بغض ہے ذٰلِکَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۔

کون ہے جو اللہ کو قرض دے: .... پھر فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (وہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض پھر وہ اللہ اس کے لئے چند در چند کر کے بڑھا دے اور اس کے لئے اجر کریم ہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ بندوں کا بھی خالق اور مالک ہے اور ان کے اموال کا بھی خالق اور مالک ہے جو بھی کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر اس کا نام قَرْضًا حَسَنًا رکھ دیا اور جتنا بھی کوئی شخص مال خرچ کرے (بشرطیکہ اللہ کی رضا کے لئے ہو) اس کو خوب زیادہ بڑھا کر دینے کا وعدہ فرما لیا' اول تو مال اسی کا ہے پھر بندوں نے خرچ بھی کیا اپنی ہم جنس مخلوق پر اللہ تعالیٰ شانہٗ غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی مال کی حاجت نہیں' اس نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے والوں سے بہت زیادہ ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے' کم سے کم ہر صدقہ کا ثواب دس گناہ تو ملتا ہی ہے' اور سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر ثواب دیا جاتا ہے' اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا حلال اور طیب مال خرچ کرنا نفس کی خوشی کے ساتھ خرچ کرنا یہ سب قرض حسنہ کے عموم میں داخل ہے۔

صحیح مسلم (ص ۲۵۸ ج ۲) میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دوں؟' کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کر دوں؟' کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے جو ظلم کرنے والا نہیں؟' صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں) یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتا دیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں بلکہ

اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ

جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہو گا ' آج تم کو بشارت ہے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ

ایسے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔ جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں

وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ

مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ انکو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی تلاش کرو۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ

پھر ان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا۔ اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہو گی اور بیرونی جانب عذاب ہو گا' وہ ان کو پکاریں گے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ

کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری تمناؤں نے دھوکہ میں

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ

ڈال رکھا تھا' یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا' غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا

كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

جاوے گا اور نہ کافروں سے' تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے' وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے

قیامت کے دن مؤمنین مؤمنات کو نور دیا جائے گا منافقین کچھ دور اُن کے ساتھ چل کر اندھیرے میں رہ جائیں گے

ان آیات میں مؤمنین و مؤمنات اور منافقین و منافقات کی حالت بتائی ہے جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا' اہل ایمان کے بارے میں فرمایا کہ اے مخاطب! تم قیامت کے دن مؤمنین و مؤمنات کو دیکھو کہ ان کا نور ان کے آگے آگے داہنی طرف دوڑ رہا ہو گا ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گے ان میں تم ہمیشہ رہو گے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے)

قیامت کے دن حاضر تو سبھی ہوں گے' مؤمن بھی' منافق بھی' کھلے ہوئے کافر بھی اور وہ لوگ بھی جو دنیا میں شرک کرتے تھے' کافروں

اور مشرکوں کو نور ملے گا ہی نہیں وہ تو اندھیرے ہی میں رہ جائیں گے اور مسلمانوں کو نور دیا جائے گا' منافقین بھی مؤمنین کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے' چلتے چلتے مؤمنین آگے بڑھ جائیں گے اور منافق مرد و عورت پیچھے رہ جائیں گے اور اتنے پیچھے رہ جائیں گے کہ بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے' یہ لوگ مؤمنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو' ہمیں بھی مہلت دو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری روشنی میں چلیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ اِرۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا (کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ وہیں روشنی تلاش کرو) وہ پیچھے لوٹیں گے تو ذرا بھی روشنی نہ پائیں گے اور ساتھ ہی ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جو مؤمنین اور منافقین کے درمیان آڑ بن جائے گی اب تو وہ لوگ نہ مؤمنین تک واپس پہنچ سکیں گے اور نہ مؤمنین کی روشنی سے استفادہ کر سکیں گے۔ منافقین مؤمنین سے پکار کر کہیں گے اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ (کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) تمہاری طرح نماز پڑھتے تھے اور تمہارے لئے جہاد میں جایا کرتے تھے جب ہم اسلامی اعمال میں تمہارے ساتھ تھے تو آج ہمیں اندھیرے میں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ مؤمنین جواب دیں گے بَلٰی (ہاں دنیا میں تم ہمارے ساتھ تھے) یہ بات ٹھیک ہے وَلٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ (لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنہ میں ڈالا یعنی گمراہی میں پھنسے رہے وَتَرَبَّصۡتُمۡ (اور تم نے انتظار کیا (کہ دیکھوں مسلمانوں پر کب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے وَارۡتَبۡتُمۡ (اور تم اسلام کے حق ہونے میں شک کرتے تھے) وَ غَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِىُّ (اور تمہیں تمہاری آرزوؤں نے دھوکہ میں ڈالا) تم سمجھتے تھے کہ یہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کا چند دن کا مسئلہ ہے نہ یہ دین چلنے والا ہے اور نہ اس کے ماننے والے آگے بڑھنے والے ہیں اگر تم اسلام کو سچا جانتے تو اس پر مر مٹتے لیکن تم ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے اس دین کے مخالف تھے اس لئے اس کے مٹ جانے کی آرزو رکھتے تھے حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا) یعنی تمہیں موت آ گئی جب موت آ جائے تو توبہ بھی نہیں ہو سکتی وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ (اور دھوکہ دینے والے یعنی شیطان نے تمہیں دھوکے میں ڈالا) اور تمہارا ناس کھو دیا اب تو تمہیں عذاب ہی میں جانا ہے' آج تم اور کھلے کافر مستحق عذاب ہونے میں برابر ہو تمہارے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں فَالۡيَوۡمَ لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا (سو آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جو کھلے کافر تھے) مَاۡوٰىكُمُ النَّارُ (تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے) هِىَ مَوۡلٰىكُمۡ (وہ تمہاری رفیق ہے وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ (اور وہ برا ٹھکانہ ہے)۔

یہ تشریح اور توضیح تفسیر درمنثور کی روایات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل ایمان کے دائیں اور سامنے نور ہو گا اس سے بائیں طرف نور ہونے کی نفی نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں بائیں طرف نور ملنے کا تذکرہ ہے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے لے کر آپ کی امت تک بہت سی امتیں گزری ہوں گی ان کے درمیان میں آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے ان کی یہ کیفیت وضو کرنے کی وجہ سے ہو گی میری امت کے علاوہ کسی دوسری امت کے لئے یہ نشانی نہ ہو گی اور میں انہیں اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر ہوں گے اور اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کے سامنے اور دائیں بائیں تینوں طرف نور ہو گا۔

(رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۴۷۸ ج ۲ وقال صحیح الاسناد وسکت علیہ الذہبی)

فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ (سو ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا) بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ.

اسکے اندر والے حصہ میں رحمت ہو گی اور باہر کی جانب عذاب ہو گا' یہ کون سی دیوار ہے جسکا الفاظ بالا میں تذکرہ فرمایا ہے' بعض حضرات

نے فرمایا کہ یہ دیوار اعراف ہے جو مؤمنین اور کفار (بشمول منافقین) کے درمیان حائل کر دی جائے گی۔ مفسرین نے فرمایا کہ اس سے اعراف کے علاوہ کوئی دوسری دیوار مراد ہے صاحب معالم التنزیل (ص ۹۹۶ ج ۴) لکھتے ہیں وھو حائط بین الجنة والنار یعنی وہ ایک دیوار ہوگی جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہوگی اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا' وہ کس لئے ہوگا اور کب تک رہے گا اس بارے میں کوئی تصریح واضح طور پر نہیں ملتی ممکن ہے کہ یہ وہی دروازہ ہے جسکے ذریعہ اہل جنت اہل دوزخ سے گفتگو کر سکیں گے جیسا کہ سورۃ الصافات میں فَهَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ فرمایا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دروازہ مستقل نہ ہو مؤمنین کے جنت میں جاتے وقت (جبکہ منافقین ان سے علیحدہ ہو جائیں گے) یہ دروازہ کھلا رہے اور بعد میں بند کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

''فائدہ'': .... مؤمنین کے نور کا سورۃ التحریم میں بھی تذکرہ فرمایا ہے یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کی داہنی طرف اور ان کے آگے دوڑتا ہوگا' وہ یوں دعا کرتے رہتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

اعمالِ صالحہ سراپا نور ہیں: .... اعمال صالحہ سراسر نور کا ذریعہ بنیں گے اور بعض اعمال کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ نور کا سبب ہونے کی خصوصی تصریح بھی احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ نور تام یعنی پورے نور کی خوشخبری سنادو ان لوگو کو جو اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چلتے ہیں قیامت کے دن (رواہ الترمذی وابوداؤد ورواہ ابن ماجہ من سہل بن سعد وانس)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی اس کے لئے قیامت کے روز نماز نور ہوگی اور (اس کے ایمان کی) دلیل ہوگی اور اس کی نجات (کا سامان) ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اس کے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ (ایمان کی) دلیل ہوگی' نہ نجات کا سامان ہوگی' اور یہ شخص قیامت کے روز قارون اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور (مشہور مشرک) اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھی اس کے لئے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہوگا۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ ص ۲۴۹ ج ۳)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سفید بال مت اکھاڑو کیونکہ وہ مسلمان ہونے کی حالت میں بوڑھا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے بدلہ نیکی لکھے گا اور اس کے لئے اس کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کرے گا اور اس کا ایک درجہ بلند کرے گا۔ (نیکی اور گناہ کی معافی صرف بڑھاپے کی وجہ سے ہوگی) (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۳۸۲)

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا

کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں

كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ

کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا سو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے

فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ

فاسق تھے' جان لو کہ بے شک اللہ زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد بیشک ہم نے تمہارے لئے آیات

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

بیان کیں تا کہ تم سمجھو۔

کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خشوع والے بن جائیں

اس آیت میں ان اہل ایمان کو خطاب اور عتاب فرمایا ہے کہ جن کے اعمال صالحہ میں کمی آ گئی اور جن کے دلوں میں ذکر اللہ اور کتاب اللہ کی طرف توجہ درجہ مطلوبہ میں نہیں رہی' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے وہاں کچھ اصحاب ہنس رہے تھے آپ نے اپنے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی جو سرخ ہو رہا تھا اور فرمایا کہ کیا تم ہنس رہے ہو؟ اور تمہارے رب کی طرف سے یہ امان نازل نہیں ہوئی کہ اس نے تمہیں بخش دیا؟ (اس کا تقاضا تو یہ کہ دنیا سے دل نہ لگاتے اور ہنسی مذاق میں وقت خرچ نہ کرتے) تمہارے ہنسنے کے بارے میں مجھ پر آیت کریمہ۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نازل ہوئی ہے' صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے اس ہنسنے کا کیا کفارہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس قدر ہنسے ہو اسی قدر رو دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی اس وقت یمامہ کے رہنے والے کچھ لوگ موجود تھے وہ بہت روئے' ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی طرح رویا کرتے تھے حتیٰ کہ بعد میں ایسے لوگ آ گئے جن کے دل سخت ہو گئے۔ (روح المعانی ۱۸۰/۱۷۹، ج ۲۷)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اللہ کے ذکر میں اور قرآن کی تلاوت کرنے اور سمجھنے کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا چاہئے' جب دل میں خشوع نہ ہو تو شدہ شدہ آہستہ دلوں میں قساوت یعنی سختی آ جائے گی۔ جب قساوت آ جاتی ہے تو دنیا ہی کی طرف توجہ رہ جاتی ہے دین پر چلنے کا اہتمام اور آخرت کی فکر نہیں رہتی نماز بھی یوں ہی چلتی ہوئی پڑھتے ہیں' ایک منٹ میں دو رکعتیں نمٹا دیتے ہیں اور نماز میں دکان کی بکری کا حساب لگاتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ باتیں کرنا قساوت قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی دل ہے جو سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک تاریخی واقعہ: .... حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں اکابر صوفیاء میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے یہ پہلے صحیح راستہ پر نہ تھے ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے' اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک لڑکی سے عشق ہو گیا اس لڑکی کے پاس پہنچنے کے لئے دیواروں پر چڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک تلاوت کرنے والے شخص کی آواز کان میں پڑ گئی وہ آیت کریمہ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ پڑھ رہا تھا (کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر کے لئے ان کے قلوب جھک جائیں)۔

حضرت فضیل نے جب اس آیت کو سنا تو فوراً منہ سے نکلا۔

بَلٰى يَارَبِّ قَدْاٰنَ (اے میرے پروردگار! ہاں وقت آ گیا) یہ کہہ کر واپس لوٹے تو ایک ویران گھر کی طرف چلے گئے وہاں کچھ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے' ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ چلو سفر شروع کر دیں دوسرے نے کہا کہ صبح تک ٹھہرو کیونکہ یہاں کہیں فضیل ہو گا وہ ڈاکو ہے کہیں ہم پر ڈاکہ نہ ڈال دے۔ یہ سن کر حضرت فضیل اپنے دل میں کہنے لگے ارے میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ رات بھر گناہ کے کاموں

میں لگا رہتا ہوں اور مسلمان مجھ سے ڈرتے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج کی رات یہاں اسی لیے بھیجا ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دوں اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا اللّٰھم انی قدتبت الیک وجعلت توبتی مجاورۃ البیت الحرام (سیر اعلام النبلاء ص ۴۲۳' ص ۴۲۶ ج ۸) (اے اللہ! میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی توبہ میں یہ بھی شامل کرتا ہوں کہ اب بیت الحرام یعنی مکہ معظمہ میں زندگی گزاروں گا)

اس کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں پوری زندگی عبادت میں گزار دی اور یہ حال تھا کہ جب ان کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگتے تو اتنا روتے تھے کہ پاس بیٹھنے والوں کو ان پر رحم آنے لگتا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

أقام بالبيت الحرام مجاوراً مع الجهد الشديد والورع الدائم والخوف الوافي والبكاء الكثير والتخلي بالوحدة ورفض الناس ' وماعليه اسباب الدنيا الى أن مات بها. (تہذیب التہذیب ص ۲۹۴ تا ص ۲۹۶ ج ۸)

(مکہ معظمہ میں قیام کیا سخت مجاہدہ کے ساتھ' اور دائمی پرہیز گاری کے ساتھ اور خوب زیادہ خوف الٰہی کے ساتھ اور خوب زیادہ رونے کے ساتھ' اور تنہائی میں وقت گزارنے کے ساتھ اور لوگوں سے بے تعلق رہنے کے ساتھ' دنیا کے اسباب میں سے موت آنے تک ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ علم حدیث کا اشتغال رکھنے والوں کو دیکھا کہ آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں' ان کو پکار کر فرمایا کہ اے انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثو! بس کرو' بس کرو' بس کرو' تم امام ہو تمہارا اقتداء کیا جاتا ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۹۴ تا ص ۲۹۶ ج ۸)۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ میں تجھے ایک اچھی بات سناؤں؟ اس نے کہا فرمایئے! آپ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

لَاتَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ.

(اتراؤ نہ کر بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا)

اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ جن کے دلوں میں قساوت تھی: وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب ملی تھی (ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں) ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (دونوں اپنی اپنی کتاب اور اس کے احکام سے غافل ہو گئے معاصی میں منہمک رہے اسی طرح زمانہ گزرتا چلا گیا اور توبہ نہ کی جب یہ حالت ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے) جب دل سخت ہو جاتے ہیں تو نیکی بدی کا احساس نہیں ہوتا' اور دین حق پر باقی رہنے کی منفعت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے بہت سے لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (اہل کتاب کا یہی حال ہوا کہ ان میں سے اکثر فاسق یعنی کافر ہو گئے جن کا بقیہ آج بھی دنیا میں موجود ہے)

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ دلوں کو خشوع والا بنائیں' اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں قرآن کی تلاوت میں لگیں اس کے احکام پر عمل کرتے رہیں' خدانخواستہ یہود و نصاریٰ جیسا حال نہ ہو جائے قوله تعالىٰ الم يأن للذين امنو امضارع من أنى الأمر أنياً وأناءً وأناءً بالكسر اذا جاء اناه أى وقته أى الم يجئ وقت ان تخشع قلوبهم لذكره عزوجل (ذكره في الروح ص ۱۷۹ ج ۲۷) (اللہ تعالیٰ کا قول الم يان للذين آمنوا: انى الا مر انياً اور اناء، اناءً سے مضارع ہے۔ یعنی جب اس کا وقت آ گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اس میں زمین کی مثال دے کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قلوب قاسیہ یعنی سخت دلوں کو زندہ فرما دیتا ہے جبکہ وہ ذکر و تلاوت میں لگ جائیں جیسا کہ مردہ زمین کو بارش بھیج کر ہرا ابھرا کر دیتا ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کیں تا کہ تم سمجھو)۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بلا شبہ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا' ان کیلئے اس کو بڑھا دیا جائے گا' انکے لئے اجر کریم ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ وہ لوگ ہیں جو بڑی سچائی والے ہیں' اور جو شہداء ہیں' اپنے رب کے پاس ہیں' ان کے لئے ان کا اجر

وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

اور ان کا نور ہو گا ' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے اجر کریم کا وعدہ اور شہداء کی فضیلت

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے لئے مال خرچ کرتے ہیں یہ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا (ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا) ان کا بدلہ ان کو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور ان کو اجر کریم یعنی بہت پسندیدہ اجر دیا جائے گا یہ مضمون اسی سورت کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکا ہے۔

قال صاحب الروح :وقرء ابن كثير و ابوبكر بتخفيف الصاد من التصديق لامن الصدقة' وعطف "اقرضوا" على معنى الفعل من المصدقين على مااختاره ابو علي والزمخشري لان ال بمعنى الذين' واسم الفاعل بمعنى الفعل فكانه قيل ان الذين تصدقوا او صدقوا على القراء تين (واقرضوا) وتعقبه ابو حيان وغيره بأن فيه الفصل بين أجزاء الصلة اذ" ال" معطوف على الصلة باجنبى وهو المتصدقات' وذلك لايجوزاه. قلت تعقب أبي حيان لايصح لان الوارد في كتاب الله تعالىٰ يرد جميع القواعد التي اسسها النحاة مع ان المصدقات ليس باجنبى اذاالنساء دخلت في المتصدقين كما في مواضع من كتاب الله تعالىٰ. جاء بصيغة التذكير وهويعم الصنفين ولولم يذكر هن لكان مربوطًا بلا ريب ' فاختصصن بالذكر لاظهار ان منزلتهن في التصدق مثل الرجال اذاانفقن باخلاصهن ومثل هذاالوصل ليس بفصل.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ابن اکثیر اور ابوبکر نے اسے تصدیق مصدر سے نا کہ صدقہ سے مان کر صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابوعلی وزمخشری کی ترجیح کے مطابق "اقرضوا" کا عطف المصدقین کے معنی فعل پر ہے۔ اس لئے کہ الف لام الذی کے معنی میں ہے اور اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ بے شک جن لوگوں نے تصدیق کی یا صدقہ کیا اور قرض دیا (دونوں قرآتوں کے مطابق) اور ابوحیان وغیرہ نے اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں صلہ کے اجزاء کے درمیان فصل لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ الف

لام کا عطف اجنبی صلہ پر ہے اور وہ متصدقات ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اھ میرا خیال ہے کہ ابو حیان کا یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وہ نحویوں کے بنائے ہوئے قوانین کی تردید کرتا ہے۔ نیز متصدقات اجنبی بھی نہیں ہے اس لئے کہ خواتین متصدقین میں شامل ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں کئی جگہ ایسا ہے کہ مذکر کا صیغہ آیا ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے اگر خواتین کا ذکر یہاں نہ کیا جاتا تو بھی بلاشبہ کلام مربوط ہوتا۔ پس یہاں ان کا خصوصاً ذکر کیا گیا ہے اس اظہار کے لئے کہ تصدق میں ان کا مرتبہ مردوں جیسا ہے کہ جبکہ یہ اخلاق کے ساتھ خرچ کریں اور اس جیسا وصل، فصل نہیں ہوتا)

صدیقین کون ہیں: .... پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ لوگ صدیق ہیں) یعنی بہت زیادہ سچائی اختیار کرنے والے ہیں جو پکی تصدیق ہو جس میں ذرا سا بھی شائبہ شک اور تردد کا نہ ہو وہ ایمان حقیقی ہے۔

پھر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قول فعل میں صدق یعنی سچائی کا دھیان رہے اردو میں تو لفظ سچ اور سچائی عرف عام کے اعتبار سے صرف اقوال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں لفظ صدق اقوال اور افعال دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے' اسی طرح جھوٹ بھی اقوال اور اعمال دونوں میں مستعمل ہے' حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور. کہ جس شخص نے جھوٹ موٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ وہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہو گیا) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے ہر قسم کے جھوٹے دعوے داروں کو شامل ہے دعویٰ قولی ہو یا فعلی، علمی ہو یا عملی

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (اور جو شہداء ہیں ان کے لئے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ جملہ مستانفہ ہو اور اگر ماسبق پر معطوف مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ صدیقین اور شہداءٔ اپنے رب کے پاس یعنی اس کے حکم اور علم میں صدیق اور شہید ہیں اور ان کے لئے اس کا اجر ہے اور ان کا نور ہے (معالم التنزیل ص ۲۹۸ ج ۴)

معنی کے اعتبار سے آیت کے عموم الفاظ میں وہ سب لوگ جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یعنی یہ لوگ صدیق ہیں اور شہداءٔ ہیں۔ روح المعانی میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ تم سب صدیق ہو اور شہید ہو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اے ابو ہریرہ! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ (آخر تک پڑھ لو)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے وہ لوگ مراد لئے جائیں جو کمال ایمان سے متصف ہوں اور یہ اس وقت متحقق ہوگا جب کوئی شخص ایسی طاعات میں لگے جو کمال ایمان والی طاعات ہوں کیونکہ جو شخص مومن ہوتے ہوئے شہوات میں منہمک ہو اور طاعات سے غافل ہو اسے صدیق اور شہید قرار دینا بعید معلوم ہوتا ہے سورۂ نساء کی آیت کریمہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور شہداءٔ اور صالحین بڑے مرتبہ کے لوگ ہیں عام طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو ان حضرات کے ساتھ ہونے کا شرف ملے گا جو ان کے اچھے رفیق ہوں گے' دونوں

آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ یوں تو ہر مؤمن صدیق اور شہید ہے لیکن بہت سے حضرات کو ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے بڑے بڑے درجات حاصل ہوں گے اور بہت سے دوسرے اہل ایمان کو بھی ان کی معیت حاصل ہو جانے کے مواقع عطا کئے جائیں گے گو درجات میں فرق مراتب بہت زیادہ ہوگا لیکن باوجود باہمی ملاقاتوں اور زیارتوں کے جن کی تصدیق ایمان بڑے درجہ کے کمال کو پہنچی ہوئی ہوا ان کو خصوصی طور پر صدیق کہا گیا ہے۔ یہ بلند مرتبہ کے حضرات ہیں، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدیق کا لقب دیا۔ جب یہ اسلام کی دعوت سامنے آئی تو انہوں نے فوراً لبیک کہا اور آخری دن تک نہایت اخلاص کے ساتھ اپنی جان و مال سے آپ کی خدمت میں حاضر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آپؐ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لا کر خدمت عالی میں حاضر کر دیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھ گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ حرکت کرنے لگا تو آپ نے اس پر قدم مبارک مار کر فرمایا کہ اے احد! ٹھہر جا (اس وقت) تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید ہیں (یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما) (رواہ البخاری)

اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق فرمایا اور باقی دو حضرات کو شہید ہونے کی پیشین گوئی فرمائی بڑے درجہ کے مؤمنین صالحین کو صدیقین کی معیت نصیب ہوگی اس بارے میں بعض خصوصی اعمال کا تذکرہ بھی حدیث شریف میں مذکور ہے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ (رواہ الترمذی فی البیوع)

سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں صِدِّيقًا نَّبِيًّا فرمایا ہے اور سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو صدیقہ بتایا ہے (وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ) معلوم ہوا کہ صدیقیت میں فرق مراتب ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی صدیق تھے ان پر ایمان لانے والے بھی صدیق تھے (اور ان میں فرق مراتب تھا) اور عامۃ المسلمین بھی صدیق ہیں کیونکہ کمال تصدیق کے بغیر کوئی مؤمن ہو ہی نہیں سکتا۔

سورۂ نساء کی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونے کی جو خوشخبری دی ہے اس سے اونچے درجے کے صدیقین اور شہداء اور صالحین مراد ہیں۔

شہداء سے کون حضرات مراد ہیں: .... یہاں سورۃ الحدید میں شہداء سے کون لوگ مراد ہیں اس کے بارے میں دو قول ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے جہاد اور قتال کے موقع پر شہید ہونے والے مراد ہیں ان کے بڑے اور بلند درجات ہونے کو سبھی جانتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شہداء سے بمعنی شاہدین گواہی دینے والے مراد ہیں قیامت کے دن بہت سی گواہیاں ہوں گی، ہر نبی اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں اور ان کی گواہی صحیح ہے، اس کی تفصیل سورۂ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۃ الحج میں گزر چکی ہے۔ ان گواہیوں کے علاوہ دوسری گواہیاں بھی ہوں گی اور گواہی دینے والوں کو اس فضیلت سے نوازا جائے گا کہ وہ میدان آخرت میں دوسرے لوگوں کے خلاف گواہ بن کر آئیں گے۔

جب اللہ نے اتنی بڑی فضیلت دی ہے کہ قیامت کے دن گواہی دینے والے بنیں گے تو اپنے اس مرتبہ کی لاج رکھیں اور ان چیزوں سے پرہیز کریں جو مقام شہادت سے محروم کرنے کا ذریعہ بنیں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ لعنت کی کثرت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہداء ہوں گے نہ شفعاء ہوں گے (یعنی ان کو نہ گواہی دینے کا مرتبہ ملے گا نہ گنہگاروں کو بخشوانے کے لئے شفاعت کرنے کا مقام دیا جائے گا) دونوں چیزوں سے محروم رہیں گے (رواہ مسلم ص ۳۲۲ ج ۲) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدیق کے لئے لعان ہونا ٹھیک نہیں ہے (ایضاً)۔ یعنی صدیق کو اپنی زبان محفوظ رکھنی چاہیے تجھ مجھ پر انسانوں پر جانوروں شاگردوں پر لعنت بھیجتا رہے یہ صدیق کا کام نہیں (بچوں کے بہت سے استاد اس میں مبتلا ہیں: قال البغوی فی معالم التنزیل اختلفوا فی نظم هذه الأیة منهم من قال: هی متصلة بما قبلها والواو واو النسق، واراد بالشهداء المؤمنین المخلصین، وقال الضحاک: هم الذین سمینا هم. وقال مجاهد کل مؤمن صدیق وشهید، وتلاهذه الایة. وقال قوم: ثم الکلام عند قوله: (هم الصدیقون) ثم ابتدأ فقال: والشهداء عندربهم، والواوواو الاستیناف، وهوقول ابن عباس ومسروق وجماعة، ثم اختلفو افیهم فقال قوم هم الأنبیاء الذین یشهدون علی الامم یوم القیامة، یروی ذلک عن ابن عباس وهو قول مقاتل بن حیان. وقال مقاتل بن سلیمان: هم الذین استشهدوا فی سبیل الله (لهم اجرهم) بما عملوا من العمل الصالح (ونورهم) علی الصراط.

(علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نظم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت ماقبل سے متصل ہے اور واؤ نسق کے لئے ہے اور شہداء سے مراد مخلص مؤمنین ہیں اور ضحاک کہتے ہیں ان سے مراد یہی ہیں جن کا ہم نے نام لیا ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں ہر مؤمن صدیق بھی ہے شہید بھی اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ ہم الصدیقون پر کلام ختم ہوگیا ہے پھر نئی بات شروع کی اور فرمایا ''والشهداء عندر بهم'' اور واؤ استیناف کے لئے ہے اور یہ قول حضرت ابن عباسؓ مسروق اور ایک جماعت کا ہے۔ پھر علما کا اس میں اختلاف ہے کہ شہداء سے کون مراد ہیں؟ ایک جماعت نے کہا ان سے مراد انبیائے کرام ہیں جو قیامت کے دن اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مقاتل بن حیان کا قول بھی یہی ہے اور مقاتل بن سلیمان کہتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ان کے لئے عمل صالح کا اجر ہوگا اور پل صراط پر ان کے لئے نور ہوگا)

آیت کے ختم پر فرمایا وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (یعنی جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیات کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخ کے عذاب میں ہوں گے)۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنا کو زیادہ

وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ

بتانا ہے۔ جیسے بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو اے مخاطب! اس کو تو زرد ہونے کی حالت میں دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔

وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا

اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے، اور دنیاوی زندگی محض دھوکہ کا

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ

سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی

وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ

وسعت کے برابر ہے وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' یہ اللہ کا فضل ہے' اپنا فضل جس کو چاہے عنایت فرمائے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے' اور آخرت میں عذاب شدید اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا مندی ہے

ان آیات میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ دنیا والی زندگی لہو ولعب ہے اور ظاہری زینت ہے' ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے نظروں کو بھاتی ہے اور نفوس کو بھلی لگتی ہے' جن کے پاس زیادہ دنیا ہو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کرتے ہیں اور اموال واولاد کی کثرت پر مقابلہ کرتے ہیں' یہ تفاخر اور تکاثر ان چیزوں کے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا جسے سورۂ تکاثر میں بیان فرمایا ہے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (کثرت پر مقابلہ کرنا تم کو غافل رکھتا ہے یہاں تک کہ قبرستان میں پہنچ جاؤ گے)

دنیا کی ظاہری تھوڑی سی تھوڑے دن کی نظروں میں بھانے والی زندگی کی ایک مثال بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو تمہارے سامنے بارشیں ہوتی ہیں۔ ان سے زمین سرسبز ہو جاتی ہیں' کھیتی اگتی ہے' پودے نکلتے ہیں' گھاس پھونس پیدا ہوتا ہے ہری بھری زمین دیکھنے میں بڑی اچھی لگتی ہے' کاشتکار اسے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں' کچھ دن ہری بھری رہنے کے بعد وہ پیلی پڑ جاتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے' ہرا رنگ ختم ہو جاتا ہے' زردی آ جاتی ہے' پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے' جو اس کھیتی کا انجام ہوتا ہے (کہ آخیر میں چورا ہو کر رہ جانا ہے) دنیا کی یہی حالت ہے' دنیا والوں کو دنیا بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے لیکن اس کے انجام کی طرف سے غافل ہیں' حرام سے حلال سے دھوکہ سے فریب سے' خیانت سے' چوری سے' لوٹ مار سے اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کماتے ہیں اور جمع کر کے رکھتے ہیں اگر مال حلال بھی ہو تو اس میں سے فرائض واجبات ادا نہیں کرتے' نوٹوں کی گڈیاں مرغوب ہیں' بھری ہوئی تجوریاں محبوب ہیں' بہت کم بندے ہیں جو کمانے اور خرچ کرنے میں حلال کا خیال کرتے ہیں اور اس بارے میں گناہوں سے بچتے ہیں' عموماً لوگوں کا حال یہ ہے کہ کسب دنیا کو اپنے لئے وبال ہی بنا لیتے ہیں۔ اور آخرت کے سخت عذاب کو اپنے سر لے لیتے ہیں' اسی کو فرمایا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (اور آخرت میں سخت عذاب ہے) ان کے برخلاف وہ بندے بھی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، حرام سے بچتے ہیں، حلال کماتے ہیں (اگرچہ تھوڑا سا ہو) حلال ہی کے مواقع میں خرچ کرتے ہیں اور آخرت کے اُجور اور ثمرات کے لئے اپنی جیب اور تجوری سے مال نکالتے ہیں' ان کا مال ان کے لئے مغفرت کا اور اللہ کی رضامندی کا سبب بن جاتا ہے' یہ وہ مبارک بندے ہیں' جنہوں نے فانی دنیا کو اپنی باقی رہنے والی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنا لیا ہے' اسی کو فرمایا وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور دنیا والی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے) یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے نہ یہ زندگی باقی رہے گی نہ اس کا کمایا ہوا اسباب وسامان باقی رہے گا' جس نے اس پر بھروسہ کیا باقی رہنے والی آخرت سے غافل ہوا اور آخرت میں مارا گیا' سمجھدار بندے وہی ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت کرنے کا حکم: .... پھر جب یہ دنیا فانی بھی ہے اور دنیاوی مال ومتاع دھوکہ کا سامان بھی ہے تو سمجھداری اسی میں ہے کہ اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑیں اور اس کی رضامندی کے لئے عمل کریں۔

ارشاد فرمایا سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑیں جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے)

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے)

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

سَابِقُوْا فرما کر یہ فرمایا کہ آپس میں مسابقت کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت حاصل کرنے کیلئے خوب دوڑ دھوپ کرو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو اعمال آخرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا مندوب اور محبوب ہے کیونکہ اس میں کسی فریق کو نقصان نہیں ہوتا ہر شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان کا اور اعمال صالحہ کا اجر عطا فرمائے گا کسی کی محنت میں سے کٹوتی کرکے کسی دوسرے کو ثواب نہیں دیا جائے گا ہر شخص اپنا اپنا ثواب لے گا۔ ہاں اعمال میں اخلاص ہو ریاکاری کا جذبہ نہ ہو

یہاں سورۃ الحدید میں سَابِقُوْا (ایک دوسرے سے آگے بڑھو) فرمایا اور سورۂ آل عمران میں سَارِعُوْا فرمایا ہے جس کا معنی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں جلدی کرو اس میں یہ بتادیا کہ اعمال صالحہ میں دیر نہ لگاؤ جو نیک کام کر سکتے ہو کر گزرو آج کا کام کل پر نہ ڈالو نفس وشیطان سمجھائے گا کہ یہ کام کل کو کرلیں گے ان دونوں کی بات نہ مانو اعمال صالحہ میں جلدی کرو آگے بڑھو موقع اور فرصت کے مطابق عمل خیر کرتے رہو کار خیر ابھی کرلو پھر کل کو بھی کرلینا یہاں عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ فرمایا ہے اور سورۃ آل عمران میں عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ فرمایا ہے انسانوں کے سامنے چونکہ آسمان وزمین ہی طول وعرض کے اعتبار سے سب سے بڑی چیز ہے اس لئے جنت کی وسعت بتانے کیلئے تقریب الی الفہم کے طور پر ارشاد فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ایسی ہے جیسے آسمان وزمین کی چوڑائی ہے ورنہ جنت تو بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں سارے جہاں اگر ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہوجائیں تو سب کے لئے کافی ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ ادنیٰ جنتی کو جو جنت دی جائے گی اس کو پوری دنیا اور اس جیسی دس گنا وسیع جنت عطا کی جائے گی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۲ عن البخاری ومسلم)

جنت ایمان والوں کے لئے تیار کی گئی ہے: .... اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر) اس میں یہ بتادیا کہ جن لوگوں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا رسولوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے ایسے لوگ جنت سے محروم ہوں گے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے خواہ کسی رسول کے امتی ہوں سب جنت کے مستحق ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے)

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے) اس میں یہ واضح فرمادیا کہ جن لوگوں کو جنت دی جائے گی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اپنا ذاتی استحقاق کسی کا نہیں ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو۔ ایمان کی دولت سے نوازنا بھی اسی کی مہربانی ہے پھر

اعمال کو قبول کرنا بھی فضل ہے اور جنت عطا فرمانا بھی فضل ہے

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' قبل اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں' یہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کے نزدیک آسان ہے' تا کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں' اور اللہ

لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿٢٣﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ

تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں' اور جو شخص

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿٢٤﴾

اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سزاوار حمد ہے۔

جو بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے اس کا وجود میں آنا پہلے سے لکھا ہوا ہے

دنیا میں انسان آیا محض زندگی گزارنے کے لئے نہیں بلکہ وہ امتحان اور ابتلاء میں ڈالا گیا ہے' سورۃ الملک میں فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو پیدا فرمایا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل والا ہے) جب امتحان میں ڈالے گئے ہیں تو ان چیزوں کا پیش آنا بھی ضروری ہے جو امتحان کا ذریعہ بن سکیں امتحان والی دو چیزیں ہیں۔

اوّل دولت اور نعمت اور آرام و راحت دوم مشکلات و مصائب اور ناگوار چیزیں جب پہلی چیز یعنی عیش کی زندگی ملتی ہے تو بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اعمال صالحہ کو چھوڑ کر تباہی میں مست رہنے لگتے ہیں' گزشتہ آیات میں تنبیہ فرمائی کہ دنیا لہو ولعب ہے فخر بازی ہے اور مال و اولاد کی کثرت پر مقابلہ کرنے کا سبب ہے لیکن یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے جیسے کھیتی ہری بھری ہوتی ہے کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ پیلی ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے' پھر بھوسہ بن جاتی ہے لہٰذا اس میں لگنا سمجھداری نہیں ہے' آخرت کی فکر کرنا لازم ہے' دوسری چیز مصیبت اور تکلیف ہے' اس کے بارے میں ان آیات میں بتادیا کہ جو بھی مصیبت پہنچ جائے وہ واقع ہونی ہی ہے کیونکہ خالق کائنات جل مجدہ نے اس کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا وہ ایک کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ مصیبت خواہ زمین میں ہو مثلاً: مرض لاحق ہو جانا، زخمی ہو جانا، لنگڑا ہو جانا' لولا اندھا' بہرا ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب لکھا ہوا ہے' لوح محفوظ میں محفوظ ہے ان کا موجود ہونا اور درپیش ہونا لازمی ہے۔ خالقِ کائنات جل مجدہ نے جب قطعی طور پر طے فرما دیا ہے کہ ایسا ہونا ہی ہے تو ہو کر رہے گا' اس کی وجہ سے اپنے پیدا کرنے والے سے غافل ہو جانا اور اس کے ذکر اور عبادت سے منہ موڑ لینا سمجھدار بندوں کا کام نہیں۔

جو کچھ فوت ہو گیا اس پر رنج نہ کرو: .... لِكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ ای اخبر نا کم بذلک لاتاسوا (الخ) یعنی تمہیں اس بات کی خبر دے دی گئی تا کہ تم یہاں کی تکلیف اور مصیبت اور نقصان وخسران پر توجہ نہ دو اور حسرت اور افسوس میں مبتلا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روک دے اور اعمال آخرت سے ہٹا دے جو مصیبت آتی ہے وہ آنی ہی تھی اس کا یقین ہو تو طبعی رنج ہو

سکتا ہے عقلی طور پر رنج نہ ہو (طبعی رنج پر مؤاخذہ نہیں) اپنے اختیار سے اس میں لگا رہنا اور اس کو بڑھاتے چلے جانا اور ایسی باتیں کرنا جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو یہ ممنوع ہے۔

جو کچھ آ گیا اس پر اتراؤ مت: .... وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ (اور تا کہ تم ان چیزوں پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں) کیونکہ جو کچھ ملا ہے وہ مقدر ہے تمہارا کوئی استحقاق نہیں۔ جب ذاتی استحقاق نہیں تو اترانے اور مستی دکھانے کا کیا حق ہے؟ دکھ اور تکلیف اور آرام اور راحت تو سبھی کو پیش آتا ہے لیکن مؤمن بندے صبر اور شکر کے ذریعے دونوں کو نعمت بنا لیتے ہیں' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن کا عجیب حال ہے جو اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے اگر اس کو خوش کرنے والی حالت نصیب ہو جاتی ہے تو شکر کرتا ہے یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے ضرر دینے والی حالت پیش آ جائے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔

متکبر اور بخیل کی مذمت: .... وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۙ (اور اللہ پسند نہیں فرماتا ہر ایسے شخص کو جو تکبر کرنا والا ہے فخر کرنا والا ہے) الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ (جو لوگ بخل کرتے ہیں) وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں) جن لوگوں کو کوئی دولت اور نعمت مل جاتی ہے اور دنیاوی اعتبار سے خوشی نصیب ہو جاتی ہے' ان میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس نعمت کو تکبر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں' اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں' اور دوسروں کے مقابلہ میں فخر بھی کرنے لگتے ہیں' ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے نہیں ہیں۔

چونکہ مال پر فخر کرنے والے مال سے محبت بھی کرتے ہیں اور یہ محبت ان کو کنجوسی پر آمادہ کرتی ہے' اس لئے الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بھی فرمایا کہ یہ لوگ بخل کرتے ہیں (جو اللہ کے نزدیک مبغوض چیز ہے) وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور یہی نہیں کہ خود بخل کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے ان کو بھی خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں' دوسرے لوگ اگر اپنا مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کریں تو اس سے بھی کنجوس آدمی کا دل دکھتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ اس کا مال مجھے نہیں مل جائے گا پھر بھی خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے بعض اہل خیر کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے کیشئیر اور خزانچی سے کہہ کر چلے گئے کہ فلاں مدرسے کا جو سفیر آیا ہے اس کو اتنے روپے دے دو' کیشئیر نے تجوری سے روپے تو نکال لئے لیکن اس کی انگلیاں نوٹ چھوڑنے کو تیار نہیں' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا دکھے دل سے آگے بڑھا رہا ہے حالانکہ مال دوسرے کا ہے' جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم دے چکا ہے۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (اور جو شخص روگردانی کرے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کیونکہ وہ غنی ہے محمود ہے) ہمیشہ لائق حمد ہے کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اسے کوئی نفع یا ضرر نہیں پہنچتا جو بخل کرے گا اپنا ہی برا کرے گا جو اللہ کے لئے خرچ کرے گا اس کا اجر و ثواب پالے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور ترازو کو نازل کیا تا کہ لوگ عدل

بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدت ہیبت ہے' اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فائدے ہیں' تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بغیر دیکھے

يَّنۡصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۲۵﴾

اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو واضح احکام دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور لوگوں کو انصاف کا حکم دیا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بعثت کا اور انہیں واضح احکام کے ساتھ بھیجنے کا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے الکتاب جنس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابیں مراد ہیں اور عربی میں المیزان ترازو کو کہتے ہیں، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ترازو ہی کیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ صحیح ناپ تول کی جاتی ہے اور آلۂ عدل وانصاف اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ''انصاف'' کیا ہے دونوں صورتوں کا مطلب اور مآل ایک ہی ہے ارسال رسل اور انزال کتاب اور انزال میزان کا مآل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

لوہے میں ہیبت شدیدہ ہے اور منافع کثیرہ ہیں: ....اس کے بعد فرمایا وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدید ہیبت ہے۔ جہاد کے لئے جو ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔ نیزہ، تلوار، خنجر، بندوق لوہے ہی سے بنتے ہیں اور ان کے علاوہ جو ہتھیار ہیں حتیٰ کے آج کل کے میزائل، بم اور دوسرے ہتھیاروں کی تیاری میں بھی لوہے کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے ان ہتھیاروں کا ڈر لوگوں پر سوار رہتا ہے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے ہتھیاروں کو استعمال کر کے کفر کو مٹانے۔ کے لئے کافروں پر حملے کرتے رہتے ہیں اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھتی ہے ساری دنیا کے کافروں کو ڈر رہے تو یہی ہے کہ مسلمان جہاد شروع نہ کر دیں۔

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (اور لوہے میں لوگوں کے لئے طرح طرح کے منافع ہیں) مشینیں تو لوہے کی ہی ہیں دوسری جتنی بھی چیزیں بنی آدم کے استعمال میں ہیں تقریباً سب ہی میں کسی نہ کسی درجہ میں لوہے کا دخل ضروری ہے، اگر لکڑی کی چیز ہے تو اس میں بھی لوہے کی کیل ٹھونکی ہوئی ہے اور وہ بھی لوہے کے ہتھوڑے سے ٹھونکی گئی ہے، تعمیرات میں لوہے کا استعمال ہے، کھیتی میں ہل اور ٹریکٹر کی خدمات ہیں، جانوروں کے مونہوں میں لوہے کی لگامیں ہیں، پائیدان بھی لوہے کے ہیں۔ پٹرول لوہے کے آلات کے ذریعہ نکلتا ہے۔ ہوائی جہاز اور گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ الیٰ مالا یحصیٰ۔

وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ (یعنی ہیبت شدیدہ اور دیگر منافع کے علاوہ لوہے کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ (بطور علم ظہور) جان لے کہ بغیر دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے) یعنی اللہ کے دین کو تقویت پہنچانے اور اس کے آگے بڑھانے کے لئے اور اس کی دعوت دینے کے لئے کون تیار ہوتا ہے۔ جب جہاد کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ کے مخلص بندے یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل بھی ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنے کے لئے ہتھیار لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی نہیں پھر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے پھر جس جس چیز کا ظہور ہوتا ہے اس کے علم میں آتا رہتا ہے کہ یہ بھی وجود میں آیا ہے بلکہ وجود ہی وہ بخشتا ہے اس علم کو

علم ظہور کہا جاتا ہے۔

قولہ ولیعلم اللّٰہ عطف علی محذوف أی لینفعھم ولیعلم اللّٰہ تعالٰی علما یتعلق بہ الجزاء من ینصرہ ورسلہ باستعمال آلۃ الحرب من الحدید فی مجاھدۃ اعدائہ وقولہ بالغیب حال من فاعل ینصر اومن مفعولہ ای غائبامنھم أوغائبین منہ. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولیعلم اللہ اس کا عطف محذوف پر ہے اصل یوں ہے کہ **لینفعھم ولیعلم اللّٰہ** یعنی تا کہ اللہ ان کو نفع دے اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان کا ایسا علم حاصل کرلے جس سے ان لوگوں کو جزاء متعلق ہو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لوہے کے آلات کے ساتھ اس کے دشمنوں سے جہاد کر کے اس اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالغیب: ینصر کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ ان سے غائب ہے یا اس حالت میں کہ وہ حضرات اس سے غائب ہیں) (روح المعانی صفحہ ۱۸۹: ج ۲۷)

آخر میں اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بے شک اللہ تعالیٰ قوی ہے عزیز ہے) اس میں یہ بتادیا کہ اللہ کے دین کی مدد کا جو ذکر ہوا وہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے وہ تو قوی ہے اور غالب ہے، جو کچھ اس کے دین کی خدمت کرو گے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ

اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی، سو ان لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت

مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ

سے ان میں نافرمان تھے، پھر ہم ان کے بعد دوسرے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے، اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، اور ہم نے ان کو

الْاِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا

انجیل دی، اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا، ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا، اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر

كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ

اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا، سو انہوں نے اس کی پوری رعایت کی، سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے، ہم

اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

نے ان کو ان کا اجر دیا اور ان میں زیادہ نافرمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا، ان کی ذریت میں نبوت جاری رکھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی اور ان کے متبعین میں شفقت اور رحمت رکھ دی

ان آیات میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی رسالت کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ ہم نے ان دونوں کی ذریت میں

نبوت جاری رکھی۔ان کی ذریت میں ہدایت قبول کرنے والے بھی تھے اور بہت سے فاسق یعنی نافرمان تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد یکے بعد دیگرے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جن کو انجیل بھی عطا فرمائی، بہت سے لوگوں نے ان کا بھی اتباع کیا، ان کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کیا، ان کے دین پر چلتے رہے ان کو حواریین کہا جاتا تھا (جیسا کہ سورۃ آل عمران اور سورۃ الصّف میں ان کا تذکرہ فرمایا) ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور شفقت رکھ دی تھی، آپس میں محبت اور دوسروں پر بھی رحم کھاتے تھے، مشہور ہے کہ ان کی شریعت میں جہاد مشروع نہ تھا، اس لئے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ والی صفت ان میں نہیں تھی۔

نصاریٰ کا رہبانیت اختیار کرنا پھر اسے چھوڑ دینا: .... وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا (اور عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں نے رہبانیت کو جاری کر دیا)

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اے ابن ام عبد (یہ حضرت ابن مسعودؓ کی کنیت ہے) تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کہاں سے اختیار کی؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسولؐ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظالم بادشاہوں کا غلبہ ہو گیا اور گناہوں میں لگ گئے جس پر اہل ایمان ناراض ہوئے، اہل ایمان نے ان سے تین بار جنگ کی اور ہر مرتبہ شکست کھائی جب ان میں سے تھوڑے سے رہ گئے تو کہنے لگے کہ اگر اس طرح مقابلہ کرتے رہے تو یہ لوگ ہمیں فنا کر دیں گے اور دین حق کا دعوت دینے والا کوئی نہ رہے گا۔لہٰذا ہم زمین میں منتشر ہو جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کو بھیج دے کہ جس کی آمد کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا وہ پہاڑوں کے غاروں میں منتشر ہو گئے اور رہبانیت اختیار کر لی پھر ان میں بعض دین حق پر جمے رہے بعض کافر ہو گئے اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا تلاوت فرمائی۔(معالم التنزیل ص ۳۰۱ ج ۴)

علامہ بغویؒ نے اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا، اس میں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے لئے قتال جائز نہیں تھا تو جنگ کیوں کی؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ان پر حملہ کیا گیا ہو، جس کی وجہ سے انہوں نے مجبور ہو کر جوابی کارروائی کی ہو۔(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو احکام تھے ان سے آگے بڑھ کر نصاریٰ نے ایسی چیزیں نکال لی تھیں جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا تھا یہ چیزیں نفس کو مشقت میں ڈالنے والی تھیں، یہ لوگ نکاح نہیں کرتے تھے، کھانے پینے میں اور پہننے میں کمی کرتے تھے، تھوڑا بہت کھاتے تھے، جس سے صرف زندہ رہ جائیں پہاڑوں میں گرجے بنا لیتے تھے وہیں پر زندگیاں گزارتے تھے، ان کے اس عمل کو رہبانیت اور ان کو راہب کہا جاتا تھا۔انہی راہبوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی اور انہی کی نشاندہی سے وہ مدینہ منورہ پہنچے تھے، جس کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے ذیل میں گزر چکا ہے، ان لوگوں نے عوام سے اور ملوک سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کیونکہ اہل دنیا ان کو مجبور کرتے تھے کہ ہماری طرح رہو۔یہ رہبانیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں دیا گیا تھا، انہوں نے خود رہبانیت کو اختیار کر لیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے قال البغوی فی معالم التنزیل ورهبانية ن ابتدعوها من قبل انفسهم ما كتبنا عليهم لابتغاء رضوان الله يعني ولكنهم ابتغوا رضوان الله بتلك الرهبانية (ص ۳۰۰ ج ۴) وفي روح المعاني منصوب بفعل مضمر يفسره الظاهر ای وابتدعوا رهبانية ابتدعوها فهو من باب الاشتغال (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ تقدیری

عبارت یوں ہے و رھبانیۃ ن ابتدعوھا من قبل انفسھم ما کتبنا علیھم لا بتغاء رضوان اللہ یعنی لیکن انہوں نے اس رہبانیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی اور روح المعانی میں ہے کہ رھبانیۃً فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر فعل ظاہر کر رہا ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ وابتدعو ارھبانیۃ ابتدعوھا یہ فعل اشتغال کی قبیل سے ہے۔)

راہب لوگ اپنی رہبانیت پر چلتے رہے پھر ان میں بھی دنیاداری گھس گئی' ان کے نفوس نے انگڑائی لی اور عوام الناس کی طرح یہ لوگ بھی دنیاداری پر اتر آئے' ان لوگوں کو انتظار تھا کہ آخر الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو جائے تو ہم ان پر ایمان لائیں پھر جب آپ کی بعثت ہوگئی اور آپ کو پہچان بھی لیا تو ان پر ضد سوار ہوگئی کہ ہم اپنے ہی دین پر رہیں گے' ان میں سے تھوڑے لوگ ایمان لائے' جن کے بارے میں فرمایا فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ (سو ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا اجر ہم نے ان کو دے دیا) وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ہ (اور ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ دین بھی بدل چکے تھے انجیل شریف بھی گم کر چکے تھے۔ توحید کو چھوڑ کر تثلیث کا عقیدہ بنالیا تھا۔ تین خدا ماننے لگے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی قائل ہو گئے تھے جبکہ اس سے پہلے یہ مانتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر زندہ اٹھالیا' جب آپ کے قتل کے قائل ہوئے تو یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا اس عقیدہ کی بنیاد پر ان کے پادری اتوار کے دن اپنے ماننے والوں کو چرچ میں بلا کر گناہوں کی معافی کرنے لگے' پرانے نصاریٰ کو رومن کیتھولک کہا جاتا ہے' ان میں سے ایک فرقہ علیحدہ ہوا جسے پروٹسٹنٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ منکرات محرمات اور معاصی کے ارتکاب میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے' جس کا انشاء اللہ تذکرہ ہم ابھی کریں گے۔

موجودہ نصاریٰ کی بدحالی اور گناہگاری، دنیا کی حرص اور مخلوق خدا پر ان کے مظالم

نصاریٰ نے اپنے رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع نہ کیا تو ان میں رحمت و شفقت نہ رہی اور نہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے اب یہودیوں کی طرح وہ بھی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں' کافر تو ہیں ہی کفر کے ساتھ ساتھ دوسرے گناہوں میں موجودہ دور کے تمام انسانوں سے بہت آگے ہیں' بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو یہی لوگ گناہ والی زندگی سکھاتے ہیں' ننگے پہناوے' زناکاری' شراب خوری' جوا وغیرہ یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں چونکہ انہوں نے اپنا یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (جس کے وہ جھوٹے مدعی ہیں) ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گیا اس لئے ہر گناہ کر لیتے ہیں' ان کے ملکوں میں نکاح ختم ہوتا جا رہا ہے مردوں اور عورتوں میں دوستی کا رواج ہے۔ بے حیائی کے کام ہو رہے ہیں۔ بے باپ کے بچوں کی کثرت ہے اور بے نکاح کے مرد اور عورت کے ملاپ کو ان کے ملکوں کی پارلیمنٹ نے قانونی طور پر جائز کر رکھا ہے' بلکہ یورپ کے بعض ملکوں نے اپنے ہم جنسوں سے استلذاذ کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جو بات پارلیمنٹ پاس کر دے' پوپ اس کے خلاف ذرا سا بھی لب نہیں ہلا سکتے۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ زنا کو عام کر لینا اور اسے قانونی جواز دے دینا۔ یورپ اور امریکہ کے ممالک کی دیکھا دیکھی ایشیاء اور افریقہ کے ممالک بھی انہی کی راہ پر چلنے لگے ہیں۔ پوری دنیا کو گناہگاری کی زندگی سکھانے کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے نام سے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں' حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام اس دین سے بری ہیں جو مسیحیت کے دعویداروں نے اپنا رکھا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی' پاک دامن رہنے کا فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے' ان پر ایمان لانا' وہ نبی تشریف لے آئے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' مسیحی ان پر ایمان نہیں لاتے یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فرمان کی صریح خلاف ورزی کررہے ہیں اور عیسائیوں نے دنیا بھر میں مشنریوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور مسلمانوں کو اپنے بنائے ہوئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی کی انجیل)

بہت سی تحریفات وتغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارت موجود ہیں۔ باب نمبر ۱۴ میں ہے کہ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔

پھر چند سطر کے بعد ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی پیشین گوئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ ''اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لوگے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں' بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ. کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں سورۂ نساء میں مذکور ہے۔

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ۔ دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔

اے نصرانیو! حضرت مسیح علیہ السلام نے جو فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں تم ان کے سوا کسی کے پاس نہ جانا' دنیا بھر میں مشنریاں قائم کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرو اور دین اسلام قبول کرو۔ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کا اور محمد ﷺ کی حدیثوں میں ان کے دوبارہ تشریف لانے کا اور طبعی موت سے وفات پانے کا ذکر ہے۔ موجودہ انجیل کی عبارتوں سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسیحیوں پر لازم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتیں مانیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اپنے بنائے ہوئے دین پر جمے نہ رہیں اور مسلمانوں کو اپنے کفریہ دین کی دعوت نہ دیں۔ تعصب میں آ کر اپنی آخرت برباد نہ کریں۔

یہود ونصاریٰ کا حق سے انحراف اور اسلام کے خلاف متحدہ محاذ: .... یہود و نصاریٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچان لیا لیکن بہت کم ایمان لائے۔ یہودی مدینہ منورہ ہی میں رہتے تھے بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اسی لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ یہاں آخر الانبیاء ﷺ تشریف لائیں گے ہم ان پر ایمان لائیں گے لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کو پہچان لینے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. چند ہی یہودیوں نے اسلام قبول کیا' جن میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے فرمایا عرفت ان وجهه ليس بوجه كذاب کہ میں نے آپ کا چہرہ انور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۸)

نصاریٰ کو آنحضرت ﷺ کی بعثت کا علم ہے حبشہ کا نصرانی بادشاہ نجاشی اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن عام طور پر نصاریٰ بھی اسلام سے منحرف رہے اور آج تک منحرف ہیں۔ ہندوستان کے مشرکوں نے لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کیا لیکن نصاریٰ ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں' اکا دکا افراد مسلمان ہوتے رہتے ہیں لیکن عموماً انکار پر ہی تلے ہوئے ہیں' اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں' جہاں کہیں مسلمان غریب ہوں وہاں مال تقسیم کر کے مانوس کرتے ہیں اور اسکول ہسپتال کھول کر مشنریاں قائم کر کے کفر کی دعوت دیتے ہیں (جس دین کی دعوت مال کا لالچ دے کر ہو اس کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے) سورۃ آل عمران کی

آیت فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ ۢبَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ کی تفسیر میں نصاریٰ نجران کا واقعہ گزر چکا ہے وہ لوگ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے مباہلہ کی گفتگو ہوئی ان کا جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا کہ واقعی محمد ﷺ نبی مرسل ہیں' اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو تمہارا ناس ہو جائے گا اگر تمہیں اپنا دین چھوڑنا نہیں ہے تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس چلو۔ یہ لوگ مباہلہ پر راضی نہ ہوئے اور اپنے دین پر قائم رہے' یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں' ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے' حضرات علماء کرام نے بارہا مناظروں میں ان کو شکست دی' ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی' بارہا ان کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین ثابت کر دیا لیکن وہ دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں' جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی' اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دین کو غلط جانتے ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آپس میں گٹھ جوڑ ہے اور اسلام کے مٹانے کے لئے دونوں نے اتحاد کر رکھا ہے لیکن پھونکوں سے چراغ نہیں بجھایا جا سکتا وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (اور جنہوں نے عیسیٰ بن مریم کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحمت رکھ دی) جن لوگوں نے اتباع کیا تھا' ان میں رحمت و شفقت تھی' اب تو ان سے جھوٹی نسبت رکھنے والوں نے کئی سو سال سے پورے عالم کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے ملک گیری کے حرص نے ان سے ایشیائی ممالک پر حملے کرائے' ملکوں پر قبضے کئے' ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے لوگوں کو کس طرح ظلم کا نشانہ بنایا؟ تاریخ دان جانتے ہیں اور ہیروشیما پر جنہوں نے بم پھینکا تھا کیا یہ وہی لوگ نہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں؟ تاریخ دان جانتے ہیں اور اسلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ رسول بھیجے گا جس کا نام احمد ہوگا کچھ عرصے تک ان کی آمد کے انتظار میں رہے جب وہ تشریف لے آئے تو ان کی رسالت کا انکار کر دیا۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ط نصاریٰ اپنی کتاب کھو بیٹھے اس میں تحریف کر دی اور بالکل ہی گم کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع بھی نہ کیا ہدایت سے بھی رہ گئے اور رحمت اور شفقت بھی دلوں سے نکل گئی' اب تو تین خداؤں کا عقیدہ ہے اور کفار کا سہارا ہے اور ہر گناہ میں لت پت ہیں' نہ ان میں رہبان ہیں نہ قسیسین ہیں جو ان کے مذہب کے بڑے ہیں وہ بھی ان کی حکومتوں اور سیاستدانوں کا موڈ دیکھتے ہیں' کوئی حق کلمہ نہیں کہہ سکتے اور گناہوں پر نکیر نہیں کر سکتے' سیدھے لفظوں میں یہ لوگ بھی اپنی حکومتوں کے آلۂ کار ہیں۔

فائدہ: .... رہبانیت کا اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو حکم نہیں دیا تھا لیکن انہوں نے یہ سمجھ کر کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اپنے طور پر اختیار کر لی تھی' پھر اس کو نباہ بھی نہ سکے' رہبانیت کو بھی چھوڑ بیٹھے اور جو شریعت انہیں دی گئی تھی' اس کی بھی پاسداری نہ کی بلکہ اسے بدل دیا' اعمال صحیحہ صالحہ پر تو کیا قائم رہتے توحید کے قائل نہ رہے تین خدا مان لئے' پھر ان میں سے ایک خدا کے مقتول ہونے کا عقیدہ بنا لیا اور یہ سمجھ لیا کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

یہ رہبانیت نہ ان کے لئے مشروع تھی' نہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لئے مشروع ہے۔ شریعت محمدیہ میں آسانی رکھی گئی ہے تنگی نہیں ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اور تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور سختی کا ارادہ نہیں فرماتا)۔

اور سورۃ الاعراف میں فرمایا:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ، (رسول نبی امی ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر جو بوجھ طوق تھے ان کو دور کرتا ہے)۔

سورہ المائدہ میں فرمایا: مَایُرِیْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ. (اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے)۔

اور سورۃ الحج میں فرمایا :هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (اللہ نے تمہیں چن لیا اور تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی)

ان آیات میں اس بات کی تصریح ہے کہ امت محمد یہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایسے احکام مشروع نہیں کئے گئے جن میں تنگی ہو نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت یا فضیلت نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں خصی ہونے یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دیجئے؟ آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے بلاشبہ میری امت کا خصی ہونا (یعنی بیوی نہ ہونے کی صورت میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھا کریں اس کے بعد عرض کیا کہ ہمیں سیاحت (یعنی سیر وسفر) کی اجازت دیجئے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک میری امت کی سیاحت جہاد ہے اس کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ! رہبانیت کی اجازت دیجئے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھے رہا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۶۹)

معلوم ہوا کہ اس امت کو نصاریٰ والی رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت نہیں قدرت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنا معاش کا انتظام نہ کرنا مخلوق پر نظر رکھنا مانگ کر کھانا سردی گرمی سے بچنے کا انتظام نہ کرنا بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ کرنا ان چیزوں کی شریعت محمد یہ میں اجازت نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزاریں، حرام مال نہ کمائیں شریعت کے مطابق لباس پہنیں اسراف (فضول خرچی) اور ریا کاری خودنمائی نہ ہو کھانے پینے میں حلال وحرام کا خیال ہو، کسی کا حق نہ دبائیں، کسی طرح کی خیانت نہ کریں اگر کوئی شخص شریعت کے مطابق اچھا لباس پہن لے تو اس کی گنجائش ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

کلو او اشربو او تصدقوا مالم یخالط اسراف ولا مخیلة. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۷)

یعنی کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) اور شیخی بگھارنا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص سادگی اختیار کرے، معمولی لباس پہنے تو یہ بھی درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سادگی پسند تھی عموماً آپ کا یہی عمل تھا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے قدرت ہوتے ہوئے خوبصورتی کا کپڑا تواضع کی وجہ سے پہننا چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اسے کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور جس نے اللہ کے لئے نکاح کیا اللہ تعالیٰ اسے شاہانہ تاج پہنائے گا (مشکوٰۃ ص ۳۷۷)

واضح رہے کہ سادہ کپڑے لوگوں سے سوال کرنے کیلئے یا بزرگی اور درویشی کا رنگ جمانے کے لئے نہ ہوں اور اس کو طلب دنیا کا ذریعہ بنانا مقصود نہ ہو۔ مؤمن بندہ فرض اور نفل نمازیں پڑھے فرض اور نفل روزے رکھے راتوں کو کھڑے ہو کر نفلی نمازیں پڑھے۔ یہ چیزیں رہبانیت میں نہیں آتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی سختی فرمائے گا ایک جماعت نے اپنی جانوں پر سختی کی اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرمادی۔ یہ انھیں لوگوں کے بقایا ہیں جو

گرجوں میں موجود ہیں۔

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (رواہ ابو داؤد ص ۳۱۶ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اندرون خانہ عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ جب ان کو آپ کی عبادت کے بارے میں باخبر کردیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا (ان کے دلوں میں یہ بات آئی کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں آپ کا تو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب معاف کردیا یہ تھوڑی عبادت آپ کے لئے کافی ہوسکتی ہے ہمیں تو بہت زیادہ ہی عبادت کرنی چاہئے) پھر ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا' دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا' بے روزہ نہ رہوں گا' تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں لیکن میں (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں بے روزہ بھی رہتا ہوں' رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ سو جو شخص میری سنت سے ہٹے وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷۵۸ ج ۲)

یاد رہے کہ شریعت کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے والے اس پر عمل کرسکتے ہیں' یہ مطلب نہیں ہیں کہ نفس کی خواہش کے مطابق جو چاہو کرلو۔ اگر ایسا ہوتا تو شریعت میں حلال وحرام کی تفصیلات ہی نہ ہوتیں' نہ نماز فرض ہوتی' نہ گرمی کے زمانوں میں رمضان کے روزے رکھنے کا حکم ہوتا' نہ جہاد کا حکم ہوتا نہ حج کا۔ خوب سمجھ لیں شریعت اسلامیہ کے آسان ہونے کا مطلب جو ملحدین نے نکالا ہے کہ جو چاہو کرلو یہ ان کی گمراہی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کی ایک جماعت میں نکلے وہاں راستہ میں ایک غار پر گزر ہوا وہاں پانی تھا اور سبزی تھی ایک شخص کے دل میں یہ بات آئی کہ وہیں ٹھہر جائے اور دنیا سے علیحدہ ہو کر زندگی گزارے۔ اس نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت چاہی' آپ نے فرمایا کہ بے شک میں یہودیت اور نصرانیت لے کر نہیں بھیجا گیا لیکن میں ایسی شریعت لے کر بھیجا گیا ہوں' جو بالکل سیدھی ہے' آسان ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے ایک صبح ایک شام کو اللہ کی راہ میں چلا جانا' دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے افضل ہے اور جہاد کی صف میں تمہارا کھڑا ہو جانا ساٹھ سال کی نماز سے افضل ہے (رواہ احمد وکمافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۴)

دیکھو اپنی شریعت کو آسان بھی بتایا اور ساتھ ہی جہاد کے صف میں کھڑا ہونے کی فضیلت بیان فرمادی۔ شریعت اسلامیہ میں اعتدال ہے نہ دنیا داری ہے، نہ ترک دنیا ہے۔ شریعت کے مطابق حلال چیز سے استفادہ کرنا حلال ہے۔ خبائث اور انجاس سے پرہیز کریں تواضع مامور بہ ہے، سادگی مرغوب ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ

اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت فرمائے گا

نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ

کہ تم اس کو لئے ہوئے چلے پھرو گے اور وہ تم کو بخش دے گا' اور اللہ غفور رحیم ہے' تا کہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے

عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ ع

کسی جزو پر بھی دسترس نہیں، اور یہ کہ اللہ کے ہاتھ میں فضل ہے، وہ اسے جس کو چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ایمان لانے والے نصاریٰ سے دوحصہ اجر کا وعدہ، اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل پر کوئی دسترس نہیں رکھتے

مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھنے والوں سے متعلق ہے ان سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم اللہ سے ڈرو (کفر پر جمے نہ رہو) اللہ پر اور اس کے رسول یعنی محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ یہ تمہارا ایمان لانا تمہارے لئے بہت بڑی خیر کا ذریعہ ہوگا اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دوحصے دے گا۔

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا خبردار میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تم نہیں جانتے جو اللہ نے مجھے آج بتائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو اس حال میں پیدا فرمایا کہ وہ سب صحیح دین پر تھے، ان کے پاس شیاطین آ گئے سو ان کو اُن کے دین سے ہٹا دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں وہ ان پر حرام کر دیں اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں نازل کی، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو ان سب کو عربی ہوں یا عجمی مبغوض قرار دیدیا سوائے چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی تھے۔ (الحدیث صحیح مسلم ص ۳۸۵ ج ۲)

یہ لوگ جو بقایا اہل کتاب میں سے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کی شریعت پر چلتے تھے تغیر اور تبدل سے دور تھے ان لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول یعنی آخر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جن کی بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ ایک اجر عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ان کے دین پر قائم رہنے کا، دوسرا اجر خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ جن نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے آپ تشریف لے آئے تو تصدیق پر قائم رہے اور علی الاعلان بھی تصدیق کر دی۔ سورۃ القصص میں فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ○ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ ۔

(جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر یعنی قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم پہلے ہی سے اسے مانتے تھے (یعنی آخری نبی پر کتاب نازل ہوگی ہم اس کی تصدیق کرتے تھے) یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا اور وہ لوگ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

سورۃ القصص کی آیت شریفہ سے مؤمنین اہل کتاب کو دہرا اجر عطا فرمانے کی خوشخبری دی ہے صحیح بخاری ص ۵ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا جو خط لکھا تھا اس میں یہ بھی تھا اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ (تو اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو وہ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور دوسرا وہ غلام جو کسی کا مملوک ہو اس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا بھی اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی تھی (بحق ملکیت) اس سے صحبت کرتا تھا اس نے اس کو ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا سو اس شخص کے لئے بھی دو اجر ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۰)

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب نہیں تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کو مستلزم ہے ان میں اور اہل کتاب مؤمنین میں کیا فرق رہا جس کی وجہ سے اہل کتاب کو دوہرا ثواب دیا گیا؟ ظاہر ہے کہ تمام مؤمنین تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے ان کو جو دوہرا اجر ملے گا' اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس دہرے کا اکہرا کیا ہوگا۔ دوہرا اسے کہتے ہیں جو اکہرے کا دوگنا ہو' ضروری نہیں کہ ہر دوگنا دوسرے ہرا کہرے سے زیادہ ہو' دیکھو دس کا دوگنا بیس ہے جو اکہرے چالیس سے کم ہے۔ پھر آیت اور حدیث میں ضِعْفَيْنِ کا لفظ نہیں ہے۔ مرتین کا لفظ ہے یعنی دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ یہ دو مرتبہ کتنا کتنا ہوگا اس کی تصریح نہیں ہے۔ یہاں سورۃ الحدید میں لفظ کفلین من رحمتہ فرمایا ہے کفلین کی مقدار کیا ہے اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت میں بھی اجران فرمایا اس میں بھی ضعفین نہیں ہے۔ نیز جو اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے اور اس پر جمے رہے (جبکہ بہت سی مشکلات کا سامنا رہا اور تکلیفیں اٹھائیں (جن کو سورۃ القصص میں بِمَا صَبَرُوْا سے تعبیر فرمایا ہے) پھر آخر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کا اجر بڑھ گیا تو کیا اشکال ہے قربانیوں اور مشقتوں کی وجہ سے فضیلت بڑھ جاتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایمان پر جمتے ہوئے مار پیٹ برداشت کی' کیا ان کے ایمان کا ثواب ان لوگوں کے ایمان کے برابر ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ تکلیفیں نہیں اٹھائیں' ہاں کسی کے ایمان کا ثواب کسی دوسری وجہ سے بڑھ جائے تو وہ اور بات ہے۔ ھذا ما سنح لی' والعلم عند اللّٰہ الکریم الّذی بیدہ الفضل یؤتیہ من یشاء.

اہل کتاب کے ایمان لانے پر ایک تو دو حصے ثواب ملنے کا وعدہ فرمایا ہے جسے يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ میں بیان فرمایا ہے اور دوسرا وعدہ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ میں فرمایا (اور اللہ تمہارے لئے ایسا نور عنایت فرمائے گا جسے لئے ہوئے تم چلتے پھرتے رہو گے) یعنی تمہارے دلوں میں ایسی روشنی ہوگی جو ہر وقت ساتھ رہے گی (جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایمانیات پر علی وجہ البصیرت جمے رہو گے اور شرح صدر کے ساتھ اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہو گے)

قال البغوی فی معالم التنزیل ناقلاً عن ابن عباس ان نورہ ھو القرآن ثم ذکر عن مجاھد ھو الھدی والبیان ای یجعل لکم سبیلا واضحافی الذین تأتون بہ (علامہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ پھر حضرت مجاہدؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد ہدایت اور بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے لئے واضح راستہ متعین کر دیا ہے جس پر تم عمل کرتے ہو)

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور اللہ تمہاری مغفرت فرمادے گا۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتَابِ (الی اٰخر السورۃ) اس سے پہلے فَعَلَ یا اَعْلَمَ مقدر ہے اور لا زائدہ ہے ان مخففہ من المثقلہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا فرمائیں تاکہ قیامت کے دن اہل کتاب پر اپنے بارے میں یہ واضح ہو جائے کہ ان کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں ہے، اور تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسے جس کو چاہے دیدے (بیان القرآن میں اس جگہ پر سوال و جواب دیکھ لیا جائے)۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے انہوں نے کہا کہ چلو جو اہل کتاب تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں ان کے لئے دہرا اجر ہے اور اہل کتاب کے علاوہ جو شخص ایمان لائے اس کے لئے اکہرا اجر ہے لہٰذا ہم تم برابر ہوئے، تمہارے لئے بھی ایک اجر ہے اور ہمارے لئے بھی ایک اجر ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ نازل فرمائی۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتَابِ میں یہ بتا دیا کہ خود اپنے طور پر باتیں بنانے سے اور اپنے لئے ایک اجر کا دعویٰ کرنے سے آخرت میں کامیابی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جس پر فضل فرمائے گا وہی فضل سے نوازا جائے گا اور اس نے وہاں پر فضل فرمانا اہل اسلام ہی کیلئے مخصوص رکھا ہے (لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمیں بھی ایک اجر ملے گا باطل ہے) آیت کے ختم پر جو لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتَابِ فرمایا ہے اس میں یہود و نصاریٰ دونوں قوموں کو متنبہ فرما دیا (گو پہلے سے نصاریٰ کا ذکر تھا) کہ خود سے اپنی نجات کا عقیدہ رکھنا اور یوں سمجھنا کہ ہم ہی یا ہم بھی جنت میں جائیں گے غلط ہے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق جس کو نوازے گا وہی جنت میں جائے گا، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی خوب سمجھ لیا جائے۔ وَاللّٰہُ ذُوا الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

تم تفسیر سورۃ الحدید، والحمد للہ العلی الحمید والصلاۃ والسلام علی خیر العبید، وعلی الہ وصحبہ الذین اختصوا بالاجر الجزیل والثواب المزید
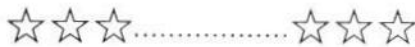
☆☆☆..................☆☆☆

(پارہ نمبر ۲۸)

مدنی	سورۂ مجادلہ	۲۲ آیتیں ۳ رکوع

ایاتها ۲۲ (۵۸) سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵) رکوعاتها ۳

سورۂ مجادلہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بائیس آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی' اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی' اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ

گفتگو سن رہا تھا' بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے' تم میں جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' وہ ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو بس

إِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۖ وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ وَالَّذِيْنَ

وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے' اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں' اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی

يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ۖ ذٰلِكُمْ

بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو انکے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے' قبل اسکے کہ دونوں باہم ایک دوسرے کو چھوئیں اس کی تم

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ

کو نصیحت کی جاتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے' پھر جس کو میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں قبل اسکے کہ دونوں باہم ایک دوسرے

أَنْ يَّتَمَآسَّا ۖ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۖ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۖ وَتِلْكَ

کو چھوئیں۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اسکے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ اس لئے ہے تا کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ' اور یہ اللہ کی

حُدُوْدُ اللّٰهِ ۖ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ④

حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ظِہار کی مذمت اور اس کے احکام ومسائل

ان آیات میں ایک صحابی خاتون رضی اللہ عنہا کے ایک واقعہ کا اور شوہر و بیوی سے متعلق ایک مسئلہ کا ذکر ہے، جس عورت کا یہ واقعہ ہے اس کے بارے میں چونکہ اَلَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا فرمایا ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ المجادلۃ معروف اور مشہور ہو گیا۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں لفظ طلاق کے علاوہ عورت کو اپنے اوپر حرام کرنے کے دوطریقے اور بھی تھے ایک ایلاء اور ایک ظہار ایلاء اس بات کو کہتے تھے کہ شوہر بیوی کو خطاب کر کے قسم کھالیتا تھا کہ میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اس کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ یوں کہہ دیتے تھے اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے یعنی حرام ہے) اس کو ظِہار کہا جاتا تھا چونکہ اس میں لفظ ظہر آتا تھا جو پشت کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام ظہار معروف ہو گیا' حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بھی اس کو ظِہار ہی کے عنوان اور نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

آیاتِ ظِہار کا شانِ نزول:............ اب آیت کا سببِ نزول معلوم کیجئے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت کون تھی' جس کا واقعہ یہاں ذکر فرمایا ہے' قصہ یہ ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ حضرت اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں' ایک دن ان کے شوہر نے اپنا مخصوص کام کرنے کا ارادہ کیا' حضرت خولہؓ نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان کے شوہر کو تکلیف تھی اور شوہر کی خیر خواہی پیش نظر تھی' جیسے ہی بیوی نے انکار کیا شوہر نے یوں کہہ دیا کہ انت علیّ كَظَهْرِ امی کہہ تو دیا لیکن بعد میں پچھتائے اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ اب تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔

یہ سن کر حضرت خولہؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے' اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے شوہر نے مجھ سے نکاح کیا تھا' اس وقت میں جوان تھی' مالدار تھی' میرے شوہر نے میرا مال بھی کھا لیا اور میری جوانی بھی فنا کر دی' اب جبکہ میرے خاندان والے منتشر ہو گئے اور میری عمر بھی بڑی ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظِہار کر لیا اب اسے اس پر ندامت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ میں اور وہ مل کر رہتے رہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی ہے حضرت خولہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں بولا اس سے میری اولاد بھی ہے اور وہ مجھے سب سے محبوب بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی' حضرت خولہؓ نے کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں میں اپنے شوہر کے ساتھ عرصہ دراز تک رہی ہوں' آپؐ نے پھر وہی فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی ہے اور تیرے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا' وہ اسی طرح اپنی بات کرتی رہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی طرح جواب دیتے رہے' آخر میں اس نے کہا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھ لوں تو بھوک سے مر جائیں گے' یہ کہا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہنے لگیں کہ اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں اپنی تکلیف پیش کرتی ہوں آپ اپنے نبی پر ایسا حکم نازل فرمائیے جس سے میری پریشانی دور ہو جائے یہ زمانہ اسلام میں ظِہار کا پہلا واقعہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خولہؓ سے کہا کہ تو اپنی بات بس کر دے دیکھتی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر کیا آثار ہو رہے ہیں (اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی تھی) آپ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہلکی سی نیند میں ہوں' جب وحی ختم ہو گئی تو آپؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کو بلا کر لا' جب وہ آ گئے تو آپؐ نے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ سے آیات پڑھ کر سنائیں جن میں ظِہار اور کفارۂ ظِہار کا حکم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ جو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ جو عورت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی' میں اس کی بعض باتیں اسی گھر میں ہوتے ہوئے نہ سن پائی جہاں بات ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی بات سن لی اور آیت کریمہ نازل فرمادی۔

اب پہلی آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھئے: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑ رہی ہے' اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا' اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے' سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

چونکہ حضرت خولہؓ کے شوہر نے ظہار کر لیا تھا اور ان کے شوہر یوں سمجھ رہے تھے کہ طلاق ہوگئی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ طلاق نہیں ہوئی اور اسی بات کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں' اس لئے اولاً ظہار کی شرعی حیثیت بتائی پھر اس کا کفارہ بیان فرمایا ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں (یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے) ایسا کہہ دینے سے وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں' نہ وہ پہلے ان کی مائیں تھیں اور نہ اب ان پر ماؤں کا حکم نافذ ہوگا (جس کی وجہ سے آئندہ کے لئے حرمت آجائے)

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے مائیں ہونے کے اعتبار سے حرمت مؤبدہ کا تعلق انہیں سے ہے۔

ظہار کی مذمت: .... وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا. رہی یہ بات کہ شوہر اگر اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ تو میرے لئے ماں کی طرح ہے تو ان کا یہ کہنا بری بات ہے اور جھوٹی بات ہے' اس بات کے کہنے سے حرمت دائمی کا حکم نہیں دیا جائے گا' لیکن گناہ ضرور ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قانون کو بدلنا لازم آتا ہے' جب اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لئے حلال کر دیا تو اب وہ کیسے کہتا ہے کہ یہ مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے' بخشنے والا ہے) گناہ کی تلافی کر لی جائے اور ظہار کا جو کفارہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے' اس کی ادائیگی کر دی جائے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمادے گا۔

کفارۂ ظہار: اس کے بعد ظہار کا کفارہ بیان فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (الی قولہ تعالیٰ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا) اس میں علی الترتیب تین چیز ذکر فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ جو بات کہی ہے اس کی تلافی کریں سو جس کسی نے بھی ایسا کیا ہو وہ ایک غلام آزاد کرے اور غلام آزاد کرنے سے پہلے میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو نہ چھوئیں' یہ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کا ترجمہ ہے) یہ لفظ فرما کر یہ بتادیا کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے نہ جماع کریں نہ دواعی جماع یعنی بوس و کنار اور مس و تقبیل کے ذریعہ استمتاع اور استلذاذ کریں ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ (یہ وہ چیز ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے) یعنی یہ کفارہ گناہ معاف کرانے کا ذریعہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے الفاظ بولنے سے روکنے والا بھی ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) اگر کسی نے حکم کی خلاف ورزی کی کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کا ارتکاب کر لیا تو اس کی سزا مل سکتی ہے۔

پھر فرمایا فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا.

(سو جو شخص غلام نہ پائے تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے' اس سے پہلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو چھوئیں یہ کفارہ

ظہار کا حکم نمبر ۲ ہے اور علی سبیل التنزیل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی غلام کو آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو (مال ہی نہ ہو یا غلام ہی نہ ملتے ہوں جیسا کہ آج کل شرعی جہاد نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان غلاموں اور باندیوں سے محروم ہیں) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے جب تک بلا ناغہ پورے دو ماہ کے روزے نہ رکھ لے دونوں میاں بیوی الگ رہیں۔

پھر فرمایا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.

(سو جسے مذکورہ روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یعنی اس کے سب احکام کی تصدیق کرو اور ایمان پر جمے رہو)' (اور یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے مطابق عمل کرو حد سے آگے مت بڑھو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے) جو اللہ کے احکام کی تصدیق نہیں کرتے۔

مسائلِ ضروریہ متعلقہ بظہار

مسئلہ:............اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے پیٹ یا ران یا شرمگاہ سے تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ:............اگر اپنی بہن یا پھوپھی یا رضاعی والدہ کے مذکورہ بالا اعضا پشت' پیٹ' ران' شرمگاہ سے تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ:............اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں کی طرح سے ہو (کسی عضو سے تشبیہ نہیں دی) تو اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری نیت کیا تھا اگر یوں کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو طلاق بائن مانی جائے گی اور اگر یوں کہے کہ میری نیت ظہار کی تھی تو ظہار کا حکم نافذ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری کچھ بھی نیت نہ تھی یا یوں کہا کہ میرا یہ مطلب تھا کہ جیسے میری والدہ محترمہ ہیں اسی طرح تم بھی قابل احترام ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ:............غلام آزاد کرنے میں غلام کا مرد اور بالغ ہونا ضروری نہیں' مرد ہو یا عورت' مسلمان ہو یا کافر مرد، بالغ ہو یا نابالغ ہر ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا مگر اندھا اور دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے نہ ہوں۔

مسئلہ:............جب دو مہینے کے روزے رکھے تو اس میں رمضان کے روزے حساب میں نہیں لگ سکتے کیونکہ وہ پہلے سے فرض ہیں' نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی روزہ ان دنوں میں نہ ہو جن میں شرعاً روزہ رکھنا منع ہے۔

مسئلہ:............اگر کسی نے کفارہ ظہار کے روزے رکھنے کے درمیان رات کو جماع کر لیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا (اور دن کو جماع کرنے سے تو روزہ ہی ٹوٹ جائے گا جس سے لگاتار والی شرط کا فوت ہو جانا ظاہر ہے اور چونکہ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کا عموم رات کے جماع کرنے کو بھی شامل ہے' اس لئے جماع کرنے سے بھی لگاتار والی شرط کی مخالفت ہو جائے گی)۔

مسئلہ:............اگر ظہار کرنے کے بعد عورت کو طلاق دیدی یا مر گئی تو کفارہ ساقط ہو جائے گا لیکن توبہ کرنا لازم ہے۔

قال صاحب روح المعانی :والموصول مبتدأ' وقوله تعالى(فتحرير رقبة) مبتدأ اخر خبره مقدر اى فعليهم تحرير رقبة' اوفاعل فعل مقدر أى فيلزمهم تحرير' اوخبر مبتدأ مقدر أى فالواجب عليهم(تحرير) وعلى التقادير الثلاثة الجملة خبر الموصول ودخلته الفاء لتضمن المبتدأ معنى الشرط وما موصلة اومصدرية' واللام متعلقة(يعودون) وهويتعدى بها كما يتعدى بالى وبفى. فلا حاجة الى تأويله بأحدهما كما فعل البعض' والعودلما قالواعلى المشهور عندالحنفية العزم على الوطء كأنه حمل العودعلى

التدارک مجازاً لان التدارک من اسباب العود الی الشیء والذین یقولون ذلک القول المنکر ثم یتدارکونه بنقضه وهو العزم علی الوطء فالواجب علیهم اعتاق رقبة. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ موصول مبتدأ ہے اور فتحریر رقبة دوسرا مبتداء ہے۔ جس کی خبر مقدر ہے یعنی فعلیهم تحریر رقبة یا یہ فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی ان پر تحریر لازم ہے (فعلیهم تحریر) یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یعنی فالواجب علیهم (تحریر) اور ما موصولہ ہے یا مصدر یہ ہے اور لازم یعودون کے متعلق ہے اور یعودون فعل لام کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے جیسا کہ الی اور فی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی الی یا فی کے ساتھ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ بعض نے کیا ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں مشہور قول کی بناء پر العود سے مراد یہاں وطی کا ارادہ ہے گویا کہ مجازاً العود سے مراد تدارک لیا گیا ہے کیونکہ تدارک کسی شئ کی طرف لوٹنے کا سبب ہے، اور جو لوگ یہ منکر بات کہتے ہیں پھر اسے توڑ کر اس کا تدارک کرتے ہیں یعنی وطی کا عزم کرتے ہیں تو ان پر گردن کا آزاد کرنا واجب ہے)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جیسے وہ لوگ ذلیل ہوئے جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں

وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝۵ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ

اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو بتلا دے گا' اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ہے

وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝۶

اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

ع ۱ / ۶

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے ذلیل ہوں گے

ان آیات میں کافروں کو دنیا میں ذلیل ہونا اور آخرت میں ذلت کے عذاب میں مبتلا ہونا بیان فرمایا ہے' ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں (جیسے کفار مکہ تھے) وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہو چکے ہیں' چنانچہ غزوات میں کفارِ مکہ اور ان کے ساتھی ذلیل ہوئے ان کے ذلیل ہونے کا سبب بھی بتا دیا وَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (اور ہم نے کھلی کھلی واضح آیات اتاریں) انہوں نے انہیں تسلیم نہ کیا لہٰذا مستحق سزا ہوئے' دنیا میں تو انہوں نے ذلت کا منہ دیکھ ہی لیا آخرت میں بھی ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

قیامت کے دن سب اٹھائے جائیں گے: .... یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا (الآیة) اس آیت میں سب کو تنبیہ فرما دی کہ دنیا میں جو کچھ عمل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ سب سامنے آ جائیں گے اللہ تعالیٰ شانہٗ انہیں ان اعمال کی خبر دے گا یعنی یہ بتا دے گا کہ تم نے ایسے ایسے اور یہ یہ اعمال کئے تھے یہ لوگ دنیا میں عمل کر کے بھول گئے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے اعمال کو محفوظ رکھا' اتنی بڑی زندگی کے اعمال واقوال بندوں کو یاد نہیں رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس وہ سب محفوظ ہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھے جو کچھ کیا گزر گیا' ہمیں تو یاد نہیں کہ کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ جزا و سزا ملنے کے لئے عمل کرنے والے کو یاد رہنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جزا و سزا دے گا اس کے علم میں سب کچھ ہے وہ بھولنے والا بھی نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے)

لہٰذا وہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو ظاہر فرما دے گا اور جزا و سزا کے فیصلے بھی فرمائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' جو بھی خفیہ مشورہ تین آدمیوں کا ہوتا ہے وہ ضرور چوتھا ہوتا ہے

وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

اور جو پانچ آدمیوں کا مشورہ ہوتو وہ انکا چھٹا ہوتا ہے' اور اس سے کم افراد ہوں یا زیادہ وہ انکے ساتھ ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں پھر وہ انہیں قیامت کے دن ان

بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷

کے اعمال سے باخبر کردے گا' بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے ہر خفیہ مشورہ کو جانتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو بیان فرمایا ہے' ارشاد فرمایا ہے کیا آپ نے نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کو اور آپ کے واسطے سے تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تین آدمی موجود ہوں جو کوئی خفیہ مشورہ کر رہے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے یعنی اسے ان کی باتوں کا علم ہوتا ہے اور جہاں کہیں پانچ آدمی موجود ہوں تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اس سے کم افراد ہوں یا زیادہ ہوں' بہر حال وہ اپنے علم کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے۔ جو شخص تنہا یا چھوٹی بڑی جماعت کے ساتھ جہاں کہیں بھی ہو وہ یوں نہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو میرا حال معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے سب کے ساتھ ہے سب کو جانتا ہے' دنیا والے جو بھی عمل کرتے ہیں' اس کا اسے سب علم ہے' قیامت کے دن ہر ایک کو سب کے عمل سے باخبر فرما دے گا' وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی سے منع کیا گیا پھر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا' اور وہ گناہ کی اور زیادتی کی اور رسولؐ کی نافرمانی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا

کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے لفظ سے آپکو سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپکو سلام نہیں فرمایا اور وہ اپنے نفسوں میں یوں کہتے ہیں کہ ہمارے اس

يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ

کہنے پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے ان کے لئے جہنم' وہ اس میں داخل ہوں گے' سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو

فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا

تو گناہ کی اور زیادتی کی اور رسولؐ کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو' اور نیکی اور تقویٰ کی سرگوشیاں کرو' اور اللہ سے ڈرو جس کی

اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ

طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے' بات یہی ہے کہ سرگوشی شیطان کی طرف سے ہے' تاکہ وہ ایمان والوں کو رنجیدہ کرے اور وہ بغیر اللہ کے حکم کے

بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

نہیں کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا۔ اور مؤمن بندے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

منافقین کی شرارت، سرگوشی اور یہود کی بیہودہ باتیں

یہودی مکار تو تھے ہی طرح طرح کی شرارتیں بھی کرتے تھے اور خفیہ مشورے بھی کرتے رہتے تھے لفظ نــجوی خفیہ بات چیت کے لئے بولا جاتا ہے لفظ مناجاۃ بھی اسی سے لیا گیا ہے، مؤمن بندے آہستہ آہستہ (جسے اللہ تعالیٰ ہی سنے کوئی دوسرا نہ سنے) اپنے خالق و مالک جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر ظاہر اور خفیہ بات کو سنتا ہے اسی لئے خفیہ دعا کو مناجاۃ کہا جاتا ہے۔

یہودی اور منافقین اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تو تھے ہی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے بری بری حرکتیں کرتے تھے ان کی ان حرکتوں میں یہ بات بھی تھی کہ راستوں میں کسی جگہ بیٹھ جاتے تھے جب کوئی مسلمان وہاں سے گزرتا تو گہری نظروں سے اس کو دیکھتے تھے اور آنکھوں سے اشارہ بازی کرتے تھے اور چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے تھے، منافقین بھی ان کے شریک حال تھے، مسلمانوں کو ان کی حرکتوں سے تکلیف ہوتی تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس بات کو پیش کر دیا اور ان لوگوں کی شکایت کی، آپ نے ان لوگوں کو منع کر دیا کہ سرگوشی اور خفیہ بات چیت نہ کریں، اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے ہدایت پر عمل نہ کیا ممانعت کے باوجود اپنی حرکتیں کرتے رہے اس پر آیت کریمہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى (الآیۃ) نازل ہوئی، جس میں ان کی اس حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ گناہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں۔

یہودیوں کی شرارت: ۔ یہودیوں کا یہ بھی طریقہ تھا جب حاضر خدمت ہوتے تھے تو السلام علیک؟ کے بجائے السام علیک کہتے تھے زبان دبا کر لام کو کھا جاتے تھے، سام عربی میں موت کو کہتے ہیں موت کی بددعا کرتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم نے سلام کیا، ان کی اس حرکت کو بیان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ.

(اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ میں تحیہ کرتے ہیں یعنی سلام کی ظاہری صورت اختیار کرتے ہیں۔ جن الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا۔

ایک مرتبہ چند یہودی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبان دبا کر وہی السام علیک کہہ دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس فرما لیا اور آڑے ہاتھوں لیا اور جواب میں فرمایا عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فرمایا (تم پر موت ہو اور لعنت ہو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! ٹھہرو (نرمی اختیار کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی پسند فرماتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا کہ تو نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟ میں نے ان کے جواب میں علیکم کہہ دیا یعنی (ان کی بات ان پر لوٹا دی) انہیں موت کی بددعا دے دی۔ (صحیح بخاری ص ۹۲۵ ج ۲)

دوسری روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے جو جواب دیا وہ تو نے نہیں سنا میں نے ان کو جو بددعا دی ہے وہ مقبول ہوگی اور انہوں نے جو مجھے بددعا دی ہے وہ قبول نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۸)

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ یعنی یہودی برے الفاظ بھی زبان پر لاتے ہیں پھر اپنے دلوں میں یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہماری باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا، مقصد ان کا یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے نبی اور ہم ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں تو

اب تک اللہ کا عذاب آ جانا چاہئے تھا جب اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دیتا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا کہ نبی کو جھٹلانے کی اور گناہوں کی سزا اسی دنیا میں دیدی جائے گی اور جلد دے دی جائے گی۔ بہت سے کافروں کو دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملتی ہے اور بعض کو صرف آخرت میں دی جاتی ہے یہ دلیل بنالینا کہ چونکہ ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا اس لئے ہمارا عمل درست ہے جہالت ہے اور حماقت کی بات ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ. اس میں ان لوگوں کو جاہلانہ بات کا جواب دے دیا اور بتادیا کہ ان کو دوزخ میں جانا ہی جانا ہے وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اگر دنیا میں عذاب نہ دیا گیا تو یوں نہ سمجھیں کہ عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

اہل ایمان کو نصیحت کہ یہودیوں کا طریقہ کار استعمال نہ کریں: .... یہود اور منافقین کی بدحالی بتا کر مؤمنین مخلصین کو نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ.

(اے ایمان والو! جب تمہیں خفیہ مشورہ کرنا ہو (آہستہ آہستہ باتیں کرنی ہوں) تو گناہگاری اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو)

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (اور نیکی اور تقویٰ کا مشور کرو)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) یعنی آخرت کے دن میں حاضر ہو گے۔

پھر فرمایا اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (خفیہ سرگوشی شیطان کی طرف سے ہے تا کہ وہ اہل ایمان کو رنجیدہ کرے) یعنی جن لوگوں نے مسلمانوں کو تکلیف دینے کے لئے خفیہ مشورہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے اس طریقہ پر انہیں شیطان نے ڈالا ہے شیطان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو رنجیدہ کرے۔

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور ان لوگوں کا یہ مشورہ اہل ایمان کو کوئی ضرر نہیں دے سکتا مگر اللہ کے حکم سے اور اہل ایمان پر بھروسہ کریں) یہ توکل علی اللہ انہیں مخلوق کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسلام کامل دین ہے اس میں جیسے عبادات بتائی گئی ہیں ایسے ہی اخلاق و آداب بھی سکھائے گئے ہیں ان آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی ساتھ بیٹھنے والے کو جسمانی اور روحانی تکلیف نہ دی جائے آئندہ آیت میں جسمانی تکلیف کا ذکر ہے اور روحانی تکلیف یہ ہے کہ بعض لوگ آپس میں مل کر چپکے چپکے ایسی باتیں نہ کریں جن سے دوسرے ساتھ بیٹھنے والوں کو تکلیف پہنچے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مجلس میں تین آدمی ہو تو دو آدمی تیسرے آدمی کو چھوڑ کر آپس میں چپکے چپکے باتیں نہ کریں جب تک کہ دوسرے آدمی نہ آ جائیں یہ اس لئے کہ اگر دو آدمی بات کریں گے تو تیسرے آدمی کو رنج ہوگا اور وہ سمجھے گا کہ شاید میرے بارے میں باتیں کر رہے ہیں (صحیح بخاری ص ۹۳۲ ج ۲)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دے گا اور جب یہ کہا

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ

جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کے اور ان لوگوں کے درجات بلند فرمائے گا جنہیں علم عطا ہوا ہے اور اللہ

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

مجلس کے بعض آداب اور علماء کی فضیلت

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو دو باتوں کا حکم دیا اول یہ کہ مجلسوں میں بیٹھے ہوں تو بعد میں آنے والوں کو بھی جگہ دیا کریں اور کھل کر بیٹھ جایا کریں، تا کہ مجلس میں گنجائش ہو جائے اور آنے والوں کو جگہ مل سکے، جب ایسا عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے صلہ میں ان پر کرم فرمائے گا ان کے لئے اپنی رحمت اور مغفرت کو وسیع فرمائے۔

آنے والوں کو چاہئے کہ وہ کسی پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کو نہ اٹھائیں اور بھری ہوئی مجلس میں اندر گھسنے کی کوشش نہ کریں اور بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والوں کے لئے جگہ نکالیں اور کھل کر بیٹھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھ جائے، ہاں کھل جایا کرو اور مجلس میں وسعت نکال لیا کرو۔ (صحیح بخاری ص ۹۲۸ ج ۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **خَيۡرُ الۡمَجَالِسِ اَوۡسَعُهَا** (سب مجلسوں میں بہتر مجلس وہ ہے جو سب سے زیادہ وسیع ہو) اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ (رواہما ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۵)

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپؐ اس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اس نے کہا یا رسول اللہ! جگہ میں گنجائش ہے (آپ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں) آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ مسلمان کا یہ حق ہے کہ اس کا بھائی اسے آتا ہوا دیکھے تو اس کے لئے ہٹ جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۰۴)

دوسری نصیحت: .... یہ فرمائی وَاِذَا قِيۡلَ انۡشُزُوۡا فَانۡشُزُوۡا (جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو) اس میں یہ ادب بتایا کہ کسی مجلس میں اتنا زیادہ نہ بیٹھو کہ جس کے پاس بیٹھے ہو جس کے گھر گئے ہو وہ زچ ہو جائے اول تو خود سے موقع شناس ہونا چاہئے کہ کتنی دیر بیٹھنے کا موقع ہے، اور مجلس کی صورت حال کیا ہے اور وقت کا تقاضا کیا ہے اگر خود نہ اٹھے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو ضرور اٹھ جانا چاہئے اعلان ہو جانے پر بیٹھا رہنا یہ مزید تکلیف دینے والی بات ہے۔

آیت کی یہ ایک تفسیر ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ آخر تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا رہوں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت میں یہ حکم نازل فرمایا کہ مجلس سے اٹھ جانے کا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوسری حاجات بھی ہیں۔

اور ایک اور تفسیر یوں کی گئی ہے کہ نماز اور جہاد امور خیر کے لئے اٹھنے کو کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔

يَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا اللہ ان کو درجات کے اعتبار سے بلند فرما دے گا) یعنی جو احکام اوپر بیان کئے گئے ان پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اور اہلِ علم کے درجات بلند فرمائے گا، اگرچہ اہل علم بھی اہل ایمان میں داخل ہیں

لیکن ان کا مستقل تذکرہ فرما کر ان کی شان کو بڑھا دیا' نیز آیت کریمہ میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے ذریعہ رفع درجات ہوتا ہے پھر علم کی وجہ سے مزید درجات بلند ہوتے ہیں' لیکن اس سے قرآن وحدیث اور اس سے متعلقہ علوم مراد ہیں' علماء کی فضیلت نہ صرف عامۃ المسلمین پر بلکہ ان عبادت گزاروں پر بھی ہے جو نوافل میں لگے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ عالم فرض پڑھ کر بیٹھ جاتا ہے پھر لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور راتوں رات قیام کرتا ہے' ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے۔

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جسے اس حال میں موت آ گئی کہ وہ اس لئے علم حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (رواھما الدارمی کما فی المشکوٰۃ ص ۳۶)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرات انبیاء پھر علماء پھر شہداء شفاعت کریں گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) جو بھی خیر کا کام کرلو گے اس کا پھل پالو گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ

اے ایمان والو! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے

لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے' سو اگر تم نہ پاؤ تو اللہ غفور ہے رحیم ہے' کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

پہلے صدقات دیا کرو' سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تمہارے حال پر مہربانی فرمائی' سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو'

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳ ع ۲

اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے صدقہ کا حکم' اور اس کی منسوخی

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حکم دیا کہ مؤمنین جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی بات کرنے کے لئے آئیں اور سرگوشی کے طور پر خفیہ بات کرنا چاہیں تو اس سے پہلے صدقہ دے دیا کریں اور دوسری آیت میں اس حکم کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔ مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات کیا کرتے تھے' جب سوالات کا سلسلہ زیادہ ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاق گزرنے لگا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سوالات میں تخفیف کرانے کے لئے حکم دیا کہ صدقہ کر کے آپؐ کی خدمت میں آیا کریں' جب ایسا ہوا تو بہت سے لوگ سوال کرنے سے رک گئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں وسعت دے دی یعنی بغیر صدقہ کئے بھی حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

اور حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی اکرم ﷺ سے خلوت میں گفتگو کرنے کی درخواست کرتے تھے جب آپؐ سے سرگوشی کرتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو خیال ہوتا تھا کہ شاید ہمارے بارے میں کوئی بات چیت ہو رہی ہے، جب عامة المسلمین کو تنہائی میں وقت لینے والوں کا طریقہ کارنا گوار گزرا تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حکم فرمایا کہ جنہیں سرگوشی کرنا ہو وہ صدقہ دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تاکہ خلوت میں وقت مانگنے کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۰۱ ج ۱۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کو دس درہم میں تڑوا لیا تھا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خفیہ مشورہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو ایک درہم صدقہ کر کے آتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔ (ابن کثیر ص ۳۲۶ جلد ۴)

جن لوگوں کے پاس صدقہ دینے کو کچھ نہ تھا فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. فرما کر پہلے ہی سے ان کو مستثنیٰ فرما دیا تھا، سنن ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ نازل فرمائی تو نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے (مسلمان) ایک دینار (صدقہ کر کے آئیں گے) میں نے عرض کیا انہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا آدھا دینار؟ میں نے عرض کیا انہیں اس کی بھی طاقت نہیں، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو (کے برابر سونا) ہو فرمایا تم تو بہت تھوڑے پر آ گئے اس پر آیت کریمہ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ نازل ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف فرما دی (قال الترمذی حدیث غریب حسن من هذا الوجه ومعنی قوله شعیرة من ذهب)

صدقہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ءَاَشْفَقْتُمْ (الآية) کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرو سو اگر اس پر تم نے عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ فرما دیا) تو تم دوسرے احکام دینیہ پر پابندی سے عمل کرتے رہو نماز کے پابند رہو زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ میں یہ بتا دیا کہ صدقہ دینے کا جو حکم ہوا تھا اس سے ڈرنا گناہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا اور فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اذ'' ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے اور شرطیہ بھی، پھر لکھا ہے

والمعنی علی الأول انکم ترکتم ذلک فیما مضی فتدارکوه بالمثابرة علی اقامة الصلوٰة وایتاء الزکوٰة.

یعنی جب تم نے حکم پر عمل نہ کیا تو اس کا اس طرح تدارک کرو کہ نمازوں کی خوب پابندی کرو اور زکوتیں ادا کرو۔ قلت ومعنی الشرطية یؤل الی ذلک.

آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن پر اللہ کا غضب ہوا، نہ وہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے، اور وہ جانتے ہوئے جھوٹ پر

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

قسم کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا' بیشک وہ برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قسموں

جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ

کو ڈھال بنا لیا سو اللہ کے راستہ سے روک دیا' لہٰذا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ہرگز کچھ بھی ان کے اموال اور اولاد اللہ سے بچانے

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ

کیلئے کچھ کام نہ آئیں گے' یہ دوزخ والے ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو دوبارہ زندہ فرمائے گا سو وہ اس کیلئے بھی ایسی قسمیں کھائیں

لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ

جیسی قسمیں تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور وہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم کسی اچھے حال میں ہیں خبردار بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں' شیطان نے ان پر

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ

غلبہ پا لیا' سو انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا' یہ شیطان کا گروہ ہے' خبردار بیشک شیطان کا گروہ خسارے میں پڑ جانے والا ہے' بے شک جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کا مقابلہ

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

کرتے ہیں' یہ لوگ بڑی ذلت والوں میں ہیں۔

منافقین کا بدترین طریق کار' جھوٹی قسمیں کھانا اور یہودیوں کو خبریں پہنچانا

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں' جنہوں نے ظاہراً اسلام کا دعویٰ کیا لیکن اندر سے یہودیوں سے دوستی جاری رکھی' مؤمنین کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے جو ان کے راز معلوم ہو جایا کرتے تھے وہ یہودیوں تک پہنچا دیا کرتے تھے اس کے بعد ایک قصہ یوں نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن نبتل نامی ایک یہودی تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھا کرتا تھا پھر آپ کی باتیں (جو عام کرنے کی نہ تھیں) یہودیوں کو پہنچا دیتا تھا۔ ایک دن یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے خود ہی فرمایا کہ ابھی ایک شخص آئے گا جس کا قلب جبار ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس شخص کی آنکھیں نیلی تھیں جب یہ پہنچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برے الفاظ میں کیوں یاد کرتے ہیں؟ وہ قسم کھا گیا کہ نہیں ایسی بات تو نہیں ہے اور اپنے ساتھی کو بھی لے کر آ گیا' وہ بھی اسی طرح جھوٹی قسمیں کھا گیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں' جن پر اللہ کا غصہ ہے (ان سے یہودی مراد ہیں) ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ لوگ یہودیوں سے ان کے دوست بن کر ملتے ہیں اور تمہارے پاس آ کر یہ بتاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں اور یقینی قطعی بات یہ ہے کہ یہ لوگ نہ ان میں سے ہیں نہ تم میں سے (جو شخص مطلب کا یار ہوتا ہے وہ ظاہر میں ہر

اس شخص اور اس جماعت کا ساتھی بن جاتا ہے جس سے مفاد وابستہ ہو لیکن اخلاص کے ساتھ وہ کسی کا بھی دوست نہیں ہوتا' اسی کو سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (الأية)

نہ وہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی طرف' جو اعمال کرتے ہیں وہ بھی دکھاوے کے لئے تا کہ ان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتے۔

ان منافقوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اور یہ قسم بھی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ جانتے ہوئے جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں جھوٹی قسم کھا رہے ہیں۔

پھر فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا (الأيات الثلث) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا ہے' یہ برے عمل کرتے تھے۔ جھوٹی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیتے تھے اور اس طرح اللہ کی راہ سے روکتے تھے' ان کے لئے عذاب شدید بھی ہے اور عذاب مہین بھی یعنی ذلیل کرنے والا عذاب۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے جو منافقانہ طرز اختیار کی ہے' اس میں ہمارے مالوں کی حفاظت بھی ہے اور ہماری اولاد کی بھی' ان کا یہ سمجھنا غلط ہے جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں لے جاؤ تو وہاں عذاب سے چھڑانے کے لئے نہ کوئی مال نفع دے گا نہ اولاد کام آئے گی' جن کی حفاظت کے لئے یہ مکر و فریب اختیار کرتے ہیں اور اپنی آخرت خراب کرتے ہیں وہ لوگ اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے' ان کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں کی جھوٹی قسم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! اتنی ہی سی بات نہیں ہے کہ دنیا میں تمہارے سامنے یہ جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں' ان کی بدحالی کا تو یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائے گا اور میدان حشر میں حاضر فرمائے گا اور وہاں ان سے ان کے کفر اور ان کی شرارتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھوٹی قسمیں کھا جائیں گے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ خوب سمجھ لیا جائے کہ یہ لوگ جھوٹے ہی جھوٹے ہیں' جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اسے کمال بھی سمجھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے جھوٹ بولا تو کیا ہے اپنا کام تو نکال ہی لیا' دنیا کی مطلب پرستی کی طرف ان کا دھیان ہے' آخرت کے عذابوں کی طرف کچھ دھیان نہیں۔

مخالفین پر شیطان کا غلبہ' آخرت میں خسارہ اور رسوائی:............اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ (الأية) شیطان نے ان پر غلبہ پا لیا سو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی) اللہ کی یاد سے غافل ہیں تو آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے بھی غافل ہیں' بس ان کے سامنے دنیا ہی دنیا ہے' چونکہ شیطان کا ان پر غلبہ ہے وہ ان پر برے اعمال کو اچھا کرتے ہے اور کفر اور شرک اور معاصی میں ان کا فائدہ بتاتا ہے اس لئے یہ لوگ شیطان ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَان (ان کا گروہ شیطان کا گروہ ہے) یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کی یہ غلط فہمی قیامت کے دن دور ہو جائے گی جب خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کا مصداق بنیں گے نہ کچھ مال پاس ہوگا نہ اولاد فائدہ دے گی اور اپنی جانوں کو عذاب سے چھڑانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اسی کو فرمایا اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ.

(خبردار! اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان کا گروہ برباد ہی برباد ہے)

اس کے بعد ان سب لوگوں کی بدحالی بیان فرمائی جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں' ایسے لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا یہ لوگ ان لوگوں میں ہوں گے جو بہت زیادہ ذلت والے ہوں گے دوزخ میں جو شخص داخل ہوگا ذلیل ہوگا۔ سورۂ آل عمران میں مؤمنین کی دعا نقل فرمائی ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ. (اے ہمارے رب! تو جسے دوزخ میں داخل فرمائے گا' اُسے رسوا فرما دے گا) اہل دوزخ کے بہت سے گروہ ہوں گے' جس درجہ کا جو شخص ہوگا اس کے لائق عذاب اور ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا جائے۔ منافقین کے بارے میں سورۂ نساء میں فرمایا

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ. (بلاشبہ منافقین آگ کے سب سے نیچے والے درجہ میں ہوں گے) بہت سے لوگ منافق نہیں ہوتے کھلے ہوئے کافر ہوتے ہیں اور اپنی دشمنی میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر تلے رہتے ہیں' ایسے لوگوں کے بارے میں پیشگی خبر دے دی اور مستقل قانون بتا دیا کہ یہ لوگ ذلیل ترین لوگوں میں ہوں گے۔ اعاذنا اللہ من عذابہ و سخطہ۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۞۲۱ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں ضرور ضرور غالب رہوں گا اور میرے رسول بیشک اللہ قوی ہے عزیز ہے۔ آپ نہ پائیں گے ایسے لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ

يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ

دوستی رکھتے ہوں اس شخص سے جو مخالفت کرتا ہو اللہ کی اور اسکے رسول کی اگرچہ وہ انکے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبہ کے لوگ ہوں' یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں

كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے ایمان کو لکھ دیا اور اپنی رحمت کے ذریعہ ان کی تائید فرما دی اور وہ انکو داخل فرمائے گا ایسی بہشتوں میں جنکے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ

فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞۲۲

رہیں گے' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہیں' یہ جماعت اللہ کا گروہ ہے' خبردار بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے

ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دشمن سے دوستی نہیں رکھتے اگرچہ اپنے خاندان والا ہی کیوں نہ ہو

یہ دو آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلی آیت میں منافقین کی حرکتوں اور شرارتوں کا اور لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کی بدحالی اور بربادی کا ذکر تھا۔ ان آیات میں اہل ایمان کی بعض صفات خاصہ کا اور ان کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' ایسا نہیں کر سکتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرے اس سے دوستی کریں' جب اللہ پر ایمان لے آئے جو پیدا فرمانے والا ہے' سب سے بڑا ہے تو اس کے مخالفوں سے دوستی کرنے کا کوئی موقع نہیں رہا سچے مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ پر بھی ایمان لائے اور اس کے دشمنوں سے بھی دوستی کا تعلق رکھے۔ جو اللہ کا ہو گیا وہ اور کسی کا نہیں رہا اس کی دوستی دشمنی اللہ ہی کے لئے ہے وہ جئے گا اللہ کے لئے مرے گا، اللہ کے لئے' تعلق رکھے گا اللہ کے لئے' تعلق توڑے گا اللہ کے لئے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى

لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (رواہ ابو داؤد)

جس نے محبت کی اللہ کے لئے اور نفرت کی اللہ کے لئے اور دیا اللہ کے لئے اور روک لیا اللہ کے لئے اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا)

آیت بالا میں یہی فرمایا ہے جو لوگ اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لے آئے اب وہ اس شخص سے محبت نہیں رکھ سکتے جو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا مخالف ہو اللہ کے تعلق اور محبت کی وجہ سے اگر انہیں اپنے خاص عزیزوں اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے قبیلوں سے تعلق توڑنا پڑے تو ان سے تعلق توڑ دیں گے اور نہ صرف یہ کہ تعلق توڑ دیں گے بلکہ قتل وقتال کی نوبت آئے تو قتل بھی کر دیں گے جو اللہ کا دشمن ہے اہل ایمان کا بھی دشمن ہے، دینی دشمنی کے سامنے رشتے داری کی کوئی حقیقت نہیں۔

غزوۂ بدر میں حضرات صحابہؓ نے ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کافر رشتہ داروں کو قتل کر دیا: ....حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دشمن اسلام کو یہ جانتے ہوئے قتل کر دیا کہ یہ میرا باپ ہے یا بھائی ہے یا کنبہ کا فرد ہے چنانچہ غزوۂ بدر میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے باپ جراح کو قتل کر دیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہ مثالیں لکھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے والد سے کہا کہ ابا جان جنگ بدر کے موقع پر کئی بار ایسا موقع پیش آیا کہ میں آپ کو قتل کر سکتا تھا لیکن میں بچ کر نکل گیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرا موقع لگ جاتا تو میں قتل کر دیتا تجھے چھوڑ کر آگے نہ بڑھتا (ذکرہ فی سیرۃ ابن ہشام)

غزوۂ بدر کے موقع پر یہ واقعہ پیش آیا کہ جب مشرکین اور مسلمین کا آمنا سامنا ہوا تو مشرکینِ مکہ نے باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے شخصی مقاتلہ اور مقابلہ کے لئے دعوت دی اس پر حضرت انصار میں سے تین آدمی آگے بڑھے۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم انصار میں سے چند آدمی ہیں! وہ کہنے لگے ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں ہمارے بنی عم یعنی چچا زاد بھائیوں کو ہمارے سامنے لاؤ اور زور سے پکار کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ مقابلہ کے لئے بھیجئے۔ آپؐ نے حضرت عبیدہؓ بن الحارث اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کو مقابلہ میں آنے کا حکم دیا' آپس میں مقابلہ ہوا تو حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے عتبہ پر اور عتبہ نے حضرت عبیدہؓ پر حملہ کیا۔ ہر ایک کی ضرب سے ایک دوسرا نیم جان ہو گیا اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر دیا پھر ان دونوں حضرات نے عُتبہ کو بھی قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر ان کی روح پرواز کر گئی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا أشهد أنک شهید، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ (البدایۃ والنہایۃ ۳/۲۷۳ ج ۳)

یہ واقعہ ہم نے بتانے کے لئے لکھا ہے کہ کافر اپنے کفر پر جم کر کفر کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر اتنے آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ منظور نہیں کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے کسی سے جنگ کریں' انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ ہم اپنے چچا زاد بھائیوں کو قتل کریں گے' جب اہل کفر کا یہ جذبہ ہے تو اہل ایمان اللہ و رسولؐ کے دشمنوں کو اور ایمان کے دشمنوں کو قتل کرتے وقت یہ کیوں دیکھیں کہ ہم جسے قتل کر رہے ہیں یہ ہمارا کوئی عزیز قریب تو نہیں ہے' جب اللہ ہی کے لئے مرنا ہے اور اللہ ہی کے لئے مارنا ہے تو جو لوگ اللہ کے دشمن ہیں ان پر رحم کھانے کی کوئی وجہ نہیں اور اس واقعہ پر اپنے اور پرائے میں فرق کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے' ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے: .... اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ.

(اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا) یعنی ثابت فرما دیا اور جما دیا۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ.

(انہیں اپنی روح کے ذریعہ قوت دے دی)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ روح سے نور القلب مراد ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے نور ڈال دیتا ہے اس کے ذریعہ اطمینان حاصل ہوتا ہے اور معارج تحقیق پر عروج نصیب ہوتا ہے۔

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا.

(اور انہیں داخل فرمائے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.

(اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہیں)

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط

(یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں)

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(خبردار اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے)

وھٰذا آخر تفسیر سورۃ المجادلۃ والحمد للّٰہ رَب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمُرسلین وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین.

☆☆☆........................☆☆☆

مدنی	سورۃ الحشر	۲۴ آیتیں ۳ رکوع

(۵۹) سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۱) اٰيَاتُهَا ۲۴ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۃ الحشر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں تین رکوع اور چوبیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے' اللہ وہ ہے جس نے کافروں کو یعنی اہل کتاب

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۗ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

کو پہلی بار گھروں سے نکال دیا' تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ لوگ نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے'

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

سو ان پر اللہ کا انتقام ایسی جگہ سے آ گیا جہاں سے انکا خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے انکے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے

وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ

ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے۔ سو اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔ اور اگر اللہ نے انکے بارے میں جلا وطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ

اور ان کیلئے آخرت میں آگ کا عذاب ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے اور اسکے رسولؐ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

وقف النبی ﷺ

یہودیوں کی مصیبت اور ذلّت اور مدینہ منورہ سے جلا وطنی

یہاں سے سورۃ الحشر شروع ہو رہی ہے۔ حشر عربی میں جمع کرنے کو کہتے ہیں اپنی جگہ چھوڑ کر کسی جگہ کوئی قوم جمع ہو جائے' اس کو حشر کہا جاتا ہے' قیامت کے دن کو بھی حشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف اطراف واکناف کے لوگ جمع ہوں گے۔ یہاں اول الحشر سے

یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا اور خیبر میں جمع ہونا مراد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے سو (۱۰۰) میل کے فاصلہ پر شام کے راستہ میں پڑتا ہے ان لوگوں کا یہ ترک وطن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا تھا پھر دوبارہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے بھی نکال دیا اور شام کے علاقہ اریحاء اور تیماء اور اذرعات میں جا کر بس گئے تھے' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اول الحشر سے ان کا پہلی بار مدینہ منورہ سے نکل جانا مراد ہے اور حشر ثانی سے وہ اخراج مراد ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا' اسی لفظ (اول الحشر) کی وجہ سے اس سورۃ کو سورۃ الحشر کہا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بنی نضیر کے اخراج کا ذکر ہے' اس لئے حضرت ابن عباسؓ اس کو سورۂ بنی نضیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

شروع سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمین پر جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرتے ہیں پھر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے' زبردست ہے غلبہ والا ہے' اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور حکیم بھی ہے وہ حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے۔

۱۔قبیلہ بنی نضیر ۲۔قبیلہ بنی قریظہ ۳۔قبیلہ قینقاع

یہ قبیلے ذرا قوت والے تھے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپؐ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہوگا تو آپ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑ دیا (قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ قینقاع کا انجام سورۃ آل عمران کے آیت شریفہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب:............۲ ہجری میں غزوۂ بدر کا اور ۳ ہجری میں غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ کسی نے غزوۂ احد سے پہلے اور کسی نے غزوۂ احد کے بعد لکھا ہے' واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہود بنی نضیر کے پاس آپ تشریف لے گئے ان دو شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ کو ان کی دیت ادا کرنی تھی' آپؐ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو' ان لوگوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھئے ہم مدد کریں گے' ایک طرف تو آپ سے یہ بات کہی اور آپ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا' کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھر پھینک دے ان کی موت ہو جائے تو ہمارا ان سے چھٹکارہ جائے۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن جحاش تھا اس نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا وہ پتھر پھینکنے کے لئے اوپر چڑھا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آ گئی ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے' آپؐ کے ساتھ حضرات ابوبکر' عمر' علی رضی اللہ عنہم بھی تھے' آپؐ جلدی سے اٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے شہر میں تشریف لا کر آپ نے اپنے صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ' آپؐ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کمر ٹھونکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہود بنی نضیر کے دلوں کو وقتی طور پر تقویت ہوگئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم نہیں

نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا' آپ حضرت ابن مکتومؓ کو امیر مدینہ بنا کر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔

وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا' جب بنی نضیر کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیئے اور جلا دیئے گئے۔ ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہو گئے تو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمیں جلا وطن کر دیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو مال ہم اونٹوں پر لے جا سکیں وہ لے جانے دیں؟۔ آپؐ نے ان کی یہ بات قبول کر لی' پہلے تو انہوں نے تڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلا وطن ہونا منظور کر لیا' اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے اور مقابلے کی ڈینگیں سب دھری رہ گئیں' آپؐ نے چھ دن ان کا محاصرہ فرمایا' اور مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبر وار اترتے چڑھتے رہیں۔ مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جسے اونٹ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لئے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیت کریمہ میں یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ لوگ اونٹوں پر سامان لے کر روانہ ہو گئے' ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہو گئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہو گئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا' یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلا وطن ہونے پر تیار ہو گئے جس کا آپؐ نے انہیں حکم دیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد آیات بالا کا ترجمہ دوبارہ مطالعہ کریں۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے کیلئے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریشِ مکہ بدر میں قتل کئے گئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلا وطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلّت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لئے دنیا میں اس وقت جلا وطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہر حال ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اس مضمون کو وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الآیة) یعنی یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے' بنی قینقاع کو پہلے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلا وطن کئے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پروگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے' ان لوگوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر قریشِ مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی' ان تین قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور بھی قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ جن کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبی ﷺ میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع سے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۵۷۴ ج ۲، صحیح مسلم ص ۹۴ ج ۲)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝۵

تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے یا تم نے انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ اللہ کے حکم سے ہوا اور تاکہ اللہ کافروں کو ذلیل کرے۔

یہودیوں کے متروکہ درختوں کا کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں اپنے خیال میں محفوظ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیدیا۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! آپ تو زمین میں فساد سے منع کرتے تھے کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجور کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دیدی تھی۔ پھر منع فرما دیا تھا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مؤاخذہ کی بات ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ۳۲۳ ج ۴)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے۔

جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور دینی ضرورت سے ہو اس میں گناہ گار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ میں بیان فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کو جلانے میں بددین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے باغوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی جلیں گے اور ذلت بھی ہوگی اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہو گئے کہ ہمیں مدینہ منورہ سے جانا منظور ہے پھر وہ مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر چلے گئے جس کا قصہ اوپر گزرا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو، تخریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے۔ گناہ کا احتمال ہی نہیں۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ

اور جو کچھ مال فیئ ان سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو مال دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ دوڑائے اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى

جس پر چاہتا ہے مسلّط فرما دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ نے جو کچھ اپنے رسولوں کو بستیوں کے رہنے والوں سے بطور فیئ مال دلوا دیا سو وہ اللہ کیلئے

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ

ہے اور رسولؐ کیلئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کیلئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کیلئے تاکہ یہ مال ان لوگوں کے درمیان دولت

بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا

بن کر نہ رہ جائے جو مال دار ہیں اور رسول جو کچھ عطا کریں وہ لے لو' اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ' اور اللہ سے ڈرو۔

وقف لازم

اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اموال فئی کے مستحقین کا بیان

لفظ افاء فاء یفئی ء باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے' فاء لوٹا' افاء لوٹایا' چونکہ کافروں کا مال مسلمانوں کو مل جاتا ہے ان کی ملکیت ختم ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کی ملکیت میں آ جاتی ہیں۔ اس لئے جو مال جنگ کئے بغیر بطور صلح مل جائے اس کو فئی کہتے ہیں اور جو مال جنگ کر کے ملے اس مال کو مال غنیمت کہتے ہیں۔

مال غنیمت کے مصارف دسویں پارے کے شروع میں بیان فرمادیئے گئے ہیں اور مال فئی کے مصارف یہاں بیان فرمائے ہیں۔

بنی نضیر کے مال بطور صلح مل گئے اور اس میں کوئی جنگ لڑنی نہیں پڑی تھی لہٰذا ان اموال میں کسی کو کسی حصہ کا استحقاق نہیں تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ بات آئی کہ ہمیں ان اموال میں سے حصّہ دیا جائے' اس وسوسہ کو دفع فرمادیا اور فرمایا فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ.

(کہ تم نے اس میں اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے)

یعنی تمہیں اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑی اور کوئی جنگ نہیں لڑنی پڑی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ.

(اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادے)

یعنی پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جس پر چاہا مسلّط فرمادیا اور اب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنی نضیر پر مسلط فرمادیا لہٰذا ان اموال کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو ہی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

چونکہ بنی نضیر کے اموال قتال کے بغیر حاصل ہوئے تھے اس لئے انہیں اموال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں فرمایا تھا۔ اس کے بعد اموال فئی کے مصارف بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى. (الآیۃ)

اللہ نے جو کچھ اپنے رسول ؐ کو بستیوں کے رہنے والوں سے بطور فئی دلوایا سو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے ہے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے (اموال بنی نضیر کے علاوہ بعض دیگر بستیاں بھی بطور مال فئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ میں آ گئی تھیں' جن میں سے فدک زیادہ مشہور ہے' خیبر کے نصف حصہ کا اور بنی عرینہ کے اموال کا ذکر بھی مفسرین کرام نے لکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں مال فئی کے مصارف بتائے ہیں اول فَلِلّٰهِ' فرمایا بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرک کے لئے ہے جیسا کہ خمس کے بارے میں فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ فرمایا ہے' اور بعض حضرات نے اس کی یوں تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ جیسے

چاہے ان کو خرچ کرنے کا حکم دے اس میں کسی کو اپنی طرف سے کچھ تجویز کرنے یا کسی کا حصہ بتانے اور طے کرنے کا کوئی حق نہیں، پھر فرمایا وَلِلرَّسُوْلِ مال فیٔ اللہ کے رسول کے لئے ہے یعنی ان اموال کا اختیار اللہ پاک کی طرف سے آپ کو دے دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مصرف بتا دیئے ہیں (مال غنیمت کی طرح یہ مال صرف نہیں کئے جائیں گے اور نہ ان میں سے خمس نکالا جائے گا (ماذھب الیہ الامام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ)

مفسرین نے لکھا ہے کہ مال فیٔ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مالکانہ اختیار حاصل تھا پھر ان کے جو مصارف بیان فرمائے یہ اسی طرح ہے جیسے مالکوں کو اموال کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ پر خرچ کرو، تیسرا مصرف بتاتے ہوئے وَلِذِی الْقُرْبٰی ارشاد فرمایا۔ مفسرین نے فرمایا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت مراد ہیں۔ اس کے بعد چوتھا اور پانچواں چھٹا مصرف بتاتے ہوئے وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فرمایا، یعنی اموال فیٔ یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر بھی خرچ کئے جائیں۔

حسب فرمان باری تعالیٰ شانہٗ اموال فیٔ کو آپ اپنے ذوی القربیٰ پر اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین پر اپنی صوابدید سے خرچ کر دیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی تھا کہ آپ مال فیٔ میں سے اپنے گھر والوں کے لئے ایک سال کا خرچ نکال لیتے تھے اور جو مال بچ جاتا تھا اسے مسلمانوں کی عام ضروریات میں مثلاً: جہاد کے لئے خرچ فرما دیتے تھے۔

گو آپ کو ان اموال پر مالکانہ اختیار حاصل تھا لیکن چونکہ آپ نے وفات سے پہلے فرما دیا تھا کہ لَانُوْرَثُ مَاتَرَکْنَا صَدَقَۃٌ (کہ ہماری میراث مالی جاری نہ ہوگی ہم جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا (صحیح بخاری ص ۴۳۶ ج ۱) اس لئے ان اموال میں میراث جاری نہیں کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدینؓ نے بھی ان اموال کو انہیں مصارف میں خرچ کیا، جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرماتے تھے۔ امام المسلمین کو جب اموال فیٔ حاصل ہو جائیں تو اسے مالکانہ اختیار حاصل نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاکمانہ اختیار ہوں گے اور وہ مذکورہ بالا مصارف ہیں اور مسلمانوں کی عام ضروریات میں مثلاً: جہاد کے لئے ہتھیار فراہم کرنے کے لئے، پل تیار کرنے، سڑکیں بنانے، مجاہدین اور ان کے گھر والوں کی حاجتیں پوری کرنے اور علماء کرام پر خرچ کرنے اور قضاۃ اور عمال کی ضرورتیں پوری کرنے میں خرچ کرے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ سے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان حضرات کو اموال فیٔ میں سے حصہ دیا جائے گا۔ غنی ہوں یا فقیر ہوں اور للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم کیا جائے اور حضرت امام مالکؒ کا مذہب نقل کیا ہے کہ امام المسلمین جس طرح چاہے ان حضرات پر خرچ کرے اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بعض کو دے بعض کو نہ دے پھر حنفیہ کا مذہب لکھا ہے کہ حضرات ذوی القربیٰ کا حصہ اموال فیٔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں رہا۔ کیونکہ حضرات خلفاء راشدین نے ان کے لئے علیحدہ حصہ نہیں نکالا۔ ہاں ان حضرات میں جو یتامیٰ اور مساکین وابن السبیل ہوں گے ان کو ان اوصاف ثلاثہ کے اعتبار سے اموال فیٔ میں سے دیا جائے گا اور دوسرے مستحقین پر ان کو مقدم کیا جائے گا، پھر یتامیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ اموال فیٔ میں سے ان یتامیٰ پر خرچ کیا جائے گا۔ جو مسلمان ہیں اور فقیر یا مسکین ہیں

کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ : .... اموال فیٔ کے مصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ یعنی اموال فیٔ کے مصارف واضح طور پر بیان فرما دیئے گئے تاکہ یہ اموال تمہارے مالداروں کے درمیان دولت بن کر نہ

رہ جائیں (لفظ دولت دال کے زبر کے ساتھ اور دولہ دال کے پیش کے ساتھ دونوں طرح عربی زبان کی لغت ہے) مال کو دولت کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں تداول ایدی ہوتا رہتا ہے اور ایک سے ہو کر دوسرے کے پاس جاتا رہتا ہے۔ البتہ اردو کا محاورہ یہ ہے کہ جس کے پاس زیادہ مال ہو اسے دولت مند کہتے ہیں' ان الفاظ میں تنبیہ فرما دی کہ اموال فئی کی تقسیم جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ اموال مالداروں کے ہی ہاتھوں میں آ کر نہ رہ جائیں' جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے کہ عامۃ الناس کی امداد کے لئے حوادث و مصائب کے مواقع میں بعض مالداروں اور حکومتوں کی طرف سے جو مال ملتا ہے اس میں سے تھوڑا سا اہل حاجات پر خرچ کر کے منتظمین ہی مل ملا کر کھا جاتے ہیں جو پہلے سے مالدار ہوتے ہیں۔ چونکہ تقویٰ نہیں دنیاداری غالب ہے اور مال کی محبت دلوں میں جگہ پکڑے ہوئے ہیں' اس لئے ایسے مظالم ہوتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے: ...... پھر فرمایا وَمَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَـخُذُوْهُ وَمَانَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ)۔

اس میں یہ بتا دیا کہ ہر امر و نہی کا قرآن میں ہونا ضروری نہیں ہے' قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان فرمائے ہیں اور بہت سے احکام اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ بتائے ہیں' ان میں آنحضرت ﷺ کے اعمال بھی ہیں اور اقوال بھی اور تقریرات بھی۔

یعنی کسی نے آپؐ کے سامنے کوئی عمل کیا اور آپؐ نے منع نہیں فرمایا تو یہ بھی حجت شرعیہ ہے' سورۂ اعراف میں آپؐ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ یَاْمُرُهُـمْ بِـالْـمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰاهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِوَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (یعنی آپ ان کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں)۔

منکرینِ حدیث کی تردید: .... آج کل بہت سے ایسے جاہل لیڈر پیدا ہو گئے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ حدیث شریف حجۃ شرعیہ نہیں ہے اور اس لئے بہت سی اسلامی چیزوں کا انکار کرتے ہیں' یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور کفر ہے یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے ماننے والے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے ہوتے تو یہ کیوں کہتے کہ حدیث حجت شرعیہ نہیں ہے قرآن میں تو اَطِیْعُوااللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ. اور مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور مَآاٰ تَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ فرمایا ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں کا مقصد اسلام میں تحریف کرنا ہے۔ قرآن کو ماننا نہیں ان لوگوں کو دشمنان اسلام پیسے دے کر اس پر آمادہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں کفرؔ پھیلائیں۔ (العیاذ باللہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالمتنمصات لَهٗ وَالمتفلجات لِلْحُسْنِ الْمغیراتِ خَلقِ اللّٰهِ.

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر اور ان عورتوں پر جو (ابرو یعنی بھنوؤں کے بال) چننے والی ہیں (تاکہ بھنویں باریک ہو جائیں) اور خدا کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کیلئے دانتوں کے درمیان کشادگی کرتی ہیں جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے

ہیں؟ فرمایا کہ میں ان لوگوں پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی اور جن پر اللہ کی کتاب میں لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور یہ بات مل جاتی کیا تو نے یہ نہیں پڑھا۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

(اور رسول تم کو جو (ہدایت) دے اسے قبول کرلو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ)

یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ قرآن میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے لہٰذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکیں ان سے رک جاؤ۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۵ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بلا جھجک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور بتا دیا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہ مضمون اموال فئی کی تقسیم بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کے فرمان سے جدا نہیں ہے، تقسیم فئی کا جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اس میں آپ جس طرح تصرف فرمائیں وہ تصرف درست ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضاء کے موافق ہے۔ آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ.

(اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والے ہے)۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

فقراء مہاجرین کے لئے ہیں جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور رضا مندی

وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

طلب کرتے ہیں، اور اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں یہ وہ ہیں جو سچے ہیں۔

حضرات مہاجرین کرام کی فضیلت اور اموال فئی میں ان کا استحقاق

اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اموال فئی میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے اپنے گھر بار اور اموال چھوڑ کر چلے آئے، جب مدینہ منورہ پہنچے تو حاجت مند اور تنگ دست تھے ان پر بھی اموال فئی خرچ کئے جائیں۔ اموال اور گھر بار چھوڑ کر ان کا مدینہ منورہ آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی مطلوب ہے ان کی ہجرت کسی دنیاوی غرض سے نہیں ہے، وہ جو تکلیفیں ان کو پہنچی تھیں وہ اپنی جگہ ہیں، ان کے علاوہ مدینہ منورہ آ کر بھی جہاد میں شریک ہونے کا سلسلہ جاری ہے اور کافروں سے لڑتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے ایمان اور ایمان کے تقاضوں میں سچے ہیں۔

پہلی آیت میں جو یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کا ذکر فرمایا ہے' اس کے عموم میں فقراء مہاجرین بھی داخل ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ بھی ان کا استحقاق ظاہر فرما دیا کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ

اور ان لوگوں کیلئے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے دار کو اور ایمان کو ٹھکانہ بنالیا۔ جو شخص ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں

صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ

میں اس مال کی وجہ سے کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں' اگر چہ خود انہیں حاجت ہو' اور جو شخص

يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے اوصاف جمیلہ

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مہاجرین پر عطف ہے اور ان سے حضرات انصار مدینہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فئی کے جو اموال ہیں انصار بھی اس کے مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ انصار کی تعریف کرتے ہوئے اولاً یوں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کو پہلے ہی سے اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا' یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے برس ہا برس پہلے ہی مدینہ منورہ میں یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جو بعد میں دار الایمان بن گیا' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور حج کے موقع پر منیٰ میں آپ سے ملاقات ہوگئی تو ایمان بھی قبول کرلیا وہاں تو چند آدمیوں نے قبول کیا تھا پھر سارے مدینہ منورہ والوں نے ایمان قبول کرلیا اور ایمان کو بھی ایسے چپکے کہ گویا وہ ان کا گھر ہے (جس سے کبھی بھی جدا ہونا نہیں ہے)۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو حضرات ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں ان کے دلوں میں یہ بات نہیں آتی کہ دوسرے علاقہ کے لوگ ہمارے یہاں آبسے ان کی وجہ سے ہماری معیشت پر اثر پڑے گا' یہی نہیں کہ ان کے آنے سے دلگیر نہیں ہوتے بلکہ سچے دل سے ان سے بات کرتے ہیں۔

تیسری تعریف یوں فرمائی کہ ہجرت کر کے آنے والوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اپنے سینوں میں کوئی حاجت یعنی حسد اور جلن کی کیفیت محسوس نہیں کرتے' یعنی وہ اس کا کچھ اثر نہیں لیتے کہ مہاجرین کو دیا گیا اور ہمیں نہیں دیا گیا۔

اور چوتھی تعریف یوں فرمائی کہ حضرات انصار اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود حاجت ہو۔

حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی باہمی محبت: .... حدیث شریف کی کتابوں میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے حب المہاجرین اور ایثار و قربانی کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے اور ان مہاجرین کے درمیان ہمارے کھجوروں کے باغوں کو تقسیم فرما دیجئے' آپ نے فرمایا کہ نہیں (میں ایسا نہیں کرتا) اس پر انصارؓ نے مہاجرین سے کہا

اچھا آپ لوگ پیداوار کی محنت میں مدد کریں اور ہم آپ لوگوں کو پھلوں میں شریک کرلیں گے۔ اس پر مہاجرین نے کہا یہ ہمیں منظور ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ ایسا کون شخص ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے' یہ سن کر ایک انصاری صحابیؓ نے کہا کہ میں ان کو ساتھ لے جاتا ہوں' چنانچہ وہ انہیں ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مہمان ہے اس کا اکرام کرنا ہے بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو بجز بچوں کی خوراک کے کچھ بھی نہیں ہے۔

شوہر نے کہا کھانا تیار کرو اور بچوں کو سلا دو چنانچہ اس نے کھانا پکایا اور بچوں کو سلا دیا پھر جب کھانے بیٹھے تو عورت اس انداز سے اٹھی کہ گویا چراغ کی بتی درست کرتی ہے لیکن درست کرنے کی بجائے اس نے چراغ بجھا دیا' مہمان کھاتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ دونوں بھی میرے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کھانا نہیں کھایا اور رات بھر بھوکے رہے' صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضری ہوئی تو یہ میزبان صحابی حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا عمل پسند آیا کہ تم بھوکے رہے اور مہمان کو کھلا دیا)

اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۵۳۶ ج ۱)

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بچے مہمان کی بہ نسبت زیادہ مستحق تھے پھر مہمان کو ان کی خوراک کیوں کھلائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے اس وقت رات کا کھانا کھا چکے تھے' اب خوراک کی ضرورت صبح ناشتہ کے لئے تھی اگر وہ اصلی بھوکے ہوتے تو سلانے سے بھی نہ سوتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ چراغ جلا کر تین آدمی جو ساتھ بیٹھے اس میں بے پردگی ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

فائدہ: ۔ یہ صحابی کون تھے جو مہمان کو ساتھ لے گئے تھے؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ اور بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا نام بتایا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعوت کرنے والے صحابی قیس بن ثابت تھے' رضی اللہ عنہم اجمعین۔

جو بخل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے: .... آیت کے آخر میں فرمایا وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں) اس میں کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے اور نفس کی کنجوسی سے بچنے کو کامیاب ہونے والوں کی ایک امتیازی شان بتائی ہے' کنجوسی کی اضافت جو نفس کی طرف کی ہے اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دل تو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن نفس کو مال خرچ پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں کہ بعض اہل لغت کا قول ہے کہ شح بخل سے زیادہ بڑھ کر ہے صحاح (لغت کی کتاب) سے نقل کیا ہے کہ شح اس بخل کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم اندھیریاں بن کر سامنے آئے گا اور شح (کنجوسی) سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے انہیں آپس میں خون ریزی کرنے پر اور حرام چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کر دیا۔ (رواہ مسلم) انسان کے مزاج میں کنجوسی ہے، جسے سورۂ نساء میں وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدترین چیز جو انسان کے اندر ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈال دے اور بزدلی ہے جو جان کو نکال دے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ کنجوسی اور ایمان کبھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دو چیزیں بندے میں جمع نہیں ہو سکتی ایک بخل اور دوسرے بدخلقی (رواہ ترمذی) انسان کا مزاج ہے کہ مال لینے کو تیار ہو جاتا ہے دینے کو تیار نہیں ہوتا اسی لئے زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔ نفس خرچ کرنے کو نہیں چاہتا لیکن پھر بھی نفس کے تقاضوں کو دبا کر مؤمن آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ ثواب کے اعتبار سے کون سا صدقہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ سب سے بڑا ہے کہ تو اس حال میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو نفس میں کنجوسی ہو، تنگدستی کا خوف ہو، مالدار بننے کی امید لگا رکھی ہو (پھر فرمایا) کہ تو خرچ کرنے میں دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب کہنے سے کیا ہوتا ہے) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا (دم نکلتے ہی دوسروں کا ہے) (رواہ البخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو (۱۰۰) درہم کا صدقہ کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

بہت سے لوگ دنیاوی ضرورتوں، گناہوں اور ریاکاریوں میں تو دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، بے تحاشہ فضول خرچی میں مال اڑا دیتے ہیں لیکن مال سے متعلق فرائض وواجبات ادا نہیں کرتے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روکے رکھتے ہیں، حج فرض ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہمت نہیں کرتے اور اگر ہمت کر بھی لی تو اسے دنیاداری یعنی ریاکاری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزرنے لگے گا، عمل کم ہو جائے گا اور (دلوں میں) کنجوسی ڈال دی جائے گی اور فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل زیادہ ہوں گے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۴۶)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔

۱۔ تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے تقویٰ کے تقاضوں پر چلنا۔

۲۔ رضامندی میں اور ناراضگی میں حق بات کہنا۔

۳۔ مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ خواہشوں کا اتباع کیا جانا۔ ۲۔ کنجوسی (کے جذبات) کی فرمانبرداری کرنا۔

۳۔ انسان کو اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴)

کنجوسی بری بلا ہے نفس پر قابو پائے، اللہ تعالیٰ کی رضا میں مال خرچ کرے اور گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے اور فضول خرچی سے بھی بچے یہ کامیابی کا راستہ ہے جسے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بخش دے ہم کو اور ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے ان بھائیوں کو ایمان کے ساتھ ہم سے

بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

پہلے گزر گئے اور مت کر دے ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ ایمان والوں کے لئے اے ہمارے رب بے شک آپ رؤف ہیں اور رحیم ہیں۔

مہاجرین وانصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کا بھی اموال فئی میں استحقاق ہے

اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی المہاجرین پر معطوف ہے اور اس میں بعد میں آنے والے حضرات کا اموال فئی میں حصہ بتایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مہاجرین کے بعد دیگر مسلمان جو قیامت تک آئیں گے ان سب پر مال فئی میں سے خرچ کیا جائے۔ مفسر ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت شریفہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ کی آخر تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ یہ صدقات ان لوگوں کے لئے ہیں (جن کا آیت میں ذکر ہوا) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ آخر تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ اموال غنیمت ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں، پھر آپ نے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ تک تلاوت کی اور یوں فرمایا کہ یہ آیات تمام مسلمین کو شامل ہیں جو بھی کوئی مسلمان ہوگا اموال فئی میں اس کا حق ہوگا پھر فرمایا اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک بکریاں چرانے والا جو سرد حمیر (ایک قبیلہ کا نام جو مدینہ منورہ سے دور رہتا تھا) میں چرا رہا ہوگا اپنے حصہ کو وہیں پالے گا، اس کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی پر پسینہ تک نہ آیا ہوگا۔ (ابن کثیر ص ۳۴۰ ج ۴)

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ **ھؤلاء ھم الثالث ممن یستحق فقراء ھم من مال الفئی وھم المھاجرون ثم الانصار.**

یعنی اموال فئی کے مستحقین کی یہ آخری قسم ہے تینوں قسموں میں سے ان میں سے جو فقراء ہوں گے مال فئی کے مستحق ہوں گے۔ اول مہاجرین دوم انصار، تیسرے وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں جو صفت احسان کے ساتھ ان کا اتباع کریں (معلوم ہوا کہ اموال فئی میں روافض کا بالکل حصہ نہیں جو حضرات مہاجرین وانصار کا اتباع کیا کرتے ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں کافر کہتے ہیں)۔

وسیجیئ من قول الامام مالکؒ ان شاء اللّٰہ تعالٰی.

یہ تو اموال فئی کے مستحقین کا بیان ہوا آیت کریمہ میں بعد میں آنے والے مؤمنین کی دو دعاؤں کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے پہلی دعا یہ ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بھی مغفرت فرمادے اور جو ہمارے وہ بھائی جو ہم سے پہلے با ایمان گزر گئے ان کی بھی مغفرت فرمادے۔ معلوم ہوا کہ اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنے کے ساتھ ان مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعائے مغفرت کرنا چاہئے جو اس دنیا سے گزر گئے دعائے مغفرت سے مغفرت کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور رفع درجات کا بھی۔

دوسری دعا یہ ہے کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما، لفظ غـــل جس کا ترجمہ کھوٹ کیا گیا ہے بہت عام ہے، کینہ، بغض، حسد، جلن یہ لفظ ان سب باتوں کو شامل ہے، اس میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرمایا ہے یعنی جو بھی اہل ایمان گزر گئے دنیا سے جاچکے اور جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے اللہ تعالیٰ ان سب کی طرف سے ہمارے دلوں کو صاف اور پاک رکھ، کسی سے کینہ نہ ہو اور نہ کسی کی طرف سے دل میں برائی لائی جائے۔

حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کی مذمت:............ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس کے بگاڑ سے بچو، کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر ہر اس شخص کے بارے میں جس کے دل میں مسلمان بھائی سے دشمنی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ (رواہ الترمذی) (یہ سب روایات مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۸ پر مذکور ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض تمہارے اندر چل کر آ گیا ہے یہ اس زمانہ میں تھوڑا ہی سا تھا، لیکن اب تو اسلام کا دعوٰی کرنے والوں میں لڑائیاں بھی ہیں، حسد بھی، بغض بھی ہے، ایک دوسرے کی مخالفت بھی ہے، مار کاٹ بھی ہے اور قتل و قتال بھی، ان حالات میں سچے دل سے کیا دعا نکل سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو، دلوں میں کھوٹ بھرا ہوا ہے اور اسے نکالنا بھی نہیں چاہتے، جب جمع ہوں گے، غیبتیں کریں گے، تہمتیں دہریں گے، مسلمانوں کے عیب اچھالیں گے، ان حالات میں سینہ کیسے صاف رہ سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میرے صحابہؓ سے متعلق کوئی بات مجھے نہ پہنچائے (جس سے دل برا ہو) کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ (اپنے گھر سے) ان کی طرف اس حال میں نکل کر آؤں کہ میرا سینہ باسلامت ہو۔ (رواہ الترمذی عن عبداللہ بن مسعود فی فضل ازواج النبی ﷺ)

روافض کی گمراہی: .... اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات مہاجرین و انصار کے لئے دعا کرنے والوں کی مدح فرمائی لیکن روافض کا یہ حال ہے (جو قرآن کریم کو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب مانتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی کے پاس ہے جو غار میں چھپے ہوئے ہیں) کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض سے ان کے سینے بھرے ہوئے ہیں، اپنے ایمان کی تو فکر نہیں اور تین چار کے علاوہ باقی صحابہؓ کو کافر کہتے ہیں ان کے دلوں میں حضرات صحابہؓ سے بھی بغض ہے اور ان کے طریقہ پر چلنے والوں سے بھی۔

تفسیر ابن کثیر (ج ۵ ص ۳۳۹) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہؓ کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا لیکن لوگوں نے انہیں برا کہنا شروع کر دیا، پھر انہوں نے آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ آخر تک تلاوت فرمائی۔

حضرت عامر شعبیؒ نے مالک بن مغول سے نقل فرمایا کہ یہود اور نصارٰی ایک بات میں یہود روافض سے بڑھ گئے جب یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بڑھ کر کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کے اصحاب ہم میں سب سے بہتر ہیں اور نصارٰی سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سب سے بہتر ہیں جب روافض سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے برے لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ سب سے برے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ہے اور وہ انہیں برا کہتے ہیں۔ (معالم التنزیل ص ۳۲۱ ج ۴)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ سے کیسا اچھا استنباط کیا، انہوں نے فرمایا کہ کسی رافضی کا اموال فئی میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ قرآن کریم نے جن لوگوں کو حضرات مہاجرین اور انصار کے بعد اموال کا مستحق بتایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد دنیا میں آئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی، روافض دُعا کے بجائے ان حضرات کو برا کہتے ہیں، لہٰذا ان کا اموال فئی میں کوئی استحقاق نہیں کیونکہ ان میں وہ صفت نہیں ہے جو صفت اللہ تعالیٰ نے مستحقین فئی کی بیان فرمائی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے کہہ رہے تھے جو اہل کتاب میں سے ہیں کہ یقین جانو اگر تم نکالے گئے تو ضرور ضرور ہم

لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ

وہ جھوٹے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر وہ نکالے گئے تو یہ انکے ساتھ نہیں نکلیں گے اور یقینی بات ہے اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان

نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

کی مدد کریں گے تو پشت پھیر کر کے چلے جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان کے سینوں میں تمہارا ڈر اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے یہ اس وجہ سے کہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ

بیشک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اکٹھے ہو کر مگر ایسی جگہوں میں جو محفوظ ہوں یا دیواروں کی آڑ میں

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

آپس میں انکی لڑائی سخت ہے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ اکٹھے ہیں حالانکہ انکے دل الگ الگ ہیں یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

یہودیوں سے منافقین کے جھوٹے وعدے

جیسا کہ ابتدائے سورت میں سبب نزول بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہود کے قبیلہ بنی نضیر کو مدینہ منورہ چھوڑنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے انکار کر دیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ تم ہرگز نہ نکلنا ہم تمہارے ساتھ ہیں' ان آیات میں اسی کا ذکر ہے

رئیس المنافقین نے یہود کی کمر ٹھونکی اور کافرانہ دوستی کو ظاہر کرتے ہوئے یہودیوں کے پاس خبر بھیجی کہ دیکھو تم اپنے گھروں سے ہرگز نہ نکلنا' ہمیں تم اپنے سے علیحدہ مت سمجھو اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے کوئی شخص ہم سے یوں کہے گا کہ ان کا ساتھ مت دو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے اور نہ صرف مدینہ چھوڑ کر تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے بلکہ اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم ضرور ضرور تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) مزید فرمایا لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ (اگر یہودی نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے) وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ (اور اگر جنگ کی گئی تو ان کی مدد نہیں کریں گے)۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا' جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان پر یہودیوں نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے اور حضور اقدس ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا' جس میں جنگ کا احتمال تھا تو یہودی منافقین کی مدد کا انتظار کرتے رہے لیکن انہوں نے ان کی کچھ مدد نہ کی جب وہ ان کی مدد سے ناامید ہو گئے اور مقتول ہو جانے کی صورت سامنے آ گئی تو مجبوراً جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ جب وہ اپنے گھروں کو اپنے

ہاتھوں سے برباد کر کے تھوڑا بہت سامان لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے تو اس موقع پر بھی منافقین نے ان کا ساتھ نہ دیا' انہوں نے یہودیوں کو یوں تسلی دلائی تھی کہ ہم تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے لیکن بالکل طوطا چشمی سے کام لیا اور جان بچا کر اپنے گھروں ہی میں جم کر رہ گئے' اور اس کا موقع ہی نہ آیا کہ یہودیوں سے جنگ ہوتی تو یہ ان کی مدد کرتے بالفرض اگر جنگ ہوتی اور یہ مدد کرتے تو پشت پھیر کر بھاگ جاتے۔

کما قال تعالیٰ: وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ.

اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ.

کہ اے مسلمانو! منافقین نے جو یہودیوں سے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ محض ایک زبانی وعدہ ہے وہ تمہارے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔ جو شخص ایماندار ہو وہ تو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے لیکن منافقین کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے بہ نسبت تمہارا خوف ان کے دلوں میں زیادہ بیٹھا ہوا ہے وہ جھوٹ موٹ زبان سے کہہ دیتے کہ ہم مسلمان ہیں اور چونکہ انہیں اس کا یقین تھا کہ اگر ہم نے یہودیوں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو یہودی بھی پٹ جائیں گے اور ہمارا ایمان کا دعویٰ بھی دھرا رہ جائے گا اس لئے وہ یہودیوں کا ساتھ دینے والے نہ تھے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ. (اور منافقوں کا تم سے ڈرنا اور اللہ سے نہ ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وقوت نہیں سمجھتے اس کے بعد مسلمانوں کو تسلی دی کہ یہ سب لوگ بنی نضیر اور منافقین اکھٹے ہو کر بھی لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے (الگ الگ تو کیا مقابلہ کر سکتے ہیں) ہاں جو ایسی بستیاں ہیں جو قلعوں کے طور پر بنی ہوئی ہیں' ان بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں لڑ سکتے ہیں۔

چنانچہ یہود بنی قریظہ اور اہل خیبر اسی طرح مقابل ہوئے اور سب نے اپنے منہ کی کھائی اور شکست کی مصیبت اٹھائی۔

پھر فرمایا بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ (ان کی لڑائی آپس میں شدید ہے) وہ آپس میں اپنے عقائد کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى.

(آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ اکھٹے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے دل متفرق ہیں)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا [illegible] ـوْنَ.

(ان کے قلوب کا منتشر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے (اپنی اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے رہتے ہیں)۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ پہلے تھے انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھ لیا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہود کے قبیلہ قینقاع کی بے ہودگی اور جلاوطنی کا تذکرہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے قبیلے آباد تھے۔ ایک قبیلہ بنی نضیر جن کی جلاوطنی کا تذکرہ اسی سورت کے شروع میں ہوا ہے' دوسرا قبیلہ بنی قریظہ تھا' جن کے مردوں کے قتل کئے جانے اور عورتوں اور بچوں کے غلام بنائے جانے کا تذکرہ سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

تیسرا قبیلہ بنی قینقاع تھا' جن کی جلا وطنی کا قصہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ تینوں قبیلوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا کہ نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے کسی دشمن کی مدد کریں گے۔ ان تینوں قبیلوں نے غدر کیا اور اس کا انجام بھگت لیا۔

قبیلہ بنی قینقاع پہلا قبیلہ ہے جسے سب سے پہلے مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ غزوۂ بدر کے بعد کفار مکہ کو شکست دے کر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سوق بنی قینقاع میں انہیں جمع کیا اور فرمایا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا حال بھی وہی ہوسکتا ہے جو قریش کا ہوا تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس بات کو اپنی کتاب میں پاتے ہو اور اللہ کا تم سے عہد ہے کہ اس نبی پر ایمان لانا جو تمہاری کتاب میں مذکور ہے' انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اے محمد! آپ اس دھوکے میں نہ رہیں کہ قریش مکہ کو شکست دینے کے بعد ہمارا کچھ بگاڑ سکیں گے وہ لوگ تو اناڑی تھے' جنگ کرنا نہیں جانتے تھے۔ آپ نے موقع پا کر انہیں شکست دیدی۔ اللہ کی قسم! اگر ہم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم' ہم ہیں۔

اسی دوران ایک یہ واقعہ پیش آ گیا کہ ایک عورت ایک یہودی سنار کے پاس دودھ بیچنے آئی یہودیوں نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی جو یہود بنی قینقاع اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی ٹھن جانے کا ذریعہ بن گئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا تو پندرہ دن ان کا محاصرہ فرمایا' بالآخر انہوں نے کہا کہ جو آپ فیصلہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے قریب تھا کہ ان کے قتل کا حکم دیدیا جاتا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول ضد کرنے لگا اور آنحضرت ﷺ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور کہنے لگا یہ (بنی قینقاع) سات سو آدمی ہیں میری مدد کرتے رہے ہیں' آپ ان کو ایک ہی صبح یا ایک ہی شام میں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چلو ان کو تمہاری رائے پر چھوڑ دیا' اس کے بعد مدینہ منورہ سے ان کے جلا وطن کرنے کا فیصلہ کر دیا اور اذرعات (علاقہ شام) کی طرف انہیں چلتا کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳ وفتح الباری ص ۳۳۰ ج ۷)

اس واقعہ کو معلوم کرنے کے بعد اب آیت بالا کا دوبارہ ترجمہ پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کا وہی حال ہوا جو تھوڑا عرصہ پہلے ہی ان لوگوں کا حال ہو چکا ہے' جو ان سے پہلے تھے' یعنی قبیلہ بنی قینقاع' ان لوگوں نے بھی عہد توڑا اور اسلام قبول نہ کیا' الٹے الٹے جواب دیئے وہ بھی جلا وطن ہوئے اور بنی نضیر بھی نکال دیئے گئے' یہ تو دنیا کی تذلیل تھی' آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

شیطان کی سی مثال ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا' سو وہ جب کافر ہو جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب

الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷ ع

العالمین ہے' سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بلا شبہ دونوں دوزخ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔

شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے بن جاتے ہیں

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کو جو جلا وطنی کی سزا بھگتنی پڑی اور منافقین کا ان کی پیٹھ ٹھونکنا کام نہیں آیا (کیونکہ منافقین نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے شیطان کا یہ طریقہ ہے کہ انسان کو کفر پر ابھارتا ہے جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہہ کر جدا ہو جاتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (غزوۂ بدر کے موقع پر شیطان نے جو بے رخی دکھائی تھی اور بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے' حالانکہ وہ

کافروں کا دوست بن کر آیا تھا۔ انوار البیان ص ۱۹۲ جلد ۴)

شیطان کی ڈھٹائی دیکھو کہ کافر بھی ہے اور لوگوں کو کفر پر ڈالتا ہے پھر یوں کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں' قبیلہ بنی نضیر منافقین کی باتوں میں آ گئے جو شیطان کے نمائندے ہیں انہوں نے بنی نضیر سے وعدے کئے پھر پیچھے ہٹ گئے اور قبیلہ بنی نضیر کو جلاوطن ہونا پڑا۔

جس نے جھوٹ فریب' مکر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھ لی اس سے بڑے بڑے جھوٹ صادر ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

جو لوگ دنیا دار پیر بنے ہوئے ہیں دنیا سمیٹنے کے لئے اور دنیاداری کی زندگی گزارنے کے لئے گدیاں سنبھالے ہوئے ہیں اور اپنے مریدوں کے سامنے بزرگ بن کر اور اللہ والے بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور اپنے کو متقی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کا سارا دھندہ جھوٹ، فریب اور مکر کا ہوتا ہے۔

اپنے پیر یعنی ابلیس کی طرح کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں حالانکہ سر سے پاؤں تک جھوٹے ہوتے ہیں' مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے بہت دور رہیں۔

شیطان اور اس کے ماننے والے انسان کے بارے میں فرمایا کہ ان دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوزخ میں رہیں گے' اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ دوزخ کا دائمی عذاب ظالموں کی سزا ہے' اس میں منافقین کو تنبیہ ہے کہ شیطان کو دوست نہ بناؤ اور اس کے کہنے میں آ کر کفر پر جمے ہوئے مت رہو' اس کی بات مانو گے تو اس کے ساتھ دوزخ کے دائمی عذاب میں رہو گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال

تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَٱلَّذِينَ نَسُوا ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿١٩﴾

سے باخبر ہے' اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے ان کو ان کی جانیں بھلا دیں یہ لوگ فاسق ہیں

لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ وَأَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۚ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا

برابر نہیں ہیں' دوزخ والے اور جنت والے' اہل جنت ہی کامیاب ہیں' اگر ہم اس

هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُۥ خَٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ ٱللَّهِ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَمْثَٰلُ

قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب تو اسے دیکھتا ہے کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا اور یہ مضامین عجیبہ ہم لوگوں

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کے لئے فکرمند ہونے کا حکم

ان آیات میں اہل ایمان کو موت کے بعد کے احوال درست کرنے اور وہاں کے لئے فکرمند ہونے کا حکم دیا ہے' ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان یہ غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے اپنے آگے کیا بھیجا ہے' پھر دوبارہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اور اللہ

سے ڈرنے کا حکم دیا' بعض علماء نے فرمایا کہ پہلا اِتَّقُوااللّٰہَ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کیلئے فرمایا ہے اور دوسرا اِتَّقُوااللّٰہَ جو فرمایا ہے اس میں آئندہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلا حکم ادائے فرائض اور واجبات کی اہمیت دلانے کیلئے ہے اور دوسرا حکم گناہوں سے بچنے کیلئے ہے۔ آیت کے ختم ہونے پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو' اس کا عموم ہر طرح کے اعمال کو شامل ہے' اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اچھے اعمال کی بھی خبر ہے اور ان کی اچھی جزا دے گا اور اسے بندوں کے برے اعمال کا بھی پتہ ہے' مشرکین و کفار اور گناہگار و بدکار یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اعمال سے اللہ تعالیٰ شانہٗ بے خبر ہے' اسے سب کچھ علم ہے' اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا یہ جو فرمایا کہ ہر جان غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟ یہ بہت اہم نصیحت ہے۔ لوگ دنیا میں آ گئے یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے سب کو مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے۔ قیامت کے دن حاضری ہوگی، حساب کتاب ہوگا۔ اچھے برے اعمال پیش ہوں گے اور دوزخ و جنت میں جانے کے فیصلے ہوں گے۔

زندگی کی قدر کرو:............ ایمان والوں کو خطاب کر کے فرمایا تم غور کر لو۔ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے کیا بھیجا ہے؟ جو شخص جو بھی عمل کرے گا اس کا بدلہ پالے گا اگر نیکیاں بھیجی ہیں اور کم بھیجی ہیں تو اصول کے مطابق ان کا ثبوت مل جائے گا اور اگر نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو ان کا ثواب بھی زیادہ ملے گا' جو گناہ بھیجے ہیں' وہ وبال ہوں گے' عذاب بھگتنے کا ذریعہ بنیں گے۔ انسان اس دنیا میں آیا' کھایا' پیا اور یہیں چھوڑا' یہ کوئی کامیاب زندگی نہ ہوئی۔ اعمال صالحہ جتنے بھی ہو جائیں اور اموال طیبہ جتنے بھی اللہ کے لئے خرچ ہو جائیں اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے بعد ذکر تلاوت' عبادت' سخاوت جتنی بھی ہو سکے کرتا رہے' اپنی زندگی کو گناہوں میں لایعنی کاموں میں برباد نہ کرے۔

ذکر اللہ کے فضائل:............ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تو مجھے یہ ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۲۰۰)

معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کو یاد خدا میں لگائے رکھے اور زندگی کے ان سانسوں کی قدر کرے اور ان کو اپنی آخرت کی زندگی سدھارنے کے لئے صرف کرے۔ جو لوگ اپنی مجلسوں کو بیکار باتوں اور اشتہاری خرافات اور اخباری کذبات میں صرف کر دیتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں یہ مجلسیں ان کے لئے سراسر خسران اور گھاٹے کے اسباب ہیں۔

عمر انسان کے پاس ایک پونجی ہے' جس کو لے کر دنیا کے بازار میں تجارت کرنے کیلئے آتا ہے جہاں دوزخ یا جنت کے ٹکٹ خریدے جاتے ہیں اور ہر دن اور رات اور گھنٹہ اور منٹ اسی عمر کی پونجی کے اجزاء اور ٹکڑے ہیں جو ہر گھڑی انسان کے پاس سے جدا ہوتے جاتے ہیں۔ کوئی اس کے بدلہ جنت کا پروانہ (عمل صالح) خریدتا ہے اور کوئی دوزخ کا پروانہ (برا عمل) خرید لیتا ہے' افسوس ہے اس شخص پر جس کی پونجی اس کی ہلاکت کا سبب ہے۔ وہاں جب نیکیوں کا اجر و ثواب ملنا شروع ہوگا تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی اور افسوس ہوگا کہ ہائے ہائے ہم نے یہ عمل نہ کیا اور وہ عمل نہ کیا' حسرت اور افسوس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لہٰذا جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر لیں اور یہیں کر لیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہے' اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے (الترغیب والترہیب) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھ کو سیر کرائی گئی (یعنی معراج کی رات) میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اے محمد! اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجیو اور ان کو بتلا دیجیو کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل

میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں۔
سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ. (مشکوۃ المصابیح)
مطلب یہ ہے کہ جنت میں اگرچہ درخت بھی ہیں، پھل اور میوے بھی مگر ان کے لئے چٹیل میدان ہے جو نیک عمل سے خالی ہیں، جنت کی ایسی مٹی ہے جیسے کوئی زمین کھیتی کے لائق ہو، اس کی مٹی اچھی ہو، اس کے پاس میٹھا پانی ہو اور جب اس کو بو دیا جائے تو اس کی مٹی کی اپنی صلاحیت اور پانی کے سینچاؤ اور قدرتِ خداوندی کی وجہ سے اس میں اچھے عمدہ درخت اور بہترین غلہ پیدا ہو جائے، بالکل اسی طرح جنت کو سمجھ لو کہ جو کچھ یہاں بو دو گے وہاں کاٹ لو گے ورنہ وہ خالی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کو سو (۱۰۰) مرتبہ سُبحان اللہ کہے اور شام کو (۱۰۰) مرتبہ سُبحان اللہ کہے اس کو سو (۱۰۰) حج کا ثواب ملے گا اور جو شخص سو (۱۰۰) مرتبہ صبح کو اللہ کی حمد بیان کرے (الحمد للہ کہے) اور سو (۱۰۰) مرتبہ شام کو اللہ کی حمد بیان کرے تو اسے مجاہدین کو سو (۱۰۰) گھوڑے دینے کا ثواب ملے گا اور جس نے سو (۱۰۰) مرتبہ صبح کو اور سو (۱۰۰) مرتبہ شام کو لا الہ الا اللہ کہا اس کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو (۱۰۰) غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور جس نے (۱۰۰) مرتبہ صبح کو اور سو (۱۰۰) مرتبہ شام کو اللہ اکبر کہا تو اس دن کوئی دوسرا شخص اس کے برابر عمل کرنے وا نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ (یہ مذکورہ) کلمات کہے ہوں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۰۲ عن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وقال حسن غریب)
عہدِ نبوت کا ایک واقعہ: .... حضرت جریر بن عبداللہؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم ایک روز دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس ایسے لوگ آئے جن کے کپڑے نہیں تھے انہوں نے اون کی چادریں یا عبائیں پہنی ہوئی تھیں، گردنوں میں تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں، ان میں سے اکثر افراد بلکہ سب ہی قبیلہ بنی مضر میں سے تھے، ان کی حاجت مندی کا حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے۔ (اتنے میں زوال ہو چکا تھا) آپؐ نے بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی آپ نے نماز پڑھائی اور پھر خطبہ دیا اور سورۃ النساء کی آیت يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ.
آیت کے ختم یعنی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا تک تلاوت فرمائی اور دوسری آیت سورۃ حشر کی یعنی يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ تلاوت فرمائی اور حاضرین کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا (لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا) کوئی شخص دینار لایا، کسی نے درہم کا صدقہ دیا۔ کسی نے کپڑا دے دیا اور کوئی شخص گیہوں کا ایک صاع لے آیا اور کسی نے چھواروں کا ایک صاع پیش کر دیا (حسب توفیق حاضرین چیزیں لاتے رہے) یہاں تک کہ راوی نے آدھی کھجور کا تذکرہ بھی کیا یعنی بعض لوگ آدھی کھجور لے آئے۔ تھوڑی دیر میں انصار میں سے ایک شخص (درہم یا دنانیر کی) تھیلی لے کر آیا جو اتنی بھاری تھی کہ اس کا ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو چکا تھا، پھر دیگر افراد بھی لگاتار مختلف چیزیں لاتے رہے، یہاں تک کہ میں نے کھانوں کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھ لئے یہ سب کچھ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ کھل اٹھا۔ گویا کہ اس پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور دوسروں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔
(مزید فرمایا) جس نے اسلام میں برا طریقہ جاری کر دیا اور اس کو اس کے جاری کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اسے گناہ ہوگا۔ اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں سے کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۷ ج ۱)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ :۔ (ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے) جنہوں نے اللہ کے حکم پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور گمراہی کی زندگی اختیار کی اور غفلت میں ایسے پڑے کہ اللہ کو بھول گئے انہیں اللہ نے اس بھولنے کی یہ سزا دی کہ ان کی جانوں ہی کو بھلا دیا یعنی انہیں یہ دھیان نہ رہا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا' دنیا کی لذتوں میں پڑ کر انہوں نے آخرت کی نعمتوں سے محروم ہونا منظور کرلیا اور وہاں کی لذتوں سے محروم رہ گئے (**قال صاحب معالم التنزیل فانساھم انفسھم ای حظوظ انفسھم حتی لم یقدموا لھا خیراً**۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا نفس بھلا دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی)

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ . یہ لوگ فاسق ہیں' صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے الکاملون فی الفسوق یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی درجہ کے فاسق ہیں۔

اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار برابر نہیں ہیں: .... لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں) میدان آخرت میں حاضر ہوں گے تو اہل جنت اپنے باغوں میں جائیں گے اور دوزخ والے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے ان کو دائمی سزا ملے گی۔

آخر میں فرمایا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ . (جنت والے ہی کامیاب ہوں گے)

قرآن مجید کی صفت جلیلہ: .... فاسقون فائزون کے مرتبہ کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ (الآیۃ) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو اے مخاطب تو اسے اس حال میں دیکھتا کہ یہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا)۔

صاحب روح المعانی (ص ۶۱ ج ۲۸) اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے انسان کی قساوت قلبی اور تلاوت قرآن کے وقت خشوع و تدبر کی کمی پر متنبہ کیا ہے قرآن میں جو جھنجوڑنے والی آیات ہیں' انسان ان کی طرف دھیان نہیں دیتا حالانکہ یہی قرآن کسی پہاڑ پر اتارا جاتا اور اسے عقل دے دی جاتی تو وہ خشوع اختیار کرتا اور پھٹ جاتا۔

صاحب معالم التنزیل (ص ۳۳۶ ج ۴) نے بھی یہی بات لکھی ہے اور یہ بات بڑھا دی ہے کہ پہاڑ اپنی سختی کے باوجود اس ڈر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا کہ قرآن کریم کا جو حق اللہ تعالیٰ نے لازم فرمایا ہے وہ مجھ سے ادا نہ ہو سکے گا۔ یہ انسان ہی ہے جو قرآن کو پڑھتا ہے اور سنتا ہے اور اس کی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا' حالانکہ یہ مضامین عجیبہ اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ فکر کریں۔

ولا حاجة ان یفرض ترکب العقل فیه لان الجبال فیها ادراک کما ذکر اللّٰه تعالٰی فی آخر سورة الاحزاب فأبین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان وقال تعالٰی فی سورة البقرة :وان منها لما یشقق فیخرج منه الماء وان منها لما یهبط من خشیة اللّٰه . (اور پہاڑ میں عقل کے وجود کو فرض کرنے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں میں ادراک موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کے آخر میں ذکر فرمایا ہے کہ پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا اور سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بعض پہاڑ ایسے ہیں جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گرنے لگتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ

وہ اللہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی' وہ غیب کا اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے' وہ اللہ ہے

اَلَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ ؕ

جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں' وہ بادشاہ ہے' بہت پاک ہے' باسلامت ہے امن دینے والا ہے' عزیز ہے' جبار ہے، بڑی عظمت والا ہے

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الۡخَـالِـقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَـهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ؕ

اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں' وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہے' ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے' اس کے اچھے اچھے نام ہیں،

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۲۴﴾

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں وہ اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور وہ عزیز ہے، حکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں جو اس کی صفات جلیلہ کا مظہر ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ' کی شان الوہیت بیان کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو لوگ اس کی ذات وصفات میں اور اس کی شان الوہیت میں' جس کسی کو بھی شریک بناتے ہیں وہ ان شرک کرنے والوں کے شرک سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے **اولاً**: عالم الغیب والشهادة فرمایا یعنی وہ غیب کی چیزوں کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں ظاہر ہیں اس کی مخلوق کے سامنے ہیں انہیں بھی جانتا ہے' غیب کے عام مفہوم میں سب کچھ آ جاتا ہے جو چیزیں پیدا ہو کر ناپید ہو گئیں' اور جو آئندہ وجود میں آئیں گی۔ ازل سے ابد تک اسے ہر چیز کا علم ہے' جو چیزیں وجود میں کبھی بھی آئیں گے۔ اسے ان کا بھی علم ہے اور جو چیزیں ممتنع الوقوع ہیں اسے ان کا بھی علم ہے۔ الشهادة کا مفہوم بھی عام ہے مخلوق کو جن چیزوں کا علم ہے اور جن چیزوں کا مخلوق کو علم نہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور ان کے نہ جاننے کو بھی جانتا ہے

غرضیکہ ہر ممتنع اور ہر موجود اور ہر غیر موجود کا اسے علم ہے' جو علم اللہ نے کسی کو دے دیا اور جتنا دیدیا' اسے اسی قدر مل گیا' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ علم غیب دیا گیا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملا اور اتنا ہی ملا جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا۔ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ (الآیة) وقال تعالیٰ عَالِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ (الآیة)

ثانیا: صفت رحمۃ کو بیان کیا اور فرمایا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ کہ وہ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے۔ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمۃ سے مشتق ہیں چونکہ دونوں کے معنی میں مبالغہ ہے' اسی لئے ترجمہ میں بھی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے اکثر علماء فرماتے ہیں' لفظ رحمٰن میں لفظ رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے دنیا میں بھی اس کی رحمت کا بہت زیادہ مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا بہت بڑا مظاہرہ ہوگا۔

ثالثاً: اَلۡمَلِكُ فرمایا ملک بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ حقیقی بادشاہ ہے' دنیا میں جو بادشاہ ہیں وہ سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں وہ ملک الملوک یعنی سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور سارا ملک اسی کا ہے۔ سورۂ یٰس میں فرمایا: فَسُبۡحَانَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ.

رابعا: اَلۡقُدُّوۡسُ فرمایا' یعنی وہ ہر نقصان اور ہر عیب سے بہت زیادہ پاک ہے' یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم وتروں کا سلام پھیر کر تین مرتبہ ذرا اونچی آواز سے سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھا کرتے تھے اور القدوس کی دال کے پیش کو کھینچ کر پڑھتے تھے یعنی واؤ ساکن جو حرف مد ہے۔ اس کے مد کو مد طبعی سے زیادہ ادا کرتے تھے۔

خامساً: اَلسَّلَامُ فرمایا' یہ لفظ مصدر ہے' علماء نے لفظ اسلام کے کئی معنی لکھے ہیں' اول یہ کہ وہ باسلامت ہے ہر طرح سالم ہے' اس کی ذات وصفات میں کبھی بھی کوئی کمی آنے والی نہیں ہے' بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے وہ سلامتی دینے والا ہے۔

سادساً: اَلْمُؤْمِنُ' فرمایا اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ امن وامان دینے والا ہے' دنیا میں اپنے بندوں کو امن وامان سے رکھتا ہے۔ اہل ایمان کے قلوب کو اطمینان عطاء فرماتا ہے' نیک بندوں کو قیامت کے دن اطمینان عطا فرمائے گا' جس کے بارے میں لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ.

اور بعض حضرات نے المؤمن کا یہ معنی بتایا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ وقال صاحب الروح معناه هو ذو الأمن من الزوال الاستحاله عليه سبحانه وتعالىٰ وفي معناه اقوال اخرى (ذكرها صاحب الروح)

سابعاً: اَلْمُهَيْمِنُ فرمایا' اس کے معنی ہے نگران' اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی ساری مخلوق کا نگران اور نگہبان ہے قال صاحب الروح (ص ۴۸) اى الرقيب الحافظ لكل شيء مفيعل من الأمن بقلب همزته هاء واليه ذهب غير واحد ثم استعمل بمعنى الرقيب والحفيظ على الشيء. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا معنی ہے نگران ومحافظ مفیعل کے وزن پر ہے الامن سے بنا ہے' ہمزہ یاء سے بدلا گیا متعدد حضرات کا قول یہی ہے پھر رقیب وحفیظ کے معنی میں استعمال ہونے لگا)

ثامناً: اَلْعَزِيْزُ' فرمایا وہ غالب ہے' زبردست ہے اس کے ارادہ سے اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں وہ جو چاہے کرے اس کو ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ ہر طرح صاحب اقتدار ہے۔

تاسعاً: اَلْجَبَّارُ فرمایا' یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے جو جَبَرَ یَجْبُرُ سے ماخوذ ہے' بعض حضرات نے اس کو معروف معنی میں لیا ہے یعنی وہ جبار اور قہار ہے وہ اپنی مخلوق میں جو بھی تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے اسے کوئی بھی کسی تصرف سے روک نہیں سکتا۔

اور بعض حضرات نے اس کو مصلح کے معنی میں لیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ خرابیوں کو درست کرنے والا ہے' ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا ہے۔ احوال کی اصلاح کرنے والے ہے۔

عاشراً: اَلْمُتَكَبِّرُ' فرمایا' یہ باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے الكامل في الكبرياء اسی لئے اوپر اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ بڑی عظمت والا ہے۔ مخلوق کے لئے یہ لفظ بولتے ہیں تو یہ باب تفعل تکلف کے معنی میں ہوتا ہے' اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص بڑا بنتا ہے' بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے' مخلوق کو بڑائی بگھارنا جائز نہیں' اگر کسی مخلوق میں کوئی بڑائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ جس نے دی ہے اس کا شکر ادا کرے نہ یہ کہ اس کی مخلوق کو حقیر جانے اور اپنے کو بڑا سمجھے۔

سورۃ الجاثیہ کے ختم پر فرمایا:

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

(اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الكبرياء ردائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهما ادخلته النار (رواه مسلم)

یعنی کبریاء اور عظمت میری خاص صفات ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی منازعت کرے گا میں اسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔

الحادی عشر: اَلْخَالِقُ 'پیدا کرنے والا

الثانی عشر: اَلْبَارِئُ 'پیدا کرنے والا

ان دونوں کلمات کا ترجمہ قریب قریب ہے' بعض حضرات نے الخالق کا معنی بالکل صحیح ٹھیک انداز کے مطابق بنانے والا کیا ہے اور الباری کا معنی کیا ہے کہ وہ عدم سے وجود بخشنے والا ہے۔

علامہ قرطبی نے الخالق ھاھنا المقدر والباری ء النشئی والمخترع (خالق یہاں مقدر کے معنی میں ہے اور باری کا معنیٰ پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا) لکھا ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں۔

الخالق من الخلق واصله التقدير المستقيم ويستعمل بمعنى الابداع وايجاد شئ من غير اصل كقوله تعالٰى :خلق السماوات والارض وبمعنى التكوين كقوله عزوجل :خلق الانسان من نطفة وقوله بمعنى انه مقدره اوموجده من اصل اومن غير اصل. (خالق، خلق سے ہے اس کا اصل معنی ہے صحیح طور پر مقرر کرنا پھر اس کا استعمال ابداع اور بغیر مادہ کے کسی شئ کو پیدا کرنے کے معنی میں ہونے لگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خلق السماوات والارض اور خلق تکوین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خلق الانسان من نطفۃ (اس کے آخر میں ہمزہ ہے یعنی وہ ذات جس نے مخلوق کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ کسی قسم کے تفاوت سے بری ہے)

اس کے بعد الباریٔ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ الهمزة في آخره اى الذى. الخلق اخلق برئ من التفاوت.

اس تصریح سے معلوم ہو گیا کہ خالق کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے بالکل ابتداءً بغیر کسی اصل کے پیدا فرمایا اور یہ بھی ہے کہ اس نے پہلے سے کوئی چیز پیدا فرمائی پھر اس سے کوئی چیز پیدا فرمادی ہو اور ٹھیک اندازہ کے مطابق پیدا فرمانے کا معنی بھی ہے اور باریٔ کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ پیدا فرمایا وہ تفاوت سے بری ہے۔

الثالث عشر: اَلْمُصَوِّرُ یعنی تصویریں بنانے والا' اجسام کی جتنی بھی تصویریں ہیں' وہ سب اللہ کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں یہ سب اس کی قدرت کاملہ کے مظاہرے ہیں۔ سورۃ الانفطار میں فرمایا خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ.

(جس نے تجھ کو پیدا فرمایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا' جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا)

پھر فرمایا لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں)

جن اسماء و صفات پر یہ اسماء دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ ان سے متصف ہے

سورۃ الاعراف میں فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا.

(اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو ان کے ذریعہ ان کو پکارو)

اور سورۃ الاسراء میں فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

(آپ فرمادیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے پکارو اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں)

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں جو شخص انہیں اچھی طرح یاد کرلے گا۔ جنت میں داخل ہوگا۔
مزید تشریح وتوضیح کے لئے انوار البیان اور علامہ جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب الحصن الحصین اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کرلیں۔ سنن ترمذی میں ننانوے نام مروی ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہیں ان میں بعض نام وہ ہیں جو سنن ترمذی کی روایت سے زائد ہیں یعنی ان میں سے بہت سے نام وہ ہیں جو سنن ترمذی میں مروی نہیں ہیں۔

يُسَبِّحُ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

(سب چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں جو آسمان میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے)

فائدہ: .... حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر سورۂ حشر کی یہ آخری تین آیات پڑھ لے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے رہیں گے اور اگر اس دن مرجائے تو شہید مرے گا اور جو شخص شام کو یہ عمل کرے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادے گا جو اس پر صبح تک رحمت بھیجتے رہیں گے اور اگر وہ اس رات میں مرجائے تو شہید مرے گا۔ (ترمذی)

تم تفسیر انتهى سورة الحشر والحمد لله اولاً وآخراً وباطنا وظاهرا

☆☆☆..................☆☆☆

۱۳ آیتیں ۲ رکوع	سورۂ ممتحنة	مدنی

(۶۰) سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱) آیاتہا ۱۳ رکوعاتہا ۲

سورۂ ممتحنہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں تیرہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم ان کی طرف دوستی کرتے ہو اور حالانکہ وہ حق کے منکر ہو چکے ہیں جو

بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ

تمہارے پاس آیا ہے وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا رب ہے اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ

کے لئے میری راہ میں اور میری رضا تلاش کرنے کیلئے تم ان کی طرف چپکے سے دوستی کی باتیں کرتے ہو اور میں ان باتوں کو خوب جانتا ہوں'

وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا

جنہیں تم چھپاتے ہو اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اگر وہ تمہیں پالیں تو تمہارے

لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲ لَنْ تَنْفَعَكُمْ

دشمن ہو جائیں اور تمہاری طرف برائی کیساتھ اپنے ہاتھوں کو اور اپنی زبانوں کو بڑھا دیں۔ انہیں اس بات کی خواہش ہے کہ تم کافر ہو جاؤ' ہرگز نہیں نفع نہ دیں گی تمہاری

اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ تمہارے درمیان جدائی فرمادے گا اور اللہ تمہارے سارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرنے کی ممانعت!

ان آیات کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:............ انہوں نے اہل مکہ کو (جو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے دشمن

معانقة ۱۶ السماء الوقف على القيٰمة ہ

تھے) ایک خفیہ خط لکھا جس کا واقعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد ص ۴۲۲ اور کتاب المغازی ص ۵۶۷، ص ۲۸۶ اور کتاب التفسیر ص ۷۲۶ میں یوں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے اور زبیر اور مقداد کو (بعض روایات میں حضرت ابومرثد غنوی کا نام بھی ہے) (یہ چاروں حضرات گھوڑ اسوار تھے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا اور فرمایا کہ تم روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو یہاں تک کہ روضہ خاخ تک پہنچ جاؤ، وہاں تمہیں مشرکین میں سے ایک عورت ملے گی، جس کے پاس حاطب کی طرف سے مشرکین کے نام ایک رقعہ ملے گا (شراح حدیث نے لکھا ہے کہ روضہ خاخ مدینہ منورہ سے بارہ میل کی مسافت پر ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مقام مذکورہ تک پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر جارہی ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھادیا اور رقعہ تلاش کیا تو اس کے پاس کہیں سے برآمد نہیں ہوا۔ ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غلط نہیں فرمایا۔ اس کے پاس رقعہ ضرور ہوگا۔ ہم نے کہا کہ تیرے پاس جو رقعہ ہے وہ نکال، کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی رقعہ نہیں ہے۔ ہم نے ذرا زوردار طریقہ پر کہا، پرچہ نکال ورنہ ہم تجھے ننگی کردیں گے، جب اس نے یہ انداز دیکھا تو اپنی کمر باندھنے کی جگہ پر سے اور بعض روایات میں ہے کہ اپنے سر کے بالوں میں مینڈھیوں سے پرچہ نکالا یہ پرچہ حاطب ابن ابی بلتعہؓ کی طرف سے مشرکین کے نام تھا، جس میں مشرکین کو یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم لوگوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس پرچہ کو لے کر مدینہ منورہ واپس ئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کے مضمون کا علم ہوا تو فرمایا کہ اے حاطب! یہ کیا بات ہے؟ حاطبؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں، میں نے کفر اختیار کرنے اور مرتد ہونے کے لئے یہ پرچہ نہیں لکھا۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں مل جل کر رہتا تھا، ان کا حلیف تھا، خود قریشی نہیں تھا۔ آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کی رشتہ داریاں ہیں جن کے ذریعہ ان کے اہل وعیال واموال محفوظ ہیں۔ مجھے یہ بات پسند آئی کہ ان سے میرا کوئی سلسلۂ نسب نہیں ہے تو ان پر ایک احسان ہی دھر دوں تاکہ وہاں جو میرے متعلقین ہیں ان کی حفاظت کا ایک بہانہ بن جائے۔

(تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ حضرت حاطبؓ اصلاً یمن کے رہنے والے تھے (ص ۵۱ جلد ۱۸)

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاطب نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شرکاء بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری بخشش کردی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ تک نازل فرمائیں۔ حضرت حاطبؓ نے جو عمل کیا وہ تو غلط تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وجہ سے ان کو کوئی سزا دینا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ شرکاء بدر میں سے تھے، جن سے سوچ اور فکر کرنے میں خطا ہوگئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش ایمانی کی وجہ سے یہ دھیان نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمادیا کہ انہوں نے سچ کہا ہے کہ اس کے بعد انہیں منافق کہنے اور گردن مارنے کا موقع نہیں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکاء بدر میں ان کے شریک ہونے کی فضیلت بیان فرمائی تو حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔

البدایہ والنہایہ (ص ۲۸۴ ج ۴) میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کے خط کی عبارت بھی نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان کا مواخذہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے نفاق سے یا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خیانت کی وجہ سے یہ خط نہیں لکھا تھا یہ تو میں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غالب فرمائے گا اور اپنے دین کو مکمل فرمائے گا لہٰذا میرے لکھنے نہ لکھنے سے کوئی فرق

نہیں پڑتا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ میں جب مکہ میں تھا تو ان کے درمیان پردیسی تھا اور میری والدہ بھی وہیں ہیں لہٰذا میں نے چاہا کہ ان پر کوئی احسان ہو جائے۔ یہ ان کی ایک سوچ تھی، جس کی وجہ سے یہ خط لکھ دیا جو سورۂ ممتحنہ کی آیات کے نزول کا سبب بن گیا اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہوگئی، جب یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے عنقریب تشریف لے جارہے ہیں اور آپ کو غلبہ ہونا ہی ہونا ہے تو چند دن کے لئے اہل مکہ پر احسان دھرنے کی ضرورت ہی نہ تھی

اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے دشمن کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، دشمنوں کی طرف دوستی پھینکنا اور ان کو یہ بتانا کہ ہم تمہارے ہمدرد ہیں اور دوست ہیں (یہ شان ایمان کی خلاف ہے جو گناہ کے کام ہیں وہ ظاہراً کرو یا پوشیدہ کرو انہیں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایسی حرکت کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے جو بھی کوئی شخص ایسی حرکت کرے گا سَوَآءَ السَّبِیْلِ یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ جو فرمایا

یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے وطن کو چھوڑ کر اس لئے آئے ہو کہ میری راہ میں جہاد کرو۔ میری مرضی کے طالب بنو تو میرے اور اپنے دشمنوں کی طرف دوستی مت پھینکنا، مشرکین کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے حق کا انکار کر دیا، کفر پر جمے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور تم لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دیا جبکہ تمہارا کچھ بھی قصور نہ تھا، بس اتنی بات تھی کہ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا رب ہے۔ یہ ایمان لانا اور مؤمن بندہ بننا کوئی عیب کی بات نہیں، جس کی وجہ سے کسی کو نکالا جائے ان کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے تمہیں شہر بدر کر دیا اور ان کی یہ دشمنی پوری نہیں ہوگئی، وہ ابھی تک تمہارے دشمن ہیں ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم کو کہیں پالیں تو ان کی دشمنی ظاہر ہو جائے گی اور دست درازی بھی کریں گے اور زبان درازی بھی، تمہیں تکلیف پہنچانے کی اور قتل کرنے کی کوشش کریں گے اور ان کی یہ تمنا اور آرزو ہے کہ تم لوگ ایمان کو چھوڑ کر پھر کفر میں داخل ہو جاؤ یہ تو ان کا حال ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ چھپکے سے ان کی طرف دوستی ڈالتے ہو جو سراسر شان ایمان کے خلاف ہے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

(قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد ہرگز تمہیں نفع نہ دیں گی)

یہ ایک عام مضمون ہے ہر مسلمان سے متعلق ہے۔ خصوصی طور پر یہاں اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جو خط بھیجا تھا اس کی معذرت کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ میں نے اپنی رشتہ داریوں کی خاطر یہ خط بھیجا ہے تاکہ قریش مکہ پر میرا یہ احسان ہو جائے اور میرے اقربا کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ رشتہ داریوں کا تو خیال رہا اور یہ دھیان نہ رہا کہ رسول اللہؐ کی جاسوسی کر بیٹھے۔

سورۂ لقمان میں ارشاد فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا.

(اے ایمان والو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی جانب سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا۔ اور سورۂ عبس میں فرمایا:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ. یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ.

(پھر جس وقت کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا ہر آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی

اولاد سے بھاگے گا ان سے ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا)

جب رشتہ داروں کا یہ حال ہوگا تو دوسرے لوگ کیا کام آ سکتے ہیں' جس دن انسان سب اوقات اور احوال سے زیادہ حاجت مند ہوگا سب ہی اس سے دور بھاگیں گے ان سے دوستی کرنا اور انکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی جاسوسی کرنا ایمان کے صریح خلاف ہے۔

جاسوسی کا شرعی حکم: .... فائدہ: حضرت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلمًا قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ لکھا ہے اس کے بعد فی الجاسوس الذمی اور اس کے بعد تیسرا باب فی الجاسوس المستأمن قائم کیا ہے۔

جاسوس مسلم، جاسوس ذمی، جاسوس مستأمن یہ تین قسم کے جاسوس ہوئے اور چوتھا جاسوس حربی ہے۔ جس سے کوئی معاہدہ نہ ہو ان چاروں قسم کے جاسوس کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں' شارح مسلم امام نووی نے فرمایا کہ جاسوس حربی تو باجماع المسلمین قتل کر دیا جائے گا اور جو جاسوس معاہد اور ذمی ہے اس کے بارے میں حضرت امام مالک اور امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ جاسوسی کی وجہ سے معاہدہ ٹوٹ جائے گا اب امام المسلمین اسے غلام بھی بنا سکتا ہے اور قتل کی بھی اجازت ہے اور جمہور علماء کا فرمان ہے کہ اس سے اس کا معاہدہ منقوض نہیں ہوگا۔ ہاں اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جاسوسی کرے گا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا تو پھر نقض عہد میں شمار ہوگا اور جو شخص مسلمانوں میں سے جاسوسی کرے اس کے بارے میں امام شافعی اور امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہؒ اور بعض مالکیہ نے فرمایا ہے کہ امام المسلمین اس کو جو چاہے تعزیر کے طور پر سزا دیدے اور اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ امام المسلمین اجتہاد کر کے اپنی رائے کے مطابق عمل کرے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے۔ ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا

اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں' ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ

اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ' لیکن ابراہیم کی اتنی بات جو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات

شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کا اختیار نہیں' اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! آپ ہم کو کافروں کا

وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا

فتنہ نہ بنائیے اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے' بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں' بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو

اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور مستحق حمد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ قابلِ اقتداء ہے اور کافر کے لئے استغفار ممنوع ہے

ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے مباحثے ہوئے جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں' ان باتوں سے ایک بات یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مداہنت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کرتے ہو اس سے بھی بیزار ہیں' اس اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ہم تمہارے منکر ہیں' ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی' جب تک تم اللہ واحدہٗ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ۔

اہل ایمان کو اسی طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہئے کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دین حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں ایمان کے خلاف ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کر دیں کہ ہم تم میں سے نہیں' کافروں سے کسی قسم کی موالات و مداہنت کا معاملہ نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ سے باتیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ.

(میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں) یعنی ایمان قبول نہ کرو گے اور کفر ہی اختیار کئے رہو گے تو میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا اس میں مغفرت کی دعا کا جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق انہوں نے دعا بھی کی تھی جس کا سورۂ شعراء میں ذکر ہے۔ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ.

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ان کو ایمان کی توفیق دے اور مغفرت فرما' سورۂ توبہ میں فرمایا ہے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ.

(جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی یہ یقین ہو گیا کہ کفر پر باپ کی موت ہو گی تو بیزاری ظاہر کر دی)

سورۂ ممتحنہ میں جو اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ.

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی دعا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں قولو امقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کو حکم دیا ہے کہ یوں دُعا کریں اے ہمارے رب! ہم نے آپ پر بھروسہ کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور آپ ہی کی طرف جانا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دیجئے) یعنی انہیں ہمارے اوپر مسلط نہ کیجئے وہ ہمیں تکلیف نہ پہنچا سکیں۔

وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا. (اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اے ہمارے رب!)
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (بے شک آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں)
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الآية)
یعنی حضرت ابراہیم اور ان کے اصحاب کے طرز عمل میں اس شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو۔
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ
اور جو شخص روگردانی کرے گا' سو اللہ بے نیاز ہے اور حمد کا مستحق ہے (جو کوئی شخص کافروں سے موالات کرے گا ان کی طرف جھکے گا' اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا وہ غنی ہے، بے نیاز ہے اور حمید بھی ہے' ہمیشہ تعریف کا مستحق ہے)۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

عنقریب اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان دوستی پیدا فرما دے گا جن سے تمہاری عداوت ہے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيْمٌ ۞ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے

قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ

تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھر سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞

اور جو شخص ان سے دوستی کرے گا سو یہ وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔

ہجرت کرنے کے بعد وطن سابق کے لوگوں سے تعلق رکھنے کی حیثیت

جیسا کہ معلوم و معروف ہے جو حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے مکہ معظمہ میں ان کے رشتہ دار تھے' جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا' طبعی طور پر مہاجرین کے دلوں میں اس کا احساس ہونا ممکن تھا کہ ان لوگوں سے تعلقات ٹوٹ گئے۔ (لیکن ایمان و کفر کے مقابلہ کی وجہ سے تعلقات ٹوٹنا بھی ضروری تھا) اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی ہے اور امید دلائی ہے کہ ایمان کی وجہ سے جن رشتہ داروں سے تعلقات ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان مودت یعنی محبت پیدا فرما دے گا (یہ محبت اس طرح وجود میں آئے گی کہ جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دیدے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کچھ لوگ فتح مکہ سے پہلے اور کچھ اس دن اور کچھ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے' جس کی وجہ سے رشتہ داریوں کے

تعلقات استوار ہو گئے ابوسفیان بن حرب، حارث ابن ہشام، سہیل ابن ہشام، سہیل ابن عمرؓ، حکیم بن حزام مسلمان ہو گئے، ان میں ابوسفیان وہ شخص ہیں جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کے لشکر کی قیادت کرتے تھے اور سہیل بن عمرو وہی شخص ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ کے نمائندہ بن کر آئے تھے اور صلح نامہ میں محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا۔

کافروں کو ایمان کی توفیق دینا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دینا۔ اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے اس لئے آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ (اور اللہ قادر ہے) نیز وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بھی فرمایا جس میں یہ بتایا کہ کفار جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان کا پچھلا سب معاف کر دیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ معاف فرما دے گا تو اہل ایمان کو ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ آدمی تو کل تک دشمن تھا آج دوستی کیسے کریں، جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا ان میں دو قسم کے آدمی تھے، اول وہ لوگ جنہوں نے نہ جنگ میں حصہ لیا اور نہ اہل ایمان کو نکالنے میں کوشش کی اور نہ اس سلسلہ میں مدد کی اور دوسری قسم ان لوگوں کی تھی، جنہوں نے مسلمانوں سے قتال بھی کیا اور مکہ سے نکالنے پر تل گئے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی، آیت کریمہ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ پہلے گروہ کے بارے میں اور اس کے بعد والی آیت اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ دوسرے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلی آیت لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عورتوں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان سے متصف نہیں ہوئے تھے، اور حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ایمان قبول کر لیا تھا، مگر ہجرت نہیں کی، مہاجرین وانصار ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے پرہیز کرتے تھے، کیونکہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے فرض کے تارک تھے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی، جو مکہ میں رہ گئے تھے، ہجرت نہ کر سکے تھے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے آیت کا سبب نزول ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مؤمن کافر دونوں فریق امن وامان سے رہنے لگے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی والدہ مدینہ منورہ آئیں کچھ اپنی ضرورت کا اظہار کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو مشرک عورت پر مال خرچ کرنے میں تأمل ہوا، لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال پیش کر دیا اور عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہیں۔ ان کی طرف سے کچھ حاجت مندی ظاہر ہو رہی ہے کیا میں صلہ رحمی کے طور پر انہیں کچھ دے دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں صلہ رحمی کرو۔ راوی حدیث حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے کہ اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۸۸۴ ج ۲)

صاحب روح المعانی نے بحوالہ مسند امام احمد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے یوں حدیث نقل کی ہے کہ قبیلہ بنت عبدالعزی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر آئیں قبیلہ مشرکہ تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے ان کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس خبر بھیجی کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر کے بتائیں۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی اور ہدیہ قبول کرنے اور گھر میں بلانے کی اجازت دے دی۔

آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں قتال کیا اور تم کو گھروں سے نکالا اور نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کہ جولوگ اس قسم کے کافروں سے دوستی کا تعلق رکھیں گے وہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جانوں کو مستحق عذاب بنانے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو، ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے،

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا

اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہوان کو ادا کر دو، اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہوگا، جبکہ تم ان کے مہران کو دے دو اور تم کافر عورتوں کے تعلقات

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ

کو باقی مت رکھو، اور جو کچھ تم نے خرچ کیا وہ مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ

اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جائے، پھر تمہاری نوبت آ جائے تو جن کی بیویاں ہاتھ

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا، اس کے برابر تم ان کو دے دو، اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو

مؤمنات مہاجرات کے بارے میں چند احکام

۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین عمرہ کرنے میں رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں، آپؐ نے تحقیق حال کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے پاس بھیجا اور خود مقام حدیبیہ میں تشریف فرما ہو گئے حضرات صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے، اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو بھیجا (وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) باتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ آپس میں صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ دس (۱۰) سال کے لئے صلح ہو گئی جس کی تفصیل سورۃ الفتح کی تفسیر میں گزر چکی ہے، ان دس شرطوں میں یہ بھی تھا کہ جو بھی کوئی شخص اہل مکہ میں سے مدینہ منورہ پہنچ جائے گا اگر چہ مسلمان ہو کر آئے تو اسے واپس کر دیا جائے گا، اور جو شخص مسلمانوں میں سے مکہ پہنچ جائے گا وہ لوگ اسے واپس نہیں کریں گے، ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ خود سہیل بن عمرو کا بیٹا جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئیں تھیں پہنچ گیا جو مسلمان ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اسے بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا، اس نے مسلمانوں سے کہا تم مجھے لے چلو واپس نہ ہونے دو۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ انہیں واپس نہ کریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی سہیل سے کہا کہ اسے مجھے دے دو لیکن سہیل نہیں مانا (جس کا قصہ طویل ہے) جب صلح نامہ کی کتابت ہو گئی تو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی ہدی کے جانور ذبح کر دیئے اور حلق بھی کر لیا' حلال ہو گئے اور احرام سے نکل گئے۔

اس کے بعد کچھ عورتیں آ گئیں انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں ساتھ لے چلو اس موقع پر آیت بالا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (الاٰیۃ) اور اس کے بعد والی آیت وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ نازل ہوئی پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! جب اپنے طور پر امتحان کر لو' سو اگر تم جان لو کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف مت لوٹانا' نہ یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مرد ان کے لئے حلال ہیں (اگر چہ زمانہ کفر میں وہ میاں بیوی تھے) جب کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے آ گئی تو سابق کافر شوہر سے اس کا نکاح ختم ہو گیا۔ معاہدہ میں جو شرط تھی کہ جو شخص اہل مکہ میں سے جائے گا اسے واپس کر دیا جائے گا اس کے عموم میں تخصیص کر دی گئی اور عموم الفاظ سے مؤمنات مہاجرات کا استثناء کر دیا گیا' پھر دشمن بھی اس پر راضی ہو گئے' لہٰذا کوئی اشکال نقض عہد کے بارے میں وارد نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی فرما دیا کہ کافروں نے مؤمن عورتوں پر جو کچھ خرچ کیا وہ ان کو دے دو (جیسا کہ آئندہ ذکر آ رہا ہے)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب عورت مسلمان ہو گئی تو وہ ہمارے پاس خوش دلی سے نہیں رہ سکتی اور مسلمانوں میں چلی جائے تو اس سے جنگ کا خطرہ بھی نہیں' پھر اوپر سے ہمارے خرچ کئے ہوئے پیسے بھی مل رہے ہیں' اس لئے انہوں نے عورتوں کو واپس کرنے کیلئے اصرار نہیں کیا۔

ان مؤمنات مہاجرات میں حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط بھی تھیں' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں تو ان کے خاندان والے حاضر ہوئے اور واپس کرنے کے لئے کہا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واپس نہیں کیا۔

صاحب روح المعانی (ص ۶۷ ج ۲۸) نے سبیعہ بنت الحارث امیمہ بنت بشر کا نام بھی لکھا ہے' یہ بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو گئیں' ان کے خاندان والوں نے واپس کرنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے واپس نہیں کیا۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئیں' ان کے کافر شوہروں نے ان پر جو مال خرچ کیا اتنا مال ان کو دے دیں (یہ حکم خاص اسی وقت کے لئے تھا کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ بات داخل تھی کہ جو شخص اہل مکہ میں سے آپ کے پاس آئے گا اسے واپس کرنا ہو گا پھر اس میں مہاجرات مؤمنات کا استثناء کر دیا گیا تو حکم دیا گیا کہ ان کے سابقہ شوہروں کو اتنا مال دے دیا جائے جو انہوں نے خرچ کیا تھا)۔

اس وقت جو صلح کی تھی' ایک سال کے اندر قریش مکہ کی طرف سے اس کی خلاف ورزی کر دی گئی' جس کی بنیاد پر مکہ معظمہ فتح کیا گیا جب صلح ہو گئی تو صلح کا اثر بھی ختم ہو گیا' اگر اب کوئی عورت کافروں کے ملک سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ملک میں آ جائے گی تو اسے واپس نہ کیا جائے اور اس کے شوہر کو یا حکومت کافرہ کو کوئی مال نہیں دیا جائے گا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ.

(اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ ان ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے نکاح کر لو جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو)

اس میں ان عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیدی جو مسلمان ہو کر دارالحرب چھوڑ کر دارالاسلام میں آ جائیں چونکہ وہ مسلمان تھیں اس لئے دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان احکام شرعیہ کے مطابق ان سے نکاح کر سکتے ہیں' رہی یہ بات کہ اس عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر عدت لازم نہیں ہے اور عدت گزارے بغیر کسی مسلمان

سے نکاح کر سکتی ہے اور حضرات صاحبین نے فرمایا کہ اس پر عدت لازم ہے اس کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی لیکن اگر ہجرت کر کے آنے والی عورت حاملہ ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہوا سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(دیکھو ہدایہ باب نکاح اہل الشرک)

اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. جو فرمایا یہ جواز نکاح کی قید نہیں ہے بلکہ اس میں التزام مہر کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی مہر مقرر کر دیا جائے پھر اسی وقت ادا کر دیا جائے یا اس کی ادائیگی کا وعدہ کر دیا جائے۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی نہ رکھو) یعنی تمہاری جو کافر بیویاں دار الحرب میں رہ گئی ہیں ان کا نکاح ختم ہو چکا اب سابق نکاح کے اثر کو باقی نہ سمجھو حتیٰ کہ دار الحرب والی کافرہ بیوی کی کوئی بہن دار الاسلام میں ہو تو اس سے نکاح کر سکتے ہو۔

وَ سْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا.

(اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ طلب کر لو اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ طلب کر لیں) یعنی جو عورت دار الحرب میں کافرہ گئی اور مسلمان ہو کر دار الاسلام نہ آئی (جس کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا) اس عورت پر جو تم نے خرچ کیا تھا یعنی مہر وہ دار الحرب کے کافروں سے طلب کر لو۔

اور کافروں نے جو ان عورتوں پر خرچ کیا ہے جو تمہارے پاس مسلمان ہو کر آ گئیں وہ تم سے مانگ لیں یہ احکام بھی صلح حدیبیہ سے متعلق ہیں بعد میں منسوخ کر دیئے گئے۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ (یہ اللہ کا حکم ہے) يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (وہ تمہارے درمیان فیصلے فرماتا ہے) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ علیم ہے حکمت والا ہے)۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ (الآیۃ) اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے کی وجہ سے تمہارے ہاتھ سے نکل گئی یعنی تمہارے ذمہ اسی طرح کا کوئی حق کسی کافر کا نکل آئے۔ تو ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دار الحرب میں رہ گئیں اس قدر دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا یعنی تمہارے ذمہ جو کافروں کو ان کی سابق بیویوں کو مہر دینا واجب ہے (جو مسلمان ہو گئیں اور دار الاسلام میں آ گئیں) ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اگر برابر سرابر ہے تو کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں اگر کمی بیشی ہو تو اس کو معاملات کے طور پر سوچ لیں یعنی جو کافر کا حق ہے وہ ادا کر دیں اور جو اپنا حق باقی ہے اس کا مطالبہ جاری رکھیں۔ یہ حکم بھی صلح حدیبیہ کے ساتھ مخصوص تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو) اس میں تمام احکام کی پابندی کا حکم دیا اور خلاف ورزی پر وعید کی طرف اشارہ فرما دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ

اے نبی! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں آئیں جو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ

اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لے کر آئیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراشیں

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اور یہ کہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی سوانہیں بیعت کر لیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے' بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

بیعت کے الفاظ اور شرائط کا بیان

صلح حدیبیہ کے اگلے سال مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ اہل مکہ تو ڈر رہے تھے کہ دیکھو ہماری زیادتیوں کے بدلہ میں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے لیکن حضور اقدس ﷺ نے لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ پڑھ کر سب کچھ معاف فرما دیا اکا دکا بعض افراد کے سوا عموماً اہل مکہ سب ہی مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی عہد لیا اور عورتوں سے بھی' عورتوں سے جو عہد لیا تھا وہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ عام طور پر جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے ان چیزوں پر عہد لیتے تھے اور زبانی بیعت فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں چھ چیزیں مذکور ہیں جن پر بیعت کرنے کا حکم ہے علماء نے بتایا ہے گزشتہ آیت جو فَامْتَحِنُوْهُنَّ فرمایا ہے اس میں ان چیزوں پر عہد لینا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے قسم لیتے تھے کہ وہ اپنے شوہر کے بغض کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی مسلمان کے عشق میں مبتلا ہے اور نہ کسی سرزمین سے بے رغبت ہو کر آئی ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت کی ہے جس کی وجہ سے مؤاخذہ کی مستحق ہو اور نہ دنیا کے لئے آئی ہے بلکہ محض اسلام میں رغبت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے آئی ہے' جب وہ قسم کھا کر یہ بیان دے دیتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو مشرکین کی طرف نہیں لوٹاتے تھے اور مشرکین کی طرف سے مشرکین کو مہر یا جو کچھ اس پر خرچ ہوا ہو وہ دے دیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب مؤمن عورتیں ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو ان سے آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ کے ذریعہ امتحان لیتے تھے' جو چیزیں آیت کریمہ میں مذکور ہیں جب وہ ان کا اقرار کر لیتی تھیں تو اسی سے ان کا امتحان ہو جاتا تھا' اس اقرار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے جاؤ میں نے تمہیں بیعت کر لیا' اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ آپ صرف زبان سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۱ ج ۲)

آیت بالا میں جن چیزوں پر بیعت لینے کا ذکر ہے بظاہر چھ چیزیں ہیں پہلی پانچ چیزوں میں منفی پہلو بیان فرمائے ہیں' جن میں یہ ہے کہ ایسا ایسا نہ کریں گی اور چھٹی چیز کے الفاظ بھی بظاہر نہی کے الفاظ ہیں لیکن ان کا عموم دین کے سب کاموں کو شامل ہے اور اس میں پورے دین پر چلنے کا عہد لیا گیا ہے۔

پہلا عہد اس بات کا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں گی۔

دوسرا عہد یہ ہے کہ زنا نہ کریں گی۔ تیسرا عہد یہ ہے کہ چوری نہ کریں گی۔

چوتھا عہد یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی (یہ عہد اس زمانے میں لینا ضروری تھا کیونکہ اہل عرب اس وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے اور لڑکی پیدا ہو جاتی تو شرماتے ہوئے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور اسے زندہ دفنا دیتے تھے اس کا تذکرہ سورۂ اعراف اور سورۃ الاسراء اور سورۃ النحل میں گزر چکا ہے) اولاد کو قتل کرنے میں حمل گرانا بھی داخل ہے۔

پانچواں عہد یہ تھا کہ بہتان کی اولاد نہ لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لیں یعنی جھوٹ نہ بنائیں علماء نے

اس کے دو مطلب لکھے ہیں۔

اول یہ کہ زنا سے جو حمل ٹھہرا ہوا سے شوہر کی اولاد نہ بنائیں گی۔

دوم یہ کہ کوئی بچہ کہیں پڑا مل جائے تو اس کو اٹھالیں اور شوہر سے کہیں کہ یہ میرا بچہ ہے جو تجھ سے پیدا ہوا ہے ایسا نہ کریں جن عورتوں کے شوہر پردیس میں رہتے ہیں ان عورتوں کو ایسا کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔ مثلاً: شوہر ایک سال میں آیا اور بچہ زنا سے پیدا ہوا تو اس کو بتادیا کہ اس کا حمل تم سے قرار پایا تھا۔

چھٹا عہد جو عورتوں سے لیا جاتا تھا وہ یہ ہے کہ کسی معروف کام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گی' لفظ معروف میں ہر وہ چیز داخل ہے' جسے مسلمان آدمی کو اپنی زندگی میں اپنانا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو بھی حکم فرمائیں درجہ فرض وواجب میں ہو یا درجہ استحباب واستحسان میں' مؤمن مرد اور عورت کو اس پر عمل کرنا ایمان کا اہم تقاضا ہے' حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی آپ نے آیت کریمہ اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا تلاوت فرمائی اور ہمیں کسی کے مرجانے پر نوحہ کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری ص ۷۱۷ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپؐ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ پڑھا' خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مردوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عورتوں کے پاس تشریف لائے' آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے' آپؐ نے ان کے سامنے پوری آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سب اس پر قائم ہو؟ عورتیں خاموش رہیں' صرف ایک عورت نے کہا کہ ہاں! ہم اس پر قائم ہیں' اس کے بعد آپؐ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا' حضرت بلالؓ نے کپڑا پھیلا دیا' عورتیں اس میں اپنی انگوٹھیاں ڈالتی رہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۳ ج ۱)

جن چیزوں کا عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کو بیعت کرتے وقت لیتے تھے' ان امور کا مردوں سے بھی عہد لینا ثابت ہے' حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ چند صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آس پاس موجود تھے آپؐ نے فرمایا کہ آؤ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور چوری نہ کرو گے اور زنا نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور کوئی بہتان کی چیز نہ لاؤ گے جسے تم اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لو اور معروف میں نافرمانی نہ کرو گے' سو جو شخص ان چیزوں کو پورا کر دے گا' اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے' اور جس شخص نے خلاف ورزی کر لی اور دنیا میں اس کی سزا دی گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جس شخص نے کوئی خلاف ورزی کی' پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی' اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے معاف فرما دے اور اگر چاہے عذاب دے' روایت نقل کر کے حضرت عبادہؓ نے فرمایا کہ ہم نے ان باتوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔ (صحیح بخاری ص ۷ ج ۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں سے بھی یہ عہد لیا کہ کوئی بہتان نہ لاؤ گے جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لو' یہ الفاظ عورتوں کی بیعت میں بھی مذکور ہیں' وہاں اس کے دو معنی بتائے ہیں ایک یہ کہ کوئی پڑا ہوا بچہ اٹھا کر اپنے شوہر کے ذمہ نہ لگائیں اور دوسرا معنی یہ کہ زنا کی اولاد کو شوہر کی اولاد نہ بنادیں۔ چونکہ یہ بات مردوں سے متعلق نہیں ہے اس لئے اس حدیث کی تشریح میں شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ کسی پر تہمت نہ رکھیں اور بہتان نہ باندھیں اور ہاتھ پاؤں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اکثر گناہ انہیں سے وجود میں آتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مابین الایدی والارجل (ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان) سے قلب مراد

ہے کیونکہ زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے۔ لہٰذا بہتان وافترا کو قلب کی طرف منسوب کیا گیا۔ (ذکرہ الحافظ فی فتح الباری)

احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اگر عورتوں کے بارے میں بھی یہی مطلب لیا جائے اور لقیط (گرے پڑے بچہ) اور زنا کی اولاد کو شوہر کے ذمہ لگانے کو بطور مثال سمجھ لیا جائے تو یہ زیادہ مناسب ہے تا کہ ایک ہی سیاق میں واقع ہونے والے الفاظ کے معانی بیان کرنے میں تشتت نہ ہو۔

حضرت ام عطیہؓ کی روایت جو اوپر نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے عورتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ کسی موت پر نوحہ نہ کریں گی۔ یعنی رونے پیٹنے والا کام نہ کریں گی (جو اعزہ واقرباء کی موت پر کیا کرتی ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ بیعت لینے میں صرف انہی چیزوں پر انحصار نہیں ہے۔ جو آیت شریفہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ میں مذکور ہیں بلکہ بیعت کرنے والے کے اعمال اور احوال کے اعتبار سے بیعت کرنے کی چیزوں میں حسب موقعہ اضافہ کر دیا جائے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان شرطوں پر بیعت کی کہ آسانی اور سختی میں خوشی اور ناگواری میں آپؐ کی فرمانبرداری کریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تو اس میں بھی فرمانبرداری کریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ امراء سے جھگڑا نہیں کریں گے ہاں اگر تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے کفر ہونے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو تو امراء سے منازعت کرنے کا موقع ہوگا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴۵ ج ۲)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ.

(اور آپ (ﷺ) ان عورتوں کے لئے اللہ سے استغفار کیجئے)

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

(بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ

اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا وہ لوگ آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر لوگ

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

ناامید ہو گئے جو قبروں میں ہیں۔

ع ۲ ۔ النصف

اہل کفر سے دوستی نہ کرنے کا دوبارہ تاکیدی حکم

شروع سورتؐ میں اور درمیان سورت میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت کا تذکرہ تھا' یہاں اس آیت میں خصوصی طور پر یہودیوں سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے یوں تو تمام کافروں پر اللہ کا غضب ہے لیکن بعض آیات میں چونکہ یہودیوں کے مغضوب علیہم ہونے کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

(كما فی سورة البقره فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وكما سورة آل عمران وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ)

اس لئے بعض مفسرین نے یہاں قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے یہودیوں کو مراد لیا ہے۔ مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض فقراء مسلمین یہودیوں کو مؤمنین کی خبریں پہنچا دیتے تھے اور کچھ پھل مل جاتا تھا اس آیت میں ان کو منع فرما دیا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے یہود ونصاریٰ دونوں قومیں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منافق مراد ہیں، درحقیقت عموم الفاظ میں تمام کافروں کو مراد لینے کی گنجائش ہے۔

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ.

یہ قوماً غَضِبَ اللّٰهُ کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کافر مر گئے قبروں میں چلے گئے اب دنیا میں آنے سے اور کسی طرح کی خیر ملنے سے ناامید ہو گئے اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں جن پر غصہ ہوا آخرت سے ناامید ہو گئے یہ ایمان قبول نہیں کرتے اور آخرت کو نہیں مانتے ان کا ڈھنگ یہ ہے کہ جیسے ان کے عقیدہ میں قیامت نہیں ہوگی اور میدان حشر میں حاضر نہیں ہوں گے، جب ان کا یہ حال ہے تو ایسے لوگوں سے دوستی کرنے کا کیا موقع ہے۔

هذا اذا كانت "من" بيانية كما اختاره جماعة، واختار ابوحيان كونها لا بتداء الغاية والمعنى ان هؤلاء القوم المغضوب عليهم قد يئسوا من الأخرة كما يئسوا من موتاهم أن يبعثوا ويلقوهم فى دار الدنيا وهو مروى عن ابن عباس والحسن وقتادة فالمراد بالكفار اولئك القوم ووضع الظاهر موضع ضمير هم تسجيلا لكفرهم واشعاراً بعلة ياسهم. (راجع روح المعانى ص ۸۳ ج ۲۹)

(یہ تب ہے جبکہ "مِنْ" بیانیہ ہو جیسا کہ ایک جماعت نے اسے ترجیح دی ہے اور ابوحیان کے ہاں یہ پہلو راجح ہے کہ من ابتداء غایت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ مغضوب علیہم قوم آخرت سے ایسے مایوس ہے جیسے یہ اپنے مردوں کے اٹھنے اور دنیا میں ان سے ملنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسن سے مروی ہے اور حضرت قتادہ سے بھی اور کفار سے مراد یہی قوم ہے اور ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ان کے کفر کی تخصیص اور ان کی مایوسی کی علت بتلانے کے لئے رکھا گیا ہے) (راجع روح المعانی صفحہ ۸۳: ج ۲۹)

اور صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ چونکہ جس آیت يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ آپ اور اسی کی نبوت کو اور اسی طرح مخالف نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں گو وہ عار وحسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں، گو شیخی کے مارے ظاہراً اس کے خلاف کرتے ہوں، پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی اس کو دل سے تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضروری ہے؟ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے جواز دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے مگر اس صفت سے وہ عدم جواز اور شدید ہو جائے گا اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے لوگ شریر ومفسد بھی بہت تھے۔ انتہٰی

تم تفسير سورة المُمتحنة وانتهى والحمد لله اولاً واخراً

☆☆☆........................☆☆☆

مدنی	سورۃ الصّف	۱۴ آیتیں ۲ رکوع

(۶۱) سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۹) اٰیَاتُہَا ۱۴ رُکُوْعَاتُہَا ۲

سورۃ الصف مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں چودہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۞ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

اللہ کی تسبیح بیان کی ان چیزوں نے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے۔ اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ

کہتے ہو جسے نہیں کرتے' اللہ کے نزدیک بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جن پر عمل نہ کرو۔ بیشک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۞

جو اس کی راہ میں صف بنا کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایسی عمارت ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے

جو کام نہیں کرتے ان کے دعوے کیوں کرتے ہو

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپس میں ہم نے (اچھے) اعمال کا تذکرہ کیا اور ہم نے کہا کہ اگر ہمیں پتہ چل جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل فرمائی۔ (سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الصف)

اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اور ہم اپنے جان و مال خرچ کرتے' اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ نازل فرمائی' پھر قریب ہی میں غزوۂ احد کا واقعہ پیش آ گیا۔ جب اس میں ابتلا ہوا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل فرمائی کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ جب شہداء بدر کا ثواب سنا تو صحابہؓ نے کہا کہ اگر آئندہ ہم کسی جہاد کے موقع پر حاضر ہوئے تو پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گے پھر اگلے سال جب

غزوۂ احد کا موقع آیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں ہو۔

روح المعانی میں ابن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو وہ مسلمانوں سے جھوٹے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہم مدد کریں گے پھر ساتھ نہیں دیتے تھے۔

مفسر قرطبی نے ایک اور بھی قصہ لکھا ہے (ص ۸۷ ج ۱۸) وہ یہ کہ ایک شخص مسلمانوں کو بہت ایذا دیتا تھا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ قتل تو کیا انہوں نے لیکن ایک آدمی نے اس عمل کو اپنی طرف منسوب کر لیا' اور خدمت عالی میں جا کر عرض کیا کہ فلاں شخص کو میں نے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کے قتل کی خبر سے خوشی ہوئی' اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہما نے حضرت صہیبؓ کو توجہ دلائی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ خبر کیوں نہ دی کہ میں نے قتل کیا ہے دوسرے شخص نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غلط خبر دیدی) اس پر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال بتادی۔ اس پر آیت کریمہ **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ** نازل ہوئی جس میں غلط خبر دینے والے آدمی کو تنبیہ فرمادی۔

آیت کریمہ کا سبب نزول اگر وہ سب امور ہوں جن کا مذکورہ بالا روایات میں تذکرہ کیا گیا ہے تو اس میں کچھ بُعد نہیں ہے' آیت میں مسلمانوں کو جو عمومی خطاب فرمایا ہے' سب کو اس میں غور کرنا لازم ہے۔ ہر شخص آیت کے مضمون کو سوچے اور اپنی جان پر نافذ کرے اور یہ دیکھے کہ زندگی میں کیا کیا جھول جھال ہیں اور قول و فعل میں جو یکسانیت ہونی چاہئے وہ ہے یا نہیں' ہر مسلمان ایمان کے تقاضے پورے کرے' اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کرے، جو نذر کرے اسے پوری کرے، جس کسی سے جو وعدہ کرے اسے بھی پورا کرے۔ (بشرطیکہ گناہ کا وعدہ نہ کیا ہو' گناہ کا وعدہ کرنا بھی گناہ اور اسے پورا کرنا بھی گناہ ہے) جو کوئی بھی کام خیر کا نہ کیا ہو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے' لوگوں کے سامنے دینی باتیں بیان کرے اور امر و نہی والی آیات اور احادیث پڑھ کر سنائے اور اس پر خود بھی عمل کرے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ **كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ** (اللہ کے نزدیک یہ ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی ہر شخص کوشش کرے اور اپنے قول اور فعل میں یکسانیت رکھے۔

ان خطباء کی بدحالی جن کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں' میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کے امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں' جن پر خود عامل نہیں اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ اپنے قول و فعل میں یکسانیت رکھو جو بات کرو تمہارا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہو' اس میں دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی المنکر بھی آ گیا۔

آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عمل نہیں کرتے تو دینی باتیں بھی نہ کرو' بلکہ مطلب یہ ہے کہ خیر کی باتیں بھی کرو' اور ان پر عمل بھی کرو' یہ بات اس لئے واضح کی گئی کہ بہت سے وہ لوگ جو بے عمل ہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب ہم عمل نہیں

کرتے تو ہم تبلیغ کر کے گناہ گار کیوں بنیں یعنی کہ سورۃ الصف کی مخالفت کیوں کریں'
یہ ان لوگوں کی جہالت اور نفس کی شرارت ہے۔
قرآن کریم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ نہ حق کہو نہ عمل کرو' قرآن کریم کا مطلب تو یہ ہے کہ دونوں عمل کرو' یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ احکام شرعیہ پر چلنے کا مستقل حکم اور حق بات کہنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا مستقل حکم ہے۔
ایک حکم چھوٹا ہوا ہے تو دوسرے حکم کو چھوڑ کر گناہ گار کیوں ہوں۔ جس جس موقع پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرمان انجام دینے کا حکم ہے اسے پورا کریں' دونوں حکموں کو چھوڑ کر دوہرے گناہگار کیوں ہوں۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
کلکم راعٍ و کلکم مسئولٌ عَن رعِیّته.
کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان کے بارے میں سوال ہوگا جن کی نگرانی سپرد کی گئی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۸۳ ج ۲)
اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہٗ وذلک اَضعَفُ الایمان.
(تم میں سے کوئی شخص منکر یعنی خلاف شرع کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے۔ سو اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے سو اگر زبان سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے بدل دے۔ (یعنی دل سے خلاف شرع کام کو برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (رواہ مسلم ص ۵۱ ج ۱)
اس حدیث میں ہر شخص کو برائی سے روکنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ بھی کرو اور عمل بھی کرو۔ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نہ عمل کرو نہ تبلیغ کرو۔

مجاہدین اسلام کی تعریف وتوصیف:......... پھر جہاد کرنے والوں کی تعریف فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ.
(بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صف بنا کر قتال کرتے ہیں' گویا کہ مجموعی حیثیت سے سب مل کر عمارت ہیں' جس میں سیسہ پگھلایا گیا ہو۔ اس سے جہاد کرنے اور جم کر لڑنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔
(بعض مرتبہ صف سے نکلنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دشمن کے افراد ھل من مبارز کہہ کر مسلمان کو مقابلہ کی دعوت دیں۔ یہ کبھی کبھار اور تھوڑی دیر کو ہوتا ہے اصل جنگ وہی ہے جس میں صف بنا کر جم کر اور ڈٹ کر لڑا جائے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا

اور جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں' پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی

اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا' اور جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے بتایا کہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ

بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، مجھ سے پہلے جو توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول

يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۗ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت دینے والا ہوں، پھر جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان کہ ہم اللہ کے رسول ہیں

پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا ''تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں''، اللہ کے رسول کی تعظیم اور احترام ہونا چاہئے۔ اور ایذا دینا اس کے بالکل خلاف ہے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو طرح طرح سے ایذا دی جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں بھی اس کا ذکر ہے۔

اسی کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت کرو ایذا مت دو لیکن بات ماننے اور حق قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے اسی کو فرمایا

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ.

(پھر جب وہ حق سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حق سے ہٹا دیا)

گمراہوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے، حق پہنچنے اور بار بار سمجھانے کے باوجود حق پر نہیں آتے، جب باطل پر ہی جمے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی اس ضد اور عناد اور مخالفت کی وجہ سے محرومیت کی مار پڑتی ہے، پھر انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، لہٰذا برابر نافرمانی کو ہی اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور فرمانبرداری کو اختیار نہیں کرتے اور اپنے دلوں میں ہدایت کو جگہ دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتے۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ.

کہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(اراءۃ الطریق) یعنی راہ حق دکھانے کے بعد انہیں قبول حق کی توفیق نہیں دی جاتی۔

دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یقین جانو میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تمہارے پاس جو پہلے سے کتاب یعنی توراۃ ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد میں رسول (ﷺ) کی آمد ہوگی، ان کی آمد کی خوشخبری دیتا ہوں اور ان کا نام احمد ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بہت سی باتیں کیں، انہیں توحید کا سبق دیا، شرعی احکام سکھائے لیکن ان میں سے چند ہی لوگوں نے بات مانی جنہیں حواری کہا جاتا ہے اکثر بنی اسرائیل ان کے دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے، قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھا لیا، جیسا کہ سورۃ النساء میں رکوع ۲ میں بیان فرمایا لیکن بعد میں بعض یہودیوں کے ورغلانے اور بہکانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ بنا لیا جیسا کہ سورۃ المائدہ اور سورۂ توبہ میں بیان ہو چکا ہے یہ لوگ

آج تک اسی عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہیں:............ آیت بالا میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نقل کیا ہے اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کی یہ بات انجیل متیٰ میں بھی لکھی ہے جسے نصاریٰ پڑھتے پڑھاتے اور پھیلاتے ہیں تحریف اور تبدیل کے باوجود اب تک اس میں یہ موجود ہے کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں نہ جانا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کی طرف جانا (انجیل متی باب ۱۰) نیز یہ بھی فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی باب نمبر ۱۵)

یہ نصاریٰ نے جو دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے دین شرک کو پھیلاتے ہیں اور اس میں اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں، جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں اور تم کسی اور شہر کی طرف نہ جانا۔

اپنے دعوے کے مطابق یہودی بنی اسرائیل ہیں وہ تو اپنے دینی معاملے میں نصاریٰ کو پاس پھٹکنے ہی نہیں دیتے بلکہ اپنی مکاریوں سے سیاست باطلہ میں نصاریٰ کو استعمال کر لیتے ہیں اور نصاریٰ اپنے رسول کے خلاف غیر قوموں میں اور خاص کر مسلمانوں میں شرکیہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور مال کا لالچ دے کر شرکیہ دین کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دین حق کو پھیلانے کے لئے لالچ نہیں دیا جاتا جو لوگ اپنے مذہب کو ثابت کرنے میں دلیل سے عاجز ہیں وہ لوگ کھانے پینے کی چند چیزیں تقسیم کر کے غیر قوموں کو قریب کرتے ہیں پھر اپنا دین شرک سکھلاتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا میرے بعد احمد نامی ایک رسول آئیں گے:............ دوسری بات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ ایک ایسے رسول کی بشارت دے رہا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا، اس میں انہوں نے اپنے بعد آخر الانبیاء احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعدد نام ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور ماحی ہوں۔ میرے ذریعہ اللہ کفر کو مٹائے گا اور حاشر ہوں اللہ تعالیٰ لوگوں کو میرے قبر سے نکلنے کے بعد قبروں سے نکالے گا اور میں عاقب بھی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۶۱ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم سے قریب تر ہوں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی، تمام انبیاء کرام آپس میں ایسے ہیں جیسے باپ شریک بھائی ہوں اور مائیں مختلف ہوں، ان سب کا دین ایک ہی ہے (یعنی توحید اور رسالت اور وقوع قیامت پر ایمان لانا) آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (رواہ مسلم ص ۲۶۵ ج ۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی وہ ان کے ماننے والے راہبوں میں مشہور تھی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو متعدد راہبوں میں سے (جن کے پاس یکے بعد دیگرے وقت گزارا) آخری راہب نے نبی اکرم کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی جو ان کے درمیان آپس میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اسی لئے وہ مدینہ منورہ میں آ کر بس گئے تھے اور اس راہب نے سرور عالم ﷺ کی جو علامات بتائی تھیں وہ علامات دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے، جس کی تفصیل ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

توارت وانجیل میں خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت:..........نزول قرآن کے وقت بھی یہود ونصاریٰ توریت اورانجیل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے کی خبر پاتے تھے' جسے سورۂ اعراف کی آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ. میں بیان فرمایا ہے۔

موجودہ انجیلوں میں (جن میں نصرانی بہت کچھ ادل بدل کر چکے ہیں) بھی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ قرآن مجید کی تصریح کے بعد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی بشارت دی تھی' اس کی تصدیق کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے قرآن کا فرمان ہی کافی ہے' تاہم نصرانیوں پر خود انہی کی کتاب سے حجت قائم کرنے کے لئے انجیل یوحنا کی یہ عبارت پڑھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۴۔۱۵۔۱۶) اور فرمایا "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے' کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا"۔ (۱۶/۷) (یہ ترجمہ "بائیبلز فور دی ورلڈ امریکہ (Bibles fort the World. Usa) کی طرف سے ۱۹۷۵ء میں زندہ کلام کے نام سے شائع ہوا۔)

لفظ فارقلیط کے بارے میں ضروری وضاحت:..........ہم نے بلفظ نصاریٰ کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اوپر نقل کیا ہے۔ تینوں عبارتوں میں جو لفظ مددگار آیا ہے یہ لفظ "فارقلیط" کا ترجمہ کیا گیا ہے جو انجیلوں کے پرانے ایڈیشنوں میں پایا جاتا تھا' اس لفظ کا ترجمہ "حمد" کے معنی کے قریب تر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے۔ آپ کے فرمان کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا' الفاظ بدل گئے لیکن مفہوم باقی رہا' جب نصاریٰ نے دیکھا کہ ان الفاظ سے ہم پر حجت قائم ہوتی ہے تو انہوں نے فارقلیط کا لفظ چھوڑ کر اس کی جگہ "مددگار" کا ترجمہ کر دیا۔ اصل لفظ پیرکلوطوس تھا جس کا معنی محمد اور "احمد" کے قریب ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پیشن گوئی دوسرے الفاظ میں دی ہے جو انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے "لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اور اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ یہ پیشن گوئی پوری طرح سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔

یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں کی تحریف میں مہارت رکھتے ہی ہیں' انہوں نے لفظ پیرکلوطوس کا ترجمہ کبھی مددگار اور کبھی شافع کر دیا لیکن ان کی تغیر اور تحریف سے ان کو کفر پر جمے رہنے کے بارے میں کچھ فائدہ نہ پہنچا کیونکہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احمد بھی تھے محمد بھی تھے اور اپنے صفات کے اعتبار سے معین اور مددگار بھی تھے اور روز محشر میں اہل ایمان کے شافع ہوں گے پھر نصاریٰ سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق نہیں ہیں تو کون شخص ہے جس کی انہوں نے بشارت دی تھی اگر کٹ حجتی کے طور پر کسی شخصیت کا نام جھوٹ موٹ پیش کر دیں تو ان سے یہ سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اس بشارت کا مصداق ہو چکا تھا تو یہود ونصاریٰ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے کیوں منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہوگئی تو نصرانی بادشاہوں اور راہبوں نے اسی بشارت کے مطابق جو ان کے یہاں چلی آرہی تھی آپ کو کیوں اللہ کا رسول تسلیم کیا' شاہ روم ہرقل اور ملک حبشہ کا قصہ مشہور ہی ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک راہب نے کہا تھا اب نبی آخر الزماں کا انتظار کرو' نجران کے نصاریٰ آئے وہ بھی قائل ہو کر چلے گئے اور یہ بھی سب پر واضح ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہود و نصاریٰ کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق کے لئے کسی شخص کی نہ تلاش ہے اور نہ انتظار ہے' مزید تشریح اور توضیح کے لئے اظہار الحق عربی از مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور اس کا اردو ترجمہ بائبل سے قرآن تک کا مطالعہ کیا جائے۔

جھوٹے مدعی نبوت کی گمراہی:............حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد جس نبی کے آنے کی خبر دی تھی اس کا نام احمد بتایا اور اس رسول کی بعثت ہوگئی جس کے بارے میں قرآن کریم نے بتادیا وہ خاتم النبیین ہے اور خود صاحب رسالت ﷺ نے بھی فرمادیا' انا خاتم النبیین لانبی بعدی' لیکن غیر منقسم ہندوستان میں بعض جھوٹے مدعیان نبوت نے آیت شریفہ کا مصداق اپنے آپ کو بنادیا آیت کے مضمون میں تحریف کردی۔ دعوائے نبوت سے بھی یہ شخص کافر ہوا اور سورۃ الاحزاب کی آیت میں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا اس کی تحریف سے بھی کافر ہوا اور سورۃ الصف میں جو احمد مجتبیٰ رسول مصطفیٰ ﷺ کی بشارت دی اپنی ذات کو اس کا مصداق قرار دے کر بھی کفر در کفر کا مرتکب بن گیا۔ خود سورۃ الصف کی آیت میں آگے موجود ہے فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہ جب وہ رسول آ گیا جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے' اس میں ایک تو جاء ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس وقت اس رسول کی بعثت ہو چکی تھی اور لوگوں نے کہا تھا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے' دنیا جانتی ہے کہ جس کسی نے بھی احمد مجتبیٰ خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ایسے لوگوں کو جھوٹا بھی کہا گیا اور ان کے بارے میں دوسری باتیں بھی کہی گئیں لیکن جادوگر نہیں کہا گیا۔

جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اپنے کو نبی بتاتا ہے اور اپنے کو سورۃ صف کا مصداق بتاتا ہے اور اس کا جھوٹا ہونا آیت کریمہ کے الفاظ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ سے ظاہر ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام احمد نہیں تھا ہم نے اس کے نام سے تفسیر کو ملوث کرنا نہیں چاہا اس لئے نام ذکر نہیں کیا' جاننے والے جانتے ہیں وہ کون شخص ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو' اور اللہ ظالموں کو

الظّٰلِمِيْنَ ۞ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞

ہدایت نہیں دیتا' یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞

وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اللہ کا نور اپورا ہو کر رہے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو

یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جنہیں اسلام قبول نہیں ہے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کے پھونکوں سے بجھا دیں' ان کے

ارادوں سے کچھ نہ ہوگا اسلام بڑھ چڑھ کر رہے گا' اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا فرمادے گا۔ کافروں کو برا لگے لگتا رہے انہیں اسلام کی ترقی اور اس کا عروج گوارا نہیں ان کی اس ناگواری کا اسلام کی رفعت اور بلندی پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

جب سے دنیا میں اسلام آیا ہے۔ دشمنان اسلام نے اس کی روشنی کو بجھانے اور اس کی ترقی کو روکنے کے لئے کبھی بھی کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اور آج کفار اعدائ دین' اسلام اور مسلمان کو مٹانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں لیکن الحمد للہ اسلام بڑھ رہا ہے' خود دشمنوں کے ممالک میں اسلام پھیل رہا ہے اور ان کے افراد برابر مسلمان ہور ہے ہیں اپنی آنکھوں سے اسلام کا پھیلاؤ دیکھ رہے ہیں اور اسلام کو روکنے کے لئے کروڑ وڈالر خرچ کر رہے ہیں مگر اسلام بڑھتا چڑھتا جارہا ہے۔

مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چالیس دن تک وحی نہیں آئی اس پر کعب بن اشرف یہودی نے کہا کہ اے یہودیو! خوش ہو جاؤ اللہ نے محمد کا نور بجھا دیا۔ اور اندازہ یہ ہے کہ ان کا یہ دین پورا نہ ہوگا اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس کے بعد وحی کا تسلسل جاری ہوگیا۔

مفسر قرطبی نے اس بارے میں پانچ قول نقل کئے ہیں کہ نور اللہ سے کیا مراد ہے؟

۱۔ قرآن مراد ہے ۲۔ دین اسلام مراد ہے۔ ۳۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے دلائل مراد ہیں ۵۔ جس طرح کوئی شخص اپنے منہ سے سورج کے نور کی ذات بجھانا چاہے تو نہیں بجھا سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کو ختم کرنے اور اس کے پھیلاؤ کو روکنے والے اور اس کا ارادہ کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے (وہذا راجع الی القول الثانی)

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے اس کے مطابق ہو کر رہے گا۔ مشرکین جو اس کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام نہ پھیلے ان کی ناگواری کے باوجود اسلام پھیل کر رہے گا۔

مزید تفصیل اور تشریح کے لئے سورۃ توبہ رکوع نمبر ۳ کی تفسیر دیکھی جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچا لے تم لوگ اللہ پر اور اس کے

وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو' یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ

سمجھ رکھتے ہو اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں

طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ

میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے' یہ بڑی اور عمدہ کامیابی ہے' اور ایک دوسری نعمت بھی ہے جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾

اور آپ مؤمنین کو بشارت دیجئے۔

ایسی تجارت کی بشارت جو عذاب الیم سے نجات کا ذریعہ اور جنت ملنے کا وسیلہ ہو جائے

ان آیات میں اہل ایمان کو آخرت کی تجارت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ دنیا میں کھانے پینے پہننے اور دیگر ضروریات کے لئے کسب مال کی ضرورت ہوتی ہے جسے بہت سے لوگ تجارت کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں اس میں بہت سے لوگ بہت زیادہ انہماک کر لیتے ہیں موت اور موت کے بعد کے حالات اور آخرت کے اجر و ثواب میں دھیان ہی نہیں دیتے زیادہ مال کی طلب میں ایسے لگتے ہیں کہ آخرت میں کام دینے والے اعمال کو بھول ہی جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت اور سوداگری نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دیدے۔ تجارت میں دونوں چیزیں دیکھی جاتی ہیں اول یہ کہ نفع ہو دوسرے یہ کہ نقصان نہ ہو اور دوسری چیز کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مقولہ تو مشہور ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے بہتر ہے۔ لہٰذا عذاب سے نجات دینے کو پہلے بیان فرمایا بعد میں جنت کے داخلہ کی بشارت دی۔

دونوں چیزوں میں کامیاب ہونے کا یہ راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے بہتر ہے جب یہ عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا (جو عذاب کا سبب ہیں) اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ عمدہ اچھے رہنے کے گھروں میں رہنا نصیب ہوگا جو اقامت کرنے کی جنتوں میں ہوں گے یعنی وہ جنتیں ایسی ہوں گی جہاں رہنا ہی رہنا ہوگا وہاں سے کبھی نکلنا بھی نہ ہوگا اور وہاں سے نکلنا بھی نہ چاہیں گے اسی کو سورۂ کہف میں فرمایا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا اور سورۂ فاطر میں اہل جنت کا قول نقل فرمایا:

اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ.

(بیشک ہمارا پروردگار غفور ہے شکور ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں رہنے کی جگہ میں نازل فرمایا)

معلوم ہو گیا کہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ (جو نفس سے جہاد کرنے کو بھی شامل ہے) عذاب الیم سے بچانے کا بھی ذریعہ ہیں اور جنت دلانے کا بھی' دنیا کی تجارت اس منفعت عظیمہ کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی وہ تو فنا ہونے والی چیز ہے اور گناہوں کے ذریعہ جو دنیا حاصل کی جائے وہ تو آخرت میں وبال بھی ہے عذاب بھی۔ لہٰذا مؤمن بندے آخرت کی تجارت میں لگیں وہاں کی کامیابی سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کونسی تجارت محبوب ہے تو میں وہ تجارت اختیار کر لیتا۔ اس پر آیت بالا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ نازل ہوئی۔ سورۂ توبہ میں اسی تجارت کو فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ میں اور سورۂ فاطر میں يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ میں فرمایا ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا (اور تمہارے لئے ایک نفع کی چیز اور بھی ہے یعنی اللہ کی مدد اور زمانہ قریب میں حاصل ہونے والی فتح) اس میں یہ بتایا کہ جو مؤمن اور مجاہد ہوں ان کی تجارت کا نفع صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے منافع ملیں گے' جنہیں تم پسند کرتے ہو اس میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوگی اور دوسری یہ کہ عنقریب فتح نصیب ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کا فتح ہونا مراد ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فتح مکہ مراد ہے۔
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور مؤمنین کو خوشخبری دے دو) اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہونے کی پیشگی خوشخبری دی گئی ہے ان بشارتوں کا بارہا ظہور ہو چکا ہے اگر مسلمان آج مذکورہ تجارت میں لگیں تو پھر مدد اور فتح کا ظہور ہو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کون لوگ اللہ کی طرف

اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ

میرے مددگار ہیں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی اور دوسری جماعت

طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

نے کفر اختیار کیا سو جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کے دشمن کے مقابلہ میں، ان کی مدد کی سو وہ غالب ہو گئے۔

ع ۲ ۱۰

اللہ کے انصار اور مددگار بن جاؤ

شروع سورت میں جہاد کرنے کا ذکر تھا پھر درمیان سورت میں بھی اس کی فضیلت سنائی اب یہاں سورت کے ختم پر بھی دین اسلام کی بلندی کے لئے نصرت کرنے کا حکم فرمایا، اہل ایمان کے لئے ایسے احوال سامنے آتے ہیں کہ ہجرت اور نصرت اور جہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان تینوں چیزوں پر عمل کرنے سے دین اسلام کی ترقی ہوتی ہے اور اس کی دعوت آگے بڑھتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ اس کے دین کو بلند کرنے کی محنت کریں۔ انہیں محض اپنے فضل سے مبارک لقب یعنی لفظ ''انصار اللہ'' سے یاد فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ان کا زمانہ بنسبت دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب تھا اور ان کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں نزول قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ کچھ نہ کچھ اس کا علم رکھتے تھے خاص کر جو راہب بنے ہوئے تھے ان سے ملنے جلنے والے افراد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا کچھ نہ کچھ حال معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اکثر بنی اسرائیل نے ان کی نبوت کا انکار کیا تھوڑے سے آدمیوں نے (جنہیں حواری کہا جاتا تھا) ایمان قبول کیا اور آپ کا ساتھ دیا اور آپ کا پیغام لے کر مختلف اطراف واکناف چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے امت حاضرہ کے اہل ایمان سے خطاب فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ یعنی اس کے دین کی خدمت کرو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی طرف یعنی اللہ کے دین کی دعوت میں لگنے کی طرف میرا ساتھ دیتے ہیں؟ حواریوں نے جواب میں کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے کام میں آپؑ کی مدد کریں گے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حواریین نے یہ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں بلاد شام میں داعی بنا کر بھیج دیا۔

حواری کون تھے اور وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں ہم سورۃ آل عمران میں لکھ چکے ہیں۔

بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی (یہ تھوڑے سے لوگ تھے) اور ایک جماعت نے کفر اختیار کیا۔

جسے فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ کَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے نسبت رکھنے والوں کی تین جماعتیں: .... معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تو لوگوں میں اختلاف ہوگیا ایک جماعت نے کہا کہ عیسٰی عین اللہ تھے وہ خود سے اوپر چلے گئے اور ایک جماعت نے کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے اللہ نے انہیں اٹھالیا اور تیسری جماعت نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے اللہ نے ان کو اوپر اٹھالیا' یہ تین فرقے تھے اور ہر فرقے کے ماننے والے لوگ تھے۔

جنگ ہوئی تو دونوں کافر فرقے مؤمنین کی جماعت پر غالب آ گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ایمان والی جماعت کفر والی جماعت پر غالب ہوگئی اس کو فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہی حق ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ماننے والے جو اہل ایمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی اور وہ لوگ دلیل سے غالب آ گئے اور یہ بات تائید قرآنی سے صحیح ثابت ہوگئی کہ عیسٰی علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ (معالم التنزیل ص ۳۴۹ ج ۴)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد ان کے ماننے والوں کا کفر اختیار کرنے والے فرقوں پر غالب آنے کا چونکہ تاریخ میں کوئی واقعہ ماثور اور منقول نہیں ہے اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل ایمان اہل کفر پر دلیل اور حجت سے غالب ہو گئے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع بھی نصیب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن میں) حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کو لے کر کافر فرقوں پر حجت کے ذریعہ غلبہ بھی پالیا۔

یہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانہ تک تھا۔ اس کے بعد جو نصاریٰ کے فرقوں سے مسلمانوں کی صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں اہل ایمان کو تلوار کے ذریعہ بھی غلبہ حاصل ہوگیا۔

فللّٰه الحمد والنعمة علٰى دين الاسلام وهزم اعداء الاسلام. وهذا اٰخر تفسير سورة الصف والحمد للّٰه رب العٰلمين والصلٰوة علٰى جميع الانبياء والمرسلين وعلٰى من تبعهم باحسان الٰى يوم الدين

☆☆☆..................☆☆☆

۱۱ آیتیں ۲ رکوع	سورۂ جمعہ	مدنی

آیاتہا ۱۱ (۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۰) رکوعاتہا ۲

سورۃ جمعہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں جو بادشاہ ہیں، بہت زیادہ پاک ہے، غالب ہے، حکمت والا ہے، وہی ہے، جس نے بے پڑھے

فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا

لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بلاشبہ وہ لوگ

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ

پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں جو ان کے ساتھ نہیں ملے اور وہ عزیز ہے۔ حکیم ہے۔ یہ اللہ کا

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴

فضل ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ قدوس ہے، عزیز ہے، حکیم ہے، اس نے تعلیم و تزکیہ کے لئے بے پڑھے لوگوں میں اپنا رسول بھیجا

یہاں سے سورۃ الجمعہ شروع ہو رہی ہے۔ پہلے رکوع میں ارشاد فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی چار صفات جلیلہ بیان فرمائیں یعنی اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ جس کا ترجمہ اور مطلب سورۃ الحشر کے ختم کے قریب آیت کریمہ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

مزید دو صفات بیان فرمائیں ان میں ایک اَلْعَزِيْزُ اور دوسری اَلْحَكِيْمُ ہے۔ ان دونوں صفات کا تذکرہ بار بار قرآن مجید میں فرمایا ہے، اَلْعَزِيْزُ عزت والا زبردست غلبہ والا ہے اور اَلْحَكِيْمُ حکمت والا۔ ان دونوں صفات کے بار بار بیان کرنے میں مخلوق کو اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غالب ہے، اس کی گرفت سے نکل کر کوئی کہیں نہیں جا سکتا اور یہ کہ حکمت والا ہے اس کا کوئی فعل اور کوئی امر

حکمت سے خالی نہیں ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نے اُمِّیّٖنَ یعنی بے پڑھے لوگوں) میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے ہے امیین سے عرب مراد ہیں۔جن میں پڑھنے لکھنے کا بہت کم رواج تھا اگر چہ شاعری کرتے رہتے تھے (جس کے لئے علم سے متصف ہونا ضروری نہیں ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ یعنی ہم (عرب) بے پڑھے لوگ ہیں لا نکتب و لا نحسب نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں اہل مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی وہ امی تھے اور خود آپ بھی امی تھے جیسا کہ آیت بالا میں رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اور سورۃ الاعراف میں فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ فرمایا ہے اور سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل والے شبہ لگا لیتے)

اللہ تعالیٰ نے امیین میں رسول بھیجا جو خود بھی امی تھا اس امی پر کروڑوں پڑھے لکھے قربان جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب لایا کہ اس کے مقابلہ میں بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء ایک چھوٹی سی سورۃ بنا کر لانے سے بھی عاجز رہے اور عاجز ہیں اللہ تعالیٰ نے اس رسول کو سارے عالم کے لئے ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا۔ بڑے بڑے اہل علم نے اس رسول امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لی اور آپ کے سامنے علمی ہتھیار ڈال دیئے۔اس رسول عظیم کی بعثت کا تذکرہ فرما کر اس کی صفات بھی بیان فرمائیں۔

اوّلاً: فرمایا رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (یعنی انہیں امیین میں سے رسول بھیجا)۔

ثانیاً: فرمایا کہ وہ رسول ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے یعنی پڑھ کر سناتا ہے۔

سوم: یہ فرمایا کہ وہ ان کا تزکیہ فرماتا ہے۔اس سے نفوس کا تزکیہ کرنا مراد ہے۔

انسانوں کے نفوس میں جو رذائل اور بری صفات اور عادات ہوتی ہیں ان سے پاک کرنے کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ رسول کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

مفسرین نے فرمایا کہ کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے فہم قرآن مراد ہے۔قرآن مجید کے الفاظ کا سکھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم اور مطالب کا سمجھانا یہ سب حکمت میں شامل ہے۔مزید توضیح اور تفسیر کے لئے سورۂ بقرہ کی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ کا مطالعہ کیا جائے۔

پھر فرمایا وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. یہ امی لوگ جن میں رسول امی ﷺ کو بھیجا اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ مشرک تھے بت پرست تھے۔قتل و قتال اور لوٹ مار میں لگے رہتے تھے صاحب رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اہل عرب میں ہدایت بھی آ گئی۔ برے اعمال بھی چھوٹ گئے چونکہ آپ کی بعثت عمومی ہے اس لئے آپ کی دعوت و تبلیغ پورے عالم میں پھیل گئی۔

اہل عجم کی اسلام کی خدمتیں:۔ جب حدود عرب سے نکل کر آپ کا لایا ہوا پیغام توحید شرقاً غرباً عجم میں پھیل گیا تو عجمیوں نے قرآن کو لیا حفظ کیا قرأتیں اور روایتیں کیں طرق ادا سیکھے معانی سمجھے قرآن کی تفسیریں لکھیں اور احکام قرآن پر کتابیں تالیف کیں قرآن کے مواعظ کو امت میں پھیلایا حتیٰ کہ کثیر تعداد میں علماء و صلحاء وجود میں آ گئے اہل عرب کے بعد اہل عجم کا خدمات اسلام میں بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی کو فرمایا وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (اور ان امیین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جو

ابھی تک امیین سے نہیں ملے (یعنی ان تک اسلام نہیں پہنچایا انہوں نے ابھی قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے اس وقت سورۃ الجمعہ نازل ہوئی جس میں وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ فرمایا ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے؟ تین بار سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر ہاتھ رکھ دیا (اور اس طرح بتادیا کہ وہ لوگ ان میں سے ہوں گے) پھر فرمایا اگر ثریا (ستاروں) کے نزدیک بھی ایمان ہوتو ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو وہاں سے لے لیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۷ جلد ۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے حضور اقدس ﷺ نے اہل فارس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو یہ لوگ وہاں سے لے لیں گے' یہ بطور مثال ہے' ان کے علاوہ جو غیر عرب ہیں' انہوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی جب اہل فارس نے ایمان اور قرآن کو چھوڑ دیا اور شیعیت اختیار کرلی' اس وقت سے دوسری اقوام نے الحمد للّٰہ تعالیٰ اسلام کو خوب بڑھایا اور طرح طرح سے اس کی خوب خدمات انجام دیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے)

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

اللہ تعالیٰ جس کو بھی ایمان کی توفیق دے دے یہ اس کا فضل ہے تمام اہل ایمان اور خاص کر وہ لوگ جو اسلام کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں مؤمن بنایا اور اسلام کی خدمت میں لگایا۔ فله الحمد و المنة.

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

مثال ان لوگوں کی جنہیں توراۃ اٹھانے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے نہیں اٹھایا گدھے کی سی مثال ہے۔ جو کتابوں کو لادتا ہے - بری مثال ہے ان لوگوں کی

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ

جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپ کہہ دیجئے اے وہ لوگو! جنہوں نے یہودیت اختیار کی' اگر تم نے یہ خیال کیا ہے

اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۶ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ

کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور یہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے

اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ

جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں کبھی بھی اس بات کی تمنا نہ کریں گے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو۔ اور آپ فرما دیجئے کہ بیشک موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم

مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع ۸ ۱۱

سے ملاقات کرے گی۔ پھر تم لوٹا دیئے جاؤ گے غیب اور شہادت کے جاننے والے کی طرف' سو وہ تمہیں تمہارے اعمال سے باخبر کردے گا۔

یہودیوں کی ایک مثال اور ان سے خطاب کہ جس موت سے بھاگتے ہو وہ ضرور آ کر رہے گی

ان آیات میں یہود کی بے دینی اور ان کی دنیا وآخرت کی بدحالی بیان فرمائی ہے۔ یہود حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا اور اسی مناسبت سے یہودیوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں جو انبیاء بھیجے ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ معروف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے توراۃ شریف عطا فرمائی جس میں یہودیوں کے لئے احکام تھے ان میں اہل علم بھی تھے اور اہل عمل بھی جیسا کہ سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے: یَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ اَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ.

(انبیاء جو کہ مطیع تھے اس کے موافق حکم دیا کرتے تھے۔ اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے)۔

کچھ عرصہ تو یہودیوں کے علماء توراۃ شریف کے مطابق چلتے رہے اور قوم کو چلاتے رہے پھر توراۃ شریف کی تعلیمات کو چھوڑ دیا بلکہ ادل بدل کر دیا اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوئے جو علم تھا اس پر عمل نہ رہا تو حامل کتاب ہونا ان کے لئے فائدہ مند نہ رہا۔ ان لوگوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں سے توراۃ اٹھوائی گئی یعنی انہیں حکم دیا گیا کہ احکام توراۃ پر عمل کرو پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا (اور یہ دعوے کرتے رہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے) ان کی ایسی مثال ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی گئی ہوں وہ کتابیں لادے پھرتا ہے اور اس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ میرے اوپر کیا ہے؟

یہودیوں کی بدعملی اور اپنے بارے میں خوش گمانی: .... یہودیوں کے پاس توراۃ شریف تھی لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی قتل کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے پھر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا توراۃ وانجیل میں ذکر ہے پھر بھی ایمان نہ لائے۔

ان کی اس بدحالی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ

(بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا)

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ.

(اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

یہودیوں کا اپنے بارے میں یہ گمان تھا کہ ہم اللہ کے دوست ہیں اور ہمارے سوا اللہ کا کوئی دوست نہیں بلکہ یوں کہتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں)۔

اور یوں بھی کہتے تھے کہ دار الآخرۃ صرف ہمارے لئے ہے۔ ان کی ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

(آپ فرما دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ اس دوستی میں شریک نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں پکا یقین ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہو اور اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے تو اس دنیا والی زندگی میں کیوں تکلیفیں اٹھا رہے ہو۔ اگر اپنے کو حق پر سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے تو

تمہیں جلد از جلد مر جانا چاہئے تا کہ دنیا چھوٹے اور جنت ملے جبکہ تم جانتے اور مانتے ہو کہ جنت کی زندگی اس دنیا کی زندگی سے زیادہ بہتر ہے۔ تمہیں جلد سے جلد مر کر جنت کے لئے فکرمند ہونا چاہیے اگر یوں کہو کہ موت کا لانا اپنے قبضہ میں نہیں ہے تو موت کی تمنا ہی کر کے دکھا دو اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ.

(اور یہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے)

یعنی یہ ان کے زبانی دعوے ہیں کہ جنت ہمارے ہی لئے ہے اور ہم اللہ کے ولی ہیں لیکن کفر اور اعمالِ بد کی وجہ سے یہ موت سے ڈرتے ہیں یہ موت کی تمنا کرنے والے نہیں ہیں۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے:

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ.

(اور آپ ان کو ایسا پائیں گے کہ لوگوں میں زندگی کے سب سے زیادہ حریص ہیں)

یہ یقین کرتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد عذاب میں گرفتار ہوں گے لہٰذا جتنی بھی دنیاوی زندگی مل جائے بہتر ہے اپنے بارے میں اللہ کے اولیاء اور احباء ہونا محض زبانی دعویٰ ہے۔

شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ اگر کسی مسلمان سے کہا جائے کہ تو موت کی تمنا کر تو وہ بھی تو ایسی تمنا نہیں کرے گا پھر یہ حق اور باطل کا معیار کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں سے جو بات کی جا رہی تھی وہ ان کے اس دعوے سے متعلق ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں دوست ہیں اور پیارے ہیں جنت میں صرف ہم ہی کو جانا ہے۔ ان کے اس دعوے کا الزامی جواب دیا گیا ہے انہیں اپنے دعویٰ کے مطابق عقلی طور پر بغیر کسی جھجک کے فوری پر جانا چاہیے تا کہ اپنے عقیدہ کے مطابق مرتے ہی جنت میں چلے جائیں۔ اگر مر نہیں سکتے تو مرنے کی تمنا ہی کریں۔

رہا مؤمنین اہل اسلام کا معاملہ تو ان میں سے کسی کو اگر موت سے کراہت ہے تو وہ طبعی امر ہے پھر احادیث شریفہ میں موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مؤمن کے زندہ رہنے میں خیر ہے اگر نیک آدمی ہے تو اچھا ہے اور زیادہ اچھے عمل کرے گا اور اگر گناہوں کی زندگی گزار رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہو جائے، البتہ جس نے قصداً کفر اختیار کیا ہے اور کفر پر جما ہوا ہے اور کفر پر ہی جما رہنے کا ارادہ ہے یہ بھی سمجھتا ہے کہ کفر کے باوجود مجھے جنت ملے گی اور مجھے میرے ساتھیوں کے سوا کسی اور کو نہ ملے گی اس سے وہی خطاب ہے جو یہودیوں سے ہے۔

یاد رہے کہ بعض یہودی اپنے بارے میں دوزخ میں جانے کا بھی یقین رکھتے تھے لیکن یوں کہتے تھے کہ چند دن دوزخ میں رہیں گے پھر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے' معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں ان یہودیوں سے خطاب ہے جو اپنے بارے میں اولیاء اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم کو مرتے ہی جنت میں داخل ہونا ہے۔

اسی طرح کا ایک مضمون سورۃ البقرہ میں بھی گزرا ہے وہاں ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا تھا کہ اس میں یہودیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آ جاؤ ہم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں جو بھی جھوٹا ہے وہ فوراً مر جائے۔ جب یہ بات سامنے آئی تو وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور راہ فرار اختیار کر لی۔ (سورۃ البقرہ (ع ۱۱))

پھر یہودیوں سے مزید خطاب کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ.
(آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ جس موت سے تم بھاگتے ہو اس سے تمہاری ملاقات ضرور ہوگی)
موت سے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں ہر ایک کی اجل مقرر ہے جو شخص جہاں بھی ہوگا اپنے وقت پر اسے موت وہیں آ جائے گی اور ضرور آئے گی۔ سورہ نساء میں فرمایا۔
اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ (تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں ضرور پکڑ لے گی اگرچہ مضبوط برجوں میں ہو)
موت سے کسی کو چھٹکارہ نہیں اور زیادہ عمر ہو جانے سے عذاب سے بچاؤ نہیں، جو لوگ بحالت کفر مر جائیں گے انہیں جہنم میں داخل ہونا ہے اور عذاب ضرور ہونا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ.
(ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو کرتا ہے کاش اسے ہزار سال کی عمر دیدی جائے)
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ.
(اور حال یہ ہے کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کردی جائے)
دیر سویر ہر ایک کو موت آنی ہی ہے اور اہل کفر کے لئے جو عذاب طے شدہ ہے وہ انہیں ملنا ہی ہے جو دائمی عذاب ہوگا۔
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.
(پھر تم اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے سو وہ تمہیں بتا دے گا جو عمل تم دنیا والی زندگی میں کیا کرتے تھے) جب قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ کفر کی سزا دائمی عذاب ہے تو سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرلو کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ میرے اعمال کا کسے پتہ ہے، جس نے پیدا کیا اسے سب علم ہے وہ غیب اور شہادہ سب جانتا ہے، وہ سب بتا دے گا کہ کس نے کیا کیا ہے پھر وہ اپنے علم کے مطابق اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور بیع کو
الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ
چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، پھر جب نماز کی ادائیگی ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰
اور اللہ کے فضل سے تلاش کرو اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

جمعہ کی اذان ہو جائے تو کاروبار چھوڑ دو اور نماز کے لئے روانہ ہو جاؤ

ان آیات میں جمعہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے یعنی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔ نماز جمعہ سے پہلے جو خطبہ ہوتا ہے، اسے اللہ ذکر سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کو سننے کے لئے دوڑ جانے

کا حکم دیا ہے۔ دوڑ جانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ بھاگ کر جاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی حاضری میں جلدی کرو، اور خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاؤ۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ. (اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو)

خرید وفروخت بطور مثال فرمایا ہے کیونکہ تاجر لوگ اپنے سوداگری کے دھندوں کی وجہ سے جمعہ کی اذان سن کے مسجد کی حاضری دینے میں کچے پڑ جاتے ہیں اور دنیاوی نفع سامنے ہونے کی وجہ سے خرید وفروخت میں لگے رہتے ہیں اور کاروبار بند کرنے کیلئے طبیعتیں آمادہ نہیں ہوتیں، اس لئے تنبیہ فرمائی۔

دنیاوی نفع حاصل کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے اور بہت سے لوگ صرف آدھا تہائی خطبہ سن لیتے ہیں، اس لئے صاف صاف اعلان فرمادیا۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

(یہ جمعہ کی حاضری تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

نزول قرآن کے وقت صرف ایک ہی اذان تھی جو امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ اس زمانہ کے لوگ رغبت سے نماز کے لئے پہلے سے حاضر رہتے تھے، کوئی اکا دکا رہ گیا تو اذان سن کر حاضر ہو جاتا تھا۔

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایسا ہی رہا۔ پھر جب نمازیوں کی کثرت ہوگئی تو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذانِ خطبہ سے پہلے ایک اور اذان جاری کردی جو مسجد سے ذرا دور بازار میں مقام زوراء پر ہوتی تھی (صحیح بخاری ص ۱۲۴) اس وقت سے یہ پہلی اذان بھی جاری ہے۔ علماء نے فرمایا کہ کاروبار چھوڑ کر جمعہ کے لئے حاضر ہونا اب اسی اذان اول سے متعلق ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ خلفاء راشدین میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين فرمایا ہے اس لئے ان کا اتباع بھی لازم ہے۔

جمعہ کے فضائل: ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آیا اس کا نام پہلے اور جو بعد میں آیا اس کا نام بعد میں، لوگوں کی آمد کے اعتبار سے نام لکھتے رہتے ہیں، پھر فرمایا کہ جو شخص دوپہر کا وقت شروع ہوتے ہی جمعہ کے لئے روانہ ہو گیا اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ گویا اس نے بدنہ یعنی اونٹ کی ہدی پیش کی پھر جو اس کے بعد آیا اس کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے گائے کی ہدی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے مینڈھا ہدی میں پیش کیا اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے جیسا کہ اس نے مرغی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا کہ اس نے انڈا پیش کیا، پھر جب امام (اپنے حجرہ سے ممبر پر آنے کے لئے) نکلتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۱۲۱، ص ۱۲۷، مسلم ص ۲۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ میں حاضر ہوا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا اس کے لئے اس جمعہ سے لے کر آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی اور مزید تین دن کی مغفرت ہوگی کیونکہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گناہ زیادہ دیا جاتا ہے) پھر فرمایا جس نے کنکریوں کو چھولیا اس نے لغو کام کیا (کیونکہ جو شخص خطبہ کی طرف سے غافل ہوگا وہ ہی کنکریوں سے کھیلے گا یا اسی طرح کا کوئی لغو کام

کرے گا۔ (رواہ مسلم ص ۲۸۳ ج ۱)

اس حدیث میں اچھی طرح وضو کر کے آنے کا حکم ہے اور بعض روایات میں غسل کرنے، تیل یا خوشبو لگانے اور پیدل چل کر جانے اور مسواک کرنے اور اچھے کپڑے پہننے اور امام کے قریب ہو کر خطبہ سننے کی بھی ترغیب وارد ہوئی۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۲، ص ۱۲۳)

جو شخص خطبہ کے درمیان بات کرنے لگے اس کو یوں کہنا کہ خاموش ہو جا یہ بھی ممنوع ہے (کیونکہ اس میں دھیان سے خطبہ سننے میں فرق آتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے بات کرنے والے سے یوں کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو تو نے لغو کام کیا۔ (رواہ البخاری ص ۱۲۷ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب دنوں سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اسی دن جنت سے نکالے گئے (ان کا وہاں سے نکالا جانا دنیا میں ان کی نسل بڑھنے کا اور ان میں سے انبیاء شہدا صدیقین صالحین اور عام مؤمنین کے وجود میں آنے کا سبب بنا۔ جنہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوا) اور فرمایا کہ قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی (رواہ مسلم ص ۲۸۲ ج ۱)

ترکِ جمعہ پر وعید و فائدہ: .... مریض اور مسافر اور عورت اور غلام پر جمعہ کی حاضری ضروری نہیں۔ بالغ مرد جسے کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جو نماز کو جانے سے مانع ہو اس پر خوب ہمت کر کے کاروبار چھوڑ کر اور آداب کا خیال کر کے حاضر ہونا لازم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے رک جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ لوگ غافلوں میں سے ہو جائیں گے (مسلم ص ۲۸۲ ج ۱) حضرت ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین جمعہ سستی کی وجہ سے چھوڑ دیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۱)

ساعتِ اجابت و فائدہ: .... جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے بعض روایات میں ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔ (رواہ مسلم ص ۲۸۱)

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ جمعہ کے دن جس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے اس گھڑی کو عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔ (رواہ الترمذی ص ۱۱۱ ج ۱)

سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت: فائدہ: .... جمعہ کے دن سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ تین آیات پڑھ لیا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا (رواہ الترمذی ص ۱۱۶ ج ۲)

بعض روایات میں ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کی آخری آیات پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہے گا۔ یعنی جمعہ کے دن اس سورہ کے پڑھنے کی وجہ سے اس کی قبر میں یا قلب میں ایک ہفتہ کے بقدر روشنی رہے گی۔ (رواہ البیہقی فی دعوات الکبیر)

فائدہ: ۔ جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنے کا حکم بھی وارد ہوا ہے۔ (رواہ الدارمی ص ۴۲۶)

جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت: فائدہ ...... جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے یوں تو درود شریف پڑھنے کا ہمیشہ ہی بہت زیادہ ثواب ہے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۰)

نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو :............اس کے بعد ارشاد فرمایا فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ (الآیۃ)

(یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)

یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے اباحت اور اجازت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب نماز ختم ہو گئی تو مسجد کی حاضری والا کام ختم ہو گیا اب اپنے دنیاوی مشاغل میں لگ سکتے ہو مسجد سے فارغ ہو کر بازار میں جاؤ، اللہ کا رزق حاصل کرو۔ جمعہ کی حاضری کے لئے جو کاروبار چھوڑ کر آئے تھے چاہو تو اس میں لگ جاؤ چونکہ یہ امر اباحت ہے اس لئے کوئی شخص نماز پڑھ کر عصر تک یا مغرب تک مسجد میں رہ جائے اعتکاف، تلاوت، ذکر، ساعت اجابت کی تلاش میں وقت گزارے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔

خرید و فروخت کی اجازت دینے کے بعد وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

بھی فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ خرید و فروخت کی مشغولیت یا دوسرے کام اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، مؤمن کو ہر حال میں اللہ کے ذکر میں لگا رہنا چاہئے۔ جو حاصل زندگی ہے نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (کہ نماز کو میرے ذکر کے لئے قائم کرو) سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے) سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۔ (اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب زیادہ اور صبح و شام اس کی تسبیح میں مشغول رہو) پھر فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے اسے قلب کو راحت ہوتی ہے اطمینان حاصل ہوتا ہے چونکہ بازار میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے، خرید و فروخت کی آوازیں لگتی ہیں۔ غفلت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس لئے طلب رزق کے ساتھ کثرت ذکر کا بھی حکم فرمایا۔ ذیل میں لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے:

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے)

تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرما دیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرما دیں گے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دیں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

اور جب وہ کسی تجارت یا لہو کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ ایسے لہو

اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲ / ۱۲

اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلوں کی طرف متوجہ ہونے والوں کو تنبیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے۔ اچانک (مدینہ منورہ) میں ایک اونٹوں کا قافلہ آ گیا، جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا (جب حاضرین کے کانوں میں اس کی بھنک پڑی تو) اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور بازار کی طرف چل دیئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ آدمی رہ گئے اس پر آیت کریمہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا نازل ہوئی (رواہ البخاری ص ۱۲۸ جلد ا ص ۷۲۷ جلد ۲)

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں (ص ۲۸۴) میں اس روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے (چونکہ جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے حکم میں ہے اس لئے کسی راوی نے خطبہ پڑھنے کو نماز پڑھنے سے تعبیر کر دیا) قال النووی فی شرح مسلم والمراد بالصلوٰة (فی روایة البخاری) انتظار ھا فی حالة الخطبة کما وقع فی روایات مسلم) (علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ (بخاری کی روایت میں) لفظ صلوٰۃ سے مراد حالت خطبہ میں اس کا انتظار کرنا ہے (جیسا کہ مسلم کی روایات میں موجود ہے)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ جو بارہ افراد رہ گئے تھے ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، مراسیل ابو داؤد (ص ۷) میں مقاتل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عیدین کی طرح جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر خطبہ میں مشغول تھے کہ ایک شخص اندر مسجد میں آیا اور اس نے کہا کہ دحیہ بن خلیفہ اپنی تجارت کا سامان لے کر پہنچ گیا ہے (اس وقت دحیہ مسلمان نہیں ہوئے تھے)

جب وہ باہر سے تجارت کا سامان لے کر آتے تھے تو ان کے گھر والے دف بجا کر استقبال کیا کرتے تھے جو لوگ خطبہ سن رہے تھے وہ یہ سمجھ کر کہ خطبہ چھوڑ کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، مسجد سے باہر نکل آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ آیت کریمہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا نازل فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بعد سے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا اور نماز سے خطبہ پہلے پڑھا جانے لگا۔

مراسیل ابوداؤد کی روایت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ اس موقع پر مسجد سے نکل گئے تھے انہوں یہ خیال کر لیا تھا کہ نماز تو ہو گئی خطبہ نماز کا جزو نہیں ہے اور نصیحت کی باتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنتے ہی رہتے ہیں اس لئے خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان کی یہ اجتہادی غلطی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ تجارت کو دیکھتے ہیں یا کسی لہو کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چل دیتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ لہو سے طبل مراد ہے (جسے مراسیل ابوداؤد میں دف بتایا ہے) معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کتنے لوگ مسجد میں رہ گئے؟ عرض کیا بارہ مرد اور ایک عورت باقی رہ گئی، آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بھی باقی نہ رہتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسا دیئے جاتے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سب یکے بعد دیگرے چلے جاتے اور کوئی بھی مسجد میں نہ رہتا تو یہ وادی آگ بن کر بہہ پڑتی۔ (معالم التنزیل ص ۳۴۵ ص ۳۴۶ ج ۴)

بات یہ ہے کہ وہ زمانہ خوراک کی کمی کا بھی تھا اور بھاؤ کے مہنگے ہونے کا بھی دحیہ بن خلیفہ تجارت کا سامان لے آئے جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس ڈر سے کہ ممکن ہے کہ دوسرے لوگ خرید لیں اور ہم کو کچھ بھی نہ ملے حاضرین مسجد سے اس طرف چلے گئے۔ ایک تو چیزوں کی نایابی کا زمانہ تھا دوسرے انہوں نے یہ سمجھا کہ نماز کے بعد خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مال خریدنے میں یہودی اور منافق بھی ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی مال جلدی خرید لینا چاہئے۔ اس خیال نے خطبہ چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ کر دیا۔ اگر معاملہ کی ساری صورت حال سامنے رکھی جائے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابہؓ نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن غلطی غلطی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی۔

قُلْ مَاعِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ (آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے لہو سے اور تجارت سے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ نماز میں اور خطبہ کی مشغولیت میں بڑی برکات ہیں ان چیزوں میں مشغول ہوتے ہوئے جو اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت کی خیر ملے گی وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کے لئے اللہ کے ذکر کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ مؤمن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے احکام پورے کریں اور اس سے مانگیں۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ تمام دینے والوں سے بہتر ہے) اسی نے رزق اور اس کے اسباب پیدا فرمائے ہیں اور مقدر بھی فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دینے والا نہیں ہے جو کچھ ملتا ہے اس کی مشیّت سے ملتا ہے جو کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے دل میں ڈالا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ جمعہ کا خطبہ ادائے صلاۃ کے لئے شرط ہے۔ خطبہ پڑھے بغیر دو رکعتیں پڑھ لیں تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

فائدہ:۔ نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ اِذَاجَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ پڑھنا مسنون ہے (صحیح مسلم ص ۲۸۷ ج ۱) اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین میں اور صلاۃ جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے اگر کسی دن ایسا ہو گیا کہ عید بھی ہے اور جمعہ بھی تو دونوں نمازوں میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تھے (صحیح مسلم ص ۲۸۸ ج ۱)

☆☆☆......................☆☆☆
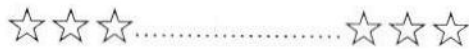
مدنی	سورۃ المنافقون	۱۱ آیتیں ۲ رکوع

اٰیَاتُهَا ۱۱ (۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۴) رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ المنافقون مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وقف لازم

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ج[illegible]ے کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ

الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

منافقین جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا سو انہوں نے اللہ کی راہ سے روک دیا بیشک یہ لوگ جو کرتے ہیں برا عمل

يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ

کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر انکے دلوں پر مہر مار دی گئی لہٰذا وہ نہیں سمجھتے اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو

اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ

اچھے معلوم ہوں گے اور اگر وہ باتیں کرنے لگیں گے تو آپ انکی بات سننے کی طرف دھیان دیں گے گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جو ٹیک لگا کر [illegible] دی گئی ہیں وہ ہر چیخ کو اپنے اوپر خیال کرتے

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ہیں کہ یہ دشمن ہی ہیں سو آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ اللہ انکو ہلاک کرے کہاں پھرے جا رہے ہیں۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اللہ کا رسول تمہارے لئے استغفار کرے

لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ

تو وہ اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کر رہے ہیں، برابر ہے کہ آپ [illegible] کیلئے استغفار کریں یا نہ کریں

لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى

بلاشبہ اللہ انہیں نہیں بخشے گا، بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسقوں کو۔ یہ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو

مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں اور اللہ ہی کے لئے ہیں خزانے زمین کے اور آسمان کے لیکن منافقین نہیں سمجھتے

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہو گئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا اور اللہ ہی کے لئے ہے عزت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کا بیان

یہاں سے سورۃ المنافقون شروع ہو رہی ہے۔ اس میں منافقین کی بے ایمانی اور بات کر کے مکر جانے اور جھوٹی قسم کھا جانے کا تذکرہ ہے۔ منافقین جو اوپر اوپر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے یہ لوگ نمازوں میں بھی برے دل سے شریک ہو جاتے تھے نیز جہاد کے مواقع میں بھی حاضر ہوتے تھے اور اپنی حرکتیں جاری رکھتے تھے۔ شرارتوں سے اور ناگوار باتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے گئے (شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کا واقعہ ہے اور سنن نسائی میں اس کی تصریح ہے) منافقین بھی حسب عادت ساتھ لگ گئے تھے وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھپ مار دیا۔ اس پر انصاری نے مدد کے لئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز سنی تو فرمایا یہ کیا جاہلیت کی دھائی ہے (کہ مسلمان ہونے کے بعد گروہ بندی کی عصبیت کام کرنے لگی) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاری کو ایک دھپ مار دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس جاہلیت کی دھائی کو چھوڑو، یہ بدبودار چیز ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ ابن اُبی نے بھی مہاجرین اور انصاری کے جھگڑے والی بات سن لی اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے کہ مہاجرین انصاری کو مارنے لگے۔ یہ لوگ جو باہر سے آئے ہیں ہم نے انہیں کھلایا پلایا تو یہ اتنے چڑھ گئے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ جس کا کھائے اس پر غرائے۔ اب ان لوگوں پر خرچ نہ کرو تا کہ خود ہی منتشر ہو جائیں، کھانے کو نہیں ملے گا تو خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے اور اس نے یہ بھی کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے (عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا کیونکہ انصاری پہلے سے مدینہ میں رہتے تھے اور ذلت والا مہاجرین کو کہا جو کہ مکہ مکرمہ سے آ کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے)

یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت زید ابن ارقم اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ صحیح بخاری میں (ص ۷۲۸ ص ۷۲۹) پر مذکور ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عبداللہ بن اُبی منافق کی بات نقل کر دی، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو عبداللہ زوردار قسم کھا گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ عبداللہ کے جو دوسرے ساتھی تھے، انہوں نے بھی جھوٹی قسم کھا لی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرما دی اس پر مجھے اتنی ندامت ہوئی اور طبیعت پر بوجھ ہوا اور رنج کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ سے لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ تک آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرما

دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے مواقع پر اپنے جذبات پر قابو پانے والے کہاں تھے جو بات انہوں نے حاطب بن بلتعہ کے بارے میں کہی تھی۔ وہی بات یہاں بھی عرض کر دی اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن ماردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑو' اگر ایسا کرو گے تو لوگ یوں کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (یہ واقعہ صحیح بخاری ص ۲۸۷' ص ۷۲۹ میں مذکور ہے' تفصیل اور توضیح کے لئے ہم نے الدر المنثور ص ۲۲۴' ص ۲۲۵ اور روح المعانی ص ۱۱۴ ج ۲۸ کو بھی سامنے رکھا ہے۔)

رئیس المنافقین کے بیٹے کا ایمان والا طرز عمل:............ سنن الترمذی میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت مذکور ہے اس میں یہ ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ یہ غزوۂ بنی المصطلق کا قصہ ہے' علماء کرام نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔

جب عبداللہ بن اُبی کی یہ بات اس کے بیٹے نے سنی کہ عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا تو اس نے باپ سے کہا کہ تو مدینہ سے واپس نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزت دار ہیں' چنانچہ جب اس نے یہ اقرار کر لیا تو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی' یاد رہے کہ عبداللہ بن اُبی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا جو مسلمان تھے۔ اب آیت کا ترجمہ پڑھئے اور بات سمجھتے جایئے (الدر المنثور)

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنی گواہی اور اپنی قسم میں جھوٹے ہیں' یہ بات تو سچ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن ان کا اس انداز سے گواہی دینا اور قسم کھانا کہ وہ آپ کو دل سے اللہ کا رسول مانتے ہیں اس میں وہ جھوٹے ہیں' آدمی اس لئے قسم کھاتا ہے کہ وہ سننے والوں کو یہ بتائے کہ میرا ظاہر و باطن ایک ہے اور جو کہہ رہا ہوں وہی دل میں ہے چونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے ان کی اس قسما دھرمی کو اور اپنے اس دعویٰ کو کہ ہم دل کی گہرائی سے آپ کے رسول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں جھوٹا قرار دے دیا۔ درمیان میں یہ بھی فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) آپ کی رسالت کے لئے ان کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں' بات یہ ہے کہ جھوٹا ہی قسمیں زیادہ کھایا کرتا ہے' سچے آدمی تو بہت کم کبھی قسم کھا لیتے ہیں جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے وہ ہی اپنی زبان اور دل کی موافقت ثابت کرنے کیلئے قسم کھاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے) اپنے جھوٹے دعوے ایمان کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ مسلمان سمجھے جائیں اور مسلمانوں کے ماحول میں ان کی جانیں اور اموال اور اولاد محفوظ رہ سکیں اگر کھل کر کفر کا اقرار کر لیں تو اندیشہ ہے کہ جو دوسرے کافروں کے ساتھ معاملہ ہے وہ ہی ان کے ساتھ کیا جائے اور ان کے ساتھ جو امن و امان کا برتاؤ ہوتا ہے وہ ختم کر دیا جائے۔

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سو انہوں نے روک دیا اللہ کی راہ سے)

اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ سے دور رکھا اور اپنے اولاد کو بھی اور دوسرے ملنے جلنے والوں کو بھی اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (بیشک یہ لوگ جو عمل کرتے ہیں یہ برے عمل ہیں) گو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے لئے اچھا طریقہ اختیار کیا کہ مسلمانوں سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور غیر مسلموں سے بھی) یہ لوگ اپنی بدعملی کی سزا پا لیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا (الاٰیۃ) (ان کی یہ بدعملی اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے یعنی ظاہری طور پر اپنے کو

مؤمن بتایا ہے ان لوگوں کے لئے خیر اسی میں تھی کہ ظاہر وباطن سے مؤمن ہوتے اور اپنے باطن کو بھی ظاہر کے مطابق کر لیتے یعنی سچے دل سے مؤمن ہو جاتے لیکن انہوں نے یہ حرکت کی کہ ظاہر میں بھی کافر ہو گئے یعنی ان سے ایسی باتیں ظاہر ہو گئیں جن سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ مؤمن نہیں جو ظاہری ایمان تھا اس کو بھی باقی نہ رکھ سکے۔

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (جب یہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں پر مہر ماردی گئی)

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ　(اب یہ حق کو نہ سمجھیں گے) اور حقیقی بات کو نہ جانیں گے۔

منافقوں کی ظاہری باتیں پسند آتی ہیں: .... وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ　منافقین کی صفت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ یہ لوگ نظروں میں بھاتے ہیں ان کے قد بھی بڑے ہیں رنگ بھی اچھے ہیں۔

فی صحیح البخاری کانوا رجالا واجمل شیء

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ. اور باتیں کرنے کا ڈھنگ اور فصاحت وبلاغت ایسی ہے کہ اگر آپ سے باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور آپ ان کی بات کو دھیان سے سنیں گے۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگائی ہوئی) یعنی ان کے جسم بھی قد وقامت والے ہیں اور باتیں بھی میٹھی ہیں مگر آپ کے کام نہیں آ سکتے، وہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں دیوار کے سہارے کھڑی ہوں جیسے لکڑیاں بے جان ہیں ایسے ہی ان کے لمبے چوڑے جسموں کا حال ہے، ایمان سے بھی خالی ہے اور جرأت اور ہمت سے بھی، یہ آپ کے کام نہیں آ سکتے۔

صاحب معالم التنزیل نے یوں تفسیر کی ہے کہ یہ لوگ اشجار مثمرہ یعنی پھل دار درخت نہیں ہیں بلکہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں ہوں جنہیں دیوار کے سہارے ٹیک دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان کی بزدلی اور باطنی خوف کا تذکرہ فرمایا ہے۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ (یہ لوگ ہر چیخ کو اپنے اوپر خیال کرتے ہیں کہ دشمن ہے) چونکہ دل سے مومن نہیں ہیں اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمارے نفاق کا پتہ نہ چل جائے اور جو بھی چیخ سنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر ہی کوئی مصیبت پڑنے والی ہے۔

فَاحْذَرْهُمْ لہٰذا آپ ان سے محتاط اور ہوشیار رہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو اور اہل ایمان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ.　کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں، ایمان کی طرف آتے ہی نہیں۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا (الآیۃ) (معالم التنزیل ص ۳۵۰ جلد ۴) میں لکھا ہے کہ جب عبداللہ ابن اُبی منافق کے بارے میں آیت قرآنیہ نازل ہو گئی جس سے اس کا جھوٹا ہونا اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا سچا ہونا ثابت ہو گیا تو اس سے کسی نے کہا کہ دیکھ تیرے بارے میں کیسی سخت بات نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا کہ وہ تیرے لئے اللہ سے دعا کریں اس پر اس نے انکار کرتے ہوئے اپنے سر کو حرکت دی اور کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھ سے ایمان لانے کو کہا تو میں ایمان لے آیا تم لوگوں نے زکوٰۃ دینے کے لئے کہا تو میں نے زکوٰۃ بھی دی۔ اب اتنی سی بات رہ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ کو سجدہ کر لوں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ نازل فرمائی (اور جب کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کے رسول تمہارے لئے استغفار کر دیں گے تو انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو پھیر دیتے ہیں اور تکبر کرتے ہوئے بے رخی اختیار کر لیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں لَوَّوْا رُءُ وْسَهُمْ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

حركوا رء وسهم استهزؤا بالنبى صلى الله عليه وسلم.

کہ یہ لوگ سر کو حرکت دیتے ہیں اور یہ حرکت دینا اس انداز میں ہوتا ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا مقصود ہوتا ہے۔ ان کی بے رخی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ.

(ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں) آپ کا استغفار کرنا انہیں کوئی نفع پہنچانے والا نہیں۔

لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (اللہ تعالیٰ ہرگز کبھی ان کی بخشش نہیں فرمائے گا) کیونکہ کفر کی بخشش نہیں ہو سکتی اور یہ پہلے معلوم ہو گیا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے مزید فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ.

(بیشک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

منافقین کہتے تھے کہ اہلِ ایمان پر خرچ نہ کرو وہ مدینہ سے خود ہی چلے جائیں گے: .... اس کے بعد منافقین کا دوسرا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا.

(یہ وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ خود منتشر ہو جائیں) منافقین نے دوسری بیہودہ باتوں کی طرح یہ بھی بڑی جاہلانہ بات کہی انہوں نے اپنے کو رازق سمجھ لیا اور یہ سوچا کہ یہ مہاجرین کو کھانا نہیں دیں گے تو روٹی کی فکر انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹا دے گی (عموماً جاہل دنیادار اس طرح کی باتیں کہہ دیا کرتے ہیں اور مدارس ومساجد میں کام کرنے والوں پر اس طرح کی پھبتی کس دیتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

(اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے) جس کو چاہے گا دے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ فلاں کھانا دیتا ہے۔ سب کو کھلانے پلانے والا اللہ ہی ہے وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَايَفْقَهُوْنَ. (لیکن منافقین نہیں سمجھتے)

اللہ اور رسول اور مؤمنین ہی کے لئے عزت ہے: ...... اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کیلئے اور مومنین کے لئے وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (اور لیکن منافقین نہیں جانتے)

تھوڑی سی دنیا کے بل بوتہ پر یہ باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ اللہ کے رسول اور اہل ایمان ہی عزت والے ہوں گے اور یہ جاہل منافق ہی ذلیل اور خوار ہوں گے بالآخر ایک وہ دن آیا کہ ان کو مسجد نبوی سے ذلت کے ساتھ نکال دیا گیا پھر ایک ایک کر کے دفع اور دفن ہو گئے اور بعض اسلام قبول کر کے عزت کی زندگی میں داخل ہو گئے۔

منافقین نے یہ جو کہا تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا ان کی اس بات کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط

(وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہو گئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا)

اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم عزت دار ہیں مدینہ شہر ہمارا ہے، ہم اس میں پہلے سے رہتے ہیں، مہاجر بعد میں آئے ہیں ہمارے سامنے ذلیل ہیں (العیاذ باللہ) ہم ان کو نکال دیں گے۔ بات صاف نہیں کہی مگر کہہ دی، متکلم کا صیغہ کہنے کے بجائے غائب کا صیغہ اختیار کیا، اللہ جل شانہ نے جواب میں فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، اور جو شخص ایسا کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ

سو یہ لوگ وہ ہیں جو نقصان میں پڑنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تمہیں موت آ جائے سو وہ کہے گا

رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

کہ اے میرے رب! آپ نے تھوڑی مدت کے لئے مجھے کیوں مہلت نہ دی میں صدقہ کرتا اور صالحین میں سے ہو جاتا اور اللہ ہرگز کسی

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کی اجل آ جائے اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

تمہارے اموال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو

دنیا میں مال اور اولاد دو چیزیں ایسی ہیں جن میں مشغول ہو کر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ فرائض اور واجبات کو چھوڑنا نوافل واذکار سے دور رہنا زبان سے دنیاوی دھندوں میں پھنسا رہنا، یہ سب امور ایسے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے ہیں۔ آدمی مال کمانے میں لگتا ہے تو اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اولاد کو مالدار بنانے کے لئے اور موت کے بعد بہت سا مال چھوڑنے کے لئے کمائی کرتا ہے، حلال حرام کا خیال نہیں کرتا، زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، واجبات شرعیہ میں خرچ نہیں کرتا، اگر کوئی شخص حلال مال ہی کمائے تب بھی کمانے کا انہماک اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے، پھر اولاد کے غیر ضروری اخراجات، لاڈ پیار اور ایسی ہی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو گناہ پر لگاتی ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ بقدر ضرورت اپنی جان کے لئے اپنی اولاد کے لئے ماں باپ کے لئے مال کمانا جس میں اللہ کی رضا بھی مقصود ہو یہ تو اللہ کے ذکر میں ہی شامل ہے لیکن جس میں دنیا ہی مقصود ہو مال ہی مقصود ہو اس میں اللہ کے ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.

(اور جو شخص ایسا کرے یعنی اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو یہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں) جو شخص کافر ہے وہ تو پورا ہی خسارہ میں ہے یعنی اس کی ہلاکت کامل ہے۔ آخرت میں اس کے لئے دائمی عذاب ہے اور جو شخص مؤمن ہوتے ہوئے دنیا کے جھمیلوں

میں لگے وہ بقدر جھمیلوں کے اللہ کے ذکر سے غافل رہتا ہے اور اسی کے بقدر خسارہ میں ہے۔ اور یہ خسارہ کوئی معمولی نہیں ہے اللہ کا نام لینے سے ذرا سی غفلت بھی بہت بڑے نقصان کا ذریعہ بن جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک بار سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ایک بار سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولآ الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ کہہ دوں تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے۔ دیکھو اللہ کے ذکر سے غافل ہونے میں کتنا بڑا نقصان ہے۔

اس کے بعد مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. (الاٰية) کہ موت کے آنے سے پہلے اس مال میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ چونکہ ذکر اللہ سے غفلت مال کمانے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ساتھ ہی مال خرچ کرنے کا بھی حکم دیدیا، مال آتا ہے تو خرچ بھی ہوتا ہے مؤمنین صالحین اسے اللہ کی رضا میں خرچ کرتے ہیں اور جن لوگوں کو مال سے محبت ہوتی ہے، دین پر چلنے کا شوق نہیں ہوتا، وہ مال لے کر بیٹھے رہتے ہیں، روپیہ پیسہ کے غلام بنے رہتے ہیں، فرض زکوٰۃ اور تھوڑا سا صدقہ بھی انہیں کھٹکتا ہے۔

آیت بالا میں یہ بھی فرمایا ہے کہ موت کے آنے سے پہلے مال خرچ کرو اگر زندگی میں اللہ کے لئے مال خرچ نہ کیا تو موت کے وقت یہ آرزو کام نہیں آئے گی کہ تھوڑی سی اور زندگی مل جاتی تو اللہ کے لئے خرچ کرتا اور صالحین میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو، جس کے ذریعہ بیت اللہ کا حج کر سکتا ہے اور زکوٰۃ فرض ہوگئی پھر اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ موت کے وقت رجعت کا سوال کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ مجھے واپس زندگی دے دی جائے تاکہ صدقہ دے دوں اور نیک کام کرلوں اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ سے لے کر آخر سورت تک تلاوت فرمائی۔

آخر میں فرمایا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.

(کسی کی جان کی موت کو اللہ مؤخر نہ کرے گا جب اجل آ گئی۔ اجل پر تو مرنا ہی مرنا ہے، جسے جو کچھ عمل کرنا ہے موت سے پہلے ہی کرلے، موت کے وقت حسرت کام نہ دے گی اور زندگی واپس نہ ملے گی اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ زندگی بھر میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی کسی کو کیا خبر ہے کیونکہ جس نے پیدا کیا، جان دی اس کو تمہارے ہر کام کی خبر ہے۔

آخر تفسیر سورة المنافقون والحمد للّٰہ اولاً واٰخراً۔

مکی اور مدنی	سورۃ التغابن	۱۸ آیتیں ۲ رکوع

ایاتھا ۱۸ (۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۸) رکوعاتھا ۲

سورۃ التغابن مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں اس کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور زمین کو حق کیساتھ اور تمہاری صورتیں بنا دیں، سو اچھی بنائیں، اسکی طرف لوٹ جانا ہے۔ وہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے

وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور وہ سب اعمال کو جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ کیا تمہارے پاس ان کافروں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے

مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ

تھے، سو انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بیشک انکے پاس انکے رسول کھلے ہوئے معجزات لائے تھے،

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ زَعَمَ

سو انہوں نے کہا کہ کیا ہمیں آدمی ہدایت دیں گے، سو انہوں نے کفر اختیار کیا اور اعراض کیا، اور اللہ نے بے نیازی کا معاملہ کیا، اور اللہ بے نیاز ہے اور حمد کا مستحق ہے۔ کافروں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ

نے یہ خیال کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی کہ تم ضرور ضرور اٹھائے جاؤ گے اور تمہیں ضرور ضرور تمہارے اعمال سے باخبر کیا جائے گا اور

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ يَوْمَ

یہ اللہ پر آسان ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ جس دن تم کو جمع

يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ

ہونے کے دن میں جمع فرمائے گا۔ یہ دن ہے جس میں لوگ نقصان میں پڑیں گے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اللہ اس کے گناہوں

سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞

کا کفارہ فرما دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور بڑی کامیابی ہے اور

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ع ۱۵ الثلثۃ

آسمان وزمین کی کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے تم میں بعض کافر اور بعض مؤمن ہیں' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے

یہاں سے سورۃ التغابن شروع ہو رہی ہے یہ لفظ غبن سے لیا گیا ہے۔ غبن نقصان کو کہتے ہیں آخرت میں جو نقصان ہوگا اس سورت کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب اس کو تغابن سے اور یوم آخرت کو یوم التغابن سے تعبیر فرمایا ہے' اس لئے یہ سورت' سورۃ التغابن کے نام سے معروف ہے اوپر چند آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں' زبان قال یا زبان حال سے سب تسبیح میں مشغول ہیں' پھر فرمایا لَهُ الْمُلْكُ (اسی کے لئے ملک ہے' ساری مخلوق اسی کی ملکیت ہے وَلَهُ الْحَمْدُ (اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں) اس کے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو کوئی دخل نہیں اور وہ اپنے تمام تصرفات میں محمود ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ جو بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔

پھر دوسری اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بیان فرمائی' فرمایا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہوئے اور بعض مؤمن ہوئے)

اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا، سمجھ دیدی، قوت فکر یہ عطا فرما دی، انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت پوری طرح سامنے آ گئی۔ اس کے باوجود جسے کفر اختیار کرنا تھا وہ کفر پر اڑا رہا' اور جنہیں مؤمن ہونا تھا' انہوں نے ایمان اختیار کر لیا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے)

وہ اہل ایمان کے اعمال اور اہل کفر کے کام ان سب کو دیکھتا ہے' سب کے اعمال سے باخبر ہے' ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء یا سزا دے گا' عمل کے عموم میں اعمال قلبیہ اور افعال جوارح سب داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا فرمایا اور تمہاری اچھی صورتیں بنائیں: .... خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق (یعنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورتیں بنائیں سو تمہاری اچھی صورتیں بنائیں)

اس میں انسانوں پر امتنان فرمایا اور اپنے ایک احسان عظیم کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنا دیں اور اچھیں صورتیں بنائیں۔ ہاتھ' پاؤں' آنکھ، ناک، قد و قامت کے اعتبار سے جو اعضاء انسانی میں تناسب ہے اور ساتھ ہی حسن و جمال ہے۔ ان سب کو دیکھ کر انسانوں کو اپنے خالق کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ صورت اور شکل کے اعتبار سے جو انسان کی برتری ہے' اسے انسان ہی سمجھتا ہے۔ زمین پر جو دوسری چیزیں رہتی ہیں اور بستی ہیں' ان میں سے کوئی چیز کتنی بھی خوبصورت ہو اور کوئی انسان کتنا بھی بدصورت ہو وہ کبھی بھی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی انسانی صورت سلب کر لی جائے اور غیر انسانی صورت میں منتقل کر دیا جائے۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) وہ ہی خالق ہے اور وہ ہی مصور ہے اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے' لہٰذا انسانوں کو اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم ہے' اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس کی یاد میں لگے رہیں۔

اللہ تعالیٰ مافی السمٰوات و مافی الارض اور مافی الصدور کو جانتا ہے:........ چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان فرمایا' ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الاٰية)

(اور وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں)

وَيَعْلَمُ مَاتُسِرُّوْنَ وَمَاتُعْلِنُوْنَ (اور وہ تمہارے سب اقوال اور اعمال اور احوال کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور جنہیں ظاہر کرتے ہوئے)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. (اور وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے)

یعنی اس کا علم اقوال اور افعال تک ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بندے جو کچھ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اگرچہ ادنیٰ وسوسہ ہو اسے اس سب کا بھی علم ہے۔ ظاہر ہے ایسی ذات جلیل الصفات پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر چلنا لازم ہے اور یہ مراقبہ ضروری ہے کہ ہمارا خالق اور مالک سب کچھ جانتا ہے۔

گزشتہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین:........ پانچویں اور چھٹی آیت میں مخاطبین قرآن کو گزشتہ اقوام کی بدحالی کا انجام بتایا' جس میں یہ سمجھایا کہ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی برا انجام ہوگا' ارشاد فرمایا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ.

(کیا تمہارے پاس ان کافروں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے۔)

فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ. سو انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا (یہ تو دنیا میں ہوا)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اُمم سابقہ کی گمراہی کا سبب:........ پھر ان لوگوں کے کفر پر جمے رہنے کا سبب بتایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ (الاٰية) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے۔ ان لوگوں نے ان کی دعوت پر ایمان نہ لانے کا یہ حیلہ نکالا اور یہ بہانہ تراشا کہ یہ تو آدمی ہے اور ہم بھی آدمی ہیں بھلا آدمی' آدمی کو کیا ہدایت دے گا۔ اس جاہلانہ بات کو اٹھایا اور کفر پر جمے رہے اور حق سے اعراض کیا اور اللہ نے انکی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انجام کار وہ دنیا و آخرت میں سزا کے مستحق ہوئے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ. (اور اللہ بے نیاز ہے)
کوئی بھی ایمان نہ لائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں، وہ ستودہ صفات ہے۔ ہمیشہ سے حمد وثنا کا مستحق ہے۔
منکرین قیامت کا باطل خیال: .... ساتویں آیت میں منکرین قیامت کا تذکرہ فرمایا:
زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا. (الاٰية)
(جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ جھوٹا خیال کیا کہ وہ ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے)
قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ.
(اے محمد! آپ فرمادیجئے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور ضرور اٹھائے جاؤ گے اور ضرور ضرور اپنے اعمال سے باخبر کئے جاؤ گے)
وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ. (اور یہ قبروں سے اٹھانا اور اعمال کا جتانا اللہ کے لئے آسان ہے) کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ یہ دشوار کام ہے یہ کیسے ہوگا۔
ایمان اور نور کی دعوت: .... آٹھویں آیت میں ایمان کی دعوت دی فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا (سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ایمان لاؤ اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا یعنی قرآن حکیم)
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے)
نویں اور دسویں آیت میں روز قیامت کی حاضری کی خبر دی اور مؤمنین اور کافرین کا انجام بتایا، فرمایا يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ.
(اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ تمہیں جمع فرمائے گا اور یہ جمع کرنے کا دن، نقصان میں پڑنے کا دن ہوگا) ہر ایک کو اپنے اپنے وقت پر مختلف ایام میں موت آئی۔ قیامت کا دن یوم الجمع ہے اس میں زندہ ہو کر سب جمع ہوں گے۔
قیامت کا دن یوم التغابن ہے: اس یوم الجمع کو یوم التغابن بھی فرمایا ہے۔ یہ لفظ غبن سے لیا گیا ہے، غبن نقصان کو کہتے ہیں قیامت کے دن سب کا خسارہ ظاہر ہو جائے گا۔ کافر کا خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں جائے گا اور مؤمنین کا خسارہ یہ ہوگا کہ جتنی بھی نعمتیں مل جائیں انہیں یہ حسرت رہ جائے گی کہ ہائے ہائے اور اچھے اعمال کر لیتے تو زیادہ نعمتیں مل جاتیں۔
قال صاحب معالم التنزیل فیظهر یومئذ غبن کل کافر بترکه الایمان وغبن کل مؤمن بتقصیره فی الاحسان ص ۳۵۳ ج ۴) (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں اس دن ہر کافر کے لئے ایمان چھوڑنے کا نقصان اور ہر مومن کے لئے احسان چھوڑنے کا نقصان ظاہر ہو جائے گا)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص کو بھی موت آئے گی وہ (موت کے بعد) نادم ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کو کیا ندامت ہوگی؟ فرمایا کہ وہ اچھے عمل کرنے والا تھا تو اسے یہ ندامت ہوگی کہ کاش اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اچھا ہوتا اور جس نے برے کام کئے تھے اسے یہ ندامت ہوگی کہ کاش نافرمانیوں سے باز آ جاتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴)
حضرت محمد بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بندہ پیدائش کے دن سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ کی فرمانبرداری کے طور پر سجدہ ہی میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بہت ذرا سا سمجھے گا

اوراس کی آرزو ہوگی کہ اسے دنیا کی طرف واپس کر دیا جائے تا کہ اور زیادہ اجر وثواب کی کمائی کر لے (رواہ احمد کما فی المشکوۃ وذکرہ المنذری فی الترغیب ص ۳۹۷ ج ۴ وعزالی احمد ثم قال ورواتہ رواۃ الصحیح)

بعض علماء نے تغابن کے باب تفاعل ہونے کی وجہ سے شرکت فی الفاعلیت پر محمول کیا ہے، لیکن ایسی کوئی صورت واضح نہ ہوئی، جس سے معلوم ہو سکے کہ کافر مؤمنین کو وہاں کوئی نقصان پہنچادیں گے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ اخرج عبدبن حمید عن ابن عباس ومجاهد وقتادة انهم قالو ایوم یغبن فیه اهل الجنة واهل النار فالتفاعل لیس فیه علٰی ظاهره کما فی التواضع والتحامل لوقوعه من جانب واحدو اختیر للمبالغة والٰی هذاذهب الواحدی. (عبد بن حمیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور قتادہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دن جس میں اہل جنت اور اہل جہنم کا نقصان ہوگا۔ پس یہاں باب تفاعل اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے جیسا کہ تواضع اور تحامل میں ہے ایک جانب میں واقع ہونے کی وجہ سے اور یہاں مبالغہ کے لئے اختیار کیا گیا اور علامہ واحدی اسی طرف گئے ہیں)

اہل ایمان کو بشارت اور کافروں کی شقاوت: .... اس کے بعد اہل ایمان کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا (الأية) (اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے)۔

پھر کافروں کی بدحالی بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا. (الأية)

(اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے اور جو بھی کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے وہ اس کے قلب کو ہدایت دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز

عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

کا جاننے والا ہے۔ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی سو اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول پر پہنچا دینا ہے واضح طور پر۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ

اللہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہ ہی اور اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن بندے۔ اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں

وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں، سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگذر کرو اور بخش دو سو بلا شبہ اللہ غفور ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

رحیم ہے۔ یہی بات ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے، سو تم اللہ سے ڈرو جہاں تک تمہاری

مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

طاقت ہے اور بات سنو اور فرمانبرداری کرو اور اچھے مال کو اپنی جانوں کے لئے خرچ کرو۔ اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ہیں جو کامیاب ہیں اگر تم اللہ کو قرض دو اچھا قرض تو وہ تمہیں اس کو بڑھا کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا اور اللہ

شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

قدردان ہے بردبار ہے، غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے، عزیز ہے، حکیم ہے۔

جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے

یہ سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع کا ترجمہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے یہ آیات متعدد مواعظ اور نصائح پر مشتمل ہیں۔ پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ کی قضا و قدر پر راضی رہے اور جو تکلیف پہنچ جائے اس پر صبر کرے۔ سنن ابن ماجہ (ص ۹) میں ہے:

اِنَّ مَآ اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاِنَّ مَآ اَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ.

(یعنی یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو تکلیف پہنچ گئی وہ خطا کرنے والی نہ تھی اور جو تکلیف نہیں پہنچی وہ پہنچنے والی نہ تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرو اور اس پر راضی ہو جاؤ، پھر فرمایا وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ.

(اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے) جس کی وجہ سے وہ سراپا رضا و تسلیم بن جاتا ہے، تکلیف پر صبر کرتا ہے اور اس کا ثواب لیتا ہے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر مزید ثواب عظیم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے صابروں کا بھی پتہ ہے اور بے صابروں کا بھی علم ہے، ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا دے گا۔

اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اور توکل اختیار کرنے کا حکم: .... دوسری نصیحت یہ فرمائی: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (اس میں بندوں کا اپنا ہی بھلا ہے) اللہ کے رسول نے پیغام پہنچا دیا اگر کوئی شخص روگردانی کرے تو اللہ کے رسول پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اسی کو فرمایا ہے

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ.

(سو اگر تم روگردانی کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ اتنا ہی ہے کہ واضح طور پر پیغام پہنچا دے) جو نہ مانے گا وہ اپنا ہی برا کرے گا۔ تیسری نصیحت فرماتے ہوئے اول توحید کی تلقین فرمائی اور فرمایا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.

(اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) پھر توکل کا حکم فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.

(اور مؤمنین اللہ پر ہی توکل کریں)

بعض ازواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں: .... چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تمہاری بیویوں اور اولاد میں ایسے (بھی) ہیں جو تمہارے دشمن ہیں لہٰذا تم ان سے ہوشیار رہو۔

فطری اور طبعی طور پر انسان کو نکاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب نکاح ہو جاتا ہے تو اولاد بھی ہوتی ہے۔ میاں بیوی میں آپس میں محبت ہوتی ہے اور اولاد سے محبت ہونا امر طبعی ہے' اسلام نے بھی ان محبتوں کو باقی رکھا ہے' لیکن اس کے لئے ایک حد بندی بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق سب پر مقدم ہے۔ بیوی ہو یا شوہر' بیٹا ہو یا بیٹی ہر ایک سے اتنی ہی محبت کی جا سکتی ہے' جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو' شریعت اسلامیہ کے مطابق چلتے رہیں۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جب انہوں نے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج اور اولاد نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور یوں کہا کہ ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر صبر کیا لیکن تمہاری جدائی پر صبر نہیں کر سکتے' ان کی یہ بات سن کر انہوں نے ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس پر آیت کریمہ **اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ** نازل ہوئی اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ بال بچہ دار تھے وہ جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تو یہ لوگ رونے لگتے اور یوں کہتے کہ آپ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟ یہ سن کر انہیں ترس آ جاتا اور جہاد کی شرکت سے رہ جاتے تھے' اس پر آیت بالا نازل ہوئی جس میں یہ بتا دیا کہ بیوی بچے تمہیں نیک کام کرنے سے روکتے ہیں ان کی طرف سے ہوشیار رہو اور ان کی بات نہ مانو دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

لفظ ازواج جمع ہے زوج کی' یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے' لہٰذا آیت کریمہ کے عموم الفاظ سے معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اس کا اہتمام کرے بیوی ہو یا شوہر آپس میں ایک دوسرے کی وجہ سے یا اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ ہو جائیں۔

بیوی بچوں کی محبت میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں: .... بیوی اور شوہر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں اور اولاد کو بھی اسی پر چلائیں' اللہ کی نافرمانی نہ شوہر کرے نہ بیوی کرے اور نہ اولاد کو کرنے دیں۔ اگر ازواج اور اولاد سے اتنی محبت کی کہ اللہ کے فرائض اور واجبات چھوٹنے لگے تو ان لوگوں کی محبت خود اپنے حق میں دشمن بن جائے گی پھر اس دشمنی کا مظاہرہ میدان حشر میں ہو گا۔ ان کی وجہ سے جو گناہ کئے ان پر مؤاخذہ اور عذاب ہو گا۔ یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ بیوی بچوں کے لئے کمائے اور انہیں کھلائے پلائے لیکن اس میں حلال و حرام کا خیال نہ رکھے۔ حرام کمانے کا بھی گناہ اپنے سر لے اور حرام کھانے اور کھلانے کا بھی اور ان کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہو جائے' دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ بیوی بچوں کی خواہش اور ضد کی وجہ سے گناہ کر لیتے ہیں۔ سود پر قرض بھی لیتے ہیں دوسروں کے اموال میں خیانت بھی کر لیتے ہیں اور رشوت لے کر بھی گھر والوں کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اور ان سب کا وبال اپنے سر لیتے ہیں' بیوی بچوں کو اس سے بحث نہیں کہ ہمارے ذمہ دار کا آخرت میں کیا بنے گا۔ انہیں تو اپنے نفس کے تقاضے پورے کرنا ہے' اگر اللہ کے قانون کو نہ دیکھا اور بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کر دیں جن میں گناہوں کا ارتکاب کیا۔ پھر قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوئے یہ کہاں کی سمجھداری ہے۔ اس وقت یہ بیوی بچے دشمن نظر آئیں گے اور یہ سمجھ میں آ جائے گا کہ انہوں نے میرے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ کیا یہ مجھے نصیحت کر کے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کی تاکید کرتے اور حرام چیزوں سے اور حرام کاموں سے روکتے انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو پورا کرنے میں مجھے رگڑ دیا اور مجھے حرام کاموں میں لگا دیا۔

قال صاحب الروح قال غير واحد ان عداوتهم من حيث انهم يحولون بينهم وبين الطاعات والامور النافعة لهم في آخرتهم وقد يحملونهم على السعي في اكتساب الحرام وارتكاب الاثم لمنفعة انفسهم. صاحب روح

المعانی فرماتے ہیں بہت سارے علماء نے کہا ہے کہ ان کی دشمنی اس لحاظ سے تھی کہ یہ والدین اور نیکیوں و آخرت کے لئے نفع مند کاموں میں حائل ہو جاتے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے حرام کمائی اور گناہ کرنے پر اکساتے ہیں)

یہ بیوی بچوں کی عام حالت ہے اور بہت سے اولاد اور ازواج ایسے بھی ہوتے ہیں جو خیر کی دعوت دیتے ہیں اور خیر پر چلاتے ہیں' اس لئے اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ فرمایا کہ تمہارے ازواج اور اولاد میں سے تمہارے دشمن (بھی) ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ سب ہی اولاد اور ازواج دشمن ہیں۔

معاف اور درگزر کرنے کی تلقین:............ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ.

(اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو' سو اللہ بخشنے والا ہے' مہربان ہے)

بعض مرتبہ بیویوں کی اور اولاد کی فرمائشیں ایسی ہوتی ہیں کہ کبھی تو نفس کو فرمائش ہی ناگوار گزرتی ہے اور کبھی ان کے پورا کرنے کا موقع نہیں ہوتا' ایسی صورت میں بھی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ تم انہیں معاف کر دو اور درگزر کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے' مہربان ہے تم ان کو معاف کر دو گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے' رحیم ہے' اس کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار رہو۔

اموال' اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں:............ پانچویں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ وَّاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ.

(بات یہی ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے)

اس میں یہ تنبیہ فرمائی کہ تمہارے اموال' تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ یعنی آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ مال کمانے اور خرچ کرنے میں اور اولاد کی پرورش کرنے میں اور ان کے ساتھ رہنے سہنے میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے اور مال کی تحصیل اور اولاد کی محبت اور دیکھ بھال کو ہی زندگی کا مشغلہ نہ بنالیا جائے اللہ کے پاس اجر عظیم ہے اس کے لئے محنت اور کوشش میں لگنا ایمان کا اہم تقاضا ہے۔

اس آیت کے ہم معنی سورۃ الانفال کے تیسرے رکوع میں بھی ایک آیت گزر چکی ہے وہاں ہم نے اموال اور اولاد کے فتنہ کی تشریح کر دی ہے۔

تقویٰ اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم:............ چھٹی نصیحت یہ ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ (اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے) وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِيۡعُوۡا (اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو) وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ (اور اپنی جانوں کے لئے اچھا مال خرچ کرو) یہ نصیحت کئی نصیحتوں پر شامل ہے' اللہ تعالیٰ شانہ' نے جو احکام بھیجے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے' جہاں تک ہو سکتا ہو ہر عمل کو پورا کریں۔ فرائض' واجبات پورے کریں اور گناہوں سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو عمل کرنے والوں کے بس سے باہر ہو' ہاں بعض اعمال شاق گزرتے ہیں' ہمت کر کے اور نفس کو قابو کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنیں اور فرمانبرداری کریں' اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کریں یہاں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو کچھ خرچ کرے گا وہ اپنے ہی کام آئے گا اس میں اپنی جانوں کو بھلا ہو گا۔

بخل سے پرہیز کرنے والے کامیاب ہیں:............ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ.

(اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچالیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں) یہ مضمون سورۃ الحشر کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔ وہاں تفسیر اور تشریح دیکھ لی جائے۔

اللہ کو قرض حسن دیدو وہ بڑھا چڑھا کر دے گا اور مغفرت فرما دے گا:

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡهُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ.

(اگر تم اللہ کو قرض دے دو گے اچھا قرض جس میں اخلاص ہو اور خوش دلی سے ان کاموں میں خرچ کر دیا جائے جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے یا مستحب قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر چند در چند اضافہ کر کے اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا) سب بندے اللہ کے ہیں اور سارے اموال بھی اللہ ہی کے ہیں اس نے کرم فرمایا کہ اس کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس کا نام قرض رکھ دیا پھر اس پر چند در چند ثواب دینے کا وعدہ فرما لیا یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَاللّٰهُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ (اور اللہ شکور ہے یعنی قدر دان ہے) تھوڑے عمل اور تھوڑے مال کے عوض بہت زیادہ دیتا ہے اور حلیم یعنی بردبار ہے گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے)

عَالِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے) اَلۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ. (وہ زبردست ہے حکمت والا ہے)

وهذا آخر تفسير سورة التغابن بفضل الله المليك العلام والحمد لله على التمام والصلوة على البدر التمام وعلى اله واصحابه البررة الكرام.

☆☆☆........................☆☆☆
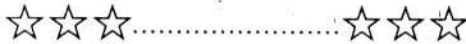
مدنی	سورۃ الطلاق	۱۲ آیتیں ۲ رکوع

ایاتہا ۱۲ (۶۵) سُورَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۹) رکوعاتہا ۲

سورۃ الطلاق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں عدت سے پہلے طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو

رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ ۢبُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ

تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو تم ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کر لیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ

یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اے مخاطب! شاید تو یہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ

بعد کوئی نئی بات پیدا فرما دے۔ پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں روک لو، بھلائی کے ساتھ

بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

یا چھوڑ دو بھلائی کے ساتھ اور عدل والے دو آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لئے گواہی کو قائم کرو اور یہ وہ چیز ہے

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ

جس کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو وہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ

رزق دیتا ہے جہاں اسے ملنے کا گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کر لے سو وہ اس کے لئے کافی ہے، بلاشبہ اللہ اپنا کام پورا ہی کر کے رہتا ہے، بیشک

جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

طلاق اور عدت کے مسائل، حدود اللہ کی نگہداشت کا حکم

یہاں سے سورۃ الطلاق شروع ہے اس کے پہلے رکوع میں طلاق اور عدت کے مسائل بتائے ہیں، درمیان میں دیگر فوائد ہیں، چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ احکام مذکور ہیں اس لئے اس کا دوسرا نام سورۃ النساء القصریٰ بھی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس نام سے موسوم کیا۔

اصل بات تو یہی ہے کہ جب مرد عورت کا آپس میں شرعی نکاح ہو جائے تو آخر زندگی تک میل محبت کے ساتھ زندگی گزار دیں لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ طبیعتیں نہیں ملتی ہیں اور کچھ ایسے اسباب بن جاتے ہیں کہ علیحدگی اختیار کرنی پڑ جاتی ہے لہٰذا شریعت اسلامیہ میں طلاق کو بھی مشروع قرار دیا ہے۔ جب شوہر طلاق دیدے تو اس کے بعد عورت پر عدت گزارنا بھی لازم ہے جب تک عدت نہ گزر جائے عورت کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، عدت کے بھی متعدد احکام ہیں، حیض والی عورت اور حمل والی عورت اور بے حمل والی عورت اور زیادہ عمر والی عورت (جسے حیض نہ آتا ہو) ان کے ایام عدت میں فرق ہے، جب عورتوں کو حیض آتا ہو اگر ان کو طلاق دیدی جائے اور حمل سے نہ ہوں تو ان کی عدت حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین حیض ہیں اور حضرات شافعیہ کے نزدیک تین طہر ہیں یہ اختلاف لفظ قروء کا معنی متعین کرنے کی وجہ سے ہو گیا ہے، جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوا ہے۔

یہ لفظ قرء کی جمع ہے جو لفظ مشترک ہے حیض کے معنی میں بھی آتا ہے اور طہر کے معنی میں بھی، اپنے اپنے اجتہاد کے پیش نظر کسی نے اس کو حیض کے معنی میں لیا اور کسی نے طہر کے معنی میں لیا ہر فریق کے دلائل اور وجوہ ترجیح اپنے اپنے مسلک کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

یہاں سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے وقت میں طلاق دو کہ طلاق کے بعد ان کی عدت شروع ہو جائے۔ ابتدائی خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے اور اس کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر لا کر طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فرمایا ہے کیونکہ امت کے لئے احکام بیان کرنا مقصود ہے، حیض والی عورت کی عدت حنفیہ کے نزدیک چونکہ تین حیض ہیں، اس لئے ان کے نزدیک فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دو کہ اس کے بعد عدت شروع ہو جائے، طلاق کے بعد جو پہلا حیض آئے گا وہ حیض اور اس کے بعد دو حیض آنے پر عدت تمام ہو جائے گی، جب عدت گزارنے کے لئے تین حیض پورے کرنے ہیں تو طلاق ایسے وقت پر دی جائے جو حیض شروع ہونے سے پہلے ہو اور یہ وقت طہر کا ہے، اور بموجب حکم حدیث اس طہر میں دینی چاہئے جس میں جماع نہ کیا ہو یا عورت کو حمل ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جبکہ وہ حیض کے دن گزار رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کر دیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس پر غصہ آ گیا، پھر فرمایا کہ اسے ہو کہ رجوع کر لے پھر پاک ہونے تک اسے روکے رکھے پھر جب ایک حیض آ جائے اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینے کی رائے ہو تو طلاق دے دے، یہ طلاق طہر کی حالت میں ہو اور ایسے طہر میں ہو، جس میں جماع نہ کیا ہو، پھر فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۹ ج ۲)

صحیح مسلم جلد نمبر ا میں ہے:

فقال له النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لیراجعها وقال اذاطهرت فلیطلقها اویمسک قال ابن عمر رضی اللّٰه عنهما وقرء النبی ﷺ یا ایها النبی اذاطلقتم النساء فطلقو هن فی قبل عدتها وهو بضم القاف والباء ای فی وقت تستقبل فیه العدة وهو تفسیر النبی ﷺ للفظ لعد تهن. (چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا اس سے رجوع کر لے اور فرمایا جب وہ حالت طہر میں ہو تو اسے طلاق دے یا روک لے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے یوں پڑھایا یھا النبی اذا طلقم النساء فطلقوھن فی قبل عدتها قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ یعنی ایسے وقت میں جس میں عدۃ موجود ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لفظ "لعدتھن" کی یہی تفسیر ہے)

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے اگر حیض میں طلاق دے دی تو رجوع کر لے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق ایسے طہر میں دے جس میں جماع نہ کیا ہو فطلقوھن لعدتھنَّ کی مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے تاکہ اس کے بعد پورے تین حیض آ جانے پر عدت ختم ہو جائے اور حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ عدت طہروں سے معتبر ہے اس لئے ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ طہر کے شروع میں طلاق دے دو تاکہ عدت وہیں سے شروع ہو جائے۔

عدت کو اچھی طرح شمار کرو .... وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ کا معنی یہ ہے کہ عدت کو اچھی طرح سے شمار کرو کیونکہ اس سے متعدد مسائل متعلق ہیں اس میں سے ایک تو رجعت کا ہی مسئلہ ہے جب کسی عورت کو رجعی طلاق دے دے تو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا جائز ہے اور زمانہ عدت کا خرچہ بھی طلاق دینے والے مرد کے ذمہ ہے عدت گزارنے تک اس کا خرچہ دے اگر عدت کے اندر شوہر نے رجوع نہ کیا تو عورت کو عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اگر اچھی طرح عدت کا شمار نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان احکام میں فرق پڑ جائے مثلاً عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح کر لے یا عدت گزرنے کے بعد بھی شوہر سے خرچہ مانگتی رہے یا عدت کے ختم ہونے کے بعد شوہر یہ سمجھ کر کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی رجوع کر لے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (اور اللہ سے ڈرو) عورت جھوٹ نہ کہہ دے کہ میری عدت گزر گئی اور مرد عدت گزرنے کے بعد بھی رجوع کا دعویدار نہ ہو جائے اور عدت گزر جانے کے باوجود عورت خرچہ وصول نہ کرتی رہے۔

مطلقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو: .... لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ. (جن عورتوں کو تم نے طلاق دے دی انہیں عدت کے درمیان گھر سے نہ نکالو اور عورتیں بھی گھر سے نہ نکلیں) عدت گزرنے تک اس گھر میں رہیں جس میں طلاق ہوئی ہے۔ جس عورت کو طلاق ہو گئی ہو اس کا نفقہ یعنی ضروری خرچہ اور رہنے کا گھر طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے مرد بھی اسے اس گھر میں رکھے جہاں اسے طلاق دی ہے اور عورت بھی اسی گھر میں رہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ.

اس میں استثناء کی ایک صورت بیان فرمائی ہے یعنی اگر مطلقہ عورت عدت کے زمانہ میں کھلی ہوئی بے حیائی کر بیٹھے تو اسے گھر سے نکالا جا سکتا ہے جس میں اس کو طلاق دی ہے مثلاً اگر اس نے زنا کر لیا تو حد جاری کرنے کے لئے اس کو گھر سے نکالا جائے گا پھر واپس اسی گھر میں لے آئیں گے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ فاحشہ مبینہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت بدزبان ہو اگر شوہر اور شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہو تو اس کی وجہ سے گھر سے نکالا جا سکتا ہے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

(اور یہ اللہ کے احکام ہیں) ان کی پابندی کرو۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ.

(اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کرلیا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اپنی جان پر ظلم ہے اس کی وجہ سے دنیا وآخرت میں سزا مل سکتی ہے۔

طلاق اور عدت اور رجعت اور گھر سے نہ نکالنے کی تاکید ان میں سے کسی بھی حکم شرعی کی مخالفت کی تو یہ ظلم میں شمار ہوگا۔

لَا تَدْرِىْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا.

(ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق دینے کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے)

مثلاً: طلاق دینے پر ندامت ہوجائے اور دل میں رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے لہٰذا سوچ سمجھ کر احکام شرعیہ کو سامنے رکھ کر طلاق دینے کا اقدام کیا جائے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تین طلاقیں بیک وقت نہ دی جائیں کیونکہ اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا' اگر تین طلاق دینی ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دیدے۔ دو طلاق تک عدت میں رجوع کرنے کا حق ہے اگر تین طلاقیں بیک وقت دیدیں تو رجوع کا وقت ختم ہوجائے گا اور طلاق بائن دینے سے بھی رجوع کا حق ختم ہوجاتا ہے' اس لئے سوچ سمجھ کر اقدام کرے۔

رجعی طلاق کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو مطلقہ کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اچھے طریقے پر چھوڑ دو:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ.

(جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو انہیں خوبی کے ساتھ روک لو) یعنی رجوع کرلو۔

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ. (یا انہیں خوبی کے ساتھ جدا کردو) ایسا نہ کرو کہ انہیں دکھ تکلیف دینے کے لئے بار بار طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی ہے' وہاں یہ بھی فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا.

(اور انہیں نہ روکو یعنی ایسا نہ کرو کہ انہیں ضرر پہنچانے یا دکھ دینے کی وجہ سے روک کر رکھے رہو) وہاں یہ بھی فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ.

(جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا)

وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ.

(اور اصحاب میں سے اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنالو) یہ امر استحبابی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینا ہو یا طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا ہو یا طلاق بائن دے کر رجوع نہ کرنا طے کردیا ہو تو ان چیزوں پر دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو نیک صالح اور سچے لوگ ہوں تاکہ اگر کبھی پھر کوئی اختلاف کی صورت بن جائے تو گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا جاسکے۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ. (اور گواہی کو اللہ کے لئے قائم کرو)

اس میں یہ بتادیا کہ گواہی ٹھیک طریقہ پر قائم کی جائے یعنی صحیح گواہی دی جائے نیز یہ بھی بتادیا کہ جو بھی گواہی دی جائے وہ اللہ کی رضا

کے لئے ہو جس کے ذریعہ مظلوم کا حق اسے مل جائے اہل دنیا میں سے کسی کے دباؤ میں جھوٹی گواہی نہ دیدی جائے۔ اللہ کی رضا کے لئے گواہی دینے میں یہ بھی شامل ہے کہ اجرت پر گواہی نہ دے۔ گواہی دینے پر اجرت لینا جائز نہیں۔ البتہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔

شہادت کے تفصیلی احکام سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۳۹ میں گزر چکے ہیں۔

ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

(اوپر جو باتیں بیان ہوئیں ان کے ذریعہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو)

اوپر جو احکام مذکور ہوئے سراپا ہدایت ہیں ان کے ماننے میں خیر ہی خیر ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان کا دھیان کریں اور ان کے مطابق چلیں، سامنے آخرت کا دن بھی ہے جسے آخرت کا یقین ہے حساب کتاب کا ڈر ہے اسے تو ضرور ہی نصیحت پر عمل کرنا لازم ہے۔

تقویٰ اور توکل کے فوائد: ...... وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا.

(اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے لئے اللہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے)

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

(اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق ملنے کا خیال بھی نہ ہو)

اس میں مؤمن بندوں کے لئے بہت بڑی تعلیم ہے جو شخص فرمانبرداری کرے گا، نیک اعمال میں لگے گا، گناہوں سے بچے گا اور احکام شرعیہ پر عمل کرے گا (خواہ طلاق یا رجعت سے متعلق ہوں جن کا یہاں ذکر ہے۔ خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے) ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی ہے۔

تقویٰ مؤمن بندوں کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح کا ذریعہ ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ والوں سے دو وعدے کئے ہیں اول یہ کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی مخرج یعنی مشکلات سے نکلنے کا راستہ نکال دے گا۔ دنیا میں مشکلات تو پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے لئے تدبیریں کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ گناہوں کے ذریعہ ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے وعدہ فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (کیا رجوع کرنے کی کوئی صورت ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ حماقت کا کام کرتے ہو پھر کہتے ہوا ے ابن عباس، اے ابن عباس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. اور اے سائل! تو اللہ سے نہیں ڈرا میں تیرے لئے کوئی مخرج یعنی مشکل سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، تو نے اللہ کی نافرمانی کی تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۹۹)

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کو اللہ ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا دھیان بھی نہ ہوگا۔

دونوں وعدے دنیا سے متعلق ہیں آخرت سے بھی، تقویٰ اختیار کرنے والے کے لئے دنیا میں بھی خیر ہے مشکلات سے چھٹکارہ ہے اور اسے اسی جگہ سے رزق ملتا ہے جہاں سے خیال بھی نہ ہو۔ یہ باتیں آزمائی ہوئی ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان کے لئے کافی ہو جائے۔ وہ آیت یہ ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

یَحْتَسِبُ. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۳)

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ.

(اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے) اس سے پہلے متقی کے لئے غیبی مدد اور خیر و خوبی اور رزق کا وعدہ فرمایا اور اس جملہ میں توکل کرنے والوں سے خیر کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے اللہ کافی ہے، یہ بھی بہت بڑی بشارت ہے اور اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت کا اعلان ہے۔

تقوٰی اور توکل دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں۔ مؤمن کی گاڑی کے پہیے ہیں، کوئی دونوں کو اختیار کر کے تو دیکھے پھر دونوں چیزوں کی برکات بھی دیکھ لے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل ہر وادی میں کچھ نہ کچھ مشغول رہتا ہے۔ سو جس شخص نے اپنے دل کو ان سب مشغولیتوں میں لگا دیا۔ اس کے بارے میں اللہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کر دے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے سب کاموں کی کفایت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آ جاتے ہیں۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۲)

توکل کے درجات میں ترک اسباب بھی ایک درجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار فرمایا ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ.

(اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

اسباب اختیار کرتے ہوئے بھی بندہ متوکل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ اللہ پر ہی ہو اور حقیقی رازق اسی کو سمجھتا ہو جب جب یہ بات حاصل ہو جائے تو بندہ اسباب اختیار کرنے میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور رزق حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا جس میں گناہ کو اختیار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ (بیشک اللہ اپنا کام پورا کر ہی دیتا ہے) وہ جو ارادہ فرمائے گا اسکے ارادہ کے مطابق ہو کر رہے گا اور احکام تشریعیہ میں جو حکم دینے کا ارادہ کرے گا وہ حکم دے ہی دے گا اسکے ارادہ کو کوئی روکنے والا نہیں۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا.

(بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر رکھا ہے)

اسی کے مطابق تکوینی اور تشریعی احکام نافذ ہوتے رہتے ہیں۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ

اور تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو

يَحِضْنَ ۭ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

حیض نہیں آتا' اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں

يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ

آسانی کردے گا' یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے' جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اس کو بڑا

لَهٗٓ اَجْرًا ۝ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ

اجر دے گا' تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو' اور ان کو تنگ کرنے کے لئے ضرر مت پہنچاؤ'

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ

اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان پر خرچ کرو' پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم

اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ

ان کو اجرت دو۔ اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو۔ اور اگر باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے

مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ

موافق خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اسکو دیا ہے۔ اللہ تنگی

اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

کے بعد جلدی خوشحالی دے دے گا۔

عدت سے متعلق چند احکام کا بیان حاملہ' حائضہ' آئسہ کی عدت کے مسائل

ان آیات میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں۔ اولاً تو ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی' جو آئسہ ہوں یعنی حیض نہ آتا ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

دوم وہ عورتیں جن کو حیض آنا شروع نہیں ہوا' ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

پھر ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی جن کو حمل ہو ان کا حمل جب بھی ختم ہو جائے (بچہ پیدا ہو جانے سے یا ایسے حمل ساقط ہو جانے سے جس کا کوئی عضو بن گیا تھا۔ عدت ختم ہو جائے گی' حمل والی عورتوں کی عدت علی الاطلاق وضع حمل جو بتائی ہے' حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا عموم ہر عدت گزارنے والی عورت کو شامل ہے۔ جس کسی عورت کا شوہر مر گیا ہو اور اس کو طلاق ہوئی ہو اگر اس کو حمل ہے تو حمل ختم ہو جانے پر اس کی عدت ختم ہو جائے گی شوہر کی وفات پر جو چار مہینے اور دس [illegible] اور طلاق والی عورت کو جو عدت گزارنے کے لئے تین حیض گزارنے کا حکم ہے یہ ان عورتوں سے متعلق ہے جن کو حمل نہ ہو۔

فائدہ: جس کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہوا ہو پھر میاں بیوی کی تنہائی ہونے سے پہلے ہی طلاق ہو جائے تو ایسی عورت پر کوئی

عدت واجب نہیں۔

فائدہ:۔جس عورت کو حیض آتا تھا پھر حیض آنا بند ہو گیا اور ابھی اس عمر کو بھی نہیں پہنچی جس میں حیض آنا بند ہو جاتا ہے (جس کو سن ایاس کہتے ہیں) ایسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینے گزرنے سے نہیں پوری ہو گی وہ انتظار کرے یا تو تین حیض آ جائیں یا پھر سن ایاس آ جائے جس میں بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض آنا ختم ہو جاتا ہے۔اس کے بعد فرمایا

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا.

کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے آسانی فرما دیتا ہے (دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانیاں ہو جاتی ہیں)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ

(یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا.

(اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا)

اس رکوع میں تین بار تقویٰ کی فضیلت بیان فرمائی ہے پہلے تو یہ فرمایا جو شخص تقویٰ اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کاموں میں آسانی فرمائے گا۔پھر فرمایا جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اسکے گناہوں کا کفارہ کر دے گا اور اسکو بڑا اجر دے گا۔تینوں آیات ملانے سے تقویٰ کی بڑی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تقویٰ اختیار کرنے پر جو وعدے فرمائے ہیں ان کا علم ہوا۔ کوئی شخص تقویٰ اختیار کر کے تو دیکھے پھر دیکھے اللہ تعالیٰ کے وعدے کس طرح پورے ہوتے ہیں لوگوں نے تقویٰ اور توکل دونوں کو چھوڑ دیا عام طور سے لوگوں میں گناہ گاری اور دنیا داری آ گئی لہٰذا غیبی مددیں بھی نہیں رہیں۔

تیسرا حکم یہ فرمایا: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ.

کہ ان عدت گزارنے والی عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ، جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو اپنی استطاعت کے مطابق۔

چوتھا حکم یہ فرمایا: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ.

اور تم ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ انہیں تنگی میں ڈال دو اور تمہارے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

پانچواں حکم یہ فرمایا کہ حمل والی عورتوں پر حمل وضع ہونے تک خرچ کر دو۔

مطلقہ عورتوں کے اخراجات کے مسائل: ....ان احکام کی توضیح اور تفسیر یہ ہے کہ عدت والی عورتوں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔رجعی طلاق دی ہوئی ہو۔

۲۔طلاق بائن یا مغلظہ دی گئی ہو اور عورت حمل والی نہ ہو۔

۳۔طلاق ملنے والی عورت حاملہ ہو۔

۴۔وہ عورت جس نے شوہر سے خلع کر لیا ہو۔

۵۔عدۃ الوفاۃ گزار رہی ہو

ان عورتوں کو جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تین ہیں۔

۱۔کھانے کا خرچہ ۲۔رہنے کا گھر ۳۔کپڑے پہننے کی ضرورت

طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلظہ حالت حمل میں ہو یا غیر حمل میں ہو ہر صورت میں طلاق دینے والے کے ذمہ ہے کہ عدت کے زمانے کا نان ونفقہ برداشت کرے اور رہنے سہنے کے لئے گھر بھی دے اگر خود بھی اسی گھر میں رہے تو طلاق بائن یا مغلظہ ہونے کی صورت میں پردہ کر کے رہے اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے خلع کر لی تو یہ بھی طلاق بائن کے حکم میں ہے (وھو مقید بما اذالم تجعله داخلا فی بدل الخلع' راجع البحر الرائق) اس میں بھی عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا نان ونفقہ اور رہنے کے لئے گھر دینا واجب ہوتا ہے اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو اس پر عدت تو لازم ہے لیکن شوہر کے مال میں نان ونفقہ واجب نہیں یہ عورت اپنے مہر میں سے یا میراث کے حصہ میں سے اپنے اوپر خرچ کرے اگر خرچ موجود نہ ہو اور میکہ والے بھی خرچ نہ کریں تو محنت مزدوری کر کے گزارہ کر لے اگر اس کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو پردہ کے ساتھ دن میں باہر جا سکتی ہے اگر واپسی میں دیر ہو جائے اور تھوڑی سی ابتدائی رات اپنے گھر سے باہر گزر جائے اس کی اجازت ہے۔ضرورت پوری ہوتے ہی واپس آ جائے اور رات کو اسی گھر میں رہے جس میں رہتے ہوئے شوہر نے وفات پائی ہے۔

عدت وفات والی عورت کے شوہر کی میراث سے مذکورہ گھر میں اگر اتنا حصہ نہ نکلتا ہو جو اس کی رہائش کے لئے کافی ہو یا شوہر کے ورثا اس کو گھر سے نکال دیں یا مکان کرائے پر تھا اس کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اپنی جان یا مال کے بارے میں خوف وخطرہ ہو تو اس گھر کو چھوڑ سکتی ہے جس میں شوہر کی وفات ہوئی۔

مطلقہ عورتوں کو رہنے کی جگہ دینے کا حکم: .... اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ میں فرمایا ہے اور مِنْ وُّجْدِكُمْ فرما کر یہ بتا دیا کہ اپنی وسعت قوت اور طاقت کو دیکھو اس کے مطابق اسے رہنے کی جگہ دو۔شریعت کی پاسداری کرو حکم شرعی ہونے کی وجہ سے انہیں اسی گھر میں ٹھہراؤ جس میں تم رہتے ہو وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ اور ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم انہیں تنگدل کر دو یعنی ایسی صورت اختیار نہ کرو کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں قول سے یا فعل سے کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اس کا تمہارے ساتھ رہنا دوبھر ہو جائے یہ تو مطلقہ عورتوں کو رہائش دینے کا حکم ہوا۔اس کے بعد فرمایا:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.

اور اگر مطلقہ عورتیں حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ حمل وضع کر دیں۔حمل والی عورت کی عدت وضع حمل ہے جب حمل وضع ہو جائے گا اس کی عدت بھی ختم ہو جائے گی اور عدت کے لوازم یعنی نان نفقہ رہنے کا گھر بھی سابق شوہر کے ذمہ نہیں رہے گا۔

بچوں کو دودھ پلانے کے مسائل: .... فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ.

جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو ماں باپ دونوں مل کر پرورش کرتے ہیں۔بچے شفقت میں پلتے بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ماں دودھ پلاتی ہے اور باپ بچہ پر اور بچہ کی ماں پر خرچ کرتا ہے لیکن اگر طلاق ہو جائے تو بچہ کی پرورش کا دودھ پلانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ماں کا دل تو چاہتا ہے کہ میں ہی دودھ پلاؤں اگر مفت میں پلائے تو اسے اختیار ہے اور اچھی بات ہے اور اگر بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی مناسب اجرت مانگے تو یہ بھی جائز ہے اور باپ کے ذمہ ہے کہ اسے دودھ پلانے کی اجرت دے۔اس مضمون کو مذکورہ عبارت میں بیان فرمایا ساتھ ہی وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ بھی فرما دیا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ دونوں باہمی مشورہ کر لیں اور بچہ کی خیر خواہی ہر ایک کے پیش نظر رہے عورت بھی مناسب سے زیادہ اجرت نہ مانگے اور باپ بھی اجرت طے کرنے کے بعد انکار نہ کرے۔حق واجب کو

نہ روکے باپ یوں نہ سمجھے کہ چونکہ اس کا بچہ ہے اس کو پلانا ہی پڑے گا میں اجرت دوں یا نہ دوں' کم دوں یا زیادہ دوں اور ماں یہ سوچ کر زیادہ اجرت نہ مانگے کہ اپنے بچہ کی وجہ سے یہ منہ مانگی اجرت دینے پر راضی ہو جائے گا۔

شرعاً باپ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بچہ کی ماں کی مطلوبہ اجرت ضرور ہی دے۔ زائد اجرت طلب کرنے کی صورت میں دوسری عورت سے بھی دودھ پلوا سکتا ہے لیکن ماں' ماں ہی ہے وہ زیادہ شفقت سے رکھے گی باپ بچہ کو اس کی ماں کے ذمہ لگائے اور اس سے دودھ پلوائے تو اسے بھی چاہیے کہ مناسب اجرت سے زائد نہ لے۔ رضاع اور ارضاع کے مسائل سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکے ہیں۔

فائدہ: .... جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لئے لے لیا تو جب تک شوہر کی طرف سے زمانۂ عدت کا نان ونفقہ مل رہا ہے تو اس وقت تک دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کرسکتی' یعنی دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے' بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے۔

وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى اور اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو کہ نہ ماں مناسب اجرت پر دودھ پلانے پر تیار ہو اور نہ باپ اس کی مطلوبہ اجرت دینے پر راضی ہو تو دوسری عورت پلا دے گی یہ بظاہر خبر بمعنی الامر ہے یعنی بچہ کا والد اور کسی دودھ پلانے والی کو تیار کر لے جو دودھ پلا دے۔ اسی طرز خطاب میں تربیت ربانیہ کی طرف اشارہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے ایک جان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے زندہ بھی رکھتا ہے اور اسکی پرورش بھی کروانی ہے تو وہ کسی اور کو آمادہ فرما دے گا آخر بے ماؤں کے بچے بھی تو پرورش پاتے ہی ہیں۔

ہر صاحبِ وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے: .... لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ (وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے)

وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ.

(اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دے رکھا ہے)

یعنی پیسے والا آدمی بچہ پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور تنگ دست آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا.

(اللہ کسی جان کو اس سے زیادہ خرچ کرنے کا مکلف نہیں بناتا جتنا اس کو دیا ہے)

اللہ تنگی کے بعد آسانی فرما دے گا: سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا. (اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد آسانی فرما دے گا) لہٰذا کوئی خرچ کرنے والا راہ خیر میں خرچ کرنے سے پہلوتہی نہ کرے اور مالیات کے سلسلہ میں جو فرائض وواجبات ہیں ان میں خرچ کرے اور یہ نہ سوچے کہ اس کو خرچ کر دوں گا تو اور کہاں سے آئے گا۔ عموماً فقہاء کے کلام میں مطلقہ عورت کے لئے زمانہ عدت کا نان ونفقہ اور سکنیٰ یعنی رہائش کا گھر دینے کا ذکر ہے کسوۃ یعنی پہننے کے کپڑے دینے کا ذکر نہیں ہے صاحب البحر الرائق نے اس پر توجہ فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ذخیرہ اور خانیہ اور عنایہ اور مجتبیٰ میں پوشاک کے مستحق ہونے کا بھی ذکر ہے پھر لکھا ہے کہ اس کا تعلق حاجت اور ضرورت سے ہے اگر عورت کے پاس پہننے کے کپڑے ہیں اور مدت بھی مختصر ہے مثلاً تین حیض یا تین ماہ ہیں تو کپڑے کا انتظام کرنا واجب نہیں اور اگر اسے کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی اور عدت کی مدت لمبی ہوگئی مثلاً حیض نہیں آتا جس کی وجہ سے طہر میں امتداد ہو گیا تو قاضی کپڑے بھی دلائے گا۔

ولم یذکر الکسوۃ والمنقول فی الذخیرۃ والخانیۃ والعنایۃ والمجتبیٰ المعتد تستحق الکسوۃ قالوا وانما لم یذکرھا محمد فی الکتاب لان العدۃ لاتطول غالباً فتستغنی عنھا حتیٰ لو احتاجت الیھا یفرض لھا ذلک اھ فظھر بھذا أن کسوۃ المعتدۃ علی التفصیل اذا استغنت عنھا لقصر المدۃ کما اذا کانت عدتھا بالحیض وحاضت اوبالأشھر فانہ لاکسوۃ لھا وان احتاجت الیھا لطول المدۃ کما اذا کانت ممتدۃ الطھر ولم تحض فان القاضی یفرض لھا وھذا ھو الذی حررہ الطرسوسی فی انفع الرسائل وھو تحریر حسن مفھوم من کلامھم. (البحر الرائق ص ۲۱۶ ج ۴) (کپڑوں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ ذخیرۃ، خانیۃ، عنایۃ اور المجتبیٰ میں منقول ہے کہ عدۃ والی عورت کپڑوں کی بھی مستحق ہے، امام محمدؒ نے کتاب میں کپڑوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ عدۃ عموماً لمبی نہیں ہوتی اس لئے عورت کپڑوں کی ضرورتمند نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر اسے کپڑوں کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے کپڑے مقرر کئے جائیں گے اھ اس سے واضح ہوا کہ عدت والی عورت کے کپڑوں کا مسئلہ میں تفصیل ہے اور اگر وہ کپڑوں کی ضرورت مند نہ ہو عدت کی مدت کے کم ہونے کی وجہ سے جیسا کہ اگر اس کی عدت حیض کے ساتھ ہو اور (مسلسل) اسے حیض آئے یا عدت مہینوں کے ساتھ ہے تو اس کے لئے کپڑے نہیں ہیں اور اگر عدت لمبی ہو جانے کی وجہ سے کپڑوں کی ضرورت پڑی جیسا کہ جب اس کا طہر لمبا ہو جائے اور جلدی حیض نہ آئے تو قاضی اس کے لئے کپڑے مقرر کرے گا اور اس تفصیل کو طرطوسی نے انفع الرسائل میں لکھا ہے اور یہ بہت عمدہ تحریر ہے جو فقہاء کے کلام سے ماخوذ ہے)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کی سرتابی کی۔ سو ہم نے ان کا سخت حساب کیا اور انہیں برا عذاب

نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ

دیا سو اس نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کا انجام کار خسارہ ہوا۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا

سو اے عقل والو! جو ایمان لائے اللہ سے ڈرو۔ اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل فرمایا' ایک ایسا رسول جو تم پر اللہ کی

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

آیات تلاوت کرتا ہے جو واضح طور پر بیان کرنے والی ہیں تا کہ ان لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف

النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

نکالے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ اللہ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١

وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' بیشک اللہ نے اس کے لئے اچھی روزی مقرر فرمائی ہے۔

گزشتہ ہلاک شدہ بستیوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

ان آیات میں سرکش اقوام کی ہلاکت اور بربادی کا اور ایمان اور اعمال صالحہ والوں کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان بستیوں کے رہنے والوں کو دنیا میں بھوک اور قحط کا اور تلواروں سے مقتول ہونے کا اور دوسری مصیبتوں کا عذاب دیا اور آخرت میں ان سے سخت حساب لیں گے' ان لوگوں نے سرکشی کی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے سے منہ موڑا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا لہٰذا دنیا میں بھی عذاب میں گرفتار ہوئے اور عذاب بھی منکر تھا بہت سخت اور برا تھا اور رسوا کن تھا' پھر آخرت میں بھی ان سے سخت حساب لیا جائے گا وہاں سخت حساب کے جواب کی کسے تاب ہوگی۔ لہٰذا وہاں پوری طرح خسارہ یعنی ہلاکت و بربادی کا سامنا ہوگا اور انجام کے طور پر دوزخ کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے دنیا میں بھی اپنے کئے کا وبال چکھا' اور آخرت میں بھی برباد ہوں گے اسی کو فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۔ کہ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا ہے۔

قرآن کریم ایک بڑی نصیحت ہے: .... اس کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا اور انہیں اہل عقل بتایا اور ارشاد فرمایا اے عقل والو جنہوں نے ایمان قبول کیا اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل فرمایا ہے' یعنی قرآن اور تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے یہ رسول تمہارے اوپر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے یہ آیات بینات ہیں جو واضح طور پر صاف صاف کھول کر حق اور باطل کے درمیان فرق بتاتی ہیں تا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے انہیں اندھیروں سے نور یعنی روشنی کی طرف نکال دے (جو لوگ اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور اس کے رسول کریم ﷺ کو نہیں مانتے وہ برابر کفر و شرک کی اندھیریوں میں رہتے ہیں دنیا میں کفر و شرک کی گمراہی کی اندھیریوں میں رہتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی اندھیریوں میں رہیں گے)

اہل ایمان کا انعام: .... اس کے بعد اہل ایمان کا انعام بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے پھر اس مضمون کو قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا پر ختم فرمایا یعنی جو بندہ مؤمن ہوا اور اعمال صالحہ انجام دیتا رہا اس کے لئے اللہ تعالیٰ اچھا رزق تیار فرماتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔ تو اپنا رزق لے لے گا یہ رزق بے مثال عمدہ اور دائمی ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا

اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی' ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم کو معلوم ہو جائے

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع ۲ / ۱۸

کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور انہیں کی طرح زمینیں پیدا فرمائیں

یہ آیت سورۂ طلاق کی آخری آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور شان قادریت اور تکوین کو بیان فرمایا' ارشاد فرمایا اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمینیں بھی ان کی جیسی یعنی تعداد میں ان کے برابر پیدا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام ان کے درمیان نازل ہوتے ہیں۔ سب سے اوپر کے آسمان سے لے کر سب سے نیچے والی زمین تک جو بھی مخلوق ہے سب پر اس کے احکام تکوینیہ نافذ ہیں اور بہت سی مخلوق احکام شرعیہ کی بھی مکلف ہے۔ یہ سات زمینیں کہاں ہیں کس طرح ہیں جمہور علماء کا یہی فرمانا ہے کہ یہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات طبقات ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمادینا مومن بندوں کے لئے کافی ہے یہ بات کہ وہ سات زمینیں بنی آدم کے مشاہدہ میں نہیں ہیں اس سے ان کے وجود میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے سات زمینوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ احادیث حضرت سعید بن زید اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں (دیکھو صحیح بخاری ص ۴۵۳ اور صحیح مسلم ص ۳۲، ۳۳ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ جس نے بھی کسی کی زمین ناحق لے لی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب زمینوں کو ساتویں زمین کے ختم تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دے گا۔ (صحیح مسلم ۳۲ ج ۲)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ کلمات ضرور پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَآ اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَآ اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَاذَرَیْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَافِیْھَا (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذھبی)

(اے اللہ! جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے سو ہم تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کی آبادی کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں)

وَلِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا.

اللہ تعالیٰ نے تمہیں آسمانوں اور زمینوں کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس لئے ہے کہ تم یہ بات جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے (کوئی چیز اس کے علم وقدرت سے باہر نہیں ہے)

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ الطلاق والحمد للّٰہ العلیّ الخلاّق والصلوۃ والسلام علٰی رسولہ الذی عرج الٰی سبع الطباق وعلٰی اٰلہ وأصحابہ الذین نشروا الدین فی الاٰفاق

☆☆☆..................☆☆☆

مدنی	سورۃ التحریم	۱۲ آیتیں ۲ رکوع

(اٰیَاتُهَا ۱۲) (۶۶) سُوْرَةُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّةٌ (۱۰۷) (رُكُوْعَاتُهَا ۲)

سورۃ التحریم مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ

اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا۔ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں' اور اللہ بخشنے والا ہے'

رَّحِیْمٌ ۝۱ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۲

مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرما دیا ہے اور اللہ تمہارا مولیٰ ہے' اور وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت

یہاں سے سورۃ التحریم شروع ہو رہی ہے۔

اس کی ابتدائی آیات کے سبب نزول کا ایک واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا وقت ہر ایک کے پاس گذارتے تھے' ایک دن جو حضرت زینت بنت جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس شہد پی لیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں تو ہم کہہ دیں کہ آپؐ نے مغافیر کھایا ہے (یہ ایک قسم کا گوند ہوتا تھا) چنانچہ آپؐ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف لائے تو یہی بات عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا بلکہ میں نے زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے اس کے بعد ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس پر آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری ص ۷۲۹ ج ۲)

یہ قصہ ذرا تفصیل سے صحیح البخاری ص ۷۹۳ میں بھی ہے اس میں کچھ اختلاف روایت بھی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسوہ اور مقتدیٰ بنا کر بھیجا تھا اس لئے طرح طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تاکہ امت کو اپنے حالات اور معاملات میں ان سے سبق ملے۔ آپؐ کی بعض بیویوں نے جو ایسا مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم ایسا ایسا کہیں گی یہ شوہر اور بیوی کی آپس کی دل لگی کی بات ہے اس میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ ان عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں ایذا پہنچائی' جب یہ عرض کیا گیا

کہ آپ نے گوند کھایا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے گوند نہیں کھایا میں زینب کے پاس شہد پی کر آ رہا ہوں اور ساتھ ہی قسم بھی کھالی اب میں نہیں پیوں گا اور سوال کرنے والی بیوی سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی کو نہیں بتانا' اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی! جو چیزیں اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دی ہیں' آپ ان کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں؟ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں' یہ حرام قرار دینا ان کی خوشنودی کے لئے ہے حلال کو حرام کر لیا اور پھر اس پر قسم کھانا' آپ کے شایان شان نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول ﷺ کی ذات گرامی کی عظمت بتائی ہے کہ ترک اولیٰ بھی آپ کے مقام رفیع کے خلاف ہے۔ یہ بھی توقع نہیں ہونا چاہیے تھا اور جو کچھ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف فرما دیا (آپ نے اعتقاداً حلال کو حرام قرار نہیں دیا تھا البتہ ترک مباح پر قسم کھالی تھی)

قسم کھانے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا جائے: .... قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کھول دینا مشروع فرمایا ہے) اس میں لفظ لَكُمْ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ساری امت کے لئے یہی حکم ہے کہ جب کسی چیز کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے عہدہ براء ہونے کا جو طریقہ مشروع فرمایا ہے اس کے مطابق عمل کر لیں یہ قسم کا کھولنا یعنی قسم کھا کر جو بات اپنے ذمہ کر لی ہے اس سے نکلنا دو طریقہ سے ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ قسم کو پورا کر دے (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اور دوسرا یہ ہے کہ اگر قسم ٹوٹ جائے تو اس کا کفارہ دیدیا جائے ان دونوں صورتوں سے قسم ختم ہو جاتی ہے یعنی اس کا حکم باقی نہیں رہتا' پھر معلوم ہونا چاہیے کہ ایک تو یہ قسم کہ اللہ کی قسم ایسا کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا (پھر اس میں معلق اور غیر معلق کی تفصیلات ہیں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کر لے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی یمین ہے اس کا بھی کفارہ واجب ہے جیسا کہ قسم کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں بلا سند نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا تھا پھر زید بن اسلمؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا تھا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ

اور جب نبی نے ایک بات اپنی بیوی سے آہستہ بیان فرما دی' پھر جب وہ بات اس بیوی نے بتا دی اور اللہ نے وہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو پیغمبر نے

بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ

کچھ بات بتا دی اور کچھ بات سے اعراض کیا۔ پھر جب نبی نے وہ بات اس بیوی کو بتا دی تو اس نے کہا کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے جاننے

الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾

والے خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی واقعہ جو بعض بیویوں کے ساتھ پیش آیا

بعض مفسرین نے اس آیت کا تعلق بھی شہد والے قصہ سے بتایا ہے اور یوں تفسیر کی ہے کہ آپ نے جو یوں فرمایا تھا کہ میں شہد نہیں پیوں گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں لیکن جس اہلیہ سے یہ فرمایا تھا اس نے آپ کی دوسری اہلیہ کو یہ بات بتا دی' اللہ

تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس سے مطلع فرمادیا تو آپ نے اہلیہ کو تھوڑی سی بات بتادی یعنی یہ جتادیا کہ تو نے اتنی بات ظاہر کردی ہے اور فلاں عورت سے کہہ دی اور آپ نے تھوڑی سی بات سے اعراض فرمایا یعنی غایت کرم کی وجہ سے پورے اجزاء کا اظہار نہیں فرمایا تاکہ ظاہر کرنے والی اہلیہ کو یہ بات جان کر شرمندگی نہ ہو کہ میں نے جو کچھ دوسری خاتون سے کہا ہے وہ سب آپ کو معلوم ہوگیا' جب آپ نے بات بتانے والی بیوی کو یہ جتلایا کہ تو نے میری بات کہہ دی ہے تو اس نے سوال کیا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی۔ صاحب بیان القرآن نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے لیکن تفسیر کی کتابوں میں ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے اور آیت بالا کو اسی سے متعلق بتایا ہے وہ واقعہ معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے گھر جانے کی اجازت مانگی' آپ نے اجازت دیدی آپ کی ایک باندی ماریہ قبطیہ تھی' جن سے صاحبزادہ ابراہیم ہوئے تھے (رضی اللہ عنہما) وہ وہاں پہنچ گئیں آپ نے ان سے اپنی حاجت پوری کرلی حضرت حفصہؓ جو واپس آئیں تو انہوں نے دروازہ بند دیکھا اور صورت حال کو بھانپ لیا جب آپ تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ نے میرے اکرام کے خلاف کیا اور میری نوبت کے دن اور میرے بستر پر باندی سے استمتاع کرلیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے؟ میری باندی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اس کو حلال قرار دیا ہے' چلو خاموشی اختیار کرو میں اسے اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں تو راضی ہوجا اور کسی کو خبر نہ دینا' جب آپ باہر تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے۔' اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام فرمادیا تھا؛

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ سے یہ بات مراد ہے کہ جس میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ کسی کو خبر نہ دینا' پھر حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اسی وقت یہ بھی بتادیا تھا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے' حضرت حفصہؓ نے یہ باتیں اپنی سہیلی حضرت عائشہؓ کو بتادیں' آپ نے فرمایا کہ تو نے عائشہ کو یہ بات بتائی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر نے بتادیا' حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو باندی حرام کرنے والی بات بھی بتادی تھی اور خلافت والی بھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ایک بات کا ذکر فرمایا اور ایک بات چھوڑ دی یعنی یوں نہیں فرمایا کہ تو نے عائشہ کو خلافت والی بات بھی بتائی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ خلافت والی بات لوگوں میں نہ پھیلے۔ مفسر قرطبی نے بھی حضرت ماریہ کو حرام قرار دینے والی بات لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سند کے اعتبار سے اور معنوی تعلق کے اعتبار سے یہ زیادہ ٹھیک ہے لیکن صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہے اگر اس روایت کو سامنے رکھا جائے تو عَرَّفَ بَعْضَهٗ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو جو باتیں بتائی تھیں ان میں سے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے خاموشی اختیار فرمائی۔

آیت بالا کو شہد والے قصہ سے متعلق مانا جائے تو اس میں چونکہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم یوں کہیں گے کہ آپ نے مغافیر پیا ہے لہٰذا دونوں کی ذات پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والا مشورہ کیوں کیا' ارادہ خواہ ایذاء دینے کا نہ ہو صرف دل لگی مقصود ہو لیکن صورت حال ایسی بن گئی کہ آپ ﷺ کو اس سے تکلیف پہنچی لہٰذا توبہ کا حکم دیا گیا دوسرے قصہ میں بظاہر حضرت عائشہؓ پر کوئی بات نہیں آتی کیونکہ انہوں نے صرف بات سنی تھی اور آگے بڑھانے کا ذکر بھی نہیں ملتا' ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت حفصہؓ نے ان سے یوں کہا

ہو کہ تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں' مجھے منع تو کیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں لیکن تم سے جو سہیلی پن کا تعلق ہے اس لئے بیان کر دیتی ہوں۔ اگر انہوں نے یوں کہا اور انہوں نے سن لیا تو ایذاء دینے والی بات بن سکتی ہے ان کو چاہیے تھا کہ یوں کہہ دیتیں کہ جب آپ نے بیان کرنے سے منع فرما دیا تو میں نہیں سنتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ

اے دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو گئے اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں آپس میں کارروائیاں کرتی ہو تو اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرئیل بھی

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ۝ عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ

اور نیک مسلمان بھی اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں' اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلہ ان کو تم سے اچھی

أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ۝

بیویاں عطا فرما دے گا جو اسلام والیاں' ایمان والیاں' فرمانبرداری کرنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت کرنے والیاں' روزہ رکھنے والیاں ہوں گی' کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض ازواج سے خطاب

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو توبہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل صحیح راہ سے ہٹ گئے تھے تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہد پینے اور اپنی جاریہ سے متمتع ہونے سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا اور اس کے بارے میں قسم کھالی تھی حالانکہ آپ کو یہ چیزیں پسند تھیں ان باتوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔

دوسری آیت میں آپ کی ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار عنقریب تمہارے بدلہ تم سے اچھی عورتیں عطا فرما دے گا یہ عورتیں اسلام والی ایمان والی' فرمانبرداری کرنے والی' توبہ کرنے والی' عبادت کرنے والی' روزہ رکھنے والی ہوں گی' جن میں بیوہ بھی ہوں گی اور کنواری بھی' پھر ایسا واقعہ پیش نہیں آیا' نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دی اور نہ ان کے بدلہ دوسری بیویاں عطا کی گئیں۔

مزید فرمایا کہ اگر تم دونوں آپس میں کسی ایسے امر پر ایک دوسرے کی مدد کرتی رہو گی جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ سکتی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کو اس سے ضرر نہیں پہنچے گا' کیونکہ اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرئیل بھی اور مؤمنین بھی اور اس کے فرشتے بھی مددگار ہیں' جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اور فرشتوں کی خاص کر جبریل کی اور صالح مؤمنین کی مدد ہو اُسے تمہارے مشورے کیا نقصان دے سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا وہ دونوں کون سی عورتیں ہیں جن کے بارے میں وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ، فرمایا ہے؟ ابھی میری بات پوری نہ ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس سے عائشہؓ اور حفصہؓ مراد ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۷۳۱ ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایلاء فرمانے کا ذکر: .... رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ناراض

ہو کر ایک ماہ کا ایلاء کرلیا تھا یعنی یہ قسم کھالی تھی کہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ اس زمانہ میں آپؐ نے ایک بالا خانہ میں رہائش فرمائی' صحابہؓ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کا پتہ چلانے کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے پہلے سمجھانے کے طور پر حضرت عائشہؓ اور اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے سے حاضر خدمت ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورتوں کے بارے میں آپؐ کو کیا پریشانی ہے اگر آپؐ نے ان کو طلاق دے دی ہے تو آپؐ کے ساتھ اللہ اور جبرئیل اور میکائیل اور میں ابوبکر اور دوسرے مؤمنین ہیں اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق فرمائی اور آیت کریمہ عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا اور آیت کریمہ وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ نازل فرمائی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ! میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا مومنین بیٹھے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں! میں نے عرض کیا آپ کی اجازت ہو تو میں انہیں بتادوں کہ طلاق نہیں دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو بتادو۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالا خانے سے نیچے اتر آئے' ابھی آپ کو انتیس دن ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابھی ۲۹ دن ہوئے ہیں آپؐ نے تو قسم کھائی ہوئی تھی کہ ایک ماہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ انتیس دن کا مہینہ ہے (راجع صحیح مسلم ص ۴۷۸ الی ص ۴۸۲)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر فرشتے مقرر ہیں۔

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا

جو سخت مزاج ہیں' مضبوط ہیں وہ اس کام میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اے کافرو!

تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً

ع ۱۹

آج عذر بیان نہ کرو' تمہیں اسی چیز کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور میں سچی توبہ کرو۔

نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ

جس دن اللہ تعالیٰ نبیؐ کو اور انکو رسوا نہ فرمائے گا جو اہل ایمان ان کیساتھ ہیں' انکا نور انکے سامنے اور انکی داہنی طرف دوڑتا ہوگا' وہ عرض کرتے ہوں گے کہ ہمارے

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

رب نور کو پورا فرما دے اور ہماری مغفرت فرما دے' بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں' اے نبی! جہاد کیجئے کافروں سے

وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨

اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔

اپنی جانوں کو اور اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کا اور سچی توبہ کرنے کا حکم

یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ایمان والوں سے خطاب فرمایا کہ تم اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں' دنیا میں جو آگ ہے وہ لکڑی یا تیل یا گیس سے جلتی ہے' اور ہے بھی کم گرم اور دوزخ کی آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں اور وہ آگ بہت زیادہ گرم بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے ایسی آگ سے بچنا اور اپنے گھر والوں کو بچانا عقل کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور یہ بچنا اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود بھی بچے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائے انہیں دینی احکام سکھائے اور ان پر عمل کرائے دنیا میں کھلانے پہنانے کے لئے اپنے اہل وعیال کے لئے انتظام تو کرتے ہیں لیکن دوزخ کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم اپنی جانوں کو بھی اس آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی' اس میں فرائض وواجبات کا خود اہتمام کرنے اور اہل وعیال سے عمل کرانے کا حکم آ گیا اور گناہوں سے بچنے اور بچانے کا بھی بلکہ حلال کھانے اور کھلانے کا حکم بھی آ گیا' حرام کھانا اور اولاد کو حرام کھلانا دوزخ میں جانے اور لے جانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا' دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔ (مشکوۃ المصابیح ۲۴۲)

حلال کمائے' حلال کھائے اور بیوی بچوں کو بھی حلال کھلائے' حرام سے بچے اور حرام سے بچائے' حرام سے پیٹ بھر دینا ان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ظلم ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو دین سکھانا بھی ضروری ہے کیونکہ عمل بغیر علم کے نہیں ہوسکتا' علم کے بغیر جو عمل ہوگا وہ غلط ہوگا وہ بھی عذاب دوزخ کا سبب بنے گا۔

تفسیر درمنثور میں ص ۲۳۶ ج ۱ بحوالہ طبرانی' حاکم اور بیہقی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ میں فرمایا ہے کہ کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا اس آگ کی تیزی پھر گندھک کے پتھروں کا ایندھن ہونا اس سب کا تصور کرے' خود بھی سوچے اور اہل وعیال کو بھی سمجھائے تا کہ گناہوں کے چھوڑنے پر نفس آمادہ ہو جائے' دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہیں' ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ سخت مزاج ہیں اور بہت زیادہ مضبوط ہیں' اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے جو کچھ انہیں حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں' اس میں یہ بتا دیا کہ کوئی بھی دوزخی ان فرشتوں سے جان چھڑا کر دوزخ کا دروازہ کھول کر یا دیواروں کو پھاند کر نہیں جا سکتا' انہیں جو بھی حکم ہوتا ہے مضبوطی کے ساتھ اس کی تعمیل کرتے ہیں' دوسری آیت میں اس خطاب کا تذکرہ فرمایا جو کافروں کے ساتھ قیامت کے دن ہوگا' کافر عذاب سے چھوٹنے کے لئے عذر پیش کریں گے' ان سے کہا جائے گا اے کافرو! آج تم عذر پیش نہ کرو' دنیا میں پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا تم نے اللہ کو نہیں مانا اس کی باتوں کو جھٹلایا' قیامت کے دن سے انکار کر دیا' جو کچھ تم نے دنیا میں کیا آج یہاں پر اسی کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

تیسری آیت میں اہل ایمان کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور اس کا فائدہ بتایا' ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حضور میں توبہ کرو یہ توبہ پکی اور مضبوط ہو' توبہ کرنے سے تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور ایسے باغات میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

معالم التنزیل میں توبۃ النصوح کی تشریح میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایسی توبہ ہو جس کے بعد گناہ کرنے کے لئے واپس نہ لوٹے جیسے کہ دودھ تھنوں میں واپس نہیں آتا۔

اور حضرت حسن رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ بندہ گزشتہ اعمال پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے پختہ عزم وارادہ کے ساتھ یہ طے کرلے کہ اب گناہ نہیں کروں گا' یہ توبۃ النصوح ہے۔

اس کے بعد بہت بڑی بشارت دی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو' ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ اہل ایمان ہیں' رسوا نہیں کرے گا کیونکہ اس دن کی رسوائی کافروں کے لئے مخصوص ہے جو کفر کی وجہ سے ہوگی۔ سورۃ النحل میں فرمایا۔

اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ.

(کہ بلاشبہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے)

چونکہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ سے کاملین فی الایمان مراد ہیں جو عذاب سے محفوظ رہیں گے اس لئے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ جو اہل ایمان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ ان کا یہ داخلہ بھی تو ذلت کی بات ہے۔

اہل ایمان کی خوبی اور خوشی کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا' یعنی پل صراط پر انہیں نور عطا کیا جائے گا اس نور کی وجہ سے وہ پل صراط سے بغیر کسی خراش اور چھلن کے پار ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن اہلِ ایمان کا نور:......... یہ حضرات بارگاہ الٰہی میں دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب! نور پورا فرمادیجئے' یعنی جو نور کامل ہمیں عطا فرمایا ہے اسے باقی رکھئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ جب منافقین کا نور بجھ جائے گا یعنی اہل ایمان کی روشنی میں ان کے پیچھے پیچھے آکر جو ان کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہوں گے اور مؤمنین کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں گے اس وقت اہل ایمان اپنا نور باقی رکھنے کی دعا کریں گے اور نور باقی رہنے کی دعا کے ساتھ مغفرت کی درخواست بھی کریں گے اور گناہوں کی بخشش کروانے کے لئے یوں عرض کریں گے۔ وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہمیں بخش دیجئے)

اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں)

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم:......... چوتھی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ اے نبی! آپ کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کریں اور انکے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کافروں سے جہاد بالسیف کا اور منافقوں پر حجت قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے' انہیں یہ بتانا کہ آخرت میں تمہاری بدحالی ہوگی' اور تمہارے ساتھ نور نہ ہوگا اور مؤمنین کے ساتھ پل صراط پر نہ گزر سکو گے' یہ سب ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کا معاملہ کرنے کو شامل ہے' پھر حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ سختی کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان پر حدود قائم کیجئے کیونکہ وہ ایسے کام کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جاتی تھی۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت حسنؒ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ٹھیک ہے' احقر کے خیال میں وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ کا مصداق یہ بھی ہے کہ منافقوں کی

حرکتیں ایک عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد انہیں ذلت کے ساتھ نام لے لے کر پکڑ پکڑ کر مسجد نبوی سے نکال دیا گیا تھا۔ کماذکرناہ فی تفسیر سورۃ البقرہ.

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا

اللہ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرمایا' یہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔

صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

سوان عورتوں نے ان دونوں کی خیانت کی پھر وہ اللہ کے مقابلہ میں ان عورتوں کے ذرا بھی کام نہ آ سکے اور حکم دیا گیا کہ تم دونوں دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (وقف لازم)

اور اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان فرمایا ہے جبکہ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے قرب میں جنت

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ

میں گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون سے اور ظالم قوم سے نجات دیجئے اور عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرمایا جس نے اپنی ناموس

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲ (ع ۲۰)

کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیویاں کافر تھیں اور فرعون کی بیوی اور حضرت مریم مؤمنات میں سے تھیں

ان آیات میں دو ایسی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو نبیوں کے نکاح میں ہوتے ہوئے کافر تھیں اور کفر پر جمی رہیں اور دو ایمان والی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن کافر عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک حضرت نوح علیہ السلام کی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے (یہ شرائع سابقہ کی بات ہے ان شریعتوں میں کافر عورت سے نکاح جائز تھا' ہماری شریعت میں صرف مسلمہ اور کتابی عورت سے نکاح جائز ہے' کافرہ غیر کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)

حضرت نوح علیہ السلام کا جیسے ایک بیٹا کافر تھا سمجھانے بجھانے اور طوفان کا عذاب نظروں سے دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا اسی طرح سے آپ کی بیوی نے بھی ایمان قبول نہ کیا' اللہ کے ایک نبی کے ساتھ رہتی رہی لیکن مؤمن ہونا گوارا نہ کیا' معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عورت یوں کہا کرتی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔

دوسری کافر عورت جس کا ذکر فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بتایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غیر فطری عمل کرتے تھے اور مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے بارہا انہیں سمجھایا لیکن وہ لوگ نہ مانے معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی قوم کے لوگوں کی مدد کرتی تھی اور جب کوئی مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو لوگوں

کو گھر میں آگ جلا کر بتا دیتی تھی کہ اس وقت تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے (آگ جلانے کو اس نے مہمانوں کی آمد کا نشان بنا رکھا تھا قوم کے لوگ دھواں یا روشنی دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ مہمان آئے ہیں اور پھر ان سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے) روح المعانی میں بھی فَخَانَتَاهُمَا کی تفسیر کرتے ہوئے ان دونوں باتوں کو لکھا ہے یعنی یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کو دیوانہ بتاتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی خبر دیتی تھی (ثم قال رواہ وجمع وصححہ الحاکم عن ابن عباسؓ)

ان دونوں میں سے ہر عورت، اللہ کے نبی کی بیوی تھی لیکن دونوں کفر پر ہی قائم رہیں اور اسی پر موت آئی لہٰذا اس کی سزا میں ان کو دوسرے دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں جانا پڑا ان کے شوہروں کا نبی ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ہر ایسے شخص کی امید کو قطع کر دیا جو خود گناہ گار ہو (کفر کی معصیت ہو یا فسق کی) اور امید یہ رکھتا ہو کہ جن نیک بندوں سے میرا تعلق ہے ان کی نیکی اور خوبی میرے تعلق کی وجہ سے مجھے نفع دے دے گی، خود گناہگار ہوتے ہوئے اپنے متعلقین کا نیک ہونا کام نہیں آسکتا، اپنی نجات کی خود فکر کریں، جو لوگ نسبتوں پر بھروسہ کر کے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے دور رہتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کسی کی بیوی یا بیٹا یا پوتا یا نواسہ ہونے سے ہماری نجات ہو جائے گی۔ یہ ان کی غلطی ہے **قطع اللّٰہ بھذہ الأیۃ طمع کل من یرکب المعصیۃ ان ینفعہ صلاح غیرہ** (اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ہر اس آدمی کی امید ختم کر دی ہے جو خود گناہ کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ اسے دوسروں کی نیکیاں فائدہ دیں گی) (ص ۳۶۸ ج ۴)

جن دو مؤمن عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک فرعون کی بیوی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی جو لوگ ایمان لے آئے تھے فرعون انہیں بڑی تکلیفیں پہنچاتا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا، اور اس وجہ سے اسے سورہ ص اور سورۂ والفجر میں ذُو الْاَوْتَادِ (کیلوں والا) بتایا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دی تھیں جب کیلیں گاڑنے والے جدا ہو گئے تو فرشتوں نے اس پر سایہ کر دیا اس وقت اس نے یہ دعا کی:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ.

(اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا دیجئے)

یعنی مقرب بندوں کے مقامات عالیہ میں جگہ نصیب فرمائیے۔ دعا کی تو ان کا جنت والا گھر اسی وقت منکشف ہو گیا۔

جنت میں بلند مرتبوں کی درخواست کرنے کے بعد یوں دعا کی کہ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ (کہ یا رب! مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیدے) اور ساتھ ہی یوں بھی دعا کی وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (کہ مجھے ظالم قوم سے نجات دے دیجئے) ان ظالموں سے فرعون کے کارندے انصار و اعوان مراد ہیں جو فرعون کے حکم سے اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۶۳۔۱۶۴ ج ۲۸) معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ فرعون نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے۔ جب پتھر لے کر آئے تو انہوں نے مذکورہ بالا دعا کی کہ انہوں نے اپنا گھر جنت میں دیکھ لیا جو موتیوں کا گھر تھا اور اسی وقت روح پرواز کر گئی، جب لوگوں نے پتھر رکھا تو بلا روح کا جسم تھا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو جنت میں اوپر اٹھا لیا وہ وہاں کھاتی پیتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن عورتوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں حضرت مریمؑ حضرت خدیجہؓ حضرت سیدہ فاطمہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت آسیہؓ کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے۔ (روح المعانی ص ۱۶۳۔۱۶۴ ج ۲۸) آسیہ فرعون کی بیوی کا نام تھا۔
صحیح بخاری ۲ (ص ۵۳۳ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سے کامل نہیں ہیں، مگر مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور آسیہ (فرعون کی بیوی) اور عائشہ کی فضیلت لوگوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے ثرید کی باقی کھانوں پر۔

اہل ایمان کو حضرت مریم بنت عمرانؑ کا حال بھی بتایا ان کا تذکرہ سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۴ اور نمبر ۵ میں اور سورۂ مریم رکوع نمبر ۲ میں اور سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۶ میں پہلے گزر چکا ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ تھیں، چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے بنی اسرائیل نے حضرت مریم پر تہمت دھری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت اور پاک بازی بیان فرمائی ارشاد فرمایا

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا.

(اور اللہ نے اہل ایمان کے لئے مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا)

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا.

(سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، جنہوں نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک دیا، اسی سے حمل قرار پا گیا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے، جس کی تفصیل سورۂ مریم میں گزر چکی ہے۔

حضرت مریمؑ کی پاکدامنی بیان فرمانے کے بعد ان کی دو صفات بیان فرمائیں۔

ارشاد فرمایا:

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ

(اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی)۔

یہ مضمون تمام ایمانیات کو شامل ہے۔

نیز فرمایا، وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ.

(اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہتی تھی، عربی قواعد کے اعتبار سے بظاہر کانت من القانتات ہونا چاہیئے (جو صیغہ تانیث ہے) وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے یوں کہا ہے کہ یہاں لفظ القوم محذوف ہے یعنی و کانت من القوم القانتین.

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ ایسے کنبہ اور قبیلہ سے تھیں جو اہل اصلاح تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور بعض علماء نے نکتہ بیان کیا ہے کہ صیغہ تذکیر تغلیب کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرنے میں ان مردوں کے شمار میں آ گئی جو عبادت وطاعت میں ہی لگے رہتے تھے چونکہ عموماً عبادات میں مرد ہی پیش پیش ہوتے ہیں، اس لئے حضرت مریمؑ کو عبادت میں مشغول رہنے والے مردوں میں شمار فرما دیا، حدیث شریف میں جو كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ فرمایا ہے اس سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔

وهـذا اخر تفسير سو رة التـحـريـم والـحـمـد لـلّـه الـعـلى الكريم العظيم والصلوة على نبى محمد الـمـصطفى الذى هدى الى الطريق المستقيم وعلى اله وصحبه الذين امنوا به بقلب سليم ودعوا الى الدين القويم.
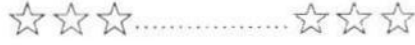
(پارہ نمبر ۲۹)

مکی	سورۂ ملک	۳۰ آیتیں ۲ رکوع

آیاتہا ۳۰ (۶۷) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) رکوعاتہا ۲

سورۂ ملک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ

وہ بڑی عالی ذات جس کے قبضے میں ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو تا کہ وہ تمہیں

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ

آزمائے کہ تم میں کون شخص عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے اور وہ عزیز ہے غفور ہے۔ جس نے پیدا کیا سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ اے مخاطب! تو رحمان کی

مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ

تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا۔ سو تو پھر نظر ڈال کر دیکھ لے کیا تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ تیری نگاہ ذلیل ہو کر تھک کر

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا

تیری طرف لوٹ آئے گی اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور ہم نے ان

لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، سارا ملک اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اسی نے موت وحیات کو پیدا فرمایا تا کہ تمہیں آزمائے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی عظمت اور سلطنت اور قدرت اور شان خالقیت بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ وہ ذات برتر ہے اور بالا ہے جس کے قبضہ میں پورا ملک ہے سارے عالم میں اسی کا راج ہے اس کی سلطنت ہے اسی کی قدرت ہے کوئی بھی باہر نہیں' سورۂ یٰسین میں فرمایا: فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ

(سو پاک ہے وہ ذات جس کے قبضے میں ہر چیز کی سلطنت ہے) دوم یہ فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے سوم یہ فرمایا کہ اس نے موت کو اور حیات کو پیدا فرمایا ہے اور ان دونوں کے پیدا فرمانے میں بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے سب سے اچھا کون ہے مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں آتے جاتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہیں زندہ رہتے ہیں پھر مر جاتے ہیں یہ موت وحیات یوں ہی بغیر حکمت کے نہیں ہے۔ انسان یوں نہ سمجھے کہ میں یوں ہی عبث بغیر کسی حکمت کے پیدا کیا گیا۔ سورۂ قیامہ میں فرمایا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی.

(کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے یوں چھوڑ دیا جائے گا) نہ انسان عبث ہے نہ اس کی زندگی خواہ مخواہ ہے اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی زندگی کے لئے احکام بھیجے ہیں ان احکام پر عمل کرنا ہے جتنا بھی زیادہ کوئی شخص اچھا عمل کر لے گا اسی قدر اچھا آدمی ہوگا اور خوبی کی صفت سے متصف ہوگا پھر جب مرے گا تو زندگی کے اعمال کا حساب ہوگا اور جتنے جس کے اچھے اعمال ہونگے اسی قدر عالم آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا دنیا میں جینا ہے، عمل کرنا ہے پھر مرنا ہے پھر حساب کتاب ہے اچھے اعمال کا بدلہ اچھا ہے اور برے اعمال کی بری سزا ہے سورۂ مؤمنون میں فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.

(کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا اور کیا تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے)

سورۂ ہود رکوع نمبر ۱ میں بھی لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

چہارم میں یہ فرمایا کہ وہ عزیز یعنی زبردست ہے کوئی بھی اس کی گرفت اور سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا، جسے عذاب دینا چاہے وہ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا، اور وہ غفور بھی ہے جسے بخشنا چاہے کوئی اس کی بخشش کو روک نہیں سکتا۔

پنجم یہ فرمایا کہ اس نے سات آسمان تہ بہ تہ یعنی اوپر نیچے پیدا فرمائے۔

ششم یہ فرمایا کہ اے مخاطب! تو رحمٰن جل مجدہ کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا اس نے جس چیز کو جس طرح چاہا بنایا آسمان کو جیسا بنانا چاہا وہ اسی طرح وجود میں آ گئے نہ ان میں کوئی شگاف ہے (وَمَالَهَا مِنْ فُرُوْجٍ) اور نہ ایک آسمان دوسرے آسمان پر گرتا ہے۔ بغیر ستونوں کے قائم ہیں۔ ہر ایک کے درمیان جتنا بعد رکھا ہے اسی کے مطابق قائم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر آسمان سے لے کر دوسرے آسمان تک پانچ سو ۵۰۰ سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ (کما فی المشکوٰۃ ص ۵۱۰ عن احمد والترمذی)

ہفتم یہ فرمایا کہ اے مخاطب تو نظر ڈال کر دیکھ کیا تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے پھر نظر ڈال اور بار بار دیکھ گہری نظر سے دیکھ غور وفکر وتامل کے ساتھ نگاہ ڈال جب تو نظر ڈالے گا تو تیری نظر ذلیل اور ماندہ اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی تجھے کسی طرح کا رخنہ نظر نہ آئے گا۔

ہشتم یہ بیان فرمایا کہ ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا، چراغوں سے ستارے مراد ہیں، جیسا کہ سورۃ الصافات میں فرمایا:

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ. (بیشک ہم نے قریب والے آسمان کو بڑی زینت یعنی ستاروں کے ذریعہ زینت دی)۔

(رات کو آسمان کی طرف دیکھو تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے ایک خوبصورتی کا کیف محسوس ہوتا ہے) یہ بات اصحاب فرحت وسرور اور اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

ثم یہ فرمایا کہ ہم نے چراغوں یعنی ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا شیاطین اوپر جاتے ہیں تا کہ اہل سماء یعنی حضرات ملائکہ علیہم السلام کی باتیں سنیں، ستاروں سے ان کے مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ ستارہ خود اپنی جگہ سے ہٹ کر شیطان کو لگے، ستاروں سے چنگاریاں نکلتی ہیں، جو شیاطین کو مارتی ہیں سورۂ حجر میں فرمایا۔

اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيۡنٌ (مگر یہ کہ کوئی بات چوری سے سن بھاگے تو اسکے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ لیتا ہے)

دوم یہ فرمایا ہے کہ ہم نے شیاطین کے لئے دھکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے شیاطین کی بڑی بڑی شرارتیں ہیں خود بھی کافر ہیں، بنی آدم کو بھی کفر پر رکھنا چاہتے ہیں اور جو شخص ایمان لے آئے اس کو گناہوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں جو تکوینی امور سے متعلق ہیں جیسے ہی پہنچتے ہیں، انگاروں اور چنگاریوں کی مار پڑتی ہے۔ جس سے بعض مر جاتے ہیں اور بعض مجنوں یعنی دیوانے ہو جاتے ہیں، اگر انگارہ لگنے سے پہلے ان میں سے کسی نے ایک آدھ بات سن لی تو زمین پر آ کر اس بات کو کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے پھر وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کر دیتا ہے شیاطین اس لئے یہ حرکت کرتے ہیں کہ لوگوں کو کاہنوں کا معتقد بنائیں اور ایمان سے دور رکھیں (مزید تفصیل کیلئے سورۃ النحل (ع ۲) اور سورۃ الصافات (ع ۱) اور سورۃ سبا (ع ۳) کی تفسیر ملاحظہ کی جائے۔

فائدہ:۔ سورۃ الملک کے شروع میں جو خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ فرمایا ہے اس سے بظاہر متبادر یہی ہے کہ موت اور حیات دونوں وجودی چیزیں ہیں اگر موت کو عدم الحیاۃ سے تعبیر کیا جائے تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی روحیں نکال لی جاتی ہیں روح کا نکالنا اور نکلنا یہ تو وجودی چیزیں ہیں اس اعتبار سے موت کو وجودی چیز کہنے میں کسی تامل کی بات نہیں ہے اور اس میں زیادہ غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

وَلِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝۶ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِيۡهَا سَمِعُوۡا لَهَا شَهِيۡقًا

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی زوردار آواز سنیں گے

وَّهِىَ تَفُوۡرُۙ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ كُلَّمَاۤ اُلۡقِىَ فِيۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَذِيۡرٌ ۝۸

اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ ایسا محسوس ہوگا کہ وہ غصہ کی وجہ سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اس میں کافروں کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے

قَالُوۡا بَلٰى قَدۡ جَآءَنَا نَذِيۡرٌ ۙ فَكَذَّبۡنَا وَقُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۖۚ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ

والا نہیں آیا۔ وہ جواب میں کہیں گے ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا سو ہم نے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی تم لوگ صرف بڑی

كَبِيۡرٍ ۝۹ وَقَالُوۡا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِىۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝۱۰ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ‌ۚ

گمراہی میں ہو۔ اور وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم جلنے والی آگ میں نہ ہوتے۔ حاصل یہ کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے۔

فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝۱۱

سو دوری ہے جلنے والی آگ والوں کے لئے۔

کافروں کا دوزخ میں داخلہ، دوزخ کا غیظ وغضب، اہلِ دوزخ سے سوال وجواب اوران کا اقرار کہ ہم گمراہ تھے

گزشتہ آیت میں بتایا کہ شیاطین کے لئے جلتی ہوئی آگ کا عذاب تیار فرمایا ہے۔ ان آیات میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو کفر میں شیاطین کے ہمنوا ہیں اور شیاطین کے ترغیب دینے اور کفر پر جمانے سے کفر کو اختیار کئے ہوئے ہیں، فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور جہنم بری جگہ ہے اور برا ٹھکانہ ہے، پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ کی سخت دہشت ناک اور وحشت ناک آوازیں سنیں گے وہ جوش مارتی ہوگی اور اس کے جوش کا یہ عالم ہوگا کہ گویا ابھی غصے کی وجہ سے پھٹ پڑے گی یہ غصہ اسے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر آئے گا۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا.

جب دوزخ انہیں دور سے دیکھے گی تو غصے میں بھری ہوئی اس کے جوش کی آوازسنیں گے۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ. (الآیات) جب بھی کافروں کی کوئی جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی تو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے طور پر دوزخ کے محافظین ان سے دریافت کریں گے (کہ تمہیں یہاں آنا کیسے ہوا؟) کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بنی آدم کی طرف اپنے جو رسول بھیجے تھے ان میں سے کوئی رسول تمہارے پاس نہیں پہنچا تھا جس نے تمہیں منکرین کے عذاب سے باخبر کیا اور جھٹلانے والوں کی سزا بیان فرمائی؟ کافر یہ سن کر جواب دیں گے کہ ہاں! ڈرانے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اور صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں ہی کو بڑی گمراہی میں بتادیا کافر لوگ ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے کہ اگر ہم سمجھنے کے طور پر ان حضرات کی بات سنتے اور ان کی بات کو سمجھتے تو آج ہم جلنے کے عذاب میں نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ یہ بات کہہ کر کہ اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو آج جلنے کے عذاب میں نہ ہوتے اپنے گناہ کا اقرار کرلیں گے یعنی یہ مان لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ. (سو جلتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے) یہ دوری ہمیشہ کے لئے ہے کبھی بھی ان پر رحم نہ کیا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات کو چپکے سے کہو یا زور سے

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع

بیشک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین ہے اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے بڑی مغفرت اور اجرِ کریم ہے

یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اہل ایمان کا اور اعمال صالحہ کا اور گناہوں سے بچنے کا فائدہ بتایا ان کے لئے مغفرت ہے اور ان کے لئے بڑا اجر ہے (جس طرح یعنی کہ کافروں کے لئے عذاب سعیر ہے اسی طرح اہل ایمان کے لئے اجر کبیر ہے جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا اسے اس کا اجر وہاں کی نعمتوں کی صورت میں ملے گا، دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی بات آہستہ کرو یا زور کی آواز سے اللہ تعالیٰ

دونوں طرح کی آواز سن سکتا ہے اور اگر کوئی بات بالکل ہی بے آواز ہو مثلاً دل میں کوئی بات طے کر لی ہو یا کسی بھی گمراہی کا یقین کر لیا ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی خبر ہے کیونکہ وہ سینہ کی باتوں کو جانتا ہے۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے یوں کہا کہ چپکے چپکے باتیں کرو ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معبود سن لے۔ (اس پر آیت بالا نازل ہوئی)۔

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا: تیسری آیت میں فرمایا کہ تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی سب کو پیدا فرمایا' اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کا اب بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جب وہ ہر چیز کا خالق ہے تو اپنی ہر مخلوق کو کیسے نہ جانے گا تمہارے احوال واقوال بھی اس کی مخلوق ہیں اسے ان سب کا علم ہے زور سے یا آہستہ سے بات کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسے ظاہر اور باطن کا اور ہر چیز ہر قول وفعل کا اس کو علم ہے اور اس کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز باہر نہیں تمہارا یہ خیال کرنا کہ آہستہ بات کریں گے تو وہ نہ سنے گا اور اسے ہماری بات کا علم نہ ہوگا' تو ہماری گرفت بھی نہ ہوگی یہ سب تمہاری جہالت اور ضلالت یعنی گمراہی ہے۔ وہ تمہارے عقائد اور اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر بنا دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اسکی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾

کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے یا تم اس سے بے خوف ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر ایک تخت ہوا بھیج دے۔ سو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا سو میرا عذاب کیسا تھا؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا جو پر پھیلائے ہوئے ہیں اور پروں کو سمیٹ لیتے ہیں رحمن کے علاوہ کوئی انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کا دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا اسے قدرت ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت آندھی بھیج دے' بلندی پر جو پرندے اڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی ان کا محافظ ہے

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور رازقیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ زمین جس پر تم بستے ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر فرما دی ہے۔ اس کو جیسے چاہتے ہو اپنے تصرف میں لاتے ہو نرم چیز ہے اسے کھودتے ہو، بنیادیں ڈال کر گھر بناتے ہو۔ کنویں کھودتے ہو ہل اور ٹریکٹر چلا کر کھیتی بوتے ہو۔ اس پر رہتے سہتے ہو، نالی تک اس پر ڈالتے ہو۔ غرض یہ کہ وہ چیزیں وہاں لے جاؤ اور وہاں کی چیزیں یہاں لے آؤ اور جو رزق تمہیں سفر کئے بغیر مل جائے یا سفر کر کے حاصل ہوا ہے اسے کھاؤ پیو۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا رزق ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ زمین کی یہ نعمت اور رزق کی دولت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ یہیں کھا پی کر بے فکر ہو جاؤ تمہیں مرنا بھی ہے اور اسی زمین میں دفن ہونا ہے' پھر صور پھونکے جانے پر قبروں سے اٹھنا ہے اور حساب کتاب کے لئے خالق جل مجدہ کے حضور پیش بھی

وقف لازم ، وقف منزل ، وقف غفران

ہونا ہے چلو پھرو کھاؤ پیو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اس کی فرماں برداری میں لگو۔

پھر فرمایا کہ تمہارے سامنے یہ ہمارا رسول ایمان کی دعوت پیش کرتا ہے اس کی بات مانو اور فرمانبرداری کرو۔ اس کی دعوت پر کان نہ دھرنے اور قبول نہ کرنے سے آسمان سے بھی عذاب آسکتا ہے اور زمین سے بھی جس ذات پاک کا حکم آسمانوں میں نافذ ہے کیا اس کی طرف سے نڈر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ یہی زمین جس کو تمہارے قابو میں دیا ہے وہ اسی زمین کو تمہارے لئے ہلاکت اور عذاب کا سبب بنا سکتا ہے وہ اس زمین میں شگاف ڈال کر تمہیں اس میں دھنسانے کی قوت رکھتا ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسانے لگے تو زمین تھرتھرا کر الٹ پلٹ ہونے لگے گی جس سے تم اس کے اندر چلے جاؤ گے اور اس ذات پاک کو یہ بھی قدرت ہے جس کا آسمان میں حکم اور تصرف جاری ہے کہ تم پر وہ ایک سخت ہوا بھیج دے زمین کے اوپر ہوا چلتی ہے یہاں سے وہاں جاتی ہے عام حالات میں معتدل رہتی ہے۔ کبھی تیز بھی ہو جاتی ہے لیکن عام طور سے اس کی رفتار میں اتنی تیزی نہیں آتی کہ لوگوں کو اٹھا کر پھینک دے اس کے خالق اور مالک جل مجدہ کو پوری طرح قدرت حاصل ہے کہ وہ ہوا کو خوب زیادہ تیز چلا دے جو زمین پر بسنے والوں کو تہس نہس کر دے جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ہوا کے ذریعہ تمہیں ختم نہ کر دے جیسا کہ بعض گزشتہ امتوں پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا) اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہاں سے صحیح سالم گزر گئے آگے گرفت نہیں موت کے بعد جو کفر پر عذاب ہوگا وہ بہت سخت ہوگا۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ رسولوں کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے دین بھیجا تھا ہم جو اس کے منکر ہوئے خود اپنا ہی برا کیا اور عذاب شدید میں گرفتار ہوئے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے حق کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب؟ پرانے مکذبین (جھٹلانے والوں کا انجام تمہیں معلوم ہے اس سے عبرت حاصل کرلو)

اس کے بعد پرندوں کا حال بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ بیان فرمائی اور فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ.

(کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو ان کے اوپر ہوا میں بازو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں اور وہ اپنے بازوؤں کو پھیلانے کے بعد سکیڑ لیتے ہیں اور دونوں حالتوں میں وہ فضا میں موجود رہتے ہیں اور باوزن ہونے کے باوجود فضا میں پھرتے رہتے ہیں زمین پر نہیں گرتے) مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ (رحمٰن کے علاوہ انہیں کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے)

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ. (بلاشبہ وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر استدلال کرنے کے لئے پرندوں کا فضا میں پھیلائے ہوئے اڑتے پھرنا بلکہ بعض مرتبہ پروں کو سکیڑ کر بھی فضا میں رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایک بڑی دلیل ہے۔ یہی بازو جو جانوروں کے ہیں اس طرح کے جانور اگر پرندوں کے علاوہ دوسرے جانداروں کو لگا دیئے جائیں تو وہ نہیں اڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا جس خصوصیت سے نواز دیا۔ آسمان میں سب تصرفات اللہ تعالیٰ کے ہیں جسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ میں بیان فرمایا اور زمین میں بھی اسی کا تصرف ہے جسے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا میں ذکر فرمایا اور آسمان اور زمین کے درمیان جو فضا ہے اس میں بھی اسی قادر مطلق کا تصرف ہے جسے اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ میں بیان فرمایا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ

ہاں یہ تو بتاؤ رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کر سکے' کافر لوگ صرف دھوکے میں پڑے

غُرُوْرٍ ۝۲۰ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۝۲۱

ہیں اور یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے' بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔

رحمٰن کے سوا تمہارا کون مددگار ہے؟ اگر وہ اپنا رزق روک لے تو تم کیا کر سکتے ہو؟

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد فرمانے اور رزق عطا فرمانے کا اور کافروں کے غرور اور نفور میں سرکشی میں بڑھتے چلے جانے کا ذکر ہے۔ ان آیتوں کا سبب نزول بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کافر دعوت حق قبول کرنے سے گریز کرتے تھے اور عناد پر تلے ہوئے تھے۔ انہیں دو چیزوں پر گھمنڈ تھا اول تو یوں کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہمارے افراد قوم اور قبیلہ کے لوگ ہماری حفاظت کر لیں گے' دوسرے یوں کہتے تھے کہ ہم نے بہت سارے معبود بنا رکھے ہیں' یہ ہماری حفاظت کر لیں گے' وہ بتوں سے نفع ضرر کی امید رکھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں باتوں کی تردید فرمائی اول تو یہ فرمایا کہ بتاؤ تمہارے وہ کون سے لشکر ہیں جو رحمٰن جل مجدہ کے علاوہ تمہاری مدد کر دیں گے' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آ جائے تو اسے دفع کرنے والا اور تمہاری مدد کرنے والا کون ہے؟ یعنی کوئی بھی نہیں ہے' تم جھوٹی خام خیالیوں میں مبتلا ہو، شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور یہ سمجھا رکھا ہے کہ کوئی عذاب آ گیا تو ہمارے جو کثیر افراد ہیں وہ حفاظت کر لیں گے' پھر فرمایا کہ یہ بھی بتاؤ کہ رازق مطلق جو تمہیں رزق دیتا ہے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دیدے؟ یعنی اس کے علاوہ تمہیں کوئی بھی رزق دینے والا نہیں۔

طرح طرح کے دلائل سامنے آتے ہیں لیکن پھر بھی سرکشی میں نفور میں یعنی حق سے دور ہونے میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں' اسی کو فرمایا بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ؕ (بلکہ وہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں)۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۲ قُلْ هُوَ

سو کیا جو شخص منہ کے بل گر گر اوندھا چل رہا ہے وہ شخص زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ شخص جو سیدھے راستے پر چل رہا ہو؟ آپ فرما دیجئے

الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِیْ

کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴

اللہ وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔

جو شخص اوندھا منہ کر کے چل رہا ہو کیا وہ صراط مستقیم پر چلنے والے کے برابر ہو سکتا ہے،

ان آیات میں پہلے تو کافر اور مؤمن کی مثال بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ ایک شخص منہ کے بل گرا ہوا ہے اور اسی طرح اوندھا چل رہا ہے

(یہ کافر کی مثال ہے) اور ایک وہ شخص ہے جو ٹھیک راستے پر جا رہا ہے نہ اسے گرنے کا خطرہ ہے نہ پھسلنے کا ڈر ہے۔ (یہ مؤمن کی مثال ہے) بتاؤ ان دونوں میں صحیح راہ پر کون ہے اور دونوں میں کون بہتر ہے؟ ظاہر ہے ایک سمجھدار آدمی اسی کو بہتر اور صحیح راہ پر بتائے گا جو اعتدال کے ساتھ ٹھیک طریقے سے سیدھے راستے پر جا رہا ہے۔ جس میں نہ کجی ہے نہ پھسلنے کا خطرہ ہے مؤمن اس صفت سے متصف ہے اور اس کی حالت ہر طرح سے اوندھے منہ چلنے والے کافر سے بہتر ہے۔

اعضاء و جوارح کا شکر ادا کرو: .... اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ احسان بیان فرمایا کہ اس نے تمہیں پیدا کیا' تمہارا بالکل ہی وجود نہ تھا اس نے تمہیں وجود بخشا اور صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ بہترین اعضاء و جوارح سے آراستہ فرما دیا' تمہیں اس نے قوت سامعہ دی آنکھیں عطا فرمائیں دل عنایت فرمائے۔ ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ خوب بڑھ چڑھ کر اس کا شکر ادا کرو۔ قلب سے اور قالب سے شکر گزار بندے بنے رہو۔ سمجھداری کا تو تقاضا یہی ہے مگر تمہارا حال یہ ہے کہ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے علم و فہم اور ادراک و شعور عطا فرمایا ہے ان کے کچھ ذرائع بھی بنا دیئے ہیں۔ دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دیں۔ سننے کے لئے قوت سامعہ عطا فرمائی' سونگھنے کے لئے ناک کے اندر قوت شامہ رکھ دی اور چکھنے کے لئے زبان کے جسم میں قوت ذائقہ ودیعت فرما دی اور قوت لامسہ یعنی چھونے کی قوت سارے بدن میں رکھ دی اعضاء کی نعمتوں میں سے یہاں تین چیزوں یعنی سمع اور بصر اور افئدہ یعنی قلوب کو ذکر فرمایا ہے یہ مضمون سورۂ نحل اور سورۃ المؤمنون اور سورۂ الم سجدہ میں بھی بیان فرمایا ہے افئدہ فؤاد کی جمع ہے فؤاد دل کو کہتے ہیں جو علم اور فہم ادراک اور شعور کا مرکز ہے اور انسان کو زیادہ معلومات سننے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دیکھنے کا مرتبہ ہے۔ اس سے بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن جو معلومات سننے سے حاصل ہوتی ہیں۔ وہ ان معلومات سے زیادہ ہیں جو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس سے سمع و بصر کے ذکر پر اکتفا فرمانے اور سمع کو بصر پر مقدم فرمانے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ گو دل کو ان حواس کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن ان حواس کا ذریعہ علم ہونا بھی صحت پر موقوف ہے اگر انسان کا دل ٹھکانے نہ ہو تو یہ چیزیں ادراک سے قاصر اور عاجز رہتی ہیں۔ اس اعتبار سے سمع بصر اور فؤاد کی نعمت کو اکٹھا بار بار بیان کرنے کی حکمت معلوم ہو گئی۔

اللہ نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے: .... پھر فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا (زمین میں چلتے پھرتے' کھاتے' کماتے اور زمین کی پیداوار سے منتفع اور متمتع ہوتے ہو اس پر گھر بناتے ہو آرام سے رہتے سہتے ہو) ان نعمتوں کی قدر دانی کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس زمین پر ہمیشہ رہنا نہیں ہے' تمہیں موت آئے گی پھر قیامت کے دن اسی خالق اور رازق کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور نعمتوں سے نوازا' وہاں جمع کیا جانا اعمال کا بدلہ دینے کے لئے ہوگا۔ لہٰذا حساب کے دن کی پیشی کے لئے فکر مند رہو۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

اور وہ کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صرف واضح طریقہ پر ڈرانے

مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾

والا ہوں۔ پھر جب اس کو اپنے پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

منکرین کا سوال کہ قیامت کب آئے گی اور ان کا جواب

منکرین کے سامنے جب قیامت آنے اور وہاں پیشی ہونے کی باتیں آتی تھیں اور انہیں وعید سنائی جاتی تھی تو مذاق کے طور پر انکار کے پیرایہ میں سوال کرتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو اس کی تاریخ بتا دو اس کے جواب میں فرمایا قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ.

(آپ فرما دیجئے کہ علم صرف اللہ کے پاس ہے)

وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.

(اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میرا کام بتانا، سمجھانا واضح طور پر بیان کرنا ہے (اگر مجھے قیامت کے واقع ہونے کا وقت معلوم ہوتا تو تمہیں بتا دیتا) لیکن یہ بھی نہ سمجھو کہ اس کے وقوع کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی تو وہ آنے والی ہی نہیں۔

جب قیامت آنے لگے گی اور اس کا وقوع قریب ہو جائے گا تو کافروں کا برا حال ہوگا۔ عذاب نظر آئے گا تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے ان پر ذلت سوار ہوگی، سورۂ زمر میں فرمایا۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ،

(اور اے مخاطب! تو قیامت کے دن دیکھے گا جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے) اور سورۂ عبس میں فرمایا:

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ه تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ه اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (اور بہت سے چہروں پر اس روز سیاہی ہوگی ان پر کدورت چھائی ہوگی۔ یہ لوگ کافر و فاجر ہوں گے)

وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ.

(اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم طلب کیا کرتے تھے)

یعنی تم جو یہ کہتے تھے کہ قیامت آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا اس کا انداز بیان ایسا تھا جیسے تم قیامت کے چاہنے والے ہو، لو اب وعدہ پورا ہو گیا، تمہاری مانگ پوری ہو گئی، آج اپنے انکار و تکذیب کی سزا بھگت لو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک فرما دے یا ہم پر رحم فرمائے سو وہ کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

سے بچائے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسہ کیا۔ سو تم عنقریب جان لو گے کہ وہ کون ہے جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر تمہارا پانی زمین میں نیچے چلا جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس چشمہ والا پانی لے آئے۔

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک فرما دیں تو کون ہے جو کافروں کو عذاب سے بچائے گا

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ اپنے مخاطبین سے یہ باتیں فرما دیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم

میرے اور میرے ساتھ والوں کے لئے دکھ تکلیف میں مبتلا ہونے کی آرزو رکھتے ہو۔تم اپنے بارے میں غور کرو دیکھو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے (جیسا کہ تم چاہتے ہو) یا ہم پر رحم فرمادے جیسا کہ ہم اس سے یہی امید رکھتے ہیں تو اس سے تمہارا کوئی بھلا ہونے والا نہیں ہمارے لئے تو ہر حالت بہتر ہے موت بھی بہتر ہے زندگی بھی رحمت ہے۔تم پر جب کفر کا عذاب آئے گا تو تم کو کون بچائے گا اس کو سوچو۔

دوسری بات ان سے یہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اسی پر توکل کیا، ہمیں اس سے ہر طرح سے خیر کی امید ہے اور ہم سراپا ہدایت پر ہیں لیکن تم اس بات کو نہیں مانتے۔سنو تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے جب تم کفر کی سزا پاؤ گے اس وقت واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تم گمراہ تھے اگرچہ ہمیں یہاں گمراہ بتاتے ہو ہم اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم اپنے بارے میں ہدایت پر ہونے کا یقین رکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ فیصلے فرمائے گا اور تم عذاب میں پڑو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ گمراہ ہم ہیں یا کہ تم ہو؟

اگر پانی زمین میں واپس ہو جائے تو اسے واپس لانے والا کون ہے؟

تیسری بات یہ فرمائی کہ آپ ان سے یوں فرمادیں کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا یہ پانی جو بارش کے ذریعہ تمہیں ملتا ہے اور جسے کنوؤں سے نکالتے ہو اور جسے میٹھی نہروں سے حاصل کرتے ہو یہ تمہارے پینے، کھانے پکانے، نہانے، دھونے اور باغوں اور کھیتوں کی آب پاشی میں کام آتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اس پانی کو ایسا کر دے کہ بالکل ہی زمین میں دور تک اترتا چلا جائے اور جہاں تک تمہاری رسائی نہ ہو وہاں تک پہنچ جائے تو بتاؤ وہ کون ہے جو پانی کو لے آئے۔صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ یہاں تک پہنچ کر تلاوت کرنے والا لفظ معین کے بعد یوں کہے کہ اللّٰہ رب العالمین (اللہ رب العالمین ہی پانی لاسکتا ہے) یعنی اللہ اس نعمت عظیمہ کو غائب فرمادے تو اس کے علاوہ کوئی بھی کہیں سے پانی دینے والا نہیں۔

تفسیر جلالین شریف میں لکھا ہے کہ جب سورۃ الملک کی آخری آیت بعض متکبروں نے سنی تو فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ کے جواب میں اس نے کہا تأتی بہ بالفؤس و المعاول (یعنی کدال اور پھاوڑہ کے ذریعہ پانی لے آئیں گے) اس کا کہنا تھا کہ اس کی آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا آنکھوں میں جو پانی ہے جس سے چمک، دمک اور روشنی ہے وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ ہے، جسے کدال اور پھاوڑہ پر غرور ہے وہ اپنی آنکھ کا خشک شدہ پانی پھاوڑہ چلا کر کھدائی کر کے لے آئے۔

فضیلت: ....احادیث شریفہ میں سورۃ الملک کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قرآن میں ایک سورت ہے، جس کی تیس آیتیں ہیں اس نے ایک شخص کے لئے شفاعت کر دی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا وہ سورت تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۱۸۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ اپنا خیمہ لگایا وہاں قبر تھی جس کا انہیں پتہ نہیں تھا وہاں انہوں نے ایک شخص کی آواز سنی جو سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا تھا اس نے پوری سورت ختم کر لی یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پوری کیفیت سنائی آپ نے فرمایا کہ یہ سورت عذاب سے روکنے والی ہے قبر والے شخص کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔(رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۸۸)

اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک سورۂ الم تنزیل (جو اکیسویں پارہ میں ہے) اور سورۂ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ نہیں پڑھ لیتے تھے۔ اس وقت تک (رات) کو نہیں سوتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۸۸)

وھذا آخر تفسیر سورة الملك بفضل الله المليك العلام، والحمد لله على التمام، الصلوة على البدر التمام، وعلى اله واصحابه البررة الكرام

۵۲ آیتیں ۲ رکوع	سورۃ القلم	مکی

اٰيَاتُهَا ۵۲ (۶۸) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۲) رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ القلم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳

نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور فرشتوں کے لکھنے کی' آپ اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ آپ کیلئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

اور بیشک آپ بڑے اخلاق والے ہیں۔ سو عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون تھا' بلاشبہ آپ کا رب اس شخص کو خوب

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷

جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے خطاب کہ آپ کیلئے بڑا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا' اور آپ صاحب خلق عظیم ہیں

یہاں سے سورۃ القلم شروع ہو رہی ہے (نٓ) حروف مقطعات میں سے ہو جو متشابہات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کی اور فرشتے جو کچھ لکھتے ہیں اس کی قسم کھا کر فرمایا کہ اے محمدؐ! آپ اپنے رب کے انعام کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں' مشرکین جو بطور عناد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو والعیاذ باللہ دیوانہ بتاتے تھے اس میں ان کی تردید فرمائی۔ مفسرین نے فرمایا کہ قلم سے وہ قلم مراد ہے جس نے لوح محفوظ میں کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کچھ لکھ دیا تھا جو آئندہ وجود میں آنے والا تھا اور وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے ان فرشتوں کا اعمال لکھنا مراد ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (علی ان ما مصدریۃ) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر فرمایا کہ لکھ۔ قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا وہ سب چیزیں لکھ دے جو مقدر ہو چکی ہیں لہٰذا قلم نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو ہمیشہ آئندہ ہونے والا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث اسنادہٗ غریب کما فی المشکوٰۃ ص ۲۱)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں القلم سے مطلق قلم مراد ہے جو قلم تقدیر کو اور فرشتوں اور انسانوں کے قلموں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے قلم اور جو کچھ قلم سے لکھا جاتا ہے اس کی قسم کھا کر فرمایا ہے:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ.

(آپ اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمت دی ہے۔ اپنے فضل سے نوازا ہے اور یہ نعمت نبوت ہے اس نعمت کی وجہ سے آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں اس دعوت کو سن کر یہ لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت مکمل ہو وہ مجنون نہیں ہوسکتا۔ قال صاحب الروح والمعنی انتفی عنک الجنون فی حال کو نک متلبسا بنعمة ربک. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے جنون کی نفی ہوگئی جبکہ آپ اس حال میں ہیں کہ آپ پر اپنے رب کی نعمتیں ہیں)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ شانہ نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ مذکورہ مضمون (مقسم بہ) کے بارے میں ایک قسم کی شہادت ہوتی ہے یہاں جو وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ لوگو دنیا کی تاریخ کو دیکھ لو کیا کیا لکھا گیا ہے اور کیا کیا حالات اور وقائع سنتے آرہے ہو کیا ایسے اعلیٰ اعمال اور اکمل خلق عظیم کو مجنون بتارہے ہیں وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ.

(اور بلاشبہ آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں)

یعنی یہ لوگ آپ کو دیوانہ کہہ رہے ہیں اور آپ انہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں انجام کار دعوت کی مشغولیت پر اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بڑا اجر وثواب ملے گا جو کبھی بھی ختم نہ ہوگا

پھر فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ.

(اور بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں)

اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی تعریف بھی ہے اور آپ کے دشمنوں کی تردید بھی ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاقِ فاضلہ کاملہ سے نوازا ہے آپ کے خلاف ان لوگوں کی تردید کررہے ہیں جو آپ ﷺ کو مجنون کہتے تھے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو احادیث شریفہ میں جو آپ کے مکارم اخلاق اور معاشرت ومعاملات کے واقعات لکھے ہیں ان کا مطالعہ کرلیا جائے۔ توراۃ شریف تک میں آپ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر پہلے ہی سے موجود تھا۔ (دیکھو صحیح بخاری ص ۱۸۵)

آپ صاحب خلق عظیم تھے اپنی امت کو بھی اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے مؤطا مالک میں ہے کہ آپ نے فرمایا بعثت لاتمم حسن الاخلاق کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں جو سب سے زیادہ بھاری چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ فحش گو اور بدکلام کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو، نہ کسی خادم کو ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد میں کسی کو مارا ہو تو اور بات ہے اور اگر کسی سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی ہو تو اس کا انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں

سے کسی کی بے حرمتی ہونے لگتی تو آپ اس کا انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کوئی نقصان ہو گیا تو آپ نے ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے ملامت ہوتی تو فرماتے کہ چھوڑو جانے دو جو چیز مقدر میں تھی وہ پیش آنی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹ عن المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیر لیتے تھے جب تک وہ ہی اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا اور آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی کے پاس بیٹھنے والے کی طرف ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہوں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر مسکرانے والا میں نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے (یمن جانے کے لئے) رخصت فرمایا تو جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آخری وصیت یہ فرمائی اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاس کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا (رواہ مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مؤمن آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو نمازوں میں قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ (سو آپ دیکھ لیں گے) بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ. (کہ تم میں سے کسے جنون ہے) جو لوگ آپ کو دیوانہ کہتے تھے (العیاذ باللہ) پہلے دلائل سے ان کی تردید کی پھر فرمایا کہ عنقریب ہی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب یوں منقول ہے کہ یہ اہل باطل جو آپ کو دیوانہ بتا رہے ہیں، روز قیامت ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ خود ہی دیوانے تھے۔

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ مطلب بتایا کہ عنقریب ہی سب کے سامنے اسی دنیا میں بات کی جائے گی کہ دیوانہ کون ہے؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات پھیلی دعوت آگے بڑھی۔ اہل عرب مسلمان ہوئے، اور جو دشمن تھے جاں نثار ہو گئے اور جنہیں قبول حق کی توفیق نہ ہوئی وہ ذلیل اور خوار ہوئے، غزوۂ بدر کے واقعہ نے سب کو بتا دیا کہ دیوانہ کہنے والے ہی دیوانے تھے۔ (روح المعانی ص ۲۹ ج ۲۹)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ.

(بلاشبہ آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے) ہر ایک کو اس کے مطابق جزا دے گا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ

سو آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانئے جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے جو دوسروں کو

مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ

عیب لگاتا ہے، چغل خور ہے، خیر سے روکنے والا ہے، گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے، سخت مزاج ہے اور اس کے بعد منقطع النسب بھی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ مال والا

وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

بیٹوں والا ہے۔ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں سے نقل کی جانے والی باتیں ہیں' ہم عنقریب اس کی سونڈ پر نشان لگا دیں گے۔

آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیئے وہ آپ سے مداہنت کے خواہاں ہیں

یہ نو آیات کا ترجمہ ہے ان میں سے پہلی دو آیتوں میں یہ فرمایا ہے کہ آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانئے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی آپ کے معاملہ میں نرمی اختیار کر لیں' اہل باطل کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خود تو حق کی طرف جھکتے نہیں ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ داعیانِ حق کو دعوت دیں کہ تم اپنی دعوت چھوڑ دو اور ہمارے کفر و گمراہی میں شریک ہو جاؤ' جب اس پر قابو نہیں چلتا تو کہتے ہیں کہ اچھا آپ کچھ نرم پڑ جائیں اپنی دعوت اور دعوت کے کاموں میں نرمی اختیار کر لیں ہم بھی اپنی مخالفت میں اور سختی میں کمی کر دیں گے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق دعوت دیتے رہیں اور دعوت میں کسی بھی طرح کی نرمی اور مداہنت کو منظور نہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرکین مکہ نے یوں کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں ہم بھی آپ کی مخالفت نہ کریں گے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کو راضی کرنے کیلئے کسی حق کام یا حق بات کا چھوڑ دینا جائز نہیں۔

ایک کافر کی دس صفات ذمیمہ: .... اس کے بعد جو سات آیت ہیں ان میں کسی کا نام نہیں لیا البتہ دس صفات ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ان صفات والے شخص کا اتباع نہ کیجئے' اس سے ان صفات کی مذمت بھی ہو گئی اور جو شخص ان صفات سے متصف ہو اس کی مذمت بھی ہو گئی' مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں جو لوگ اسلام اور داعیٔ اسلام ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے ان میں ایک شخص ولید بن المغیرہ بھی تھا یہ شخص بہت ہی زیادہ مخالفت پر اترا ہوا تھا ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔ نام لئے بغیر ارشاد فرمایا کہ ایسے ایسے شخص کی اطاعت نہ کیجئے اول تو (حَلَّافٍ) فرمایا یعنی بہت زیادہ قسمیں کھانے والا دوسرے (مَهِيْنٍ) فرمایا یعنی ذلیل تیسرے (هَمَّازٍ) فرمایا جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے غیبتیں کرتا ہے چوتھے (مَشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ) یعنی چغل خور ہے جو لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لئے چغلی کرتا ہے اور اس مشغلہ میں خوب آگے بڑھا ہوا ہے۔ پانچویں (مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ) یعنی خیر سے روکنے والا اس میں ہدایت سے روکنا بھی آ گیا اور جہاں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں ہاتھ روک لینے اور کنجوسی کرنے کو بھی شامل ہو گیا چھٹے (مُعْتَدٍ) فرمایا یعنی حد سے بڑھنے والا ظلم کرنے والا۔ ساتویں (اَثِيْمٍ) فرمایا یعنی گناہ گار' آٹھویں (عُتُلٍّ) فرمایا یعنی سخت مزاج' نویں فرمایا (بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ) یعنی یہ جو کچھ مذکور ہوا اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ منقطع النسب ہے۔ یہ شخص ثابت النسب نہیں تھا یعنی اس کا باپ معلوم نہ تھا حقیقت میں قریشی نہ تھا مغیرہ نے اس کی اٹھارہ سال عمر ہونے کے بعد اسے اپنا منہ بولا بھائی بنا لیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لفظ زنیم کا ترجمہ حرام زادہ کیا ہے۔ یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو بچہ ثابت النسب نہ ہو اس کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے پر ملامت نہیں ہے حرام زادوں میں افعال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان میں ثابت النسب والے افراد والی شرافت عموماً نہیں پائی جاتی۔ اس کی دسویں صفت ذمیمہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ مال والا اور بیٹوں والا ہے اس لئے یہ حرکت کرتا ہے کہ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جھٹلانے کے طور پر کہہ دیتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی چیزیں ہیں جو نقل در نقل چلی آ رہی ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرتا اور اس کی آیات کی تصدیق کرتا لیکن

اس نے مال اور اولاد پر گھمنڈ کر کے آیات قرآنیہ کی تکذیب پر کمر باندھ لی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرد کو اتنی صفات ذمیمہ کے ساتھ موصوف نہیں فرمایا جو ولید بن المغیرہ کی صفات فرمائیں۔

آخرت میں جو کفر پر مر جانے کی سزا ہے وہ اپنی جگہ ہے دنیا میں اس کو یہ سزا دی کہ اس کی ناک پر غزوۂ بدر کے موقع پر ایک تلوار لگی جس کی وجہ سے ناک پر زخم آ گیا اور مستقل ایک نشان بن گیا اس کی ناک بھی بڑی تھی جسے خرطوم سے تعبیر فرمایا ہے خرطوم ہاتھی کی ناک کو کہتے ہیں یہ شخص زندگی بھر اپنی اس عیب دار ناک کو لئے پھرتا تھا اور سب کے سامنے اس کی بدصورتی عیاں تھی۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا' جبکہ ان لوگوں نے آپس میں قسم کھائی کہ صبح کو چل کر پھل توڑ لیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے۔ سو وہ باغ صبح کو ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت ہو۔ سو صبح کے وقت وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا

لگے کہ صبح سویرے اپنے کھیت پر چلے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تمہارے پاس

الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ

کوئی مسکین نہ آنے پائے اور وہ اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔ پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راستہ بھول گئے بلکہ بات

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

یہ ہے کہ ہم محروم کر دیئے گئے' ان میں جو اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں بیان نہیں کرتے۔ کہنے لگے ہم اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں بلاشبہ ہم قصور وار

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا

ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر باہم الزام دینے لگے' کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بلاشبہ ہم حد سے بڑھ جانے والے تھے' امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے

خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

اس سے بہتر عطا فرما دے' بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں' اسی طرح عذاب ہوتا ہے' اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے'

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے۔

نصف پارہ ۲ع

ایک باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد مکہ معظمہ کے مشرکوں پر اللہ تعالیٰ نے قحط بھیج دیا تھا۔ قحط کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو آزمائش میں ڈالا یا جیسا کہ باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ یہ باغ کہاں تھا؟ باغ والے کون تھے؟ اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ باغ یمن میں شہر صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا اسے نمازی لوگوں نے بویا تھا جو لوگ اس کے وارث چلے آرہے تھے وہ بڑے سخی تھے جس دن باغ کے پھل کاٹتے تھے مساکین جمع ہو جاتے تھے اسی طرح کھیتی کاٹنے کے دن اور جس دن بھوسہ اور دانہ الگ کرتے تھے مساکین آجاتے تھے۔ یہ لوگ مساکین کو دل کھول کر پھل اور کھیتی اور بھوسہ سے نکالے ہوئے دانے دے دیا کرتے تھے۔ آخر میں یہ ہوا کہ ان میں سے ایک شخص کی موت ہوگئی اس نے اپنے تین لڑکے وارث چھوڑے اب جو کھیتی کاٹنے کا موقعہ آیا تو ان تینوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ مال کم ہے اہل وعیال زیادہ ہیں اب اگر ہم اسی طرح سخاوت کرتے رہیں اور مسکینوں کو دیتے رہے تو ہمارے لئے مال کم پڑ جائے گا اب تو مسکینوں سے جان چھڑانا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ آئندہ ہم بالکل صبح صبح باغ میں پہنچ جائیں گے اور مسکینوں کے آنے سے پہلے کاٹ کے گھروں میں لے آئیں گے۔ مشورے سے آپس میں یہ باتیں طے کیں اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم ضرور ایسا کریں گے۔ لیکن انشاء اللہ کسی کے منہ سے بھی نہ نکلا اول تو مسکینوں کو محروم کرنے کی قسم کھائی دوسرے انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اس باغ پر آفت بھیج دی یہ لوگ سوہی رہے تھے۔ انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ باغ کا کیا بنا؟ رات کو جو آفت آئی تو وہ کھیتی ایسی ہوگئی کہ پہلے سے کاٹ دی گئی ہو اسی کو فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ سے تعبیر فرمایا وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ پایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کالصریم کا ترجمہ کالرماد الاسود کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بنی خزیمہ کے لغت میں اس کا یہی ترجمہ ہے یعنی ان لوگوں کی کھیتی سیاہ راکھ کی طرح ہوگئی۔

صبح کو جو یہ لوگ اٹھے تو آپس میں ایک دوسرے کو بلایا آؤ اگر تمہیں اپنی کھیتی کی پیداوار پوری لینی ہے اور مسکینوں کو کچھ نہیں دینا ہے تو صبح صبح چلے چلو اور جلدی چلو ورنہ عادت کے مطابق مساکین آجائیں گے۔ چنانچہ یہ تینوں بھائی چل دیئے چلے جارہے تھے اور آپس میں چپکے چپکے یوں کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج ہم تک کوئی مساکین نہ پہنچنے پائے جو کچھ مشورہ کیا ہے اس پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ اور اپنے مال کو اپنے قبضہ میں کرلو۔

باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ باغ تو جلا ہوا ہے کہنے لگے کہ اجی یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں چلو اپنا باغ تلاش کرو ان میں سے بعض نے کہا کہ ارے یہ بات نہیں ہے ہمارا باغ یہیں تھا ہم اس کی خیر سے محروم کردیئے گئے ہیں کیونکہ ہم نے ٹھان لیا تھا کہ مساکین کو کچھ نہیں دینا ہے اس پر ہماری گرفت ہوئی جس کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا ان میں سے جو سب سے اچھا آدمی تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے یعنی انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے اب جب ان لوگوں نے باغ کو برباد دیکھا تو بڑی ندامت ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے ظلم کا فیصلہ کیا تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہ دیں گے۔

اس کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور الزام دینے لگے کہ تو نے یہ رائے دی تھی اور تو نے یوں کہا تھا اور کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی ہم نے سرکشی والا کام کیا اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے۔ مساکین کو دیتے تو اچھا ہوتا سرکشی کرکے ہم نے اس محرومی کو خود مول لیا (اب سمجھ میں آگیا کہ ہمیں وہی کرنا چاہیے تھا جو ہمارے باپ دادے کرتے تھے) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر عطا فرمائے گا جو باغ جل کر خاکستر ہوگیا ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا فرمادیا جس کے انگور کے خوشے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لاد کر لے جاتے تھے۔

آخر میں فرمایا کَذٰلِکَ الْعَذَابُ (اسی طرح عذاب ہے) جو شخص ہماری حدود سے آگے بڑھتا ہے اور حکم کی مخالفت کرتا ہے ہم اسے اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ (اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے)۔

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (تا کہ یہ لوگ جانتے ہوتے)۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ

بلاشبہ پرہیز گاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمت والے باغ ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہوا

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا

تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جسے تم پڑھتے ہو اس میں تمہارے لئے وہ چیز لکھی ہوئی ہو جسے تم پسند کرتے ہو۔ کیا تمہارے لئے ہمارے او پر قسمیں

بَالِغَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ

ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو؟ ان سے دریافت کیجئے کہ ان میں اس کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے لئے ٹھہرائے ہوئے

فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۴۱﴾

شریک ہیں، سو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں، اگر سچے ہیں۔

متقیوں کے لئے نعمت والے باغ ہیں اور مسلمین ومجرمین برابر نہیں ہو سکتے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی بندوں کے انعامات بیان فرمائے ہیں اولاً ارشاد فرمایا کہ انہیں ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغ ملیں گے، اس کے بعد فرمایا کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟ یعنی جو لوگ مجرم ہیں، انہیں اپنے جرم کی سزا ملے گی اور فرماں بردار بندے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا پھل پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نوازش ہوگی اور نعمتیں ملیں گی، نہ تو یہ ہوگا کہ فرماں بردار نعمتوں سے محروم ہو کر مجرمین کے برابر ہو جائیں اور نہ یہ ہوگا کہ کافرین کو نعمتیں دیدی جائیں، جب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو اہل کفر یوں کہتے تھے کہ دنیا میں ہمیں بھی یہ نعمتیں ملیں گی بلکہ ہم نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں، ان کی بات کی تردید فرمادی کہا اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ اور مزید فرمایا مَالَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ (تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو) تمہارا یہ فیصلہ تو عقل کے اور دنیا داری کے اصول کے خلاف ہے۔ دنیا میں جو اہل انصاف ہیں کیا مجرم اور غیر مجرم کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرتے ہیں؟ تم نے یہ کیسے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین اور سب سے بڑا انصاف والا ہے وہ مجرم اور غیر مجرموں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرے گا۔

اَمْ لَکُمْ کِتَابٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ (الی آخر الآیات)

یہ بات جو تم نے کہی ہے تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تمہارے پاس آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہے جسے تم آپس میں پڑھتے ہو؟ اور کیا اس کتاب میں یہ مضمون ہے کہ تم جو چاہو اپنے پاس سے اپنی خواہش کے مطابق کہہ دو گے اس کے مطابق فیصلہ ہو

جائے گا؟ پھر فرمایا کیا تمہارے لئے ہمارے اوپر قسمیں ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ تم بتاؤ۔

کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا عہد ہے کہ جو تم کہہ دو گے ہم وہی کر دیں گے اور تمہارے کہنے کے مطابق فیصلہ ہو گا؟ ایسا نہیں ہے پھر بڑھ چڑھ کر یہ باتیں اپنی طرف سے کیسے تجویز کر رہے ہو؟

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ.

(آپ ان سے دریافت کر لیجئے کہ ایسا کون شخص ہے جو ان کی باتوں کو صحیح ثابت کرنے کا ذمہ دار ہے)۔ یعنی ان کی نامعقول باتوں کو کوئی عاقل صحیح نہیں کہہ سکتا۔

پھر فرمایا اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ (الآیة) کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں سو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں۔ اگر سچے ہیں) یعنی کیا انہوں نے شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں، جنہوں نے انہیں ثواب دینے کا فرمانبرداروں کے برابر کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے اگر ایسا ہے تو اپنے شریکوں کو پیش کریں اگر اپنے خیال میں سچے ہیں۔

یعنی یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ فرماں بردار اور مجرم برابر ہوں گے نہ ان کے پاس اس مضمون کی کوئی آسمانی کتاب ہے نہ کسی دوسرے طریق وحی سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا وعدہ فرمایا ہے نہ اللہ کی مخلوق میں سے اس کے کچھ شریک ہیں، جنہوں نے اس بات کی ذمہ داری لی ہو کہ ہم تمہاری بات سچ کر دیں گے یا کروا دیں گے جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو یہ جاہلانہ بات کیسے کہتے ہیں؟

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جس دن ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے سو سجدہ نہ کر سکیں گے، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی،

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف اس حالت میں بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے۔

ساق کی تجلی اور منافقوں کی بُری حالت

ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب ساق کی تجلی ہو گی اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ سجدہ کرو مؤمن سجدہ کر لیں گے۔ اور منافقین اور ریا کار سجدہ نہ کر سکیں گے اور ان کی کمریں تختہ ہو جائیں گی، سجدہ کرنا چاہیں گے گدی کے بل گر پڑیں گے۔ صحیح بخاری ص ۷۳۱ اور ص ۱۱۰۷ اور صحیح مسلم ص ۱۰۰ اور ص ۱۰۴ پر اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے اور ساق کی تجلی ہونا متشابہات میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیفیت کے سمجھنے کی فکر نہ کریں یہی اصل طریقہ ہے، صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دار التکلیف نہیں ہے، کیونکہ بلایا جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہو گا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے جس میں مؤمن اس پر قادر ہوں گے اور اہل ریا و نفاق قادر نہ ہوں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے، جس کا آگے ذکر ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل قوله عزوجل یدعون الی السجود فلا یستطیعون یعنی الکفار والمنافقون

تصیر اصلابھم کصیاصی البقر فلا یستطیعون السجود (امام بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے ارشاد یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ کا مطلب یہ ہے کہ کفار و منافقین سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے تو ان کی کمریں گائے کے سینگوں کی طرح اکڑ جائیں گی لہٰذا وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے)

کافروں اور منافقوں کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ سجدہ کریں اس وقت یہ لوگ صحیح سالم تھے۔ سجدہ پر قادر تھے لیکن سجدہ نہیں کرتے تھے اگر کرتے تھے تو اخلاص سے نہ تھا دنیا میں حکم نہ ماننے کی وجہ سے آج ان کی رسوائی اور ذلت ہوئی۔ معالم التنزیل میں ص ۳۸۳ ج ۴ حضرت سعید بن جبیرؒ سے وقد کانوا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کانوا یسمعون حی علی الفلاح فلا یجیبون یعنی دنیا میں وہ اذان کی آواز سنتے تھے اور کانوں میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز آتی تھی لیکن نماز کے لئے نہیں آتے تھے۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَھُمْ ؕ اِنَّ

سو آپ مجھے اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں، ہم انہیں تدریجاً لے جا رہے ہیں اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میری

کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَھُمُ الْغَیْبُ فَھُمْ یَکْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

تدبیر مضبوط ہے، کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کے تاوان سے دبے جا رہے ہیں، کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھا کرتے ہیں۔

مکذبین کے لئے استدراج اور ان کو مہلت!

ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو وعید سنائی ہے اور پیرایہ ایسا اختیار کیا ہے کہ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے اس ضمن میں آپ ﷺ کی تسلی بھی مضمر ہے ارشاد فرمایا کہ آپ مجھے اور ان لوگوں کو رہنے دیجئے جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں یعنی عذاب آنے پر جو دیر لگ رہی ہے آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں ہم انہیں بتدریج جہنم کے عذاب کی طرف لے جا رہے ہیں اور وہ بھی اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں انہیں مہلت دی جا رہی ہے انہوں نے اس مہلت کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھ رکھا ہے اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر اپنے جانوں کو کامیاب سمجھ رہے ہیں حالانکہ سراسر ناکامی اور عذاب کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ ڈھیل ایک تدبیر ہے اور مضبوط تدبیر ہے ان کو جو مہلت دی جا رہی ہے وہ اس کی وجہ سے زیادہ معاصی میں منہمک ہو رہے ہیں اور یہ ہماری طرف سے استدراج ہے۔

پھر فرمایا کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں جس کے تاوان سے وہ دبے جاتے ہیں؟ یہ بطور استفہام انکاری کے ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبلیغ فرمانا اور ایمان کی دعوت دینا یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے آپ اللہ تعالیٰ ہی سے ثواب کی امید رکھتے ہیں ان سے تو آپ کسی طرح کی اجارت یا معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے اگر ان سے کچھ طلب فرماتے ہوتے تو ان کو اس کی ادائیگی مشکل پڑ جاتی جب آپ ان سے کوئی چیز طلب کرتے ہی نہیں تو انہیں خود سمجھ لینا چاہیے کہ دعوت کے کام میں اتنی محنت و کوشش کیوں کر رہے ہیں (لیکن وہ تو دنیاداری کے نشہ میں سمجھداری کو پاس آنے ہی نہیں دیتے اور برابر اعراض کئے جا رہے ہیں)

پھر فرمایا اَمْ عِنْدَھُمُ الْغَیْبُ فَھُمْ یَکْتُبُوْنَ.

(کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ لیا کرتے ہیں)۔

یہ بھی استفہام انکاری کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو کسی طریقے سے خود احکام خداوندی معلوم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ صاحب وحی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع سے بے نیاز ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احکام خود ہی معلوم کر لیا کریں۔ حالانکہ اپنے خالق کے احکام جاننا ضروری ہے جب اور کوئی ذریعہ اللہ کے احکام معلوم کرنے کا نہیں ہے اور آپ کی نبوت کا انکار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے تو اس کا انکار کرنا ان کی ناسمجھی بے وقوفی اور حماقت ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ

سو آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ اس نے اس حالت میں پکارا کہ وہ غم سے گھٹ رہا تھا اگر اس کے رب کی نعمت اس کی دستگیری

نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾

نہ کرتی تو وہ بدحالی کے ساتھ میدان میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کر لیا اور اس کو صالحین میں شامل فرما دیا۔

آپ صبر کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبر فرمانے کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے مخاطبین منکرین کو مہلت دی ہے ان پر جلد عذاب نہیں آیا اور آپ کو صبر کی تلقین فرمائی ہے اس پر عمل کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے۔ مچھلی والے سے حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے (جس کا ذکر سورۂ یونس اور سورۃ الانبیاء اور سورۃ الصافات میں گزر چکا ہے) تو انہیں مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں انہوں نے دعا کی کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے، یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا' ایک بلا اذن صریح حق تعالیٰ کے ہاں سے چلے آنے کا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہو جانے' اور وہ دعا یہ ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ.

(جس سے مقصود استغفار اور طلب نجات عن الحبس ہے (کذا فی بیان القرآن)

لَوْلَاۤ اَنْ تَدَارَكَهٗ (الآیۃ) اگر اللہ تعالیٰ کا انعام ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ بدحالی کے ساتھ میدان میں ڈال دیئے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرما دیا' مچھلی کے پیٹ سے باہر لایا۔ خشکی میں پہنچے ضعیف اور کمزور تھے اور ان پر ایک بیلدار درخت اُگا دیا جس سے سایہ ہو گیا جیسا کہ سورۂ صافات مذکور ہے۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصَّالِحِیْنَ.

(پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا اور برگزیدہ بنا لیا اور انہیں صالحین میں شامل فرما دیا۔ (بلا اذن خداوندی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کی خطا اجتہادی کا جو صدور ہوا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا اور صالحین کاملین ہی میں ان کا درجہ تھا۔)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ

اور کافر لوگ جب ذکر کو سنتے ہیں تو گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور کہتے ہیں کہ

لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

یہ مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرا دیں

مشرکین عرب کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر طرح کا وار کرنے کو تیار رہتے تھے اور جو بھی موقع لگتا تھا اس سے نہیں چوکتے تھے' آپ کو تکلیف پہنچانے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے انہوں نے آپ کو نظر بد لگوانے کی تدبیر سوچی بعض لوگ جن کی آنکھوں میں فطری طور پر نظر لگانے کی خاصیت ہوتی ہے اس وقت اس طرح کا ایک شخص تھا' اسے قریش مکہ نے آمادہ کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایسی نظر ڈال جس سے آپ مریض ہو جائیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب معالم التنزیل اور صاحب روح المعانی نے یہ بات لکھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ پر نظر لگوانے کا ارادہ کیا اور ایک آدمی کو اس پر آمادہ کیا لیکن اس کی آنکھوں کا آپ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ معروف نظر لگانا مراد نہیں ہے بلکہ بری بری نگاہوں سے دیکھنا مراد ہے' یعنی وہ آپ کو دشمنی کی وجہ سے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت کی وجہ سے آپ کو دیوانہ بتاتے ہیں' حالانکہ یہ قرآن جو آپ سناتے ہیں تمام جانوں کے لئے نصیحت ہے' بھلا دیوانہ آدمی ایسی باتیں سنا سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا مؤثر ہونا حق ہے جو بامر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے کثیر تعداد میں ایسی احادیث نقل کی ہیں جس میں نظر دور کرنے کے لئے دعا پڑھنے کا ذکر ہے' مؤطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر لگ جانا حق ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کے لئے جھاڑ سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں جھاڑ دیا کرو کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھنے والی ہوتی تو نظر بڑھ جاتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو (تکالیف سے) محفوظ رکھنے کے لئے یہ پڑھا کرتے تھے۔ اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَآمَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَآمَّةٍ. (اللہ کی پورے کلمات کے ذریعہ میں تمہیں ہر شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور برائی کے ساتھ نازل ہونے والی ہر آنکھ سے پناہ میں دیتا ہوں (رواہ البخاری))

اور فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم ان کلمات کو اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی حفاظت کے لئے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑنا مگر نظر لگانے سے یا زہریلے جانور کے ڈسنے سے۔ (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۳۹۰)

دیگر امراض کے لئے جھاڑ ناجائز ہے جو حضور ﷺ سے ثابت ہے ان دونوں چیزوں کے لئے جھاڑنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے ایسا فرمایا' جو کچھ بھی جھاڑ ہو اللہ کے ناموں سے قرآن مجید کی آیات سے اور مسنون دعاؤں سے ہو شرکیہ الفاظ سے نہ ہو۔ سورۂ نٓ والقلم کی یہ آخری دو آیتیں مجرب ہیں نظر بد کے لئے پڑھا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔

تم تفسیر نٓ والقلم والحمد للّٰہ اولاً و اٰخراً و باطنًا و ظاہرًا

☆☆☆ .... ☆☆☆

مکی	سورۃ الحاقۃ	۵۲ آیتیں ۲ رکوع

(۶۹) سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸) — اٰیَاتُهَا ۵۲ — رُکُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ الحاقۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ ۢبِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا

ہو جانے والی؟ کیا ہے وہ ہو جانے والی' اور آپکو کیا خبر ہے کہ کیا ہے وہ ہو جانے والی۔ ثمود نے اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز کی تکذیب کی' سو

ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

ثمود تو زور والی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ ہلاک کئے گئے۔ اللہ نے اس ہوا کو لگا تار سات رات اور آٹھ

وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ

دن ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سو اے مخاطب! تو ان لوگوں کو اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے دیکھتا کہ گویا وہ کھجور کے کھوکھلے درختوں کے تنے ہیں۔ سو کیا تجھے ان میں سے

مِّنْ ۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً

کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور الٹی ہوئی بستیوں نے گناہ کئے۔ سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی پھر اس نے ان کو سختی کے

رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲

ساتھ پکڑ لیا' بلاشبہ جب پانی کو طغیانی ہوئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھا دیا تا کہ ہم تمہارے لئے اس واقعہ کو نصیحت بنا دیں اور تا کہ اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں۔

کھڑ کھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کو جھٹلانے والوں کی ہلاکت

یہاں سورۃ الحاقۃ شروع ہو رہی ہے۔ الحاقۃ حَقَّ یَحُقُّ سے اسم فاعل ہے جس کا ترجمہ ہے واقع ہونے والی چیز یعنی جس کا وجود میں آجانا ضروری ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ اس سے قیامت مراد ہے' قرآن مجید میں اس کے کئی نام آئے ہیں' ان میں سے ایک القارعۃ بھی ہے جو اس سورت کی چوتھی آیت میں مذکور ہے علماء نحو نے فرمایا ہے الحاقۃ مبتداء اور ماالحاقۃ خبر ہے۔

طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے کہ جس سے قیامت کی اہمیت ظاہر ہو جائے ارشاد فرمایا کہ کیسی چیز ہے وہ ہو جانے والی اے مخاطب!

تجھے کیا خبر ہے کہ وہ ہو جانے والی چیز کیا ہے اس دن کی پیشی کے لئے فکرمند ہونا لازم ہے۔
جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے ان کی بنیادی دعوت تین چیزوں پر ایمان لانے کی تھی۔
۱۔توحید ۲۔رسالت ۳۔معاد یعنی وقوع قیامت
قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام اور قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے ان لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی دعوت کو نہیں مانا' وقوع قیامت کو جھٹلایا' لہٰذا عذاب میں پکڑے گئے اور ہلاک کئے گئے اسی کو فرمایا:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ.

(ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی چیز یعنی قیامت کو جھٹلایا)

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ.

(سو قوم ثمود کے لوگ طاغیہ یعنی سخت چیز کے ذریعہ ہلاک کئے گئے جو اپنی شدت میں حد سے بڑھی ہوئی تھی (یہ سخت ترین چیخ تھی جس کے ذریعہ ہلاک کئے گئے)

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ.

(اور عاد سو وہ تیز اور تند ہوا کے ذریعہ ہلاک کئے گئے)

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا.

(اللہ تعالیٰ نے اس تیز ہوا کو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط رکھا)

اسی کو سورہ حٰمٓ السجدہ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ.

(سو ہم نے ان پر ایک سخت تیز ہوا منحوس دنوں میں بھیج دی تاکہ ہم انہیں دنیا والی زندگی کی ذلت کا عذاب چکھائیں اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی)

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ.

(سو ان لوگوں کے گر پڑنے کا جو منظر تھا اے مخاطب! اگر تو اسے دیکھتا تو یوں معلوم ہوتا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں)

اسی تیز ہوا کے چلنے سے سب مر گئے ان میں سے ایک بھی نہ بچا اسی لئے بعد میں فرمایا فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ.

(اے مخاطب! کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھ رہا ہے جو بچا ہوا ہو)

فرعون کی بغاوت اور ہلاکت: ۔اس کے بعد فرعون اور اس سے پہلے باغیوں اور ان بستیوں کا ذکر فرمایا جو برے افعال کرنے کی وجہ سے پلٹ دی گئی تھیں ارشاد فرمایا

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ.

(اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں نے گناہ کئے)

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً.

(سو انہوں نے اپنے رب کے پیغمبر کی نافرمانی کی لہٰذا اس نے انہیں سخت گرفت کے ساتھ پکڑ لیا)۔

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا ذکر: .... اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰکُمْ فِی الْجَارِیَۃِ.

(بلاشبہ جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا)

اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا تذکرہ ہے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں مؤمنین سوار ہو گئے تھے جن کی تھوڑی سی تعداد تھی پھر انہی سے دنیا میں آبادی بڑھی اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل پھلی پھولی۔ نزول قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے اور جو اب موجود ہیں مؤمن ہوں یا کافر سب انہی لوگوں کی نسل ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر نجات پا گئے چونکہ ان لوگوں کا وجود ان لوگوں کی نجات سے متعلق ہے جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے اس لئے بطور امتنان حملنکم فی الجاریۃ فرمایا کہ ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھا دیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ.

(تاکہ ہم اس کو یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں)

کیونکہ اس میں اہل فکر اور اہل نظر کے لئے عبرت اور نصیحت ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾

سو جب صور میں پھونکا جائے گا ایک مرتبہ اور اٹھا دی جائے گی زمین اور پہاڑ پھر دونوں کو ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ

سو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز بالکل ضعیف ہو جائے گا اور فرشتے اس کے کناروں پر آ جائیں گے۔

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ

اور اس روز آپ کے پروردگار کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ جس روز تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی' سو جس شخص کے داہنے ہاتھ

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ

میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو' بلاشبہ میں پہلے ہی یقین رکھتا تھا کہ میرا حساب میرے سامنے پیش ہونے والا ہے' سو یہ شخص پسندیدہ

رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ

زندگی میں ہوگا۔ بہشت بریں میں ہوگا' اس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے' کھاؤ اور پیو مبارک طریقہ پر ان اعمال کے بدلہ جو تم نے گزشتہ دنوں میں

الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

آگے بھیجے تھے۔ اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا سو وہ کہے گا کہ ہائے کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا' اور میں نہ جانتا کہ

حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾

میرا حساب کیا ہے۔ ہائے کاش موت ہی میرا فیصلہ کر دیتی' میرے مال نے مجھے فائدہ نہیں پہنچایا' میری جو سلطنت تھی وہ برباد ہو گئی'

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

اس کو پکڑو اور اس کو طوق پہنا دو، پھر اسے دوزخ میں داخل کر دو، پھر ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا

بلاشبہ یہ شخص اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا جو عظیم ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ سو آج اس کے لئے کوئی

حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾

دوست نہیں ہے اور نہ غسلین کے علاوہ کوئی کھانا ہے، اسے صرف گناہگار ہی کھائیں گے۔

قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، عرش الٰہی کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے

ان آیات میں روز قیامت کے مناظر ذکر فرمائے ہیں، پہلے تو یوں فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا دیئے جائیں گے اور وہ دونوں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، تو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی، یعنی قیامت آ جائے گی اور آسمان پھٹ پڑے گا، سو وہ اس دن ضعیف ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوا گا۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عرش کو آٹھ فرشتوں کا اٹھانا نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

اس کے بعد قیامت کے دن کی پیشی کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ.

(اس دن تم پیش کئے جاؤ گے اس دن تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوگی)

یوں تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ علم ہے لیکن اس نے فرشتوں سے سب کے اعمال لکھوا بھی رکھے ہیں سورۃ الجاثیہ میں فرمایا

هٰذَا كِتَابُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.

(یہ ہماری کتاب جو تمہارے اوپر حق کے ساتھ بولتی ہے، بلاشبہ ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے)

اعمال ناموں کی تفصیل اور داہنے ہاتھ میں اعمال نامے ملنے والوں کی خوشی: .... اس کے بعد اعمال ناموں کی تفصیل ذکر فرمائی ارشاد فرمایا فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِیَهْ.

(سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ خوشی خوشی لوگوں سے کہے گا آؤ میری کتاب پڑھ لو) داہنے ہاتھ میں کتاب کا دیا جانے ہی دلیل اس بات کی ہوگی کہ یہ شخص کامیاب ہو گیا۔

اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ.

(مجھے پتہ تھا کہ بلاشبہ میں اپنے حساب سے ملاقات کرنے والا ہوں)

مجھے دنیا میں پیشی کا اور اعمال نامے دیئے جانے کا یقین تھا اسی لئے دنیا میں سنبھل کر اور سوچ سمجھ کر گناہوں سے بچا اور نیک کام کئے۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ.

(سو یہ شخص ایسی زندگی میں ہوگا جس سے راضی ہوگا اور خوش ہوگا)

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ. (بہشت بریں یعنی اونچی جنت میں ہوگا)

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ. (اس کے پھل قریب ہوں گے)

جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں فرمایا:

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ط (اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے)

یعنی ہر شخص جو پھل بھی چاہے بآسانی کھڑے ہوئے لیٹے بیٹھے توڑ سکے گا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا ۢ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ.

(ان سے کہا جائے گا کہ کھاؤ پیو تمہارا کھانا پینا مبارک ہے اس وجہ سے کہ تم نے گزشتہ دنوں میں یعنی دنیا میں اچھی زندگی گزاری تھی اور اعمال صالحہ اختیار کئے تھے)

بائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملنے والوں کی بد حالی: .... اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جن کے بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی فرمایا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتَابِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ.

(اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میری کتاب مجھے نہ دی جاتی اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے)

جس شخص کے حساب میں گڑبڑ ہو وہ یہی چاہتا ہے کہ میرا حساب مجھے نہ دکھایا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے تو اچھا ہوتا۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ.

(ہائے کاش دنیا میں جو مجھے موت آئی تھی وہی فیصلہ کر دینے والی ہوتی) اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کیلئے حاضر نہ کیا جاتا)

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ.

(میرے مال نے مجھے فائدہ نہ دیا)

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْ۔ دنیا میں جو اقتدار اور اختیار اور عہدہ اور منصب تھا وہ سب ختم ہو گیا اس نے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا۔

کافروں کی ذلت: .... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۔

(اس کو پکڑ لو پھر اس کو طوق پہنچا دو پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دو پھر ایک ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے)۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

(بلاشبہ یہ اللہ پر ایمان نہیں لایا جو عظیم ہے)

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ.

(اور وہ مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا)

داہنے ہاتھ میں اعمال دیئے جانے والوں کی خوشی اور خوش بختی اور بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جانے والوں کی بدحالی اور بدبختی آیت بالا میں علی الترتیب بیان فرمائی ہے۔

اہل جنت کے تذکرہ میں یہ فرمایا کہ وہ یوں کہیں گے کہ دنیا میں جو ہم سوچ سمجھ کر زندگی گزارتے رہے کہ ہمارے سامنے ہمارا حساب پیش ہوگا آج ہمیں یہ اس کا انعام ملا ہے اور اہل جہنم کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ یوں کہیں گے ہمیں دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تھا اچھا ہوتا' یہ جو ہم دنیا کے اموال اور اقتدار اور عہدوں اور منصبوں کی فکر میں لگے رہے یہ تو بیکار ہی گیا' یہاں نہ کوئی مال کام آیا اور نہ کسی عہدہ نے فائدہ پہنچایا' وہاں پچھتانے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا بس خیر اس میں ہے کہ اس دنیا میں ایمان قبول کرلیں اور نیک بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہو جائیں عہدوں کے طالب نہ ہوں اور مال کو مطلوب نہ بنائیں۔

دنیاوی حکومتیں: .... دنیا میں جو عہدے ہیں وہ تو بڑی مصیبتوں سے ملتے ہیں اور ان میں بڑے بڑے مظالم کرنے پڑتے ہیں۔ جب دنیا میں بادشاہت کا رواج تھا تو بادشاہت حاصل کرتے تھے اب جب سے دنیا میں جھوٹی جمہوریت آگئی ہے اس کی وجہ سے الیکشن لڑنے میں اور الیکشن کے بعد عہدہ مل جانے کی صورت میں پھر عہدہ کو باقی رکھنے کے لئے پھر الیکشن میں جو رقمیں خرچ کی گئیں انکی جگہ مال جمع کرنے کے لئے جو جو مظالم ہوتے ہیں قتل وخون کی نوبت آتی ہے رشوتیں دی جاتی ہیں اور رشوتیں وصول کی جاتی ہیں اور طرح طرح سے انسانوں کو ووٹ دینے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ اور ووٹوں کی خریداری ہوتی ہے ان سب باتوں کو الیکشن لڑنے لڑانے والے جانتے ہیں۔ اتنی مصیبتوں اور گناہوں کے ارتکاب کے بعد جو عہدہ ملا وہ تو لامحالہ وبال جان ہوگا پھر شریعت کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب ہوا سے عہدہ نہ دیا جائے (کیونکہ وہ اسی لئے عہدہ طلب کرتا ہے تاکہ وہ اپنی دنیا سیدھی کرلے اور جائیداد جمع کرلے) یہ عہدے آخرت میں وبال بنیں گے۔ یہاں دنیا میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ کوئی عہدہ مل گیا' وزیر بن گئے' وہاں زنجیر میں جکڑے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رانگ کا ایک حصہ چھوٹے سے پیالہ کے برابر زمین کی طرف آسمان سے چھوڑ دیا جائے تو رات کے آنے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے جو پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اگر رانگ کا وہ حصہ دوزخی کی زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک چلتا رہے گا۔

فائدہ:۔ دوزخی کی سزا کا سبب بتاتے ہوئے ایک تو یہ فرمایا کہ وہ مؤمن نہیں تھا۔ دوسرا یہ فرمایا کہ وہ مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں تھا' مسکین کو نہ کھلانا اور اس کے کھلانے کی ترغیب نہ دینا اتنی اہم بات ہے کہ اسے کفر کے ساتھ ذکر کیا گیا تو مسکین پر ظلم کرنا اور اسے کسی نے کچھ دیا ہو تو اسے چھین کر کھا جانا یا خود قابض ہو کر اپنا لینا کتنا بڑا گناہ ہوگا' خوب سمجھ لیا جائے۔

مجرمین غسلین کھائیں گے: .... فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۔ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۔ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ۔

(سو آج اس کے لئے یہاں کوئی دوست نہیں اور نہ غسلین کے علاوہ اس کے لئے کوئی کھانا ہے جسے صرف خطا کار ہی کھائیں گے)

لفظ غسلین فعلین کے وزن پر ہے' جو لفظ غسل سے ماخوذ ہے غسل دھونے کو کہتے ہیں' علماء تفسیر نے اس کا ترجمہ زخموں کے دھوون سے کیا ہے۔ غسلین کا معنی اگرچہ زخموں کا دھوون ہے اور زخموں کو اس وقت دھویا جاتا جب مرہم پٹی کی جائے اور صاف کرکے مرہم لگایا جائے لیکن دوزخیوں کا دھوون خود ان کے جسموں کی پیپ ہوگی جو اوپر سے نیچے تک بہتی رہے گی' علاج اور شفاء کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غسلین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔

انه الدم و المآء الذی یسیل من لحوم اھل النار.

(یعنی غسلین سے وہ خون اور پانی مراد ہے جو دوزخیوں کے گوشتوں سے بہتا رہے گا) (ذکرہ صاحب الروح ص ۵۸ ج ۲۹)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ

سو میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم نہیں دیکھتے' بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور وہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے' تم بہت کم سمجھتے ہو' یہ اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر یہ شخص ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے' پھر اس کی دل کی رگ کاٹ دیتے۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ

پھر تم میں سے کوئی اسے سزا سے بچانے والا نہ ہوتا' اور بلاشبہ وہ متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور بلاشبہ ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں

مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

جھٹلانے والے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ کافروں کے حق میں حسرت ہے اور بلاشبہ وہ بالیقین حقیقی بات ہے۔ سو آپ رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کیجئے

ع ۲ / ۱۵

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متقیوں کے لئے نصیحت ہے

ان آیات میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کریم کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں اور دشمنوں کی باتوں کی تردید فرمائی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کو تیار نہ تھے۔

اولاً ارشاد فرمایا کہ تم جن چیزوں کو دیکھتے ہو اور جن چیزوں کو نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ شاعر لوگ شاعرانہ باتیں کرتے تھے وہ عام لوگوں کی باتوں سے مختلف ہوتی تھیں۔ اور کاہن لوگ شیاطین سے سن کر آئندہ ہونے والی بات بتا دیتے تھے (جس کا ذکر سورۂ جن میں آ رہا ہے اور سورۂ حجر اور سورۂ سبا اور سورۂ صٰفّٰت میں گزر چکا ہے) اور ان میں اپنے پاس سے اور بہت سی باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے اور تک بندی کی طرح کچھ باتیں کہہ جاتے تھے اہل مکہ نے قرآن کریم کو شاعروں کاہنوں کا کلام بتا دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ شاعر ہیں نہ کاہن ہیں نہ ان لوگوں کے پاس آپ کا اٹھنا بیٹھنا ہے مگر انسان کی ضد و عناد ایسی چیز ہے کہ جب انسان اس پر کمر باندھ لے اور حق سے بالکل ہی منہ موڑ لے تو قبول حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے ان میں بہت کم کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق کو قبول کرے اور اپنی سمجھ سے کام لے اس لئے ان لوگوں کا حال بیان فرماتے ہوئے:

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (تم بہت کم ایمان لاتے ہو) اور

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (تم بہت کم سمجھتے ہو) بھی فرمایا

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ہ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ،

جوفرمایا اس میں ان چیزوں کی قسم کھائی جنہیں بندے دیکھتے ہیں اور جنہیں نہیں دیکھتے صاحب روح المعانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی جو بندوں کے مشاہدات اور مغیبات ہیں اس لئے حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی مخلوق کی قسم کھا کر بتاکید یہ فرمایا کہ قرآن رسول کریم ہی کالایا ہوا کلام ہے حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ تُبْصِرُوْنَ سے آثار قدرت اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ سے اسرار قدرت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اجسام اور ارواح مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انسان اور جن اور ملائکہ مراد ہیں وقیل غیر ذلک (روح المعانی ص ۲۰ ج ۲۹)

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. رسول کریم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلام جس کے واسطہ سے تم لوگوں تک پہنچ رہا ہے وہ اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہے جو اللہ کے یہاں گرامی قدر ہے' جس کا بڑا مرتبہ ہے وہ اس کلام کو لے کر اللہ کی زمین والے رسول کے پاس آیا ہے یعنی بواسطہ جبرائیل علیہ السلام حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رسول کریم سے خود رسول کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ کلام تمہیں تمہارا رسول سناتا ہے جسے اللہ تعالیٰ شرف رسالت سے نواز دے وہ سچا ہی ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(یہ کلام رب العلمین کی طرف سے اتارا ہوا ہے) اس میں کلام سابق کی تاکید بھی ہے اور توضیح بھی ہے کوئی کم فہم قول رسول کریم کا یہ مطلب سمجھ سکتا تھا کہ یہ ان کا ذاتی کلام ہے لہٰذا واضح فرمادیا کہ یہ کلام تمہارے سامنے نکلا تو ہے رسول کریم کی زبان سے لیکن اتار ارب العلمین کی طرف سے ہے

ثالثاً یہ فرمایا وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ، لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ؛ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ.

(اور اگر یہ شخص ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اس کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی اسے سزا سے بچانے والا نہ ہوتا)

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو سچا ثابت فرمایا ہے ارشاد فرمایا یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی ہے اگر یہ ہماری طرف کچھ جھوٹی باتیں منسوب کر دیتا یعنی نبوت کا جھوٹا دعویدار ہوتا اور ہماری طرف کسی ایسی بات کی نسبت کر دیتا جو ہماری طرف سے نازل نہیں کی گئی تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کے دل کی رگ کاٹ دیتے تو اس کو تم میں سے کوئی شخص نہیں بچا سکتا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ موت دینے کو اس طرح جو تعبیر فرمایا کہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی دل کی رگ کاٹ ڈالتے اس میں ہلاکت کرنے کی ایک رسوا کن تصویر بیان فرمائی۔ جب بادشاہ کسی پر غصہ ہوتے تھے تو اس کے قتل کرنے کے لئے جلاد کو حکم دیتے تھے' جلاد یوں کرتا تھا کہ پہلے مقتول کے داہنے ہاتھ کو پکڑتا تھا' پھر اس کی گردن ماردیتا تھا' اس کے بعد حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ ان المعنی لقطعنا یمینه ثم لقطعنا وتينة عبرة ونكالاً یعنی ہم اولاً اس کے داہنے ہاتھ کو کاٹ دیتے پھر ہم اس کی رگ جان کو کاٹ دیتے تاکہ دوسروں کے لئے عبرتناک سزا ہو جائے۔

رابعاً یہ فرمایا' وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (اور بلاشبہ یہ قرآن نصیحت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے۔
خامساً یہ فرمایا وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ (اور بلاشبہ ہم یہ جانتے ہیں تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو جھٹلانے والے ہیں)
لہٰذا ان جھٹلانے والوں کو ان کے جھٹلانے کی سزا ملے گی۔
سادساً یہ فرمایا: وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ.
(اور بلاشبہ یہ قرآن کافروں کے لئے بہت بڑی حسرت کا سبب ہے)
جب قیامت کے دن اہل ایمان کو قرآن کے ماننے اور اس پر ایمان لانے کی وجہ سے اور اس کے مطابق اعمال اختیار کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور جنت کی نعمتوں سے مستفید اور منتفع ہوں گے اس وقت کافروں کو حسرت ہوگی اور خیال ہوگا کہ ہائے کاش! ہم نے بھی قرآن کو مان لیا ہوتا اور عذاب سے بچ جاتے۔
سابعاً وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ فرمایا (اور بلاشبہ یہ قرآن یقینی طور پر حق ہے
جس کے حق اور سچا ہونے میں ذرا سا بھی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔
سورت ختم پر فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ؈
(سو اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کیجئے) اللہ سب سے بڑا، اس کا نام بھی سب ناموں سے بڑا ہے' اس کی پاکی بیان کریں اور اس کی تسبیح میں لگے رہیں' اس کی کمال ذات اور کمال صفات کو بیان کرتے رہیں۔
تنبیہ:۔ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد (جن پر نبوت ختم کرنے کا سورۂ احزاب رکوع نمبر ۶ میں اعلان فرمادیا ہے) بہت سے آدمیوں نے نبوت کے دعوے کئے یہ ظاہر ہے دعوے جھوٹے تھے ایسے لوگ آتے گئے مقتول بھی ہوئے اور کیفر کردار تک پہنچے' ان میں سے ایک شخص مسیلمہ پنجاب بھی تھا' جو قادیان ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا' اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور جھوٹی پیشین گوئیوں کا سہارا لیا اور اس کی ہر پیشن گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور خاص کر جس جس پیشن گوئی پر سچا ہونے کا مدار رکھا تھا' خاص کر وہ تو دنیا کے سامنے کھل کر واضح طور پر جھوٹی ثابت ہوگئی۔ اس جھوٹے مدعی نبوت نے اپنے نبی ہونے پر سورۃ الحاقہ کی مذکورہ بالا آیات سے استدلال کرتے ہوئے یوں کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو اب تک سزا مل گئی ہوتی، میں مر چکا ہوتا اور میری رگ جان کٹ چکی ہوتی' آیت کریمہ میں صرف محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر ان کا دعویٰ صحیح نہ ہوتا تو ہم ان کو سزا دے دیتے اس میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ آپ کے بعد جو بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا ہم اسے موت دے دیا کریں گے اور اس کی رگ جان کاٹ دیا کریں گے۔ آیت کا یہ مفہوم اس جھوٹے شخص، اور اس کے مشورہ دینے والوں نے خود سے نکالا ہے' اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بہت سے نبوت کے دعویدار گزرے ہیں ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوا' جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے تو کیا العیاذ باللہ وہ سب سچے ہو گئے؟ پھر ایک سمجھدار آدمی کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ اگر یہ پنجاب کا مدعی نبوت جلدی مر جاتا تو اس سے اس کی ذلت زیادہ ظاہر نہ ہوتی' ہوا یہ کہ جیسے جیسے اس کے دعوے بڑھتے گئے پیشن گوئیاں جھوٹی ثابت ہوتی چلی گئیں اور برابر ذلیل ہوتا گیا اور اسہال میں مر گیا۔
اس جھوٹے مدعی نبوت کو سورۃ النساء کی آیت کریمہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ نظر نہ آئی' جس میں واضح طور پر یہ بتادیا گیا ہے کہ جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی ہو اور وہ مسلمانوں کے راستہ کے خلاف کسی دوسرے

راستہ کا اتباع کرے تو ہم اس کو اس طرح پھیرے رکھیں گے جس طرح وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے بات یہ ہے کہ جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے اور تنبیہ کرنے والوں کی تنبیہ پر واپس نہیں آتا اللہ جل شانہ اس کے دل میں مزید زیغ اور گمراہی ڈال دیتا ہے جیسا کہ سورۂ صف میں فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ط

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی مدعی نبوت اور کوئی بھی ملحد اور زندیق اور گمراہی کا داعی اور ضلال اور عقائد باطلہ کا پیشوا اس دھوکہ میں نہ رہے کہ چونکہ میں جی رہا ہو اور کھا رہا ہوں اور پی رہا ہوں اور میرے ماننے والے بڑھ رہے ہیں اور مجھے کوئی سزا نہیں مل رہی ہے اس لئے میں صحیح راہ پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى بھی سامنے رکھنا لازم ہے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ مؤمنین کے راستہ سے ہٹ کر جو بھی کوئی شخص گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا ہم اسے اس پر رہنے دیں گے اور ساتھ ہی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ کا استحضار رہنا بھی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ہم ایسے شخص کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ سورۂ نساء کی آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مؤمنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔

الحمد لله على تمام تفسير هذه سورة الحاقة اولا و اخرًا و باطنًا و ظاهرًا.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ المعارج	۴۴ آیتیں ۲ رکوع

(۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (۷۹) — اٰيَاتُهَا ۴۴ — رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ المعارج مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چوالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ

سوال کیا ایک سوال کرنے والے نے عذاب کے بارے میں جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں' یہ عذاب اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو معارج والا ہے۔ فرشتے

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾

اور روحیں اس کی طرف چڑھ کر جاتی ہیں' یہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ سو آپ ایسا صبر کیجئے جو صبر جمیل ہو۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾

بیشک وہ اس دن کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

قیامت کے دن کافروں کی بدحالی اور بے سروسامانی ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا

یہاں سے سورۃ المعارج شروع ہو رہی ہے چونکہ اس میں لفظ ذی المعارج وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے سورۃ المعارج کے نام سے موسوم ہوئی' المعارج معرج کی جمع ہے' جس کا معنی ہے چڑھنے کی جگہ مفسرین نے فرمایا کہ المعارج سے آسمان مراد ہیں۔ چونکہ آسمانوں سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمانوں کی طرف فرشتوں کا آنا جانا رہتا ہے اس لئے آسمانوں کو المعارج فرمایا اور خالق تعالیٰ شانہ' ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے آسمان بھی اس کی مخلوق ہے جہاں سے فرشتوں کا گزر ہوتا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ کا ایک وصف ذی المعارج ذکر فرمایا۔ مفسرین کرام نے اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول یہ ذکر فرمایا ہے کہ نضر بن حارث جو ایک بڑا مشرک اور مکہ معظمہ میں اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت زیادہ کٹر دشمن تھا اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ دین (جو محمد ﷺ لائے ہیں) حق ہے (جسے ہم قبول نہیں کر رہے ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دیجئے یا ہم پر دردناک عذاب لے آیئے (روح المعانی میں امام نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ بالا دعا ابوجہل نے کی تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ؕ

(یعنی ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے' جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے یہ عذاب

اللہ کی طرف سے ہوگا جو معارج یعنی آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا مالک ہے) اللہ تعالیٰ کی صفت کے بیان فرمانے میں بظاہر یہ نکتہ ہے کہ زمین پر رہنے والے عذاب کا سوال کررہے ہیں، زمین تو ان کے قریب ہی ہے اس میں دھنسائے جا سکتے ہیں اور زلزلہ اور بھونچال کے ذریعے بھی ہلاک کئے جا سکتے ہیں اور آسمان کی جانب سے بھی ان پر عذاب آ سکتا ہے۔ انہوں نے جو آسمان سے پتھر برسانے کی دعا کی ہے، یہ دعا بعینہ قبول بھی ہو سکتی ہے اور پتھر برس سکتے ہیں۔ جیسے زمین میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اسی طرح وہ آسمانوں اور جو چیزیں ان میں ہیں، ان سب کا بادشاہ ہے۔ یہ تو آیات کا ترجمہ اور سبب نزول بیان ہوا اور نتیجہ اس دُعا کا یہ ہوا کہ نضر بن حارث اور ابوجہل دونوں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے مشرکین بھی مارے گئے۔ جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ تھے۔ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی تعداد ستر تھی اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لایا گیا، خود ان کی بددُعا ان کے حق میں لگ گئی پھر ان قیدیوں میں سے بعض لوگ بعد میں مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ

(فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں)

یعنی عالم بالا میں جو مواقع ان کے عروج کے مقرر فرما دیئے ہیں وہاں تک پہنچتی ہیں۔ قال صاحب الجلالین الی مهبط امره من السمآء.

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ

(ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی)

صاحب بیان القرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ ذی المعارج کے بعد تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان فرمائی ہے اور فِيْ يَوْمٍ متعلق ہے محذوف سے اور مطلب یہ ہے کہ سائل نے جس عذاب کا سوال کیا ہے وہ عذاب ایسے دن واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے حیث قال فی یوم متعلق بمحذوف ای یقع العذاب بهم فی یوم القیمٰة (جبکہ یوم کے بارے میں کہا ہے کہ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے مطلب یہ کہ ان پر قیامت کے دن عذاب واقع ہوگا) اس میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو عذاب مانگا تھا وہ تو غزوۂ بدر میں آ چکا پھر لفظ فی یوم کو یقع سے کیوں متعلق کیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت سے معارض نہیں ہے دنیا میں بھی عذاب واقع ہوگا اور آخرت میں بھی واقع ہوگا اگر دونوں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، جملہ فی یوم کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔

وایا ماکان فالجملة استیناف موکدلما سبق له الکلام وقیل هومتعلق بواقع وقیل بدافع والمراد بالیوم علی هذه الاقوال ماارید به فیما سبق ' وتعرج الملئکة والروح الیه مستطرد عند وصفه عزوجل بذی المعارج وقیل هو متعلق بتعرج کما هوالظاهر الاان العروج فی الدنیا والمعنی تعرج الملٓئکة والروح الی عرشه تعالیٰ ویقطعون فی یوم من ایامکم مایقطعه الانسان فی خمسین الف سنة لوفرض سیره فیه.

(اور جو بھی ہو جملہ استینافیہ ہے مقصد کلام کے لئے مؤکد ہے اور بعض نے کہا یوم واقع کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا دافع کے متعلق

ہے۔ ان اقوال کے مطابق یوم سے مراد وہی جو کہ پہلے مراد لیا گیا ہے اور فرشتوں اور روح کا اس کی طرف چڑھنا اللہ تعالیٰ کی صفت ذی المعارج کی طرف لوٹتا ہے۔ بعض نے کہا تعرج کے متعلق ہے جیسا کہ ظاہر ہے مگر یہ تب یہ عروج دنیا میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ فرشتے اور روح اللہ تعالیٰ کے عرش کی طرف تمہارے دنوں میں سے ایک دن کی مقدار میں چڑھتے ہیں جس فاصلہ کو انسان پچاس ہزار سال میں طے کرے اگر اس میں اس کا چلنا فرض کیا جائے تو)

ہزار سال اور پچاس ہزار سال میں تطبیق: ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس سے بظاہر قیامت کا دن مراد ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کو سزائیں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اور سورۂ الم سجدہ میں فرمایا ہے: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہونگے جو آدھا دن ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷)

ایک ہی دن کے بارے میں ایک ہزار سال بھی بتایا اور اسکی مقدار پچاس ہزار سال بھی بتائی۔ اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا کہ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہوگا کافروں کے لئے پچاس ہزار سال ہی کا دن ہوگا' اور انہیں حساب کی سختی کی وجہ سے اتنا ہی لمبا معلوم اور محسوس ہوگا اور مؤمن آدمی کے لئے ہلکا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جو دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی (بطور تعجب اور اظہار تشویش یہ سوال کیا) آپؐ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن مؤمن پر ہلکا کر دیا جائے گا' یہاں تک کہ جو دنیا میں ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا کر دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

اس سلسلے میں ہم نے سورۂ حج کی آیت وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور سورۂ الم سجدہ کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (سو آپ ایسا صبر کیجئے جو صبر جمیل ہو) صبر جمیل اسے کہتے ہیں جس میں شکایت کا نام نہ ہو' مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان کو حق پہنچایا، حق کی دعوت دی' آپ کے ذمہ جو کام تھا وہ آپ نے کر دیا اب جو یہ لوگ نہیں مانتے کفر پر جمے ہوئے ہیں' آپ ان کی طرف سے دلگیر نہ ہوں اور رنج میں نہ پڑیں صبر سے کام لیں اور صبر جمیل اختیار فرمائیں دنیا میں نہیں تو قیامت کے دن تو ہر کافر کو سزا ملنی ہی ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا

(یہ لوگ قیامت کے دن کو دور دیکھ رہے ہیں (یعنی یہ سمجھ رہے ہیں کہ صرف کہنے کی باتیں ہیں قیامت آنے والی نہیں ہے) اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ قیامت آنی ہے اور ان لوگوں کو اس دن عذاب ہونا ہی ہے' اسی کو سورۂ انعام میں فرمایا۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔

بلاشبہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آ جانے والی چیز ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو)۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ

جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہوں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجود یکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ

گے مجرم شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنے کنبے کو جس میں وہ

تُـْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝

رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنی جان کے بدلہ میں دے دیتا پھر یہ اس کو بچا لیتا یہ ہرگز نہیں ہوگا بے شک وہ آگ شعلے مارنے والی ہے۔ سر کی کھال اتار دینے والی ہے

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

وہ اس شخص کو بلاتی ہے جس نے پشت پھیری اور بے رخی اختیار کی اور مال جمع کیا پھر اس کو سنبھال کر رکھا۔

قیامت کے دن ایک دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھے گا
رشتہ داروں کو اپنی جان کے بدلہ عذاب میں بھیجنے کو تیار ہونگے

ان آیات میں قیامت کے دن کی بعض بڑی چیزوں کے ادل بدل ہو جانے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور پہاڑ رنگی ہوئی اون کی طرح ہوں گے سورۃ القارعہ میں لفظ المنفوش کا بھی اضافہ ہے مطلب یہ ہے کہ پہاڑ رنگی ہوئی اون کی طرح ہوں گے جو اڑتے ہوئے پھریں گے۔

آسمان کے بارے میں جو کالمُهْل فرمایا اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے یعنی تیل کی تلچھٹ اور صاحب جلالین نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کذائب الفضۃ کیا ہے یعنی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہوگا اس میں آسمان کی ایک کیفیت ذکر فرمائی ہے جو واھیۃ کی تصویر ہے جیسا کہ گزشتہ سورت میں فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ گزر چکا ہے۔

آسمانوں اور پہاڑوں کا یہ حال بیان فرمانے کے بعد میدان قیامت میں حاضر ہونے والوں کی حیرانی اور پریشانی بیان فرمائی' ارشاد فرمایا وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۔ (اور اس دن کوئی بھی دوست کسی بھی دوست کو نہ پوچھے گا) يُبَصَّرُوْنَهُمْ (آپس میں ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے) یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی مدد اور ہمدردی نہیں کر سکے گا۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۔ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۔

(مجرم) شخص آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبہ کو جو اسے ٹھکانہ دیتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنی جان کے بدلہ میں دے کر عذاب سے چھٹکارا پالے) مطلب یہ ہے کہ اس دن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور ایسی نفسا نفسی ہوگی کہ انسان دنیا میں جن لوگوں پر جان دیتا تھا ان کو اپنی جان کے عوض عذاب میں ڈال کر اپنی جان بچانے کی تمنا کرے گا لیکن وہاں کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا اور ہر شخص کو اپنا اپنا عذاب بھگتنا ہوگا' اسی کو فرمایا كَلَّا (ہرگز ایسا نہ ہوگا) کہ کوئی شخص اپنی

جان کا بدلہ دے کر چھوٹ جائے۔

اِنَّهَا لَظٰى۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ

(بلاشبہ وہ دوزخ سخت گرم چیز ہے جو سر کی کھال اتار دینے والی ہے)

جب دوزخ کی آگ جلائے گی تو سر کی چمڑی اتر کر علیحدہ ہو جائے گی۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى (دوزخ اس کو پکارے گی جس نے دنیا میں پشت پھیری اور بے رخی کی اور مال جمع کیا اور پھر اس کی حفاظت کرتا رہا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ سے یہاں تک کافر کا حال بیان ہوا ہے' پہلے تو یہ بتایا کہ کافر مجرم عذاب سے بچنے کے لئے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو اور کنبہ قبیلہ کو اور جتنے بھی اہل زمین ہیں سب کو اپنی جان کے عوض دے کر اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کرے گا پھر یہ بتایا کہ وہ کسی طرح عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا' اسے دوزخ میں جانا ہی جانا ہے' دوزخ اپنے لوگوں کو پہچانے گی اور پکار پکار کر آواز دے دے کر بلائے گی۔ کافروں کے کرتوت تو بہت ہیں لیکن اجمالی طور پر دنیا میں حق سے پشت پھیر کر جانے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے اعراض کرنے اور مال جمع کرنے اور اسے اٹھا اٹھا کر رکھنے یعنی خرچ نہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔

اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى میں کفر سے متصف ہونا بیان فرما دیا اور جَمَعَ فَاَوْعٰى میں مال کی محبت کا تذکرہ فرما دیا اور کافروں کی صفت بخل بھی بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ انہیں مال سے محبت تھی' حقوق اللہ ضائع کر کے اور حقوق العباد تلف کر کے مال پر مال جمع کرتے رہے' سود بھی لیا اور غبن بھی کیا' خیانتیں بھی کیں' اموال غصب بھی کئے' نوٹوں کی گڈیوں کی محبت میں بینک بیلنس کی فکر میں حلال' حرام کچھ نہ دیکھا ایسی صورت میں لامحالہ دوزخ ہی ٹھکانہ ہوگا' جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں' انہیں بھی فکر کرنا چاہیے کہ ہمارا مال کہاں سے آ رہا ہے اور مال جمع کرنے میں کتنے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے' پھر حلال مال مل جائے تو اس میں سے فرائض اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے ابن آدم تو اللہ کی وعید سنتا ہے پھر بھی مال سمیٹتا ہے۔ (ذکرہ ابن کثیرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی' جن سے دیکھتی ہوگی اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتی ہو گی وہ کہے گی میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں۔

۱۔ ہر سرکش ضدی پر ۲۔ ہر اس شخص پر جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود ٹھہرایا۔

۳۔ تصویر بنانے والے پر (مشکوٰۃ المصابیح)

تفسیر ابن کثیر میں سے نقل کیا ہے کہ جس طرح جانور دانہ تلاش کر کے چگ لیتا ہے اسی طرح دوزخ میدان حشر سے ان لوگوں کو دیکھ بھال کر چن لے گی جن کا دوزخ میں جانا مقرر ہو چکا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا

بے شک انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو خوب گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے اور جب اس کو اچھی حالت مل جاتی ہے تو منع کرنے والا بن جاتا ہے' سوائے ان

الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝

لوگوں کے جو نمازی ہیں جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں سوال کرنے والے کے لئے اور محروم کے لئے حق معلوم ہے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝

اور جو لوگ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا

بلاشبہ انکے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ملکیت میں آنے والی

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

باندیوں کے سو وہ ان کے بارے میں ملامت کئے جانے والے نہیں ہیں۔ سو جس نے اسکے علاوہ کوئی جگہ تلاش کی تو یہ وہ لوگ ہیں جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں اور وہ لوگ

هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝

حفاظت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو بہشتوں میں باعزت رہیں گے۔

انسان کا ایک خاص مزاج، گھبراہٹ اور کنجوسی، نیک بندوں کی صفات اور ان کا اکرام وانعام

آیات بالا میں انسان کی بعض صفات رذیلہ اور بہت سی صفات جمیلہ بیان فرمائی ہیں اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ دوزخ انہیں بلائے گی جنہوں نے روگردانی کی، پشت پھیری اور مال جمع کیا اور اٹھا اٹھا کر رکھا اور ان آیات میں سے پہلی اور دوسری اور تیسری آیت میں انسان کا ایک خاص مزاج بتایا ہے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا

(بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ الهلع سورة الجزع یعنی جلدی سے گھبراہٹ میں پڑ جانے کو ھلع کہا جاتا ہے یہ لفظ ناقة هلوع سے لیا گیا ہے جو اونٹنی سریع السیر ہو تیز چلنے والی ہو اس کے لئے ناقة هلوع بولا جاتا ہے اس کے بعد فرمایا

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں ھلوع کا معنی بیان فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کے ھلوع ہونے کا زیادہ مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ تکلیف پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبراہٹ میں پڑ جاتا ہے خوب جزع فزع کرتا ہے اور ہائے ہائے کرنے بیٹھ جاتا ہے (اسی کو کم ہمت سے تعبیر کیا گیا ہے)

اور جب مال مل جاتا ہے تو اسے خرچ کرنا نہیں چاہتا' اللہ تعالیٰ جب مال دے دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات میں اور مقرر کردہ حقوق میں خرچ نہیں کرتا' ضرورت مندوں کی حاجتیں رکی رہتی ہیں لیکن مال کو بھینچ کر رکھے رہتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ تجوری بھری رہے بینک بیلنس بڑھتا رہے اس میں اور ملا لوں لیکن جو موجود ہے اس میں سے خرچ نہ کروں یہ جانتے ہوئے کہ نہ میں ہمیشہ رہوں گا نہ مال ہمیشہ رہے گا نہ مال ساتھ جائے گا پھر بھی مال کو دبائے بیٹھا رہتا ہے یہی خرچ نہ کرنے کا جذبہ بخل اور کنجوسی کہلاتا ہے بخل کی صفت انسان کو نیک کاموں میں آگے نہیں بڑھنے دیتی اور صدقات اور خیرات کے کاموں سے روکتی ہے بخیل آدمی جب خرچ کرنے لگتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جان نکل جائے گی۔ اسی کو حدیث شریف میں فرمایا **شرما فی الرجل شح هالع وجبن خالع** (بلاشبہ انسان میں جو سب سے بری خصلت ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈال دیتی ہے اور وہ بزدلی ہے جو جان نکال دینے والی ہے (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۶۵)۔

اس کے بعد ان حضرات کی صفات بیان فرمائی جو صفت ھلع سے بچے ہوئے ہیں۔

اولاً نمازیوں کا ذکر فرمایا:

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۔

(سوائے ان لوگوں کے جو نمازی ہیں جو اپنی نماز پر متوجہ رہتے ہیں) لفظ **دائمون** دوام سے ماخوذ ہے۔ صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای مواظبون علٰی ادائها لایخلون بها ولا یشتغلون عنها بشیء من الشواغل یعنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں ان میں ذرا سا خلل بھی گوارا نہیں کرتے اور دیگر مشغولیتیں انہیں نماز سے نہیں ہٹاتیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

وقیل دائمون ای لایلتفتون فیها یعنی جب نماز پڑھنے لگتے ہیں تو برابر نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں' نہ ادھر ادھر کی باتیں سوچتے ہیں اور نہ دائیں بائیں دیکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے۔

اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

(جب تو نماز میں کھڑا ہو تو ایسی نماز پڑھ جیسے سب کچھ رخصت کر چکا)۔

ثانیاً ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے مالوں میں سوالی اور محروم کا حق معلوم ہے یعنی جو لوگ سوال کرنے والے ہیں انہیں بھی اپنے اموال میں سے دیتے رہتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو بھی دے دیتے ہیں جن کا سوال کرنے کا مزاج نہیں ہے وہ اپنی حاجتیں دبائے بیٹھے رہتے ہیں اور اموال سے محروم رہتے ہیں' یہ اصحاب خیر انہیں جا کر مال دے دیتے ہیں اس انتظار میں نہیں رہتے کہ کوئی شخص مانگے گا تب دیں گے۔

حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وہ حق مراد ہے جو صاحب مال خود اپنے اوپر مقرر کر لے مہینہ میں یا ہفتہ میں یا روزانہ یا اپنی آمدنی میں سے اس قدر ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں گے۔

ثالثاً: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝

(اور جو لوگ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا جانی اور مالی عبادت میں لگے ہوئے ہیں اس عبادت کے اجر و ثواب کی سچے دل سے آرزو رکھتے ہیں' اور ثواب آخرت کے لئے اپنی جانوں کو نیک کاموں میں لگاتے اور تھکاتے ہیں' چونکہ قیامت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا اور اس ایمان میں سبھی برابر ہیں۔ اس لئے امتیازی شان بتانے کے لئے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان تو رکھتے ہی ہیں وہاں کے لئے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہیں۔

رابعاً فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ

(اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں)۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۚ

بلاشبہ ان کے رب کا عذاب ایسا نہیں جس سے بےخوف ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ صالحین کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی لگتے ہیں' جانی عبادت بھی کرتے ہیں اور مالی بھی' ان سب کے باوجود بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ قبول ہوا یا نہیں' ہوا جو اعمال کئے ہیں' ان کے علاوہ کتنے چھوٹ گئے ہیں' ان کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اپنی ہر طرح کی لغزش' کمی' کوتاہی اور معصیت کی طرف خیال کرتے ہوئے مواخذہ اور محاسبہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے بےفکر اور مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے۔ سورۃ المؤمنون میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۚ

(اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ انہوں نے دیا اس حال میں دیا کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں)

اللہ کے عذاب سے مطمئن ہو کر بیٹھ جانا مؤمنین کی شان نہیں ہے' خوف اور طمع دونوں ساتھ ساتھ رہنی چاہیے۔

خامساً: فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۚ

(اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں)

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ

(مگر اپنی بیویوں پر اور اپنی مملوکہ باندیوں پر) کہ ان سے شرمگاہوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں کیونکہ بیویاں اور باندیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کر دی گئی ہیں۔ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (لہٰذا ان سے استمتاع کرنے پر انہیں کوئی ملامت نہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ

(سو جو شخص اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا یعنی بیوی اور شرعی باندی کے علاوہ کسی جگہ شہوت پوری کرے گا سو یہ لوگ ہیں حد سے آگے بڑھ جانے والے)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حد مقرر فرمائی ہے کہ شہوت پورا کرنے کے جذبات کو صرف بیویوں اور باندیوں تک محدود رکھیں اس کی خلاف ورزی کر کے مقررہ حد سے آگے نکل کر اپنے کو گناہ گار بنانے والے ہیں اور حدود سے آگے بڑھ جانے پر جو دنیاوی اور اُخروی عذاب ہے اس کے مستحق ہو جانے والے ہیں۔

بیویوں اور شرعی باندیوں کے علاوہ جس طرح سے بھی شہوت رانی کی جائے وہ حرام ہے اس میں زنا کاری اور بیویوں کے ساتھ غیر فطری عمل اور ہم جنسوں کے ساتھ شہوت رانی اور روافض کا متعہ سب داخل ہے۔ روافض جو متعہ کرتے ہیں وہ بھی حرام ہے دیگر دلائل کے علاوہ اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہو رہی ہے چونکہ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ روافض کے نزدیک بھی بیوی نہیں ہوتی اگر متعہ کر کے کوئی شخص مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے مر جائے تو اس عورت کو میراث نہیں ملے گی (بیوی ہوتی تو میراث پاتی) اور دیگر احکام متعلقہ بھی اس پر نافذ نہیں کئے جاتے۔

ساد ساً یوں فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ (اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرنے والے ہیں)

اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے، کفارات، نذر کا پورا کرنا اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور زندگی میں کس موقعہ پر حکم عدولی کی اس کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤسا اور وزراء امانت دار ہیں، انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں، وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں کسی بھی معاملہ میں عوام کی خیانت نہ کریں، اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی، میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گناہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا، جو مال کوئی شخص کسی کے پاس حفاظت کیلئے رکھ دے کہ بعد میں لے لوں گا یہ بھی امانت ہے اس کی حفاظت بھی لازم ہے اور اس کا ضائع کرنا اور اس میں خیانت کرنا بہت بڑی گناہگاری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باتیں کر رہے تھے، ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) آیا اس نے سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے قیامت کا انتظار کرنا، اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب نااہلوں کو کام سپرد کر دیئے جائیں، اس وقت قیامت کا انتظار کرنا۔

امانتوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ عہود کی نگرانی کا بھی حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کئے ہیں وہ بھی پورے کریں اور بندوں سے جو عہد کئے ہیں، انفرادی و اجتماعی معاہدات ہیں ان کو بھی پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ سورۃ الاسراء میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۔

(اور عہد پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)

سابعاً فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۔

(اور جو اپنی گواہیوں کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں)

یعنی گواہیوں کو ٹھیک طرح سے ادا کرتے ہیں، اس میں ہر قسم کی گواہی داخل ہے، ایمانیات کی گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اس کے مطابق حق اور ناحق کی تعلیم اور تفہیم میں مشغول رہنا اور جہاں کسی کا کوئی حق مارا جاتا ہو اپنی سچی گواہی دے کر اسے ثابت کرنا اور صاحب حق کو اس کا حق دلوا دینا۔ یہ سب (شَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ) کے عموم میں داخل ہے حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ شخص نہ بتادوں جو گواہوں میں سب سے بہتر ہے، پھر خود ہی فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے پہلے اپنی گواہی پیش کر دے۔ (رواہ مسلم)

جب کسی کا حق مارا جا رہا ہو اور کسی کو صورت حال کا صحیح علم ہو وہ حق کی حفاظت کرنے کے لئے گواہ بن کر پیش ہو جائے اور گواہی دے دے اور جب صاحب حق گواہی دینے کے لئے بلائے تو نہ گواہی کو چھپائے اور نہ گواہی دینے سے انکار کرے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا۔ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَامَادُعُوْا.

(اور گواہ انکار نہ کریں جب بلائے جائیں) ۔اور فرمایا وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ.

(اور گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے)

ثامناً فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں)

نمازوں کی پابندی یعنی اہتمام کے ساتھ ادا کرنا مؤمن کی صفات خاصہ اور لازمہ میں سے ہے یہاں اس کو دو مرتبہ ذکر فرمایا ہے ایک مرتبہ مؤمنین کی صفات کے شروع میں اور ایک مرتبہ آخر میں۔

آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ.

مؤمنین کے اوصاف بیان فرمانے کی بعد ان کے جزا بیان فرمادی کہ وہ موت کے بعد بہشتوں میں باعزت رہیں گے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ

سو کیا ہوا کافروں کو کہ آپ کی طرف دائیں سے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑ رہے ہیں' کیا ان میں سے ہر شخص اس کا لالچ کرتا ہے

مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کر دیا جائے' ایسا ہرگز نہ ہوگا' بلاشبہ ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ جانتے ہیں۔ سو میں مشارق اور مغارب

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا

کے رب کی قسم کھاتا ہوں بے شک ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں کہ انکی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ سو آپ انکو انکے شغل میں رہنے دیجئے باطل چیزوں میں غور و خوض کیا کریں اور کھیلتے

حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ

رہیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملاقات کرلیں جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ جس دن قبروں سے نکل کر جلدی جلدی چلیں گے گویا کہ وہ کسی پرستش گاہ کی

يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع ۲ ۹ ۸

طرف دوڑ رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی۔ یہ وہ دن ہو گا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے باطل میں نہ لگے رہیں' قیامت میں ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی

ان آیات میں منکرین کا طرز عمل بتایا ہے جو انہوں نے دنیا میں اختیار کر رکھا تھا۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوتے تو مشرکین آپ کے چاروں طرف حلقے بنا بنا

کر جمع ہو جاتے تھے اور ان کی مختلف جماعتیں بن جاتی تھیں، قرآن کو سن سن کر اس کا مذاق بناتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو مسلم ہوتے تھے (جو بظاہر ٹوٹے پھوٹے حال میں تھے) انہیں دیکھ کر کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا بیان ہے تو بلاشبہ ہم ان سے پہلے داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو رکھتا ہے کہ کافر ہوتے ہوئے نعمتوں والی جنت میں داخل ہو جائے اول تو اسے استفہام انکاری کی صورت میں بیان فرمایا' پھر مزید تردید فرمائی (کَلَّا) یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی کافر جنت میں داخل ہو جائے یہ ان کی جھوٹی آرزوئیں ہیں (ان کے نفس نے انہیں دھوکہ دے رکھا ہے اپنے مال اور اولاد کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ جب ہم دنیا میں اموال اور اولاد والے ہیں تو آخرت میں بھی ہم کامیاب ہوں گے اور اچھے حال میں ہوں گے یہ ان کی جہالت اور حماقت تھی (کروڑوں کافر آج بھی اسی دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ.

(بلاشبہ ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا جسے وہ جانتے ہیں)

یعنی ان کو ہم نے نطفہ سے پیدا کیا ہے جس کی انہیں خبر ہے اس میں منکرین کے انکار بعث کی تردید ہے وہ لوگ قیامت قائم ہونے پر ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ (اہل اسلام) جنت میں جائیں گے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے ان کا یہ کہنا بطور تمسخر تھا جب ان کے سامنے بعث وحشر ونشر کی بات آتی تھی تو تعجب کرتے تھے اور منکر ہو جاتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہیں کس چیز سے پیدا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری پیدائش نطفہ منی سے ہوئی ہے جس ذات پاک نے بے جان نطفہ سے پیدا فرمادیا ہے اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ موت دے کر دوبارہ زندہ فرمادے' اسی کو سورۂ قیامہ کے آخر میں فرمایا:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى.

(کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جب ٹپکایا گیا پھر وہ خون کا لوتھڑا تھا پھر اللہ نے اسے بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کردیں مرد اور عورت' کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ فرمادے)

اس کے بعد فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (الآیتین)

(سو میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بلاشبہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں گے)

یعنی ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ان لوگوں کو بالکل ختم کردیں اور ان کی جگہ دوسرے لوگ لے آئیں جو ان سے بہتر ہوں یعنی ہم ان کو ختم کر کے ان سے بہتر لوگ پیدا کرنے پر قادر ہیں تم بھی دوبارہ پیدا ہو سکتے ہو اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا. (سو آپ انہیں چھوڑیئے۔ یہ باطل چیزوں میں پڑے رہیں اور کھیل میں لگے رہیں) انہیں ایمان لانا نہیں ہے۔ انکار وعناد پر تلے ہوئے ہیں انہیں اس دن سے سابقہ پڑنا ہی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے) جس دن صور پھونکا جائے گا یہ اس دن قبروں سے ایسی تیزی سے نکلیں گے جیسا کہ دنیا میں پرستش گاہوں کی طرف جلدی جلدی جایا کرتے تھے' جن میں بت وغیرہ رکھے ہوئے ہوتے تھے یہ لوگ دنیا میں بڑا شور مچاتے تھے' قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی ہوئی ہونگی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ (یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا) دنیا میں جو اس دن کے واقع ہونے کی خبر دی

جاتی تھی اور یہاں کے احوال واھوال سے باخبر کیا جاتا تھا اسے نہیں مانتے تھے آج سب کچھ سامنے آ گیا۔ تو ذلت چھائی ہوتی ہے اور عذاب سامنے ہے۔

وھذا اٰخر تفسیر سورة المعارج وللّٰه الحمد علٰى اتمامه وانعامه واكرامه.

☆☆☆..........................☆☆☆
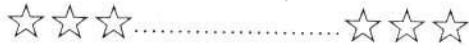
مکی	سورۂ نوح	۲۸ آیتیں ۲ رکوع

آیاتھا ۲۸ (۷۱) سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَّکِّیَّۃٌ (۷۱) رکوعاتھا ۲

سورہ نوح مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ

بلاشبہ ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو اس سے پہلے ڈرائیے کہ ان پر دردناک عذاب آ جائے۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم!

اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ

بلاشبہ میں تمہیں صاف طریقہ پر ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا

يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ قَالَ رَبِّ

وقف لازم

اور تمہیں وقت مقررہ تک مہلت دے گا۔ بلاشبہ جب اللہ کی مقرر کی ہوئی اجل آ جائے تو مؤخر نہیں کی جاتی، کیا خوب ہوتا اگر تم جانتے ہوتے انہوں نے بارگاہ الٰہی میں

اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝۵ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ

عرض کیا اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا، سو میرے بلاوے نے انکا بھاگنا زیادہ ہی کر دیا اور بلاشبہ جب میں نے انہیں بلایا تا کہ

لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷

آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اصرار کیا اور حد درجہ کا تکبر کیا

ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا

پھر میں نے انہیں بلند آواز میں بلایا۔ پھر انہیں اعلانیہ بھی سمجھایا اور پوشیدہ طریقہ پر بھی دعوت دی۔ سو میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت

رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

طلب کرو، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب زیادہ برسنے والی بارش بھیجے گا اور مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغیچے اور تمہارے

لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

لئے نہریں بنا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہوئے۔ حالانکہ تمہیں اس نے مختلف اطوار سے پیدا فرمایا۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح اوپر نیچے سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنا دیا اور سورج کو

سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

چراغ اور اللہ نے تمہیں ایک خاص طور پر زمین سے پیدا فرمایا۔ اور پھر وہ تمہیں اس میں واپس لے جائے گا اور تمہیں خاص طور پر نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا تا کہ تم اسکے کھلے ہوئے رستوں میں چلو۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب نعمتوں کی تذکیر، توحید کی دعوت، قوم کا انحراف اور باغیانہ روش

یہاں سے سورۂ نوح شروع ہو رہی ہے اور بھی کئی سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا اور ان کی قوم کی نافرمانی کا اور قوم کے انجام کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی وہ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے۔ ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ بت بنا لیتے تھے اور ان کے نام تجویز کر لیتے تھے جو اس سورت کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں' حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں طرح طرح سے سمجھایا، توحید کی اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دی' لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور طرح طرح سے کٹ حجتی کرنے لگے' جس کا کچھ تذکرہ سورۂ اعراف میں اور سورۂ ھود میں گزر چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو میں اللہ کا رسول ہوں میری بات مانو' میں جسطرح کہوں اس طرح زندگی گزارو۔ ایمان قبول کر لو گے تو تمہارے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے ایک اجل مقرر فرمادی ہے وہ تمہیں اس اجل تک پہنچا دے گا۔ (یہ اجل ایمان اور اطاعت کی صورت میں ہے) اور اگر تم کفر اور معصیت پر جمے رہے تو وہ اجل تمہارا صفایا کر دے گی جو ایمان اور اطاعت والی اجل کے علاوہ ہے اور بصورت عدم ایمان تمہیں اس کے وقت پر ہلاک ہونا ہوگا' بلاشبہ اللہ نے جو اجل مقرر فرمائی ہے' اس میں تاخیر نہیں کی جاتی' لہٰذا تم اس اجل کے آنے سے پہلے ایمان قبول کر لو جو بحالت کفر تمہارے ہلاک ہونے کے لئے مقرر ہے' اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ اجل جب آتی ہے تو مؤخر نہیں کی جاتی کیا ہی اچھا ہوتا تم جانتے ہوتے، حق کو مانتے' موحد بنتے۔

اوپر جن باتوں کا تذکرہ تھا وہ باتیں تھیں' جن کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوت سے خطاب فرمایا' ان کے مخاطب ان کی بات نہ مانے تو اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی ایمان کی طرف بلایا اور اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، سستی سے کام نہیں لیا' لیکن وہ لوگ الٹی ہی چال چلے میں نے انہیں جس قدر بھی دعوت دی وہ

اسی قدر دور بھاگے میں نے کہا کہ ایمان قبول کرو اور اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں یعنی بات سننا بھی گوارہ نہ کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کپڑے اوڑھ کر لیٹ گئے تا کہ نہ مجھے دیکھ سکیں نہ میری بات سن سکیں۔ انہیں کفر پر اصرار ہے اور ان میں تکبر کی شان بھی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ میری بات مانیں گے (شرک کو چھوڑ کر توحید پر آ جائیں گے) تو ان کی بڑائی میں فرق آ جائے گا۔ قبول حق کی راہ میں تکبر رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے انہیں زور سے بھی دعوت دی۔ شاید زور سے بات کرنے سے مان لیں وہ نہ مانے، آہستہ طریقہ پر بھی انہیں سمجھایا بجھایا حق پر لانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا ان سے میں نے کہا کہ دیکھو ایمان قبول کر لو اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بہت بڑا معاف کرنے والا ہے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

اور خوب زیادہ بارش بھیجے گا، یہ جو تمہیں قحط سالی کی تکلیف ہو رہی ہے دور ہو جائے گی اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں بھی اضافہ فرمائے گا اور بیٹوں میں بھی وہ تمہیں باغ بھی دے اور نہریں بھی جاری فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق اور اس کے انعامات تمہارے سامنے ہیں اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے۔

دیکھو اس نے تمہیں مختلف اطوار سے پیدا فرمایا تم پہلے نطفہ تھے پھر جمے ہوئے خون کی صورت بن گئے۔ پھر ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھ گیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے اس نے تمہیں پیدا فرما کر احسان فرمایا لیکن تمہیں کیا ہو گیا عقلوں پر پتھر پڑ گئے کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

انسانوں کے اپنے اندر جو دلائل توحید ہیں ان کے ذکر کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل کی طرف بھی متوجہ کیا اور فرمایا کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے نیچے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ جس طرح ایک گھر میں ایک چراغ کے ذریعہ سارے گھر کی چیزوں کو دیکھ لیا جاتا ہے اسی طرح سورج کے ذریعہ اہل دنیا سورج کی روشنی میں وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں جو زمین کے اوپر ہے۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقہ پر پیدا فرمایا ہے جس کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں گزر چکا ہے پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس فرما دے گا یعنی موت کے بعد اسی زمین میں چلے جاؤ گے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن ایک خاص طریقہ پر قبروں سے نکالے گا ہڈیاں آپس میں مرکب ہو جائیں گے وہ ان پر گوشت پیدا فرما دے گا اور قبروں سے تیزی کے ساتھ نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

اس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بھی بیان فرمائی اور میدان حشر کی حاضری کا بھی احساس دلا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عالم علوی کے ذکر کے بعد عالم سفلی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بساط یعنی فرش بنا دیا جس طرح بستر بچھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح زمین تمہارے لئے بچھی ہوئی ہے اس زمین پر چلتے پھرتے ہو یہاں سے وہاں آتے جاتے ہو اللہ تعالیٰ نے جو راستے بنا دیئے ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہو اپنی حاجات پوری کرتے ہو زمین کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے۔ اس میں طرح طرح کے منافع حاصل کرتے ہو۔

قال تعالٰی فی سورۃ الملک هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر فرمایا، سو تم اس کے راستوں میں چل اور اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ)۔

فائدہ: ۔ آفتاب کو جو سراج یعنی چراغ بتایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے سراج سے اس لئے تشبیہ دی ہو کہ چراغ میں خود اپنی ذاتی روشنی ہوتی ہے کسی دوسری چیز سے منعکس ہو کر نہیں آتی ۔ سورج میں اپنی روشنی ہے جو کسی دوسرے سیارہ سے نہیں آئی جبکہ چاند کی روشنی آفتاب سے منعکس ہو کر آتی ہے لہٰذا چاند کو نور اور شمس کو سراج فرمایا (وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا) جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ۔ وجعله فيهن مع انه في احد اهن وهي السماء الدنيا كما يقال زيد في بغداد و هو في بقعة منها (ترجمہ) چاند کا ذکر فرماتے ہوئے فیھن ضمیر جمع استعمال فرمائی ہے حالانکہ وہ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں ہے یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید بغداد میں ہے حالانکہ وہ بغداد کے ایک حصہ میں ہوتا ہے ۔)

اور صاحب بیان القرآن نے اسکی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ چاند گو سب آسمانوں میں نہیں مگر فیھن باعتبار مجموعہ کے فرمادیا ۔

زمین کو جو یہاں سورۂ نوح میں بساط فرمایا اور سورۂ نباء میں مهاد فرمایا اور سورۃ الغاشیہ میں (وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ) فرمایا اس سے زمین کا مسطح یعنی غیر کرہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بڑے کرہ پر بہت سی چیزیں رکھ دی جائیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں تو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ یہ کرہ پر رکھی ہیں جیسے ایک گیند پر ایک چیونٹی بیٹھ جائے تو اس کے جسم کے اعتبار سے گیند ایک سطح ہی معلوم ہوگی اور یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ زمین کا کرہ ہونا یا کرہ نہ ہونا کوئی امر شرعی نہیں ہے جس کا اعتقاد رکھا جائے، زمین اگر کرہ ہو تو کسی آیت سے اس کی نفی نہیں ہوتی ۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا

نوح نے کہا کہ اے میرے رب! بلاشبہ انہوں نے میری نافرمانی کی اور انہوں نے ان لوگوں کی بات مانی جنکے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا ہے ۔ اور انہوں نے مکر کیا

كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

بڑا مکر ۔ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑو اور ہرگز مت چھوڑو ود کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو ۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ

اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا اور آپ ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے ۔ اپنے گناہوں کیوجہ سے وہ لوگ غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں داخل

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

دیئے گئے ۔ سو اللہ کے سوا انہوں نے کچھ بھی حمایتی نہ پائے ۔ نوح نے کہا کہ اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی بسنے والا

دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ

مت چھوڑیئے بلاشبہ اگر آپ نے انکو زمین پر رہنے دیا تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کردینگے اور صرف فاجر اور کافر ہی ان کی اولاد پیدا ہوگی ۔ اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو

وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۲

اور اس شخص کو جو میرے گھر میں بحالت ایمان داخل ہوا اور مؤمن مردوں کو اور مؤمن عورتوں کو بخش دیجئے اور ظالموں کی ہلاکت بڑھا دیجئے ۔

قوم کا کفر وشرک پر اصرار، حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا وہ لوگ طوفان میں غرق ہوئے اور دوزخ میں داخل کر دیئے گئے

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی کافر قوم کی بربادی کے لئے اور اہل ایمان کی مغفرت کے لئے دعا کرنا اور قوم کی سرکشی اور قوم کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں نے ان لوگوں کو سمجھایا لیکن ان لوگوں نے میری بات نہ مانی 'اہل دنیا کی بات مانتے ہیں' جن کے پاس مال اور اولاد ہے' ان کی نظریں انہیں پر جمی ہوئی ہیں اور وہ لوگ انہیں جو کچھ سمجھاتے اور بتاتے ہیں اسی کو مانتے ہیں وہ لوگ ایمان پر آنے نہیں دیتے کفر پر ہی جمے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

لہٰذا دنیاوی رئیسوں اور چودھریوں کا مال اور اولاد ان کے عوام کے لئے خسارہ در خسارہ کا سبب بن گیا۔ نہ وہ لوگ مال اور اولاد والے ہوتے نہ یہ لوگ انہیں بڑا مانتے نہ ان کے کہنے سے کفر پر جمتے۔ ان کے چودھریوں نے حق سے باز رکھنے کے لئے بڑی بڑی تدبیریں کیں اور انہیں تاکید کے ساتھ یہ سمجھایا کہ تم اپنے ان معبودوں کو جن کی عبادت کرتے ہو ہرگز مت چھوڑو۔ یہ تو انہوں نے اجمالاً سبق پڑھایا۔ پھر تفصیل کے ساتھ ان کے ایک ایک بت کا نام لے کر کہا تم لوگ ہرگز نہ ودّ کو چھوڑنا نہ سواع کو اور نہ یغوث اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔ ان رئیسوں اور چودھریوں نے قوم کے لوگوں کو کثیر تعداد میں گمراہ کر دیا' اب ان سے خیر کے آنے پر ذرا بھی امید نہیں رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مزید عرض کیا کہ ان کی گمراہی اور زیادہ بڑھا دیجئے۔ ان لوگوں نے حق کو قبول نہ کیا کفر پر اور خطاؤں پر جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ (لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ)

کہ اب تمہاری قوم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جنہیں ایمان لانا تھا وہ لا چکے اور یہ تھوڑے سے لوگ تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں فرمایا (وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ) اور ان کے ساتھ نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے سے لوگ۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ایک کشتی بنالیں' جب کشتی تیار ہو جائے اپنے اہل وعیال کو اور دیگر اہل ایمان کو اس میں سوار کر لینا' حضرت نوح علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کشتی روانہ ہوگئی' آسمان سے پانی برسا اور زمین سے پانی ابلا زبردست طوفان آیا' پوری کافر قوم ہلاک ہوگئی' جن میں نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا' حضرت نوح علیہ السلام قوم کی طرف سے بہت زیادہ بددل ہو گئے تھے' دل کھٹا ہو گیا تھا' کسی کے بھی ہدایت پر آنے کی امید نہ رہی' اسی لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کیلئے بددعا کر دی تھی کہ اے رب! کافروں میں سے کسی ایک شخص واحد کو بھی نہ چھوڑیئے اگر یہ زندہ رہے تو نہ ان سے ایمان لانے کی امید ہے اور نہ ان کی اولاد سے مؤمن ہونے کی امید ہے' ان کی جو اولاد ہوگی وہ بھی کافر فاجر ہی ہوگی جب ان کا یہ حال ہے تو زمین پر کیوں بوجھ بنیں' ان کا ہلاک ہونا ہی زیادہ لائق اور مناسب ہے' پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی' اس میں اپنے ساتھ والدین کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے گھر میں داخل ہوئے اور عام مؤمنین اور مؤمنات کو بھی شامل کر لیا اور آخر میں کافروں کو مزید بددعا دے دی کہ اے رب! ظالموں کی ہلاکت اور زیادہ بڑھا دیجئے۔

فائدہ:۔ یہ جو فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

(اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے)

اس میں چونکہ اغرقوا اور ادخلوا دونوں ماضی کے صیغے ہیں اس لئے حضرات علماء کرام نے اس آیت سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے۔ عذاب قبر میں کافر مبتلا ہوتے ہیں اور بعض گناہگار اہل ایمان کا بھی ابتلاء ہوتا ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں۔

ثبوت عذاب قبر کے جو دلائل ہیں ان میں ایک آیت یہ بھی ہے ظاہر کہ دوزخ کا داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا صیغہ ماضی کے ساتھ جو فرمایا ہے کہ وہ لوگ غرق کر دیئے جانے کے بعد آگ میں داخل کر دیئے گئے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ برزخ میں بھی آگ کا عذاب ہے۔ اس برزخ کی تکلیف کو جو موت کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے ہے۔ عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے بہت سے ملحد جو نئے زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ عذاب قبر کے منکر ہیں۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ.

الحمد للہ علی اتمام تفسیر سورۃ نوح (علیہ السلام) اولاً و اٰخراً و باطناً و ظاہراً

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۂ جن	۲۸ آیتیں ۲ رکوع

(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰) — اٰیاتہا ۲۸ — رکوعاتہا ۲

سورۂ جن مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ

آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے میری طرف بات سننے کیلئے دھیان دیا پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا

فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳

ہے۔ سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کیساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور بہت بلند ہے ہمارے رب کی عزت۔ نہیں بنایا اس نے کسی کو بیوی اور نہ اولاد

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ

اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ ہم میں جو احمق ہیں وہ اللہ کی شان میں ایسی باتیں کہتے تھے جو حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور ہم یہ خیال کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ کی ذات کے بارے میں جھوٹ

كَذِبًا ۝۵ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ

بات نہ کہیں گے اور بیشک بات یہ ہے کہ بہت سے مرد انسانوں میں سے ایسے تھے جو جنات کے مردوں کی پناہ لیا کرتے تھے تو انہوں نے ان کو تکبر میں زیادہ کیا اور بات یہ ہے کہ انہوں نے

ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

خیال کیا جیسا تم نے خیال کیا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہ فرمائے گا اور بلاشبہ ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہا تو ہم نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ سخت پہرہ سے اور شعلوں سے

وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹

بھرا ہوا ہے اور بے شک ہم آسمان کے مواقع میں باتیں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے سو جو شخص اب سننا چاہے وہ اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ

اور بلاشبہ ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ زمین میں ہیں انکے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا انکے رب نے انکے بارے میں ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے اور بیشک ہم میں سے بعض نیک ہیں

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ

اور بعض اس کے علاوہ ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے۔ اور بلاشبہ ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور بھاگ کر اس کو

هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

ہرا نہیں سکتے اور بیشک بات یہ ہے کہ جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آیا سو اسے نہ کسی کمی کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کے ظلم کا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

اور بلاشبہ ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض ظالم ہیں سو جس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو ان لوگوں نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا اور جو لوگ ظالم

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ

ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے' اور اگر وہ راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ

اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے وہ اسے چڑھتے ہوئے عذاب میں داخل فرمائے گا۔ اور بلاشبہ سب سجدے اللہ ہی کیلئے ہیں سو تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی

اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۱

مت پکارو اور بیشک بات یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوتا ہے کہ وہ اسے پکارے تو یہ لوگ اس کے اوپر جمگھٹا لگانے والے بن جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے جنّات کا قرآن سننا اور اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا

یہاں سے سورۃ الجن شروع ہو رہی ہے جن پرانی مخلوق ہے جو حضرت آدمؑ اور بنی آدم کی تخلیق سے پہلے سے دنیا میں موجود ہے ان لوگوں میں بھی مؤمن اور کافر نیک اور بدسب قسم کے افراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی ایمان کے مکلّف تھے اور ہیں جس طرح بنی آدم میں انسانوں میں کافر اور مشرک ہیں اس طرح جنات میں بھی مشرک اور کافر رہے ہیں اور ان میں مؤمن بھی ہیں آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا' انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوئے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے۔ شیاطین کا یہ طریقہ تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنے والے حوادث کا فرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اسے سُن لیتے تھے پھر کاہنوں کے کان میں آکر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اوپر سے سنی ہوئی ہوتی تھی اس لئے صحیح نکل جاتی تھی۔ سننے والے ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کاہنوں نے مل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا اس کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لئے اوپر پہنچتا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگا دی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے۔ لہٰذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورت حال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقام نخلہ میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سننے کے درمیان حائل ہو گئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے، اور ان سے کہا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا اس پر اللہ تعالیٰ نے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۷۳۲ ج ۲)

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دنیاوی امور سے متعلق ہوتا تھا اسے سن کر نیچے آجاتے تھے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے، یہ سلسلہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ لیکن شیاطین نے ایک دھندہ نکالا اور یہ کہ نیچے سے لے کر بادلوں تک پرا لگا لیتے ہیں، وہاں فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے کان لگا کر پہنچتے ہیں تو ان پر انگارہ پھینک دیا جاتا ہے اس انگارہ کے لگنے سے پہلے کوئی بات سن کر اوپر والے نے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کاہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا ہے۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے جو اوپر سے سنی ہوئی ہوتی ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورۂ صافات کی آیت اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ ثَاقِبٌ۔ میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اوپر سے بات اچکنے کی کوشش کرتے ہیں، تو شہاب ثاقب یعنی روشن انگارہ سے مارے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کاہن جو بطور پیشگوئی کچھ بتا دیتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کر کر کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ از بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہو چکے ہوتے ہیں، شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو بات سنتے ہیں اسے کاہنوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ عن البخاری)

اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الآیات)

آپ فرما دیجئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات میں سے چند افراد نے قرآن سنا اور پھر اس سے متاثر ہوئے اور اپنی قوم سے کہا کہ یقین جانو کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے ہماری سمجھ میں قرآن کی بات آ گئی اس میں

جو ہدایت ہے یعنی توحید کی دعوت ہے وہ ہم نے قبول کر لی اور ہم اس پر ایمان لے آئے جب ہم نے توحید کو سمجھ لیا تو شرک کی گمراہی ہم پر واضح ہوگئی اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اسی شرک کے سلسلے میں یہ بات تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور اولاد تجویز کرتے تھے ہم اس سے بھی توبہ کرتے ہیں۔ ہمارے رب کی شان ہے کہ اس نے کسی کو نہ اپنی بیوی بنایا اور نہ اپنے لئے کوئی اولاد تجویز کی اب تک جو ہم کفر اور شرک اختیار کئے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جو احمق لوگ تھے وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کرتے تھے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو باتیں کرتے ہیں وہ جھوٹی نہ ہوں گی اور اتنے اشخاص اور افراد مل کر جھوٹ نہ بولتے ہوں گے۔ لہٰذا ہم نے بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں کو اختیار کر لیا تھا' یہ ان لوگوں نے مشرک ہونے کا عذر بیان کیا لیکن یہ عذر غلط ہے توحید جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے گمراہوں کا اتفاق لائق اتباع نہیں ہوتا۔

جنات نے مزید یہ بھی کہا کہ انسانوں میں سے بہت سے آدمی جنات کی پناہ لیا کرتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی سفر میں رات کو کہیں کسی خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے۔ یاعزیز هذاالوادی اعوذبک من السفهاء الذين فی طاعتک (اے اس وادی کے سردار میں ان بیوقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنات کو اور چڑھا دیا اور بدماغ بنا دیا وہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں جیسا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے۔

جنات نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ جس طرح تمہارے اندر یوم قیامت اور بعث ونشور کا انکار کرنے والے ہیں ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ اسی طرح انسانوں میں بھی ہیں' قرآن سن کر ہمیں پتہ چل گیا کہ قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے۔ انکار کرنے سے قیامت ٹلنے والی نہیں خواہ انسان انکار کرے خواہ جنات انکار کریں۔

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (الآیات) جنات نے یہ بھی کہا کہ ہم اس سے پہلے آسمان کی طرف جایا کرتے تھے وہاں سے موقع دیکھ کر بیٹھتے تھے اور اوپر جو باتیں ہوتی تھیں انہیں سنا کرتے تھے اب تو حالت یہ ہے کہ ہم اوپر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آسمان سخت پہرہ سے بھرا ہوا ہے (یہ پہرہ فرشتوں کا ہے) اور اس پہرہ کے علاوہ ایک یہ بات بھی ہے کہ جب ہم اوپر جاتے ہیں تو شعلوں کو تیار پاتے ہیں اب اگر کوئی اوپر کی باتوں کو سننا چاہے تو جو شعلے پہلے تیار ہیں ان میں سے کوئی شعلہ اسے مار دیتا ہے۔ (اس کی تفصیل سورۂ حجر اور سورۂ صافات میں گزر چکی ہے)۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ (الآیات)

جنات نے مزید کہا کہ یہ جو پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں ان کی آمد کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے زمین والے ان کی رسالت کے منکر ہو کر سزا پانے والے ہیں یا زمین کے بسنے والے ان کا اتباع کر کے ہدایت پر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور بھلائی کے مستحق ہوں گے۔ یعنی تکوینی طور پر نتیجہ کیا نکلنے والا ہے ہمیں اس کا علم نہیں ممکن ہے جنات نے اپنے اس اجمالی کلام سے جنات کو متنبہ کیا ہو کیونکہ وہ بھی زمین کے رہنے والے ہیں اور مطلب یہ ہو کہ دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ گئی ہے اگر تم نے اسے نہ مانا تو عذاب میں پڑو گے۔ جنات نے مزید کہا کہ پہلے سے ہم میں نیک لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں' اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ہیں جو صالح نہیں ہیں کافر اور فاجر ہیں' جواب تک ہم مختلف طریقوں پر تھے اور ہم میں چونکہ بہت سے لوگ ہدایت پر نہیں تھے اس لئے یوں سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت کی بات ہوئی تو ہم بھاگ نکلیں گے لیکن اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ

ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور ہم کہیں بھی بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اس کو پوری طرح ہم پر قدرت ہے ہم جہاں بھی ہوں۔

قولہ قِدَداً قال صاحب الروح القدد المتفرقة المختلفة جمع قِدَةٍ من قُدّا اذاقطع کان کل طریق لامتیاز ھا مقطوعة.

(قدداً کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے مختلف ومتفرق یہ قدۃ کی جمع ہے جو کہ قد سے بنا ہے جب کوئی چیز کاٹی جائے تو قد کہا جاتا ہے ہر راستہ اپنے امتیازات میں دوسرے سے الگ ہے)

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (الآیات)

(اور بے شک جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے اسے کسی طرح کے کسی نقصان کا خوف نہیں ہوگا۔ ایمان کا بھی صلہ ملے گا اور اعمال کا بھی ثواب ملے گا' اس میں کوئی کمی نہ ہوگی کسی کی کوئی نیکی شمار سے رہ جائے یا کسی نیکی کا ثواب نہ ملے ایسا نہ ہوگا۔

وَلَا رَهَقًا جو فرمایا ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمن صالح کو کسی ذلت کا سامنا نہ ہوگا اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی مؤمن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ یعنی ایسا نہ ہوگا کہ کوئی برا عمل نہ کیا ہو اور وہ اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیا جائے (گوایسا تو کافر کے ساتھ بھی نہ ہوگا لیکن کافروں کے حق میں یہ چیز کوئی مفید نہ ہوگی)

مؤمن بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑے انعام واکرام کا معاملہ ہے جو نیکیاں دنیا میں کی ہوں گی انکو بڑھا کر کئی گناہ کر کے اجر دیا جائے گا۔

قال تعالٰی فی سورۃ النساء اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ؕ.

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرے گا اور اگر کوئی نیکی کی ہوگی تو اسے کئی گنا کر دے گا اور عمل کرنے والے کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمادے گا)

جنات نے یہ بھی کہا کہ ہم میں بعض مسلم ہیں یعنی اللہ کے فرمانبردار ہیں اور بعض قاسط ہیں سو جو شخص فرمانبردار ہوگیا اور اسلام قبول کر لیا ان لوگوں نے سوچ سمجھ کر بہت بڑی ہدایت کا ارادہ کر لیا (یعنی دنیا وآخرت میں اپنا بھلا کر لیا) اور جو لوگ قاسط یعنی ظالم ہیں راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں اسلام سے باغی ہیں وہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا.

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر معطوف ہے مطلب یہ ہے کہ میری طرف اللہ پاک کی طرف سے یہ وحی بھی کی گئی ہے کہ انسان اور جن اسلام کے طریقے پر مستقیم رہتے تو ہم انہیں خوب اچھی طرح پانی پلاتے یعنی انہیں مال کی فراوانی سے نوازتے اور انہیں بڑی بڑی نعمتیں دیتے لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تا کہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ؕ

(اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا)

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا

اور بلاشبہ سب سجدے اللہ ہی کے لئے ہیں سواللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کومت پکارو)

یعنی کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ بعض حضرات نے مساجد کو مسجد بفتح الجیم کی جمع لیا ہے اور اسے مصدر میمی بتایا ہے ہم نے اسی کے مطابق آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے یہ معنی لینے سے غیر اللہ کے لئے ہر طرح کے سجدہ کرنے کی ممانعت ہو جاتی ہے سجدہ عبادت کا ہو یا سجدہ تعظیمی ہو ان سب سجدوں کی ممانعت ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کے لئے بھی کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز اور مباح نہیں ہے پہلے تو بادشاہوں میں رسم تھی کہ دربار میں آنے والے ان کو سجدہ کیا کرتے تھے اور اب بہت سے پیروں اور فقیروں نے یہ طریقہ نکال رکھا ہے کہ مریدان کے پاس آتے ہیں یا رخصت ہوتے ہیں تو انہیں سجدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے اور شرک ہے۔

اگر مساجد کو مسجد (بکسر الجیم) کی جمع لیا جائے تب بھی معنی سابق کی طرف مفہوم راجع ہوتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جہاں کہیں بھی کوئی سجدہ کرنے کی جگہ ہے یہ جگہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے کے لئے مخصوص ہے خواہ عبادت گاہ کے نام سے کوئی جگہ بنالی جائے جسے مسجد کہتے ہیں خواہ ضرورت کے وقت سفر حضر میں کہیں بھی کسی جگہ بھی نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا جائے۔ یہ عبادت بہر حال اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص رکھنا لازم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا حرام ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ بھی اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ میری طرف یہ بھی وحی آئی ہے کہ جب اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوتو یہ جنات ان کے پاس جھمگھٹے لگا کر جمع ہو گئے یعنی انہوں نے جو آپ کی عبادت کا مشاہدہ کیا اور آپ کی قراءت سنی اور آپ کی اقتداء میں جو آپ کے اصحاب کا رکوع سجود دیکھا تو جماعتیں بن کر کھڑے ہو گئے کیونکہ یہ منظر انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔

حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ کی ضمیر کفار قریش اور دیگر اہل عرب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کا بندہ (رسول اللہ ﷺ) جب اپنے کام یعنی رسالت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور ان لوگوں کو توحید کی دعوت دیتا ہے تو ان کو ناگوار معلوم ہوتا ہے اور آپ کی دشمنی پر تل جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے آپ کے پاس جھمگھٹا لگا دیتے ہیں۔

فائدہ:۔ جب کسی منزل پر اترے تو یہ دعا پڑھے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ؕ

(میں اللہ کے پورے کلمات کے واسطہ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ لیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی منزل پر اتر کر ان کلمات کو پڑھ لے تو وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی بھی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی۔ (رواہ مسلم) زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ سفر میں کسی منزل پر نازل ہوتے تو شیاطین کی پناہ لیتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا دعا پڑھنے کو بتائی جس میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعہ پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۞ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۞ قُلْ اِنِّيْ

آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں تمہارے لئے کسی ضرر کا اور کسی بھلائی کا مالک نہیں ہوں۔ آپ فرما

لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۞ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

دیجئے کہ بلاشبہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور میں ہرگز اسکے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتا لیکن اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اسکے پیغاموں کو ادا کرنا میرا کام ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

اور جو شخص اللہ کی اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو بیشک اس کیلئے دوزخ کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت جان لیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ

کہ کس کے مددگار کمزور تر ہیں اور عدد کے اعتبار سے کس کی جماعت کم ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کیلئے کوئی مدت

اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ

دراز مقرر فرما رکھی ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے سو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ ہاں اگر جو کوئی اس کا برگزیدہ رسول ہو سو وہ اس کے آگے اور پیچھے

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ

محافظ بھیج دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور جو کچھ ان کے احوال ہیں ان کا احاطہ کئے ہوئے ہیں

وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور ہر چیز پوری طرح اس کے شمار میں ہے۔

ع ۲ ۹ ۱۲

توحید کی دعوت، کفر سے بیزاری، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا، نافرمانوں کے لئے دائمی عذاب ہے

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت حق کا اور نافرمانوں کی تعذیب کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت علم کمال اور جامعیت کا بیان ہے پہلے تو یہ فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ (الآیات الاربع) کہ آپ مخاطبین سے یہ فرما دیں کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا (جو اپنے لئے میرا ذاتی فیصلہ ہے اور یقین کے ساتھ ہے اسی کی طرف میں تمہیں بھی دعوت دیتا ہوں) آپ یہ بھی بتا دیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کی مخلوق ہوں۔ اس کا رسول ہوں، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی دعوت دیتا ہوں کسی ضرر یا کسی بھلائی کے پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا (تم جو یوں کہتے ہوں کہ آپ رسول ﷺ ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں تمہاری یہ فرمائش غلط ہے عذاب لانا میرے اختیار کی بات نہیں ہے اور جب عذاب آ جائے گا اس کا دور کرنا بھی میرے بس کا کام نہیں ہے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کام کروں اور اللہ تعالیٰ مؤاخذہ فرمائے تو مجھے اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پا سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ رسالت کا کام چھوڑ دوں یا رسالت کے مضامین بدل دوں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا، اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانا اسکے پیغام کو ادا کرنا میرا یہی کام ہے اگر تم نہ مانو گے اور اللہ کی نافرمانی کرو گے اور میری نافرمانی کرو گے تو سمجھ لو کہ نافرمان کیلئے دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں نافرمان ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا (الآية) اب تو باتیں سنا رہے ہیں لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو جس کے منکر ہو رہے ہیں (حالانکہ وہ وعدہ سچا ہے) تو اس وقت پتہ چلے گا کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے اور جماعت کے اعتبار سے بھی سمجھ لیں گے کہ کس کی جماعت کم ہے یہاں اس دنیا میں مسلمانوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تعداد کم ہے اور اپنے کو بلند و برتر سمجھتے ہیں قیامت کے دن

دیکھیں گے کہ جنہیں حقیر جانا وہی بلند نکلے ان کی تو آپس میں شفاعتیں بھی ہوں گی اور مجرمین کا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار ہوگا نہ سفارش کرنے والا۔

قُــــلْ اِنْ اَدْرِیْ (الأية) جب رسول اللہ ﷺ اپنے مخاطبین کو قیامت کی بات بتاتے تھے اور یہ سمجھاتے تھے کہ مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے اور میدان حشر میں حاضری دو گے اور وہاں فیصلے ہوں گے تو وہ لوگ بطور انکار یوں کہتے تھے کہ بتاؤ قیامت کب آئے گی ان کے آنے کا کون سا وقت مقرر ہے؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس کی آمد قریب ہے یا میرے رب نے اس کی لمبی مدت مقرر فرما رکھی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ

(اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا)

اور قیامت کا وقت بھی انہی چیزوں میں سے ہے جن سے کسی کو مطلع نہیں فرمایا

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۠

ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشن گوئیاں خواہ فروغ نبوت سے ہو جیسے علم احکام تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے (یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (تاکہ وہاں شیاطین کا گزر نہ ہو) چنانچہ حضور ﷺ کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے کہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے (اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا) اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کام کے پورے پورے اہل ہیں) اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے، پس وحی کے سب اجزاء بھی اس کو معلوم ہیں۔ حاصل مقام یہ ہے کہ علم ساعت علوم نبوت سے نہیں اس لئے اس کا علم نہ ہونا قادح نبوت یا مستلزم عدم وقوع ساعت نہیں۔ البتہ علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصود بعثت سے ہیں اور ان میں احتمال خطا کا نہیں ہوتا۔ تم ایسے علوم سے مستفید ہو اور زوائد کی تحقیق کو چھوڑ دو (از بیان القرآن بحذف)۔

الحمدللّٰه علی اتمام تفسیر سورۃ الجن اولاً واٰخرًا وباطنًا وظاهرًا۔

☆☆☆..........................☆☆☆

۲۰ آیتیں ۲ رکوع	سورۃ المزمل	مکی

ایاتھا ۲۰ (۷۳) سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّلِ مَکِّیَّۃٌ (۳) رکوعاتھا ۲

سورۃ المزمل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں بیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو قیام کرو۔ مگر تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات یا آدھی سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً

اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو۔ بیشک ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں۔ بلاشبہ رات کا اٹھنا خوب زیادہ مشقت والا ہے اور اس وقت بات خوب ٹھیک

وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾

طرح ادا ہوتی ہے۔ بلاشبہ دن میں آپ کو زیادہ کام میں مشغولیت رہتی ہے۔ اور آپ اپنے رب کا نام یاد کرتے رہیں اور قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

وہ مشرق کا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سواپنے کام سپرد کرنے کے لئے صرف اسی کو اپنا کارساز بنائے رہو۔

رات کے اوقات میں قیام کرنے اور قرآن کریم ترتیل سے پڑھنے کا حکم، سب سے کٹ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ رہنے کا فرمانا

یہ سورت مکی ہے اگرچہ بعض حضرات نے بعض آیات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور مدنی بتایا ہے لفظ مزمل زا اور میم کی تشدد کے ساتھ اصل میں متزمل تھا تا کو زا سے بدل دیا گیا اور زا کا زا میں ادغام کر دیا گیا لہٰذا مزمل ہو گیا جیسے مُتَطَهِّرٌ سے مُطَّهِّرٌ بن گیا۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا ترجمہ ہے اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو کوئی رنجیدہ کرنے والی بات پہنچی تھی جو آپ کو بہت ناگوار گزری' آپ کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے' جیسے غمگین آدمی کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ اے کپڑا اوڑھنے والے (تفسیر قرطبی ص۳۲ ج۱۹) یہ خطاب ملاطفت کی وجہ سے تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی ملاطفت کے لئے قم یا اباتراب ! (صحیح بخاری ص۶۲ ج۱)

فرما کر اور حضرت حذیفہ کو قم یا نومان فرما کر جگایا تھا (صحیح مسلم ص ۱۰۷ ج ۲)

مشرکین نے آپ کے حق میں کوئی نامناسب لقب تجویز کیا تھا اس سے آپ کو رنج پہنچا اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب فرما کر اس کا ازالہ فرما دیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھا کریں اور یوں فرمایا قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ

یعنی نصف رات قیام کرو یا نصف سے کچھ کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو نصف سے کم کا مصداق ایک ثلث ہے اور نصف سے کچھ زیادہ کا مصداق دو ثلث ہے اللہ تعالیٰ نے رات کو قیام فرمانے کا حکم دیا اور مقدار وقت میں تین صورتوں کا اختیار دے دیا۔

رات کو قیام کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا بھی فرمایا یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو یوں تو جب بھی قرآن کی تلاوت کی جائے، ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں اور جلدی جلدی نہ پڑھیں جس سے حروف کٹیں اور معنی مقصود کے خلاف ابہام ہو جائے لیکن خاص طور پر تہجد میں جو ترتیل کا حکم فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کی نمازوں میں لمبی تلاوت کی جاتی ہے اور رات کے سہانے وقت میں تلاوت میں زیادہ دل لگتا ہے لیکن ساتھ ہی کبھی نیند کے جھونکے بھی آ جاتے ہیں ان جھونکوں کی وجہ سے جلدی جلدی ختم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ جتنا پڑھیں صحیح پڑھیں۔ صاف پڑھیں اور جب نیند آ جائے تو سو جائیں۔ حدیث میں بھی ارشاد ہے۔

اذا نفس احد کم وھو یصلی فلیر قد حتی ذھب عنہ النوم. (الحدیث رواہ الشیخان) (جب نماز پڑھتے ہوئے تم میں کسی کو نیند آنے لگے تو وہ سو جائے حتیٰ کہ نیند اس کی پوری ہو جائے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۰)

آدھی رات قیام کریں یا تہائی رات یا دو تہائی رات۔ راتوں کو نماز میں قیام کرنا جسے نماز تہجد کہتے ہیں امت کے لئے سنت ہے افضل ہے اور بہت زیادہ فضیلت کا کام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا درجہ تھا؟ اس کے بارے میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رات کو قیام کرنا آپ پر فرض تھا اور ضروری تھا حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیام اللیل نہ صرف نبی اکرم ﷺ پر بلکہ آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تھے ان پر بھی فرض تھا۔

قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر بھی پڑھے اور صاف بھی پڑھے اور مخارج اور صفات کا لحاظ کر کے پڑھے حضرات قراء کرام نے تلاوت کے تین درجات بتائے ہیں، ترتیل، تدویر، حدر، یہ ان کے اصطلاحی الفاظ ہیں ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ خوب آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کی جائے اور حدر کا مطلب یہ ہے کہ جلدی جلدی پڑھا جائے اور تدویر دونوں کے درمیان پڑھنے کو کہتے ہیں لیکن تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے حرفوں کا کاٹنا اور تجوید کے خلاف پڑھنا درست نہیں ہے حضرات قراء کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ الترتیل تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف (کہ تجوید حروف کو صحیح طریقے پر ادا کرنا اور وقوف کے پہچاننے کا نام ہے)۔ آج کل بہت سے لوگ جن میں قراء حضرات بھی ہیں۔ حدر سے پڑھتے وقت بہت سے حروف کھا جاتے ہیں اور کلمات کے اخیر میں جو الف ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا میں ہر جگہ کھا جاتے ہیں، یہ آج کل کا فیشن ہے۔

پھر فرمایا: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا.

(بلاشبہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں)

بھاری کلام سے قرآن مجید مراد ہے۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت قرآن شریف کا کچھ حصہ نازل ہو چکا تھا اکثر حصہ نازل ہونا باقی تھا، دشمنوں کی طرف سے معاندانہ سلوک بھی ہونے والا تھا اور دعوت وارشاد کی مزید ذمہ داری سونپی جانے والی تھی۔ اس لئے ارشاد فرمایا

کہ ہم تم پر عنقریب ایک بڑا بھاری کلام ڈالیں گے۔ کلام کو پہنچانے پر دشمنوں کی طرف سے معاندانہ روش سامنے آنے کی وجہ سے جو آپ کو تکلیف پہنچتی تھی اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ جس وقت آپ پر وحی آتی تھی آپ ﷺ کو بڑی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ سخت سردی کے زمانہ میں وحی آتی تھی تو آپ کی حالت بدل جاتی تھی اور جب فرشتہ رخصت ہو جاتا تھا تو آپ کا پسینہ بہتا ہوتا تھا (صحیح بخاری ص ۱ ج ۱)۔ اور ایک مرتبہ وحی کے آنے کے وقت آپ کا سر مبارک زید بن ثابتؓ کی ران پر تھا اس سے حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پھٹنے لگی۔

اس کے بعد فرمایا: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً (ناشئة مصدر كالعافيه من نشاء اذاقام ونهض)

(بلاشبہ رات کا اٹھنا خوب زیادہ مشقت والا ہے) یعنی اس سے نفس پر دباؤ پڑتا ہے اور نفس کو خوب تکلیف ہوتی ہے یہ تکلیف بظاہر تکلیف ہے اور دنیاوی تکلیف ہے لیکن اس میں نفس کا فائدہ بھی بہت ہے۔ نماز تہجد کی وجہ سے جو درجات بلند ہوں گے ان کی وجہ سے انسان ساری تکلیفیں بھول جائے گا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر اندر سے اور جن کا اندر باہر سے نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کے لئے تیار فرمایا ہے جو کھانے کھلائیں اور سلام پھیلائیں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہیں۔ (الترغیب والترہیب جلد ۱ ص ۴۲۴)

وَاَقْوَمُ قِيْلًا (اور رات کا اٹھنا بات ادا ہونے کے لئے خوب عمدہ ہے)

یعنی رات کو اٹھ کر جب تہجد پڑھتے ہیں اور دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت چونکہ سناٹا ہوتا ہے شور شغب نہیں ہوتا اور ادھر ادھر کی آوازیں نہیں آتیں اس لئے عبادت میں خوب جی لگتا ہے اور دل اور زبان دونوں موافق ہو جاتے ہیں اور اطمینان کے ساتھ قرأت بھی ادا ہوتی ہے اور دعا بھی حضور قلب کے ساتھ ہوتی ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا.

(بے شک آپ کو دن میں لمبا کام رہتا ہے) آپ کے مشاغل منتشر ہیں اور متفرق ہیں امور خانہ داری بھی ہے آنے جانے والے لوگ بھی ہیں دعوت وارشاد کا کام بھی ہے اس لئے لمبی نماز پڑھنے کے لئے رات تجویز کی گئی۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ. (اور اپنے رب کا نام لیتے رہیے)

یعنی رات کو تو آپ نماز پڑھتے ہی ہیں دیگر اوقات میں بھی اللہ کا نام لیتے رہئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا نماز ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس لئے عام اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یذکر اللہ فی کل احیانہ (رواہ مسلم) یعنی رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (اور قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں)

اپنا پورا قلبی رخ اللہ کی طرف رکھئے، یعنی اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے اس تعلق کے مظاہرے اور آثار ہر تعلق پر غالب رکھئے بظاہر بیویوں سے بھی تعلق رہے اور اولاد سے بھی اولیاء اور اصدقاء سے بھی لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق بہر حال غالب رہے اس کے احکام کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ آئے درحقیقت یہ بہت بڑی نصیحت ہے جو بھی بندہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ لوگوں سے بھی ملتا جلتا ہے لیکن اس کا باطن اللہ کی یاد سے معمور رہتا ہے اور مخلوق کو راضی رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

(وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو آپ اسی کو اپنا کارساز بنائے رہیں)

اس میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی حاجت روا نہیں اور کوئی معبود نہیں۔ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان وجود میں آتا ہے سب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے وہی سب کا رب ہے آپ اسی کو اپنا کارساز بنائے رہیں اسی کے سامنے اپنی حاجت رکھیں اسی سے سب کچھ مانگیں اور اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

قوله تعالىٰ: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قال الاخفش سعيد "المزمل" اصله المتزمل فادغمت التاء فى الزاى وكذلك "الْمُدَّثِّرُ" وفى اصل المزمل قولان :احدهما أنه محتمل .يقال ازمل الشى ء اذا حمله ومنه الزاملة' لأنها تحمل القماش. الثانى أن المزمل هو المتلفف :يقال:تزمل ودثر بثوبه اذاتغطى. وزمل غيره اذا غطاه' وكل شى ء لفف فقدزمل ودثر' قال امرؤ القيس :(كبير أناس فى بجادٍ مزمل).

قال السهيلى :ليس المزمل باسم من اسماء النبى صلى الله عليه وسلم ولم يعرف به كما ذهب اليه بعض الناس وعدوه فى اسماءٍ وعليه الصلاة والسلام' وانما المزمل اسم مشتق من حالته التى كان عليها حين الخطاب' وكذلك المدثر.

قوله تعالىٰ: هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا. بفتح الواووسكون الطاء المقصورة واختاره ابوحاتم. من قولك. اشتدت على القوم وطأة سلطانهم. أى ثقل عليهم ماحملهم من المؤن' ومنه قوله عليه السلام(اللّهم اشددوطأتك على مضر) فالمعنى أنها اثقل على المصلى من ساعات النهار' وذلك أن الليل وقت منام وتودع واجمام فن شغله بالعبادة فقد تحمل المشقة العظيمة(من روح المعانى)

قوله تعالىٰ: وَاَقْوَمُ قِيْلًا " اى القراءة بالليل أقوم منها بالنهار' أى أشد استقامة واستمراراً على الصواب لان الاصوات هادئة والدنيا ساكنة' فلا يضطرب على المصلى مايقرئه.

قوله تعالىٰ :اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا" يريد القيام والانتصاب للصلاة' ومنه نشأ السحاب لحدوثه فى الهواء وتربيته شيئاً فشيئاً.(ذكره الراغب فى مفرداته)

(ارشاد الٰہی یآ یھا المزمل :اخفش سعید کہتے ہیں المزمل اصل میں المتزمل تھا پھر تاء کو زاء کرکے زاء میں مدغم کردی گئی اور المدثر بھی اسی طرح المزمل کے مطلب میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے محتمل (اٹھانے والا) کہا جاتا ہے ازمل الشئ جب اس نے کوئی چیز اٹھائی ہو اور زاملۃ (باربردار اونٹنی) اسی سے ہے کیونکہ وہ چادر نہیں اوڑھتی دوسرا قول یہ ہے کہ مزمل کا معنی ہے مختلف کہا جاتا ہے تزمل ودثر بثوبہ جب وہ کپڑا اوڑھ لے اور تزمل وغیرہ کا مطلب ہے دوسرے کو ڈھانپ دینا اور ہر چیز جس نے ڈھانپا تو وہ زمل اور دثر ہے اور امرؤ القیس نے کہا ہے۔ ع کبیر اناس فی بجاد مزمل علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں مزمل حضور اکرم ﷺ کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں المزمل کو حضور اکرم ﷺ کے ناموں میں شمار کیا ہے۔ مزمل تو ایک اسم ہے جو اس حالت سے مشتق ہے جس میں آپ اس خطاب کے وقت تھے اور مدثر بھی اسی طرح ہے ارشاد الٰہی ھی اشد و طأ :وطاء، واؤ کے فتحہ اور طاء مقصورہ کے سکون کے ساتھ ہے ابوحاتم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ اشتدت على القوم وطاة سلطانهم یعنی قوم پر بادشاہ نے جو ٹیکس لگایا ہے وہ بھاری ہوگیا۔ اور اسی سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللهم اشد دو طاتک على مضر۔ بہرحال اس آیت

کا معنی یہ ہے کہ رات دن کی نسبت نمازی پر بھاری ہے اور یہ اس لئے کہ رات نیند کا وقت ہے اور راحت واطمینان کا وقت ہے جو اس میں عبادت میں مشغول ہو تو اس نے بڑی مشقت برداشت کی۔ ارشاد الٰہی و اقوم قیلا: مطلب یہ کہ رات کا پڑھنا دن کے پڑھنے سے زیادہ اقوم ہے یعنی استقامت واستمرار کے لحاظ سے سخت ہے۔ درست پڑھنے میں کیونکہ اس وقت آوازیں خاموش ہوتی ہیں اور دنیا ساکن ہوتی ہے لہٰذا اس وقت نماز جو پڑھے گا وہ اس پر پریشان نہ ہوگا۔ ارشاد الٰہی ان ناشئۃ الیل ھی اشد و طأ: اس سے مراد رات کا قیام اور نماز کے لئے کھڑا ہونا ہے اس معنی کے لحاظ سے کہتے ہیں نشاء السحاب کیونکہ بادل ہوا میں پیدا ہوتا ہے پھر تھوڑا تھوڑا ابڑھتا ہے)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے علیحدگی اختیار کیجئے اور مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو نعمت والے ہیں چھوڑ دیجئے

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا

اور انہیں تھوڑے دنوں کی مہلت دیجئے۔ بیشک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک

اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا تودہ بن جائیں گے جو ڈھلا جا رہا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو صبر فرمانے کا حکم، دوزخ کے عذاب کا تذکرہ، وقوع قیامت کے وقت زمین اور پہاڑوں کا حال

یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ جلدی نہ کریں یہ لوگ جو آپ کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں ان کو کچھ مہلت دے دیں۔ یہ نازونعمت میں پل رہے ہیں اور بڑھ رہے ہیں اور دنیاوی اموال اور نعمتیں ان کے لئے غفلت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ان چیزوں میں پڑ کر وہ آپ کی دعوت کو ٹھکرا رہے ہیں یہ ان کے حق میں کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کھا پی رہے ہیں اور مزے کر رہے ہیں تھوڑے سے دن کی بات ہے اور اس میں ان کا استدراج بھی ہے کما قال تعالٰی فی سورۃ القلم۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سو آپ مجھے اور ان کو چھوڑ دیجئے جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو اس طور پر ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کو خبر بھی نہیں)۔

اس کے بعد کافروں کی تعذیب کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ لوگ جو تکذیب میں لگے ہوئے ہیں ہم نے ان کی تعذیب کیلئے بیڑیاں تیار کر رکھی ہیں اور ان کیلئے دوزخ ہے اور ان کیلئے ایسا کھانا ہے جو گلے میں پھنس جانے والا ہوگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ دوزخیوں کو (اتنی زبردست) بھوک لگا دی جائے گی جو تنہا اس عذاب کے برابر ہوگی جوان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا۔ لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے تو ان کو طعام ذی غصۃ (گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں پینے کی چیزوں سے گلے کی اٹکی ہوئی چیزیں اتارا کرتے تھے۔

لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعے ان کے سامنے کر دیا جائے گا وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گی پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۴)

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ؕ

یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے یعنی ان میں بھونچال آجائے گا اور پہاڑ ریت کے تودے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جماؤ نہ ہوگا اور نیچے کو ڈھلے جا رہے ہوں گے۔ (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یوم ترجف ظرف ہو عَذَابًا اَلِيْمًا کا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذَرْنِیْ سے متعلق ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى

بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تمہارے اوپر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ سو فرعون نے

فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ

رسول کی نافرمانی کی سو ہم نے اسے پکڑ لیا سخت پکڑنا۔ سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو

الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۖ ﴿۱۷﴾ اِۨ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ

بوڑھا کر دے گا۔ آسمان پھٹ جائے گا اس سے اُس کا وعدہ کیا ہوا ہے بلاشبہ یہ ایک نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع

سو جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، اسے سختی کے ساتھ پکڑ لیا گیا، قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا، قرآن ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے

ان آیات میں مکذبین کو خطاب کیا ہے کہ جس طرح تم جھٹلاتے ہو اسی طرح تم سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا ہے اور پھر اس کی سزا پائی ہے ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو قیامت کے دن تم پر گواہی دے گا کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت پکڑا دنیا میں وہ اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں ڈبو دیا گیا اور آخرت کی سزا اس کے سوا ہے، اب تم جو ہمارے رسول کو جھٹلا رہے ہو اور کفر پر جمے ہوئے ہو تم سوچ لو کہ اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی س دن ایسی سختی ہوگی جو بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ (بچوں کو بوڑھا کر دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کنایہ ہے شدت سے یعنی وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ مصیبت کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے جو بچپن میں وفات پا گئے تھے وہ قبروں سے اسی حال میں نکلیں گے پھر قیامت کے امتداد اور اشتداد کی وجہ سے بوڑھے ہو جائیں گے)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ (بلاشبہ یہ نصیحت ہے)

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ؕ (سوجو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے) یعنی جس راستہ پر چلنے سے وہ راضی ہوتا ہے اور جس کے اختیار کرنے پر اس نے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اس راستہ کو اختیار کرلے وہ دین اسلام ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ

بلاشبہ آپکا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپکے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت رات کے دوتہائی حصہ کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

اور اللہ رات اور دن کو مقدر فرماتا ہے اور اللہ کو علم ہے کہ تم اسکو ضبط نہیں کرسکتے سو اس نے تمہارے حال پر مہربانی فرمائی سو تم قرآن سے اتنا حصہ پڑھ لو جو آسان ہو۔

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ

اسے معلوم ہے کہ تم میں سے مریض آدمی ہوں گے اور بعض وہ لوگ ہوں گے جو زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں

وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖۗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

اور کچھ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے سو تم قرآن میں سے اتنا حصہ پڑھ لیا کرو جو آسانی سے پڑھا جاسکے اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور

اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ

اللہ کو قرض حسن دیدو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے اس سے اچھا اور خوب

اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

بڑے ثواب والا اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

قیام لیل کے بارے میں تخفیف کا اعلان اقامۃ الصلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم

ابتدائے سورت میں جو رات کو نمازوں میں قیام کرنے کا حکم فرمایا تھا (گوعلی سبیل التخییر تھا) اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی رات کو نماز میں قیام فرماتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ جب آیت کریمہ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا نازل ہوئی تو حضرات صحابہؓ کو اس پر عمل کرنا دشوار ہوا کیونکہ تہائی رات، آدھی رات اور دوتہائی رات کا پہچاننا مشکل تھا اس ڈر سے صبح تک قیام کرتے تھے کہ وقت مقرر میں کمی نہ ہو جائے جس کی وجہ سے ان کے قدم پھول گئے اور رنگ بدل گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں بعض لوگ دوتہائی رات کے قریب اور بعض آدھی رات اور بعض تہائی رات کھڑے رہتے ہیں، جس سے مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور پہلا حکم منسوخ فرمادیا سو اب تم سے جتنا قرآن مجید آسانی کے ساتھ پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو (اس سے نماز تہجد میں قرآن پڑھنا مراد ہے) اب اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی اور تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

کتنی نماز پڑھے اور کتنی دیر نماز پڑھے اس کی بھی مقدار متعین اور مقرر نہیں رکھی گئی لہٰذا آسانی کی صورت بن گئی اس نسخ کی ایک علت عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ میں بیان فرمائی کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم وقت معین ہونے کی صورت میں وقت کو ضبط نہیں کر سکتے اور دوسری علت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى۔

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو تلاش معاش کے لئے زمین میں سفر کریں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور ان حالات میں تہجد کی اور اوقات کی پابندی مشکل تھی' لہٰذا آسانی کر دی گئی تہجد پڑھنا مستحب قرار دے دیا گیا اور وقت کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں رکھی گئی۔

علامہ قرطبی شیخ ابونصر قشیری سے نقل کرتے ہیں کہ مشہور بات یہ ہے کہ قیام لیل کی فرضیت امت کے حق میں منسوخ ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں باقی رہی اور ایک قول یہ' ہے کہ اصل وجوب تو سب کے لئے باقی رہا البتہ مقدار قیام واجب نہیں رہی' جتنی دیر چاہیں پڑھ لیں (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۵۴)

صاحب روح المعانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل کے شروع میں قیام لیل کو فرض قرار دیا تھا۔ لہٰذا اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سال تک نماز تہجد میں قیام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نوافل کے حکم میں باقی رہ گیا اور ایک روایت میں ہے کہ اٹھارہ ماہ کے بعد تخفیف نازل ہوئی

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض)

یعنی اس کی مخلوق پر خرچ کرو اور اس کی رضا کے کاموں میں مال لگاؤ۔ ہے تو مال اللہ تعالیٰ ہی کا اور مال والے بھی اللہ کے مخلوق اور مملوک ہیں لیکن اس نے کرم فرمایا کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور کرم بالائے کرم یہ ہے کہ اس پر بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرما دیا سورۂ بقرہ میں فرمایا

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا، فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً

(کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسن پھر وہ اس کے لئے اسے چند در چند یعنی بہت گناہ کر کے اضافہ فرمادے)

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

(اور جو کوئی خیر اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے وہ بہت بہتر ہوگی اور بہت بڑے ثواب کا ذریعہ ہوگی)

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ. (اور اللہ سے مغفرت طلب کرو) کیونکہ اعمال میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی رہتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)

تم تفسیر سورۃ المزمل' بحمد اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ

☆☆☆..........................☆☆☆

مکی	سورۂ مدثر	۵۶ آیتیں ۲ رکوع

اٰیاتہا ۵۶ (۷۴) سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ (۴) رکوعاتہا ۲

یہ سورۃ المدثر ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھپن آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ﴿۵﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والا، اٹھو پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور بتوں سے علیحدہ رہو

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾

اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ مل جائے اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ کو دینی دعوت کے لئے کھڑے ہوجانے کا حکم اور بعض دیگر نصائح کا تذکرہ

لفظ مدثر اصل میں مُتَدَثِّر تھا۔ اس میں تَفَعُّلْ کی تا، فاکلمہ سے بدل کر اس میں مدغم ہوگئی، اصل میں مادہ دثر (د ث ر) جس کا معنی کپڑا اوڑھنے کا اور کپڑے میں لپٹنے کا ہے، صحیح بخاری (ص ۲ ج ۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلی مرتبہ وحی آنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت کے لئے متعدد راتیں گزارا کرتے تھے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن فرشتہ آیا اس نے کہا کہ اِقْرَأْ پڑھئے (آگے آپ کی زبانی بیان کیا ہے) میں نے کہا مَآ اَنَا بِقَارِئٍ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور وہی بات کہی اقراء، میں نے وہی جواب دیا مَآ اَنَا بِقَارِئٍ پھر اس نے مجھے دوبارہ پکڑ کر اسی قدر دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی۔

فرشتے نے تیسری مرتبہ پھر مجھے دبایا اور چھوڑ دیا اور فرشتہ یوں عبارت پڑھتا چلا گیا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ . خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ عبارت سن لی اور اس کو دُھرالیا اس کے بعد آپ وہاں سے اپنے گھر تشریف لے آئے اس وقت دل کانپ رہا تھا۔ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ) چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ آپ تھوڑی دیر لیٹے رہے یہاں تک کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی اس کے بعد بہت دن تک وحی نہیں آئی۔ (صحیح بخاری ص ۲، ۳ ج ۱) (بعض حضرات نے فرمایا کہ تین سال تک وحی رکی رہی ۱۲ قسطلانی)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے فترۃ الوحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں نقل کیا ہے کہ میں ایک دن جا رہا تھا میں نے آسمان سے آواز سنی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس حراء میں آیا تھا وہی آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہو گیا میں واپس ہو کر گھر پہنچا وہی بات کہی کہ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کپڑا اوڑھاؤ مجھے کپڑا اوڑھاؤ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اس کے بعد مسلسل وحی آنے لگی اور آتی رہی (صحیح بخاری ص ۳ ج ۱)

مذکورہ بالا آیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اول تو یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے مخاطب فرمایا کیونکہ اس وقت آپ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے پھر حکم فرمایا کہ قُمْ (آپ کھڑے ہو جائیے) فَاَنْذِرْ (اور آپ ڈرائیے) اس میں آپ کو دعوت توحید کے کام پر مامور فرما دیا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یوں تو آپ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی لیکن ابتدائے نبوت میں چونکہ انذار ہی غالب تھا اس لئے صرف انذار کا ذکر فرمایا یہ بطور اکتفاء ہے جس میں ایک چیز کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ شئی مذکور سے سمجھ میں آتی ہے۔

دوسرا حکم فرمایا وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اور رب کی بڑائی بیان کیجئے)

یعنی اپنے رب کی عظمت اور کبریائی کا اعتقاد بھی رکھئے اور اسے بیان بھی کیجئے۔ چنانچہ اللہ کی بڑائی بیان کرنا نماز کے شروع میں بھی مشروع ہو گیا اور نماز کے انتقالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے) اس میں ظاہری الفاظ میں تو کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم ہے لیکن حضرات مفسرین اور علماءِ محققین نے اس سے یہ بات بھی مستنبط کی ہے کہ اپنے نفس کو اور قلب کو اخلاق رذیلہ غیر مرضیہ سے صاف اور پاک رکھئے کیونکہ جہاں کپڑوں کو غیر طاہر رکھنے کی اجازت نہ ہوگی وہاں قلب اور نفس کو پاک رکھنا کیونکر ضروری نہ ہوگا۔

مزید فرمایا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور گناہوں کو چھوڑے رہو) اس میں اعضاء کی تطہیر کا حکم بھی ہو گیا کیونکہ عموماً گناہ اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں بعض حضرات نے الرُّجْزَ سے عبادۃ الاصنام مراد لیا ہے یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کی عبادت نہ کی یہ خطاب آپ کے توسط سے مشرکین مکہ کو ہے۔ صاحب روح المعانی نے (ص ۱۳۶ ج ۲۹) بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ الرُّجْزَ سے دنیا مراد ہے جو سب سے بڑا بت ہے کیونکہ بتوں کی عبادت تو مندروں میں ہوتی ہے اور دنیا کی عبادت ہر جگہ ہے مساجد تک میں دنیا کی عبادت ہوتی ہے یعنی دنیا کے لئے جنگ کی جاتی ہے۔ دنیا کے لئے مساجد بنائی جاتی ہیں۔ دنیا کے لئے قرآن پڑھایا جاتا ہے دنیا کے لئے وعظ و تقریر کو اختیار کیا جاتا ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی اپنی تعریف کروانا، حاضرین سے پیسے لینا وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتا ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (یعنی کسی پر احسان کرتے ہوئے یہ نیت نہ رکھو کہ جس کو دے رہا ہوں یہ شخص مجھے اس کے بدلہ میں زیادہ دے گا۔ نہ زبان سے طلب کرو نہ دل میں اس کا خیال رکھو جو دینا ہو اللہ کی رضا کے لئے دیدو سورۂ دھر میں اللہ کے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا.

(اور کھانا کھلاتے ہیں۔ کھانے کی محبت ہوتے ہوئے مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں تم سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طالب گار نہیں ہیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کچھ دے یا مال خرچ کرے تو جس پر خرچ کیا ہے اس سے مالی فائدہ کی امید تو کیا شکریہ تک کی آرزو نہ رکھے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ط (اور اپنے رب کے لئے صبر کئے رہو) چونکہ آپ کو دعوت کا کام کرنے کا حکم ہوا اور اس میں مخاطبین سے تکلیف پہنچنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انذار کے حکم کے ساتھ اصطبار کا حکم بھی فرما دیا یعنی آپ دعوت توحید کے کام پر جمے رہیں اور دشمنوں سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر بھی کرتے رہیں اور یہ صبر اللہ کی رضا کے لئے ہو جب اللہ کی رضا مقصود ہو گی تو صبر کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا ثواب ملنے کی امید تکلیف کو آسان بنا دے گی۔ قال تعالیٰ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿٨﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ

پھر جب صور پھونکا جائے گا سو یہ دن کافروں پر سخت ہو گا' آسان نہ ہو گا' مجھے اور اس شخص کو رہنے دو جسے میں نے

وَحِيْدًا ﴿١١﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿١٢﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿١٣﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ

اکیلا پیدا کیا اور اسے میں نے مال دیا' جو بڑھتا جا رہا ہے اور اسکے ساتھ رہنے والے بیٹے دیئے اور میں نے اس کیلئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا' پھر وہ آرزو کرتا ہے کہ میں اسے

اَزِيْدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿١٦﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿١٧﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ

اور زیادہ دوں گا ہرگز نہیں بلاشبہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے عنقریب میں اسے دوزخ کے پہاڑ پر چڑھا دوں گا۔ بے شک اس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی' سو اس پر

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ

خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی' پھر اس نے دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا' پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا۔ پھر بولا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾

کہ یہ تو ایک جادو ہے جو منقول ہوتا ہوا آ رہا ہے یہ کچھ نہیں مگر آدمی کا کلام ہے۔ میں عنقریب اسے دوزخ میں داخل کروں گا' اے مخاطب! تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا ہے

لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

نہ وہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ وہ بدن کی حیثیت کو بگاڑ دینے والی ہے اس پر انیس فرشتے مقرر ہوں گے۔

مکہ معظمہ کے بعض معاندین کی حرکتوں کا تذکرہ اور اس کیلئے عذاب کی وعید' عذاب دوزخ کیا ہے؟

معالم التنزیل (ص ۴۱۵ ج ۴) میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجد حرام میں تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس نے سورۂ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محسوس فرما لیا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جا کر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ابھی ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ وہ انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے۔

اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کے بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کر لیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کر لیں گے۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ بن کر بیٹھ گیا' ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! کیا بات ہے تم غمگین نظر آ رہے ہو؟' ابوجہل نے کہا کہ رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے' قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لئے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ تو نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام سنا ہے اور تو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق صدیق) بھی موجود ہوتا ہے اور تو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھا لیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بری لگی اور کہنے لگا کہ (قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟) کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ میں ان سے بڑھ کر ہوں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھرا بھی ہے جو ان کے پاس فاضل کھانا ہو (جس میں سے میں کھا لوں)

اس کے بعد ولید ابوجہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم لوگ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) شاعر ہے کیا تم نے انہیں کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سنا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم لوگ کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اسنے جھوٹ بولا ہو؟ سب نے کہا نہیں! (ان لوگوں کو کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے صادق و امین کا لقب دے رکھا تھا)

قریش نے ولید سے کہا تو تو بتا پھر کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آیا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں میں میاں' بیوی کے اور باپ بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابوجہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے (جس سے معلوم ہو جائے کہ تو اس شخص کا معتقد نہیں ہے) ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تا کہ میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا۔ کھیتی باڑی' دودھ کے جانور' پھلوں کا باغ' تجارت' غلام اور باندی کا مالک ہونا' ان سب چیزوں کا مفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے اس کی تعداد دس تھی' اور جب اس کے سامنے جنت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم) جنت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر اور آیات کا ترجمہ اور تفسیر ذہن نشین فرمائیے۔ اول تو قیامت کا تذکرہ فرمایا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر سخت ہوگا جس میں ان کے لئے ذرا سی آسانی نہ ہوگی' اس کے بعد ایک بڑے معاند کٹر کافر یعنی ولید بن مغیرہ کا تذکرہ فرمایا۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (مجھے اور اس شخص کو رہنے دیجئے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے ہم اسے سزا دیں گے) آپ کو اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں اس کے پیدا کرنے میں میرا کوئی شریک نہیں اور جب اسے میں نے پیدا کیا تو وہ بالکل اکیلا تھا۔ مال اور اولاد اس کے پاس کچھ نہیں تھا (علی ان یکون" وحیدا" حالا من الفاعل او المفعول) اس کافر کے بارے میں دوسری بات یہ بتائی کہ میں نے اسے کثیر مال دیا ہے جو بڑھتا رہتا ہے (قال فی معالم التنزیل ممدوداً ای کثیراً قیل ھو مایمد بالنماء

کالزرع والضرع والتجارة)(تفسیر معالم التنزیل میں ہے ممدوداً یعنی کثیراً بعض نے کہا اس کا معنی ہے جو چیز بڑھ کر پھیلتی ہے جیسے کھیتی وتجارت وغیرہ)اور تیسری بات یہ فرمائی کہ میں نے اس کو بیٹے دیئے ہیں جو اس کے سامنے رہتے ہیں اور چوتھی بات یہ فرمائی ہے کہ میں نے اسے ہرطرح کا سامان مہیا کر دیا (یہ مهدت له' تمهیدا' کا ترجمہ ہے قال فی معالم التنزیل ای بسطت لهٗ فی العیش وطول العمر بسطاً وقال الکلبی یعنی المال بعضه علی بعض کما یمهدالفرش)(تفسیر معالم التنزیل میں ہے یعنی میں نے اسے زندگی گزارنے میں کشادگی دی اور اس کی عمر لمبی کر دی اور کلبی کہتے ہیں میں نے اسے مال پر مال دیا جیسا کہ فرش بچھایا جاتا ہے)

پھر فرمایا ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ (پھر وہ آرزو رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ مال اور اولاد دے دوں) اس سے دنیا میں مزید مال اور اولاد دینے کی بھی نفی ہوگئی اور وہ جو اس نے کہا تھا کہ اگر جنت واقعی پیدا ہوئی ہے تو مجھے ہی ملے گی اس کی بھی تردید ہوگئی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید برابر مال اور اولاد کے اعتبار سے نقصان میں جاتا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا، کب مرا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے کہ بعض اہل سیر کا قول ہے کہ غزوۂ بدر میں مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے ملک حبشہ نے قتل کر دیا تھا۔ بہرصورت وہ کفر پر ہی مقتول ہوا۔

اس کے بعد فرمایا سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا. (میں اسے صعود پر چڑھاؤں گا) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صعود آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر دوزخی کو ستر سال تک چڑھایا جائے گا۔ جب ایک بار چڑھایا جائے گا تو اسی طرح ستر سال تک اترتا رہے گا اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا اس سے کبھی فارغ نہ ہوگا (اور یہ اترنا چڑھنا جبری ہوگا) (رواہ الترمذی)

آگے اس بات کا ذکر ہے کہ جب ولید سے کہا گیا کہ قوم قریش تجھ سے راضی نہیں ہوسکتی جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو قریش کے جذبات کے موافق ہو تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (بلاشبہ اس نے سوچا کہ قرآن کے بارے میں کیا تجویز کروں۔ پھر سوچ کر ایک بات تجویز کی۔

فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ (پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی. ثُمَّ نَظَرَ (پھر اس نے حاضرین کے چہروں کو دیکھا کہ وہ جو بات اپنے نفس میں تجویز کی ہے وہ ان سے کہہ دوں) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ پھر اس نے منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا تاکہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اسے قرآن سے واقعی بہت کراہت ہے اور اندر سے انقباض بہت زیادہ ہے. ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ (پھر اس نے منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا) اس میں بھی نفرت کا اظہار تھا۔

فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ يُّؤۡثَرُ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ؕ

(پھر کہنے لگا کہ یہ تو بس جادو ہی ہے جو منقول ہے یعنی دوسروں سے لیا گیا ہے اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، اور نہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے بلکہ انسانوں کا کلام ہے۔

ولید بن مغیرہ کی یہ بات نقل کر کے ارشاد فرمایا سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ (میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا) وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور اے مخاطب! تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے۔ لَا تُبۡقِىۡ وَلَا تَذَرُ (نہ وہ باقی رہنے دے گی نہ چھوڑے گی) لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ (وہ بدن کی حالت کو بگاڑ کر رکھ دے گی)

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ (اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔)

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ

اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو ان کی تعداد رکھی ہے صرف اس لئے کہ کافروں کے لئے فتنہ کا ذریعہ بنیں تاکہ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور شک نہ کریں اہل کتاب اور اہل ایمان

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور تاکہ وہ لوگ یوں کہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو لوگ کافر ہیں کہ اللہ نے اس عجیب مضمون سے کیا ارادہ فرمایا اللہ ایسے ہی گمراہ

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا، اور وہ نہیں ہے مگر ایک نصیحت انسانوں کے لئے۔

دوزخ کے کارکن صرف فرشتے ہیں ان کی معیّنہ تعداد کافروں کے لیے فتنہ ہے، رب تعالیٰ شانہٗ کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی جس میں انیس فرشتوں کا ذکر ہے تو ابوجہل نے قریش سے کہا تمہارا ناس ہو محمد (رسول اللہ) کا بیان ہے کہ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں تو کیا تم پہلوان ہوتے ہوئے ان سے مار کھا جاؤ گے تم میں سے ہر دس آدمی ایک فرشتے کے لئے کافی نہ ہوں گے وہیں اسید بن کلدہ بھی (ایک شخص) موجود تھا اس نے کہا سترہ فرشتوں سے تو میں نمٹ لوں گا دس میری پیٹھ پر سات میرے پیٹ پر ہوں تو میں نمٹا دوں گا۔ اور باقی دو سے تم نمٹ لینا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے کہا میں پل صراط پر تمہارے آگے آگے چلوں گا دس فرشتوں کو داہنے مونڈھے سے، اور نو فرشتوں کو بائیں مونڈھے سے دھکیل دوں گا، ہم پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے کارکن فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں تاکہ انسانوں پر قیاس کر کے کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ میں اتنے عدد سے نمٹ لوں گا۔ ہر ہر فرشتے کی بہت بہت زیادہ قوت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک فرشتے کی قوت تمام جنات اور انسانوں کے برابر ہے۔ (الدر المنثور صفحہ ۲۸۴ ج ۲)

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا.

(اور ہم نے کارکنان دوزخ کی جو مقدار رکھی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ کافرین کی جانچ اور امتحان ہو وہ اس کی تکذیب کریں اور گمراہی میں پڑیں لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (تاکہ وہ لوگ یقین کرلیں جنہیں کتاب دی گئی ہے) یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس جو کتابیں ہیں ان میں بھی تذکرہ تھا کہ کارکنان دوزخ کی تعداد انیس ہے۔ اب جب انہوں نے اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کا یہ اعلان سنا جس میں فرشتوں کی یہی تعداد بتائی ہے تو انہیں یقین آ جائے گا کہ واقعی قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس طرح سے ایمان قبول کرنے کی رغبت ہوگی۔ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا (اور ان میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا۔)

وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

(اور اہل کتاب اور مؤمنین شک نہ کریں) کہ کارکنان دوزخ کی تعداد انیس ہے۔

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا

(اور تا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور کافر لوگ یوں کہیں کہ اللہ نے اس عجیب مضمون سے کیا ارادہ کیا ہے) جن کے دلوں میں ایمان ہوتا وہ اعتراض نہیں کرتے اللہ اور اس کے رسول کی جو بات سنتے ہیں فوراً مان لیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

(اللہ اسی طرح گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے) اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (اور آپ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین کی اس بات کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مددگار بس انیس[19] ہی افراد ہیں' ارشاد فرمایا کہ آپ کے رب کے لشکر تو بہت زیادہ ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔

(یہ انیس عدد تو اصل ذمہ دار ہیں اس کے خازن ہیں یعنی بڑے ذمہ دار ہیں اور ان کے اعوان و انصار بہت زیادہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس وقت اس کی ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) باگیں ہوں گی' ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار ۷۰،۰۰۰ فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ

(یعنی دوزخ کا ذکر اور اس کے احوال کا بیان صرف اس لئے ہے کہ انسان نصیحت حاصل کریں) اور وہاں کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائیں لوگ ایمان تو لاتے نہیں انکار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مزید کفر میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ منکرین کی بدبختی ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ

بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے۔ بلاشبہ یہ دوزخ بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک ہے۔ جو انسان کیلئے بڑا ڈراوا ہے' تم میں

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ

سے جو شخص آگے بڑھے اس کے لئے بھی یا جو پیچھے ہٹے اس کے لئے بھی ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ مرہون ہوگا۔ سوائے اصحاب یمین کے کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے۔

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ

مجرمین کے بارے میں دریافت کرتے ہوں گے تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا' وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں

نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا

میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور مشغلہ رکھنے والوں کے ساتھ مشغلہ رکھتے تھے اور بدلہ کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے

الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ

پاس موت آ گئی۔ سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ دے گی۔ سو انہیں کیا ہوا کہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں گویا کہ وہ

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾

وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگ رہے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے۔ کہ اسے کھلے ہوئے نوشتے دے دیئے جائیں

كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ

ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے یہ یقینی بات ہے کہ یہ قرآن نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرلے اور نصیحت حاصل نہیں کریں گے

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

مگر یہ کہ اللہ چاہے وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے

دوزخیوں سے سوال کہ تمہیں دوزخ میں کس نے پہنچایا' پھر ان کا جواب' ان کو کسی کی شفاعت کام نہ دے گی یہ لوگ نصیحت سے ایسے اعراض کرتے ہیں' جیسے گدھے شیروں سے بھاگتے ہیں

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ چاند کی اور رات کی اور صبح کی قسم یہ دوزخ (جس کا اوپر سے ذکر چلا آ رہا ہے) بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک چیز ہے اس کے عذاب کو معمولی نہ سمجھا جائے اسی دنیا میں رہتے ہوئے جو اس کی خبر اللہ کی کتاب نے دی ہے یہ خبر سچی ہے اور ان کا بیان کرنا اس لئے ہے کہ انسان اس کے اخبار اور احوال سن کر خوف کھائے۔ قال القرطبی (ص ۸۵ ج ۱۹)

وذکر' لان معناه معنى العذاب' أو اراد ذات انذار على معنى النسب كقولهم امراة طالق وطاهر وقال الخليل' النذير مصدر كالنكير ولذلك يوصف به المؤنث.

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (یعنی قیامت کا تذکرہ ڈرانے والا ہے اس شخص کے لئے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے)

ہر شخص اپنے اپنے عمل کو دیکھ لے کہ ایمان اور اعمال صالحہ میں آگے بڑھ رہا ہے یا تکذیب و انکار کی وجہ سے جنت سے پیچھے ہٹ رہا ہے)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ہر جان اپنے عمل کی وجہ سے مرہون ہے) جیسے کوئی شخص کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیتا ہے پھر اسے چھڑا نہیں سکتا۔ جب تک وہ مال ادا نہ کر دے جس کے عوض چیز رہن رکھی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص کا عمل روکے رکھے گا یعنی حساب کتاب ہوگا اہل کفر اور اہل شرک کا جرم چونکہ سب سے بڑا ہے اس لئے اہل کفر اور اہل شرک اپنے اس جرم کی وجہ سے ہمیشہ ہی محبوس رہیں گے انہیں کوئی عمل کوئی سفارش دوزخ سے نہ چھڑا سکے گی' اب رہے وہ لوگ جو مؤمن تو تھے لیکن انہوں نے اعمال صالحہ بھی کئے اور برے اعمال کا ارتکاب بھی کر لیا تو یہ لوگ نیکیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے اور بہت سے لوگ شفاعتوں سے اور بہت سے لوگ حقوق العباد ادا کر کے اور بہت سے لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و مغفرت کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے جن کی نیکیوں

کے اعمال نامے بھاری ہوں گے وہ لوگ نجات پا ئیں گے اور جن لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق تھے وہ حقوق کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے ان کی نیکیاں اصحاب حقوق کو دیدی جائیں گی اگر حقوق ادا کرنے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان پر اصحاب حقوق کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم کما حدیث القصاص فی المشکوٰۃ ص ۴۳۵)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ اپنے بندوں کو جمع فرمائے گا جو ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے' پھر ایسی آواز سے ندا دیں گے' جسے دور والے ایسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے سنیں گے اور اس وقت یہ فرمائیں گے کہ میں بدلہ دینے والا ہوں' میں بادشاہ ہوں (آج) کسی دوزخی کے حق میں یہ نہ ہوگا کہ دوزخ میں چلا جائے اور کسی جنتی پر اس کا ذرا بھی کوئی حق ہو اور یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی جنتی جنت میں چلا جائے اور کسی دوزخی کا اس پر کوئی حق ہو جب تک کہ میں صاحب حق کا بدلہ نہ دوں' حتیٰ کہ ایک چپت بھی ظلماً ماردیا تھا تو اس کا بدلہ بھی دلا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بدلہ کیسے دلایا جائے گا؟ حالانکہ ہم ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے؟' جواباً سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکیوں اور برائیوں سے لین دین ہوگا (قال فی الترغیب ص ۴۰۴ ج ۴ رواہ احمد باسناد حسن)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے زر خرید غلام کو ظلماً ایک کوڑا بھی مارا تھا' قیامت کے روز اس کو بدلہ دیا جائے گا (الترغیب والترہیب ص ۵۰۳ ج ۴ رواہ الطبرانی باسناد حسن)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ (اگر) والدین کا اپنی اولاد پر قرض ہوگا تو جب قیامت کا دن ہوگا وہ اپنی اولاد سے الجھ جائیں گے (کہ ہمارا قرض ادا کرو) وہ جواب دے گا کہ میں تو تمہاری اولاد ہوں (وہ اس کا کچھ اثر نہ لیں گے اور مطالبہ پورا کرنے پر اصرار کرتے رہیں گے' بلکہ تمنا کریں گے کہ کاش اس پر ہمارا اور بھی قرض ہوتا) (الترغیب والترہیب ص ۵۰۴ ج ۴ از طبرانی واسنادہ ضعیف)

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ط (لیکن داہنی طرف والے مرہون نہ ہوں گے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ان حضرات کی نجات ہو جائے گی اور اپنے اعمال کی وجہ سے محبوس نہ ہوں گے جنت میں داخل ہونے کے لئے ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی یہ وہی اصحاب یمین ہیں جن کا سورۃ الواقعہ میں ذکر ہے وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ مَآ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۔ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۔ (الآیات)

فِیۡ جَنّٰتٍ (حضرات اصحاب الیمین بہشتوں میں ہوں گے)

یَتَسَآءَلُوۡنَ ۙ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ یعنی کافروں کے بارے میں سوال کر رہے ہوں گے اور یہ سوال خود مجرمین سے ہوگا۔

مَاسَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ۔ (تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا)

وَکُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ۔ (اور مشغلہ رکھنے والوں کے ساتھ مشغلہ رکھتے ہیں)

لفظ خوض کا معنی ہے کسی چیز میں گھسے چلے جانا مطلب یہ ہے کہ اہل باطل کافر اور معاند جب اسلام کی برائیاں کرنے بیٹھتے اور اسلام کی مخالفت میں دور دور کی باتیں سوچتے تو ہم بھی ان کے ساتھ لگ جاتے تھے اور ان کی باتوں میں شریک ہو جاتے تھے' ہمارا جرم صرف احکام پر عمل نہ کرنا تھا بلکہ ہم کافر تھے اور کافروں کے ساتھ اسلام کی مخالفت کرنے میں مشغول رہتے تھے۔

وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ حَتّٰۤی اَتٰنَا الۡیَقِیۡنُ ط

(اور ہم بدلہ کے دن یعنی یوم آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور یہ تکذیب اور انکار اخیر وقت تک رہا یہاں تک ہمیں موت آ گئی)

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ؕ

(سو ان لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی) کافر کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جو اسے دوزخ سے نکلوا دے سورۂ مؤمن میں فرمایا

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ

(ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے) آخرت میں ان کی یہ بدحالی ہوگی اور دنیا میں ان کا یہ حال ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں اعراض کر کے چلے جاتے ہیں اور اعراض بھی معمولی نہیں سخت اعراض کرتے ہیں' اسی کو فرمایا كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۙ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ؕ

(قرآن کی باتیں سن کر وہ اس طرح اعراض کرتے ہیں کہ گویا گدھے ہیں جو شیر سے متنفر ہو کر بھاگ رہے ہیں' قسورہ کا ترجمہ شیر کیا گیا ہے یہ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ كما ذكر في معالم التنزيل وفيه اقوال اُخر وهذه الكلمة لا واحد لها من لفظها. (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں اور اس کلمہ کی اس کے مادہ سے واحد نہیں آتی)

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ؕ

(یعنی ان کو ایمان لانا نہیں ہے کفر پر جمے رہنے کے لئے ایسے مطالبات کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بس میں نہیں ہیں کہتے ہیں کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم میں سے ہر شخص کے سر کے پاس جب صبح کو سو کر اٹھے تو ایک پرچہ ہونا چاہئے جس میں اللہ کی طرف سے یہ لکھا ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ بھی لکھا ہو کہ ان کا اتباع کرو (الدر المنثور ص ۲۸۶ ج ۶) یہ ان کی جاہلانہ باتیں ہیں' واضح ہونے کے بعد حق کو نہ ماننا اور حیلے بہانے تلاش کرنا مزید کفر در کفر ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ

(حقیقت میں بات یہ ہے کہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہ انہیں آخرت کا یقین ہے اور نہ وہاں کے عذاب کا خوف ہے' اسی لئے ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ

(خبردار یہ نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے)

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

(اور نہیں نصیحت حاصل کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے)

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ؕ

(وہی ہے بس جس سے ڈرنا چاہئے اور وہی معاف کرنے والا ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے لہٰذا کوئی میرے ساتھ کوئی معبود نہ ٹھہرائے سو جو شخص مجھ سے ڈرا اور میرے ساتھ کوئی معبود نہ ٹھہرایا میں اس کا اہل ہوں کہ اسے بخش دوں (روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۲۹ وعزاہ احمد والترمذی والحاکم)۔

احیانا اللّٰہ تعالٰی علی توحیدہ و اماتنا علیه وھذا اخر تفسیر سورۃ المدثر' والحمد للّٰہ علی التمام وحسن الختام والصلوۃ والسلام علی نبیه خیر الانام وعلی اله وصحبه البررۃ الکرام

☆☆☆..............☆☆☆

مکی	سورۃ القیامۃ	۴۰ آیتیں ۲ رکوع

(۳۱) سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۷۵) آیَاتُھَا ۴۰ رُکُوْعَاتُھَا ۲

سورۃ القیامہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی' اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟

بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ؕ﴿۶﴾

ہم ضرور جمع کریں گے۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اسکی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں۔ بلکہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق وفجور کرتا رہے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾

کا دن کب آئے گا' سو جس وقت آنکھیں حیران ہو جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند ایک حالت میں ہو جائیں گے اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں۔ ہرگز نہیں کہیں پناہ

كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ۣالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ بَلِ

کی جگہ نہیں۔ اس دن صرف تیرے رب کے پاس ٹھکانا ہے' اس دن انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلایا جائے گا۔

الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾

بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا' گو حیلے بہانے پیش کرے گا

انسان قیامت کا انکار کرتا ہے تا کہ فسق وفجور میں لگا رہے' اسے اپنے اعمال کی خبر ہے اگر چہ بہانہ بازی کرے' قیامت کے دن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی

یہاں سے سورۃ القیامہ شروع ہو رہی ہے اس میں قیامت کے اھوال اور احوال بیان فرمائے ہیں اور انسان کی موت کے وقت کی حالت بتائی ہے اور انسانوں کو آخرت کے لئے فکر مند ہونے کی تنبیہ فرمائی ہے۔

مشرکین وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ مردہ ہڈیوں میں جان کیسے پڑے گی؟ اور ہڈیاں کیسے جمع کی جائیں گی' اس

طرح کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عدی بن ربیعہ ایک آدمی تھا وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد (ﷺ) مجھے بتا دیجئے کہ قیامت کب ہوگی کیسے ہوگی کیا کیا احوال گزریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے قیامت کا حال بتا دیا وہ سن کر کہنے لگا کہ اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور تم پر ایمان نہ لاؤں گا مگر اس صورت میں کہ اللہ ہڈیوں کو جمع فرما دے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے انکار کے طور پر یوں کہا تھا کہ کیا محمد یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ہڈیاں جب گل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرما دے گا؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی اور قیامت کے دن کی اور ایسے نفس کی قسم کھائی جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی گناہ ہو جانے پر نادم ہو اور نیکی کر کے بھی اپنے نفس پر ملامت کرے کہ اس میں اخلاص کی یا فلاں فلاں آداب کی کمی رہ گئی۔ جواب قسم لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے یعنی میں قیامت کے دن کی اور نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں کہ قیامت کے دن ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ

(کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہرگز ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے)

بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ؕ

(ہاں! ہم اس پر ضرور قادر ہیں کہ ہم انسان کے پوروں تک کو درست کر دیں) یعنی نہ صرف یہ کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع کر سکتے ہیں بلکہ اس کی جسمانی ساخت کو دوبارہ پاؤں سے لے کر سر تک اسی طرح بنا سکتے ہیں جیسا کہ موت سے پہلے تھا انگلیوں کے پورے جسم میں چھوٹی چیزیں ہیں ان کو بھی حسب سابق ان کی جگہ لا سکتے ہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۴۲۱ ج ۴) وقال الزجاج وابن قتیبة :معناه ظن الکافر انا لانقدر علی جمع عظامه بلٰی نقدر علی ان بغیر اسلامیات علی صغرها فنؤلف بینها حتی نسوی البنان فمن قدر علی جمع صغار العظام فهو علی جمع کبارها اقدر.

(علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں زجاج اور ابن قتیبہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر نے گمان کیا کہ ہم اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہیں بلکہ کیوں نہیں ہم تو اس کے اجزاء کے چھوٹا ہونے کے باوجود ان کے جمع کر کے ملانے پر قادر ہیں حتیٰ کہ ہم اس کے پوروں کو برابر کر سکتے ہیں پس جو چھوٹی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر ہے تو وہ بڑی کو جمع کرنے پر زیادہ قادر ہے)

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ ؕ

(بلکہ انسان یوں چاہتا ہے کہ قیامت کی بات سن کر تسلیم نہ کرے اور آئندہ آنے والی زندگی میں فسق و فجور کرتا رہے) وہ قیامت کا دن واقع ہونے کا منکر ہے اور بطور انکار یوں پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا (یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ فسق و فجور میں جو ذرا سا مزا ہے اس کی وجہ سے قیامت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے قیامت کو مانا اس کے لئے تیاری کرنی ہی پڑے گی۔ گناہوں کو چھوڑنا ہوگا' لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خالق اور مالک نے جو چیز مقدر اور مقرر فرما دی ہے اور فیصلہ فرما دیا ہے اس کا واقع ہونا ضروری ہے نہ ماننے سے اور انکار کرنے سے فیصلہ شدہ واقع ہونے والی چیز ٹل نہ جائے گی آنے والی آ کر رہے گی۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ

(سو جس وقت آنکھیں حیران رہ جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند ایک حالت کے ہو جائیں گے)

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۚ

(اس دن انسان کہے گا کہاں ہے بھاگنے کی جگہ)

یعنی میں کہاں بھاگوں اور کیا کروں کَلَّا لَا وَزَرَ (اللہ پاک کی طرف سے جواب ملے گا کہ ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے) اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ (آج کے دن تیرے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے) نہ بھاگنے کی جگہ ہے نہ بھاگنا فائدہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے اسی میں رہنا ہوگا اسی کے فیصلے نافذ ہوں گے۔

قوله تعالى :وجمع الشمس والقمر اى جمع بينهما فى ذهاب ضوء هما فلاضوء للشمس كما لاضوء للقمر بعدخسوفه قاله الفراء والزجاج وقال ابوعبيدة هوعلى تغليب المذكروقال المبرد التأنيث غيرحقيقى

(وجمع الشمس والقمر کامعنی ہے کہ شمس وقمر دونوں کی روشنی سلب کر لی جائے گی۔ پس سورج بھی ایسے ہی بے نور ہو جائے گا جیسا کہ چاند گرہن ہونے کے بعد بے نور ہو جاتا ہے۔ یہ فراء وزجاج کا قول ہے اور ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکر کی مؤنث پر تغلیب کی وجہ سے فعل مذکر لایا گیا ہے اور مبرد کہتے ہیں کہ شمس کی تانیث، تانیث غیر حقیقی ہے اس لئے فعل مذکر استعمال ہوا ہے)۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (اس روز انسان کو سب کچھ اگلا پچھلا جتلا دیا جائے گا) دنیا میں جو بھی اعمال کئے تھے پہلے کئے ہوں یا بعد میں سب اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور اعمال نامے سب کچھ بتا دیں گے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ.

بلکہ انسان اپنے نفس کو خوب جاننے والا ہے دنیا میں بھی جانتا ہے اور وہاں بھی جانتا ہوگا کہ میں کیا کیا کر کے آیا ہوں (اپنے اعمال خود بھی یاد ہوں گے اور اعضاء بھی گواہی دیں گے)

قالوا فى معنى "بصيره" حجة بينة واضحة على نفسه شاهدة بما صدر عنه من الاعمال السيئة(ذكره صاحب الروح) وفى احكام القران للقرطبى قال ابن عباس بصيرة اى شاهد وهوشهود جوارحه عليه وناس يقولون هذه الهاء فى قوله بصيرة هى التى يسميها أهل الاعراب هاء المبالغة كالهاءفى قولهم داهية وعلامة ورواية

علماء نے کہا ہے بصیرۃ سے مراد اس کے نفس کے خلاف وہ واضح دلیل ہے جو اس سے صادر ہونے والے گناہوں کی گواہی ہوگی۔ تفسیر قرطبی میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بصیرۃ سے مراد گواہ ہے اور وہ اس کے خلاف خود اس کے اعضاء کا گواہی دینا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بصیرۃ میں ھاء وہ ہے جسے ھاء مبالغہ کہتے ہیں جیسا کہ داھیۃ، علامۃ اور روایۃ میں ہے۔

وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (اگرچہ حیلے حوالے پیش کرے)۔

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب معاذیر اعذار کے معنی میں ہو اور یہ معنی یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُھُمْ کے موافق ہے اور بعض حضرات نے معاذیر کا معنی ستور جمع ستر بمعنی پردہ کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان اگرچہ پردہ کے پیچھے کوئی عمل کرے اور یوں سمجھے کہ کسی نے دیکھا ہی نہیں جو میرے اس عمل کی گواہی دے تو یہ اس کی بیوقوفی ہے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ خود اپنے عمل کا گواہ بنے گا اور اس کا اقراری ہوگا۔

قال صاحب الروح قال السدى والضحاك المعاذير الستوربلغة اليمن واحدها معذار وحكى ذلك عن الزجاج اى ولوارخى ستوره والمعنى ان احتجابه فى الدنيا والاستتار لايغنى عنه شيئا لأن عليه من نفسه بصيرة وفيه تلويح الى معنى قوله تعالى وماكنتم تستترون ان يشهد عليكم الاية(انتهى)

وقال البغوی واهل الیمن یسمون الستر معذارًا وجمعه معاذیر، ومعناه علی هذا القول وان اسبل الستر لیخفی ما کان یعمل فان نفسه شاهدة علیه ومعاذیره ان کان جمع معذار بمعنی الستر فلا اشکال فی الجمع لان المفعال یجمع علی مفاعیل کالمصباح والمصابیح وان کان جمع معذرة بمعنی العذر فهو جمع علی خلاف القیاس والقیاس معاذر مغیریاء وقال صاحب الفرائد یمکن أن یقال الأصل فیه معاذر فحصلت الیاء من اشباع الکسرة ذکره صاحب الروح ولم یرض بقول صاحب الروح

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں سدی اور ضحاک نے کہا المعاذیر کا معنی یمن کی لغت میں پردے ہے اور اس کی واحد معذار ہے اور یہ معنی حجاج سے منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ پردے لٹکالے۔ مقصد یہ کہ دنیا میں اس کا چھپنا اور پردہ کیا وٹ میں ہونا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ اس کے نفس کی طرف سے اس پر نگرانی ہے اور اس میں وما کنتم تستترون ان یشهد علیکم کے معنی کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں یمن والے پردے کو معذار کہتے ہیں جس کی جمع معاذیر ہے۔ اس قول کی بناء پر اس کا معنی یہ ہے اگر چہ وہ اپنے عمل کو چھپانے کے لئے پردے لٹکائے مگر پھر بھی اس کا نفس اس کو دیکھنے والا ہے اور معاذیر اگر معذار بمعنی پردہ کی جمع ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مفاعیل کی جمع مفاعیل کے وزن پر آتی ہے جیسے مصباح کی جمع مصابیح آتی ہے اور اگر معاذیر، معذرۃ معنی عذر کی جمع ہے تو پھر خلاف قیاس ہے، قیاس کے مطابق تب اس کی جمع معاذر اور مغیریاء آنی چاہئے اور صاحب الفرائد نے کہا ہے ہوسکتا ہے معاذیر اصل میں معاذر رہی ہو اور یا کسرہ میں اشباع کرنے سے پیدا ہوئی ہو اسے صاحب المعانی نے ذکر کیا ہے مگر اسے پسند نہیں کیا)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں تاکہ آپ اسکو جلدی جلدی لے لیں، بے شک ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کرنا اور پڑھوا دینا، سو جب ہم اسکو پڑھیں سو آپ اسکے پڑھنے میں تابع ہو جایا کریں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشفقانہ خطاب، آپ فرشتہ سے قرآن کو خوب اچھی طرح سن لیں پھر دہرائیں، ہم آپ سے قرآن پڑھوائیں گے اور بیان کروائیں گے

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مشفقانہ خطاب فرمایا ہے جیسا کہ دوسرے خطابات بھی اسی طرح کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا شان نزول یوں بیان فرمایا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشقت برداشت کرتے تھے اور اپنے دونوں ہونٹوں کو ہلاتے تھے (تاکہ جو کچھ نازل ہو رہا ہے وہ فوراً یاد ہو جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں، ہم اسے آپ کے سینہ میں جمع کر دیں گے اور آپ سے پڑھوا دیں گے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (پھر جب ہم قرآن کو پڑھیں یعنی ہمارا فرشتہ وحی لے کر آئے اور آپ کو سنائے تو آپ سنتے رہیں اور اس کے بعد آپ پڑھیں)۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط (پھر بیشک ہمارے ذمہ اس کا بیان کرنا ہے)

یعنی ہم آپ سے قرآن پڑھوائیں گے اور آپ کی زبان پر جاری کردیں گے آپ لوگوں کو سنائیں گے اور پہنچائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے بعد یہ ہوتا تھا کہ جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے تھے تو آپ متوجہ ہو کر سنتے تھے پھر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے جاتے تھے تو آپ اسی طرح دہرا لیتے تھے جیسے جبرئیل نے پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۳ ج ۱ اور ص ۷۳۳ ج ۲)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾

اور بہت سے چہرے اس دن بدرونق ہوں گے خیال کر رہے ہوں گے کہ ہمارے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا۔ واقعی بات ہے کہ جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے

وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ ع ۱۷

اور کہا جائے کہ کون ہے دم کرنے والا اور وہ یقین کر لے کہ بلاشبہ یہ جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے اس روز تیرے رب کی طرف چلنا ہے۔

قیامت کے دن کچھ چہرے تروتازہ اور کچھ بدرونق ہوں گے، موت کے وقت انسان کی پریشانی

نزول قرآن کے وقت جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد کرنے میں تکلیف ہوتی تھی اس کے بارے میں آپ کو تسلی دی کہ آپ مشقت میں نہ پڑیں، آپ سن لیں پھر یاد کریں ہم آپ کو یاد کرا دیں گے اور اس کے احکام بھی آپ سے بیان کروا دیں گے، یہ مضمون بیان فرما کر پھر قیامت کے متعلق مضمون شروع فرما دیا اور فرمایا کَلَّا بیشک بات یہ ہے کہ مکذبین اور معاندین قرآن پر ایمان نہیں لاتے، یہ ان کی گمراہی ہے ان کے نہ ماننے سے قیامت ٹلنے والی نہیں ہے، جیسا وہ غلط خیال کرتے ہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا پھر ان کی گمراہی کا سبب بتایا۔

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۔ (اے منکرو! تم ایمان نہیں لاتے جو آخرت کا فکرمند بناتا ہے اور وہاں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو یہ دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمہیں ایمان نہیں لانے دیتی۔

اس کے بعد اہل ایمان کی خوشی اور اہل کفر کی بدحالی بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تو تازہ ہوں گے، یعنی خوش و خرم ہوں گے، ان کے چہروں کی خوبی اور چمک اور دمک دیکھنے والوں کو بتا رہی ہوگی کہ یہ لوگ بڑے خوش ہیں ان کو کوئی فکر نہیں پوری طرح ہشاش اور بشاش ہیں۔ (کما قال تعالیٰ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۔) ان میں بہت سے اشخاص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کی خدمت کر کے دعا لینے والے بھی ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نَضَّرَ اللّٰه امرأ سمع مناشيئا فبلغه كما سمعه فربّ مبلغ أوعى من سامع (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

(اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی پھر اس نے اسی طرح دوسروں کو پہنچا دی جیسے سنی تھی کیونکہ بہت سے افراد جن کو بات پہنچائی گئی اس سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں، جس نے خود سنی تھی)

اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ (یہ چہرے جوتر وتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)

دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے جنت میں اللہ تعالیٰ شانہ کا دیدار ہوگا جیسا کہ آیت شریفہ سے ظاہر ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ادنیٰ درجہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور تختوں کو ہزار سال کی مسافت کے اندر دیکھے گا (یعنی اس کی نعمتیں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہوں گی کہ کوئی شخص اول سے آخر تک ان کے پاس سے گزرنا چاہے تو ہزار سال میں چل کر پہنچے) اور ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (مذکورہ بالا آیتوں) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی واحمد کما فی المشکوۃ ص ۵۰۱)

پھر فرمایا وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۚ

(اور کچھ چہرے اس دن بدرونق ہونگے اور وہ خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا) یعنی یہ سمجھ لیں گے کہ دنیا میں جو نافرمانی کی زندگی گزاری ہے اس کی سزا ملنے والی ہے اس سزا کو فاقرۃ سے تعبیر فرمایا' ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہا جاتا ہے یہ لفظ اسی سے ماخوذ ہے۔ قال صاحب الروح أى داهية عظيمة تفصم فقار الظهر من فقره اصاب فقاره۔

كَلَّا یہ بات ہرگز ٹھیک نہیں ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے رہو بلکہ موت کے وقت کے لئے اور موت کے بعد کے حالات کے لئے فکرمند رہنا ضروری ہے۔ یہ دنیا بہرحال چھوٹ جانے والی ہے اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۚ جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے (یعنی روح نکلنے لگے وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۚ (اور یوں کہا جائے کہ جھاڑ پھونک کرنے والے کون ہے؟ یعنی پاس کے بیٹھنے والے تیماردار عزیز قریب کے سوچنے لگیں گے کہ کوئی علاج کرنے والا ہے)

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۚ (اور یہ یقین کرلے گا کہ اب جدائی ہے) یعنی جس کی روح ہنسلیوں تک پہنچی ہے اس کے تیماردار تو معالج کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب میرا چل چلاؤ ہے روح جسم سے جدا ہو رہی ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۚ (اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے)

جیسا کہ بعض مرنے والوں کا سکرات موت کے وقت ایسا حال بن جاتا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے پنڈلی کا لپٹنا ہی مراد نہیں بلکہ نزع کے احوال اور سکرات مراد ہیں چونکہ سب سے پہلے پنڈلیوں سے روح نکلتی ہے اور یہ دونوں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں اور خشک ہو جاتی ہیں اس لئے ان کا تذکرہ فرمایا۔

اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ۚ (اس دن تیرے رب کی طرف چلا جانا ہے)

یعنی جس وقت مذکورہ بالا حالات انسان پر گزرتے ہیں اس وقت دنیا اور اہل دنیا سے کٹ کر انسان اپنے رب کی طرف چل دیتا ہے یعنی کوئی معاون و مددگار نہیں رہتا' اللہ تعالیٰ ہی کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ جنت ملتی ہے یا دوزخ میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کا فیصلہ فرما دے گا۔

قال صاحب الروح وتقديم الخبر للحصر والكلام على تقدير مضافٍ هو حكم وقيل هو موعد والمراد به الجنة والنار والمساق مصدر ميمى كالمقال قوله تعالىٰ التراقى أى اعالى الصدر وهى العظام المكتنفة صغرة النحر عن يمين وشمالٍ جمع ترقوةٍ (من روح المعانى)

(صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ خبر کی تقدیم حصر کے لئے ہے اور کلام میں مضاف مقدر ہے جو کہ حکم ہے اور بعض نے کہا وہ موعد ہے اور اس سے مراد جنت یا جہنم ہے المساق مصدر میمی ہے جیسے مقال اور التراقی کا معنی ہے۔ سینہ کا اوپر والا حصہ اور وہ ہڈی ہے جو گردن کے نیچے دائیں بائیں ابھری ہوئی ہوتی ہے اور یہ ترقوۃ کی جمع ہے)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ

سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی اور لیکن جھٹلایا اور منہ موڑا پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا' تیرے لئے کمبختی ہے' پھر تیرے لئے کمبختی ہے

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ

پھر کمبختی ہے۔ کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا نطفہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا تھا' سو اللہ تعالیٰ نے

عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾ ع ۲ ۱۸

اسے بنا دیا اور پھر اس کے اعضاء درست کر دیئے پھر اس کی دو قسمیں بنا دیں ایک مرد اور ایک عورت۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔

انسان کی تکذیب کا حال اور اکڑفوں' کیا اسے پتہ نہیں کہ نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے، جس کی یہ تخلیق ہے کیا اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ فرمادے

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ فلا صدق ولا صلی کی ضمیر ابوجہل کی طرف راجع ہے (اور اگر کافروں کا ہر سرغنہ مراد لیا جائے تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں ہے کیونکہ کفر کے سردار اور چودھری اسی مزاج کے ہوتے ہیں جس کا یہاں تذکرہ فرمایا ہے)

فلا صدق ولا صلی ۔ (سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی)

ولکن کذب وتولی (اور لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

ثم ذہب الی اہلہ یتمطی ۔ (پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا)

جن کا متکبرانہ انداز ہوتا ہے ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنی چال ڈھال سے تکبر ظاہر کرتے ہیں اکڑتے مکڑتے اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ جس کسی نے کوئی حق بات کہی اور حق کی دعوت دی تو اسے ٹھکرا کر منہ موڑ کر متکبرانہ چال سے گزر جاتے ہیں اور جب مجلس سے اٹھ کر گھر میں جانے لگیں تو ان کی متکبرانہ رفتار کا پوری طرح مظاہرہ ہو جاتا ہے۔

اولی لک فاولی ۔ ثم اولی لک فاولی ۔

(تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے پھر تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے) یہ جھٹلانے والے اور منہ موڑنے والے کے لئے وعید ہے اور وعید پر وعید ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو نجات پانے والا نہیں ہے عذاب میں مبتلا ہوگا تو عذاب کا مستحق ہے اور عذاب تیرے حال سے قریب تر ہے۔ لفظ اولی ولی سے مشتق ہے جس کا معنی قرب اور نزدیکی کا ہے مطلب یہ ہے کہ تو عذاب کا مستحق ہے اور عنقریب ہی تیری کمبختی آنے والی ہے' حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنگریزوں والی زمین میں ابوجہل کے کپڑے پکڑے اور اسے آیت کریمہ اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی سنا دی۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا

تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ تم اور تمہارا رب میرا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مکہ کے پہاڑوں کے درمیان جو لوگ چلتے پھرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں، پھر غزوۂ بدر کے موقع پر وہ بری طرح مقتول ہوا۔

قال صاحب الروح اولى لک فاولى من الولیٰ بمعنى القرب فهو للتفضل في الاصل وغلب في قرب الهلاك ودعاء السوء كانه قيل هلاكا أولى لك بمعنى اهلكك الله تعالى هلاكا أقرب لك من كل شر وهلاك وعن ابي على أن أولى لك علم للويل مبنى على زنة افعل من لفظ الويل على القلب وأصله اويل الى اخر ماقال صاحب الروح (ص ۱۷۰ ج ۲۹)

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اولی لک فاولی یہ الولی سے قرب کے معنی میں ہے اور یہ اصل میں تفضیل کے لئے ہے پھر ہلاکت اور بری دعا کے معنی میں غالب استعمال ہونے لگا۔ گویا کہ کہا گیا۔ ھلاکا اولی لک یعنی اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے ایسا ہلاک کرنا جو تیرے لئے ہر شر کے زیادہ قریب ہو اور ابوعلی سے مروی ہے کہ اولی لک ہلاکت کا نام ہے جو کہ افعل کے وزن پر مبنی ہے اور قلب کی بناء پر لفظ ویل سے ہے اور اس کی اصل اویل ہے)

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا) قرآن مجید کے مخاطبین ایمان لانے کو تیار نہ تھے اور جب انہیں قیامت اور وہاں کے حساب کتاب اور جنت اور جہنم کے داخلے کی باتیں بتائی جاتی تھیں اور ان سب کو جھلا دیتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ دنیا میں رہیں گے مزے اڑاتے رہیں گے۔

دنیا میں آئے وقت پورا کیا چلے گئے موت کے بعد پوچھ گچھ جزا سزا کچھ نہیں ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کیا انسان یوں سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کا اپنے بارے میں سوچ لینا کہ میں یوں ہی بلا حساب کتاب چھوڑ دیا جاؤں گا غلط ہے

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۝

(کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جسے ٹپکایا گیا)

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۝

(پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء درست کر دیئے)

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ۝

(پھر اس نے اسکی دو قسمیں بنا دیں ایک مرد ایک عورت)۔

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ۝

(ان تصرفات اور تخلیقات والا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ فرما دے)

انسان جو قیامت کا منکر ہے انکار کرتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ بھلا مر کھپ کر بھی زندہ ہوں گے اس کے جواب میں فرمادیا کہ دیکھو منی کا ایک قطرہ تھا وہ تیری ماں کے رحم میں ڈالا گیا پھر وہ جما ہوا خون بن گیا پھر اللہ نے اس کا باقاعدہ جسم بنا دیا یعنی اس لوتھڑے میں اعضاء پیدا فرما دیئے اور پھر اس کی دو قسمیں بنا دیں ایک نر اور ایک مادہ یہ سب باتیں تو جانتا ہے اور مانتا ہے جس ذات پاک نے اتنے تصرفات فرمائے اور قطرۂ منی سے بہت سارے مرد و عورت بنا دیئے تو کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کے لئے ابتداءً پیدا فرمانا اور

دوبارہ پیدا فرمانا دونوں برابر ہیں، انسان کی عقل اور قیاس میں ہدایت کے ساتھ یہ بات آ جاتی ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا بنسبت پہلی بار پیدا کرنے کے آسان ہونا چاہئے لیکن انسان پھر بھی معاد کا یعنی، دوبارہ پیدا ہونے کا منکر ہے۔

حدیث:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھے اور اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ پر پہنچے تو اس کے بعد یوں کہے، بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔

(ہاں وہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہ ہوں) اور جو شخص سورۂ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھے اور اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى پر پہنچے تو بَلٰى کہے (یعنی یوں کہے کہ ہاں میں یہ مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے) اور جو شخص سورۂ والمرسلٰت پڑھے اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو یوں کہے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (کہ ہم اللہ پر ایمان لائے)۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۸۱)

وھٰذا اٰخر تفسیر سورۃ القیامہ، والحمد للہ اولاً و اٰخرًا و باطنًا و ظاهرًا۔

☆☆☆ .... ☆☆☆

مکی	سورۃ الدہر	۳۱ آیتیں ۲ رکوع

آیاتہا ۳۱ (۷۶) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ (۹۸) رکوعاتہا ۲

سورۃ الدہر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی' اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝۱ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

بے شک! انسان پر ایک ایسا وقت آ چکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا

پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں سو ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راستہ دکھایا تو وہ شکر گزار

وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳

ہو گیا یا ناشکرا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور اسے دیکھنے والا بنایا اسے صحیح راستہ بتایا، انسانوں میں شاکر بھی ہیں کافر بھی ہیں

یہاں سے سورۃ الدّھر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الانسان بھی ہے' اس کے بعد پہلے رکوع میں انسان کی ابتدائی آفرینش بتائی ہے' اس کے بعد انسان کی دو قسمیں بتائی' ایک شکر گزار اور ایک ناشکرا اس کے بعد ناشکروں کا عذاب اور شکر گزاروں کے انعامات بیان فرمائے ہیں' دوسرے رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبر کرنے اور ذکر کرنے اور راتوں کو نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دنیاداروں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑا دن چھوڑ رکھا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ بالکل ہی قابل ذکر کوئی چیز نہ تھا اس کا کوئی تذکرہ کرتا تھا نہ اس کا کچھ نام تھا نہ اس کی کچھ حیثیت تھی' مطلب یہ ہے کہ یہ انسان جو دنیا میں نظر آ رہے ہیں ان میں بڑے بھی ہیں چھوٹے بھی ہیں' متکبر بھی ہیں، اکڑفوں دکھانے والے بھی ہیں' ان میں سے ہر شخص پر ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی چیز بھی نہ تھا جو قابل ذکر ہو' بلکہ نطفہ منی تھا اور اس سے پہلے غذا تھا اور یہ غذا مٹی سے نکلی تھی' ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا یعنی مرد اور عورت دونوں کے مخلوط مادۂ منویہ سے رحم مادر میں اس کی ابتداء کی پھر وہ ایک

عرصے تک نطفہ رہا پھر علق یعنی خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر اسکے اعضاء بنا دیئے پھر اس میں جان ڈال دی اس کے بعد رحم مادر سے باہر آ گیا یہ اس کا باہر آنا پلنا بڑھنا بے حکمت نہیں ہے انسان یوں نہ سمجھے کہ یوں میں چھوڑ دیا جاؤں گا۔ (کما مر فی السورۃ السابقۃ) بلکہ اس کی یہ تخلیق ابتلاء اور امتحان اور آزمائش کے لئے ہے اسے بہت سے کاموں کا مکلف کیا گیا ہے سورۂ ملک میں فرمایا

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال والا کون ہے)

اور انسان کو صرف حیات دے کر آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ اس کو عقل وفہم سمع وبصر کا عطیہ دیا ہے وہ سمجھتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہدایت کو اس کی عقل وفہم پر نہیں رکھا بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے واسطے سے حق راہ بتائی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ تمام انسان اپنے خالق کو پہچانتے، مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت حاصل کرتے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے جو دین پیش کیا، اسے قبول کرتے اور اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہوگئیں اور ان میں سے بعض شکر گزار بنے اور بعض ناشکرے بن گئے، مؤمن بندے شکر گزار ہیں، غیر مؤمن یعنی کافر ناشکرے ہیں، جنہوں نے عقل اور سمع وبصر سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے کفر اختیار کر لیا۔

(قال صاحب الروح وحاصله دللناه على الهداية والاسلام فمنهم مهتد مسلم ومنهم ضال كافر)

قوله تعالىٰ: هل أتى قيل هل بمعنى قد وقيل أصله أهل على أن الاستفهام للتقرير أى الحمل على الاقرار بما دخلت عليه

وقوله: أمشاج جمع مشج بفتحتين أو بفتح فكسر أو جمع مشيج جمع خلط بمعنى مختلف ممتزج يقال مشجت الشيء اذا خلطة ومزجته فهو مشيج وممشوج وهو صفة لنطفة ووصف بالجمع وهى مفردة لان المراد بها مجموع ماء الرجل والمرأة

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ہدایت اور اسلام کی طرف رہنمائی کر دی ہے۔ پس ان میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ مسلمان ہوگئے اور بعض گمراہ وکافر۔ ارشاد الٰہی هل اتى: بعض نے کہا هل قد کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا اس کی اصل اهل ہے اور استفہام تقریری ہے یعنی جس پر داخل ہوا ہے اس کے اقرار پر ابھارنا۔ ارشاد الٰہی امشاج: یہ مَشَج کی جمع ہے یا مَشِج کی جمع ہے یا مشیج کی جمع ہے اس کا معنی ہے مختلف وملا ہوا کہا جاتا ہے مشجت الشئ جب کہ اسے خلط ملط کر کے ملا دیا جائے پس وہ مشیج اور ممشوج ہوگئی۔ یہاں پر امشاج نطفہ کی صفت ہے۔ نطفہ مفرد ہے اس کی صفت اس لئے لائی گئی ہے کہ اس سے مراد عورت ومرد دونوں کا پانی ہے)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا

بلاشبہ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ بلاشبہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جس میں کافور کی

كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ

آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے وہ لوگ نذر کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں

شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

جس کی سختی عام ہوگی۔ اور کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کیلئے

اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰ فَوَقٰهُمُ

کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے۔ بیشک ہم اپنے رب کی طرف سے ایک ایسے سخت دن کا اندیشہ رکھتے ہیں جو بہت ہی تلخ ہوگا۔ سو اللہ

اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝۱۱ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝۱۲ مُّتَّكِـِٕيْنَ

انہیں اس دن کی سختی سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا' اور انہوں نے جو صبر کیا اسکے بدلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا' وہ اس میں

فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ

مسہریوں پر تکیے لگائے ہوں گے نہ وہاں دھوپ محسوس کریں گے اور نہ ٹھنڈک۔ اور ان پر اس کے سائے قریب ہوں گے اور اس کے پھل جھکے

قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝۱۴ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ۝۱۵ قَوَارِيْرَاۡ

ہوئے ہوں گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو کہ شیشے کے ہوں گے۔ شیشے چاندی کے ہوں گے

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝۱۶ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝۱۷ عَيْنًا فِيْهَا

جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز میں بھرا ہوگا۔ اور اس میں انہیں ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ (یعنی) ایسے چشمہ سے جس

تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝۱۸ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝۱۹

کا نام سلسبیل ہوگا اور انکے پاس ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝۲۰ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا

اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے گی۔ ان پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو

اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝۲۱ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝۲۲

چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔ بلاشبہ یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری کوشش کی قدردانی کی گئی ہے

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیھما ووقف علی الاول بالالف وعلی بغیر الالف

ع ۲۲ — ۱۹

کافروں کے عذاب اور اہل ایمان کے مأکولات' مشروبات اور ملبوسات کا تذکرہ

یہ انیس آیات ہیں' ان میں سے پہلی آیت میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے زنجیریں ہیں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ ہے۔ قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی ان چیزوں کا ذکر ہے۔ دیکھو سورۂ یٰس رکوع نمبر ۱ اور سورۃ الحاقہ رکوع نمبر ۱ اس کے بعد کی آیات میں نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان مأکولات اور مشروبات اور مرغوبات اور تذکرہ فرمایا ہے' یہ چیزیں انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کے بدلہ میں بطور انعام دی جائیں گی۔

ارشاد فرمایا ہے کہ نیک بندے ایسے جام سے شراب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور چند سطر کے بعد فرمایا ان حضرات کو ایسا جام پلایا جائے گا' جس کی شراب میں زنجبیل یعنی سونٹھ کی آمیزش ہوگی یہ کافور اور زنجبیل وہاں کا ہوگا اور اس کا کیف اور لذت بھی بے مثال

ہوگی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن میں جنت کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے یہ سب (سمجھانے کے لئے) نام کی حد تک ہے۔ وہاں کی چیزوں میں سے دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ؕ

لفظ عَیْنًا کیوں منصوب ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں لفظ اعنی محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات جو جام پئیں وہ ایک ایسے چشمہ سے بھرا جائے گا جسے وہ لوگ بہا کر لے جائیں گے یعنی وہ چشمہ ان کی مرضی کے مطابق بہتا ہوگا اپنی منزلوں اور محلات میں جیسے چاہیں گے جہاں چاہیں گے اسے جاری کرلیں گے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ؕ دنیا میں وہ لوگ اپنی نذر پوری کرتے ہیں نذر کا معنی تو معروف ہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہ حضرات کسی نیک کام کی نذر مان لیتے ہیں اسے پوری کر لیتے ہیں، جب کوئی شخص کام کی نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ ؕ نذر نہ مانے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اگر نذر مان لے (اور گناہ کی نذر نہ ہو) تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر گناہ کی نذر مان لے تو اسے پوری نہ کرے بلکہ اس کا وہی کفارہ دے دے جو قسم کا کفارہ ہے احادیث شریفہ میں نذر کے بارے میں یہ ہدایت وارد ہوئی ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۷)

وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ؕ یہ بھی نیک بندوں کی صفت ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی، سورج اور چاند بےنور ہو جائیں گے ستارے جھڑ جائیں گے، آسمان پھٹ پڑیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے، لوگ قبروں سے گھبرائے ہوئے اٹھیں گے، حساب ہوگا، پیشیاں ہوں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن رونے لگیں تو آپؐ نے فرمایا کیوں روتی ہو؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آ گئی اس کی وجہ سے رو رہی ہوں۔ یہ ارشاد فرمائیے کہ آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ تین مواقع میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

۱۔ ایک تو اعمال کے وزن کئے جانے کے وقت جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کی تول ہلکی ہوتی ہے یا بھاری۔

۲۔ جب اعمال نامے تقسیم کئے جانے لگیں گے جب تک یہ نہ جان لے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے۔

۳۔ جب دوزخ کی پشت پر پل صراط رکھ دی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۹۸ ج ۲)

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ؕ

یہ بھی نیک بندوں کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی محبت کی وجہ سے اس کی مخلوق پر مال خرچ کرتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو کھانا کھلاتے ہیں، اس میں جو لفظ اَسیر آیا ہے یعنی قیدی اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے مسلمان قیدی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر قیدی کو عام ہے کافر مشرک قید میں ہو اس کو بھی کھانا کھلانا ثواب ہے، خصوصاً جب کسی کو ظلماً قید کر لیا گیا ہو، پھر جب کسی کو قتل کرنا نہیں ہے اور جیل میں رکھنا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کھانا دینا ہی ہوگا کیونکہ وہ مجبور ہے۔ نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ؕ

یہ حضرات جو ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں کوئی احسان نہیں دھرتے اور انہیں بتا دیتے ہیں کہ آپ لوگ بے تکلف کھائیں ہماری

طرف سے نہ کسی عوض کا مطالبہ ہے اور نہ کسی شکریہ کا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید ہے ہم صرف اسی کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جب کسی پر کچھ خرچ کیا جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہونی چاہئے نہ نام آوری مقصود ہو نہ کسی عوض کی طلب ہو' حد یہ ہے کہ دل میں یہ بھی نہ ہو کہ جس پر خرچ کیا ہے وہ میرا شکریہ ادا کرے' جاہ اور مال کی ذرا سی بھی طلب ہوگی تو اخلاق میں فرق آ جائے گا۔

بہت سے لوگ کسی ضرورت مند پر خاص کر اپنے عزیزوں پر مال خرچ کر دیتے ہیں پھر کسی موقع پر احسان جتا دیتے ہیں اور یوں کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے وہ تو ایسا نکلا کہ اس نے چھوٹے منہ سے جزاک اللہ بھی نہ کہا ایسا کہہ کر سب ڈبو دیا' جس کے ساتھ احسان کیا تھا اسے تو چاہئے کہ شکریہ بھی ادا کرے اور دعا بھی دے نیز لوگوں کو بتائے بھی کہ فلاں نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے لیکن دینے والا اور خرچ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرے' حدیث شریف میں احسان جتانے والے کے لئے بڑی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ بات نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے راوی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کا برا ہو نقصان میں پڑیں یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ اپنے تہبند کو نیچے لٹکا کر چلنے والا۔ ۲۔ احسان جتانے والا

۳۔ اپنے بکری کے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعے چالو کرنے والا۔ (رواہ مسلم)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝

یہ بھی اللہ کے نیک بندوں کا قول ہے' وہ قیامت کے دن استحضار رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے سخت دن کا اندیشہ رکھتے ہیں' یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ قیامت کے سخت دن میں اللہ تعالیٰ ہماری گرفت نہ فرمائے لفظ عبوس فعول کے وزن پر ہے جس کا معنی منہ بگاڑنا اور ناراضگی اور ترش روئی کے ساتھ پیش آنا ہے اور قمطریرا بھی تقریباً اسی معنی میں ہے لیکن یہ بہت زیادہ منہ بگاڑنے پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ عبوس وہ ہے جو ہونٹوں سے منہ بگاڑے اور قمطریر وہ ہے جو پیشانی سے اور بھوؤں سے چہرہ بگاڑ کر سامنے آئے قیامت کے دن کو عبوسا اور قمطریرا دونوں صفات سے متصف فرمایا اس لئے عبوس کا ترجمہ سخت اور قمطریرا کا ترجمہ تلخ کیا گیا ہے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝

(سو اللہ انہیں اس دن کی سختی سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں تازگی اور خوشی سے ہمکنار فرمائے گا) وہ دنیا میں قیامت کے دن سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی سختی سے بچا دے گا ان کے چہروں میں حسن ہوگا تر و تازگی ہوگی اور دلوں میں خوشی ہوگی' خوب ہشاش بشاش ہوں گے۔ جعلنا اللّٰہ تعالٰی منھم (آمین)

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝

(اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے صبر کی وجہ سے جنت عطا فرمائے گا اور ریشمی لباس)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۝

(اس میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے)

لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا ۔

(اس میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ ٹھنڈک)

یعنی وہاں کی فضا پُر کیف ہوگی، گرمی اور دھوپ کی تپش اور کسی طرح کی سردی اور ٹھنڈک محسوس نہ ہوگی۔

بما صبروا جو فرمایا اس کا عموم تینوں قسم کے صبر کو شامل ہے طاعات پر جمنا (یعنی احکام کی پابندی کرنا) اور اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھنا اور مصائب اور مکروہات پر صبر کرنا۔

صبروا کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔

جنت کی پرفضا بہار اور موسم کی کیفیت بیان کرنے کے بعد وہاں کے پھلوں کی کیفیت بیان فرمائی:

ودانیۃ علیھم ظللھا وذللت قطوفھا تذلیلا ۔

(اور ان پر اس کے سائے قریب ہوں گے اور ان پر اس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے) جنت میں دھوپ نام کو نہ ہوگی سایہ ہی سایہ ہوگا اور سایہ قریب بھی ہوگا اور گہرا اور گھنا بھی کما قال تعالٰی: وندخلھم ظلا ظلیلا ۔ اور جو پھل ملیں گے وہ ان کے اختیار میں ہوں گے کھڑے اور لیٹے اور بیٹھے توڑ سکیں گے۔

اس کے بعد اہل جنت کے برتنوں کا تذکرہ فرمایا:

ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ واکواب کانت قواریرا ۔

(اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے وہ شیشے چاندی کے ہوں گے) یعنی جن برتنوں اور آبخوروں میں یہ حضرات جنت کی شراب پئیں گے ان میں چاندی والی سفیدی ہوگی اور شیشے کی طرح شفاف بھی ہوں گے۔

قال صاحب الروح فالمراد تکونت جامعۃ بین صفائن الزجاجۃ وشفیفھا ولین الفضۃ وبیاضھا.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں وہ برتن شیشے کی شفافیت وصفائی اور چاندی کی نرمی وسفیدی سے بنائے گئے ہوں گے)

قدروھا تقدیرا ۔ برتن اور آبخورے جن کا ذکر اوپر ہوا شراب سے بھرے ہوئے پیش کئے جائیں ان کے بھرنے اور پلانے پر جو خادم مامور ہوں گے وہ اس انداز سے انہیں پُر کریں گے کہ اس وقت جو پینے کی خواہش ہوگی اس کے مطابق ان میں شراب بھریں گے نہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے گی اور نہ اس سے کچھ بچے گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بے لطفی کی ہوتی ہیں۔

ویسقون فیھا کاسا کان مزاجھا زنجبیلا عینا فیھا تسمی سلسبیلا ۔

(اور اس میں انہیں ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی، یعنی ایسے چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہوگا) یہ آمیزش زنجبیل یعنی سونٹھ کی ہوگی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایسا جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہوگی اور کبھی ایسا جام پئیں گے جس کی آمیزش زنجبیل سے ہوگی۔

اس کے بعد خدمت گاروں کا تذکرہ فرمایا جو شراب پلائیں گے اور دیگر خدمات انجام دیں گے

ویطوف علیھم ولدان مخلدون

(اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے)

اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤا منثورا ۔

(اے مخاطب! اگر تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں)

یعنی وہ چمک دمک میں موتی کی طرح ہوں گے اور خدمات انجام دینے میں جوادھر ادھر آئیں جائیں گے اس کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے بکھرے ہوئے موتی ہیں کوئی موتی یہاں رکھا ہے اور کوئی وہاں دھرا ہے سورۂ والطور میں فرمایا:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ

اوران کے پاس ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں یہ لڑکے ان کی خدمت کے لئے خاص ہوں گے اور سورۂ واقعہ میں فرمایا:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۔ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ

(ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آب خورے اور آفتابے اور ایسا جام لے کر آمدورفت کریں گے جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا انہیں اس سے نہ دردسر ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا)

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا

(اور اے مخاطب! اگر تو وہاں دیکھے گا تو تجھے بڑا ملک نظر آئے گا)

اور اس میں جنت کی وسعت بتائی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے ہی چھوٹے موٹے گھر اور باغیچے ہوں گے جیسے دنیا میں ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہاں بہت بڑا ملک ہے ہر ہر شخص کو جگہ ملے گی اس کے سامنے ساری دنیا کی وسعت ہیچ ہے۔

سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوگا اللہ تعالیٰ کا اس سے ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا تیرے لئے اس میں دنیا کے برابر جگہ ہے اور اس جیسی دنیا کے برابر دس گناہ اس کے علاوہ اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کے بارے میں یوں کہا جاتا تھا کہ وہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ کا جنتی ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۲ از بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ادنیٰ درجہ کا جنتی اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور مسہریوں کو ہزار سال کی مسافت میں دیکھے گا (یعنی اپنی مذکورہ نعمتوں کو اتنی دور تک پھیلی ہوئی دیکھتا چلا جائے گا جتنی دور تک ہزار سال میں چل کر پہنچے) اور اللہ کے ہاں سب سے بڑا معزز وہ شخص ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ پڑھی (جو عنقریب ہی سورۃ القیامہ میں گزر چکی ہے) (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۵۰۱)

جب ادنیٰ درجہ کے جنتی کا اتنا بڑا رقبہ ہوگا تو مختلف درجات کے اعتبار سے دیگر حضرات کے رقبہ کے بارے میں غور کر لیا جائے۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ (اور ان پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہونگے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی ہوں گے) یہ ریشم وہاں کا ہوگا دنیا کا ریشم نہ سمجھ لیا جائے اور باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم عمدہ ہوں گے من بھاتے ہوں گے۔

وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ (اور ان کو زیور کے طور پر چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) سورۃ الکہف اور سورۃ الحج میں ہے کہ کنگن سونے کے ہوں گے اور اس میں کوئی منافات نہیں دونوں طرح کے کنگن ہونگے کہیں سونے کے کنگن کا ذکر فرما دیا اور کہیں چاندی کا۔ اہل جنت کے کپڑے ہرے رنگ کے ہوں گے کیونکہ یہ رنگ نظروں کو زیادہ بھاتا ہے اور کوئی لفظ حصر پر دلالت کرنا والا بھی نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ صرف سبز رنگ ہی کے کپڑے زیب تن کریں گے۔ آیت کریمہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي

انفسکم سے ظاہر ہے کہ جو کچھ جی چاہے گا وہی ملے گا اگر دوسرے رنگ کے کپڑے پہننے چاہیں گے تو وہ بھی عطا کر دیئے جائیں گے اور جس کا جو جی چاہے گا پہنے گا اہل جنت کو جو کنگن پہنائے جائیں گے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں میں سے اگر کوئی شخص (دنیا کی طرف) جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۸)

سوال: .... کنگن تو عورتوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں مردوں پر بھلا کیا جچیں گے؟

جواب: .... کسی بھی لباس یا زیور کا سجنا اور شائستہ و آراستہ ہونا ہر جگہ کے عرف پر موقوف ہوتا ہے۔ دنیا میں اگرچہ عموماً مرد کنگن نہیں پہنتے مگر جنت میں خواہش کر کے پہنیں گے اور سب ہی کو دیکھنے میں بھلے معلوم ہوں گے گھڑی کی چین ہی کو لیجئے طرح طرح کی بناوٹ اور چمک وزیبائش والی پہنی جاتی ہے اور مردوں کے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے بلکہ بعض قوموں میں تو بیاہ شادی کے موقعوں پر دولہا کو کنگن پہناتے ہیں اور برادری کے سب لوگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں چونکہ رواج ہے اس لئے سب کی نظر بھی قبول کرتی ہے اور سب کے دل بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اس رواج پر اس قدر اڑے ہوئے ہیں کہ شریعت کی ممانعت کا بھی خیال نہیں کرتے۔

وسقاھم ربھم شرابا طھورا۔

(اور ان کا رب انہیں پاک کرنے والی شراب پلائے گا)

اس سورت میں پہلی جگہ انّ الابرار یشربون فرمایا پھر دوسری جگہ ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ فرمایا جس میں ان کے مزید اعزاز کا ذکر ہے کہ خدام شراب لے کر آئیں گے۔

تیسری جگہ وسقٰھم ربھم فرمایا اس میں پلانے کی نسبت رب جل شانہ کی طرف کی گئی ہے جس میں زیادہ اعزاز ہے۔

شرابا کو متصف کیا ہے طھورا سے۔ اس کا ترجمہ بعض حضرات نے بہت زیادہ پاکیزہ کیا ہے فعول کو مبالغہ کا صیغہ لیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ بہت زیادہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

قال المحلی مبالغة فی طھارته و نظافته بخلاف خمر الدنیا اور صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابوقلابہ اور حضرت ابراہیمؒ سے نقل کیا ہے کہ لایصیر بولا نجسا ولکن یصیر رشحا فی ابدانھم کریح المسک الخ یعنی اسے شراب طہور اس لئے فرمایا کہ وہ ناپاک پیشاب نہ بنے گی بلکہ مشک کی طرح پسینہ ہو کر نکلے گی اول کھانا کھائیں گے پھر شراب طہور لائی جائے گی جب اس کو پی لیں گے تو جو کچھ کھایا تھا وہ سب ان کے مسامات سے خوب تیز مشک سے بھی زیادہ خوشبو والا پسینہ بن کر نکل جائے گا جن سے ان کے پیٹ خالی ہو جائیں گے اور کھانے پینے کی خواہش پھر عود کر آئے گی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ طہور مُطَھِّر کے معنی میں ہے کہ یعنی پاک کرنے والی چیز اس کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو حضرت ابوقلابہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کھایا ہوگا یہ شراب اندر جا کر مشک کی طرح باہر آ جائے گی جس کی وجہ سے پیٹ خالی ہو جائیں گے۔

انّ ھذا کان لکم جزآء وّ کان سعیکم مّشکورا ؏

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ یقین جانو یہ تمہارا صلہ ہے اور تم نے جو کوشش کی تھی (یعنی نیک کاموں میں لگے تھے) وہ مقبول ہو گئے اور اس کی قدردانی ہوگی جو اس انعام و اکرام کا ذریعہ بن گئی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾

باشبہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا تھوڑا تھوڑا کر کے۔ سو آپ پروردگار کے حکم پر ثابت رہیے اور ان میں سے کسی فاسق کافر کی بات نہ مانئے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ

اور صبح شام اپنے رب کا نام ذکر کیجئے اور رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیجئے اور رات کو بڑی دیر تک اس کی تسبیح کیجئے باشبہ یہ

هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ج

لوگ جلدی والی چیز سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ مضبوط بنائے

وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ

اور ہم جب چاہیں ان کے جیسے لوگ بدل دیں۔ باشبہ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ

سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اختیار کر لے۔ اور اللہ کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے۔ باشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

فِيْ رَحْمَتِهٖ ط وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

داخل فرمائے اور جو ظالم ہیں ان کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

ع ۲ / ۲۰

حضرت رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ آپ صبح شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے اور رات کو نماز پڑھئے اور دیر تک تسبیح میں مشغولیت رکھئے اور کسی فاسق یا فاجر کی بات نہ مانئے

اہل جنت کے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس انعام عظیم کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جس کے ذریعے آخرت میں انعامات ملیں گے، یہ انعام قرآن کریم کی تنزیل ہے تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اول سے آخر تک بیک وقت پورا نازل نہیں فرمایا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ اس میں آپؐ کے لئے بھی آسانی ہوگئی اور حضرات صحابہؓ کے لئے بھی تھوڑا تھوڑا کر کے یاد بھی ہوگیا اور جیسے جیسے نازل ہوتا رہا آپ مخاطبین کو پہنچاتے رہے چونکہ قرآن کے پہنچانے پر دشمن تکلیف پہنچاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (کہ اپنے رب کے حکم کی ادائیگی میں صبر کے ساتھ لگے رہئے)

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا۔

(اور ان لوگوں میں سے کسی فاسق یا کافر کی بات نہ مانئے)

یہ لوگ آپ کو تبلیغ سے روکتے ہیں آپ ان کی فرمانبرداری نہ کریں اور تبلیغ کے کام میں لگے رہیں۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا.

(اور صبح شام اپنے رب کے نام ذکر کیجئے)

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْلَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا

(اور رات کے حصے میں بھی اپنے رب کو سجدہ کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کیا کیجئے)

اس میں یہ بتایا کہ کارِ دعوت کی مشغولی کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی عبادت میں بھی مشغول رہیں نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص عابد و ذاکر ہوگا، تبلیغی کاموں میں اس کی معاونت ہوتی رہے گی اور کام آگے بڑھتا رہے گا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ

(بلاشبہ یہ لوگ جلدی والی چیز سے محبت کرتے ہیں)

جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے تھے (اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ ان کے سامنے حق پیش ہوتا ہے تو نہیں مانتے) ان لوگوں کا حق سے منہ موڑنا اس لئے ہے کہ انہیں عاجلہ (جلدی والی چیز) یعنی دنیا محبوب اور مطلوب ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے نہ جائیداد رہے گی نہ گھر در اور عہدہ بھی جاتا رہے گا لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ موت کے بعد جو حق قبول نہ کرنے کی سزا ملے گی وہ بہت بڑی ہوگی اور ہمیشہ رہے گی کبھی نہ ٹلے گی یہ ہمیشہ والی سزا جس دن سامنے آئے گی اس دن کی مصیبت کا خیال نہیں کرتے، اسی کو فرمایا:

وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا

(یہ لوگ اپنے سامنے بڑے بھاری دن کو چھوڑے ہوئے ہیں) درحقیقت دنیا امتحان کی جگہ ہے اور دنیا و آخرت دونوں سوتنیں ہیں ایک سے محبت کی تو دوسری گئی اور عجیب بات یہ ہے کہ جن کے پاس ذرا سی بھی دنیا نہیں ہے نہ مال، نہ جاہ ہے، نہ پیسہ نہ کوڑی، نہ عہدہ نہ منصب، نہ جاہ، نہ عزت، وہ بھی کفر سے چپکے ہوئے ہیں واللّٰہ الھادی الی سبیل الرشاد

سو یہ لوگ قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے پر تعجب کرتے تھے اور وقوعِ قیامت کے منکر تھے ان کے استعجاب اور انکار کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ

(ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے)

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا

(اور ہم جب چاہیں ان کے جیسے لوگ بدل دیں)

یعنی ان کی جگہ ان جیسے لوگ پیدا کر دیں جس ذات پاک نے اولاً پیدا کیا مضبوط بنایا وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا فرما سکتا ہے اور وہ تمہیں موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے جوڑ مضبوط کئے)

اس میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا بیان ہے کہ گوشت اور ہڈی اور کھال سے جو اعضا بنے ہوئے ہیں یہ رات دن حرکت میں رہتے ہیں اٹھنے بیٹھنے میں مڑتے ہیں، کام کاج میں رگڑے جاتے ہیں لیکن نرم اور نازک ہوتے ہوئے نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں جبکہ لوہے کی مشینیں بھی گھس جاتی ہیں اور بار بار پرزے بدلنے پڑتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ انسانی اعضاء بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کام

کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تم سے ہر شخص کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ سو ہر سُبحان اللہِ کہنا صدقہ ہے اور ہر اَلحمدُ للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر لآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر اللہُ اَکبَرُ کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور دو رکعتیں چاشت کی پڑھ لی جائیں تو وہ اس سب کے بدلہ کا کام دے جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے سو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمد للہ کہا اور لا الہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ کہا اور اللہ سے مغفرت طلب کی اور لوگوں کے راستہ سے پتھر کانٹا ہڈی کو ہٹا دیا امر بالمعروف کیا یا نہی عن المنکر کیا اور ان چیزوں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوگئی تو وہ اس دن اس حال میں چلے پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچا چکا ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(بلاشبہ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے)

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

(اور اللہ کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے) جو وہ چاہے گا وہی چاہو گے، وہی ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (بیشک اللہ علیم ہے، حکیم ہے)

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ (وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمائے)

وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا

(اور جو ظالم ہیں ان کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے)

وھذا اخر تفسیر الانسان والحمدللہ الملیک الرحمٰن والصلاۃ والسلام علی سید ولدعدنان

وعلی الہ وصحبہ الذین نقلوا القراٰن فلھم الاجر الی اخر الازمان

☆☆☆..........................☆☆☆

۵۰ آیتیں ۲ رکوع	سورۂ مرسلات	مکی

ایاتہا ۵۰ (۷۷) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۳۳) رکوعاتہا ۲
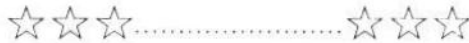
سورۂ مرسلات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ فَالْمُلْقِيٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو تیزی کے ساتھ چلتی ہیں ان ہواؤں کی بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو

ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۗ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ وَاِذَا السَّمَآءُ

جدا کردیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد کا القاء کرنے والی ہیں۔ توبہ کے طور پر ہو یا ڈرانے کے طور پر بات یہی ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ سو جب ستارے بے نور

فُرِجَتْ ۙ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۗ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۗ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ

دیئے جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب پیغمبر معین وقت پر جمع کئے جائیں گے کس دن کیلئے ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۗ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۞

فیصلہ کے دن کے لئے اور آپ کو معلوم ہے فیصلہ کا دن کیا ہے بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

قیامت ضرور واقع ہوگی، رسولوں کو وقت معین پر جمع کیا جائے گا، فیصلہ کے دن کیلئے مہلت دی گئی ہے

مذکورہ بالا آیات میں ہواؤں کی قسمیں کھائیں اور قسمیں کھا کر یہ بتایا کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ چیز ضرور واقع ہوگی یعنی قیامت ضرور ہی آئے گی انکار کرنے سے ٹلنے والی نہیں ہواؤں کی جو قسمیں کھائیں اس میں دونوں قسم کی ہوائیں مذکور ہیں فائدہ پہنچانے والی بھی اور ضرر دینے والی بھی۔ بادلوں کو لانے والی فائدہ پہنچانے والی اور تیزی اور تندی سے چلنے والی تکلیف پہنچانے والی ہیں پہلی ہوائیں شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہیں اور خوفناک ہوائیں اللہ کی گرفت اور نعمت یاد دلانے والی ہیں انسان کو دنیا میں دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور اسے سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے اور اس روز شکر کا ثواب ملے گا اور توبہ کرنے والوں کو فائدہ پہنچے گا۔

اس کے بعد قیامت کے دن کی کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ستارے بے نور ہوجائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا پہاڑ اڑتے پھریں گے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقت مقرر پر جمع کئے جائیں گے اس وقت فیصلہ کیا جائے گا۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ط (کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے)

اس کے جواب میں فرمایا کہ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ط (کہ فیصلے کے دن کے لئے معاملہ ملتوی کیا گیا ہے) یعنی دنیا میں جو کفار ایمان قبول نہیں کرتے اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان سے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں سزا نہیں مل رہی ہے تو ہمارا چھٹکارہ ہی رہے گا ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا فیصلہ فیصلے کے دن کے لئے مؤخر کیا گیا ہے اور فیصلہ کا دن کیسا ہے اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ

کیا ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر پچھلے لوگوں کو ان ہی کے ساتھ کر دیں گے ہم مجرمین کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں اس روز حق

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾

جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے نہیں پیدا کیا سو ہم نے اسے ٹھہرانے کی محفوظ جگہ میں ایک وقت مقرر تک رکھا۔ سو ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً

سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ اس دن بڑی خرابی ہے جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی

وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾

نہیں بنائی اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے۔ اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ اس روز بڑی خرابی ہے جھٹلانے والوں کے لئے۔

پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو، اللہ کی نعمتوں کی قدر دانی کرو، جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے

جب تکذیب پر عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعید سنائی جاتی تھی تو مکذبین و منکرین کہتے تھے کہ یہ ایسے ہی باتیں ہیں عذاب وذاب کچھ آنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ کیا دنیا میں ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ اسے تو تم مانتے ہو کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں اور ان پر عذاب آیا ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کے بعد والوں کو بھی انکے ساتھ کر دیں گے یعنی بعد والوں کو بھی عذاب دیں گے اور ہلاک کریں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یعنی کافروں کے کفر پر سزا دینا طے شدہ امر ہے خواہ دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملے خواہ صرف آخرت میں عذاب دیا جائے۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہیں یہی تعجب ہوتا تھا کہ دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی یعنی قطرۂ منی سے پیدا نہیں کیا؟ اس نطفہ کو ٹھہرنے کی محفوظ جگہ میں یعنی رحم مادر میں ٹھہرایا یعنی وقت ولادت تک اور یہ وقت ہم نے مقرر کر دیا سو ہم اچھے وقت مقرر کرنے والے ہیں جو وقت مقرر کیا ٹھیک مقرر کیا اسی کے مطابق ہر ایک کی ولادت ہوئی بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

اس کے بعد فرمایا کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ دیکھو اس نے زندوں اور مردوں کو سب کو سمیٹ لیا جب قیامت کا دن ہوگا

(جو زندہ ہوں گے وہ بھی مر جائیں گے) پھر یہ سب زندہ ہو کر اٹھیں گے تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اس نے تمہیں اپنی زمین میں دوسری مخلوق کی طرح جمع فرما دیا قیامت کے دن زمین کے پیٹ سے نکل کر باہر آ جاؤ گے مزید فرمایا کہ ہم نے اس زمین میں بڑے بڑے پہاڑ بنا دیئے ان پہاڑوں سے تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ زمین کی میخیں بنے ہوئے ہیں جو اسے ہلنے نہیں دیتے پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ بھی ڈھنے ہوئے اون کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔

مزید فرمایا کہ ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا یہ میٹھا پانی تمہیں سیراب کرتا ہے خوب پیتے ہو اور پیاس بجھاتے ہو۔ اس کا شکریہ ادا کرنا لازم ہے، لہٰذا تم اپنے خالق اور مالک کی طرف متوجہ ہو، اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور قیامت کے دن کے لئے متفکر رہو وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ

تم اس کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں، جس میں نہ سایہ ہے

وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے۔ وہ انگارے پھینکے گا۔ جیسے بڑے بڑے محل۔ جیسے کالے کالے اونٹ، بڑی خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾

جھٹلانے والوں کیلئے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں بول نہ سکیں گے اور انہیں اجازت نہ دی جائے گی کہ عذر کر سکیں، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کیلئے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ

یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمہیں اور اگلے لوگوں کو جمع کیا ہے۔ سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہے تو میرے مقابلے میں اس تدبیر کو استعمال کر لو۔ بڑی خرابی

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

ع ۲۱

منکرین سے خطاب ہوگا ایسے سائبان کی طرف چلو جو گرمی سے نہیں بچاتا وہ بہت بڑے بڑے انگارے پھینکتا ہے، انہیں اس دن معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی

منکرین اور مکذبین جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے یہ آگ دوزخ کو اور دوزخ کے عذابوں کو جھٹلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ابھی اس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے کہ دوزخ سے ایک بڑا دھواں نکلے گا دیکھنے میں سایہ کی طرح ہوگا (جس کا ترجمہ سائبان کیا گیا ہے) اس سایہ کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے دیکھنے میں سایہ ہوگا لیکن سایہ کا کام نہ دے گا اس سے نہ کوئی ٹھنڈک حاصل ہو گی اور نہ وہ گرمی سے بچائے گا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافر لوگ حساب سے فارغ ہونے تک اسی دھوئیں میں رہیں گے جیسا کہ

مقبولان بارگاہ الٰہی عرش کے سایہ میں ہونگے۔

یہ تو دھوئیں کا ذکر تھا جو دوزخ سے نکلے گا اس کے بعد دوزخ کے شراروں اور انگاروں کا ذکر فرمایا ارشاد فرمایا کہ جہنم ایسے ایسے انگاروں کو پھینکے گا جیسے بڑے بڑے محل یعنی مکانات ہوں اور جیسے کالے کالے اونٹ ہوں۔ پھر انگارے بہت بڑے بڑے ہوں گے اور کچھ چھوٹے ہوں گے یہ چھوٹے بھی ایسے ہوں گے جیسے کالے اونٹ (جب اس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے تو وہ آگ کتنی بڑی ہوگی اسی سے سمجھ لیا جائے) وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

مزید فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جس میں یہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی لہٰذا عذر بھی پیش نہ کر سکیں گے (یہ شروع میں ہوگا بعد میں بولنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی لیکن وہ کچھ فائدہ نہ دے گی۔ کما قال تعالیٰ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُھُمْ وَلَھُمُ اللَّعْنَةُ وَلَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ط

(اس دن ظالموں کو معذرت نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور وہاں کی بدحالی ہوگی)

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

مجرمین سے کہا جائے گا کہ یہ فیصلہ کا دن ہے آج ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو جمع کیا آج ہمارا ہی فیصلہ چلے گا ہمارے فیصلہ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے نہ عذاب سے بچ سکتے ہیں نہ کہیں بھاگ سکتے ہیں اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو میرے مقابلہ میں کر لو لیکن وہاں کوئی تدبیر نہیں ہو سکے گی وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَا

بلاشبہ پرہیز گار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور ایسے میووں میں ہوں گے جن کی اشتہاء ہوگی۔ کھاؤ اور پیو مبارک طور پر ان اعمال کے

کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾

عوض جو تم کرتے تھے۔ بلاشبہ ہم اسی طرح اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾

کھاؤ اور برت لو تھوڑے سے دن بے شک تم مجرم ہو۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

سو قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

متقیوں کے سایوں، چشموں اور میووں کا تذکرہ

منکرین و مکذبین کا عذاب بیان فرمانے کے بعد متقیوں (پرہیز گاروں) کے انعامات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: یقین جانو پرہیز گار لوگ

سایوں میں ہونگے (یہ وہی سایہ ہے جس کا سورۂ دہر کی آیت ودانیۃ علیھم ظللھا میں فرمایا) اور چشموں میں ہوں گے (ان میں سے بعض چشموں کا ذکر سورۂ دہر میں گزر چکا ہے) اور یہ لوگ ایسے میووں میں ہوں گے جن کی انہیں اشتہاء ہوگی۔ من بھاتے میوے ہونگے' مرغوب ہوں گے ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ کھاؤ پیو مبارک طریقہ پر اُن اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے' مبارک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کھائیں پئیں گے وہ جسموں کے لئے بھی مبارک ہوگا اور نفسوں کو بھی مرغوب ہوگا' وہاں کی ماکولات اور مشروبات طبیعت اور مزاج کے خلاف نہ ہوں گی اور ان سے جسم اور جان کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچے گی۔ قال تعالی وفیھا ماتشتھیہ الانفس وتلذ الاعین پھر مستقل قانون بیان فرمایا کہ ہم اچھے عمل کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ویل یومئذ للمکذبین (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

اس کے بعد کافروں سے خطاب فرمایا کہ تم دنیا میں تھوڑے دن کھالو اور اللہ کی نعمتوں کو برت لو ان سے فائدہ اٹھالو تم مجرم ہو کافر اور مشرک ہو، عذاب کے مستحق ہو اگر تم ایمان نہ لائے تو عذاب میں جانا پڑے گا ویل یومئذ للمکذبین (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

دنیا میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سامنے جھکو، رکوع کرو، سجدہ کرو اور نماز پڑھو تو فرمانبرداری نہیں کرتے۔ اللہ کی بارگاہ میں نہیں جھکتے۔ نماز سے دور رہتے ہیں اور ایمان سے دور بھاگتے ہیں ویل یومئذ للمکذبین (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

آخر میں فرمایا فبای حدیث بعدہ یؤمنون (کہ یہ لوگ اس قرآن کو سنتے ہیں جو طرح طرح سے سمجھاتا ہے اس کی فصاحت اور بلاغت کو بھی مانتے ہیں لیکن اس پر ایمان نہیں لاتے' جب اس پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے اس کے بعد کس چیز پر ایمان لائیں گے؟)

الحمدللہ علی تمام تفسیر سورۃ المرسلت اولاً و اٰخراً و باطناً و ظاھراً۔

☆☆☆..........................☆☆☆

(پارہ نمبر ۳۰)

مکی	سورۃ النبا	۴۰ آیتیں ۲ رکوع

اٰیَاتُهَا ۴۰ (۷۸) سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (۸۰) رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۃ النبا مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ بڑی خبر کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں' خبردار وہ عنقریب جان لیں گے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلْنَا

پھر خبردار وہ عنقریب جان لیں گے' کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم نے تمہیں جوڑے پیدا کیا ہے اور تمہاری

الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳

نیند کو ہم نے آرام کی چیز بنایا اور رات کو لباس بنایا۔ اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔ اور ہم نے بنا دیا ایک روشن چراغ

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶

اور ہم نے اتار دیا پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے خوب بہنے والا پانی تاکہ ہم اس کے ذریعے دانے اور سبزی اور گنجان باغ نکالیں۔

یہاں سے سورۃ النبأ شروع ہو رہی ہے اس کے ابتداء میں لفظ **عم** ہے یہ **عن** حرف جار اور **ما** استفہامیہ سے مرکب ہے اس میں آخر سے الف ساقط ہو گیا اور نون ساکن کا میم میں ادغام کر دیا گیا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوتا تو قریش مکہ آپس میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے (قرآن مجید میں قیامت کا ذکر بھی ہوتا تھا) اسے سن کر بعض لوگ تصدیق کرتے اور بعض تکذیب کرتے تھے اور معالم التنزیل میں ہے کہ وہ لوگ قیامت کی باتیں سن کر کہتے تھے ماجاء به محمد صلی اللّٰه علیه وسلم (کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا لے کر آئے ہیں؟) ان لوگوں کی اس گفتگو پر عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ نازل ہوئی کہ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں' پھر خود ہی جواب دے دیا کہ بڑی خبر کے بارے میں آپس میں سوال کرتے ہیں' جس میں اختلاف کر رہے ہیں کوئی منکر ہے اور کوئی تصدیق کر رہا ہے۔

مزید فرمایا کَلَّا (خبردار) اس میں زجر اور توبیخ ہے کہ قیامت کا انکار کرنا ان کے حق میں اچھا نہیں ہے عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا اور تکذیب کی سزا سامنے آجانے کی اس کو دومرتبہ بیان فرمایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کے مظاہر بیان کیے جو لوگوں کے سامنے ہیں اور وہ اقراری ہیں کہ یہ چیزیں اللہ نے بنائی ہیں جو اس کی قدرت باہرہ پر دلالت کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

قال القرطبی ولهم علی قدرته علی البعث ای قدرتنا علی ایجاد هذه الامور اعظم من قدرتنا علی الاعادة

فرمایا کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور کیا پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ زمین کو پیدا فرمایا پھر اسے پھیلا دیا اور بڑے بڑے بوجھل پہاڑ اس میں پیدا فرما دیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے۔ بندے اس زمین پر چلتے پھرتے اور سفر کرتے ہیں' گاڑیاں دوڑاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے تمہیں ازواج بنادیا' یعنی تم میں مرد بھی پیدا کئے اور عورتیں بھی تاکہ آپس میں میاں بیوی بنتے رہو' ایک دوسرے سے اُنس حاصل کرتے رہو' پھر مرد عورت کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے نیند کو آرام کی چیز بنادیا ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت کرتے ہو' جب تھک جاتے ہو تو سو جاتے ہو نیند کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور تازہ دم ہوکر پھر کام کرنے کے لائق ہوجاتے ہو۔ اس مضمون کو سُبَاتًا سے تعبیر فرمایا سُبَاتٌ قطع یعنی کاٹنے پر دلالت کرتا ہے نیند کی اعتبار سے سبات ہے' جب کوئی شخص سو جاتا ہے تو اس کے اعضاء کی اختیاری حرکت اور مشغولیت ختم ہوجاتی ہے اور جو تھکان ہوگئی تھی وہ بھی منقطع ہوجاتی ہے۔

رات کو آرام کے لئے اور دن کو طلب معاش کے لئے بنایا۔ راتوں کو گھروں میں آرام کرنے کے بعد دن کو باہر نکلتے ہیں اپنی اپنی حاجات پوری کرتے ہیں' دن کی روشنی میں رزق حاصل کرتے ہیں' دن بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رات بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اگر ہمیشہ دن ہی دن ہوتا یا رات ہی رات ہوتی تو بڑی مصیبت میں آجاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اوپر سات آسمان بھی بنائے ہیں جو اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں' نیز سِرَاجًا وَّهَّاجًا (روشن چراغ) یعنی آفتاب بھی پیدا فرمایا جو خود روشن ہے اور اس دنیا کو روشن کرنے والا بھی ہے' روشنی کے سوا اس کے اور بھی بہت سے منافع ہیں' جس میں سے پھلوں کا پکنا اور کھیتی کا تیار ہونا اور بقدر ضرورت حرارت حاصل ہونا بھی ہے اور نئی ایجادات اور نئے آلات کی وجہ سے تو سورج کے بہت سے فوائد سامنے آگئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے خوب زیادہ بہنے والا پانی اتارا اور اس پانی کو زمین کی سبزی کا سامان بنادیا اس کے ذریعہ کھیتیاں اگتی ہیں' گیہوں جو وغیرہ اُگتے ہیں اور باغات میں پھل پیدا ہوتے ہیں' جو انسانوں کی خوراک ہیں اور اسی پانی کے ذریعے گھاس پھونس اور بہت سی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو چوپایوں کی خوراک ہیں' چوپائے اپنی خوراک کھاتے ہیں اور انسان کے کام آتے ہیں' دودھ بھی دیتے ہیں اور کھیت کیاری میں اور بوجھ ڈھونے میں کام آتے ہیں۔

انسانوں اور جانوروں کی غذا کا تذکرہ فرماتے ہوئے حَبًّا وَّنَبَاتًا فرمایا پھل لانے والے درختوں کے لئے وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا فرمایا یعنی ہم نے گنجان باغ پیدا کئے۔

لفظ اَلْفَافًا کا مادہ لفف ہے جو لپٹنے کے معنی پر دلالت کرتا ہے باغوں میں جو درخت آس پاس کھڑے ہوتے ہیں اور ایک درخت کی

ٹہنیاں دوسرے درخت میں گھسی ہوئی رہتی ہیں اس کیفیت کو آپس میں ایک دوسرے سے لپٹ جانے سے تعبیر فرمایا لفظ اَلْفَافًا کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (یہ بظاہر جمع ہے لیکن) اس کا کوئی واحد کا صیغہ نہیں ہے جیسا کہ اوزاع اور اخیاف جماعات متفرقہ کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور ان کا واحد کا صیغہ کوئی نہیں ہے۔

اور امام کسائیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف واشراف پھر جمہور اہل لغت کا قول لکھا ہے کہ یہ لِفٌّ بکسر اللام کی جمع ہے جو ملفوف کے معنی میں ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ

بلاشبہ فیصلوں کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا سو تم لوگ فوج در فوج آ جاؤ گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا سو وہ دروازے ہی

اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

دروازے ہو جائے گا اور پہاڑ چلا دیئے جائیں گے سو وہ ریت ہو جائیں گے۔

اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کے چند مظاہر بیان فرمائے جو سب کے سامنے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آ جانی چاہئے کہ جس کی اتنی بڑی قدرت ہے وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، ان آیات میں یہ بتایا کہ فیصلوں کا دن جسے یوم القیامۃ کہا جاتا ہے اس کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا وقوع نہ ہوگا۔ منکروں کے سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے وہ وقت مقرر سے پہلے نہیں آئے گی، جب وہ دن واقع ہوگا تو نفخ صور یعنی صور پھونکے جانے سے اس کی ابتداء ہوگی اور صور پھونکے جانے سے لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فوج درفوج یعنی گروہ در گروہ میدان قیامت میں آ کر جمع ہو جائیں گے اور آسمان کا یہ حال ہوگا کہ اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے یعنی کثیر تعداد میں بہت سے دروازے ظاہر ہو جائیں گے۔

قال صاحب الروح بتقدير مضاف الى السماء اى فتحت ابواب السماء فصارت كان كلها ابواب.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں السماء کا مضاف مقدر ہے یعنی آسمانوں کے دروازے کھولے گئے تو وہ سب کے سب دروازے ہی ہو گئے)

اور پہاڑوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنی جگہوں سے چلا دیئے جائیں گے سورۃ النمل میں فرمایا: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ.

(اور تو پہاڑوں کے بارے میں خیال کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ ایسے گذریں گے جیسے بادل گزرتے ہیں)

پہاڑ اپنی جگہوں سے ٹل جائیں گے اور ان کی حالت اور کیفیت بھی بدل جائے گی اور وہ سراب یعنی ریت بن جائیں گے سورۂ مزمل میں فرمایا:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا.

(جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ چلنے والی ریت بن جائیں گے)

اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا:

اذا رجت الارض رجا و بست الجبال بسا فکانت هبآء منبثا .

(جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر پراگندہ غبار ہو جائیں گے)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾

بلاشبہ جہنم ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ بہت زیادہ مرحلہ ہائے دراز تک رہیں گے۔ اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی کوئی چیز

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ بدلہ ہوگا ان کے عمل کے موافق۔ بلاشبہ وہ حساب کا خیال نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلانے کے ساتھ جھٹلایا۔

قیامت کا وقوع وقت معین پر ہوگا۔ اس دن کیا کیا حالات سامنے آئیں گے اس کا تذکرہ فرما کر میدان قیامت میں حاضر ہونے والی دونوں جماعتوں کا انجام بتایا پہلے کفر و شرک والوں کی۔ ابتدائی جو ان جهنم كانت مرصادا سے شروع ہے پھر متقیوں کا انعام بتایا جس کی ابتداء ان للمتقين مفازا سے ہے آیات بالا میں پہلے تو یہ فرمایا کہ جہنم گھات کی جگہ ہے اس میں کام کرنے والے فرشتے جو عذاب دینے پر مامور ہیں وہ انتظار کرتے ہیں کہ کفار مشرکین اس میں کب داخل ہوتے ہیں جیسے ہی آئیں ان کا عذاب شروع کر دیا جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (مرصاد) جہنم کی صفت ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اس انتظار میں ہے کہ میرے اندر داخل ہونے والے کب آتے ہیں آئیں اور ہمتا اے عذاب ہوں یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے کیونکہ سورۂ فرقان میں فرمایا ہے: اذا راتهم من مكان بعيد سمعوا لها تغيظا وزفيرا.

(دوزخ جب ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کا جوش اور خروش سنیں گے)

للطاغين ما با (دوزخ سرکشی کرنے والوں کا لوٹنے کی جگہ ہوگی)

یعنی دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا وہ اسی میں رہیں گے۔ سب سے بڑی سرکشی کفر اور شرک ہے۔ کافروں مشرکوں کے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ انہیں دوزخ میں ہی رہنا ہوگا۔

لبثين فيهآ احقابا. (جس میں وہ زمانہ ہائے دراز تک رہیں گے)

لفظ احقاب حقب کی جمع ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر غیر محدود زمانہ سے کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک حقبہ اسّی سال کی مدت کا نام ہے اور ساتھ ہی سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ ان اسّی سال کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا بہر حال نص قرآنی سے یہ ثابت ہوا کہ اہل کفر کو دوزخ میں بقدر مدت احقاب رہنا ہوگا چونکہ احقاب کی گنتی نہیں بتائی کہ کتنے احقاب ہوں گے اور سورۂ نساء اور سورۃ الجن میں اہل کفر کی سزا بیان کرتے ہیں خالدين کے ساتھ ابدًا بھی فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل جنت کے لئے بھی خالدين فيهآ ابدا وارد ہوا ہے اس لئے اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کتابوں میں یہ ہی عقیدہ لکھا ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جو کفار اور مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ اہل جنت کا انعام ختم ہوگا نہ اہل دوزخ کا عذاب اسی لئے مفسرین نے فرمایا ہے کہ احقابا کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہمیشہ ہمیشہ ایک حقبہ ختم ہوگا تو دوسرا شروع ہو جائے گا اور مسلسل عذاب دائمی میں رہیں گے

جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اذلافرق بین تتابع الاحقاب الکثیرہ الی مالا یتنا ھی وتتابع الاحقاب القلیلۃ کذلک (روح المعانی ص ۱۷ ج ۳۰)

وقال البغوی فی معالم التنزیل قال الحسن ان اللّٰہ لم یجعل لاھل النار مدۃ بل قال لابثین فیھا احقابافو اللّٰہ ماھو الا اذا مضی حقب دخل اٰخرثم اٰخر الی الابدفلیس للاحقاب عدۃ الاالخلود.

(علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں کہ حضرت حسن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے بلکہ فرمایا وہ اس میں کئی احقاب رہیں گے۔ اللہ کی قسم ایک حقب گزرے گا تو دوسرا شروع ہوجائے گا۔ پھر تیسرا اسی طرح ابد تک سلسلہ جاری رہے گا پس احقاب کی تعداد خلود ہی ہے)

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّلَاشَرَابًا. (دوزخ میں داخل ہونے والے سرکش اس میں کوئی ٹھنڈک نہ پائیں گے نہ وہاں کی آب وہوا میں ٹھنڈک ہوگی جو آرام دہ ہو اور نہ پینے کی چیزوں میں کوئی ایسی چیز دی جائے گی جس میں مرغوب ٹھنڈک ہو جو ٹھنڈک عذاب دینے کے لئے ہوگی (یعنی زمہریر) جس کا بعض احادیث میں ذکر آیا ہے اس میں اس کی نفی نہیں ہے۔

قال صاحب الروح والمراد بالبرد مایروحھم وینفس عنھم حرالنار فلاینا فی انھم قدیعذبون بالزمھریر.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ٹھنڈک سے مراد وہ ٹھنڈک ہ جو انہیں راحت پہنچائے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ کرلے لہٰذا یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ انہیں جہنم میں زمہریر سے عذاب دیا جائے گا)

اِلَّا حَمِیْمًاوَّغَسَّاقًا (پینے کے لئے انہیں گرم پانی اور غساق کے سوا کچھ نہیں دیا جائے گا) اس گرم پانی کے بارے میں سورۂ محمد میں فرمایا:

وَسُقُوْامَآءً حَمِیْمًافَقَطَّعَ اَمْعَآءَ ھُمْ.

(اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

اور غَسَّاق کے بارے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں (مشکوٰۃ المصابیح)

غساق کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق اکابر امت کے مختلف اقوال ہیں صاحب مرقاۃ نے چار قول نقل کئے ہیں:

۱۔ دوزخیوں کی پیپ اور ان کا دھوون مراد ہے۔ ۲۔ دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں۔

۳۔ زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے۔ ۴۔ غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جا سکے گی۔

جَزَآءً وِّفَاقًا. (یہ جو اُن لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے عقیدہ اور عمل کا پورا پورا بدلہ ہوگا) کفر اور شرک بدترین عمل ہے اسی لئے ان کا عذاب بھی بدترین ہے اور چونکہ ان کی نیت یہ تھی کہ مشرک ہی رہیں گے اور اسی پر ان کی موت آئی اس لئے عذاب بھی دائمی رکھا گیا۔

اِنَّھُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا.

(بلاشبہ وہ حساب کا خیال نہیں رکھتے تھے)

وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا.

(اورانہوں نے ہماری آیات کو دلیری کے ساتھ جھٹلایا)

وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا.

(اور ہم نے ہر چیز کو کتاب میں پوری طرح لکھ دیا ہے)

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا.

(سوتم چکھ لو سو ہم تمہارے لئے عذاب ہی کو بڑھاتے رہیں گے)

ع وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ

اور ہم نے ہر چیز کو کتاب میں پوری طرح سے لکھ دیا ہے' سوتم چکھ لو' سو ہم تمہارے لئے عذاب کو بڑھاتے ہی رہیں گے۔ بلاشبہ متقیوں کیلئے کامیابی ہے۔ باغ ہیں

وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً

اور انگور ہیں' نوخیز ہم عمر بیویاں ہیں اور لبالب بھرے ہوئے جام ہیں۔ وہ اس میں کوئی لغو بات اور جھوٹ نہ سنیں گے۔ آپ کے رب کی طرف سے بدلہ دیا جائے گا جو بطور

حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

انعام ہوگا کافی ہوگا۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' وہ رحمٰن ہے یہ لوگ اس سے بات نہ کر سکیں گے' جس دن تمام ذی ارواح اور فرشتے صف بنائے

صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

کھڑے ہوں گے' کوئی بھی نہ بول سکے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے اور ٹھیک بات کہے' یہ دن یقینی ہے' سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنا لے'

ع اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

بلاشبہ ہم نے تمہیں عنقریب آ جانے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔ جس دن انسان ان اعمال کو دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے' اور کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا۔

اہل کفر اور اہل شرک کے انجام اور عذاب بتانے کے بعد متقی حضرات کے انعام اور اکرام کا تذکرہ فرمایا' تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں۔ سب سے بڑا تقویٰ یہ ہے کہ کفر و شرک سے بچے اور اس کے بعد گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے اور اس کے بھی درجات مختلف ہیں۔ حسب درجات انعامات ہیں فرمایا: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (بلاشبہ تقویٰ والوں کے لئے کامیابی ہے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ مفازًا مصدر میمی ہو اور اگر اسم ظرف لیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ متقیوں کے لئے کامیابی کی جگہ ہے) اس کے بعد کامیابی پر ملنے والی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا (یعنی ان حضرات کو باغیچے ملیں گے اور انگور ملیں گے) حدائق حديقة کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری ہو اسے حدیقہ کہا جاتا ہے اور گو حدائق کے عموم میں انگور بھی داخل ہو گئے لیکن ان کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا' کیونکہ پھلوں کی یہ جنس دوسرے پھلوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے' مزید فرمایا وَ كَوَاعِبَ اور ساتھ ہی اَتْرَابًا بھی فرمایا۔

کاعب نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں التی تكعب ثدياها واستدار مع ارتفاع يسير اور اتراب ترب کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم عمر کیا گیا ہے' اس میں یہ بات بتا دی گئی ہے کہ وہاں میاں بیوی سب ہم عمر ہوں گے۔ دنیا میں عمروں کے بے تکے تفاوت میں جوز وجین کو

بدمزگی پیش آتی رہتی ہے اسے جاننے والے جانتے ہیں' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص بھی اس دنیا سے رخصت ہوگا چھوٹا ہو یا بڑا (داخلۂ جنت کے وقت) سب تیس سال کے کردیئے جائیں گے' اس سے کبھی آگے نہیں بڑھیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزاح مبارک کا ایک واقعہ جو سورۂ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم پر ہم نے لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کرلی جائے۔

وَ كَاْسًا دِهَاقًا (اور متقیوں کے لئے لبالب بھرے ہوئے جام ہوں گے)

یہاں قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا کے مضمون کا اشکال نہ کیا جائے' کیونکہ جنہیں اور جس وقت پورا بھرا ہوا جام پینے کی رغبت ہوگی انہیں لبالب پیش کیا جائے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹی بات) وہاں جو کچھ ہوگا سچ ہوگا اور نہ کوئی غلط بات ہوگی بلکہ جس بات کا کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ وہاں سننے میں بھی نہ آئے گی۔ ایسی بات کو لغو کہا جاتا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا۔ (متقی حضرات کو جو اکرام اور انعام سے نوازا جائے گا یہ ان کے ایمان اور اعمال صالحات کا بدلہ ہوگا اور جو کچھ ملے گا کافی ہوگا یعنی وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ ان کی تمام خواہشیں پوری ہوں گی اور مزید جو کچھ اضافہ ہوگا وہ اپنی جگہ رہا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ۔

(متقی حضرات کو جو صلہ ملے گا وہ پروردگار جل مجدہ کی طرف سے عطیہ ہوگا' وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کا مالک ہے اور رحمٰن ہے)

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (اس دن کوئی بھی اس سے خطاب نہ کرسکے گا)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد نفی قدرتهم علٰی ان يخاطبوه عزوجل بشیء من نقص الاوزار وزيادة الثواب من غير اذنه تعالٰی.

یعنی جو عذاب میں مبتلا کردیا گیا وہ عذاب کم کرانے کی درخواست نہ کرسکے گا اور جسے ثواب دے دیا گیا وہ اور زیادہ طلب کرنے لگے اس بارے میں کسی کی ہمت نہ ہوگی ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اجازت دے دے تو وہ بات کرسکے گا جیسا کہ آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

(یعنی روح والی مخلوق اور فرشتے سب صف بنا کر کھڑے ہوں گے) اور بہت سی صفیں ہوں گی

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

(یہ حاضر ہونے والے بات نہ کرسکیں گے مگر وہی بول سکے گا جسے رحمٰن جل مجدہ اجازت دے اور اجازت ملنے پر ٹھیک بولے) یعنی جسے اجازت ملے گی وہ بھی مقید ہوگی ایسا نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے' ٹھیک بات میں سے ایک یہ ہے کہ جس کے لئے سفارش کی اجازت دی جائے ان کے لئے سفارش کی جاسکے گی۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔

(اور فرشتے صرف اسی کے لئے سفارش کرسکیں گے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو)

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ (یہ دن یقینی ہے) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا

(سو جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنا لے)

یعنی ایمان لائے اور نیک عمل کرتا رہے اور موت تک اسی پر باقی رہے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا. (بلاشبہ ہم نے تمہیں ایسے عذاب سے ڈرایا ہے جو عنقریب آنے والا ہے) یعنی آخرت کا عذاب اس کو قریب اس لئے فرمایا کہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آ کر ہی رہے گی۔

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (جس دن انسان دیکھ لے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی دنیا میں جو کچھ اعمال کئے ہوں گے انہیں اپنے اعمال نامہ میں پالے گا۔ سورۂ کہف میں فرمایا: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا. (اور جو کچھ عمل انہوں نے کئے تھے انہیں موجود پائیں گے) اور سورۂ زلزال میں فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.

(سو جس شخص نے ذرّہ کے برابر خیر کا عمل کیا ہوگا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ کے برابر برائی کا عمل کیا ہوگا اسے دیکھ لے گا)

وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا.

(اور کافر کہے گا کہ ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا) صاحب معالم التنزیل نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چوپائے جانور چرند پرند جمع کئے جائیں گے پھر ان کے درمیان دنیا میں جو ظلم ہوئے تھے ان کا بدلہ دلایا جائے گا یہاں تک کہ سینگ مارنے کا بدلہ سینگوں والی بکریوں سے بے سینگوں والی بکری کو بدلہ دلایا جائے گا۔ جب جانوروں کو ایک دوسرے سے بدلے دلا دیئے جائیں گے تو ان سے فرمادیا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ، جب کافر یہ منظر دیکھیں گے تو یہ جان کر کہ ہم سے تو جانور ہی اچھے رہے بدلے دلا کر ان کا کام تمام ہوگیا اور آگے ان کے لئے عذاب نہیں، اب یہ مٹی بنا دیئے گئے ان کے لئے ثواب نہیں تو عذاب بھی نہیں ہمارے لئے تو عذاب ہے۔ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے تو کیسا اچھا ہوتا۔

اور بعض مفسرین نے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر کافر یوں کہیں گے کہ کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتے۔ نہ ایمان کی اور اعمال کی تکلیف دی جاتی، نہ نافرمان ہوتے، نہ عذاب میں مبتلا ہوتے۔

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ النبا والحمد للہ اولاً واٰخراً وباطناً وظاھراً.

☆☆☆..........................☆☆☆

مکی	سورۃ النازعات	۴۶ آیتیں ۲ رکوع

(۷۹) سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۸۱) اٰیَاتُہَا ۴۶ رُکُوْعَاتُہَا ۲

سورۃ النازعات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھیالیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵

قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں' اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں'

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۝۶ تَتْبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ۝۷ قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ۝۸ اَبْصَارُہَا خَاشِعَۃٌ ۝۹

پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں جس روز ہلا دینے والی ہلا ڈالے گی۔ جسکے بعد ایک پیچھے آنے والی آ جائے گی۔ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے، انکی آنکھیں جھک رہی ہوں گی'

وقف لازم

یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ ۝۱۰ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ۝۱۲

وقف لازم

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں واپس ہوں گے' کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے پھر پہلی حالت پر واپس ہوں گے کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارے کی ہو گی'

فَاِنَّمَا ہِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۝۱۳ فَاِذَا ہُمْ بِالسَّاہِرَۃِ ۝۱۴

وہ بس ایک ہی سخت آواز ہو گی' جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آ موجود ہوں گے۔

ان آیات میں وقوع قیامت اور وقوع کے بعد والے احوال کا تذکرہ فرمایا ہے پہلے فرشتوں کی قسم کھائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ ہلا دینے والی چیز ضرور واقع ہو گی۔ (اس سے پہلی بار صور پھونکنا مراد ہے) جن فرشتوں کی قسم کھائی ہے ان میں پہلے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا فرمایا یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی کے ساتھ روح کھینچنے والے ہیں۔ اس میں لفظ غرقاً مصدر ہے جو اغراقاً کے معنی میں ہے یعنی جسم کے ہر ہر حصہ سے فرشتے روح کو نکال لیتے ہیں اور اس میں مرنے والے کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے' پھر فرمایا وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بند کھول دیتے ہیں یعنی سہولت کے ساتھ روح نکالتے ہیں جیسے بند کھول دیا اور چیز آسانی سے نکل گئی۔ قال صاحب معالم التنزیل حلا رفیقا فتقبضھا کما ینشط العقال من ید البعیر ای یحل بالرفق۔ (صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ: آسانی سے نکالنا پھر اسے قبض کر لیں گے جیسے اونٹ کی دستی سے رسی کھول لی جاتی ہے یعنی نرمی سے کھولا جانا)

حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ پوری طرح سختی سے کافروں کی جان نکالی جاتی ہے اور سہولت اور آسانی کے ساتھ اہل ایمان کی

روح قبض ہوتی ہے (کسی وجہ سے موت کے وقت مؤمن کو زیادہ تکلیف ہو مثلاً یہ کہ اس کے درجات بلند کرنے کا ذریعہ بنایا ہو تو یہ دوسری بات ہے) وانما قلنا ذلک لان عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت مارأیت احدالو جع علیہ اشد من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وقالت فلا اکرہ شدۃ الموت لاحد بعد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (یعنی یہ بات ہم نے اس لئے کہی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے موت کی تکلیف جیسی حضور ﷺ کو ہوتے دیکھی ایسی کسی کو ہوتے نہیں دیکھی۔ نیز فرماتی ہیں کہ میں آپ کے بعد کسی کو موت کی زیادہ تکلیف کو ناپسندیدہ نہیں جانتی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۴ عن البخاری)

حدیث شریف میں مؤمن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مؤمن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے اور کافر کی موت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر حضرت ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں بھاگی پھرتی ہے، لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے :بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے (مشکوٰۃ المصابیح ۱۴۲)

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا. یہ سَبَحَ یَسْبَحُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو تیرنے کے معنی میں آتا ہے، مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ فرشتے مؤمنین کی روحوں کو آسمان کی طرف بڑی سرعت وسہولت کے ساتھ لے جاتے ہیں گویا تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا پھر یہ فرشتے تیزی کے ساتھ دوڑنے والے ہیں وہ جب روحوں کو لے کر اوپر پہنچتے ہیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم جو ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرنے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا پھر وہ فرشتے حکم خداوندی کے مطابق تدبیر کرتے ہیں یعنی جس روح کے متعلق جو حکم ہوتا ہے اس حکم کے مطابق عمل کرنے کی تدبیروں میں لگتے ہیں۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ. یہ جواب قسم ہے فرشتوں کی قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی، اس کا وقوع کس دن ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا دے گی اس دن قیامت کا وقوع ہوگا۔ ہلا دینے والی چیز سے نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار کا صور پھونکنا مراد ہے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَۃُ یعنی (ہلا دینے والی چیز) کے پیچھے اس کے بعد آنے والی چیز آ جائے گی اس سے نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری دفعہ صور پھونکنا مراد ہے۔

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ (اس دن دل دھڑک رہے ہوں گے)

اَبْصَارُهَا خَاشِعَۃٌ (ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی)

یہ قیامت کے دن کی حالت کا بیان ہوا۔ اس کے بعد منکرین قیامت کا قول نقل کیا ہے:

یَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ.

(وہ کہتے ہیں کیا ہم اپنی پہلی حالت پر واپس ہوں گے؟)

یہ استفہام انکاری ہے منکرین کہتے ہیں کہ ایسا ہونے والا نہیں کہ ہم پہلی حالت میں آ جائیں یعنی موت سے پہلے جو ہماری حالت تھی مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی مل جائے اور پہلی حالت پر آ جائیں ایسا ہونے والا نہیں۔ انہوں نے اپنے واپس ہونے کا استبعاد ظاہر کرنے کے لئے مزید کہا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۔ (کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اس وقت دوبارہ زندگی میں آئیں گے)

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آ رہا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر انہیں دوبارہ زندگی ملے گی بالفرض اگر دوبارہ زندہ ہو گئے جیسا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے نے بتایا ہے تو ہماری خیر نہیں اس وقت تو ہمارا برا حال ہو جائے گا کیونکہ جس چیز کو جھٹلا رہے ہیں اس کا واقع ہو جانا لامحالہ ہمارے جھٹلانے کی سزا کا سبب بنے گا اور سزا بھی بڑی ہوگی' ان لوگوں کا یہ قول بھی بطور تکذیب اور مسخرہ پن ہی کے ہے کیونکہ کسی درجہ میں بھی ان کے نزدیک وقوع قیامت کا احتمال نہیں تھا اسی لئے انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ جس کو کسی درجہ میں بھی اتنے بڑے نقصان کا احتمال ہو وہ فکر مند ہوتا ہے' دیکھو دنیا میں ذرا ذرا سے احتمال پر خبر دینے والوں کی تصدیق کرتے ہیں' کہ ممکن ہے سچ ہی کہہ رہا ہو' اگر کوئی جھوٹا آدمی یوں کہہ دے کہ وہاں نہیں جانا ادھر ایک اژدھا پڑا ہے تو وہاں جانے کی ہمت نہیں کریں گے' یہ منکرین کی حماقت اور شقاوت ہے کہ وقوع قیامت کی بار بار خبر ملنے اور اس پر دلائل قائم ہونے کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر قائم ہو گئی تو ہمارا برا حال ہوگا پھر بھی اس کی تصدیق نہیں کرتے اور اپنی فلاح کے لئے فکر مند ہوتے۔ قوله تعالى الحافرة قال صاحب الروح الحافرة الارض التى حضرها السابق بقوائمه فهو من قولهم

رجع فلان فى حافرته أى طريقه التى جاء فيها فحفرها اى أثر فيها بمشيه والقياس المحفورة فهى اما بمعنى ذات حفرت أو الاسناد مجازى. وقوله نخرة من نخر العظم اذبلى وصار أجوف تمر به الريح فيسمع له نخير أو صوت. وقوله تعالى كرة خاسرة أى ذات خسر او خاسر أصحابها.

(الحافرۃ: صاحب روح المعانی فرماتے ہیں حافرۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آگے جانے والے نے اپنے پاؤں کے نشان چھوڑے ہوں۔ یہ رجع فلان بحافرۃ سے ماخوذ ہے یعنی فلاں اسی راستہ سے لوٹا جس سے گیا تھا۔ تو اس نے اسی راستہ میں اپنے پاؤں کے نشان ڈالے۔ قانون کے مطابق اسے محفورۃ ہونا چاہئے۔ الحافرۃ کا معنی یا تو ہے پاؤں کے نشان والی یا یہ اسناد مجازی ہے۔ نخرۃ: یہ نخر العظم سے بنا ہے جب ہڈی بوسیدہ اور اندر سے کھوکھلی ہو جائے اور اس میں سے ہوا گزرتی ہے تو آواز یا سیٹی سنائی دیتی ہے۔ ایسی ہڈی کو نخرہ کہتے ہیں۔ کرۃ خاسرۃ: خسارے والا لوٹنا یا مطلب ہے کہ ایسا لوٹنا کہ لوٹنے والے نقصان میں ہوں گے۔)

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ.

(وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آ موجود ہوں گے)

اس میں منکرین کی تکذیب کی تردید ہے اس وقت طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ اس کا واقع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھاری بات نہیں ہے جب اس کا حکم ہوگا تو ایک چیخ وجود میں آئے گی (یعنی دوسری مرتبہ کا صور پھونکا جانا) اس وقت بغیر کسی دیر و انتظار کے ایک میدان میں موجود ہو جائیں گے' جو حساب کتاب کی جگہ ہوگی۔

قال صاحب الروح الساهرة قيل وجه الارض والفلاة وفى الكشاف الارض البيضاء اى التى لانبات فيها المستوية سميت بذلك لان السراب يجرى فيها من قولهم عين ساهرة جارية الماء اه.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: السـاھرۃ کے بارے میں بعض نے کہا کہ زمین کی سطح کو اور صحرا کو کہتے ہی اور کشاف میں ہے کہ ساہرۃ وہ زمین ہے کہ جو سیدھی وصاف ہو اس میں کوئی پودا و کھیت نہ ہو۔ اسے ساھرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سراب چلتی ہے اور لفظ عین ساھرۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ آنکھ جس سے پانی بہتا ہے)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷

کیا آپ کے پاس موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے، جبکہ انکے پروردگار نے وادی مقدس یعنی میدان طویٰ میں انہیں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے سو اس سے کہو کیا

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝۱۸ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝۱۹ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱

تجھے اس بات کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ بن جائے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تو تو ڈرانے لگے۔ پھر انہوں نے اسے بڑی نشانی دکھلائی، سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی میں لگا رہا

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝۲۴ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۝۲۵

پھر اس نے پشت پھیری کوشش کرتے ہوئے، سو اس نے جمع کیا، پھر زور سے آواز دی پھر کہا کہ میں تمہارا پروردگار اعلیٰ ہوں۔ سو اللہ نے اسے پکڑ لیا، جس میں دنیا و آخرت کی سزا تھی

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶

بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے مصر میں رہتے تھے وہاں جوان کی مظلومیت کا حال تھا اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، ان پر فرعون اور آل فرعون کی طرف سے مظالم کے پہاڑ ٹوٹتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ہی حالات میں وہاں پیدا ہوئے پھر فرعون کے محل میں پلے بڑھے، جوان ہوئے۔ ایک اسرائیلی یعنی ان کی قوم کے آدمی اور قبطی (فرعون کی قوم کے ایک فرد) کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزر رہے تھے اسرائیلی نے ان سے مدد طلب کی انہوں نے قبطی کو ایک گھونسہ مار دیا گھونسہ کا لگنا تھا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا وہیں اس کا ڈھیر ہو گیا، فرعونیوں کو پتہ چلا کہ فلاں شخص نے ہمارے آدمی کو مارا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں لگ گئے اور ان کے قتل کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رائے دی کہ تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں تم یہاں سے پھوٹ لو اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے اور مدین پہنچ گئے وہاں ایک بوڑھے شخص تھے ان کی ایک لڑکی سے نکاح ہو گیا، اپنے خسر صاحب کی بکریاں چراتے اور زندگی گزارتے تھے، مقررہ میعاد کے مطابق دس سال گزار کر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف واپس ہو رہے تھے کہ راستہ بھی بھول گئے اور سردی بھی لگ گئی، دور سے انہوں نے دیکھا کہ آگ نظر آ رہی ہے، اپنی بیوی سے کہا کہ تم ذرا ٹھہرو میں تاپنے کے لئے آگ لے کر آتا ہوں۔ آگ نہ ملی تو کوئی راستہ بتانے والا مل جائے گا، جس جگہ آگ نظر آ رہی تھی اس جگہ کا نام طویٰ تھا۔ جسے الوادی المقدس یعنی پاک میدان فرمایا وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اور حکم دیا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش بنا ہوا ہے اور انہیں دو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرما دیئے۔ ایک یہ کہ وہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈالتے تھے تو اژدھا بن جاتی تھی، دوسرے یہ کہ اپنے ہاتھوں کو گریبان میں ڈالتے تھے تو وہ بہت زیادہ روشن ہو کر نکلتا تھا۔ یہاں سورۃ النازعات میں اس کا اجمالی تذکرہ ہے فرمایا:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (کیا تمہارے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے)

اِذْنَادَاهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِالْمُقَدَّسِ طُوًى.

(جبکہ موسیٰ کو انکے پروردگار نے پاک میدان وادی طویٰ میں ان کو پکارا)

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى.

(تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے)

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى.

(سو اس سے فرمائیے کیا تجھے اس بات کی رغبت ہے کہ تو پاکیزہ بن جائے)

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى.

(اور کیا تجھے اس بات کی رغبت ہے کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دوں)

یعنی تیرے خالق اور مالک کی ذات وصفات اور اس کی الوہیت اور ربوبیت اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کے قہر اور غلبہ سے تجھے واقف کراؤں۔ فَتَخْشٰى تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے اور اس سرکشی کو چھوڑ دے جو تو نے اختیار کر رکھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرمان سن کر وادی مقدس سے روانہ ہو کر مصر پہنچے وہاں سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا (اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمادیا تھا) یہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اسے حق کی دعوت دی پاکیزہ بننے کے لئے کہا (کیونکہ وہ کفر اور ظلم کی ناپاکی میں لت پت تھا)

اور اس سے فرمایا کہ تو ہماری بات مان لے ہدایت پر آجا ورنہ تجھ پر عذاب آجائے گا۔ کما فی سورۃ طٰهٰ (اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى

فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا جب اس نے یہ سنا کہ میرا بھی کوئی رب ہے (اور بظاہر بھرے دربار میں یہ باتیں ہوئیں) تو وہ بڑا چونکا، اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوال جواب کئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری جرأت اور دلیری کے ساتھ ہر بات کا جواب دیتے رہے، جب فرعون دلیل سے عاجز ہو گیا تو کہنے لگا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ.

(اگر تو نے میرے علاوہ کسی کو معبود بنایا تو تجھے ضرور قیدیوں میں شامل کر دوں گا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں تیرے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں تب بھی تو ایسا ہی کرے گا؟ فرعون نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو لے آ وہ کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی وہ اژدہا بن گئی اور اپنا داہنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ خوب روشن ہو گیا اسی کو فرمایا:

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى. (پھر انہوں نے اسے بڑی نشانی دکھائی)

فَكَذَّبَ وَعَصٰى (سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی پر جما رہا) دلیل سے بھی عاجز ہو گیا اور دو بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لئے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور رب جل شانہ کی نافرمانی پر بدستور قائم رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بنا دیا پھر جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگر ہار گئے اور ایمان لے آئے۔ فرعون اب بھی نہ مانا اور اپنی سرکشی پر اڑا رہا، چونکہ وہ مطلق العنان با اختیار تھا اور اس

کے غرور کا یہ حال تھا کہ وہ یوں کہتا تھا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں اس لئے اسے اپنے اقتدار کی فکر پڑ گئی اور طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات دب جائے اور عوام وخواص ان کی دعوت کو قبول نہ کریں اسی کو فرمایا ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی (اس نے پشت پھیری کوشش کرنے لگا) فَحَشَرَ فَنَادٰی (سواس نے لوگوں کو جمع کیا پھر بلند آواز سے پکارا یعنی اپنے لوگوں کو خطاب کیا)

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (اور اپنا دعویٰ دُھرا دیا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں یعنی سب سے بڑا رب ہوں) لیکن اس کی ہر تدبیر ناکام ہوئی اور بالآخر ہلاک ہوا دنیا میں بھی سزا پائی یعنی اپنے لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوگا بلکہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا۔ سورۂ ہود میں فرمایا:

یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ

(قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے ہوگا سوانہیں دوزخ میں پہنچا دے گا)

سورۃ القصص میں فرمایا:

(وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ)

(اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور وہ لوگ قیامت کے دن بدحال ہوں گے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی

(بلاشہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے)

جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں اور عبرت کے قصے سن کر خوف کھاتے ہیں کہ کہیں ہمیں نافرمانی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں بدحالی اور عذاب میں گرفتار نہ ہونا پڑے ایسے لوگوں کے لئے اس میں عبرت اور نصیحت ہے (اور جو لوگ نافرمانیوں میں لگ کر اپنی سمجھ کی پونجی کو کھو بیٹھے اور کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے ایسے لوگ نافرمانی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں، جیسے فرعون نے سرکشی کی راہ اختیار کی اور بربادی اور مستحق عذاب نار ہوا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کا اپنے لشکروں سمیت ڈوب جانا سورۂ طٰہٰ میں تفصیل سے مذکور ہے نیز سورۂ یونس رکوع نمبر ۸ اور سورۂ قصص رکوع نمبر ۱، ۲، ۳ اور سورۂ نمل رکوع نمبر ۱ کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾

کیا پیدائش کے اعتبار سے تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اللہ نے اسکو بنایا، اسکی چھت کو بلند کیا، سو اسے درست بنایا اور اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر فرمایا

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا، اس سے اس کا پانی نکالا۔ اس کا چارہ، اور پہاڑوں کو جما دیا، تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنی دوبارہ تخلیق کو مشکل سمجھ رہے ہو تو یہ بتاؤ کہ تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق؛ ذرا سی سمجھ والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے، کہ بظاہر آسمان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے (یعنی انسان سوچے گا تو یہی سمجھ میں آئے گا حالانکہ قادر مطلق کے لئے ہر معمولی اور بڑی سے بڑی چیز پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آسمان جیسی چیز کو پیدا فرما دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل؟ اس کے بعد آسمان کی بلندی کا اور رات و دن کا تذکرہ فرمایا۔

رَفَعَ سَمْكَهَا (اس کی چھت کو بلند فرمایا) فَسَوّٰهَا (سواسے بالکل درست بنایا)

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا (اوراس کی رات کوتاریک بنایا) وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا (اوراس کے دن کوظاہر فرمایا) رات اوردن کے وجوداورظہورکا ظاہری سبب چونکہ آفتاب کا طلوع وغروب ہے اوروہ بلندی پر ہے اس لئے لیلھا وضحاھا کی اضافت السماء کی ضمیر کی طرف کی گئی۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (اوراس کے بعدزمین کوپھیلا دیا)

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا (زمین سے اس کا پانی نکالا اوراس کا چارہ نکالا (جوجانوروں کے کام آتا ہے) وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا (اور پہاڑوں کوجمادیا) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (تمہارے لئے تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے یعنی رات اوردن کاوجوداورزمین کا پھیلاؤاورزمین میں پانی کا ہونااور چارہ پیدا ہونااوربہت وزنی پہاڑوں کا زمین پر جمارہنا تاکہ حرکت نہ کریں یہ سب چیزیں انسانوں کے لئے اوران کے مویشیوں کے لئے بڑے نفع کی چیزیں ہیں انسان پرلازم ہے کہ اپنے رب کا شکرگزار ہواوراس کے نبیوں اورکتابوں کی خبروں کے مطابق وقوع قیامت کا اقراری ہواوراس دن کے لئے فکرمند ہو۔

آسمان اورزمین کی پیدائش میں جوترتیب ہے اس کا ذکرسورۂ بقرہ میں اورسورۂ حٰمٓ السجدہ کی تفسیر میں دیکھ لیا جائے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

سو جب بڑی مصیبت آجائے جس دن انسان اپنی کوششوں کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کیلئے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ سو جس نے

طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ

سرکشی کی اور دنیا والی زندگی کو ترجیح دی سو بلاشبہ دوزخ ہے ٹھکانہ اور جوشخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہش سے

الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى

روکا سو بلاشبہ جنت ہے ٹھکانا' وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ اسکا وقوع ہونا کب ہوگا۔ اسکے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اسکا منتہائے علم صرف آپ کے

رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع

رب کی طرف ہے۔ آپ توبس اس شخص کو ڈرانے والے ہیں' جواس سے ڈرتا ہے' وہ جس دن اسکو دیکھیں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں رہے ہوں یا اسکے اول حصہ میں۔

ان آیات میں قیامت کا منظر بتایا ہے اَلطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى جس کا ترجمہ بڑی مصیبت سے کیا گیا ہے یہ طَمَّ يَطِمُّ سے ماخوذ ہے جو بلند ہونے پر دلالت کرتا ہے قیامت کے لئے اس لفظ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ اس دن کی مصیبت ہر مصیبت پر غالب ہوگی۔ اس سے بڑی مصیبت اس سے پہلے کسی نے نہیں دیکھی ہوگی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والطامة اعظم الدواھی لانہ من طم بمعنی علا کما وردفی المثل جری الوادی فطم علی القری وجاء السیل فطم الرکی وعلوھا علی الدواھی غلبتھا علیھا فیرجع لما ذکر' قیل فوصفھا بالکبری للتاکیدولوفسر کونھا طامة بکونھا غالبة للخلائق لایقدرون علی دفعھالکان الوصف مخصصا' وقیل کونھاطامة باعتبار انھا تغلب وتفوق ماعرفوا من دواھی الدنیاوکونھا کبری باعتبار انھا اعظم من جمیع الدواھی مطلقا وقیل غیر ذلک. (الطامة: سب سے بڑی آفت

کو کہتے ہیں کیونکہ یہ طمّ سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے بلند ہوا جیسا کہ مثال ہے جری الوادی فطم علی القریٰ، وادی میں پانی آیا اور بستیوں پر بلند ہوگیا وجاء السیل فطم الرکی سیلاب آیا اور کنوؤں پر بلند ہوگیا۔ اور طامۃ کی باقی آفتوں پر بلند ہونا ان پر غالب ہونا ہے لہٰذا اس کا وہی مفہوم ہے جو مذکور ہوا۔ بعض نے کہا اسے کبریٰ کے ساتھ موصوف کرنا تاکید کے لئے ہے اور اگر اس کی تفسیر یہ کریں کہ یہ طامۃ ہے اس طرح کہ مخلوق پر غالب ہوگی وہ اسے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے تو اس وقت صفت مخصص ہوگی اور بعض نے کہا اس کا غلبہ اس طرح سے ہے کہ لوگوں نے دنیا کی جتنی آفتیں دیکھی سنی ہوں گی یہ ان سب سے بڑھ کر ہوگی اور کبریٰ اس لحاظ سے ہوگی کہ مطلقاً سب سے بڑی ہوگی۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں) (روح المعانی ص ۳۰ ج ۳۰)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ الطامۃ الکبریٰ سے نفخۂ ثانیہ (دوسری بار صور پھونکنا) مراد ہے' ارشاد فرمایا کہ جس دن سب سے بڑی مصیبت آئے گی' انسان یاد کرے گا اپنی کوششوں کو یعنی دنیا میں جو اعمال کئے تھے' ان کو یاد کرے گا کیونکہ ان اعمال پر عذاب وثواب کا مدار ہوگا اور اس وقت جحیم یعنی دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا' جس کو سب دیکھنے والے دیکھ لیں گے۔

حساب کتاب کے بعد جو فیصلے ہوں گے اس میں دو ہی جماعتیں ہوں گی ایک جماعت دوزخ میں اور ایک جماعت جنت میں جائے گی' جسے سورۃ الشوریٰ میں بیان فرمایا ہے۔

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ

اور جو لوگ اعراف پر ہوں گے وہ بھی آخر میں جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت اور دوزخ کے داخلہ کی بنیاد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى.

(سو جس نے سرکشی کی اور دنیا والی زندگی کو ترجیح دی یعنی دنیا کے لئے کام کرتا رہا اور آخرت کی تیاری نہ کی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا)

عام طور سے کفر کو اختیار کرنا اور حق ظاہر ہوتے ہوئے حق قبول نہ کرنا اسی لئے ہوتا ہے کہ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں مال اور دولت اور کرسی چلے جانے کے ڈر سے حق قبول نہیں کرتے' یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی گناہوں میں بھی منہمک رہتے ہیں' اس کا باعث بھی دنیا کو ترجیح دینا ہوتا ہے۔ مال کی طلب یا جاہ اور شہرت اور عہدہ کا لالچ یہ چیزیں گناہوں پر ڈالتی ہیں' فرائض وواجبات چھڑاتی ہیں اور کاروبار میں خیانت، ملاوٹ وغیرہ پر آمادہ کرتی ہیں' جو شخص آخرت کو ترجیح دے گا اور یہ یقین کرتے ہوئے زندگی گزارے گا کہ قیامت کے دن پیش ہونا ہے وہ دنیا کو ترجیح نہیں دے سکتا' دنیا کی طلب حلال کما کر حلال مواقع میں خرچ کرنے کے لئے جائز ہے' البتہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہلاکت کا سبب ہے۔

اب دوسرا رخ لیجئے: ارشاد فرمایا:۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.

(اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا یعنی وہاں کے حساب سے خوف زدہ ہوا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے)

بات یہ ہے کہ انسان گناہوں کو چھوڑنا چاہتا ہے، حرام سے بچنے کا ارادہ کرتا ہے فرائض وواجبات کا اہتمام کرنا چاہتا ہے تو اس کا نفس آڑے آ جاتا ہے' نفس کو آرام چاہئے مزہ اور لذت چاہیے اسے ہری بھری دنیا محبوب ہے' آخرت میں کیا بنے گا اسے اس کی فکر نہیں۔ لہٰذا

وہ گناہوں میں منہمک رہنے ہی کو پسند کرتا ہے، جو لوگ اپنے نفس پر قابو پاتے ہیں، اسے گناہوں سے روکتے ہیں، حرام سے بچاتے ہیں اور صرف جائز مال اور حلال لذت پر اکتفاء کر لیتے ہیں ایسے لوگ مبارک ہیں ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے جہاں ہر خواہش پوری ہوگی، قیامت کے دن کے حساب کتاب کا جس نے دھیان رکھا اور وہاں کی پیشی سے خوف زدہ ہوا اس کے لئے جنت کا داخلہ اور اسے دو باغ ملیں گے جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ

(اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لئے دو باغ ہوں گے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ نفس کی خواہشوں پر چلیں گے اور لمبی لمبی امیدیں باندھ کر رہیں گے، پھر فرمایا کہ نفس کی خواہش حق سے روکتی ہے اور امید کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے، مزید فرمایا کہ یہ دنیا برابر جا رہی ہے اور یہ آخرت کے سفر میں ہے برابر چلی آ رہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں سو اگر تم سے ہو سکے کہ دنیا کے بیٹے نہ بنو تو ایسا کر لو، کیونکہ آج تم دار العمل میں ہو اور حساب نہیں ہے اور کل کو دار آخرت میں ہوں گے اور وہاں عمل نہیں ہوگا اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے مت بنو کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں اور کل کو حساب ہوگا اور عمل نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسَاهَا

(وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا؟)

ان لوگوں کا یہ سوال بظاہر سوال تھا اور حقیقت میں قیامت کا انکار کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا. (اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق)

یعنی آپ کو تو اس کے وقت کا علم ہی نہیں لہٰذا آپ اس کا وقت نہیں بتا سکتے۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا (اس کا منتہائے علم آپ کے رب کی طرف ہے) یعنی قیامت کے واقع ہونے کا وقت معین اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے سورۃ الاعراف میں جو قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ط (ترجمہ) آپ فرما دیجئے قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اس کے وقت پر اسے صرف وہی اسے ظاہر فرمائے گا۔) فرمایا ہے یہاں بھی وہی مضمون مذکور ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشَاهَا.

(آپ تو صرف ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو)

یعنی آپ کی بات مان کر ایمان لے آئے اور قیامت کے مؤاخذہ اور محاسبہ سے خوف زدہ ہو، جسے ماننا نہیں ہے، آپ کا ڈرانا اس کے حق میں مفید نہیں۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحَاهَا.

(جس دن وہ اس کو دیکھیں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں رہے ہوں یا اس کے اول حصہ میں) آج تو بار بار پوچھ رہے ہیں کہ قیامت کب آئے گی اور بطور استہزاء اور تمسخریوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا جب قیامت آئے گی اس

وقت دنیاوالی زندگی (جس میں برسہابرس گزارے تھے۔تھوڑی سی معلوم ہوگی اور یوں سمجھیں گے کہ ہم نے جوعذاب کی جلدی مچائی تھی) وہ واقعی جلدی آ گیا' وقوع کے وقت جلدی ہی سمجھیں گے اگر چہ اب یوں کہتے ہیں کہ یہ کب پورا ہوگا۔

وھذا اٰخر تفسیر سورة النازعات' والحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات' والصلوٰة والسلام علٰی سید الکائنات وعلٰی اٰلہ وصحبہ رواة الاٰیات الھداة الی الجنات.

☆☆☆.......................☆☆☆

۴۲ آیتیں ۱ رکوع	سورۂ عبس	مکی

(۸۰) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴) — اٰيَاتُهَا ۴۲ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ عبس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں بیالیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵

منہ بنایا اور روگردانی کی اس وجہ سے کہ انکے پاس نابینا آیا' اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا' یا نصیحت قبول کرتا' سو نصیحت اسے فائدہ دیتی لیکن جس نے بے پرواہی کی

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ

سو آپ اس کیلئے پیش آ جاتے ہیں حالانکہ اس بات کا آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اسکی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں۔ ہرگز

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶

ایسا نہ کیجئے' بے شک یہ قرآن نصیحت کی چیز ہے' سو جس کا جی چاہے اسکو قبول کر لے' وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں' بلند ہیں' مقدس ہیں' ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو مکرم ہیں نیک ہیں۔

وقف لازم

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو نابینا تھے ان کا نام عبداللہ بن ام مکتوم معروف و مشہور ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو تھا اور والد کا نام قیس تھا وہ مہاجرین اولین میں سے تھے مشہور قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ مشرکین کے سرداروں میں سے بعض لوگ موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے باتیں کر رہے تھے اور اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے' اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتومؓ حاضر خدمت ہو گئے (چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے انہیں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مشغولیت کا پتہ نہ چلا) اور بار بار عرض کرتے رہے کہ مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے' آپ کو اس وقت ان کا آ جانا اچھا نہ لگا کیونکہ وہ گفتگو کے درمیان بیچ میں آ گئے جس سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ ان کا جواب دیں تو حاضرین سے جو بات ہو رہی تھی وہ کٹ جاتی آپؐ نے ابن مکتومؓ کی طرف سے اعراض فرمایا اور سرداران قریش میں سے جس سے بات ہو رہی تھی اس کی طرف متوجہ رہے آپؐ کے خیال مبارک میں یہ بات تھی کہ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے کبھی بھی میرے پاس آ سکتا ہے اور سوال کر سکتا ہے لیکن ان قریش کے سرداروں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کر لے تو سارے قریش پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کا فائدہ زیادہ ہو گا' اس وقت ابن ام مکتوم پر توجہ دیتا ہوں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے ساتھی نابینا اور نیچے درجہ کے لوگ (غلام باندی ہیں) سنن ترمذی میں یوں ہے کہ وعند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رجل من عظماء المشركين.

لیکن معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جس وقت ابن مکتومؓ اور اُبی بن خلف اور امیہ بن خلف موجود تھے اور تفسیر بیضاوی میں ہے وعندہ صنادید قریش کہ آپ کے پاس سرداران قریش موجود تھے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت حضرت ابن ام مکتومؓ کا آنا اور بات کرنا ناگوار ہوا اور اس کا اثر چہرۂ انور پر ظاہر ہوا' اس پر اللہ جل شانہ نے عتاب فرمایا اور سورۂ عبس نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا، عَبَسَ وَتَوَلّٰی (منہ بنایا اور روگردانی کی) اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (یعنی رخ پھیر لیا' اس وجہ سے کہ ان کے پاس نابینا آ گیا) پہلے تو غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اس میں آپ کا اکرام ہے۔ پھر بصیغہ خطاب ارشاد فرمایا:۔

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی (اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا)

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی (یا وہ نصیحت قبول کرتا سو نصیحت اسے فائدہ دیتی) یعنی وہ نابینا جو آیا وہ پہلے سے مؤمن تھا اس نے آپ سے دینی باتیں معلوم کرنا چاہیں آپ اسے کچھ بتاتے سمجھاتے تو وہ اپنی حالت کو سنوار لیتا اور نصیحت حاصل کرتا اور اسے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا آپ کو اس کے سنورنے اور سدھرنے اور نصیحت سے نفع حاصل کرنے کی امید رکھنا چاہئے' لفظ لعل جو ترجی کے لئے آتا ہے اسی مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے استعمال فرمایا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی.

(لیکن جس نے بے پرواہی کی اس کے لئے آپ پیش آ جاتے ہیں)

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی (اور آپ پر اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے)

یعنی جس نے آپ کا دین قبول نہیں کیا اگر وہ اپنی حالت کو نہ سدھارے یعنی ایمان قبول نہ کرے تو اس بارے میں آپؐ سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰی وَهُوَ يَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی.

(اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اس کی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد نیک تھا۔ مشرکین کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے باتیں کرتے رہے اور حضرت ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہ دی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تاکہ اصحاب صفہ کے دل نہ ٹوٹیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ فقیر مؤمن غنی کافر سے بہتر ہے اور مؤمن کا خیال کرنا اولیٰ ہے اگرچہ فقیر ہو' مزید فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ الانعام میں وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ اور سورۃ الکہف میں وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فرمایا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' حضرت ابن مکتومؓ کا خاص اکرام فرماتے تھے اور جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو فرماتے تھے مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی (مرحبا ہے اس شخص کے لئے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا) اور ان سے بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے۔ الاستیعاب اور الاصابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پیچھے غزوات میں تیرہ مرتبہ خلیفہ بنایا یعنی جب آپ جہاد کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو امامت اور امارت ان کے سپرد کر کے جاتے تھے (راجع الاستیعاب عمرو بن قیس بن زائدہ والاصابہ عمرو ابن مکتوم)

اس کے بعد فرمایا کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ آپ ہرگز ایسا نہ کیجئے کہ جو شخص آپ کے پاس دینی باتیں معلوم کرنے آئے اس کی طرف سے بے توجہی کریں کیونکہ قرآن ایک نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے۔ جو قرآن اور اس کی نصیحت قبول نہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے۔ آپ پر کوئی ضرر نہیں اس کے بعد قرآن کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو اللہ کے یہاں مکرم ہیں اور بلند ہیں اور مقدس ہیں' کیونکہ شیاطین وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور یہ صحیفے ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں جو باعزت ہیں اور نیک ہیں (فرشتے چونکہ لوح محفوظ سے قرآن مجید کو نقل کرتے ہیں اس لئے بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ فرمایا)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ

انسان پر خدا کی مار ہو وہ کیا ہی ناشکرا ہے' اسے کس چیز سے پیدا فرمایا' نطفہ سے اس کو پیدا فرمایا سو اسے ایک انداز سے بنایا۔ پھر اس کا راستہ

یَسَّرَہٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَہٗ ﴿۲۲﴾ کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَہٗ ﴿۲۳﴾

آسان فرمادیا پھر اس کو موت دے دی' اس کے بعد اسے قبر میں چھپا دیا' پھر جب چاہے اسے اٹھالے' خبردار اس کو جو حکم دیا' اسے بجا نہیں لایا۔

ان آیات میں انسان کی ناشکری کا اور اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ (انسان پر خدا کی مار ہو) یعنی وہ اس لائق ہے کہ ذلیل ہو اور اس پر اللہ کی لعنت ہو قال فی معالم التنزیل ای لعن الکافر) مَآ اَکْفَرَہٗ (وہ کتنا بڑا ناشکرا ہے) اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا کتنی نعمتوں سے نوازا۔ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اسے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس چیز سے پیدا کیا ہے لیکن نافرمانی پر تلا ہوا ہے۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ (اسے کس چیز سے پیدا فرمایا)

مِنْ نُّطْفَۃٍ (نطفہ سے پیدا فرمایا) جو حقیر اور ذلیل مادہ ہے اگر اپنی اصل کو دیکھے تو شرم سے آنکھیں نیچی ہو جائیں اور خلاق کائنات جل مجدہ کی طرف سے سچے دل سے متوجہ ہو' جس نے ذلیل پانی سے ایسی اچھی جیتی جاگتی گوشت اور ہڈی اور بال اور کھال والی مورتی بنادی۔

خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ (انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اس کے اعضاء کو ایک خاص انداز سے بنایا اور ترتیب سے لگایا (کما فی سورۃ القیامۃ ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی)

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ (پھر اس کے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا) ماں کے رحم میں نطفہ سے خون کا لوتھڑا اور لوتھڑے سے شکل و صورت بنتی ہے پھر اس میں جان ڈالی جاتی ہے یہ جاندار بچہ جس کا خاصہ جسمانی وجود ہوتا ہے ایک تنگ راستہ سے باہر آجاتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے' اسی نے اندر مادر رحم میں تخلیق فرمائی اور اسی نے باہر آنے کا راستہ بنایا اور باوجود تنگ راستہ ہونے کے بچہ کے باہر آنے میں آسانی فرمادی۔

ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ (پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں چھپا دیا) مرنا اور جینا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور موت کے بعد تو بالکل ہی بے بس ہو جاتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندے بحکم الٰہی تشریعاً و تکویناً قبر میں پہنچا دیتے ہیں' چونکہ عموماً بنی آدم مُردہ کو دفن

ہی کرتے ہیں اس کے لئے اقبرہ فرمایا۔ انسان کے دفن کئے جانے میں اس کا اکرام ہے۔ اگر میدان میں پڑا ہے اور جانور کھاتے رہیں اور ادھر ادھر ہڈیاں پڑی رہیں اس کے بجائے اس کی نعش کو زمین کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ اسے سنبھال لیتی ہے یہ ظاہری اکرام ہے اس کے بعد قبر میں کیا ہوتا ہے اس کا تعلق مرنے والے کے ایمان اور کفر اور اچھے برے اعمال سے ہے۔ بعض قومیں اپنے مُردوں کو جلا دیتی ہیں اور بعض گدھوں کو کھلا دیتی ہیں' لیکن جو لوگ دین سماوی کے مدعی ہیں وہ اپنے مُردوں کو دفن ہی کرتے ہیں' جو لوگ دفن نہیں کرتے وہ بالآخر راکھ بن کر یا جانور کی غذا بن کر زمین ہی کے حوالے ہو جاتے ہیں کیونکہ جانور بھی مر کر مٹی ہی میں جاتے ہیں' اسی کو سورۂ مرسلات میں فرمایا:

الم نجعل الارض کفاتا احیآء وامواتا.

(کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والا نہیں بنایا)

ثُمَّ اِذَاشَآءَ اَنْشَرَهٗ (پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ فرما دے گا) یعنی دنیا میں جینا اور مر جانا اسی پر بس نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور دنیا والی زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہے۔

کَلَّا (انسان نے ہرگز شکر ادا نہیں کیا) (قال صاحب الروح: ردع للانسان عما هو عليه من كفران النعم البالغ نهايته.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ انسان کے کفران نعمت پر اس کے لئے انتہائی درجہ کی تنبیہ ہے)

لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا انسان اس حکم کو نہیں بجالایا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی خلاف ورزی مراد ہے' اللہ تعالیٰ کے رب ماننے کا اقرار کیا' پھر دنیا میں آئے تو خلاف ورزی کی اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ جو ہدایت آئی اور احکام نازل ہوئے ان کے مطابق عمل نہ کیا (عام طور پر اسے انسانوں کا مزاج اور رواج اور چال چلن اسی طرح سے ہے)

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ ہم نے خوب اچھی طرح پانی برسایا' پھر ہم نے زمین کو عجیب طریقہ پر پھاڑ دیا' سو ہم نے اس میں

حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کر دیا تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے انسان کو غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے' ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے کھانے کی چیزوں میں غور کرے یہ چیزیں زمین سے نکلتی ہیں۔ ان میں غلے بھی ہیں اور پھل بھی' انگور بھی ہیں اور زیتون بھی۔ کھجوریں بھی ہیں اور سبزیاں ترکاریاں بھی' نیز فواکہ بھی ہیں' جنہیں بطور تفکہ کھاتے ہیں اور گھاس پھوس بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بن جاتا ہے' جن درختوں پر پھل آتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ اکا دکا کوئی درخت کہیں نکل آیا بلکہ ان کے باغ ہیں جن میں بڑے بڑے درخت ہیں' ان میں خوب کثرت سے پھل پیدا ہوتے ہیں' لفظ حَدَآئِقَ حدیقہ کی جمع ہے' جس باغ کی چار دیوار بنا دی گئی ہو وہ حدیقہ ہے اور جس کی چار دیواری نہ ہو وہ باغ تو ہے حدیقہ نہیں اور غُلْبًا کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں: عظاما شجرها یعنی ان کے درخت بڑے بڑے ہوتے ہیں اس میں تنہ آور ہونا پھیلنا شاخوں کا گنجان ہونا سب داخل ہے۔ کھیتیاں ہوں یا باغ ان کا ظاہری سبب اللہ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ زمین پر پانی برساتا ہے وہ پانی زمین کے اندر جاتا ہے جو بیج اور گٹھلی کے ابھرنے کا سبب بن جاتا ہے' پھر اس سے پودے نکلتے ہیں اسی کو فرمایا:

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۔
(ہم نے خوب اچھی طرح پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو عجیب طریقہ پر پھاڑ دیا)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ اوپر جن چیزوں کا بیان ہوا انہیں تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں' ان کے ذریعے انسان جیتا ہے' زندگی گزارتا ہے' اس پر لازم ہے کہ ان چیزوں میں غور کرے اور ان کے اور اپنے خالق کی طرف رجوع ہو

قوله تعالى وابّا اختلف في معناه على اقوال كثيرة فقيل هو ما تأكله البهائم من العشب قال ابن عباس والحسن الأبّ كل ماانبتت الارض مما لاياكله الناس ومايأكله الآدميون هو الحصيد' وعن ابن عباس ايضا وابن ابى طلحة الاب الثمار الرطبة وقال الضحاک هو التين خاصة وهو محكى عن ابن عباس ايضا' وقال ابراهيم التيمى سئل ابوبكر صديق رضى الله عنه عن تفسير الفاكهة والاب فقال اى سماء تظلنى واى ارض تقلنى اذاقلت فى كتاب الله مالا اعلم وقال انس سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه قرأهذه الاية ثم قال كل هذا قدعرفناه فما الاب؟ ثم رفع عصا كانت بيده وقال هذالعمر الله التكلف وما عليک ياابن ام عمر الاتدرى ماالاب ثم قال اتبعوا مابين من هذا الكتاب وما لافدعوه. (مطلب یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ وفاکھة وابا میں لفظ ابّا کے کیا معنی ہیں؟ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اَبّ چارے کو کہتے ہیں' جسے چوپائے کھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ اَبّ زمین سے اُگنے والی ہر اُس شی کو کہتے ہیں جو انسانوں کے کھانے کی نہ ہو اور جو انسانوں کے کھانے کی ہو اسے حصید کہتے ہیں نیز حضرت ابن عباسؓ اور ابن ابی طلحہؒ سے مروی ہے کہ اَبّ تازہ پھلوں کو کہتے ہیں۔ حضرت ضحاکؒ کہتے ہیں کہ اَبّ خاص انجیر ہی کو کہتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے وفاکھة وابا کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے ٹھکانہ دے گی؟ اگر میں کتاب اللہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے پوری طرح علم نہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو سنا کہ انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا' اس سب کو تو ہم نے جان لیا لیکن یہ اَبّ کیا ہے؟ پھر انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی کو اوپر اٹھایا اور فرمایا اس کو معلوم کرنے کے لئے کوشش کرنا سراسر تکلف ہے اور اے ابن ام عمر! تیرے لئے اَبّ کے معنی معلوم کرنا کوئی ضروری نہیں۔ پھر فرمایا کہ کتاب اللہ کی جو چیزیں تمہارے سامنے کھول کر بیان کر دی گئی ہیں' ان کا اتباع کرو اور جن چیزوں کی وضاحت نہیں کی گئی ان کے پیچھے مت پڑو) (راجع تفسير القرطبى الجزء التاسع عشر صفحه نمبر ۲۲۲' و ۲۲۳).

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ

سو جب خوب زوردار آواز والی آ جائے گی جس روز انسان اپنے بھائی اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔ ان میں سے

امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ

ہر شخص کی حالت ایسی ہو گی جو کسی طرف متوجہ نہ ہونے دے گی۔ اس روز بہت سے چہرے روشن ہوں گے' ہنس مکھ ہوں گے' خوش ہوں گے اور اس دن

يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر کدورت ہو گی ان پر ظلمت چھائی ہو گی' یہ وہ لوگ ہوں گے جو کافر تھے فاجر تھے۔

ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر بیان فرمائے ہیں۔

اَلصَّآخَّةُ سخت آواز سے بولنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ایسی سخت آواز کو کہتے ہیں جو کانوں کو بہرا کر دے اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے جب یہ سخت آواز آئے گی تو انسان اپنی مصیبت میں ایسا مبتلا ہوگا کہ اسے کسی طرف کوئی توجہ نہ ہوگی جو خاص اپنے لوگ تھے ان سے بھی بھاگے گا ہر شخص کا اپنا حال جدا ہوگا۔

ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے نیک بندوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کی صورتوں سے بشاشت اور خوشی ظاہر ہو رہی ہوگی اور جن نالائقوں نے دنیا میں خدا کو فراموش کیا ایمان اور اعمال صالحہ کے نور سے علیحدہ رہے اور کفر و فجور کی سیاہی میں گھسے رہے قیامت کے دن ان کے چہروں پر سیاہی چڑھی ہوگی ذلت اور رسوائی کے ساتھ حاضر محشر ہوں گے، اپنے اعمال بد کی وجہ سے اداس ہو رہے ہوں گے اور خوف زدہ ہو کر یہ سوچتے ہوں گے کہ یہاں ہم سے برابر تاؤ ہونے والا ہے اور وہ آفت آنے والی ہے جو کمر توڑ دینے والی ہوگی (تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ)

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ـ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ٥

(اس روز بعض چہرے سفید ہوں گے بعض چہرے سیاہ ہوں گے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم لوگ کافر ہو گئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد سو سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

آخر تفسیر سورۃ عبس ' والحمدللّٰہ اولاً و آخرًا۔

☆☆☆..........☆☆☆

مکی	سورۃ التکویر	۲۹ آیتیں ۱ رکوع

(۸۱) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۷) آیاتها ۲۹ رکوعها ۱

سورۃ التکویر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ

جب سورج بے نور ہو جائے' اور جب ستارے گر پڑیں اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں اور جب حمل والی اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں۔ اور جب وحشی جانور

حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

جمع کر دیئے جائیں اور جب سمندروں کو دہکا دیا جائے اور جب نفوس کے جوڑے بنا دیئے جائیں اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کے بارے میں سوال کیا جائے کہ وہ کس گناہ کے

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ

سبب قتل کی گئی اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں اور جب آسمان کھول دیا جائے' اور جب دوزخ کو دہکا دیا جائے' اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے' ہر شخص ان اعمال کو

مَّآ اَحْضَرَتْ ۝

جان لے گا جو اس نے حاضر کر دیئے۔

اس سورت میں قیامت کے دن کے احوال اور اہوال بیان کئے گئے ہیں کچھ نفخۂ اولیٰ کے وقت اور کچھ نفخۂ ثانیہ کے وقت کے ہیں۔ نفخۂ اولیٰ کے وقت کے چھ حالات بیان فرمائے ہیں اوّل اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (جب سورج کو لپیٹ دیا جائے)

كُوِّرَتْ کا لغوی ترجمہ یہی ہے کہ اس کا لپیٹ دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی یعنی بے نور کر دیا جائے گا یہ مطلب حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؒ، قتادہؒ اور مجاہدؒ سے مروی ہے

ثانیاً: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (اور جب ستارے گر پڑیں)

ثالثاً: وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جبکہ پہاڑ چلا دیئے جائیں) پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا، سورۃ النمل، سورۂ طٰہٰ، سورۂ مزمل میں بھی مذکور ہے' پہاڑ ریت کی طرح ہو جائیں گے اور اپنی اپنی جگہوں سے چل دیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔ (وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ)

رابعًا: وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (اور جب حمل والی اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں) اس میں لفظ العشار عشراء کی جمع ہے جس اونٹنی کو دس ماہ کا حمل ہو اسے عشراء کہتے ہیں اور بے کار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی طالب رہے گا نہ چرانے والا' نہ سواری کرنے والا' عرب کے لوگ حمل والی اونٹنیوں کو اپنے لئے بہت بڑا سرمایہ سمجھتے تھے اور قرآن کے اولین مخاطبین وہی تھے اس لئے اونٹنیوں کے بیکار ہونے کا تذکرہ فرمایا کہ تم جن چیزوں کو اپنی مرغوب ترین چیز سمجھتے ہو ان پر ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ انکی طرف ذرا بھی کوئی توجہ نہ کرے گا۔

خامسًا: وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (اور جب وحشی جانور جمع کر دیئے جائیں)

مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعض حضرات نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ وحشی جانوروں کو موت آ جائے گی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قیامت کے دن کا محشور ہونا مراد ہے جیسا کہ سورۂ نبا کی آخری آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور تم حقوق ادا کرو گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو سینگوں والی بکری نے مارا ہو گا تو اس کو بھی بدلہ دلوایا جائے گا' اس میں بطور مثال بکری کا ذکر ہے لیکن دوسرے جانوروں کا حال بھی اسی سے معلوم ہو رہا ہے' جس میں وحشی جانور بھی آ جاتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے مسند احمد سے اسی حدیث میں حتی الذرّ ة من الذرّ ة کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یعنی چیونٹی کو بھی چیونٹی سے بدلہ دلایا جائے گا' اگر حُشِرَتْ کا یہ معنی لیا جائے تو الفاظ قرآن سے بعید نہیں لیکن اس کا تعلق نفخۂ ثانیہ سے ہے' اگر یہ بات ملحوظ نہ رکھی جائے کہ ترتیب میں اولاً نفخۂ اولی والی چیزیں بیان کی گئی ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ مجموعی حیثیت سے نفختین سے متعلق احوال بیان کر دیئے گئے ہیں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

سادسًا: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب سمندروں کو دہکا دیا جائے) لفظ سجرت تسجیر سے ماخوذ ہے یہ لفظ آگ جلانے دہکانے بڑھکانے اور تیز کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

صاحب روح المعانی اس کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای اُحمیت بان تغیض میاھھا وتظھر النار فی مکانھا یعنی سمندروں کو گرم کر دیا جائے گا جس سے ان کے پانی خشک ہو جائیں گے اور ان کی جگہ ظاہر ہو جائے گی۔

اس کے بعد نفخۂ ثانیہ سے متعلق چھ واقعات بیان کئے۔

اوّلًا: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں) کافر علیحدہ اور مسلمان علیحدہ ہوں گے اور ہر فریق کی جماعتیں ہوں گی۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ.

(اور تو اس دن مجرموں کو بیڑیوں میں کہ ایک ساتھ جوڑے ہوئے زنجیروں میں دیکھے گا)

ثانیًا: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ (اور زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی) زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ انتظار میں رہتے تھے کہ دیکھو کیا پیدا ہوتا ہے اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے تھے اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اپنے لئے عار سمجھتے تھے اور اسے اسی وقت زندہ ہی دفن کر دیتے تھے اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جاتی تو اسے عیب سمجھ کر چھپا چھپا پھرتا تھا جیسا کہ سورۃ النحل میں فرمایا يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ. زندہ نومولود لڑکی کو دفن کر دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی بخشش سے ناراض تھے' بے گناہ بچی کو زندہ درگور کر دیتے تھے آیت بالا میں اسی کو بیان فرمایا کہ یہ سوال کیا جائے گا کہ لڑکی کو کس گناہ میں دفن کیا گیا۔

ثالثًا : وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (اور جب صحیفے پھیلا دیئے جائیں گے) وہ صحیفے جن میں بندوں کے اعمال لکھے گئے تھے سامنے لائیں جائیں گے اچھے لوگوں کے داہنے ہاتھ میں اور بُرے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا.

(اور ہم اس کے لئے اعمال نامہ نکال دیں گے جسے وہ کھلا ہوا اپنے سامنے موجود پالے گا)

اور سورۃ الکہف میں فرمایا: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا.

(اور نامہ عمل رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہوگا اس سے ڈر تے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اس نامہ عمل کی عجیب حالت ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا گناہ اس نے نہیں چھوڑا جسے نہ لکھا ہو اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔

رابعًا: وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (اور جب آسمان کھول دیا جائے گا)

خامسًا: وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (اور جب دوزخ کو دہکا دیا جائے گا یعنی دوزخ کی جو آگ ہے اسے مزید جلایا جائے گا تاکہ اور زیادہ گرم ہو جائے)

سادسًا : وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا) یعنی متقیوں کے لئے قریب کر دی جائے گی جیسا کہ گمراہوں کے لئے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا کما فی سورۃ الشعراء وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ.

(اور متقیوں کے لئے جنت قریب کر دی جائے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ کو سامنے ظاہر کر دیا جائے گا)

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے حاضر کئے) یعنی جب مذکورہ بالا امور پیش آئیں گے تو ہر جان کو اپنے کئے دھرے کا پتہ چل جائے گا۔ اعمال نامے سامنے ہوں گے اور خیر اور شر کا جو بھی عمل کیا ہوگا وہ وہاں موجود ہوگا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ

سو میں ان ستاروں کی قسم کھاتا ہوں جو پیچھے کو ہٹتے ہیں، جو چلنے والے ہیں، چھپنے والے ہیں، قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے، قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے رسول

كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ

کریم کا معزز فرشتہ کا لایا ہوا جو عرش والے کے نزدیک قوت والا ہے، مرتبہ والا ہے، اُکی اطاعت کی جاتی ہے وہ وہاں امانت دار ہے اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ اور بات واقعی ہے کہ اس

بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾

نے اس فرشتے کو واضح کنارہ پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں پر بخل کرنے والا نہیں ہے اور وہ شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے، سو تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بس وہ جہان والوں کے لئے ایک بڑی نصیحت ہے، ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھے راستہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہتے ہو مگر یہ کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے۔

ع ۱ / ۲۹ / ۶

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے چند مخصوص ستاروں اور رات کی اور صبح کی قسم کھا کر قرآن کریم کی اور قرآن مجید لانے والے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے ان کی تردید کی ہے۔

جن ستاروں کی قسم کھائی ان کے بارے میں اَلْخُنَّسِ اور اَلْجَوَارِ اور اَلْکُنَّسِ فرمایا ہے۔ اَلْخُنَّس خانس کی جمع ہے جس کا معنی پیچھے ہٹنے والا ہے اور اَلْجَوَارِ، جاریۃ کی جمع ہے جَرٰی یَجْرِیْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور فواعل کے وزن پر ہے یا کو لکھنے اور پڑھنے میں حذف کر دیا گیا ہے اس کا معنی ہے چلنے والے اور اَلْکُنَّسْ کانس کی جمع ہے جو کنس یکنس کا اسم فاعل ہے جس کا معنی چھپ جانے کا ہے۔ یقال کَنَسَ الْوَحْشُ اذادخل کَنَاسَهٗ الذی یتخذہ من اغصان الشجر. (کہا جاتا ہے کنس الوحوش جبکہ وہ درختوں کی ٹہنیوں سے بنائے ہوئے اپنے نشیمن میں داخل ہو گیا ہو) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے پانچ ستارے مراد ہیں یعنی زحل، عطارد، مشتری، مریخ اور زہرہ ان کو خمسہ متحیرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔

ووصفت بما ذکر فی الآیة لانها تجری مع الشمس والقمر وترجع حتی تخفی تحت ضوء الشمس فخنوسها رجوعها بحسب الرؤیة وکنوسها اختفاءها تحت ضوء ها وتسمی المتحیرة لاختلاف احوالها فی سیرها فیما یشاهدفلها استقامة ورجعة واقامة فبینما تراها تجری الی جهة اذابها راجعة تجری الی خلاف تلک الجهة وبینما تراها تجری اذابها مقیمة لاتجری، وسبب ذلک علی ماقال المتقدمون من اهل الهیئة کونها فی تداویر فی حوامل مختلفة الحرکات علی مابین فی موضعه وللمحدثین منهم النافسین لما ذکر مماهومذکور فی کتبهم، وهی مع الشمس والقمر یقال لها السیارات السبع لان سیرهابالحرکة الخاصة ممالا یکاد یخفی علی احد بخلاف غیر ها من الثوابت (روح المعانی ص ۲۶ ج ۳۰) (آیت میں ان کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ اس لئے کہ یہ سورج اور چاند کے ساتھ چلتے ہیں اور لوٹتے ہیں حتیٰ کہ سورج کی روشنی کے نیچے چھپ جاتے ہیں پس ان کا خنوس دیکھنے کے لحاظ سے ان کے لوٹنے کا نام ہے اور ان کا کنوس سورج کی روشنی میں ان کے چھپ جانے کا نام ہے اور ان کا نام متحیرہ اس لئے رکھا جاتا ہے کہ مشاہدہ کے مطابق ان کے چلنے کے حالات مختلف ہیں۔ چنانچہ ان کیلئے استقامت بھی ہے، لوٹنا بھی ہے اور پھر اقامت بھی ہے۔ پس آپ انہیں دیکھیں گے کہ ایک سمت کو چل رہے ہیں پھر اچانک اس کے مخالف سمت کو لوٹ کر چل رہے ہوں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ چل رہے ہیں کہ اچانک رکے ہوئے نظر آئیں گے چل نہیں رہے اور قدیم ہیئت دانوں کے مطابق ان کے اس اختلاف احوال کا سبب یہ ہے کہ یہ مختلف زاویوں میں حرکات والے دائروں میں ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اور محدثین محققین کے ہاں بھی اس کا سبب ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور یہ سورج اور چاند کے ساتھ ہوتے ہی ان کو سات سیارے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی رفتار ایک خاص حرکت کے ساتھ ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے بخلاف دوسرے ثوابت کے (ان کی ایسی رفتار نہیں ہے)) وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ (اور قسم ہے رات کی جب جانے لگے) لفظ عَسْعَسَ رباعی مجرد ہے ماضی کا صیغہ ہے اس کے دونوں معنی ہیں ادبر ظلامه واقبل اور دونوں معنی کیلئے آتا ہے صاحب روح المعانی نے فراء نحوی سے نقل کیا ہے کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں عَسْعَس بمعنی ادبر ہے (جس کو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے) اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں بمعنی اقبل ظلامه (تاریکی لے کر آ گیا) زیادہ مناسب ہے تاکہ آئندہ جملہ کے موافق ہو جائے کیونکہ صبح دن کے اول حصہ میں ہوتی ہے لہٰذا دوسری جانب رات کا پہلا حصہ مراد لینا مناسب ہوگا۔

وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ (اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے)
یعنی جب وہ آنے لگے (اس سے فجر اول مراد ہے) ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے رسول کریم کا جسے ایک معزز فرشتہ لایا ہے۔ یہ فرشتہ قوت والا ہے اور مالک عرش کے نزدیک رتبہ والا ہے اور وہاں یعنی آسمان میں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ فرشتہ امانت دار ہے اور وحی کو بالکل صحیح صحیح پہنچاتا ہے۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کلام یعنی قرآن کریم کو لایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو تمہارے ساتھ کے رہنے والے ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کا حال تم خوب جانتے ہو وہ مجنون نہیں ہیں جیسا کہ منکرین نبوت کہتے تھے۔ وحی لانے کی صفات بھی تمہیں معلوم ہو گئیں اور جس پر وحی آتی ہے اس کا حال بھی تمہیں معلوم ہے۔ لہٰذا قرآن کے بارے میں یہ شک کرنا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یا نہیں یہ تمہاری غلطی ہے جس نے تمہیں کافر بنا رکھا ہے' اوپر جو ستاروں کی رات کی اور صبح کی قسمیں کھائی ہیں ان قسموں کے بارے میں صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ مقام مطلوب کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے' چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور رکنا اور چھپ جانا فرشتہ کے آنے اور جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے ظلمت کفر کے رفع ہو جانے کے اور نور ہدایت ظاہر ہو جانے کے اور ان دونوں کا سبب قرآن کریم ہے۔

وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ (اور اس فرشتہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے افق مبین یعنی آسمان پہ صاف کنارے پر دیکھا ہے)
حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لاتے تھے تو حضرت دحیہ کلبی صحابی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا' ایک مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ محلہ جیاد میں (جو مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے) دیکھا۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر ہیں اور پوری افق کو گھیر رکھا ہے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النجم)

پھر فرمایا وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ (اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کی باتیں بتانے میں بخل کرنے والے نہیں ہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی ہے اسے نہیں چھپاتے جیسا کہ لوگ غیب کی بات جاننے کے مدعی ہوتے تھے اور اسے چھپاتے تھے اور اس پر اجرت پاتے تھے۔

وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ (اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے) فَاَيۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ پس جبکہ وحی لانے والا فرشتہ مذکورہ بالا صفات سے متصف ہے اور جن پر وحی آتی ہے وہ دیوانے بھی نہیں ہیں اور نہ کاہن ہیں اور نہ اجرت طلب کرتے ہیں اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام بھی نہیں ہے تو تم اس کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ. لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ. بس یہ قرآن دنیا والوں کے لئے ایک بڑی نصیحت ہے جو تم میں سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ. (اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ رب العلمین چاہے' سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے)

والحمد للہ اولاً و اٰخراً و باطناً و ظاھراً۔

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الانفطار	۱۹ آیتیں ۱ رکوع

(۸۲) سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (۸۲) — اٰیَاتُھَا ۱۹ — رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ الانفطار مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝

جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور جب سمندر بہا دیئے جائیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی تو ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے پہلے بھیجے اور بعد میں بھیجے۔

ان آیات میں بھی وقوع قیامت کے بعض احوال کا ذکر ہے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے یعنی دریائے شور اور شیریں بہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔ اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی یعنی ان سے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر شخص اپنے اعمال کو جان لے گا جو اس نے پہلے بھیجے اور بعد میں بھیجے (ان میں سے تین واقعات نفخۂ اولیٰ سے اور چوتھا واقعہ نفخۂ ثانیہ سے متعلق ہے)

روح المعانی میں وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب سارے دریا میٹھے اور نمکین اکٹھے ہو جائیں گے تو زمین اس سارے پانی کو چوس لے گی اور زمین پر ذرا سا بھی پانی نہیں رہے گا وروی ان الارض تنشف الماء بعد امتلاء البحار فتصیر مستویة ای فی ان لاماء واريد ان البحار تصیر واحدة اولاثم تنشف الارض جمیعا فتصیر بلاماء.

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝

اے انسان! تجھے کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ دھوکہ میں ڈالا جس نے تجھے پیدا فرمایا سو تیرے اعضا درست بنائے پھر تجھے اعتدال پر رکھا جس صورت میں چاہا تجھے مرکب فرما دیا۔

ان آیات میں انسان کو اس کا حال بتایا ہے اور اسے توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کچھ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے پیدا فرمایا، وجود بخشا، اس کے جسم کو نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ ٹھیک بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جس صورت میں چاہا ڈھال دیا' انسان اپنے اختیار سے نہ پیدا ہوا، نہ قد کی درازی میں اسے کوئی دخل ہے، نہ موٹا پتلا ہونے میں، نہ حسین قبیح ہونے میں' وہ جس صورت اور حالت میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے ہر شخص اپنی اپنی صورت میں چلتا پھرتا ہے' اسی کی طرف متوجہ رہنا اور اس کا بھیجا ہوا دین قبول کرنا اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اب انسانوں میں بہت سے لوگ تو ملحد زندیق ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو خالق جل مجدہ کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے دین کو قبول نہیں کرتے اور کچھ لوگ ایسے ہیں اس کا دین بھی قبول کرتے ہیں لیکن اس کے اوامر ونواہی پر عمل نہیں کرتے فرائض چھوڑتے رہتے ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب کسی کے یاد دلانے سے خیال آ جاتا ہے کہ گنہگاری کی زندگی اچھی نہیں ہے تو نفس اور شیطان یہ سمجھا دیتے ہیں کہ ارے میاں چلتے رہو مزے کرتے رہو تمہارا رب کریم ہے بخش دے گا، بڑی زندگی پڑی ہے تو بہ کر لینا وغیرہ وغیرہ حالانکہ جس ذات پاک کے اتنے بڑے بڑے احسانات اور انعامات ہیں' اس کی تو ذرا سی نافرمانی بھی مقتضائے عقل کے خلاف ہے۔

بات یہ ہے کہ وفاداری کا مزاج نہیں ہے جس ذات پاک نے وجود بخشا ان گنت نعمتوں سے نوازا اس کی نافرمانی بڑی ہو یا چھوٹی (صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ) سراسر بے وفائی ہے اگر گناہ پر عذاب نہ ہونا یقینی ہوتا اور بخش دیا جانا ہی متعین ہوتا تب بھی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا لازم تھا عذاب کے ڈر سے نافرمانی سے بچنا یہ نمک حرام غلام کا خاصہ ہے' جو ڈنڈے کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یہ آقا کا فرمانبردار نہیں' نمک حلال اور وفادار تو ذرا سی نافرمانی کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے سامنے نعمتیں ہوتی ہیں جن کے استحضار سے وفاداری کا مزاج بنا ہوا ہوتا ہے وفاداری کی نظر صرف حکم پر ہوتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حکم نہ مانا تو مار پڑے گی یا معافی ہو جائے گی بلکہ نافرمانی کی زندگی ہی کو عذاب کے برابر سمجھتا ہے ڈنڈا لگنے سے تو بظاہر جسم کو تکلیف ہوتی ہے لیکن نافرمانی کی وجہ سے جو وفاداری میں فرق آ گیا اس کی ندامت میں پگھلنا وفادار بندہ کے لئے جسمانی عذاب سے زیادہ ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝٩ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝١١ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝١٢

ہرگز نہیں، بلکہ بات یہ کہ تم جزاء کو جھٹلاتے ہو اور بلاشبہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے ہیں' جو عزت والے ہیں، لکھنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو'

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝١٣ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝١٤ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝١٥ وَمَا هُمْ عَنْهَا

بلاشبہ نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بلاشبہ بدکار دوزخ میں ہوں گے وہ اس میں بدلہ کے دن داخل ہوں گے اور وہ اس سے غائب ہونے والے

بِغَائِبِينَ ۝١٦ وَمَا أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝١٧ ثُمَّ مَا أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝١٨ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

نہ ہوں گے اور اے مخاطب! تجھے خبر ہے کہ بدلہ کا دن کیا ہے پھر تجھے کیا خبر ہے کہ بدلہ کا دن کیا ہے وہ ایسا دن ہوگا جس میں کوئی شخص کسی شخص کیلئے

لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝١٩

نفع کا مالک نہ ہوگا۔ اس دن ساری حکومت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی۔

ع ۱ ۱۹ ۷

كَلَّا (ہرگز نہیں) یعنی نفس وشیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں دھوکہ میں پڑنا اپنی خیر خواہی کے خلاف ہے اور اس سے بڑھ کر تمہارا اپنی جانوں پر ظلم ہے کہ تم جزا اور سزا ہی کو جھٹلاتے ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ کوئی مؤاخذہ اور محاسبہ ہونا نہیں ہے) حالانکہ تم پر نگراں مقرر ہیں جو معزز ہیں (اللہ کے نزدیک مکرم ہیں) اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں اور تم جو کام کرتے ہو وہ ان کو جانتے ہیں (لہٰذا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرو اور گناہوں سے بچو)

اس کے بعد قیامت کے دن کی جزا اور سزا کا اجمالی تذکرہ فرمایا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (بلاشبہ نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے)

جن کی تفصیل دوسری آیات میں مذکور ہے۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿﴾ (اور بلاشبہ بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے)

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ (وہ بدلہ کے دن اس میں داخل ہوں گے)

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ (اور وہ اس سے باہر نہ جائیں گے) یعنی دائماً ابداً سرمداً دوزخ میں رہیں گے اس مضمون کو سورۃ المائدہ میں یوں فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ (وہ چاہیں گے کہ اس میں سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے نہ نکل پائیں گے اور ان کیلئے عذاب دائمی ہے)۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ (اور اے مخاطب! تجھے معلوم ہے کہ روز جزا کیا ہے)۔

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ (پھر تجھ سے سوال ہے بتا روز جزاء کیا ہے)۔ تجھے بار بار اس کے حالات بتائے گئے ہیں اور جزا و سزا کی تفصیل بیان کی گئی ہے ان سب کو جان کر سمجھ کر تجھے روز جزاء کے لئے فکر مند ہونا چاہئے اس دن کا حال (اجمالی طور پر پھر تجھے بتایا جا رہا ہے یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا (یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی جان کا کسی جان کے لئے کچھ بھی بس نہ چلے گا)۔

وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (اور اس دن ساری حکومت اللہ ہی کے لئے ہوگی)

دنیا میں جو مجازی حکومتیں ہیں، بادشاہ ہیں اور حکام ہیں قاضی ہیں اور جج ہیں۔ ان میں سے کسی کا کچھ بھی زور اس روز نہ چلے گا بلکہ یہ خود پکڑے ہوئے آئیں گے اور ان کی پیشیاں ہوں گی اپنے کفریہ مظالم اور غیر شرعی فیصلوں کی سزا انہیں بھگتنی ہوگی۔

وهٰذا اٰخر تفسير سورة الانفطار والحمد لله العلي الغفار والصلٰوة على نبيه سيد الابرار وعلٰى اٰله وصحبه المهتدين الاخيار.

مکی	سورۃ المطففین	۳۶ آیتیں ۱ رکوع

(۸۳) سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ (۸۶) اٰیَاتُھَا ۳۶ رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ المطففین مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھتیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے جن کا طریقہ یہ ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا کرلیں، اور جب انکو ناپ کریا تول

یُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵﴾ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ

کردیں یا گھٹا دیں، کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾

العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

یہاں سے سورۂ تطفیف شروع ہورہی ہے، یہ لفظ طفف سے باب تفعیل کا مصدر ہے اور مطففین اسی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تطفیف کا معنی ہے گھٹانا اور کم کرنا۔ لفظ کَالُوْا کیل سے لیا گیا ہے ماضی معروف جمع مذکر کا صیغہ ہے، عربی میں برتن کے بنائے ہوئے پیمانہ سے بھر کر دینے کو کیل کہتے ہیں اِکْتَالُوْا لفظ کیل سے باب افتعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔

اس آیت شریفہ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے جو لوگ دوسروں کے ہاتھ مال بیچتے ہیں تو کم ناپتے ہیں یا کم تولتے ہیں تو لتے وقت ڈنڈی مار دیتے ہیں اور ایک طرف کو کسی ترکیب سے پلڑا جھکا دیتے ہیں اور لوگوں سے مال لیتے ہیں تو پورا تلواتے ہیں اور پورا نپواتے ہیں۔ ان لوگوں کو قیامت کے دن کی پیشی یاد دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ تطفیف کرنے والوں کے لئے اس دن بڑی خرابی ہوگی جس دن رب العلمین کے حضور کھڑے ہونگے ذرا سی حقیر دنیا کے لئے اپنے ذمہ حقوق العباد لازم کرتے ہیں اور دھوکہ فریب دے کر تجارت کرتے ہیں اس کا وبال آخرت میں بھی ہے اور دنیا میں بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں گزشتہ امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ناپ تول میں کمی کرنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا۔ انہوں نے ان کو بار ہا سمجھایا وہ نہ مانے بالآخر عذاب آیا اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ سورۂ شعراء میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا، یعنی ان کے رزق میں کمی کر دی جائے گی۔ یا رزق کی برکت اٹھالی جائے گی۔ ناپ تول میں کمی کر کے دینا حرام ہے۔ ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی برخلاف اس کے جھکا کر تولنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو مزدوری پر تول رہا تھا (یعنی بیچنے والے کا مال زیادہ مقدار میں تھا ایک شخص اس کی طرف سے تول رہا تھا اس نے اپنے عمل کی مزدوری طے کر لی تھی) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زِنْ وَارْجِحْ کہ تم تولو اور جھکا کر تولو۔

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح دیگر امور میں کمی کرنے سے کہیں زیادہ گناہ ہوتا ہے اور کہیں ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ مؤمن ہونے کے اعتبار سے جو ذمہ داری قبول کی ہے ہر شخص اسے پوری کرے۔ حقوق اللہ بھی پورے کرے اور حقوق العباد بھی کسی قسم کی کوتی نہ کرے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہوئے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ نماز عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ تم نماز عصر سے کیوں پچھڑ گئے؟ اس شخص نے کچھ عذر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا طَفَفْتَ کہ تو نے اپنے حصے میں کمی کر دی، یعنی جماعت کا جو ثواب ملتا ہے اس سے محروم رہ گیا اور اپنا نقصان کر بیٹھا، یہ روایت لکھ کر حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں

وَيُقَالُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَّفَاءٌ وَّتَطْفِيفٌ.

(کہ ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی ہے)۔

نماز کی ایک تطفیف اوپر مذکور ہوئی (جس شخص کو تنبیہ کی تھی کہ نماز با جماعت میں حاضر نہیں ہوا تھا)

نماز کی پاچ کی سنتیں چھوڑ دینا روزہ رکھنا لیکن اس میں غیبتیں کرنا، تلاوت کرنا، لیکن غلط پڑھنا یہ سب تطفیف میں شامل ہے۔ یعنی ثواب میں کمی ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تلاوت غلط ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی، اگر زکوٰۃ پوری نہ دے تو یہ بھی تطفیف ہے۔

جو لوگ حکومت کے کسی بھی ادارہ میں یا کسی انجمن یا مدرسہ وغیرہ میں ملازم ہیں انہوں نے معروف اصول وقواعدہ یا معاملہ اور معاہدہ کے مطابق جتنا وقت دینا طے کیا ہے اس وقت میں کمی کرنا اور تنخواہ پوری لینا یہ سب تطفیف ہے۔

جو لوگ اجرت پر کسی کے ہاں کام کرتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ جس کام پر لگا دیا گیا ہے اسے صحیح کریں اور پورا کریں۔ اگر غلط کریں گے یا پورا نہ کریں گے تو طفف ہوگا اور پوری اجرت لینا حرام ہوگا، یہ جو مزدوری کا طریقہ ہے کہ کام لینے والا دیکھ رہا ہے تو ٹھیک طرح کام کر رہے ہیں اگر وہ کہیں چلا گیا تو سگریٹ سلگالی یا حقہ پینے لگے یا باتیں چھوڑنے لگے یا عالمی خبروں پر تبصرہ کرنے لگے یہ سب طفف ہے، ہر مزدور اور ملازم پر لازم ہے کہ صحیح کام کرے اور وقت پورا دے۔ جو شخص کسی کام پر مامور ہے اور اس کام کے کرنے کے لئے ملازمت کی ہے اگر مقررہ کام کرے گا اور رشوت لے گا تو یہ طفف ہے۔ رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی۔ چونکہ جس کام کیلئے دفتر میں بٹھایا گیا وہ کام اس نے نہیں کیا۔ (پورے مہینہ میں کتنی خلاف ورزی کی اسی حساب سے تنخواہ حرام ہوگی)

آیت شریفہ میں فکر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ.

(کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ یہ ایک بڑے دن کیلئے اٹھائے جائیں گے جس دن لوگ رب العلمین کے لئے کھڑے ہوں گے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ (رب العالمین کے حضور کھڑے ہونا) اس دن ہوگا جس میں یہ لوگ اتنے زیادہ پسینہ میں کھڑے ہوں گے جو (نیچے سے لے کر) آدھے کانوں تک ہوگا (جیسے کوئی شخص نہر میں کھڑا ہو)

ہر مؤمن پر لازم ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر عمل میں اس بات کو سامنے رکھے کہ مجھے مرنا ہے قیامت کے دن حاضری دینا ہے حساب دینا ہے اعمال کی جزا و سزا ملنا ہے اگر اس بات کا مراقبہ کرتا رہے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ نہ حقوق اللہ ضائع ہوں گے نہ حقوق العباد جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا دخل اسی کا ہے کہ قیامت کے دن سے اور حساب کتاب کی طرف سے غفلت رہتی ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں بدکار لوگوں کا اعمالنامہ سجین میں رہے گا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے؟ وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى

کی بڑی خرابی ہوگی جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہے مجرم ہے۔ جب اس کے سامنے

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤

ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر انکے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ

ہرگز ایسا نہیں، یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، پھر یہ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے جس

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧

کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اہل کفر جو قیامت کے منکر ہیں ان کے بارے میں فرمایا:

كَلَّا (کہ ہرگز ایسا نہیں ہے) جیسا کہ تم خیال کرتے ہو بلکہ جزاء و سزا کا وقوع ضرور ہوگا اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرے اعمال تو ہوا میں اڑ گئے وہ کہاں محفوظ ہیں اور ان کی پیشی کا کیا راستہ ہے۔ کیونکہ بندوں کے سب اعمال محفوظ ہیں اور منضبط ہیں۔ کافروں کے اعمال نامے سجین میں ہیں جو ساتویں زمین میں کافروں کی روحوں کے رہنے کی جگہ ہے یہ اعمال نامے محفوظ ہیں روز جزا یعنی قیامت کے دن ہر ایک کا اپنا اپنا اعمال نامہ سامنے آجائے گا جو عمل کرنے والے پر حجت ہوگا اور انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ[1] اور آپ کو معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا ہے؟

(۱) .... (فی الدر المنثور ص ۳۲۵ ج ۶) واخرج عبدبن حميد عن مجاهد رضى الله عنه فى قوله كلاان كتاب الفجار لفى سجين، قال تحت الارض السفلى، فيها ارواح الكفار واعمالهم ...... بقیہ اگلے صفحے پر دیکھیں

(بحذف المضاف) ای ما کتاب السجین۔ کِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ.

(اور ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں اعمال لکھے ہیں)

بعض اہل تفسیر نے مرقوم بمعنی مختوم لیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس اعمال نامہ پر مہر لگی ہوئی ہے، جس میں کوئی تغیر وتبدل کا احتمال نہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ.

(خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

اَلَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ.

(جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں)

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ.

(اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا ہے، گناہ گار ہے)

اس میں یہ بتادیا کہ روز جزاء کو وہی لوگ جھٹلاتے ہیں جو سرکشی میں آگے نکل گئے اور گنہگاری کو اپنا طریقہ بنالیا۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ.

(جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں)۔

اس کے بعد فرمایا: كَلَّا (یعنی ہرگز نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب نہ ہو)

بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.

(بلکہ ان کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے)

برے اعمال میں کفر وشرک بھی ہے اور دیگر معاصی بھی ہیں اس زنگ کی وجہ سے حق بات کرنے اور حق بات سمجھنے سے بچتے ہیں اور عناد پر اصرار کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر ۵۷۵ کا حاشیہ

اعمال السوء واخرج ابو الشیخ فی العظمة والمحاملی فی امالیه عن مجاهد رضی الله عنه قال سجین صخرة تحت الارض السابعة فی جهنم تقلب، فیجعل کتاب الفجار تحتهااه وهناک حدیث مرفوع ذکره فی الدر المنثور ایضًا وهو انه صلی الله علیه وسلم قال ان الفلق جب فی جهنم مغطی واما سجین فمفتوح لکن یقول الحافظ ابن کثیر فی تفسیره حدیث غریب منکر لایصح. (ص ۴۲۵ ج ۴))۔

(درمنثور میں ہے کہ عبد بن حمید نے حضرت مجاہد سے کلا ان کتاب الفجار لفی سجین کی تفسیر میں نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ سجین نچلی زمین کے نیچے ہے۔ اس میں کافروں کی روحیں اور ان کے برے اعمال ہیں۔ اور ابو الشیخ نے کتاب العظمة میں اور محاملی نے اپنی امالی میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے۔ سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے جو جہنم میں پھیری جاتی ہے تو فاجروں کے اعمال نامے اس کے نیچے رکھے جاتے ہیں۔ اھ اور اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث ہے جو درمنثور میں بھی مذکور ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فلق جہنم میں ایک بند کنواں ہے اور سجین کھلی ہوئی ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں حدیث غریب ہے منکر ہے صحیح نہیں ہے)

گناہوں کا جو زنگ ہے وہ اہل ایمان کے قلوب کا بھی ناس کھو دیتا ہے۔ حضرت اغر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے دل میں میل آ جاتا ہے اور بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب مؤمن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے پس اگر توبہ واستغفار کر لیتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ واستغفار نہ کیا بلکہ گناہوں میں بڑھتا چلا گیا تو یہ (سیاہ داغ) بھی بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے دل پر غالب آ جائے گا، پس یہ داغ وہ ران ہے۔

جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

كَلَّا بَلْ سَكْنَةَ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کیوجہ سے دل پر زنگ آ جاتا ہے۔ دل کا زنگ دور کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استغفار کو تجویز فرمایا۔ دل کی صفائی ستھرائی کے لئے استغفار نسخۂ کیمیا ہے۔ اس کو گناہوں کی آلائش سے صاف کرنا لازم ہے۔ لہٰذا اگر کبھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کریں۔ جو لوگ استغفار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے گناہوں کی وجہ سے ان کے دل کا ناس ہو جاتا ہے پھر نیکی بدی کا احساس تک نہیں رہتا اور اس احساس کا ختم ہو جانا بدبختی کی علامت ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾

ہر گز نہیں، نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں رہے گا اور آپ کو معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ فجار کا اعمال نامہ سجین میں رہے گا۔ اب یہاں یہ فرمایا کہ نیک بندوں کا اعمال نامہ علیین میں رہے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جانتے ہو علیین کیا ہے پھر خود ہی فرمایا کہ وہ نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

سجین ساتویں زمین میں ایک مقام جو ارواح کفار کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور علیین ساتویں آسمان میں مؤمنین کی روحوں کی رہنے کی جگہ ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں مؤمنین کی موت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مؤمنین کی موت کے وقت فرشتے تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل، چنانچہ اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا قطرہ بہتا ہوا باہر آ جاتا ہے پس اسے حضرت ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے، حتیٰ کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو کچھ عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں

ہے اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں' ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو کتاب علیین میں لکھ دو۔

اور کافر کی موت کے بارے میں فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل' ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے: بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اسی طرح نکالتے ہیں جس طرح بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں' ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے' حتیٰ کہ فوراً ان سے لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے: کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو' وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ. (سورۃ الاعراف)

(ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے (اور اونٹ سوئی کے ناکہ میں جانہیں سکتا لہٰذا وہ بھی جنت میں نہیں جا سکتا)

پھر اللہ عز و جل فرماتے ہیں کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچی زمین میں ہے چنانچہ اس کی روح (وہیں سے) پھینک دی جاتی ہے' پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح)۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾

بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے' مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے اے مخاطب! تو ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچانے گا۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾

ان کو پینے کیلئے شراب خالص سربمہر ملے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہو گی اور حرص کرنیوالوں کو ایسی ہی چیز میں حرص کرنا چاہئے' اور اسکی آمیزش تسنیم سے ہو گی۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پیتے ہوں گے۔

ان آیات میں ابرار یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا انعام واکرام ذکر فرمایا ہے (جن کی کتاب کے بارے میں اوپر والی آیت میں فرمایا کہ وہ علیین میں ہے) ارشاد فرمایا کہ نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے مسہریوں پر (تکیے لگائے ہوئے) دیکھ رہے ہوں گے یعنی جنت کی نعمتیں اور وہاں کے مناظر ان کے پیش نظر ہوں گے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے اگرچہ بُعد مکانی ہوگا۔

مزید فرمایا: کہ اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی پہچان لے گا یعنی ان کو دیکھتے ہی سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ حضرات اپنی نعمتوں میں خوب زیادہ خوش وخرم ہیں جیسا کہ سورۂ دہر میں فرمایا۔

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا. (کہ اللہ تعالیٰ انہیں تروتازگی اور خوشی عطا فرمائے گا)

یہ خوشی حقیقی اور اصلی ہوگی۔ اندر کی خوشی سے چہروں پر تروتازگی ظاہر ہو رہی ہوگی۔ اس کے بعد نیک بندوں کی شراب کا تذکرہ فرمایا۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝

(انہیں خالص شراب میں سے پلایا جائے گا۔ جس کے وہ برتنوں میں لائی جائے گی ان پر مہر لگی ہوگی)۔

مزید فرمایا: خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (یہ مہر مشک کی ہوگی)۔

اس مشک کی مہر کی وجہ سے اس کی لذت چند در چند دوبالا ہوجائے گی' یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جس شراب کی مہر مشک کی ہوگی اور مشک بھی وہاں کا ہوگا۔ اس شراب کی اپنی لذت اور کیفیت کا کیا عالم ہوگا۔ وہاں کی شراب میں نہ نشہ ہوگا نہ اس سے سر میں درد ہوگا جیسا کہ سورۂ واقعہ میں فرمایا: لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ.

(نہ اس کی وجہ سے سر میں درد ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا)

ابھی شراب کا وصف بیان کرنا باقی ہے' درمیان میں اہل ایمان کو ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ.

(اور حرص کرنے والوں کو اسی میں حرص کرنا چاہئے)

مطلب یہ ہے کہ دنیا والے دنیا کی مرغوبات اور لذیذ چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان چیزوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ ان چیزوں میں دنیا کی شراب بھی ہے۔ جس کے پینے سے نشہ آتا ہے جو وجود سے عدم میں لے جاتا ہے اور اس کے گھونٹ بھی مشکل سے اترتے ہیں اور منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے' جہالت کی وجہ سے لوگ اس ہی میں دل دیئے بیٹھے ہیں' وہ تو کوئی چیز رغبت کی ہے ہی نہیں جس میں رغبت اور منافست کی جائے دنیا کی شراب پی کر گناہ گار نہ ہوں اور آخرت کی شراب سے محروم نہ ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں یہ لوگ داخل نہ ہوں گے۔

۱۔ شراب پینے کی عادت والا۔ ۲۔ قطع رحمی کرنے والا۔ ۳۔ جادو کی تصدیق کرنے والا۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ (تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جس میں سے مقرب بندے پئیں گے)۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ مقربین بندے خالص تسنیم پئیں گے اور دوسرے جنتیوں کی شراب میں اس کی آمیزش ہوگی۔ (گوان کی شراب بھی خالص ہوگی)۔ مگر مقربین کو ان کی شراب میں بھی وہ شراب ملے گی جو تسنیم کے چشمہ میں بہہ رہی ہوگی۔ اس میں سے دوسرے جنتیوں کی شراب میں بھی اس میں سے کچھ حصہ ملا دیا جائے گا۔

وقوله تعالى عَيْنًا نصب على المَدْحِ وقال الزجاج على الحال من تسنيم والباء إمّا زائدة اى يشر بها أو بمعنى من اى يشرب منها اوعلى تضمين يشرب معنى يروى اى يشرب الرّوا ين بهَا (من روح المعانى)

(ارشادالٰہی عیناً: یہ صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور زجاج کہتے ہیں تسنیم سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور باء یا تو زائدہ ہے یعنی اسے پئیں گے یا باء من کے معنی میں ہے یعنی اس میں سے پئیں گے۔ یا یشرب میں یروی کے معنی کی تضمین ہے یعنی اس سے سیر ہو کر پئیں گے)

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى

بلاشبہ جن لوگوں نے جرم کئے' وہ ایمان والوں پر ہنستے تھے اور جب انکے پاس سے گزرتے تھے تو آپس میں اشارہ بازی کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے

اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

تھے تو دل لگی کرتے ہوئے لوٹتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔ حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے' سو آج

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے۔ مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے۔ واقعی بات یہ ہے کہ کافروں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

ع ۶ ۸

نیک بندوں کا ایمان اور خوشی کا انجام فرمانے کے بعد مجرمین کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ اہل ایمان کے مخالف ہیں ان سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں دنیا میں ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کہیں اہل ایمان بیٹھے ہوتے اور یہ لوگ وہاں سے گزرتے تو اہل ایمان کا مذاق بنانے کے لئے آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے کہ دیکھو کہ یہ جا رہے ہیں' پھٹیچر جنت کے دعوے دار' تن پر کپڑا نہیں' پاؤں میں جوتا نہیں' بنتے ہیں بڑے اللہ کے پیارے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خباب' حضرت بلال رضی اللہ عنہم اور دیگر فقراء مومنین پر ایسی پھبتیاں کستے تھے اور جب یہ مجرمین اپنے گھروں کو جاتے تھے تو خوش ہوتے ہوئے جاتے تھے کہ دیکھو ہم نے بڑا کمال کیا فقیروں کا مذاق بنایا۔

مؤمن کے سامنے اشارہ سے ان کا مذاق کیا کرتے تھے اور اہل ایمان کو دیکھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ یقینی طور پر یہ گمراہ ہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حَافِظِيْنَ.

(حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے)

یعنی ان کو اہل ایمان کا نگران نہیں بنایا گیا۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں ان سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ گمراہ تھے یا ہدایت پر تھے؟ ان مجرموں کو خود اپنے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا گمراہ ہیں۔ آخرت میں معاملہ الٹ جائے گا کافر عذاب اور مصیبت میں ہوں گے اور اہل ایمان مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے' دنیا میں اہل کفر اہلِ ایمان کا مذاق بناتے تھے۔ اس روز اہل ایمان کافروں پر ہنسیں گے۔ اسی کو فرمایا:

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ.

نیز اہل ایمان کی فضیلت اور شرف اور مرتبہ کی بلندی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ. (یہ اہل ایمان مسہریوں پر دیکھتے ہوں) کافروں کی بدحالی ان کے سامنے ہوگی هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ.

(کافروں کو کفر اور اعمال بد کا جو بدلہ ملے گا وہ ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوگا ان میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے دنیا میں اہل ایمان کا مذاق بنایا)

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الانشقاق	۲۵ آیتیں ۱ رکوع

سورۃ الانشقاق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے' اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائے گی اور وہ سب کچھ ڈال دے گی جو اسکے اندر ہے۔

وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶

اور خالی ہو جائے گی اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔ اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشش کر رہا ہے پھر اس سے ملاقات ہو جائے گی۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹

سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا' سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کی طرف خوش ہو کر لوٹے گا

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ

اور جس کا اعمال نامہ اس کے پشت سے دیا گیا' سو یہ شخص ہلاکت کو پکارے گا اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ بے شک وہ اپنے گھر والوں میں

اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵

خوش تھا' بیشک اس نے یہ خیال کیا کہ وہ واپس نہ جائے گا' ہاں ضرور واپس ہونا ہے' بیشک اس کا رب اسے دیکھنے والا ہے۔

معانقة ۱۷

یہ سورۃ الانشقاق کی پندرہ آیات کا ترجمہ ہے۔ ان آیات میں اولاً آسمان وزمین کا حال بیان فرمایا ہے پھر انسان کے اعمال والی محنت اور حاصل محنت یعنی آخرت کے دن کی کامیابی اور ناکامیابی کو بتایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم کو سن لے گا اور مان لے گا اور حکم ماننا اس کے لئے ضروری ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے نافرمانی اور سرتابی کی مجال نہیں ہے اور جب کہ زمین کو پھیلا دیا جائے گا یعنی اس وقت جو اس کی انبساط اور پھیلاؤ ہے اس سے زیادہ پھیلا دی جائے گی اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو نکال کر باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی' جو اموات اس میں دفن ہیں اور ان کے علاوہ جو دفینے ہیں اس سے باہر آ جائیں گے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو گا جیسے آسمان کو حکم کے مطابق انکار کرنے کی کوئی مجال نہیں ہے' اسی طرح زمین کو بھی

نافرمانی کی کوئی گنجائش نہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواس کو حکم ہوگا اسے ماننالازم ہوگا' دونوں جگہ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ جوفرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے' حکم کے مطابق آسمان کو پھٹنا ہی پڑے گا زمین کو مزید بڑھایا جائے گا اور اسے بڑھنا ہی پڑے گا اور اسے خالی ہونے اور مردوں اور دفینوں کو باہر ڈالنے کا حکم ہوگا تو اسے حکم مانالازم ہی ہوگا دونوں جگہ جو لفظ اذا آیا ہے اس کی جزا محذوف ہے اور یہ وہ ہے کہ رای الانسان عملہ مطلب یہ ہے کہ جس دن آسمان پھٹ پڑے گا اور زمین پھیلا دی جائے گی اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں اسے باہر ڈال دے گی اس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھ لے گا۔

سورۂ ابراہیم کی آیت یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان وزمین بدل دیئے جائیں گے بدلنے بھی جائیں اور وہ صورت حال بھی ہو جائے جس کا یہاں سورۃ الانشقاق میں تذکرہ فرمایا ہے اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ (الایۃ) اس میں انسان کی زندگی کا حاصل اور خلاصہ بیان فرمایا دنیا میں جو رہتے بستے ہیں کچھ نہ کچھ محنت اور عمل کرتے ہی ہیں۔ جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں' فرشتے اسے لکھتے ہیں۔ زندگی سب کی گزر رہی ہے۔ اعمال بھی ہو رہے ہیں' دنیا بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے' قیامت قریب آتی جا رہی ہے مرنے والے مر بھی رہے ہیں' اپنے اعمال ساتھ لے جا رہے ہیں اسی طرح دنیا رواں دواں ہے حتیٰ کہ اچانک قیامت آ جائے گی' پہلا صور پھونکا جائے گا تو اس سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے، میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے، حساب ہوگا' اعمال نامے دیئے جائیں گے ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کر لے گا' اچھے لوگوں کے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں اور برے آدمیوں کے اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَمُلٰقِیْهِ میں یہ بتا دیا کہ انسان جو عمل کرتا ہے اس کے سارے اعمال اس کے سامنے آ جائیں گے اور ان سے ملاقات کریگا۔ اعمال ناموں میں اعمال لکھے ہوئے ہوں گے جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میرے لئے خیر ہی خیر ہے اور میری نجات ہوگئی اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور نجات پا کر اپنے اہل وعیال کے پاس خوشی خوشی چلا جائے گا' سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ. (آؤ پڑھ لو میری کتاب)

اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میں ہلاک ہوگیا اعمال نامہ ملتے ہی یوں کہے گا:

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ.

(ہائے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا) اور اسی حال میں وہ اپنی ہلاکت کو پکارے گا یعنی یوں کہے گا کہ مجھے موت آ جاتی تو اچھا تھا تاکہ حساب کتاب اور اس کا نتیجہ سامنے نہ آتا لیکن پچھتانے سے اور افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ایسے شخص کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اسی کو فرمایا، وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا. وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا.

(اور جس کو پشت کے پیچھے سے اعمال نامہ دیا گیا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)

ایسے شخص کی بربادی کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا.

(بیشک جب وہ دنیا میں تھا تو اپنے کنبہ خاندان میں خوش تھا) یعنی ایمان سے اور ایمان والے اعمال سے غافل تھا، قیامت کو نہیں مانتا تھا اور وہاں کی حاضری کا یقین نہیں رکھتا تھا دنیا کی مستی اور مسرت اور اکثر مکثر میں زندگی گزارتا رہا مزید فرمایا اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ.

(بے شک اس کا خیال تھا کہ اسے واپس نہیں ہونا ہے) یعنی میدان حساب میں نہیں جانا اسی غلط گمان کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لایا بَلٰی (ہاں اس کو ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا ہوگا اور حساب کے لئے پیش ہونا ہوگا اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا. (بیشک اس کا رب اس کو دیکھنے والا ہے) وہ یہ نہ سمجھے کہ میں آزاد ہوں جو چاہوں کروں بلکہ اس کو مرنا ہے پیشی ہونی ہے۔

فائدہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہی ہوگا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا.

(جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسان حساب بھی ہوگا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آسان حساب سے مراد یہ ہے کہ صرف اعمال نامہ پیش کر دیا جائے گا اور پوچھ گچھ نہ کی جائے اور جس کے حساب میں چھان بین کی گئی وہ ضرور ہلاک ہوگا کیونکہ جواب نہیں دے پائے گا (رواہ البخاری ص ۷۲۶ ج ۲، ص ۶۸ ج ۲)

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات نے سمیٹ لیا اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے تم ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچو گے

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدة بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ

سو ان لوگوں کو کیا ہوا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے بلکہ کافر لوگ جھٹلاتے ہیں ۔ اور اللہ خوب جانتا

اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

السجدة ۱۳ ع ۹ ۲۵

اللہ جل شانہ نے ان آیات میں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی قسم کھائی جو آرام کرنے کے لئے رات کو اپنے اپنے ٹھکانے پر آجاتی ہیں اور چاند کی قسم کھائی جب کہ وہ پورا ہو جائے یعنی بدر بن کر آشکارا ہو جائے، قسم کھا کر فرمایا کہ تم ضرور ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچو گے یعنی احوال کے اعتبار سے مختلف طبقات سے گزرو گے ایک حال گزشتہ حال سے شدت میں بڑھ کر ہوگا۔ پہلا حال موت کا اور دوسرا حال برزخ کا اور تیسرا حال قیامت کا ہوگا پھر ان حالات میں بھی تکثر تعدد ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (پھر کیا بات ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے)

جب دنیا کے احوال سے گزر رہے ہیں اور انہیں مرنا بھی ہے اور مرنے کے بعد کے احوال سے بھی گزرنا ہے تو کیا مانع ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ.

(اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے)۔

نہ ان کا قلب جھکتا ہے نہ ان کا سر جھکتا ہے۔ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ.

(بلکہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ جھٹلاتے ہیں) یعنی ایمان کی طرف رجوع کرنے کی بجائے تکذیب ہی پر جمے رہتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

بِمَا یُوْعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کررہے ہیں) اپنے دلوں میں کفر وحسد، بغض اور بغاوت کو چھپائے ہوئے ہیں یہ بِمَا یُوْعُوْنَ کی ایک تفسیر ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ معنی بھی مراد ہو سکتے کہ یہ لوگ اپنے اعمال ناموں میں جو برے اعمال جمع کررہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق انہیں سزا دے گا یہ معنی بعد کی آیت سے زیادہ اقرب وانسب ہے کیونکہ بعد میں فرمایا ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ (سو آپ انہیں عذاب الیم کی بشارت دے دیں) بشارت تو خوشی کی چیزوں کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر دینے کو بطور تحکم بشارت سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ لوگ اپنے کفر کو اپنے لئے کامیابی کا سبب سمجھتے تھے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ.

(لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ایمان اور اعمال کی وجہ سے انہیں بڑا اجر ملے گا جو کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔

وهذا اٰخر سورة الا نشقاق والحمدلله العلى الخلاق.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ البروج	۲۲ آیتیں ارکوع

آیاتہا ۲۲ (۸۵) سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ مَکِّیَّۃٌ (۲۷) رکوعہا ۱

سورۃ البروج مکہ میں نازل ہوئی اس میں بائیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اور قسم ہے اس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے کہ خندق والے یعنی بہت سے

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَ

ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے، جس وقت وہ لوگ اس آگ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ مسلمانوں کیساتھ کر رہے تھے اسکو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کافروں

مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اسکے وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے اور سزاوار حمد ہے۔ ایسا کہ اسکی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے آسمان کی قسم کھائی ہے اس کی صفت ذات البروج بتائی ہے (ان بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں) نیز اَلْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ کی اور شاہد اور مشہود کی بھی قسمیں کھائی ہیں، سنن ترمذی (ابواب التفسیر من سورۃ البروج) میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ سے یوم القیامۃ اور اَلْیَوْمِ الْمَشْهُوْدِ سے یوم عرفہ اور اَلشَّاهِدُ سے یوم الجمعہ مراد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس پر سورج نکلتا چھپتا ہو جو یوم جمعہ سے افضل ہو، اس دن میں ایسی گھڑی ہے جو بھی کوئی مؤمن بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا اور جس چیز سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پناہ دے گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں جس میں امکنہ وازمنہ دونوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام امکنہ وازمنہ کا مالک ہے، ایسی ذات کی مخالفت کرنے والے بہر حال لعنت اور عقوبت کے مستحق ہیں۔

قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والے ملعون ہوئے، یہ خندق سراپا آگ بنی ہوئی تھی خوب زیادہ ایندھن والی تھی جبکہ یہ لوگ اس خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ایمان کے ساتھ جو حرکتیں کر رہے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اس خندق میں انہوں نے بہت زیادہ ایندھن ڈال رکھا تھا آگ جل رہی تھی اور اس میں اہل ایمان کو ڈالتے جارہے تھے۔ صحیح مسلم (ص ۴۱۵ ج ۲) میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں سے ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر تو زیادہ ہو گئی میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دے تاکہ اسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے لئے ایک لڑکا بھیج دیا یہ لڑکا جادو سیکھنے جاتا تو راستہ میں ایک راہب کے پاس گزرتا تھا ایک مرتبہ اس کے پاس بیٹھ گیا اس کی باتیں سنیں تو اسے پسند آئیں۔ اب اس کے بعد جب بھی جادوگر کی طرف جاتا تو راہب پر گزرتا اور اس کے پاس بیٹھ جاتا پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا تھا کہ دیر میں کیوں آیا اس نے اپنی مصیبت راہب کو بتائی راہب نے کہا کہ تو ایسا کر کہ جب جادوگر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو یوں کہہ دیا کر کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں کی طرف سے پوچھ پاچھ کا اندیشہ ہو تو یہ کہہ دیا کر کہ جادوگر نے روک لیا تھا اسی طرح سلسلہ چلتا رہا ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ راستہ میں جاتے ہوئے ایک بڑا جانور سامنے آ گیا جو لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھے اس لڑکے نے کہا کہ آج پتہ چل جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر لیا اور دعا کر کے اس جانور کو مار دیا کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ اَمْرُ الرَّاھِبِ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ اَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ ھٰذِہِ الدَّابَّۃَ حَتّٰی یَمْضِیَ النَّاسُ.

(اے اللہ! راہب کا طریقہ کار آپ کے نزدیک جادوگر کے طریق کار کے مقابلہ میں محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دیجئے تاکہ لوگ گزر جائیں)۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس پتھر سے وہ جانور قتل ہو گیا اور جن لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھے وہ وہاں سے گزر گئے اس کے بعد یہ ہوا کہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے صورت حال کی خبر دی راہب نے کہا کہ اے پیارے بیٹے! اب تو تو مجھ سے افضل ہو گیا تو اس درجہ پر پہنچ گیا جو میں دیکھ رہا ہوں تو اگلی بات سن لے اور وہ یہ کہ اب تیرا امتحان لیا جائے گا (اور تو مصیبت میں مبتلا ہو گا) ایسی صورت پیش آئے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

اب اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے (مزید یوں نوازا) کہ وہ مادرزاد اندھے کو اور برص والوں کو اچھا کرتا تھا (یعنی ان کے حق میں دعا کر دیتا تھا اور ان کو شفا ہو جاتی تھی) اس کا یہ حال بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے سن لیا جو نابینا ہو چکا تھا۔ یہ شخص لڑکے کے پاس بہت سے ہدایا لایا اور اس سے کہا کہ اگر تو مجھ کو شفا دیدے تو یہ سب تیرے لئے ہے۔ لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفاء تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دوں گا وہ تجھے شفا دے دے گا وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا اللہ نے اسے شفا دے دی۔ اب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور حسب دستور بادشاہ کے پاس بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تیری بینائی کس نے واپس کی؟ اس نے کہا کہ میرے رب نے واپس کی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے اس پر اس شخص کو پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف پہنچاتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔

اب لڑکے کو لایا گیا اس سے بادشاہ نے کہا کہ اے بیٹا! تیرا جادو اس درجہ کو پہنچ گیا کہ تو مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اچھا کرتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے؟ لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفاء صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اس پر بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے

برابر تکلیف دیتا رہا' حتیٰ کہ اس نے یہ بتا دیا کہ فلاں راہب سے میرا تعلق ہے (اور اس کے پاس آنے جانے کی وجہ سے مجھے یہ بات حاصل ہوئی ہے) اس کے بعد راہب کو لایا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اس نے انکار کر دیا' لہٰذا ایک آرہ منگایا گیا جو اس کے سر کے درمیان میں رکھ دیا گیا اور اسے درمیان سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے دونوں ٹکڑے زمین پر گر گئے۔ اس کے بعد بادشاہ کے اسی ہمنشین کو لایا گیا (جو اس لڑکے کے دعوت دینے سے ایمان قبول کر چکا تھا اور لڑکے کی دعا سے اس کی بینائی واپس آ گئی تھی) اس سے کہا گیا کہ تو ایمان سے پھر جا اس نے بھی انکار کر دیا لہٰذا اس کے سر کے درمیان آرہ رکھ کر چیر دیا گیا اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا' اس کے بعد اس لڑکے کو لایا گیا' اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے (یعنی ایمان سے پھر جا جو راہب کی صحبت میں آنے جانے سے حاصل ہوا تھا) لڑکے نے بھی ایمان سے پھرنے کا انکار کر دیا۔ لہٰذا اسے بادشاہ نے اپنے آدمیوں کے حوالہ کیا اور ان سے کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ' اسے پہاڑ پر لے کر چڑھو جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے کہو کہ اپنے دین سے پھر جا' اگر یہ بات مان لے تو چھوڑ دینا ورنہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دینا' وہ لوگ اس لڑکے کو پہاڑ پر لے چڑھے' لڑکے نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ. (اے اللہ! تو جس طرح چاہے ان لوگوں (کے شر) سے میرے لئے کافی ہو جا) اس کا دعا کرنا تھا کہ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور جو لوگ اسے لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور یہ لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس چل کر آ گیا' بادشاہ نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے کر گئے تھے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما لیا۔

اس کے بعد چند دیگر افراد کے حوالہ کیا اور کہا کہ اس لڑکے کو لے جاؤ اور ایک کشتی میں سوار کرو اور کشتی کو سمندر کے بیچ میں لے جاؤ اور اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو کوئی بات نہیں ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا۔ وہ لوگ اسے لے گئے اور کشتی میں بٹھا کر سمندر کے درمیان پہنچ گئے اس لڑکے نے وہی دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ. دعا کرنا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور وہ لوگ غرق ہو گئے لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گیا' بادشاہ نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے گئے تھے؟ لڑکے نے کہا کہ اللہ میرے لئے کافی ہو گیا اس نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔

اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ تو مجھے (اپنی تدبیر سے) قتل نہیں کر سکتا ہاں! قتل کا ایک راستہ ہے وہ میں تجھے بتاتا ہوں' بادشاہ نے کہا وہ کیا طریقہ ہے؟ لڑکے نے کہا کہ وہ طریقہ یہ ہے کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے درخت کے تنے پر لٹکا دے اور میرے اس ترکش سے ایک تیر لے اور پھر اسے کمان میں رکھ کر بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ کہتے ہوئے میری طرف پھینک دے (لڑکے نے یہ سمجھ کر کہ مجھے مرنا تو ہے ہی اپنی موت کو دعوت ایمان کا ذریعہ کیوں نہ بنا دوں لہٰذا اس نے یہ تدبیر بتائی کہ لوگوں کے سامنے میرا قتل ہو اور اللہ کا نام لے کر قتل کیا جاؤں بادشاہ بدھو تھا اس تدبیر کو سمجھ نہ سکا) چنانچہ اس نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور لڑکے کو درخت کے تنہ پر لٹکا دیا اور اس کے ترکش سے ایک تیر لیا اور کمان میں تیر رکھ کر بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ کہہ کر لڑکے کو تیر مار دیا' تیر اس کی کنپٹی پر لگا' لڑکے نے تیر کی جگہ ہاتھ رکھا اور مر گیا' لوگوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ کی رٹ لگانے لگے (یعنی ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے)۔

اب بادشاہ کے پاس اس کے آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ تجھے جس بات کا خطرہ تھا کہ (اس لڑکے کی وجہ سے حکومت نہ چلی جائے) وہ تو اب حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی کوچوں کے ابتدائی راستوں میں خندقیں کھودی جائیں چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ جلائی گئی' بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جو شخص اپنے دین ایمان سے نہ لوٹے اسے آگ میں ڈال دو' چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا' اہل

ایمان لائے جاتے رہے' ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان سے پھر جاؤ وہ انکار کر دیتے تھے تو انہیں زبردستی جلتی ہوئی آگ میں جھوک دیا جاتا تھا' یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا وہ آگ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگی اس کے بچہ نے کہا کہ اے امی! آپ صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اس کے شروع میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو بطور کہانت آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا (ان باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ تیری حکومت جانے والی ہے) اور اسی کاہن نے یہ بھی کہا کہ کوئی سمجھدار لڑکا تلاش کرو' جسے میں اپنا علم سکھادوں اور ختم کے قریب یہ بھی ہے کہ جب عامة الناس نُؤْمِنُ بِرَبِّ الْغُلَام کہہ کر مسلمان ہوگئے تو بادشاہ سے کہا گیا کہ تو تین آدمیوں کی مخالفت سے گھبرا اٹھا تھا۔ (یعنی راہب' لڑکا اور بادشاہ کا ہم نشین) دیکھ اب تو یہ سارا جہاں تیرا مخالف ہوگیا اس پر اس نے خندقیں کھدوائیں ان میں لکڑیاں ڈالیں اور اعلان کیا کہ جو شخص اپنے دین (یعنی اسلام) کو چھوڑ دے گا ہم اسے کچھ نہ کہیں گے اور جو اپنے اس دین سے واپس نہ ہوگا اسے ہم اس آگ میں ڈال دیں گے لہٰذا وہ اہل ایمان کو ان خندقوں میں ڈالتا رہا' اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ میں بیان فرمایا ہے۔

سنن ترمذی میں قصہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس لڑکے کو دفن کر دیا گیا پھر اسے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جیسا کہ اس نے قتل ہوتے وقت رکھی تھی (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

حافظ ابن کثیرؒ نے مقاتل سے نقل کیا ہے کہ خندقوں کا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک مرتبہ یمن میں اور ایک مرتبہ شام میں اور ایک مرتبہ فارس میں۔ شام میں جو بادشاہ تھا وہ الطنایوس رومی تھا اور فارس میں جو واقعہ پیش آیا وہ بخت نصر کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ عرب کی سر زمین (یعنی یمن نجران) میں جو واقعہ پیش آیا ہے وہ یوسف ذونواس بادشاہ کے زمانہ کا واقعہ ہے پہلے دو واقعوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے اور نجران والے واقعہ کے بارے میں سورۃ البروج کی آیت نازل ہوئیں' اس کے بعد بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت ربیع بن انسؓ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب الاخدود کا واقعہ زمانہ فترہ میں پیش آیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع السماء کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ابن کثیر)

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ میں یہ بتایا کہ لوگوں نے جن اہل ایمان کو تکلیف دی، آگ میں ڈالا، انہوں نے کوئی چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا' کسی کا مال نہیں لوٹا ان سے ناراض ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' ایمان لانا کوئی جرم کی بات نہیں ہے' انسان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لائے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو ایک لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ان حضرات کو رومیوں نے قید کیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ساتھ رہا ہے یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے گفتگو کی جس کے سوال و جواب اور پورا قصہ درج کیا جاتا ہے۔

عیسائی بادشاہ: میں تم کو اپنی حکومت اور سلطنت میں شریک کرلوں گا اگر تم عیسائی مذہب قبول کرلو۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: تیری حکومت تو کچھ بھی نہیں اگر تو اپنی حکومت دیدے اور سارے عرب والے بھی مل کر مجھے اپنا ملک صرف اس شرط پر دینا چاہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جتنا وقت ہوتا ہے صرف اتنی دیر کے لئے بھی دین محمدیؐ سے پھر جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔

عیسائی بادشاہ: اگر تم عیسائی مذھب قبول نہیں کرتے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

حضرت عبداللہؓ: تو چاہے تو قتل کر دے میں اپنی بات ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ سوچنے سے دوسری رائے بدل سکتی ہے بلکہ وہ ایسی حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی مؤمن بندہ کبھی گوارہ نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر عیسائی بادشاہ نے ان کو صلیب (سولی) پر چڑھوا دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں تیر مارو اور یہ سمجھ لو کہ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ تکلیف دے کر عیسائیت قبول کروانا مقصود ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اللہ کا یہ بندہ صرف اس بات کا مجرم تھا کہ اللہ کو مانتا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے دین حق کا ماننے والا تھا بادشاہ نے تیر مارنے شروع کر دیئے، تیر مارتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اب بھی ہمارا مذہب مان لے اور دین محمدی کو چھوڑ دے اور وہ اللہ کا بندہ یہی کہتا جاتا تھا کہ جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا ہوں اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

جب اس ترکیب سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایمان غارت کرنے میں ناکام ہو گئے تو اس عیسائی بادشاہ نے کہا کہ ان کو سولی سے اتارو اور ایک دیگ میں خوب گرم پانی کرو اور ان کو دیگ کے پاس کھڑا کر کے ان کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو ان کے سامنے دیگ میں ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سامنے ان کا ایک ساتھی دیگ میں ڈالا گیا جس کی جان انہیں کے سامنے نکلی اور گوشت و پوست جدا اور ہڈیوں کے جوڑ جوڑ علیحدہ ہوئے اس کے درمیان میں بھی حضرت ابن حذافہؓ کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور جان بچ جانے کا لالچ دلاتے رہے۔

الحاصل، جب وہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو بادشاہ نے ان کو جلتی ہوئی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دیگ کے پاس گئے اور جب ان کو ڈالنے لگے تو رونے لگے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ وہ رو رہے ہیں بادشاہ نے سمجھا کہ وہ موت سے گھبرا گئے اب تو ضرور عیسائی مذہب قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ان کو بلا کر اس نے پھر عیسائی ہو جانے کی ترغیب دی مگر انہوں نے اب بھی انکار کیا۔

عیسائی بادشاہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم روئے کیوں؟

حضرت عبداللہؓ: میں نے کھڑے کھڑے سوچا کہ اب میں اس وقت اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں جل بھن کر ختم ہو جاؤں گا اور ذرا دیر میں جان جاتی رہے گی۔ افسوس کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے کیا اچھا ہوتا کہ آج میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں وہ سب اس دیگ میں ڈال کر ختم کر دی جائیں۔ اللہ کی راہ میں ایک جان کی کیا حقیقت ہے۔

عیسائی بادشاہ: میرا ماتھا چوم لو گے تو تمہارے ساتھ سب ہی کو چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہؓ اپنی جان بچانے کے لئے اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اس کا ماتھا ہی چوم لیتے (کیونکہ اس سے کافر کی عزت ہوتی ہے) لیکن اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ میرے اس عمل سے سارے مسلمانوں کو رہائی ہو جائے گی اس کا ماتھا چومنے پر راضی ہو گئے اور قریب جا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اس نے ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو رہا کر دیا۔

جب حضرت عبداللہ مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی رہائی کے لئے ایک کافر کا ماتھا چوما تھا اس لئے ضروری ہے کہ اب ہر مسلمان ان کا ماتھا چومے، میں سب سے پہلے چومتا ہوں چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ماتھا چوما۔

اہل ایمان سے دشمنی رکھنے والے صرف اپنے اقتدار کو دیکھتے ہیں اور قادر مطلق جل مجدہ کی قدرت کی طرف نظر نہیں کرتے وہ قادر بھی

ہے اور اسے ہر بات کا علم بھی ہے اس کے بندوں کے ساتھ جو زیادتی کرے گا وہ اس کی سزا دیدے گا کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ میرا ظلم یہیں رہ جائے گا اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ آیت کے ختم پر اس مضمون کو بیان فرمادیا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ، (اور اللہ ہر چیز سے پورا باخبر ہے)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے۔

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو تکلیف میں ڈالا الفاظ کا عموم اصحاب اخدود کو بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ دیگر دشمنان اہل ایمان کو بھی ارشاد فرمایا:

ان لوگوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اور جلنے کا عذاب ہے درمیان میں ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا بھی فرمایا یعنی ان لوگوں کے لئے مذکورہ عذاب اس صورت میں ہے جبکہ موت سے پہلے توبہ نہ کی ہو کسی بھی کافر نے کسی بھی مؤمن کو کچھ بھی اور کیسی بھی تکلیف دی ہو اور کیسے بھی گناہ کئے ہوں اگر توبہ کر لی ایمان قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا وہ سب ختم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے ایمان لانے کے بعد کافر کا سب کچھ معاف ہو جاتا ہے چونکہ یہاں اصحاب اخدود کے قصہ کے بعد یہ مغفرت والی بات بیان فرمائی ہے اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انظروا الی هذا الكرم والجود قتلوا اولیاء وهو يدعوهم الى التوبة والمغفرة (اللہ تعالیٰ کے کرم اور جود کو دیکھو ان لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کر دیا اور اسکی طرف سے توبہ اور مغفرت کی دعوت دی جا رہی ہے) دوسری آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کو بشارت دی ہے کہ ان لوگوں کو باغات ملیں گے جنکے نیچے نہریں جاری ہوں گی آیت کو ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ پر ختم فرمایا ہے جس میں یہ بتادیا کہ مذکورہ باغات کا مل جانا بڑی کامیابی ہے۔ دنیا میں جیسی بھی کوئی تکلیف پہنچے وہ اسکا میابی کے سامنے ہیچ ہے اگر ایمان کی وجہ سے کوئی شخص آگ میں ڈالا گیا تو وہ ایک دومنٹ کی تکلیف ہے۔ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ دائمی اور ابدی نعمت ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾

بلاشبہ آپ کے رب کی پکڑ سخت ہے بلاشبہ وہ پہلی بار پیدا فرماتا ہے اور دوبارہ پیدا فرمائے گا اور بڑا بخشنے والا ہے بڑی محبت والا ہے۔ عرش کا مالک ہے۔ عظمت والا ہے

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾

اور جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ کیا آپ کے پاس لشکروں کی بات پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کی بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا او رتکذیب میں ہیں

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

اللہ ان کو ادھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی چند صفات عالیہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اقوام اور افراد تاخیر عذاب کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں۔ عذاب اور ہلاکت کی میعاد اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت کے مطابق مقرر فرما رکھی ہے اس کا وقت نہ آنے کی وجہ سے جو تاخیر اور ڈھیل ہوتی ہے اسکی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ گرفت ہونے ہی کی نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو نہیں چھوڑتا' اس کے بعد آپ نے سورۂ ہود کی آیت۔ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۶۷۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ.

(بلاشبہ وہ پہلی بار بھی پیدا فرماتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا)۔

اس میں مشرکین بعث کا استبعاد دور فرما دیا جو کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو کر جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی' دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے؟ ان کا جواب دے دیا کہ جس ذات پاک نے پہلے پیدا فرمایا وہی دوبارہ پیدا فرما دے گا۔

اس کے بعد فرمایا وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ.

(اور وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے بڑی محبت والا ہے)۔

اس میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شان غفاریت بتائی اور مودت کی شان بھی بیان فرمائی۔ وہ اپنے بندوں کو بخشتا بھی ہے اور مومنین صالحین سے محبت بھی فرماتا ہے' عرش کا مالک ہے، مجید بھی ہے یعنی بڑی عظمت والا ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وہ جو کچھ چاہتا ہے پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ اپنی مشیت اور ارادہ کے مطابق کرتا ہے۔ بَطْشَ شَدِيْدَ (سخت پکڑ) ابتدائی تخلیق' پھر موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانا' گناہگاروں کو بخشنا اہل ایمان پر مودت اور رحمت کے ساتھ متوجہ ہونا یہ سب کچھ اس کی مشیت کے تابع ہے اور اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔

سورۃ الحج میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ.

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل فرما دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو بھی ارادہ فرماتا ہے) پھر چند آیات بعد فرمایا:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ.

(اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (الی آخر السورۃ)

(کیا آپ کے پاس لشکروں کی بات پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کی۔ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکذیب میں ہیں اور اللہ ان کو ادھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے)۔

ان آیات میں بعض بڑے بڑے کافروں باغیوں یعنی فرعون وثمود کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ آپ کے پاس لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی آپ کو ان لوگوں کے کبر نخوت اور غرور اور بغاوت پھر ان کی تعذیب اور ہلاکت کے واقعات معلوم ہو چکے ہیں (آپ یہ واقعات

موجودہ منکرین اور معاندین کو سنا چکے ہیں ان کو ان قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے لیکن اس کی بجائے کافر لوگ تکذیب میں لگے ہوئے ہیں آپ کو بھی جھٹلاتے ہیں اور ان کو بھی جھٹلاتے ہیں ان کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر ہے اسے ان کی سب حرکتوں کا علم ہے وہ ہر طرف سے انہیں گھیرے ہوئے ہیں، یعنی ان کے سب اعمال اور افعال احوال اور اشغال کا اسے پوری طرح علم ہے گزشتہ باغی قوموں کو جس طرح سزا دی گئی یہ بھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ.

ان کا عناد اور تکذیب ان کی حماقت اور گمراہی کی وجہ سے ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جس کی تکذیب کی جائے وہ تو ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں کسی تغیر و تبدل کا احتمال نہیں وہاں بھی محفوظ ہے اور جو فرشتہ لایا ہے وہ بھی امین ہے، پوری حفاظت کے ساتھ لاتا ہے اگر کوئی شخص اس پر ایمان نہ لائے تو اس کی عظمت اور حفاظت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وَھٰذا اٰخر سورۃ البروج، والحمدللّٰہ العلی الخلاق.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الطارق	۱۷ آیتیں ۱ رکوع

اٰیاتُھَا ۱۷ (۸۶) سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ (۳۶) رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ الطارق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سترہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْھَا

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہو اور آپ کو معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان

حَافِظٌ ۝ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ

مقرر نہ ہو، سو انسان غور کر لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا' وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا جو پشت اور سینہ کے درمیان

وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ ۝

سے نکلتا ہے' بیشک وہ ضرور اسکے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کی اور چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ دنیا میں جو لوگ بھی رہتے ہیں اور بستے ہیں ان کے اعمال کی نگرانی کے لئے ہم نے فرشتے لگا رکھے ہیں ہر جان کے ساتھ فرشتہ لگا ہوا ہے۔ یہ فرشتے انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں اور اعمالنامہ کو محفوظ کر لیتے ہیں پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ اعمال نامے انسانوں کے سامنے آجائیں گے۔ یہ حافظ کی ایک تفسیر ہے جو آیت کریمہ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کے مطابق ہے بعض مفسرینؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جس کا سورۂ رعد کی آیت مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ ۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ.

میں ذکر ہے یعنی اللہ پاک نے ہر انسان کے لئے فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں جو رات دن آفات سے انسان کی حفاظت فرماتے ہیں البتہ جو تکلیف مقدر ہے وہ تو پہنچ کر ہی رہے گی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے پہلا معنی مراد لینا ہی اظہر واقرب ہے کیونکہ قیامت کے دن کی آزمائش اور پیشی کا ذکر ہے چونکہ انسانوں کو موت کے بعد زندہ کرنے کے بارے میں شک وشبہ رہتا ہے اس لئے ان کے شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ.

(سو انسان غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے)

پھر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا:

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ.

(وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے)

يَخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ.

(وہ پانی پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے)

اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان نطفہ منی سے پیدا کیا گیا ہے جسے سورۂ الٓمٓ سجدہ میں مَآءٍ مَّهِيْنٍ (ذلیل پانی) سے تعبیر فرمایا ہے۔ انسان جو قیامت کا منکر ہے اور یوں کہتا ہے کہ موت کے بعد کیسے اٹھائے جائیں گے اور مٹی میں ملے ہوئے ذرات آپس میں کیسے ملیں گے؟ اس کا جواب دے دیا کہ تو دیکھ لے تیری اصل کیا ہے، تجھے اپنی حقیقت اور نشوونما کا علم ہے پھر بھی ایسی باتیں کرتا ہے جس نے تجھے نطفہ سے پیدا فرمایا وہ دوبارہ بھی پیدا فرما سکتا ہے اسی کو فرمایا اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ

(بلاشبہ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے)۔

سورۃ القیامہ میں فرمایا:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى. ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى. فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى. اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى.

کیا انسان ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکا دیا گیا تھا، پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اس نے بنایا پھر اعضا درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں۔ مرد اور عورت کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے۔

نطفہ منی کو مَاءٍ دَافِقٍ (اچھلنے والے پانی) سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ عربی میں الصلب پشت کو کہتے ہیں اور الترائب جمع ہے تَرِيْبَةٌ کی، سینہ کی ہڈیوں کو ترائب کہا جاتا ہے، بچہ کی تخلیق مرد و عورت دونوں کی منی کے امتزاج سے ہوتی ہے اور مَاءٍ دافق کو مفرد کا صیغہ لانا اس اعتبار سے ہے کہ مرد کا نطفہ ہی اصل ہے اور وہ دافق یعنی اچھلنے والا ہے اس کے بغیر تخلیق نہیں ہوتی۔ صاحب بیان القرآن نے یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں نطفے مل کر چونکہ شیٔ واحد ہو جاتے ہیں اس لئے مفرد کا صیغہ لایا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ عورت میں بھی قدرت اندفاق یعنی اچھال ہوتا ہے (قال صاحب الروح ووصفه بالدفق قيل باعتبار احد جزئيه وهومنى الرجل وقيل باعتبار كليهما ومنى المرأة دافق ايضاالى الرحم)

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس کو اچھلنے کی صفت کے ساتھ موصوف کرنا بعض نے کہا اس ایک جزء کے اعتبار سے ہے اور وہ مرد کی منی ہے اور بعض نے کہا دونوں کی منی کے اعتبار سے ہے کہ عورت کی منی بھی اچھل کر رحم میں جاتی ہے)

عورت کی منی اور بچہ کی تخلیق میں اس کے مادہ منویہ کا شریک ہونا یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے۔ کما روى مسلم عن عائشة رضى الله عنها ان امرأة قالت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ' هل تغتسل المرء ة اذااحتلمت وابصرت الماء؟ فقال "نعم" فقالت لها عائشة: تربت يداک :قالت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعيها .وهل يكون الشبه الامن قبل ذلک. اذاعَلا ماؤها ماء الرجل اشبه الولداخواله واذاعلاماء الرجل ماء ها اشبه اعمامه.

(جب کہ مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک خاتون نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا عورت کو جب احتلام ہو اور وہ پانی دیکھے تو غسل کرے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا تو ہلاک ہو جائے۔ حضور نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ اور بچہ کی مشابہت اسی وجہ سے ہی تو ہوتی ہے کہ اگر عورت کا پانی مرد کے پانی سے آگے بڑھ گیا تو بچہ اپنے ننہیال کے مشابہ ہوتا ہے اگر مرد کا پانی عورت کے پانی سے آگے بڑھ گیا تو بچہ ددھیال کا ہم شکل ہوتا ہے۔

مادہ منویہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ پشت اور پسینہ کے درمیان سے نکلتا ہے، یہاں اس طب جدید کی تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اشکال کیا گیا ہے۔ اطباء کا کہنا ہے کہ نطفہ ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچہ کا ہر عضو اس جز ونطفہ سے بنتا ہے جو مرد عورت کے اسی عضو سے نکلتا ہے۔ اگر اطباء کا کہنا صحیح ہو پھر بھی قرآن کی تصریح پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ قرآن مجید میں نہ مرد عورت کی کوئی تخصیص فرمائی ہے اور نہ کلام میں کوئی حرف حصر موجود ہے جو یہ بتاتا ہو کہ نطفہ صرف پشت اور سینہ سے ہی نکلتا ہے، اگر سارے بدن سے نکلتا ہو تو پشت اور سینہ کا ذکر اس کے معارض نہیں ہے۔

البتہ یہ سوال رہ جاتا ہے کہ تمام اعضاء میں سے صرف پشت اور سینہ کو کیوں ذکر فرمایا؟ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سامنے اور پیچھے کے اہم اعضا کو ذکر کر کے سارے بدن سے تعبیر کر دیا گیا۔

قال صاحب الروح وقيل لوجعل مابين الصلب والترائب كناية عن البدن كله لم يبعدو كان تخصيصها بالذكر لما انها كالوعاء للقلب الذى هو المضغة العظمى فيه.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہے اگر مابین الصلب والترائب کو تمام بدن سے کنایہ سمجھا جائے تو بعید نہیں ہے اور پورے بدن میں سے خصوصاً اسی حصہ کا ذکر کرنا اس لئے کہ یہ حصہ دل کے لئے گویا برتن ہے جو کہ بدن کا سب سے عظیم حصہ ہے)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ

جس دن چھپے ہوئے بھیدوں کی جانچ کی جائے گی سو انسان کے لئے نہ کوئی قوت ہوگی نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی

الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾

جو پھٹ جاتی ہے یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے، بلاشبہ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

تو آپ ان کافروں کو مہلت دیجئے ان کو تھوڑے دنوں رہنے دیجئے۔

ع ۱۷ ۱۱

گزشتہ آیات میں انسان کی پیدائش بیان فرمائی اور یہ بھی بتایا کہ جس ذات پاک نے انسان کو ابتداءً ایسے ایسے پانی سے پیدا فرمایا وہ موت کے بعد دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے، اس کے بعد دو آیتوں میں قیامت کے دن کی پیشی اور وہاں جو انسان کی مجبوری ہوگی اس کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ جس روز انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور محاسبہ کے لئے پیشی ہوگی اس وقت ساری بھید کی چیزوں کی جانچ کر لی جائے گی سارا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا۔ جو بھی کچھ کیا تھا وہ نظر کے سامنے ہوگا۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا. (اور جو کچھ کیا تھا، سب حاضر پائیں گے)

انسان کی بدحالی اور مجبوری کا یہ عالم ہوگا کہ نہ تو اسے عذاب کے دفع کرنے کی کوئی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اس کے بعد آسمان اور زمین کی قسم کھائی اور قسم کھا کر قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو بارش والا ہے اس کی طرف سے زمین پر بار بار بارش کا نزول ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھٹ جانے والی ہے (جب اس میں بیج ڈالا جاتا ہے تو پھٹ جاتی ہیں اور اس سے پودے اور کھیتیاں نکل آتی ہیں)۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ. (بلاشبہ یہ قرآن ایک کلام ہے فیصلہ دینے والا) اس میں جو کچھ بتایا ہے سب صحیح ہے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَمَاهُوَ بِالْهَزْلِ. (اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے)

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا. بلاشبہ یہ لوگ حق کو دبانے کے لئے قرآن سے خود دور رہنے اور دوسروں کو اس سے دور کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں آپ کو تکلیف بھی دے رہے ہیں مکہ معظمہ آنے والوں کے راستہ میں بیٹھ کر انہیں آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں۔ قرآن کو شعر اور اساطیر الاولین بتاتے ہیں۔ اہل ایمان کو مارتے پیٹتے ہیں۔

وَاَكِيْدُ كَيْدًا. (اور میں طرح طرح کی تدبیریں کرتا ہوں)۔

ان لوگوں کی تدبیروں کا کاٹ مجھے معلوم ہے ان کی تدبیریں فیل ہوں گی۔ میری تدبیر غالب آئے گی۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ. (سو کافروں کو چھوڑ یئے) یعنی ان کی حرکتوں سے غمگین نہ ہوجایئے اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا. (انہیں تھوڑے دنوں کے لئے مہلت دیجئے)۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں آپ اپنا کام کریئے تھوڑے دنوں بعد ہم ان پر عذاب نازل کریں گے، ہر کافر کو موت کے بعد عذاب تو ہونا ہی ہے۔ موت سے پہلے بھی عذاب ہوسکتا ہے جیسا کہ قریش مکہ غزوۂ بدر میں مبتلائے عذاب ہوئے۔

وَهٰذا اٰخر سورة الطّارق، والحمدلله العلى الخالق.

۱۹ آیتیں ۱ رکوع	سورۃ الاعلیٰ	مکی

اٰیَاتُهَا ۱۹ (۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸) رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الاعلیٰ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤

آپ اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح بیان کیجئے، جس نے پیدا فرمایا۔ سو ٹھیک طرح بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راستہ دکھایا اور جس نے چارہ نکالا

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

اور پھر اس کو سیاہ کوڑا بنا دیا۔ ہم آپ کو پڑھائیں گے۔ سو آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک وہ ظاہر کو اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١

اور ہم آسان شریعت کیلئے آپ کو سہولت دیں گے، سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے۔ وہی شخص نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ شخص پرہیز کرے گا جو بڑا بدنصیب

الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ

ہے، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی کو اختیار کیا اور اپنے رب کا نام

رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ

لیا پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم لوگ دنیا والی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت بہت بہتر ہے اور بہت زیادہ باقی رہنے والی ہے، بلاشبہ یہ اگلے صحیفوں

الْاُوْلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝١٩

ع ۱ ۱۹ ۱۲

میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

یہاں سے سورۂ اعلیٰ شروع ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے الاعلیٰ فرمایا یعنی برتر اور بلند تر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ (کہ رکوع میں جاؤ تو اس پر عمل کرو پھر جب

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ سجدہ میں جاؤ تو اس پر عمل کرو (یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہو اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہو۔

اَلْاَعْلٰى کا معنی ہے خوب زیادہ بلند اور برتر' یہ پروردگار عالم جل مجدہ کی صفت ہے' اس کو بیان کرنے کے بعد دوسری صفت بیان فرمائی۔

اَلَّذِىْ خَلَقَ (جس نے پیدا فرمایا) اور تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَسَوّٰى (کہ اس نے بالکل ٹھیک بنایا) اور چوتھی صفت بیان فرمائی۔

وَالَّذِىْ قَدَّرَ (اور جس نے جان داروں کے لئے ان کے مناسب حال چیزوں کو تجویز فرمایا۔

فَهَدٰى (پھر ان جانداروں کو راہ بتائی) یعنی ان کی طبیعتوں کو ایسا بنادیا کہ وہ ان چیزوں کو چاہتی ہیں' جو ان کے لئے تجویز فرمائی ہے۔ معالم التنزیل (ص ۴۷۵ ج ۴) میں وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى کی تفسیر میں اور بھی چند اقوال لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ انسان کو خیر اور شر کا' سعادت وشقاوت کا راستہ بتایا اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کو مقدر فرمایا پھر انسانوں کو رزق کے کمانے اور حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اشیاء میں منافع پیدا فرمائے پھر انسان کو ان سے مستفید ہونے کے طریقے بتائے۔

پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى. (اور وہ ذات جس نے چارہ نکالا)۔

اس چارہ کو انسانوں کے جانور کھاتے ہیں' پھر یہ جانور اس سے حاصل شدہ طاقت اور توانائی سے انسانوں کی خدمات بجالاتے ہیں۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (پھر اسے سیاہ کوڑا بنادیا) یعنی زمین سے جو چارہ نکلتا ہے اس میں سے بہت سا تو مویشی کھالیتے ہیں اور بچا کھچا جو رہ جاتا ہے وہ کوڑا کرکٹ بن جاتا ہے جو پڑے پڑے کالا ہوجاتا ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے سو آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ کی مشیت ہوگی)۔

اس میں وعدہ فرمایا ہے کہ یہ قرآن جو آپ پر نازل ہوچکا ہے اور اس کے بعد مزید نازل ہوگا آپ اس قرآن کو بھولیں گے نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جسے سورۂ قیامہ کی آیت کریمہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ میں بیان فرمایا ہے اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ (مگر اللہ جو چاہے اس میں یہ بتادیا کہ آپ پر جو وحی آئے اس میں سے آپ بعض چیزوں کو بھول جائیں گے اور آپ کا بھولنا ہماری مشیت سے ہوگا' حکمت کے مطابق ہوگا اس میں منسوخ التلاوۃ اور منسوخ الحکم دونوں کو بیان فرمادیا' سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا.

(ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے یا بھلادیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت کو لے آتے ہیں)۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (بلاشبہ وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور چھپی ہوئی چیزوں کو بھی' یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر حالت کا اور بندوں کی ہر مصلحت کا علم ہے ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو' وہ اپنے علم کے موافق اور حکمت کے مطابق قرآن کا جو حصہ چاہے بھلادے گا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى (اور ہم آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ ہم نے آپ ﷺ کو جو شریعت دی ہے اس پر عمل کرنے کے لئے اس کو بھلانے کے لئے آپ کو سہولت دیں گے۔

اَلْیُسْریٰ: آسان کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو شریعت دی ہے اس پر عمل کرنا سہل اور آسان ہے کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو بندوں کی استطاعت سے باہر ہو یا اس کی ادائیگی میں بہت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہو، مریض آدمی اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ ادا کرلے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ لے۔

زکوٰۃ بھی صاحب نصاب پر فرض ہے جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بھی بہت تھوڑا سا ہے یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ اور وہ بھی چاند کے حساب سے نصاب پر ایک سال گزر جانے کے بعد اسی طرح حج بھی ہر شخص پر فرض نہیں ہے۔

جس کے پاس مکہ معظمہ سواری سے آنے جانے کی استطاعت ہو سفر خرچ ہو۔ بال بچوں کا ضروری خرچہ بھی پیچھے چھوڑ جانے کے لئے موجود ہو ایسے شخص پر حج فرض ہوتا ہے وہ بھی زندگی میں ایک بار۔

رمضان میں مریض اور مسافر اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے آسانی رکھ دی گئی ہے رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضا کرلے (جس کی شرائط اور تفاصیل کتب فقہ میں مذکور ہے)۔

انہیں آسانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ شرعی مسافر کے ذمہ چار رکعت فرض والی نماز کی جگہ دو رکعت کی ادائیگی ذمہ کردی گئی ہے، دیگر احکام میں بھی جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور پر مشہور و معروف ہیں۔

معالم التنزیل میں بعض حضرات سے وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْریٰ کی تفسیر یوں نقل کی ہے۔ ای نُھَوِّن علیک الوحی حتّٰی تحفظه و تعلمه یعنی ہم آپؐ کے لئے وحی کو آسان کردیں گے تاکہ آپ اسے یاد کرلیں اور دوسروں کو سکھادیں۔

فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْریٰ،

(سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے)

بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کرنا اسی صورت میں ہے جبکہ نفع مند ہو لیکن معالم التنزیل میں ہے کہ یہ من قبیل الاکتفاء ہے جس میں ایک چیز کے ذکر کرنے پر اکتفا کرلیا جاتا ہے اور اس کے مخالف دوسری صورت کو ترک کردیا جاتا ہے لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا نفعت اولم تنفع یعنی آپ نصیحت کیا کریں نفع دے یا نہ دے۔

ولـم یذکر العاله الثانیة' کقوله: سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وارادالحر والبرد جمیعا اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوسری آیات میں وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر نفع دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نصیحت نفع کی چیز ہے لہٰذا آپ نصیحت کیا کیجئے۔

وقد سنح قلبی احتمال آخر وھو ان تکون ان مخففة من المثقلة وقد حذف اسمھاء والمعنی انه نفعت الذکریٰ' واللّٰه تعالیٰ اعلم. (میرے دل میں ایک اور احتمال آیا ہے اور وہ یہ کہ اِنْ جو ہے یہ اِنَّ کا مخفف ہے جس کا اسم حذف کردیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان نفعت الذکریٰ یعنی بے شک وہ نصیحت نفع دے گی) پھر فرمایا سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی (وہ شخص نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے)۔

وَیَتَجَنَّبُھَا الْاَشْقٰی. (اور اس نصیحت سے وہ شخص پرہیز کرے گا جو بڑا بدبخت ہے)

اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْریٰ. (جو بڑی آگ میں داخل ہوگا)۔

اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے جس کی آگ کی حرارت دنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ گرم ہے یعنی اگر دنیا والی آگ کی حرارت جمع کر لی جائے تو اس سے جو حرارت کی ڈگری حاصل ہو دوزخ کی آگ کی گرمی ہے۔

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى. (پھر وہ دوزخ کی آگ میں نہ مرے گا نہ جئے گا)۔

مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں موت آنی ہی نہیں ہے اور جئے گا اس لئے نہیں کہ وہ زندگی 'زندگی' کہنے کے قابل نہیں۔ بھلا وہ بھی کوئی زندگی ہے جو اتنی بڑی آگ میں گزر رہی ہو' جس کا اوپر ذکر ہوا۔ سورۂ فاطر میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ.

(اور کافروں کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے اس کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ ہم اسی طرح ہر کافر کو سزا دیتے ہیں) آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ نصیحت حاصل کرنا انہیں لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جئے اور مرے تو اس کا انجام برا ہوگا۔

قیامت کے دن کافر ناکام ہوں گے، دوزخ میں جائیں گے، جنت سے محروم ہوں گے ان کی ناکامی بتانے کے بعد ارشاد فرمایا

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى.

(وہ شخص کامیاب ہوا جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی) پاک ہونے میں عقائد باطلہ شرکیہ اور بدعیہ سے اور برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک ہونا سب داخل ہے۔ اس میں لفظ تزکی باب تفعل سے لایا گیا ہے۔ جو مشقت پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ نفس راضی ہوا یا نہ ہوا بہرحال پاکیزہ زندگی اختیار کی' اور سب سے بڑا تزکیہ نماز کے اہتمام سے حاصل ہوتا ہے اس لئے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ اس نے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی' نماز کا اہتمام برائی سے بچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے' جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ.

(بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

واستدل بالأية الكريمة الحنفية على ان لفظ التكبير ليست بشرط فى التحريمة بل لو قال اللّٰه الأجلّ او الأعظم او الرّحمٰن اكبر. (یعنی اس آیت سے حنفیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا شرط نہیں ہے بلکہ اگر اللہ الاجل یا اللہ الاعظم یا الرحمن اکبر وغیرہ بھی کہہ دیا تو یہ بھی صحیح ہے)۔

اجزأه عند ابى حنيفة كما ذكره صاحب الهدايه.

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا.

(بلکہ تم لوگ دنیا والی زندگی کو ترجیح دیتے ہو)

پہلے تو انسانوں کی کامیابی اس میں بتائی کہ انسان اپنے نفس کو پاک صاف رکھے کفر و شرک سے بھی اور دوسرے گناہوں سے بھی اور نمازوں کا اہتمام کرے جو تزکیہ نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد انسانوں کی ناکامی کا سبب بتایا اور وہ دنیا کو ترجیح دینا اور آخرت سے غافل ہونا ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کو حق جانتے ہوئے دنیاوی عہدوں اور مال و جائیداد کی وجہ سے کفر و شرک میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ جو مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں۔ وہ فرائض و واجبات تک کو دنیا داری اور دکان داری اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں جبکہ مستحبات تک کا اہتمام کرنا چاہئے جس طرح فرائض و واجبات سے آخرت کے اجور اور رفع درجات سے تعلق

ہے اسی طرح سنن و مستحبات سے بھی بے لوگ دنیا پر نظر رکھتے ہیں اور اس کے حقیر منافع کے لئے (حلال و حرام کا خیال کئے بغیر) آخرت کے اعمال کو چھوڑ بیٹھتے ہیں والاخرۃ خیر و ابقی (حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے آخرت کا بہتر ہونا تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ ساری دنیا آخرت کے تھوڑے سے عمل کے سامنے بھی ہیچ ہے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ

لغدوۃ فی سبیل اللّٰہ او روحۃ خیر من الدنیا و مافیھا۔

(البتہ اللہ کے راستہ میں ایک صبح کو یا ایک شام کو چلا جانا ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے)

فجر کی دو سنتوں کے بارے میں بھی یہی فرمایا: رکعتا الفجر خیر من الدنیا ومافیھا کہ فجر کی دو سنتیں دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں رہنا اور حلال کمانا اور حلال پہننا اور حلال مال سے بیوی بچوں کی پرورش کرنا۔ یہ دنیاداری نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس سب میں بھی ثواب ہے دنیاداری یہ ہے کہ آخرت سے غافل ہو جائے وہاں کام آنے والے اعمال کی طرف دھیان نہ دے اور دنیا ہی کو آگے رکھ لے اسی کے لئے مرے اور اسی کے لئے جئے گناہوں کی لت پت رہے۔

سورۃ القیامہ میں فرمایا: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ

(بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھتے ہو)۔

اور سورۃ الدھر میں فرمایا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔

بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں)۔

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔

(بلاشبہ یہ ان صحیفوں میں ہے جو پہلے نازل کئے گئے جو ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفے تھے)

مفسرین نے فرمایا کہ ھذا کا اشارہ قد افلح من تزکی سے لے کر والاخرۃ خیر و ابقی تک جو مضامین بیان ہوئے ان سب کی طرف ہے۔

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن مردودیہ اور ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس کے آخر میں یہ ہے کہ انہوں نے خدمت عالی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں سے آپ پر کچھ نازل ہوا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اس کے بعد آپ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے لے کر وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى تک آیات تلاوت فرمائیں۔

صاحب روح المعانی نے آخر میں یہ فرمادیا ہے کہ واللہ تعالیٰ اعلم بصحۃ الحدیث بعض حضرات نے پوری سورۃ کے مضامین کو اور بعض حضرات نے مضامین قرآن کو ھذا کا مشار الیہ قرار دیا ہے۔ والعلم عند اللّٰہ العلیم۔

سورۂ والنجم میں بھی حضرت موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں کے بعض مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آیت کریمہ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى، اور ان کے بعد کی چند آیات کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الغاشیہ	۲۶ آیتیں ۱ رکوع

آیاتہا ۲۶ (۸۸) سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۶۸) رکوعہا ۱

سورۃ الغاشیہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھبیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً ۝۴

آپ کو اس چیز کی خبر پہنچی ہے جو چھا جانے والی ہے۔ اس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، مصیبت جھیلنے والے، تکلیف اٹھانے والے ہوں گے۔ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

تُسْقٰى مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ۝۵ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۝۶ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ

انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا ان کیلئے خاردار جھاڑ کے سوا کچھ کھانا نہ ہوگا۔ وہ نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا [illegible]

نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ ۝۹ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۝۱۱ فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ۝۱۲

سے چہرے بارونق ہوں گے، اپنی کوشش کی وجہ سے خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔

فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶

اس میں بلند کئے ہوئے تخت ہوں گے۔ اور رکھے ہوئے آب خورے ہوں گے اور برابر برابر گدے لگے ہوئے ہوں گے اور قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے۔

یہاں سے سورۃ الغاشیہ شروع ہورہی ہے۔ الغاشیہ سے قیامت مراد ہے جو غشی یغشی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ قرآن مجید میں قیامت کو بہت سے ناموں سے موسوم فرمایا ہے جن میں ایک نام الغاشیہ بھی ہے اس کا معنی ڈھانک دینے والی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ قیامت کو الغاشیہ اس لئے فرمایا کہ وہ لوگوں پر اپنی سختیوں کے ساتھ چھا جائے گی اور اس کے دل ہلا دینے والے احوال واھوال (یعنی خوف زدہ کردینے والے حالات ہر طرف سے) گھیر لیں گے۔ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ میں جو لفظ ھل ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ قد کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس قیامت کی خبر آچکی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ھل اپنے معروف معنی میں ہے یعنی استفہام کے لئے لایا گیا ہے اور یہ استفہام تشویق کے لئے ہے پہلے استفہام سے شوق دلایا تاکہ سننے والا آئندہ بیان ہونے والے مضامین کو دھیان سے سنے پھر وہاں کے احوال بیان فرمائے ہیں۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ (اس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے)

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (مصیبت جھیلنے والے دکھ تکلیف اٹھانے والے ہونگے)

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا)۔

ان آیات میں نافرمانوں کے احوال بیان فرمائے ہیں جو وہاں پیش آئیں گے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ دنیا میں جوان سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کو اور اس کی مخلوق کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کو کہا جاتا تھا تو تکبر کرتے تھے اور ذرا سا جھکاؤ بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ قیامت کے دن انہیں ذلت اٹھانی پڑے گی۔

سورۃ القلم میں فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ.

(ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوگی)۔

وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ.

(اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے۔ اس حال میں کہ وہ صحیح سالم تھے)۔

نافرمانوں کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (بہت سے چہرے مصیبت جھیلنے والے دکھ تکلیف اٹھانے والے ہوں گے) صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسنؒ وغیرہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے قیامت کے دن کے سلاسل واغلال یعنی زنجیروں اور بیڑیوں کو لے کر چلنا اور دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اترنا اور اس کے اثر سے خستہ ہونا مراد ہے اور حضرت عکرمہؓ سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ دنیا میں عمل کرتے ہیں (دنیاوی اعمال بھی اور عبادت کے لائن کی ریاضتیں بھی کرتے ہیں اور اس میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں) لیکن چونکہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر نہیں اس لئے یہ سب کچھ ضائع ہوگا اور کفر پر موت آنے کی وجہ سے آخرت میں عذاب میں پڑیں گے اور وہاں کی بہت بڑی تکلیف اٹھائیں گے۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۔

لفظ حامیۃ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے انتہائی گرم جو حمیت النار سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جس کو تم جلاتے ہو) دوزخ کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا (جلانے کو تو) یہی بہت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا (ہاں اس کے باوجود) دنیا کی آگوں سے دوزخ کی آگ گرمی میں ۶۹ درجہ بڑھی ہوئی ہے۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا)

لفظ آنیۃ انا، یأنی سے مشتق ہے جو خوب زیادہ گرم ہونے پر دلالت کرتا ہے سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے۔ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ.

وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے)

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ.

(ان کے لئے ضریع کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا)

گزشتہ آیت میں ان کے پینے کی چیز بتائی اور اس آیت میں ان کا کھانا بتایا۔ لفظ ضریع کا ترجمہ خاردار جھاڑ کیا گیا ہے۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ضریع حجاز میں ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے، جس کی خباثت کی وجہ سے جانور بھی پاس نہیں پھٹکتے، اس کو کھا لے تو مر جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ **والضریع شیء فی النار شبه الشوک امر من الصبر وانتن من الجیفة واشدحرا من النار (معالم التنزیل)**

یعنی ضریع دوزخ میں ایک ایسی چیز ہوگی جو کانٹوں سے مشابہ ہوگی ایلوے سے زیادہ کڑوی اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگی۔

لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ.

(یہ ضریع نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا دوزخیوں کو (اتنی زبردست) بھوک لگا دی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو بھوک کے علاوہ ہوگا، لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے۔ اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو **طَعَامَ ذِیْ غُصَّةٍ** (گلے میں اٹکنے والا کھانا) دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا، اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں پینے کی چیزوں سے گلے کی اٹکی ہوئی چیزیں اتارا کرتے تھے، لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کر دیا جائے گا، وہ سنڈاسیاں جب ان کے قریب ہوں گے تو چہروں کو بھون ڈالیں گی، پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں یعنی آنتوں وغیرہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ (الحدیث)

اہل کفر کے بعض عذابوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ. (اس دن بہت سے چہرے بارونق ہوں گے)۔

یعنی خوب خوش و خرم ہوں گے۔ اپنی عمدہ حالت اور نعمتوں کی خوبی اور فراوانی کی وجہ سے ان کے چہروں میں خوشی کی وجہ سے چمک اور دمک دیکھنے میں آ رہی ہوگی، جیسے سورۃ تطفیف میں فرمایا ہے۔ **تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۔**

(اے مخاطب! تو ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی کو پہچان لے گا)

لِسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ (اپنی کوشش کی وجہ سے خوش ہوں گے) یعنی دنیا میں جو انہوں نے اعمال صالحہ والی زندگی گزاری اور احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کے سلسلے میں جو محنت اور کوشش کی ان کی وجہ سے خوش ہوں گے، کیونکہ دنیا میں جو اچھے اعمال کئے تھے وہ انہیں وہاں کی نعمتیں ملنے کا سبب بنیں گے۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ (بہشت بریں میں ہوں گے)۔

وہ جنت ارتفاع مکانی کے اعتبار سے بھی بلند ہوگی اور نعمتوں کے اعتبار سے بھی۔

لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً (اس میں کوئی لغویات نہ سنیں گے)

کیونکہ جنت ایسی جگہ ہے جہاں کسی قسم کی بھی ناگواری پیش نہ آئے گی۔ نہ آنکھیں ایسی چیز دیکھیں گی جس کا دیکھنا ناگوار ہو اور نہ کانوں میں ایسی چیز پڑے گی جس کا سننا گوارا نہ ہو۔ وہاں نہ چیخ، نہ پکار نہ لغو بات، نہ فضول کلام نہ کوئی گناہ کی بات ہر طرح سے خیر ہی خیر اور آرام ہی آرام ہوگا۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ہ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ہ (نہ اس میں کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ، بس سلام ہی سلام سنیں گے) فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (اس بہشت میں چشمے جاری ہوں گے)

(محمول على الجنس لأن في الجنة عيون كثيرة كما قال تعالى اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وفي سورة الذاريات (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ)

ان چشموں سے پئیں گے بھی جیسا کہ سورۃ الدہر میں اور سورۃ التطفیف میں گزر چکا اور ان کو دیکھنے سے بھی فرحت ہوگی اس کے بعد اہل جنت کی دوسری نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ (اس میں بلند کئے ہوئے تخت ہوں گے)۔

وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ (اور رکھے ہوئے آب خورے ہوں گے)۔

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (اور برابر لگے ہوئے گدے ہوں گے)۔

وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ (اور قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے)۔

(تختوں کا اور آب خوروں کا اور جام کا ذکر سورۃ الواقعہ میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۃ الدہر میں اکواب یعنی آب خوروں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ وہ شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ

کیا وہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کس طرح پیدا کئے گئے اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ

كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

کیسے کھڑے کئے گئے اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی۔

ان آیات میں چار چیزوں کی طرف نظر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بلند کئے گئے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں جنت کی نعمتوں کو بیان فرمایا تو اہل کفر کو اس پر تعجب ہوا انہوں نے اس کو جھٹلا دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اولاً اونٹوں کا ذکر فرمایا' عرب کے سامنے ہر وقت اونٹ رہتے تھے ان سے کام لیتے تھے اور بار برداری اور کھیتی کے کام میں لاتے تھے۔ اس سے بہت سے فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں' پھر صابر بھی بہت ہے' خاری خور دو بارمی برذ کانٹے دار درخت کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے) اور ایک ہفتے کا پانی پی لیتا ہے اور فرمانبرداری اس قدر ہے کہ اگر بچہ بھی نکیل پکڑ کر چلے تو اس کے ساتھ چل دیتا ہے۔ پھر اس کی

خلقت عجیب ہے اردو کا محاورہ ہے اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی یا پہلے گردن ہی دیکھ لو۔

خاص طور سے اونٹ ہی کی خلقت کو کیوں بیان فرمایا گیا جبکہ اس سے بڑا جانور (فیل) یعنی ہاتھی بھی موجود ہے؟ اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کے اولین مخاطبین یعنی عرب کے سامنے سب سے بڑا حیوان اونٹ ہی تھا ہاتھی کو شاذ و نادر ہی کسی نے دیکھا تھا پھر عرب کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز مال بھی وہی تھا۔

ثانیاً ارشاد فرمایا: وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۔

(اور کیا آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا)۔

ثالثاً فرمایا: وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ.

(اور کیا پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کیسے کھڑے کئے گئے)۔

رابعاً فرمایا: وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ.

(اور کیا نہیں دیکھتے زمین کی طرف کیسے بچھائی گئی)۔

یہ سب عجائب قدرت ہیں، نظروں کے سامنے ہیں، جس ذات پاک نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا اس کو اس پر بھی قدرت ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں کو پیدا کر دے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تا کہ اس کا بعث پر قادر ہونا سمجھ لیتے' اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے ہیں اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ اس لئے ان علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے۔

زمین کے لئے جو لفظ (سطحت) فرمایا یہ زمین کے پھیلا ہوا ہونے پر دلالت کرتا ہے اس سے زمین کے کرہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ کرہ ہوتے ہوئے بھی اس پر بسنے والی چیزوں کے لئے پھیلا ہوا جسم معلوم ہوتی ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝۲۲ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝۲۳ فَيُعَذِّبُهُ

سو آپ نصیحت کیجئے' آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے مگر جو روگردانی کرے اور کفر کرے تو اللہ اسے

اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝۲۴ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝۲۶

بڑا عذاب دے گا' بلاشبہ ہماری طرف اس کا لوٹنا ہے' پھر بلاشبہ ان کا حساب لینا ہے۔

ع ۱۴ النصف

مخاطبین کو قیامت کے وقوع اور اس دن کی پریشانی اور اہل ایمان کی خوبی اور خوشحالی سے اور وہاں کی نعمتوں سے باخبر فرما دیا اور ان چیزوں کے بارے میں جو مخاطبین کو تعجب تھا اسے دور فرما دیا اس سب کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا اور ایمان نہیں لاتا تو اس کے نتیجے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے مخاطبین کو ہدایت پر لانے کا زیادہ فکر رہتا تھا۔ لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہ کرتے تھے تو اس

سے آپ رنجیدہ ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کو نصیحت کر دیا کریں۔ ان کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ ان کو بتا دیں۔ نصیحت فرما دیں آپ ان پر مسلط نہ کئے گئے کہ ان کو منوا کر ہی چھوڑیں۔ آپ نے بتا دیا، سمجھا دیا' جو مان لے گا اس کے لئے بہتر ہوگا لیکن جو نہ مانے گا، کفر ہی پر جما رہے گا' نصیحت سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بڑا عذاب دے گا' اسے عذاب دینے پر پوری طرح قدرت ہے' کوئی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا' پھر فرمایا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۙ (بلاشبہ ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے)

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۙ

(پھر بلاشبہ ہمارے ذمہ ان کا حساب لینا ہے)

وھٰذا اٰخر تفسیر سورۃ الغاشیۃ اعاذنا اللّٰہ تعالٰی من اھوال الغاشیۃ وادخلنا فی الجنۃ العالیہ

(آمین)

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الفجر	۳۰ آیتیں ۱ رکوع

(۸۹) سُوْرَۃُ الْفَجْرِ مَکِّیَّۃٌ (۱۰) — اٰیَاتُھَا ۳۰ — رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ الفجر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ ﴿۴﴾ ھَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ﴿۵﴾

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت کی اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے' کیا اس میں قسم ہے' عقل والے کے لئے

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے کیا کیا قوم عاد کیساتھ۔ جو قوم ارم تھی یہ لوگ ستون والے تھے انکے جیسے لوگ شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے' اور قوم ثمود کے

جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾

ساتھ جنہوں نے وادی میں پتھروں کو تراشا اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی' سو انہوں نے بہت فساد مچایا'

فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا' بلاشبہ آپ کا رب گھات میں ہے۔

ان آیات میں چند سابقہ قوموں کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے جو امت حاضر کے لئے باعث عبرت و موعظت ہے' پہلے پانچ چیزوں کی قسم کھائی۔

اولاً فجر کی قسم کھائی جیسا کہ اسی طرح سورۃ التکویر میں وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ فرما کر صبح کی قسم کھائی۔

ثانیاً دس راتوں کی قسم کھائی ان دس راتوں سے عشرہ اولیٰ ذی الحجہ کی راتیں مراد ہیں درمنثور میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی یہی منقول ہے' بعض احادیث میں ان دنوں کی بہت فضیلت آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں نیک عمل کرنا دوسرے تمام دنوں میں نیک عمل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ان دنوں کا عمل دوسرے دنوں

میں جہاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں جہاد کرنے سے بھی افضل ہے الا یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نکلا کہ اس نے اپنی جان و مال کو دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ختم کر دیا پھر کچھ بھی لے کر واپس نہ ہوا۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۲ ج ۱)

ثالثاً' وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ جفت اور طاق کی قسم کھائی' جفت جوڑے کو اور طاق بے جوڑے کو کہتے ہیں سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے الشفع والوتر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے نماز مراد ہے (کیونکہ) بعض نمازیں ایسی ہیں جو شفع ہیں۔ یعنی دو یا چار رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں اور وتر سے وہ نمازیں مراد ہیں جن کی طاق رکعتیں ہوں۔ یعنی مغرب اور وتر کی نماز۔ وفیہ راو مجہول۔

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وتر اللہ کی ذات ہے اور تم سب لوگ شفع ہو پھر حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا' آسمان ہے اور زمین ہے' خشکی ہے اور سمندر ہے۔ انسان ہیں اور جن ہیں' چاند ہے اور سورج ہے اور ذکور ہیں اور اناث ہیں' یعنی مرد اور عورت اور اللہ تعالیٰ وتر ہے' یعنی تنہا ہے وفیہ اقوال اخر۔

رابعاً' وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ فرمایا اس میں رات کی قسم کھائی' لفظ یسر مضارع کا صیغہ ہے حضرت حفص کی قراءت میں "ی" حذف کر دی ہے سری یسری سریاً جانے کے معنی میں ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِذَا يَسْرِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا (کما فی الدر المنثور)

اللہ نے فرمایا کہ رات کی قسم ہے جب وہ چلی جائے سورۃ التکویر میں بھی یہ قسم گزری ہے وہاں وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ فرمایا ہے۔

چاروں قسموں کے بعد فرمایا: هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ۔

(کیا اس میں قسم ہے عقل والے کے لئے)

یہ استفہام تقریری ہے جس سے تاکید کلام مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قسمیں سمجھدار آدمی کے لئے کافی ہیں قال صاحب الروح تحقیق وتقریر لفخامة الاشياء المذكورة المقسم بها وكونها مستحقة لان تعظم بالاقسام بها فيدل على تعظيم المقسم عليه وتاكيده من طريق الكناية۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مذکورہ اشیاء جن کی قسم کھائی گئی ہے ان کی عظمت کی تاکید ہے اور ان کے ان پر قسم کھانے کے استحقاق کی تاکید ہے۔ پس یہ مقسم علیہ کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تاکید کنایہ کے طور پر ہے)

قسموں کے بعد جواب قسم محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے مخاطبین میں جو لوگ منکر ہیں ان کا انکار پر اصرار کرنا عذاب لانے کا سبب ہے جیسا کہ ان سے پہلے مکذب اور منکر امتیں اور جماعتیں ہلاک ہوئیں اسی طرح یہ منکرین بھی ہلاک ہوں گے۔

اس کے بعد بعض گزشتہ اقوام کی بربادی کا تذکرہ فرمایا خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے اور آپ کے واسطہ سے تمام انسانوں کو ہے تاکہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں' ان اقوام کی ہلاکت کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے' قرآن مجید میں دیگر مواقع میں ان کے تفصیلی حالات جگہ جگہ مذکور ہیں' فرمایا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا جو ارم نام کے ایک شخص کی نسل میں سے تھے اور ذات العماد تھے۔ ان کے بڑے بڑے قد تھے۔ مشہور ہے کہ ان کے قد بارہ ہاتھ کے تھے (کما ذکرہ فی الروح) یہ ذات العماد کا ایک معنی ہے اور بعض حضرات نے اس کا لغوی یہ معنی لیا ہے کہ وہ لوگ ستونوں والے تھے خیمے لئے پھرتے تھے' جنگلوں میں جہاں سبزہ دیکھا وہیں خیمے لگا دیتے

تھے اور خیموں کو ستونوں سے باندھ دیتے تھے پھر جب سبزہ ختم ہو جاتا تو اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے تھے۔

اَلَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ اس قبیلہ کے لوگ ایسے تگڑے اور قوت والے تھے کہ ان جیسے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے (اسی قوت کے زور پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً . کون ہے جو قوت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ سخت ہے؟' اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیج دیا جو سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط رہی اور سب ہلاک ہو کر رہ گئے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ ارم حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام بن نوح کا بیٹا تھا اور عاد بن عاصی اس کا پوتا تھا۔

وهو عطف بيان لعاد للايذان بانهم عاد الاولى وجوزان يكون بدلا ومنع من الصرف للعلمية والتأنيث باعتبار القبيلة وصرف عاد باعتبار الحيى وقد يمنع من الصرف باعتبار القبيلة ايضا.

(اور یہ عاد کا عطف بیان ہے یہ بتلانے کے لئے کہ ان سے مراد عاد اولیٰ ہے کہ یہ بدل ہو اور علمیت اور قبیلہ کے معنی میں ہو کر تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہو اور عاد کا منصرف ہونا باعتبار حی کے اور کبھی قبیلہ کے اعتبار سے ف ہونے سے مانع ہے)

قرآن مجید میں کئی جگہ قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ ہے سورۂ اعراف اور سورۂ ہود کی تفسیر کا مطالعہ کر لیا جائے۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ . اور قوم ثمود کے ساتھ آپ کے رب نے کیا معاملہ کیا' جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھروں کو تراش لیا تھا' قوم ثمود کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا یہ لوگ شام کے درمیان رہتے تھے ان کے رہنے کی جگہ کو حجر کہا جاتا تھا اور وادی القریٰ بھی کہتے تھے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ .

(اس میں شک نہیں کہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرنے والے تھے اور وہ امن وامان سے رہتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے سو صبح کی چیخ نے ان کو پکڑ لیا' سو انکے کچھ بھی کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے)

ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا قصہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود اور سورۂ شعراء سورۂ نمل میں گزر چکا ہے' ان لوگوں نے جو پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے تھے۔ وہ ابھی تک باقی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک تشریف لے جاتے وقت ان کی بستیوں سے گزرے تو سر ڈھانک لیا اور سواری کو تیز کر دیا اور فرمایا کہ روتے ہوئے یہاں سے گزر جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اوپر بھی عذاب آ جائے (رواہ البخاری)

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ . یہ بھی ماقبل پر معطوف ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے رب نے فرعون کو ہلاک کر دیا جو میخوں والا تھا۔ عاد و ثمود کی طرح وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کی حکومت بھی اور ڈوبنے کے عذاب میں مبتلا ہوا۔ لفظ اَلْاَوْتَادِ وتد کی جمع ہے وَتَد عربی میں میخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو جو ذِی الْاَوْتَادِ (میخوں والا) فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے بہت سے لشکر اور بہت سے خیمے تھے لشکر جہاں جہاں ٹھہرتے تھے وہاں خیمے لگاتے تھے اور میخیں گاڑتے تھے اس لئے فرعون کے بارے میں ذی الْاَوْتَادِ فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تھا تو چار میخیں گاڑ کر ان میخوں سے اسے باندھ دیتا تھا' پھر اس کی پٹائی کرواتا تھا' یا دوسری سزا دیتا تھا۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اسے لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گڑواتا تھا۔ سورۂ ص کے پہلے رکوع میں بھی بیان گزر چکا ہے۔

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ. یہ قومیں جن کا اوپر ذکر ہوا (عاد اور ثمود اور فرعون) انہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور نافرمانی میں بہت آگے بڑھ گئے۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ. (سو ان لوگوں نے شہروں میں زیادہ فساد کر دیا)

کفر و شرک اور طرح طرح کی نافرمانیاں، اللہ کے بندوں پر ظلم، ان سب چیزوں میں منہمک ہو گئے اور بڑھ چڑھ کر برے اعمال واشغال کو اختیار کیا۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ. (سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا) لفظ صبَّ کا اصل ترجمہ (ڈال دیا) ہے اور ترجمہ میں اردو کا محاورہ اختیار کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں پر برابر طرح طرح کا عذاب نازل کیا جاتا رہا۔ جب کسی کو زیادہ اور سخت سزا دینی ہو تو کثیر تعداد میں کوڑوں سے پٹائی کی جاتی ہے، اسی طرح ان لوگوں پر مسلسل طرح طرح کا عذاب آتا رہا اور بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ. (بلاشبہ آپ کا رب گھات میں ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال واحوال سے غافل نہیں ہے اسے سب کچھ خبر ہے۔ جو نافرمان دنیا میں موجود ہیں یہ نہ سمجھیں کہ سابقہ اقوام ہی عذاب کی مستحق تھیں ہم عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص جرم کر کے بھاگنے لگے اور اس کے راستہ پر پکڑنے والے بٹھا دیئے جائیں جو خوب گہری نظروں میں دیکھتے رہیں اور گھات میں لگے رہیں کہ یہاں سے کب گزریں اور کب پکڑیں، اسی طرح سمجھ لیں کہ مجرمین پکڑے جائیں گے یہ نہ سمجھیں کہ ہم کہیں بھاگ کر بچ جائیں گے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ میں اس مضمون کو ادا فرمایا ہے۔ قال صاحب الروح والمرصاد المكان الذى يقوم به الرصد ويترقبون فيه مفعال من رصده كا لميقات من وقته وفى الكلام استعارة تمثيلية الى آخره. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مرصاد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انتظار کرنے والے ٹھہرتے ہیں اور اس میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں۔ جیسے وقتہ سے میقات بنا ہے۔ اسی طرح سے رصد سے مرصاد بنا ہے۔ اور اس کلام میں استعارہ تمثیلیہ ہے)

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ

سو انسان کو اس کا پروردگار جب آزماتا ہے سو اس کا اکرام فرماتا ہے اور اسے نعمتیں دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا اور جب وہ اس کو آزماتا ہے سو

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ابتلاء اور امتحان کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی انسان کا مزاج بھی بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کا کبھی انعام واکرام کے ذریعہ امتحان لیتا ہے اور کبھی ان کے رزق میں تنگی فرما کر آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مضمون سابق سے متصل ہے اسی لئے مضمون کے شروع میں ف لائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخاطبین ہیں انہیں چاہئے تھا کہ سابقہ اقوام کے احوال سے عبرت لیتے اور نصیحت پکڑتے اور کفر و شرک اور نافرمانی سے توبہ کرتے لیکن انسانی مزاج کے مطابق انہوں نے اپنا وہی دنیاداری کا مزاج بنا رکھا ہے اور یہ دنیاداری کا مزاج اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر نہیں آنے

دینا، دنیا کی نعمتیں مل جانا اللہ کے یہاں مقبولیت کی دلیل نہیں اور دنیا کی چیزوں سے محروم ہونا، رزق کی تنگی ہونا، یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مردود ہے اس لئے کافر تنگ دست اور مالدار ہوتے ہیں اہل ایمان میں بھی دونوں طرح کے بندے پائے جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ انعام واکرام اور فقر وفاقہ اور تنگدستی ان احوال میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان لیا جاتا ہے، انسان پر لازم ہے کہ نعمتیں مل جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اس کی نافرمانی نہ کرے اور تکبر کی شان اختیار نہ کرے اور اپنے مال پر نہ اترائے اور یہ پیش نظر رکھے کہ یہ چیزیں دے کر میرا امتحان کیا گیا ہے اور اگر تنگدستی کی حالت آجائے پیسہ پاس نہ ہو مال چلا جائے نعمتیں جاتی رہیں تو صبر سے کام لے نہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرے نہ نافرمانی کرے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت محبت رکھتے ہو۔

ان آیات میں اول تو انسان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ مالدار ہونا اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہونے کی اور تنگدست ہونا اللہ تعالیٰ کا مردود بندہ ہونے کی دلیل ہے اور اس کو كَلَّا فرما کر بیان فرمایا یعنی ایسا ہرگز نہیں جیسا تم سمجھتے ہو۔

اس کے بعد انسانوں کی دنیاداری اور حب مال کا مزاج بیان فرمایا۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ.

بلکہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے (جو مدد کا مستحق ہے) اور نہ صرف یہ کہ یتیم کا اکرام نہیں کرتے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتے۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا.

(اور تم میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو) جب کوئی مرنے والا مر جاتا ہے تو مال کی محبت کی وجہ سے دوسروں کے حصے کا مال بھی کھا جاتے ہو چھوٹے بچے جو یتیم ہوتے ہیں اور مرنے والوں کی بیویاں جو بیوہ ہو جاتی ہیں اور جو وارث غائب ہوتے ہیں ان سب کا مال جس کے ہاتھ لگ جاتا ہے لے اڑتا ہے اور اصحاب حقوق کو نہیں دیتا وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (اور تم مال سے بہت محبت رکھتے ہو) اس آخری جملہ میں حب مال کی مذمت فرما دی۔ جتنے طریقوں سے بھی مال حاصل کیا جاتا ہے ان سب طریقوں میں لگ کر جو لوگ مال کے کمانے میں منہمک ہو جاتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں اور احکام شریعہ کا لحاظ نہیں رکھتے اور نماز سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں آیت شریفہ کے الفاظ میں مجموعی طور پر ان سب کی مذمت بیان فرما دی، بلکہ جہاں جہاں وجوباً یا استحباباً مال خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ نہ کرنا بھی اسی مذمت کے ذیل میں آ گیا۔ درحقیقت مال کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے اور بہت سے گناہوں پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الدنیا دار من لادار لہ ومال من لامال لہ ولها يجمع من لاعقل له (دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اس کے لئے وہ شخص جمع کرتا ہے، جس

کو عقل نہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)۔

ہر شخص اس دنیا کو چھوڑ کر جائے گا اور جو کمایا ہے اسے بھی یہیں چھوڑے گا، پھر اس کا کیا رہا؟ بقدر ضرورت حلال مال کمالے اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ زیادہ دیدے جو حلال ہو تو اسے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں پر خرچ کر دے، حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزیں ہیں جنہیں انسان مکروہ سمجھتا ہے موت کو مکروہ سمجھتا ہے حالانکہ موت مؤمن کیلئے بہتر ہے تاکہ فتنوں سے محفوظ رہے اور مال کی کمی کو مکروہ سمجھتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا ذریعہ ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۸)

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ

ہرگز ایسا نہیں جب زمین کو پوری طرح چورا چورا کر دیا جائے گا۔ اور آپ کا پروردگار آ جائے گا اور فرشتے آ جائیں گے تو صفیں بنا لیں گے اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا اس دن انسان کی سمجھ

يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ

میں آ جائے گا اور اب سمجھنے کا موقع کہاں رہا؟ کہے گا کہ کاش میں اپنی زندگی کے لئے آگے بھیج دیتا سو اس دن اللہ کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے

اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾

والا نہ ہوگا، اور اس کی جیسی بندش کوئی نہیں کرے گا اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو خوش ہو اور تجھ سے بھی اللہ تعالیٰ خوش ہو۔

فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

سو تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ع ۱
۱۴

کلا ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو کہ میراث کا مال سمیٹنا اور مال سے محبت کرنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ یہ چیزیں تمہارے حق میں مضر ہیں اور باعث عذاب ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا۔ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (جب زمین کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیا جائے) اور اس پر کوئی پہاڑ اور عمارت اور درخت باقی نہیں رہے گا اور برابر ہموار میدان ہو جائے گی۔

وَجَآءَ رَبُّكَ اور آپ کا پروردگار آ جائے گا یعنی اس کا حکم پہنچ جائے گا اور اس کے فیصلوں کا وقت آ جائے گا۔ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا معالم التنزیل میں حضرت عطا کا قول نقل کیا ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے الگ الگ صف بنالیں گے۔

وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ (اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دن جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ کر لا رہے ہونگے۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ (اس دن انسان کی سمجھ میں آ جائے گا)۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (اور سمجھنے کا موقع کہاں رہا) یعنی سمجھنے کا وقت تو دنیا میں تھا جہاں ایمان لانے اور اعمال صالح کرنے کا موقع تھا اب تو دار الجزاء میں پہنچ گئے۔ اب نہ سمجھنے کا موقع رہا نہ عمل کا نہ توبہ کا جب انسان اپنی محرومی کو دیکھ لے گا اور محاسبہ اور مؤاخذہ سامنے آ جائے گا۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ. (حسرت اور افسوس کے ساتھ یوں کہے گا ہائے کاش کہ میں اپنی زندگی کے لئے خیر اور عمل صالح آگے بھیج دیتا) وہاں پہنچ کر احساس ہوگا کہ دنیا میں نیک بندہ بن جاتا اور گناہوں سے بچ جاتا اور ایمان اور اعمال صالحہ آگے بھیج دیتا تو آج کے دن مصیبت سے چھٹکارا پائے ہوئے ہوتا اس دن کی زندگی کو زندگی سے تعبیر کرے گا کیونکہ وہ ایسی زندگی ہے کہ ختم نہ ہوگی اور اس کے بعد موت نہ ہوگی۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ (سو اس دن اللہ کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نہ ہوگا) وَلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ (اور اس دن کی جیسی بندش کوئی نہ کرے گا)۔

یعنی اس دن ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے کسی کو اتنی سخت سزا نہ دی ہوگی اور اس سے پہلے کسی نے ایسی سخت جکڑ بندی نہ کی ہوگی۔

سورۂ سباء میں فرمایا: وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِىْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا.

(اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے)

اور سورۂ مومن میں فرمایا: فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ.

(سو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں)

اس کے بعد اہل ایمان کو بشارتیں دیں اور فرمایا يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً.

(اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو راضی خوشی ہے اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہے)۔ نفس مطمئنہ سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف یعنی اس کے ثواب کی طرف اور جو کچھ اس نے تیرے لئے اپنی جنت میں تیار کیا ہے اس کی طرف لوٹ جا (ذکرہ فی کنز العمال (الادعیة المطلقة حدیث ص ۶۸۷ ج، بمعه حلب وعزافی الروح الی الطبرانی ایضاً)۔ رَاضِيَةً (اس حال میں کہ تو اللہ سے راضی ہے اور جو نعمتیں اس نے تیرے لئے تیار فرمائی ہیں ان سے تو خوش ہے)۔ مَرْضِيَّةً مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہے۔ مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نفس مطمئنہ کو یہ خوشخبری موت کے وقت دی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی اسے یہ خوشخبری دی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں اگر نیک بندہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ نفس جو پاکیزہ بدن میں تھی تو اللہ کی نعمت اور اللہ کے رزق پر خوش ہو جا اور اس بات پر خوش ہو جا کہ تیرا رب تجھ پر غصہ نہیں ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا بتائی (کہ اس کو پڑھا کرو)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْاَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ.

(اے اللہ میں آپ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی ملاقات کا یقین رکھتا ہو اور آپ کی قضا پر راضی اور آپ کی عطا پر قناعت کرتا ہو)

اس دعا میں نفس مطمئنہ کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ وہ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے یقین ہی تو اصل چیز ہے اور یہی اطمینان کا ذریعہ ہے جب کسی کو آخرت کے دن کی حاضری کا یقین ہوگا تو اپنی عبادات اور معاملات اور تمام امور اچھی طرح انجام دیگا اور یوم الحساب کی حاضری کا یقین ہوگا تو دینی کاموں کو اچھی طرح ادا کرے گا' مثلاً: نماز میں جلدی نہیں کرے گا اطمینان سے ادا کرے گا۔ نفس کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا یعنی اس کے فیصلہ پر راضی ہو وہ جس حال میں رکھے اس پر راضی رہے' یہ بھی

اطمینان کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نفس مطمئنہ کی تیسری صفت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ کی عطا پر قناعت کرے، قناعت بھی بہت بڑی نعمت ہے اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا اس پر قناعت کرتا رہے تو بڑے اطمینان میں رہتا ہے، مال زیادہ کمانے کی حرص نہیں رہتی۔ مال کمانے کے لئے نہ گناہوں میں ملوث ہونا پڑتا ہے اور نہ عبادات میں کوتاہی ہوتی ہے، خیانت کرنے سے، کسی کا حق دبانے سے، غصب سے، چوری سے کمائی کے تمام حرام طریقوں سے حفاظت رہتی ہے۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ (اے نفس مطمئن! تو میرے بندوں میں داخل ہو جا)

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (اور میری جنت میں داخل ہو جا) اس میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس مطمئنہ کو یہ خطاب بھی ہوگا کہ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا یعنی جنت میں تنہا داخل ہونا نہیں ہے انسان مدنی الطبع ہے اسے اُنس اور الفت کے لئے دوسرے افراد بھی چاہئیں۔ آیت کریمہ میں یہ بھی بیان فرما دیا کہ جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہاں دوسرے اہل جنت سے بھی ملاقاتیں رہیں گی۔ سورۂ حجر میں فرمایا وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ.

(اور انکے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کر دیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے)۔

اور سورۂ طور میں فرمایا: یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ.

(وہاں آپس میں جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ کوئی لغو بات ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات) جنت میں آپس میں میل محبت سے رہیں گے کسی کے لئے کسی کے دل میں کوئی کھوٹ، حسد، جلن، بغض نہ ہوگا، اگرچہ وہاں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی لیکن بطور دل لگی مشروبات میں چھینا جھپٹی کریں گے اور ایک دوسرے سے پیالے چھینیں گے۔

جعلنا اللّٰه تعالٰی ممن رضی اللّٰه تعالٰی عنه وارضاه وجعل الجنة مثواه وهٰذا اٰخر سورة الفجر، والحمد للّٰه اولاً واٰخرًا والصلٰوة علٰی من ارسل طیباً وطاهرًا

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ البلد	۲۰ آیتیں ۱ رکوع

(۹۰) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵) — اٰيَاتُهَا ۲۰ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ البلد مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں بیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور آپ اس شہر میں حلال ہونیکی حالت میں داخل ہونے والے ہیں اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی، یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت

كَبَدٍ ۝۴ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ

میں پیدا فرمایا۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے خوب زیادہ مال ہلاک کر دیا کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے

اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیئے۔

وقف لازم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے شہر مکہ مکرمہ کی اور انسانوں کے والد یعنی آدم علیہ السلام کی اور ان کی ذریت کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، درمیان میں بطور جملہ معترضہ وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ بھی فرمایا جس وقت یہ سورت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ہی تھے، وہاں مشرکین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔

مکہ معظمہ حرم ہے اس میں قتل وقتال ممنوع ہے مشرکین مکہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کی قسم کھا کر اس کی عزت کو بیان فرما دیا اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پیشگی خبر دے دی کہ ایک دن آنے والا ہے جب آپ اس میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور اس دن آپ کے لئے اس شہر میں قتال حلال کر دیا جائے گا' چنانچہ ہجرت کے بعد ۸ھ میں آپ صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگوں کے بارے میں امان کا اعلان کر دیا جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور بعض لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ اور اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ پاک نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا مکہ معظمہ (میں قتل وقتال) کو حرام قرار دے دیا تھا اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۳۷ از مسلم)

اور میرے لئے صرف دن کے تھوڑے سے حصے میں حلال کیا گیا' لہٰذا وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے

یعنی اب قیامت تک اس میں قتل وقتال حلال نہیں ہوگا۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ والد سے حضرت آدم علیہ السلام اور وَمَا وَلَدَ سے ان کی ذریت مراد ہے اس طرح حضرت آدم کی اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ

(یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا)

انسان اشرف المخلوقات احسن تقویم میں پیدا فرمایا ہے۔ وہ اپنے احوال میں مشقتوں تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے شرف بخشا اور مشکلات اور مسائل میں بھی مبتلا فرمادیا' اس کی اپنی دنیاوی حاجات اور ضروریات جان کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہیں جو اس کے لئے مشقتوں کا باعث ہوتی ہیں' انسان کو کھانے پینے کو بھی چاہئے' پہننے کی بھی ضرورت ہے' رہنے کے لئے مکان بھی چاہیے ساتھ ہی بیماریاں بھی لگی ہوئی ہیں وہ خود تو مصیبت ہیں ہی' ان کے علاج کے لئے تدبیریں بھی کرنی پڑتی ہیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے' مال آسانی سے حاصل نہیں ہوتا' اس کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں' بوجھ ڈھونا پڑتا ہے' نیند چھوڑ کر ڈیوٹی پر جانا پڑتا ہے، حالت مرض میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں۔ جی نہیں چاہتا مگر ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نفس کو دبا کر کام پر جانا ہوتا ہے غذا کو زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے' زمین میں ٹریکٹر چلاؤ یا ہل کو ہلاؤ' بیج ڈالو' پودے نکالو' پھر اسے پیسو' پھر گوندو' پھر روٹی پکاؤ' چاول ہوں تو دیگچہ چڑھاؤ۔ اور اس پر بس نہیں' بلکہ کھاؤ بھی اور نکالو بھی' قبض ہوگیا تو دوا تلاش کرو' دست ہوگئے تو بار بار جاؤ' نکاح نہ ہو تو مشکل' نکاح ہوگیا تو بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش اور ان کے دکھ درد کا سامنا' یہ سب دنیاوی مسائل اور مشکلات کی چند مثالیں ہیں۔ غور کریں گے تو اور بہت سی چیزیں سامنے آجائیں گی۔ یہ تو دنیاوی مشکلات کی طرف کچھ اشارہ ہوا دین پر عمل میں بھی نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیند چھوڑ کر نماز پڑھنی پڑھتی ہے، روزے رکھ کر بھوک' پیاس برداشت کرنی پڑتی ہے' نفس نہیں چاہتا پھر بھی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ حج میں پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے' وغیرہ وغیرہ یہ مشکلات انسان کی جان کے ساتھ ہیں' دوسری مخلوق ان چیزوں سے آزاد ہے۔

جو شخص کوئی بھی تکلیف اللہ کی رضا کے لئے برداشت کرے گا آخرت میں اس کا ثواب پائے گا اور جو شخص محض دنیا کیلئے عمل کرے گا اس کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا اور اگر گناہ کرے گا (جن میں اپنے اعضاء کو اور مال کو استعمال کرے گا) تو اس کی سزا پائے گا۔

جب انسان مشقت اور دکھ تکلیف میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے پاس ہے میرے خالق و مالک کا دیا ہوا ہے تو اسے اللہ جل شانہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونا اور ہر حال میں اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم تھا' اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرنا اور اس کی عبادتیں بھی کرنا' اور اس کے احکام پر بھی عمل کرنا لیکن انسان کا یہ طریقہ ہے کہ باغی بن کر رہتا ہے اپنے خالق اور مالک کے مؤاخذہ سے نہیں ڈرتا۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ

(کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا)۔

یعنی انسان کا رویہ یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو آزاد سمجھتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، دنیا و آخرت میں مواخذہ ہوگا اس کی بالکل پروا نہیں کرتا' اس کا ڈھنگ یہ بتاتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اپنے دنیاوی مشاغل میں لگتا ہے کہ میں آزاد ہوں، جو چاہوں کروں مجھے کوئی پکڑنے والا نہیں اور مجھ پر کسی کو کوئی قدرت نہیں حالانکہ جس ذات پاک نے اس کو پیدا فرمایا ہے قوت اور طاقت بخشی ہے وہ اس پر پوری طرح قادر ہے' انسان کے اعمال میں اموال کا خرچ کرنا بھی ہے۔ وہ بے فکری کے ساتھ مال خرچ کرتا ہے اور گناہوں میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے،

اسراف بھی کرتا ہے۔ حرام مواقع میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے اور شیخی بگھارتے ہوئے شیخی کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے خوب زیادہ مال خرچ کر ڈالا ان معصیت والے اخراجات میں خرچ کرنے پر جرأت بھی کی اور شیخی بھی بگھاری اور یہ بالکل نہ سوچا کہ ان مواقع میں خرچ کرنا میرے خالق اور مالک کی رضامندی کے خلاف ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اسی کو فرمایا:

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ. (کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا)

یعنی اس کو ایسا سمجھنا غلط ہے کہ اگر کسی کو پتہ نہیں تو اس کے خالق کو تو پتہ ہے اسی نے مال دیا اور وہ ہی معصیت میں خرچ کرنے پر مواخذہ کرے گا۔ تفسیر جلالین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت میں خوب زیادہ مال خرچ کیا تھا اور بطور فخر یوں کہا تھا کہ میں نے بہت زیادہ مال خرچ کر دیا اور اس پر مذکورہ وعید نازل ہوئی' مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ خیال کرنا غلط ہے کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے اسے خرچ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور کتنا مال خرچ کیا ہے وہ بھی دیکھا ہے' وہ اپنے علم کے مطابق مؤاخذہ فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ. (الآیتین)

(کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور ہونٹ نہیں بنائے)

یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو آنکھیں بھی دیں۔ زبان بھی دی، ہونٹ بھی دیئے' انسان کے یہ اعضا اس کے لئے بہت بڑے مددگار ہیں' آنکھوں سے دیکھتا ہے، زبان سے بولتا ہے' ہونٹوں سے حروف بھی ادا ہوتے ہیں اور بہت بڑی خوبصورتی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے ان اعضاء کے ذریعہ انسان اپنی دنیاوی زندگی بھی اچھی گزار سکتا ہے اور ان کو اپنے خالق و مالک کی رضامندی میں استعمال کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اسی لئے آخیر میں وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ بھی فرمادیا یعنی ہم نے انسانوں کو دونوں راستے بتا دیئے خیر و فلاح کا راستہ بھی بتا دیا اور شر اور ہلاکت کا راستہ بھی دکھا دیا۔ اب یہ انسان کی سمجھداری ہے کہ وہ اپنے اعضا بصیرت و بصارت کو اور اپنے فکر و فہم کو اپنی کامیابی کی راہ میں خرچ کرے اپنے خالق و مالک کی شان خالقیت اور شان مالکیت اور شان ربوبیت کو تسلیم کرے اور اس کے مطابق زندگی کو بھی گزارے' اپنا بھی بھلا کرے اور اللہ کی دوسری مخلوق سے بھی اچھا سلوک کرے اس آخری بات کو آئندہ آیت میں بیان فرمایا ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾

سو وہ گھاٹی سے ہو کر کیوں نہ آگے بڑھا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟ چھڑا دینا ہے گردن کا یا کھلا دینا ہے بھوک والے دن میں کسی

یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

یتیم کو جو رشتہ دار ہو' یا کسی مسکین کو جو مٹی والا ہو۔ پھر ان لوگوں میں سے ہوا جو ایمان لائے اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی

وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ

وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی' یہ داہنے ہاتھ والے لوگ ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں

الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

ہاتھ والے ہیں' ان پر آگ ہوگی جسے بند کر دیا جائے گا۔

ع ۱ ۱۵

ایمان قبول کرنے کے بعد بہت سے تقاضے پورے کرنا لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر بھی نفس کو آمادہ کرنا پڑتا ہے۔ اور مخلوق کے بھی حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں ان میں حقوق واجبہ بھی ہوتے ہیں اور مستحب چیزیں بھی ہوتی ہیں' اس بارے میں فرمایا کہ انسان اس گھاٹی سے کیوں نہ گزرا جس میں نفس پر قابو پایا جاتا ہے' پھر تــفــخیــم شان کے لئے فرمایا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا گھاٹی ہے؟ پھر بطور مثال تین چیزیں ذکر فرمائیں۔

اوّل: فَكُّ رَقَبَةٍ (گردن کا چھڑانا) یعنی اللہ کی رضا کے لئے غلام اور باندی کا آزاد کرنا۔ یہ آزاد کرنا کفارات واجبہ میں بھی ہوتا ہے اور مستحب بھی ہوتا ہے' جس میں ایک صورت مکاتب بنانے کی ہے اور دوسری صورت مدبر کرنے کی بھی ہے۔ ان مسائل کو کتب فقہ میں کتاب العتاق کا مطالعہ کرنے سے یا کسی عالم سے معلوم کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے مسلمان شخص کو آزاد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد کرنے والے کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرما دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو بھی دوزخ سے بچا دے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسا عمل بتا دیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الــرَّقَبَةَ. سائل نے کہا کیا دونوں کا ایک ہی مطلب نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! اعتــق نســمة یہ ہے کہ تو کسی غلام کو پورا اپنی طرف سے تنہا آزاد کر دے اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا اور اچھے کاموں کا حکم کر اور برے کاموں سے روک دے' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کو اچھی باتوں کے علاوہ دوسری باتوں سے روکے رکھ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۲۹۴)

دوم: بھوک کے دن میں کسی یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلائے اور سوم مسکین کو کھانا کھلانا جو مٹی والا ہے یعنی ایسا مسکین ہے کہ اس کے پاس اپنی جان کے سوا کچھ نہیں ہے' زمین سے اپنے جان کو لگائے ہوئے ہے ایسے مسکین کو کھانا کھلانا بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ کہ مذکورہ افعال خیر ایمان کے ساتھ ہونے چاہئیں' کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی عمل نافع نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صفت ایمان اور دوسری صفات کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین بھی کرتا رہنا چاہئے' نیکیوں پر جما رہنا اور گناہوں سے رکا رہنا اور مشکلات و مسائل پر جزع و شکوہ و شکایت نہ کرنا یہ سب کچھ صبر میں آ جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو مرحمت یعنی مخلوق پر رحمت کرنے کی وصیت بھی کرتے رہنا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ جن مؤمن بندوں کا اوپر ذکر ہوا یہ اصحاب المیمنہ یعنی داہنے ہاتھ والے ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے اور جن سے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

(اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا یہ بائیں ہاتھ والے ہیں)۔

ان کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے اور انہیں دوزخ میں جانا ہوگا' جس میں ہمیشہ رہیں گے عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ.

(ان پر آگ ہوگی بند کی ہوئی) یعنی ان کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔

قولہ تعالٰی مُّؤْصَدَةٌ قال فی معالم التنزیل مطبقة علیهم أبوابها لاید خل فیها روح ولا یخرج منها غم' قرأ ابو عمر وحمزة وحفص بالهمزة هاهنا وفی الهمزة المطبقة وغیر الهمزة المغلقة.

ارشاد الٰہی: ''موصدۃ'' معالم التنزیل میں ہے کہ مؤصدۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بند ہوگی نہ اس میں کوئی راحت داخل ہو سکے گی۔ اور نہ اس میں سے کوئی غم و دکھ باہر نکل سکے گا۔ ابوعمر، حمزہ، حفص نے اسے یہاں ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہمزہ کے ساتھ ہو تو معنی ہے ڈھکی ہوئی اور ہمزہ کے بغیر ہو تو معنی ہے بند کی ہوئی)

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ البلد والحمدللّٰہ الواحد الاحد الصمد والصلوٰۃ علٰی من بعث الٰی کل والد وما ولد وعلٰی اصحابہ فی کل یوم وغد

مکی	سورۃ الشمس	۱۵ آیتیں ۱ رکوع

(آیاتہا ۱۵) (۹۱) سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ (۲۶) (رکوعہا ۱)

سورۃ الشمس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پندرہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے سے آ جائے' اور قسم ہے دن کی جب وہ اس کو خوب روشن کر دے اور قسم ہے رات کی جب وہ اسے چھپا لے'

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾

اور قسم ہے آسمان کی اور اسکی جس نے اس کو بنایا اور قسم ہے زمین کی اور اسکی جس نے اسے بچھایا اور قسم ہے نفس کی اور اسکی جس نے اسکو درست بنایا' پھر اسکا فجور اور اسکا تقوی اسکو القاء کر دیا'

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ﴿۱۲﴾

یہ یقینی بات ہے کہ وہ کامیاب ہوا جس نے اسکو پاک کیا اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے دبا دیا۔ ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا جبکہ اسکا سب سے زیادہ بد بخت شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

سو ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اونٹنی سے اور اسکے پینے سے خبردار رہنا سو انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلا دیا پھر اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا' سو ان کے رب نے ان کے گناہوں کی وجہ

بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

سے ان کو پوری طرح ہلاک کر دیا۔ سو اس کو عام کر دیا اور وہ اس کے انجام سے اندیشہ نہیں رکھتا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم کھائی ہے اور چاند کی بھی قسم کھائی ہے اس میں اِذَا تَلٰهَا کا بھی اضافہ فرمایا یعنی چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے سے آ جائے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو جائے اس سے مہینوں کی درمیانی یعنی تیرہ' چودہ' پندرہ تواریخ کی راتیں مراد ہیں' ان راتوں میں جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے چاند نکل آتا ہے اور خوب زیادہ روشن رہتا ہے۔ اور پوری رات اس کی روشنی کامل رہتی ہے۔ جس طرح وَضُحٰهَا فرما کر آفتاب کی کامل روشنی کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح چاند کے کمال نور کی طرف اِذَا تَلٰهَا فرما کر اشارہ فرما دیا اس کے بعد دن کی قسم کھائی اور فرمایا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (قسم ہے دن کی جب وہ سورج کو روشن کر دے) یہ اسناد مجازی ہے چونکہ دن میں آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اس لئے روشنی کو دن کی طرف منسوب فرما دیا۔

پھر فرمایا: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشَاهَا (اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپا لے) یہ بھی اسناد مجازی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے رات کی جب خوب اچھی طرح تاریک ہوجائے اور دن کی روشنی پر چھا جائے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَابَنٰهَا (اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا)۔

وَالْاَرْضِ وَمَاطَحٰهَا (اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا)

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (اور قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو اچھی طرح بنایا)

ان تینوں آیتوں میں جو مَا موصولہ ہے یہ مَن کے معنیٰ میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھی قسم کھائی اور اپنی ذات کی بھی کیونکہ وہ ہی آسمان کو بنانیوالا اور نفس کو بنانے والا ہے۔ نفس یعنی جان کی قسم کھاتے ہوئے وَمَاسَوّٰهَا بھی فرمایا۔ مفسرین نے اس سے نفسِ انسانی مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا اور اسے جس قالب میں ڈالا اس کے اعضاء کو خوب ٹھیک طرح مناسب طریقہ پر بنادیا اسکے اعضا ظاہرہ بھی خوب اچھی طرح کام کرتے ہیں اور اعضاء باطنہ بھی، عقل و فہم تدبر و تفکر ان سب نعمتوں سے نواز دیا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (پھر نفس کو اس کے فجور اور تقویٰ کا الہام فرمادیا)۔

جب اسے عقل و فہم سے اور اعضاء صحیحہ ظاہرہ و باطنہ سے نواز دیا تو اسے احکام کا مکلف بھی بنادیا وہ اپنے خالق و مالک کو پہنچانے کا بھی اہل ہے اور اس کے اعضاء معبود حقیقی کی عبادت کرنے کی بھی قوت رکھتے ہیں، پھر چونکہ امتحان بھی مقصود تھا اس لئے انسان کے لئے دونوں راستے واضح فرمادیئے جسے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ میں بیان فرمایا۔ نفس انسانی میں فجور کے جذبات بھی ابھرتے ہیں یعنی معاصی کی طرف بھی ابھار ہوتا ہے اور خیر کے جذبات بھی امنڈتے ہیں، خیر اور شر دونوں چیزیں نفس انسانی میں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ڈالی ہیں، اب انسان کی یہ سمجھداری ہے کہ وہ معاصی سے بچے اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھے۔ قَدْاَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. یہ جواب قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے چند چیزوں کی قسم کھائی اور جن کا وجود انسان کے سامنے ہے۔ اور بہت واضح اور ظاہر ہے آسمان کو سب دیکھتے ہیں۔ زمین پر سب بستے ہیں اور سب اسی پر رات دن گزرتے ہیں، چاند، سورج دونوں بڑی روشنی والی چیزیں ہیں اور نفس انسانی تو سب کے ساتھ لگا ہی ہوا ہے ان سب چیزوں کی تخلیق اور ان کے تصرفات سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے انسان پر لازم ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اس کے احکام پر عمل کرے، گناہوں سے بچے، طاعات میں لگے، ایمان قبول کیا، گناہوں سے بچا، نفس کو سنوارا اور سُدھارا اور گناہوں کی آلائش اور گندگی سے بچایا تو وہ کامیاب ہوگیا اس کی دنیا بھی اچھی ہے اور آخرت بھی، سورۃ النور میں فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ.

(اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس کے ڈر سے گناہوں سے بچا تو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں)۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (اور وہ شخص نامراد ہوا، جس نے اسے میلا کیا)

یہ سابقہ آیت پر معطوف ہے۔ گزشتہ آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو پاک اور صاف ستھرا کرلیا ہو کامیاب ہوگیا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو دبادیا یعنی اس کو کفر و شرک و معاصی میں لگایا وہ ناکام رہا، یہ لفظ تَدْسِيْس سے ماضی کا صیغہ ہے اصل میں دَسَّسَهَا تھا مضاعف کے آخری حرف کو حرف علت سے بدل دیتے ہیں یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے، تدسیس لغت میں چھپانے کو کہتے ہیں یہاں چونکہ مَنْ زَكّٰهَا کے مقابل وارد ہوا ہے اس لئے مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو کفر و معصیت میں دبا کر چھپادیا

اسے انوار ایمان اور انوار طاعات سے چمکدار نہ بنایا وہ تزکیہ سے محروم رہا لہٰذا ہلاک ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ بھی تھا۔

اللھم ات نفسی تقوٰھا و زکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا و مولاھا.

(اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرمادے اور اس کو پاک کردے تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے تو اس کا ولی ہے اس کا مولیٰ ہے)۔

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰھَا (قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا)۔ یعنی ان کی سرکشی نے انہیں اس پر آمادہ کردیا کہ اللہ کے رسول کی تکذیب کردی اور اللہ کی توحید اللہ کی عبادت کی طرف جو انہوں نے بلایا اس میں انہوں نے ان کو جھوٹا بتادیا۔ وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام سے جھگڑتے رہے اور ان سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ جب پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوگئی تو اب اس کے قتل کرنے کے لئے مشورے کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتادیا تھا کہ دیکھو ایک دن تمہارے کنویں کا پانی یہ اونٹنی پیئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے اور یہ بھی بتادیا کہ اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے لیکن وہ باز نہ آئے اور ایک شخص اس پر آمادہ ہوگیا کہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالے۔

اسی کو فرمایا اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰھَا (جبکہ قوم کا سب سے بڑا بدبخت آدمی اٹھ کھڑا ہوا) تاکہ اس اونٹنی کو قتل کردے۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْیٰهَا

(تو اللہ کے رسول یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ کی اونٹنی کو اور اس کے پانی سے دور رہنا، پانی پینے کو چھوڑے رکھو) یعنی اس اونٹنی کو کچھ نہ کہو اس کی باری کا جو دن ہے اس میں پانی پینے دو لیکن ان لوگوں نے نہ مانا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا (سو وہ برابر تکذیب پر جمے رہے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا) ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اونٹنی کو کاٹ ڈالا بلکہ حضرت صالح علیہ السلام سے یوں بھی کہا۔

یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

(اے صالح! لے آ وہ عذاب جس کی ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو پیغمبروں میں ہے)۔

لہٰذا ان لوگوں پر عذاب آ ہی گیا۔

فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا.

(سو ان کے رب نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پوری طرح ہلاک کردیا اور ہلاکت کو ایسا عام کیا کہ کوئی شخص بھی نہیں بچا)

ان لوگوں کی ہلاکت زلزلہ سے اور آسمان سے چیخ آنے کی وجہ سے ہوئی تھی ان کا واقعہ سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں گزر چکا ہے۔

وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا یعنی اللہ تعالیٰ جس کسی کو ہلاک فرمائے کچھ بھی سزا دینا چاہے وہ اپنی مشیت و ارادہ کے مطابق سزا دے سکتا ہے وہ دنیا والے ملوک اور اصحاب اقتدار کی طرح نہیں ہے جو مجرمین سے اور مجرمین کی اقوام سے بعض مرتبہ ڈر جاتے ہیں اور سزا نافذ کرنے میں تامل کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم سزا دینے کا اقدام کریں تو کہیں یہ قوم بغاوت پر نہ اتر آئے اور ہمارا اقتدار کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔

قوله تعالیٰ والشمس وضحاها ای ضوء ها كما اخرجه الحاكم وصححه عن ابن عباس والمراد اذا اشرقت وقام سلطانها والقمر اذا تلٰها ای تبعها فقيل باعتبار طلوعه وطلوعها ای اذا تلا طلوعه طلوعها وذلک اول الشهر فان الشمس اذا طلعت من الافق الشرقی فی اول النهار يطلع بعدها القمر لكن لاسلطان له فيرىٰ بعد غروبها هلالا وقيل باعتبار طلوعه وغروبها ای اذا تلا طلوعه غروبها وذلک فی ليلة البدر رابع عشر الشهر وقال الحسن والفراء كما فی البحر ای تبعها فی كل وقت لا نه يستضيئ منها فهو يتلوها لذلک وقال الزجاج وغيره تلاها معناه واستدار فكان تابعًا لها فی الاستدارة وكمال النور والنهار اذا جلّٰها . ای جلى النهار الشمس ای اظهرها فانها تنجلى وتظهر اذا انبسط النهار فالاستناد مجازی كالا سناد فی نحو صام نهاره وقيل الضمير المنصوب يعود على الارض وقيل على الدنيا والمراد بها وجه الارض وما عليه وقيل يعود على الظلمة وجلاها بمعنى ازالها وعدم ذكر المرجع على هٰذه الاقوال للعلم به والاول اولٰى لذكر المرجع واتساق الضمائر والليل اذا يغشاها ای الشمس فيغطى ضوء ها وقيل ای الارض وقيل ای الدنيا وجيئى بالمضارع هنا دون الماضى كما فی السابق قال ابو حيان رعاية للفاصلة ولم يقل غشاها لانه يحتاج الٰى حذف احد المفعولين اليهما .

والسماء وما بنٰها ای و من بنٰها والقادر العظيم الشان الذی بناها ودل علٰى وجوده وكمال قدرته بناء هما .

والارض وما طحاها ای بسطها من كل جانب ووطئها كدحاها ونفس وماسواها ای انشأ ها وابدعها مستعدة لكما لها وذلک بتعديل اعضاء ها وقواها الظاهرة والباطنة والتنكير للتكثير وقيل للتفخيم على ان المراد بالنفس آدم عليه السلام والاول انسب بجواب القسم الآتى وذهب الفراء والزجاج و المبرد وقتادة وغيرهم الٰى ان ما فی المواضع الثلاث مصدرية ای وبناء ها وطحوها وتسويتها وجوزان تكون ماعبارة عن الامر الذی له بنيت السماء وطحيت الارض وسويت النفس من الحكم والمصالح التى لاتحصٰى ويكون اسناد الافعال اليها مجازاً .

فالهمها فجورها وتقواها الفجور والتقوٰى علٰى مااخرج عبدبن حميد وغيره عن الضحاک المعصية والطاعة مطلقا قلبين كانا اوقالبين والهامهما النفس على مااخرج هووابن جريروجماعة عن مجاهد تعريفهما اياهابحيث تميز رشد ها من ضلالها وروى ذٰلک عن ابن عباسؓ كما فی البحروقريب منه قول ابن زيد فجورها وتقواها بينهما لهما والآية نظير قوله تعالٰى وهديناه النجدين .

قد افلح من زكّٰها وقد خاب من دسّٰها هٰذا جواب القسم وحذف اللام كثير لاسيما عندطول الكلام المتقضى للتخفيف والتزكية التنمية والتدسيس الاخفاء واصل دسى دسّس فابدل من ثالث التماثلات ياء ثم ابدلت ألفاً لتحركها وانفتاح ماقبلها ای لقد فازبكل مطلوب ونجامن كل مكروه من انمٰى نفسه واعلاهابالتقوى علما وعملا ولقد خسر من نقصها واخفاها بالفجور جهلا وفسوقًا .(من روح المعانی).

فَدَمْدَمَ قال الراغب فی مفرداته ای اهلكهم وازعجهم وقال المحلى أطبق عليهم ولايخاف عقبٰها ای عاقبتها قال الحسن معناه لايخاف الله احداتبعة فی اهلاكهم وهى رواية عن ابن عباسؓ كما فی معالم التنزيل

(ارشاد الٰہی والشمس وضحها: ضحٰها سے مراد اس کی روشنی ہے جو حاکم نے ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی سے منقول ہونے
میں اسے صحیح کہا ہے مراد یہ ہے کہ سورج جب طلوع ہو جائے اور اس کی روشنی پھیل جائے۔والقمر اذا تلها: یعنی چاند جب سورج کے
پیچھے آئے، بعض نے کہا چاند اپنے طلوع کے لحاظ سے سورج کے طلوع کے پیچھے آتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب چاند کا طلوع سورج کے
طلوع کے پیچھے آئے اور ایسا مہینہ کے شروع میں ہوتا ہے کہ دن کے شروع میں جب سورج مشرقی کنارہ سے طلوع ہوتا ہے تو چاند
اس کے بعد طلوع ہوتا ہے لیکن اس کی روشنی پھیلتی نہیں لہٰذا غروب آفتاب کے بعد ہلال نظر آتا ہے۔بعض نے کہا چاند کا طلوع سورج کے
غروب کے بعد آتا ہے۔یعنی جب چاند کا طلوع سورج کے غروب کے پیچھے آئے اور یہ مہینے کی چودھویں رات میں ہوتا ہے۔اور حسن و
فراء نے کہا ہے جیسا کہ بحر میں ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہر وقت چاند سورج کے پیچھے آتا ہے کیونکہ چاند سورج سے روشنی لیتا ہے اس لئے
چاند سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔زجاج وغیرہ کہتے ہیں تلاها کا معنی ہے گھوما چنانچہ چاند اپنے گھومنے اور روشنی کے مکمل ہونے میں
سورج کے تابع ہے۔والنهار اذا جلاها: یعنی دن نے سورج کو روشن کر دیا (ظاہر کر دیا) کیونکہ جب دن آتا ہے تو سورج روشن ہوتا ہے
اور ظاہر ہوتا ہے۔سورج کے ظاہر کرنے کا استناد دن کی طرف مجازی ہے۔جیسے صام نھارہ میں اسناد مجازی ہے بعض نے کہا ھا ضمیر منصوب
زمین کی طرف لوٹتی ہے بعض نے کہا دنیا کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مراد روئے زمین اور جو اس پر ہے وہ ہے بعض نے کہا یہ ضمیر تاریکی
کی طرف لوٹتی ہے۔ وجلاها: ازالها کے معنی میں ہے یعنی اس کو زائل کر دیا۔ان اقوال کی صورت میں ضمیر کے مرجع کا مذکور نہ ہونا اس
لئے ہے کہ یہ معلوم ہیں۔پہلا قول مرجع مذکور ہونے اور ضمیروں کے باہم موافق ہونے کی وجہ سے زیادہ راجح ہے۔والليل اذا يغشاها
ھا سے مراد سورج ہے کیونکہ رات سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے۔بعض نے کہا ھا ضمیر سے مراد زمین ہے۔بعض نے کہا دنیا مراد ہے۔
اور سابقہ فعلوں کے برعکس یہاں پر فعل مضارع ابوحیان کے قول کے مطابق فاصلہ کے لئے لائے ہیں اور غشاھا نہیں کہا کیونکہ تب ایک
مفعول کے حذف کی ضرورت پڑتی۔والسماء و مابناها: مامن کے معنی میں ہے۔یعنی جس نے آسمان کو بنایا ہے اور قادر و عظیم الشان
ہے۔وہ ذات جس نے اسے بنایا ہے اور یہ آسمان کی بناوٹ اس قادر کی قدرت کے کمال اور اس کے وجود پر دلالت کر رہی ہے۔
والارض و ماطحاها: یعنی اسے ہر جانب سے پھیلایا اور اسے بچھایا جیسے دحا ہے۔ ونفس و ما سواها: یعنی اسے پیدا کیا اور کمال
تک پہنچنے کے لئے تیار کیا اور یہ اس کے اعضاء اور ظاہری و باطنی قویٰ کی تعدیل کے ساتھ ہے اور نفس کا نکرہ ہونا تکثیر کے لئے ہے۔اور
بعض نے کہا تنکیر تفخیم کے لئے ہے۔اس لئے کہ یہاں مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور پہلی توجیہ آگے آنے والے جواب قسم کے زیادہ
مناسب ہے۔فراء، زجاج، مبرد اور قتادہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ تینوں جگہوں میں "ما" مصدریہ ہے اور مراد ہے اس کا بنانا، بچھانا اور برابر
کرنا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماان بے شمار مصلحتوں حکمتوں سے عبارت ہو جس کے لئے آسمان بنایا گیا، زمین پھیلائی گئی اور نفس سنوارا گیا
اور ان کی طرف افعال کا اسناد مجازی ہو ۔ فالهمها فجورها و تقوٰها: عبد بن حمید وغیرہ نے ضحاک سے جو روایت کیا ہے اس کے
مطابق فجور و تقویٰ سے مراد معصیت و طاعت ہے اور نفس کو ان کے الہام کا مطلب ابن جریر وغیرہ کی مجاہد سے روایت کے مطابق گمراہی
سے ہدایت کی تمیز ہے اور جیسا کہ بحر میں ہے کہ یہی مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔اور ابن زید کا قول بھی اسی کے
قریب ہے کہ اس کے فجورها و تقوٰی سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کو واضح کر دیا ہے اور یہ آیت ارشاد الٰہی وهديناه النجدين کی طرح ہے۔
قد افلح من زكها و قد خاب من دسها: یہ جواب قسم ہے اور لام کا حذف کرنا کثرت سے پایا جاتا ہے۔خصوصاً جبکہ کلام طویل ہو
جو تخفیف کا تقاضا کرتا ہو۔التزکیہ کا معنی ہے سنوارنا اور تدسیس کا معنی ہے چھپانا۔دسیٰ کی اصل دسس ہے تیسری سین کو یاء سے تبدیل کیا پھر

اس کے متحرک اور اس کے ماقبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے اسے الف سے تبدیل کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو سنوارا اور علم و عمل میں تقویٰ سے بلند کیا تو وہ ہر تکلیف سے نجات پا گیا اور مقصود کو اس نے حاصل کر لیا اور جس نے اسے بگاڑا اور جہالت و بد عملی سے اسے ملوث کیا اس نے نقصان اٹھایا۔ فدمدم: امام راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اور انہیں اکھاڑ مارا محلی کہتے ہیں کہ ان پر زمین الٹا دی۔ ولا یخاف عقبھا: یعنی اللہ تعالیٰ اس کے انجام سے خائف نہیں۔ حسن کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاک کرنے میں کسی پاداش کا خوف نہیں ہے۔ اور یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں ہے)

وھذا تفسیر اخر سورۃ الشمس وللہ الحمد

☆☆☆..................☆☆☆

سورۃ اللیل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اکیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴

قسم ہے رات کی جب وہ چھپا لے اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸

سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور الحسنٰی کو سچا جانا تو ہم اس کیلئے راحت والی خصلت کو آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی،

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱

اور الحسنٰی کو جھٹلایا تو ہم اس کیلئے مصیبت والی خصلت کو اختیار کرنا آسان کر دیں گے۔ اور جس کا مال اسکے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا'

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا۔

یہ سورۃ اللیل کی تیرہ آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی تین آیات میں قسم ہے اور چوتھی آیت میں جواب قسم ہے' اولاً رات کی قسم کھائی جب کہ وہ دن پر چھا جائے پھر دن کی قسم کھائی جب وہ روشن ہو جائے پھر اپنی قسم کھائی اور فرمایا:

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى.

(اور قسم ہے اس کی جس نے نر کو اور مادہ کو پیدا کیا)

پھر بطور جواب قسم ارشاد فرمایا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں)۔

انسان کی عام طور سے دو ہی صنفیں ہیں ایک مذکر اور ایک مؤنث (نر اور مادہ) اور عمل کرنے والے انسان ان ہی دو جماعتوں پر منقسم ہیں اور اعمال دن میں ہوتے ہیں یا رات میں زمانہ کے دونوں حصوں کی اور بنی آدم کے دونوں قسموں کی قسم کھا کر فرمایا کہ تمہاری کوششیں مختلف

ہیں' دنیا میں اہل ایمان بھی ہیں اور اہل کفر بھی' اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی گناہوں پر جمنے والے بھی ہیں اور توبہ کرنے والے بھی۔ اعمال حسنہ اور سیئہ کے اعتبار سے قیامت کے دن فیصلے ہوں گے۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر شخص کام کاج کے لئے نکلتا ہے اور اپنے نفس کو مشغول کرتا ہے پھر اپنے نفس کو آزاد کرالیتا ہے (یعنی دوزخ کے کاموں سے بچتا ہے) یا اسے ہلاک کردیتا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۱۱۸)

اس کے بعد اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى.

(سو جس نے دیا اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تصدیق کی سو ہم اس کے لئے آرام والی خصلت اختیار کرنا آسان کردیں گے)۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى.

(اور جس نے کنجوسی کی اور بے پرواہی اختیار کی اور حسنیٰ یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو جھٹلایا' سو ہم اس کے لئے مصیبت والی خصلت اختیار کرنا آسان کردیں گے)۔

یعنی دنیا میں مصیبتوں میں پڑے گا اور آخرت میں دوزخ میں جائے گا بعض حضرات نے دونوں جگہ الْحُسْنٰی سے جنت مراد لی ہے یعنی ایمان لانے والے جنت پر ایمان لائے ہیں اور ان کے مخالف دوسرے فریق یعنی کافروں نے اس کو جھٹلایا۔

انسان جو دنیا میں آیا ہے کچھ نہ کچھ عمل کرتا ہے اور دنیا دار الامتحان ہے اس میں مؤمن بھی ہیں، نیک بھی ہیں، بد بھی ہیں، پھر موت کے **انجام کے اعتبار** سے مختلف ہوں گے' انسانوں کے احوال مختلف ہیں' دنیا کے حالات اور مجلسیں اور صحبتیں بدلتی رہتی ہیں' اچھے لوگ برے اور برے لوگ اچھے بن جاتے ہیں۔ مؤمن ایمان چھوڑ بیٹھتے ہیں اور کافر ایمان لے آتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ لکھا ہوا ہے۔ دوزخ میں بھی جنت میں بھی (یعنی کسی کا دوزخ میں جانا لکھا ہے اور کسی کا جنت میں جانا نوشتہ ہے)

صحابہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! تو کیا ہم اس پر بھروسہ نہ کرلیں جو ہمارے بارے میں لکھا جاچکا ہے اور کیا عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ ؐ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہی چیز آسان کردی جائے گی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہے یعنی نیک بخت ہے اس کے لئے سعادت والے اعمال آسان کردیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لئے بدبختی والے اعمال آسان کردیئے جائیں گے اس کے بعد آپ ؐ نے آیت کریمہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (الآیات) کی تلاوت فرمائی۔ (رواہ البخاری ص ۷۳۷ ج ۲' ص ۷۳۸ ج ۲) آیت کریمہ میں الْيُسْرٰى سے ایمان اور اعمالِ صالحہ اختیار کرنا مراد ہے' جس کا ترجمہ راحت والی خصلت کیا گیا ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا اگرچہ سب کچھ مقدر ہے لیکن انسان عمل میں اپنی سمجھ اور فہم کو استعمال کرے، ایمان قبول کرے، اعمال صالحہ میں لگا رہے۔ کفر و شرک سے دور رہے اور معاصی سے پرہیز کرتا رہے بندہ کا کام عقل و فہم کا استعمال کرنا اور ایمان قبول کرنا اور اچھے کاموں میں لگنا ہے وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى میں ایمان کو اور كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى میں کفر کو بیان فرمادیا اور اَعْطٰى وَاتَّقٰى میں اعمالِ صالحہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اَعْطٰى میں مال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے اور اتَّقٰى میں تمام گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمادی اور بخیل کا تذکرہ کرتے ہوئے

جو اَسْتَغْنٰی فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتادیا کہ بخل کرنے والا دنیا والے مال سے تو محبت کرتا ہے اور جمع کر کے رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرنے پر جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے اس سے استغناء برتتا ہے گویا کہ اسے وہاں کی نعمتوں کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى۔

(اور اس کا مال اسے نفع نہیں دے گا جب وہ ہلاک ہو گا)۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ط (بیشک ہمارے ذمہ ہدایت ہے)۔

بندوں کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ عبادت کے طریقے بتا دیئے ہدایت کے راستے بیان فرما دیئے رسولوں کو بھیج دیا۔ کتابیں نازل فرمادیں اس کے بعد جو کوئی شخص راہ ہدایت کو اختیار نہ کرے گا' مجرم ہو گا اور اپنا ہی برا کرے گا۔

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى۔

(اور بلاشبہ ہمارے لئے آخرت اور اولیٰ ہے)۔

دنیا کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے جیسا چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے اور آخرت میں بھی اسی کا اختیار ہو گا اور اپنے اختیار سے اہل ہدایت کو انعام دے گا اور اہل ضلالت کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں خود مختار ہوں اور آخرت میں میرا کچھ نہ بگڑے گا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

تو میں تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی' اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے

الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾

گا جو بڑا پرہیز گار ہے' جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالی شاہ پروردگار کی رضا جوئی کے اس کے

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔

ع ۱ ۲۱ ۱۷

گزشتہ آیات میں ایمان اور کفر اور اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کے نتائج کا فرق بیان فرمایا جس میں یہ بھی تھا کہ کفر عذاب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے کیونکہ یہ جلنے کا عذاب ہو گا کافر دوزخ میں داخل ہوں گے ان پر آگ مسلط ہو گی اس لئے دوزخ کے عذاب کی حقیقت بتا دی اور فرما دیا کہ میں تمہیں ایسی آگ سے ڈراتا ہوں جو خوب اچھی طرح جلتی ہو گی۔ مزید فرمایا کہ اس میں صرف وہی داخل ہو گا جو سب سے بڑا بدبخت تھا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی' آیت کے الفاظ سے جو حصر معلوم ہوتا ہے اس سے بظاہر فاسق مسلمانوں کے دوزخ میں داخلے کی نفی ہوتی ہے' صاحب روح المعانی نے یہ اشکال کیا ہے پھر یوں جواب دیا کہ سخت ترین عذاب سب سے بدبخت یعنی کافر ہی کو ہو گا اور فاسق مسلم کا عذاب کافر کے عذاب سے بہت کم ہو گا۔

قَوْلُهٗ تَلَظّٰى اَصْلُهٗ تَتَلَظّٰى بالتائين حذفت اِحداهما كما فى تنزيل الملئكة (ارشاد الٰہی تلظی اصل میں تتلظی تھا اس کی

ایک تاء حذف کردی گئی جیسا کہ تنزیل میں ایک تاء حذف کردی گئی ہے) اس کے بعد فرمایا وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی (اور عنقریب بہت زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا شخص اس آگ سے بچالیا جائے گا)۔ الاتقی مبالغہ کا صیغہ ہے جو کفر سے اور دوسرے معاصی سے بچنے پر دلالت کرتا ہے۔ دوزخ سے بچائے جانے والے متقی کی صفت بتاتے ہوئے اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی فرمایا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ اللہ کے نزدیک وہ پاک بندوں میں شمار ہو جائے (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب یَتَزَکّٰی مال خرچ کرنے والے سے متصل ہو اور اگر مال سے متعلق ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا اجر وثواب بڑھتا چڑھتا رہے اور خوب زیادہ ہوکر ملے جبکہ مال صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، دکھاوا اور شہرت مقصود نہ ہو اس وقت رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے)۔

مزید فرمایا وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی.

اللہ کے لئے مال خرچ کرنے والے بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ان لوگوں کا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہے۔

وهو منصوب على الاستثناء المنقطع من نعمة لان الابتغاء لايدرج فيها فالمعنى لكنهٗ فعل ذلك الابتغاء وجه رَبه سبحانهٗ وطلب رضاء عزّوجل لالمكافئة نعمة.

(اور ابتغآء نعمۃ سے استثناء منقطع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ ابتغاء نعمت میں داخل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ عمل اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کیلئے اور اس کی رضا کی طلب کے لئے کیا ہے۔ کسی احسان کے بدلہ کے لئے نہیں کیا)

وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (اور یہ مال خرچ کرنے والا عنقریب راضی ہوگا)۔

یعنی موت کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا اور اس کو وہ نعمتیں ملیں گی جن سے خوش ہوگا۔

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آخری آیات وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی سے لے کر آخیر تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت ساتھ دیا جان سے بھی اور مال سے بھی ہجرت سے پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایمان قبول کرنے کے بعد مشرکین کی طرف سے بہت زیادہ تکلیف دی جاتی تھی، ان کی اذیت اور مار پیٹ انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت بلالؓ ایک مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے اور حبشہ کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ پاکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کردیا۔ مشرکوں کو جب اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ابوبکر نے بلال کو خرید کر اس لئے آزاد کردیا ہے کہ بلالؓ کا ابوبکر پر کوئی احسان تھا ان کے قول کی تردید کی اور فرمایا وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خرید لیا تو حضرت بلالؓ نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے کاموں میں مشغول رکھنے کے لئے خریدا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مشغول رہنے کے لئے خریدا ہے، حضرت بلالؓ نے کہا کہ بس تو مجھے اللہ کے اعمال کے لئے چھوڑ دیجئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد چھوڑ دیا اور وہ پورے اہتمام کے ساتھ دین کے کاموں میں لگے رہے پھر ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن بن گئے اور آپ کی حیات طیبہ کے آخر عمر تک یہ عہدہ ان کے سپرد رہا۔ چونکہ مکہ معظمہ کی زندگی میں اسلام کے بارے میں مارے پیٹے جاتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں دنیا میں یہ سعادت نصیب فرمائی کہ امن وامان کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن رہے اور

اذان واقامت کا کام ان کے سپرد رہا اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے فضائل ہیں جن میں مال خرچ کرنے میں مسابقت کرنا بھی ہے عموماً اللہ کی راہ میں تو مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لے کر آ گئے اور خدمت عالی میں پیش کر دیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا؟ عرض کیا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خیال کر رہے تھے کہ اس مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں گا اور اپنا آدھا مال لے کر آ گئے تھے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اپنا پورا مال ہی لے آئے تو کہنے لگے کہ میں ان سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جو بھی احسان ہمارے ساتھ کیا ہے ہم نے ان سب کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکرؓ کے ان کے جو احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا اور مجھے کسی کے مال سے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جتنا ابوبکر کے مال نے مجھے نفع دیا اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (یعنی ایسا دوست) بناتا (جس میں کسی کی ذرا بھی شرکت نہ ہو) تو ابوبکرؓ کو خلیل بنالیتا خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے نفع دیا یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کے لئے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۰)

فائدہ: ۔ سورۃ اللیل کے آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وَلَسَوْفَ يَرْضٰى فرمایا اور اس کے بعد والی سورت یعنی سورۃ الضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى دیکھو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دوست اور معاون خاص یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے لیکن روافض (شیعہ) نہ اللہ تعالیٰ سے راضی جس نے یہ مرتبہ دیا نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راضی جنہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق خاص اور رفیق غار بنایا اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سارا مال پیش کر دیا اور ہر طرح سے سفر اور حضر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔

فائدہ: ۔ جو کوئی شخص کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا دھیان رکھنا چاہئے جب کبھی موقع ہو اس کی مکافات کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من صنع الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تجدوا ماتکافئوہ فادعوا له حتی تروا انکم قد کافاتموہ.

(جو شخص تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کر دے تو تم اس کا بدلہ دے دو اگر بدلہ دینے کو کچھ نہ ملے تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دیدے کہ اس کا بدلہ اتر گیا)۔

یاد رہے کہ احسن طریق سے اس کا بدلہ اتارو اس سے یوں نہ کہے کہ یہ تمہارے فلاں احسان کا بدلہ ہے اس سے رنجیدہ ہوگا اور شریف سخی آدمی بدلہ کے نام سے قبول بھی نہیں کرے گا۔

اس حدیث میں معلوم ہوا کہ کسی کے احسان کے مکافات کرنا بھی اچھی بات بلکہ مامور بہ ہے لیکن اپنی طرف سے احسان جو احسان کے بدلہ میں نہ ہو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى جو فرمایا ہے اس میں اسی بات کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہ مطلب نہیں کہ بطور مکافات کسی کے ساتھ احسان کیا جائے تو اس میں ثواب نہ ہو۔

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ الضحی	۱۱ آیتیں ۱ رکوع

(۹۳) سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۱۱) آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

سورۃ الضحٰی مکہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ دشمنی کی۔ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷

اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپکو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپکو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپکو بے خبر پایا سو راستہ بتایا

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝۸ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰

اور اللہ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔ تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ع

اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

اوپر سورۃ الضحٰی کا ترجمہ لکھا گیا ہے یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کے سبب نزول کے بارے میں معالم التنزیل میں ایک قول تو یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیماری کی وجہ سے دو تین رات نماز نہیں پڑھی یعنی نماز تہجد کا ناغہ ہو گیا' ایک عورت (فتح الباری میں ہے کہ یہ بات ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہی تھی) نے کہا کہ بس جی سمجھ میں آ گیا کہ جو شیطان ان کے پاس آتا تھا اس نے ان کو چھوڑ دیا یا دو تین رات سے قریب نہیں آیا اور ایک بات یہ لکھی ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذوالقرنین' اصحاب کہف اور روح کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کل کو بتاؤں گا انشاء اللہ کہنا رہ گیا تھا لہٰذا چند دن تک وحی نازل نہیں ہوئی اس پر مشرکین نے کہا کہ محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بغض کر لیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی اور رات کی قسم کھائی اور قسم کھا کر فرمایا:

ماودعك ربك وماقلى

(آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ دشمنی کی)

رات اور دن کی قسم کھائی ہے مقسم بہ سے اس کی مناسبت بیان فرماتے ہوئے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ وحی کا تتابع اور ابطاء مشابہ لیل ونہار کے تبدل کے ہے اور دونوں متضمن حکمت کو ہیں پس جیسا ایک تبدل دلیل تودیع وعداوت کی نہیں اسی طرح دوسرا تبدل بھی۔ اور دوسری بشارات مکمل ہیں اسی عدم تودیع کی پس مقسم بہ کو بواسطہ اس کے سب سے مناسبت ہوئی۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى.

(اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے)۔

اس میں آپ کو مزید تسلی دی بتادیا کہ دشمنوں کی باتوں سے دلگیر نہ ہوں دنیا والوں کی باتیں اعراض اور اعتراض سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ آخرت میں عطا فرمائے گا بہت زیادہ ہوگا دائمی ہوگا۔ اس دنیا سے بہت ہی زیادہ ہوگا۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى.

(اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہوجائیں گے)۔

یعنی دنیاوالی زندگی میں جو کچھ مال کی کمی ہے اس کا خیال نہ فرمائیں آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے کسی چیز کی کوئی کمی نہ محسوس کریں گے۔

عموم الفاظ میں دنیاوی اموال کی کمی کی طرف اشارہ ہے۔ مخالفین جو آپ کو یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس دولت نہیں ہے نامناسب کلمات کہنے کی جرأت کرتے ہیں یہ کوئی قابل توجہ چیز نہیں ہے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش کا پوری طرح آخرت ہی میں مظاہرہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا کیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں آپ کو دی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپؐ کے والد کی وفات ہوگئی (اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد ان کی وفات ہوئی) آپ یتیم تو تھے ہی جب پانچ سال کی عمر ہوئی آپ کی والدہ بھی وفات پاگئیں اور وہ بھی مقام ابواء میں جو جنگل بیابان تھا۔ وہاں سے آپ کی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ لے گئیں' آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی پھر چند سال بعد ان کی بھی وفات ہوگئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری لی اور بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کی اسی کو فرمایا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا۔) اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پرورش کروائی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور انعام ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا) (قال القرطبی أی غافلاً عما یرادبک من امر النبوة فهداک ای ارشدک والضلال هنا بمعنی الغفلة کقوله جل ثناءٗ لایضل ربی ولاینسی ای لایغفل وقال فی حق نبیه وان کنت من قبله لمن الغفلین وقال قوم ضالاً لم تکن تدری القراٰن والشرائع فهداک الله الی القراٰن' وشرائع الاسلام.) (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ سے نبوت کا جو کام مقصود تھا آپ اس سے بے خبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی کی۔ یہاں پر ضلال بے خبری کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لایضل ربی ولا ینسی یعنی وہ غافل (بے خبر) نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا وان کنت من قبله لمن الغافلین آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ ضالاً کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن کریم اور شرعی احکام کا علم نہیں رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور شرعی احکام کی طرف آپ کی رہنمائی کی)۔ اس میں دوسرا انعام بیان فرمایا اور وہ یہ کہ آپ اُمی تھے پڑھے لکھے نہیں تھے۔ جن لوگوں نے آپ کی کفالت کی ان کو بھی خیال نہ آیا کہ آپ کو کچھ پڑھائیں' باہر کے لوگوں سے بھی کوئی میل جول نہ تھا جو کچھ علم حاصل کرلیتے اور خاص کر دینی علوم ومعارف اور احکام

ومسائل کے جاننے کا تو کوئی طریقہ تھا ہی نہیں جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔

اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا آپ کو نبوت اور رسالت سے نوازا' کامل اور جامع شریعت عطا فرمائی' اپنی معرفت بھی عطا کی ملائکہ سے متعلق بھی علوم دیئے' گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال بھی بتائے' آخرت کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا' اصحاب جنت اور اصحاب جہنم کے احوال سے بھی باخبر فرمایا اور وہ علوم نصیب فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔

سورۃ النساء میں فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا.

(اور اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے)

بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا.

(بلاشبہ اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا فضل ہے)

پھر فرمایا: وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مال والا پایا سو آپ کو غنی کر دیا)۔ آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب کرتے رہے لیکن وہ مالدار آدمی نہیں تھے انہیں کے ساتھ گزر بسر کرنا ہوتا تھا جو ان کا حال تھا وہی آپ کا حال تھا' آپ کی امانت داری کی صفت مشہور تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تجارت کے لئے اپنا مال ملک شام بھیجا کرتی تھیں (جیسا کہ اہل مکہ کا طریقہ تھا) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال ہوئی تو انہوں نے آپ کی صفات سن کر آپ کو بطور مضاربت تجارت کا مال دے کر ملک شام جانے کی درخواست کی آپ نے منظور فرمالی۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا آپ ملک شام سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ کے غلام نے آپ کی بڑی بڑی صفات بیان کیں اور وہ باتیں بتائیں جن کا ظہور عموماً نہیں ہوا کرتا نیز مال تجارت میں نفع بھی بہت زیادہ ہوا حضرت خدیجہؓ بیوہ عورت تھیں پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ ان سے اولاد بھی تھی انہوں نے آپ کو نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابوطالب آپ کے چچا اور خاندان کے دیگر افراد آپ کے ساتھ گئے اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ مالدار عورت تھیں انہوں نے اپنے مال میں آپ کو تصرف کرنے کا حق دیدیا (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتا تھا) اسی لئے مفسرین نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ أي فاغناک بمال خديجة.

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ. (سو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے)۔

چونکہ آپ نے یتیمی کا زمانہ گزارا اور آپ کو معلوم تھا کہ ماں باپ کا سایہ اٹھ جانے سے زندگی کیسی گزرتی ہے' اس لئے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یتیم پر سختی نہ کرنا' گو خطاب آپ کو ہے لیکن اس میں ساری امت کو تلقین فرمادی کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کریں۔ یتیم کی پرورش کرنے اور اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرنے کی احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ ہاتھ پھیرنا صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا تو ہر بال جو اس کے ہاتھ کے نیچے آئے اس کے بدلہ میں بہت سی نیکیاں دی جائیں گی اور جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ اچھا سلوک کیا میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے لفظ ''اس طرح'' فرماتے ہوئے آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ساتھ ملایا۔ (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۳)

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ. (اور لیکن سوال کرنے والے کو مت جھڑکئے)۔ جس طرح یتیم بچہ بے یار و مددگار ہوتا ہے اس کے لئے رحمت اور شفقت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بعض مرتبہ غیر یتیم بھی حاجت مند ہو جاتا ہے اور حاجت مندی اسے سوال کرنے پر مجبور

کر دیتی ہے جب کوئی سوال کرنے آئے تو اسے کچھ دے کر خوش کر کے رخصت کیا جائے اگر اپنے پاس کچھ دینے کے لئے نہ ہو تو کم از کم اس سے نرمی سے بات کر لیں تا کہ اس تکلیف پر اضافہ نہ ہو جس نے سوال کرنے کے لئے مجبور کیا۔ سائل کو جھڑکنا ظلم و زیادتی کی بات ہے ایک تو اس کو کچھ دیا نہیں اور پھر اوپر سے جھڑک دیا' یہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

رُدُّو السَّآئِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُّحَرَّقٍ. (سوال کرنے والے کو کچھ دے کر واپس کیا کرو اگر چہ جلا ہوا کھر ہی ہو)

بہت سے پیشہ ور سائل ہوتے ہیں جو حقیقت میں محتاج نہیں ہوتے' ایسے لوگوں کو سوال نہیں کرنا چاہئے' ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتا دی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس ... تا جائے وہ سائل کی مجبوری دیکھ کر خرچ کر دے' سائل کو جھڑکے بھی نہیں کیا معلوم مستحق بھی ہو اور غور و فکر بھی کرے' حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور آپ اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی تعداد میں نعمتیں عطا فرمائیں' دنیا میں بھی نعمتوں سے سرفراز فرمایا' مال بھی دیا' شہرت و عظمت بھی دی اور سب سے بڑی نعمت جس سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا' وہ نبوت اور رسالت کی نعمت ہے آپ کے کروڑوں امتی گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کروڑوں قیامت تک آئیں گے اور ہر وقت آپ پر کروڑوں درود بھیجے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان نعمتوں کی قدر دانی کریں اس قدر دانی میں یہ بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان فرمائیں۔ اس میں آپؐ کی امت کو بھی تعلیم دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کیا کریں (البتہ تحدیث بالنعمت کے نام پر ریا کاری اور خود ستائی اور فخر و مباہات نہ ہو)

حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی (جن کا نام مالک بن نضر تھا) کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھٹیا درجے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا کون سے اموال میں سے ہے؟ میں نے کہا ہر قسم کا مال اللہ نے مجھے دیا ہے اونٹ' گائے' بکری اور گھوڑے اور غلام سب موجود ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تجھے اللہ نے مال دیا ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر نظر آئے۔ (رواہ احمد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۳۷۵)

معلوم ہوا تحدیث بالنعمت اپنے حال اور مال اور قال تینوں سے ہونی چاہئے شرط وہی ہے کہ صرف اللہ کی نعمت ذکر کرنے کی نیت ہو بڑائی بگھارنا اور ریا کاری مقصود نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَااَخْطَاتَكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ. (رواه البخاری فی ترجمة الباب كما فی المشكوٰة)

(کھا جو چاہے اور پہن جو چاہے جب تک کہ دو چیزیں نہ ہوں' ایک فضول خرچی دوسرا تکبر)

فائدہ:۔ سورۂ والضحٰی سے لے کر آخری سورت سورۃ والناس کے ختم تک ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر پڑھنا حضرات قراء کرام کے نزدیک سنت سے ثابت ہے جسے وہ اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں امام القراء حضرت شیخ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب النشر فی القرأت العشر کے آخر میں (ص ۴۰۵) سے لے کر (ص ۴۳۸) تک اس پر بہت لمبی بحث کی ہے اور حصر کے صیغے اور حضرات قراء کرام کے عمل اور حدیث کی سند پر خوب جی کھول کر لکھا ہے اور مستدرک حاکم کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرات محدثین کرام حدیث مسلسل بالقراء بھی نقل کرتے ہیں جو قاری مقری عبداللہ ابن کثیر مکی (اُحد القراء السبعہ) کے راوی ابوالحسن محمد بن احمد البزی رحمۃ اللہ

علیہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اپنی مسلسلات میں ذکر کیا ہے چونکہ حضرت امام بزی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے راوی ہیں اس لئے ان کے نزدیک تو تکبیر پڑھنا مشروع اور مسنون ہے ہی دیگر قراء سے بھی اس کا پڑھنا مروی ہے پھر بعض قراء صرف اللہ اکبر پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعض قراء سے لا الٰــہ الاّ الـلّــہُ والـلّــہُ اکبر دونوں لفظ کہنا منقول ہے جن سورتوں کے درمیان تکبیر پڑھی جائے وقف اور وصل کے قواعد کا خیال رکھا جائے سورت کو ختم کر کے اللہ اکبر کہہ کر آئندہ سورت کے شروع کرنے کے لئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، پڑھے اور ایک ہی سانس میں پڑھ لے یہ بھی درست ہے یہ وصل کل کی صورت ہے اور اگر تینوں پر قطع کرے تو یہ بھی درست ہے جو فصل کی صورت ہے البتہ وصل اول اور وصل ثانی کے ساتھ فصل ثالث نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بسملہ آنے والی سورت سے منفصل ہو جائے گی جب کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اوائل سور کے لئے مشروع ہے یہ جو کہا کہ وصل اور وقف کے قواعد کا خیال رکھا جائے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ساکن کو حرکت دیتے ہوئے اور ہمزہ وصل کو ساقط کرتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں مثلاً سورۂ والضحٰی ختم کر کے یوں پڑھے فَحَدِّثِ اللّٰهُ اَكْبَرُ. اور سورۃ العادیات کو ختم کر کے یوں پڑھا جائے۔ لَخَبِيْرُ. اللّٰهُ اَكْبَرُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْقَارِعَةُ.

اسی طرح سورۂ ہمزہ کے ختم پر نون تنوین کو کسرہ دے کر اللہ اکبر کے لام سے ملا دیا جائے یہ بات حضرات اساتذہ کرام سے سمجھنے اور مشق کرنے سے متعلق ہے حاشیہ میں حافظ ابو عمر دانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التیسیر کی عبارت نقل کر دی گئی ہے اہل علم ملاحظہ فرمائیں (قال ابو عمرو فاعلم ايّدكَ اللّٰه تعالٰى ان البزى روى عن ابن كثير باسناده انه كان يكبر من اٰخر والضحٰى مع فراغه من كل سورة الى اٰخر قل اعوذ برب الناس يصل التكبير باٰخر السورة وان شاء القارى قطع عليه وابتداء بالتسمية موصولة باول السورة التى بعدهاوان شاء وصل التكبير بالتسميه باول السورة ولايجوز القطع على التسمية اذاوصلت بالتكبير وقد كان بعض اهل الاداء يقطع على اواخر السورثم يبتدء بالتكبير موصولا بالتسمية وكذاروى النقاش عن ابى ربيعة عن البزى وبذٰلک قرأت على الفارسى عنه والاحاديث الواردة عن للكيين بالتكبير دالة على مابتدانابه لان فيها مع وهى تدل على الصحة والاجتماع واذاكبر فى اٰخر سورة الناس قرأفاتحة الكتاب وخمس اٰيت من اوّل سورة البقرة على عدد الكوفيين الى قوله تعالٰى اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ثم دعابدعاء الختمة وهٰذايسمى الحال المُرْتَحِل وفى جميع ماقدمناه احاديث مشهورة يرويها العلماء يؤيدبعضها بعضاتدل على صحة مافعله ابن كثير ولها موضع غير هٰذاقد ذكرناها فيه واختلف اهل الاداء فى لفظ التكبير فكان بعضهم يقول اللّٰه اكبر لاغير ودليلهم على صحة ذٰلک جميع الاحاديث الواردة بذٰلک من غير زيادة كما حدثنا ابو الفتح شيخنا قال حدثنا ابو الحسن المقرى قال حدثنا احمد بن سالم قال حدثنا الحسن بن مخلد قال حدثنا البزى قال قرأت على عكرمه بن سليمان وقال قرأت على اسمٰعيل بن عبداللّٰه بن قسطنطين فلما بلغت والضحٰى كبر حتّٰى تختم مع خاتمة كل سورة فانى قرأت على عبداللّٰه بن كثير فامر نى بذٰلک واخبر نى ابن كثير انه قرأعلٰى مجاهدفامره بذٰلک واخبره مجاهدانه قرأعلٰى عبداللّٰه بن عباس رضى اللّٰه عنهما فامره بذٰلک واخبره ابن عباس انه قراء علٰى ابى بن كعب رضى اللّٰه عنه فامره بذٰلک واخبره ابى انهٗ قراء علٰى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه واٰله وسلم فامره بذٰلک وكان اٰخرون يقولون لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اخبر فُيهَلِّلُوْنَ قبل التكبير واستدلوّاعلٰى صحة ذٰلک بما

حدثنا فارس بن احمد المقری قال حدثنا عبدالباقی بن الحسن قال حدثنا احمد بن سلم الختلی واحمد بن صالح قالا حدثنا الحسن بن الحباب قال سألت البزی عن التکبیر کیف هو فقال لی لااله الااللّٰه واللّٰه اکبر قال ابو عمرو ابن الحباب هذا من اهل الاتقان والضبط وصدق اللهجة بمکان لایجهله احد من علماء هذه الصنعه وبهذا قرأت علی ابی الفتح وقرأت علی غیره بما تقدم.

واعلم ان القاری اذا وصل التکبیر باخر السورة فان کان اخرها ساکنا کسره لالتقاء الساکنین نحو فَحَدِّثِ اللّٰهُ اَکْبَرُ، فَارْغَبِ اللّٰهُ اکبر وان کان منونا کسره ایضا کذٰلک سواء کان الحرف المنون مفتوحا اومضموما اومکسورًا نحو تَوَّابًانِ اللّٰه اکبر وَلَخَبِیْرُنِ اللّٰهُ اَکْبَرَ ومِنْ مَّسَدِنِ اللّٰهُ اکبر وشبهه وان کان آخر السورة مفتوحا فتحه وان کان اٰخر السورة مکسورا کسره وان کان مضموما ضمه نحو قوله تعالٰی اذا حسدَ اللّٰهُ اکبر والناسِ اللّٰه اکبر وَالْاَبْتَرُ اللّٰه اکبر وشبهه وان کان اخر السورة هاء کنایة موصولة بواو حذف صلتها للساکنین نحو رَبَّهُ اللّٰهُ اَکْبرُ وَشَرًّا یَّرَهُ اللّٰهُ اکبر قال ابو عمرو واسقطت الف الوصل التی فی اول اسم اللّٰه تعالٰی فی جمیع ذٰلک استغناءً عنها فاعلم اَیَّدَکَ اللّٰهُ تعالٰی ذٰلک مُوفقا لطریق الحق ومنهاج الصواب والیه المرجع والماب.)

(ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے تو جان لے کہ علامہ بزی نے حافظ ابن کثیر سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ الضحٰی سے آخری سورت تک ہر سورت کے آخر پر تکبیر کہتے تھے تکبیر کو سورت کے آخر کیساتھ متصل کرتے تھے اور اگر چاہے تو سورت کی ابتداء میں تسمیہ کے ساتھ تکبیر کو متصل کرے۔ اور جب تسمیہ کو تکبیر کیساتھ ملائے تو پھر تسمیہ پر وقف جائز نہیں ہے۔ بعض اہل اداء سورت کے آخر پر وقف کرتے اور تکبیر کو تسمیہ کے ساتھ ملا کر پھر شروع کرتے۔ نقاش نے ابن ربیعہ سے اور انہوں نے علامہ بزیؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ان سے علی الفارسی کی قراءت بھی اسی طرح ہے۔ اور تکبیر کے بارے میں مکیین سے مروی احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ جو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے کیونکہ یہ صحت واجتماع دونوں پر دلالت کرتی ہیں اور جب سورۃ الناس کے آخر میں تکبیر کہے تو صورۂ فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں کوفیین کے شمار کے مطابق تلاوت کرے۔ اولٰئک هم المفلحون تک پھر ختم قرآن کی دعا پڑھے۔ اسی کا نام حال مرتحل ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس بارے میں مشہور احادیث ہیں جو علماء نے روایت کی ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں یہ احادیث حافظ ابن کثیر کے عمل کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام اس مقام کے علاوہ اور ہے۔ ہم نے وہاں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور تکبیر کے الفاظ میں اہل اداء کا اختلاف ہے بعض اللہ اکبر کہتے تھے نہ کہ کوئی اور جیسا کہ ہم سے ہمارے شیخ ابوالفتح نے ان سے ابوالحسن المقری نے ان سے احمد بن سالم نے ان سے حسن بن مخلد نے ان سے بزی نے بیان کیا میں نے عکرمہ بن سلیمان سے پڑھا۔ انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین سے پڑھا وہ کہتے ہیں جب میں والضحٰی پر پہنچا تو اسماعیل نے تکبیر کہی۔ حتیٰ کہ ہر سورۃ کے خاتمہ پر انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن کثیر پر پڑھا اس نے مجھے اس کا حکم دیا اور کہا کہ ابن کثیر نے مجھے بتلایا کہ اس نے حضرت مجاہد سے پڑھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پڑھا تو انہوں نے اسے اس کا حکم دیا اور بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے اس کا حکم دیا۔ حضرت ابی نے انہیں بتایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا تو آپ نے مجھے اس کا حکم دیا اور دیگر حضرات لا الٰہ الا اللہ اکبر کہتے تھے۔ یعنی وہ تکبیر سے پہلے تہلیل کرتے تھے۔ اور انہوں نے اس سے اس کے صحیح ہونے پر اس سے استدلال کیا جو ہم سے فارس بن مقری سے بیان کیا۔ ان سے عبدالباقی بن حسن نے ان سے احمد بن سلم ختلی اور احمد بن صالح نے ان سے حسن بن حباب نے بیان کیا۔ میں نے بزیؒ سے تکبیر کے

بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے ہے! تو انہوں نے مجھے لا الٰہ الا اللہ اکبر بتلائی۔ ابوعمرو بن حباب کہتے ہیں یہ اہل اتقان وضبط اور صدق لہجہ کے مقام رکھنے والوں سے مروی ہے۔ جس سے اس فن کے علماء میں کوئی ناواقف نہیں ہے اور میں نے ابوالفتح اور دیگر حضرات مذکورہ سابقہ سے یہی پڑھا۔ جان لے کہ جب قاری سورت کے آخری میں تکبیر ملائے تو اگر سورت کا آخری حرف ساکن ہو تو اسے التقائے ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیا جائے گا جیسے فحدث اللّٰہ اکبر، فارغبِ اللّٰہ اکبر اور اگر آخری حرف پر تنوین ہو تو اسے بھی کسرہ دے خواہ وہ تنوین والا حرف مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور جیسے تو ابا اِللّٰہ اکبر اور الخبیرِ اللّٰہ اکبر اور من مسدٍ اِللّٰہ اکبر وغیرہ اور اگر سورت کا آخری حرف مفتوح ہو تو اسے مفتوح پڑھے۔ اور اگر مکسور ہو تو کسرہ پڑھے۔ اگر مضموم ہو تو ضمہ پڑھے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اذا حسدَ اللّٰہ اکبر اور الناسِ اللّٰہ اکبر اور الا بترُ اللّٰہ اکبر وغیرہ ذالک اور اگر سورت کا آخری حرف ھاء ہو جس کے اوپر واؤ ہو تو اس واؤ کو حذف کیا جائے گا۔ التقائے ساکنین کی وجہ سے جیسے ربہُ اللہ اکبر اور شراً یرہُ اللہ اکبر۔ ابوعمرو کہتے ہیں ہمزہ وصلی جو کہ اسم اللہ کے شروع میں ہے وہ تمام جگہ گر جائے گا اس کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے)۔

وھذا اخر تفسیر سورۃ الضحی، والحمدللّٰہ الذی انار الدجی، واضاء النھار بالضُّحی والصلوٰۃ والسلام علی من اعطی النبوۃ واوتی الھدی وعلی الہ وصحبہ اولی النھی وقادۃ التقی۔

☆☆☆..................☆☆☆
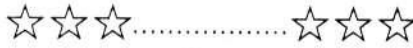
۸ آیتیں ا رکوع	سورۃ الانشراح	مکی

(۹۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ (۱۲) — اٰيَاتُهَا ۸ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الانشراح مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا' اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ

ظَهْرَكَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶

رکھی تھی' اور ہم نے آپ کی خاطر آپکا ذکر بلند کیا۔ سو بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے' بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

سو آپ جب فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیا کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے۔

ع ۱ ۸ ۱۹

یہ پوری سورۂ الم نشرح کا ترجمہ ہے (جو سورۃ الانشراح کے نام سے معروف ہے) اس میں بھی اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنے بڑے بڑے انعامات کا امتنان فرمایا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا)

یہ استفہام تقریری ہے' مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا' سینہ کو نور نبوت سے بھی بھر دیا' اور علم و معرفت سے بھی، ایمان کی دولت سے بھی' صبر و شکر سے بھی' کتاب و حکمت سے بھی' قوت برداشت سے بھی' وحی کی ذمہ داری اٹھانے سے بھی' دعوت ایمان پر اور دعوت احکام پر استقامت سے بھی، اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر انعامات فرمائے ہیں' ان میں ایک بہت بڑا انعام شرح صدر بھی ہے۔ آپ کی برکت سے آپ کی امت کو بھی شرح صدر کی نعمت حاصل ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ کی تلاوت کی پھر فرمایا بیشک جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو پھیل جاتا ہے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ فرمایا کہ ہاں اس کی نشانی ہے کہ دار الغرور (دھوکہ والا گھر یعنی دنیا) سے بچتا ہے اور دار الخلود (یعنی ہمیشہ رہنے کے گھر) کی طرف توجہ رکھے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری

رکھے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

بعض حضرات نے یہاں ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چاک کر کے علم اور حکمت سے بھر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے یہ کام کیا۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپؐ اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہؓ کے یہاں بچپن میں رہتے تھے اور ایک مرتبہ معراج کی رات پیش آیا۔ (مارواہ البخاری ومسلم)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درمنثور میں (ص ۳۶۳ ج ۲) نقل کیا ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال چند ماہ تھی صاحب درمنثور نے یہ واقعہ زوائد مسند احمد سے نقل کیا ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ (اور ہم نے آپ کا وہ بوجھ اٹھا دیا یعنی دور کر دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی) اس بوجھ سے کون سا بوجھ مراد ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ فتح کی آیت

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ کے ہم معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اعمال جو آپ سے لغزش کے طور پر بلا ارادہ یا خطاء اجتہادی کے طور پر صادر ہوئے ان کا بوجھ آپؐ محسوس کرتے تھے اور اس بوجھ کا اس قدر احساس تھا کہ اس احساس نے آپؐ کی کمر توڑ دی تھی یعنی خوب زیادہ بوجھل بنا دیا تھا۔ وہ بوجھ ہم نے ہٹا دیا یعنی سب کچھ معاف کر دیا۔

احقر کے خیال میں اس آیت کو سورۂ فتح کی آیت میں لینے کے بجائے یہ معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو علامہ قرطبیؒ نے عبدالعزیز بن یحییٰ اور حضرت ابوعبیدہؓ سے نقل کیا ہے یعنی خففنا عنک اعباء النبوة والقیا بها حتیٰ لا تثقل علیک۔

یعنی ہم نے نبوت سے متعلقہ ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیا تا کہ آپ کو بھاری معلوم نہ ہوں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فضیلت بھی بہت دی اور کام بھی بہت دیا مشرکین کے درمیان توحید کی بات اٹھانا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ آپؐ کو تکلیفیں بہت پہنچیں جن کو آپ برداشت کرتے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے صبر دیا اور استقامت بخشی پھر ایمان کے راستے کھل گئے۔ آپ کے صحابہ بھی کار دعوت میں آپ کے ساتھ لگ گئے اور عرب وعجم میں آپ کی دعوت عام ہوگئی۔ فصلی اللّٰه علیه وعلٰی اٰله وعلٰی من جاهد معه.

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ (اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا) اس کی تفصیل بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خطبوں میں، کتابوں میں، وعظوں میں، تقریروں میں، تحریروں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم بالا میں بلایا، آسمانوں کی سیر کرائی، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جب کسی آسمان تک پہنچتے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دروازہ کھلواتے تھے، وہاں سے پوچھا جاتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے تھے کہ میں جبرئیل ہوں پھر سوال ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ وہ جواب دیتے تھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح سے تمام آسمانوں میں آپ کی رفعت شان کا چرچا ہوا۔ علامہ قرطبی نے بعض حضرات سے اس کی تفسیر میں یہ بھی ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ آپ کی تشریف لانے کی بشارت دیں اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند ہوگا جبکہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا اور اس وقت اولین وآخرین رشک کریں گے، آپ کو کوثر عطا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں اہل ایمان تو محبت اور عقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہی ہیں اہل کفر میں بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے دنیا داری کی وجہ سے ایمان کو قبول نہیں کیا لیکن آپ کی رسالت ونبوت اور رفعت عظمت کے قائل ہوئے آپؐ کی توصیف وتعریف میں کافروں نے مضامین بھی لکھے ہیں اور نعتیں بھی کہی ہیں اور سیرت کے جلسوں میں حاضر ہو کر آپ کی صفات اور کمالات برابر بیان کرتے

رہتے ہیں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا.

(بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے)

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ جو مشکلات درپیش ہیں یہ ہمیشہ نہیں رہیں گے اور اسے مستقل ایک قانون کے طریقہ پر بیان فرما دیا کہ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے' بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے اس کلمہ کو دو مرتبہ فرمایا جو آپ کے لئے بہت زیادہ تسلی کا باعث ہے' آپ کی بعد آنے والے آپ کی امت کے افراد و اشخاص جب آپ کے بتائے ہوئے کاموں میں لگیں اور دینی دعوت میں مشغول ہوں مشکلات سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے دور ہونے کی امیدیں رکھیں' ابتداء میں مشکلات ہوتی ہیں' پھر ایک ایک کر کے چھٹتی چلی جاتی ہیں۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ عبدالرزاق وابن جریر وحاکم وبیہقی حضرت حسن (مرسلا) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت خوشی کی حالت میں ہنستے ہوئے باہر تشریف لائے' آپ فرما رہے تھے لن یغلب عسر یسرین (کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی) اور آپ یہ پڑھ رہے تھے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا.

دوسری روایت میں یوں ہے جو بحوالہ طبرانی اور حاکم وبیہقی (فی شعب الایمان) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل آئے جو اس پتھر میں اندر داخل ہو جائے تو آسانی بھی آئے گی جو اس کے پیچھے سے داخل ہوگی اور اس کو نکال دے گی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. نازل فرمائی۔

حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ جب کسی اسم کو معرف باللام ذکر کیا جائے پھر اسی طرح دوبارہ اس کا اعادہ کیا جائے تو دونوں ایک ہی شمار ہوں گے اور اگر کسی اسم کو نکرہ لایا جائے اور پھر اس کا بصورت نکرہ اعادہ کر دیا جائے تو دونوں علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے گا۔ جب آیت کریمہ میں عُسر کو دوبار معرفہ لایا گیا اور یُسر کو دوبار نکرہ لایا گیا تو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہو گیا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی ہے اس میں جو مشکلات ہیں ان کا مجموعہ شئی واحد ہے مشکلات کے بعد دنیا ہی میں آسانی آتی رہتی ہے' ایک آسانی تو یہ ہوئی اور دوسری آسانی وہ ہے جو اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى میں وعدہ فرمایا ہے اور وہ بہت بڑی نعمت ہے یہ دنیا کی تھوڑی سی مشکلات جن کے بعد دنیا میں اور آخرت میں بڑی بڑی آسانیاں نصیب ہو جائیں اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ نے حکم دیا: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ.

(جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کے کام میں لگ جائیں)

یعنی داعیانہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں۔ اس میں بہت سا وقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ' کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے لیکن ایسی عبادت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا بھی ضروری ہے جب آپ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں سے فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں' تا کہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر و ثواب بھی ملے جو براہ راست عبادت اور انابت میں ہے (اور حقیقت میں یہ جو

بلا واسطہ عبادت ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے جیسے سورۂ والذاریات کی آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر عمل کرتے تھے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول رہتے تھے۔ آپ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک سوجھ جاتے تھے۔

وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ. (اور اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے)۔ یعنی نماز دعا مناجات ذکر تضرع زاری میں مشغول ہو جائیں۔

فَانْصَبْ کا ترجمہ ''محنت کیا کیجئے'' کیا گیا ہے کیونکہ یہ نصب بمعنی مشقت سے مشتق ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادات میں اس قدر لگنا چاہئے کہ نفس تھکن محسوس کرنے لگے نفس کو آسانی پر نہ چھوڑیئے اگر نفس کا آرام اور رضامندی دیکھی تو وہ فرض بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ ہونے دے گا۔

وهٰذا اٰخر تفسیر سورة الانشراح والحمدللّٰه العلیم العلی الفتاح والصلٰوة علٰی سیّد رسُله صاحب الانشراح ومروح الارواح وعلٰی اٰله وصحبه اصحاب النجاح والفلاح وعلٰی من تام بعد هم بالصلاح والاصلاح

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ التین	۸ آیتیں ۱ رکوع

(۹۵) سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (۲۸) — اٰيَاتُهَا ۸ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ التین مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی ' ہم نے انسان کو سب سے اچھے سانچہ

تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم اسفل السافلین کی طرف لوٹا دیتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ۔ سو ان کے لئے ثواب ہے جو کبھی منقطع

غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾

نہ ہوگا۔ پھر کون سی چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے۔

ع ۸ / ۲۰

اوپر سورۃ والتین کا ترجمہ لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تین اور زیتون اور البلد الامین (شہر مکہ مکرمہ) اور طور سینین کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا پھر اسے پست ترین حالت میں لوٹا دیا تین انجیر کو کہتے ہیں اور زیتون ایک مشہور درخت ہے جس کے پھلوں سے تیل نکالتے ہیں جسے سورۃ النور میں شَجَرَةٌ مُّبٰرَكَةٌ سے تعبیر فرمایا ہے۔ تیسرا مقسم بہٖ (جس کی قسم کھائی گئی) طُوْرِ سِيْنِيْنَ ہے۔ اسی کو سورۂ مؤمن میں طُوْرِ سَيْنَآءَ فرمایا ہے یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ تین اور زیتون کثیر البرکت اور کثیر المنافع درخت ہیں اور کوہ طور کا مشرف ہونا تو واضح ہی ہے۔

چوتھا مقسم بہ البلد الامین یعنی مکہ معظمہ اس کا کثیر البرکت ہونا بھی معلوم ہی ہے وہاں کعبہ مکرمہ ہے جسے سورۃ آل عمران میں مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فرمایا ہے ان چاروں چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ ہم نے انسان کو اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (سب سے اچھے سانچہ میں پیدا فرمایا ہے درحقیقت انسان اللہ تعالیٰ کی بہت ہی عجیب مخلوق ہے اس کی روح عقل، شعور، ادراک، فہم و فراست تو بے مثال ہیں ہی جسمانی ساخت، حسن و جمال، اعضاء و جوارح، قد و قامت، شیریں گفتگو، سمع و بصر دیکھنے کی ادائیں، رفتار و گفتار کے طریقے، قیام و سجود کے

مظاہر سب ہی عجیب و حسین ہیں، جن میں مجموعی حیثیت سے کوئی بھی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہے۔ انسان قد و قامت والا ہے اس کے دو پاؤں ہیں دو ہاتھ ہیں، پاؤں سے سر تا لمبا قد ہے، پھر اس کے سر پر چہرہ ہے، جس میں منہ اور آنکھیں اور ناک کان ہیں۔ آنکھوں کی پتلیوں کی چمک، کنکھیوں کے اشارے، ہونٹوں کی مسکراہٹ، دانتوں کی جگمگاہٹ کو بھی ذہن میں لاؤ، دماغ میں مغز ہے، سینہ میں قلب ہے، دونوں علوم و معارف کا مخزن و مظہر ہیں ہر چیز حسن و جمال کا پیکر ہے۔ سر پر جو بال ہیں سراپا زینت ہیں اور داڑھی کے جو بال ہیں وہ بھی زینت ہیں (داڑھی مونڈنے والوں کو برا تو لگے گا لیکن بحکم حدیث سُبْحَانَ من زین الرِّجَالَ باللُّحٰی وَالنِّسَاءَ بِالذَّوائب ہم نے لکھ ہی دیا' حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، جس نے مردوں کو داڑھیوں کے ذریعہ اور عورتوں کو سر کے بالوں کے ذریعہ زینت دی۔ (والحدیث ذکرہ المناوی فی کنوز الحقائق وعزاہ الی الحاکم)

سر کے نیچے سینہ ہے اس میں دل ہے جو تدبر کی جگہ ہے پھر اس کے نیچے پیٹ ہے جو خالی ہے اس کو بھرنا پڑتا ہے۔ انسان کے ہاتھوں کو دیکھو، دس انگلیاں ہیں، ہر ایک میں تین تین پورے ہیں، پھر ہتھیلی ہے جس میں انگوٹھا بھی لگا ہوا ہے سب انگلیاں مڑتی ہیں، موڑنے سے ہتھیلی میں بھی گہراؤ پیدا ہو جاتا ہے پھر نیچے پر موڑ ہے اوپر کو دیکھو تو کہنیاں بھی مڑتی ہیں اور اوپر نظر ڈالو تو مونڈھوں کے قریب بغلوں میں بھی موڑ ہے، وہاں سے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے جا سکتے ہیں اور عام حالات میں نیچے کو لٹکے رہتے ہیں۔ دونوں انگوٹھے جو دونوں ہاتھوں میں ہیں، بڑے کمال کی چیزیں ہیں، انگوٹھا نہ ہوتا تو اشیاء کے پکڑنے سے عاجز ہوتے۔ اس کے بغیر کسی چیز کو اٹھا نہیں سکتے، منہ میں دانت ہیں جو چبانے کا کام دیتے ہیں اور ان کی سفیدی میں سراپا حسن و جمال ہے، منہ میں زبان بھی ہے، بات بھی کرتی اور چیزوں کا مزہ بھی چکھتی ہے۔ سر میں کان جوڑے ہوئے ہیں، سننے کا کام تو سوراخوں ہی سے ہو جاتا ہے لیکن کانوں سے چہرہ اور سر میں ایک عجیب حسن آ گیا ہے۔ اور ایک بات اور مزیدار ہے وہ یہ ہے کہ اگر کان ابھرے ہوئے نہ ہوتے تو چشمہ کہاں لگاتے، کانوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ چشمہ ان پر ٹھہرا رہتا ہے۔ حروف کی ادائیگی پر بھی نظر ڈالو، اقصائے حلق سے لے کر ہونٹوں کے بیرونی حصہ تک حروف کی ادائیگی ہوتی ہے۔ خالق کائنات جل مجدہ نے جس حرف کا جو مخرج مقرر فرما دیا ہے اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے نہیں نکل سکتا۔

انسانی قد و قامت کا نیچے والا حصہ کمر کے نیچے سے شروع ہوتا ہے اس میں ٹانگیں ہیں جو رانوں اور پنڈلیوں اور گھٹنوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے درمیان شہوت کی جگہ ہے اور ناپاکی کے نکلنے کا راستہ بھی ہے، کمر کے موڑ جھکنے کے لئے ہے جو رکوع کرنے میں اور نیچے کی چیزیں اٹھانے میں کام دیتا ہے، پھر گھٹنوں کا موڑ ہے اس کے ذریعہ اوکڑوں میں بیٹھتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اور کرسی پر بیٹھتے ہیں، پنڈلیاں لٹکا لیتے ہیں، اگر گھٹنوں کا موڑ نہ ہوتا تو کرسی پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا، پھر ابھرے ہوئے ٹخنوں کا حسن دیکھو اور انگلیوں کا تناسب اور تناسق دیکھو ساتھ ہی ناخنوں کے حسن و جمال پر بھی نظر ڈالو اور ہاں پاؤں کا پھیلاؤ بھی تو دیکھنا چاہئے۔ اگر پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوتے صرف ایڑیوں پر ٹانگیں ختم ہو جاتیں تو میاں صاحب یہاں گرتے اور وہاں گرتے، نہ چلتے نہ پھرتے نہ دوڑتے نہ بھاگتے وغیرہ وغیرہ، یہ انسان کی جسمانی ساخت ہے جو کمال و جمال کا آئینہ ہے اور اعضائے انسانی کی حرکت میں جو ادائیں ہیں ان کے حسن کو بھی انسان ہی سمجھ پاتا ہے۔ جسمانی کمال و جمال کے علاوہ اللہ جل شانہ نے انسان کو جو عقل و ادراک نصیب فرمایا ہے جس کے ذریعہ دوسری مخلوقات پر حکمران ہے، بحر و بر پر اس کی حکومت ہے اور جو کچھ اس نے اپنے آرام و راحت کی چیزیں ایجاد کی ہیں عمارتیں بنائی ہیں طیارے سیارے ہیں ان سب میں اس کے ظاہری اعضاء اور فہم و ادراک دونوں چیزوں کا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت اور فوقیت دی ہے۔ سورۃ الاسراء میں اس بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا.

(اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی' کسی شاعر نے انسان کو خطاب کر کے کہا ہے

وتزعم انک جرم صغیر   وفیک انطوی العالم الأکبر

انسان کے احسن تقویم ہونے کا ایک بہت بڑا مظاہرہ اس میں بھی ہے کہ کسی بھی بدصورت سے بدصورت انسان سے سوال کیا جائے کہ تو فلاں خوبصورت حیوان کی صورت میں داخل ہونے کو تیار ہے تو وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا' نہ کر سکتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ. (پھر ہم انسان کو نیچے درجہ والوں سے بھی نیچی حالت میں لوٹا دیتے ہیں) بعض مفسرین کرام نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اچھی صورت میں پیدا فرمایا اچھے سے اچھے سانچے میں ڈھال دیا' حسن و جمال کا پیکر بنا دیا' وہ قوت اور طاقت کے ساتھ جیتا رہا اور اپنے ناز و انداز دکھاتا رہا' پھر جب اللہ تعالیٰ نے بڑھاپا دیا تو بہت گئی گزری حالت میں ہو گیا' نظر بھی کمزور' کان بھی بہرے' دل میں خفقان اور بھول و نسیان' دماغ بیکار' شعور اور ادراک ختم' قد جھک گیا' کمر کمان بن گئی' ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں' دوسروں پر وبال خدمت کا محتاج' یہ بدحالی بڑھاپے میں انسان کو لاحق ہو جاتی ہے۔

سورۂ یاسین میں اسی کو فرمایا ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ.

(اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں اس کو سابقہ طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں)

اس کے بعد فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. (الأية)

(مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بڑا ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا)

اوپر جو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کی تفسیر کی گئی ہے اس کے مطابق مفسرین نے اس استثناء کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مؤمنین اور صالحین بندے بڑھاپے کی حالت کو پہنچ کر بھی ناکام نہیں رہتے وہ ایمان پر جمے رہتے ہیں ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے ان کا ثواب جاری رہتا ہے اور یہ اجر موت کے بعد انہیں مل جائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا (مطلب یہ ہوا کہ کافر اپنی قوت اور طاقت جوانی سے دھوکہ کھا کر ایمان اور اعمال صالحہ سے دور رہتا ہے پھر اسے دوہرا خسران اور نقصان لاحق ہو جاتا ہے اول تو دنیا میں بڑھاپے کی بدحالی' دوم موت کے بعد دوزخ کا داخلہ اور وہاں کے عذاب کی فراوانی) اور اہل ایمان ہر حال میں ایمان اور اعمال صالحہ پر جمے رہتے ہیں آخرت میں ان کے لئے بے انتہا اجر ہے تفسیر میں تکلف ہے' استثناء کا جوڑ اطمینان بخش طریقے پر نہیں بیٹھتا۔ علمائے تفسیر میں سے جن حضرات نے اسفل سافلین سے دوزخ مراد لی ہے ان کی بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے وقال الحسن وقتادة ومجاهد يعني ثم رددناه اِلٰى النار يعني اِلٰى اسفل السافلين لان جهنم بعضها اسفل من بعض.

یعنی حضرات حسن وقتادہ ومجاہد نے فرمایا ہے کہ اسفل السافلین سے دوزخ مراد ہے اس کے مختلف طبقات ہیں' بعض بعض سے نیچے ہیں' اس صورت میں دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے انسان کو سب سے اچھے سانچہ میں ڈھالا' حسن قامت اور حسن اعضاء کا جمال دے کر اس پر احسان فرمایا سارے انسانوں کو اس انعام کے شکریہ میں شکرگزار ایماندار اور اعمال صالحہ والا ہونا لازم تھا لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہو گئیں بعض مؤمن ہو گئے' بعض کافر اور کافروں میں بھی فرق مراتب ہے' ان مراتب کے اعتبار سے جہنم کے طبقات میں داخلہ ہوگا

ان میں بہت سے وہ بھی ہوں گے جو اسفل السافلین میں جائیں گے جیسا کہ سورۃ النساء میں اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فرمایا ہے۔ انسانوں کی یہ جماعت یعنی کفار جو دنیا میں حسن و جمال اور اچھے قد و قامت والے تھے دوزخ میں جائیں گے دنیا کی خوبصورت اور چال ڈھال اور ناز و انداز کی رفتار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گی۔ بنی آدم کا دوسرا گروہ یعنی مومنین صالحین دوزخ سے بچ جائیں گے انہیں جنت نصیب ہوگی اور اعمال صالحہ کا اجر و ثواب ہمیشہ ملتا رہے گا۔

صاحب روح المعانی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے حیث قال ثم المتبادر من السیاق الاشارۃ الی حال الکافر یوم القیامۃ وانہ یکون علی أقبح صورۃ وأبشعھا بعد أن کان علی احسن صورۃ وأبدعھا لعدم شکرہ تلک النعمۃ وعملہ بموجبھا. (کہ آپ نے کہا سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قیامت کے دن کافر کی حالت ہے اور باوجود اس کے کہ وہ بہترین شکل والا اور عمدہ شکل والا تھا ان نعمتوں کی ناشکری اور ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بدترین حالت و بری صورت پر ہوگا)

یاد رہے کہ لفظ الانسان سے جنس انسان مراد ہے لہٰذا ہر انسان کا خوبصورتی میں ایک ہی طرح ہونا پھر اسفل السافلین میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ (سوائے انسان اس کے بعد تجھے کیا چیز قیامت کا جھٹلانے والا بنا رہی ہے) مطلب یہ ہے کہ اے انسان! تجھے اپنی تخلیقی حالت معلوم ہے کہ کس طرح پیدا کیا گیا اور تجھے کیسی حسین تقویم میں وجود بخشا گیا تو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا رہا، یہ سب دیکھتے ہوئے اور خالق کائنات، جل مجدہ کی قدرت کو سمجھتے ہوئے اس بات کا کیسے منکر ہو رہا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے اور ایمان اور کفر اور اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ یہ سب تخلیقی احوال دیکھ کر تجھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین نہیں آتا جسے ان چیزوں پر قدرت ہے جو تیرے سامنے ہیں اسے دوبارہ زندہ کر کے محاسبہ اور مواخذہ پر بھی قدرت ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ. (کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟) یہ استفہام تقریری ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں دیکھنے سے یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ سب حاکموں کا حاکم ہے، سب پر اسی کی حکومت ہے تکوینی طور پر بھی سب اسی کے اختیارات ہیں اور تشریعی طور پر بھی سب اسی کے بھیجے ہوئے دین کے پابند ہیں جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، یہاں دنیا میں بھی اسی کا حکم نافذ ہے اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلے نافذ ہوں گے۔

وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

فائدہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص سورۂ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھنا شروع کرے پھر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پر پہنچے تو یوں کہے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (واقعی اللہ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن ہے، اور میں اس پر گواہ ہوں) اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ پڑھنا شروع کرے پھر اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو یوں کہے بلٰی (واقعی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے) اور جو شخص سورۂ المرسلات پڑھنا شروع کرے پھر فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ م بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو یوں کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۱)

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ التین، والحمدللّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی من ارسل بالقراٰن المبین وعلی اصحابہ اصحاب الھدی والتقی والیقین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین.

مکی	سورۃ العلق	۱۹ آیتیں ارکوع

(۹۶) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۱) اٰيَاتُهَا ۱۹ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ العلق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ

اے پیغمبرؐ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا' اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا' آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا

الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

کریم ہے' جس نے قلم سے تعلیم دی' انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا۔

یہاں سے سورۃ العلق شروع ہو رہی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جس نے سب کچھ پیدا فرمایا ہے تعمیم کے لئے مفعول محذوف فرما دیا' نیز رعایت فاصلہ بھی مطلوب ہے اس کی وجہ سے بھی مفعول حذف کیا گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ فرشتے کی آمد سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار حرا میں تنہا وقت گزارا کرتے تھے۔ یہ تنہائی آپ کو محبوب تھی متعدد راتیں وہاں گزار کر اپنے گھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تھے وہ مزید چند دن کے لئے کھانے پینے کا سامان تیار کر دیتی تھیں' یہ سامان لے کر آپؐ پھر غار حرا میں واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپؐ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرشتہ آ گیا۔ فرشتہ نے کہا اِقْرَاْ (پڑھئے) آپؐ نے فرمایا مَآ اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) فرشتے نے آپؐ کو پکڑ کر خوب اچھی طرح بھینچ دیا' پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے آپ نے پھر وہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' فرشتہ نے دوبارہ اسی زوردار طریقے پر بھینچ دیا' پھر چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ پڑھئے آپؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' فرشتہ نے تیسری بار پھر آپ کو بھینچ دیا پھر چھوڑ دیا اور اس مرتبہ اس نے یہ پورا پڑھ دیا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۚ

آپ نے ان الفاظ کو دہرایا اور غار حرا سے گھبرائے ہوئے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے' آپؐ نے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھاؤ' مجھے کپڑا اوڑھاؤ' انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ جب خوف و پریشانی کی کیفیت دور ہو گئی تو حضرت خدیجہؓ کو پوری بات بتائی۔ (حدیث طویل ہے جو صحیح بخاری ص ۳' ج ۱ اور صحیح مسلم ص ۸۸ ج ۱ پر مذکور ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں آیات مذکورہ بالا ہی تھیں قال النووی فی شرح صحیح المسلم هذا هو الصواب الذی علیہ الجماهیر من السلف والخلف. (علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں یہی وہ درست قول ہے جس پر جمہور سلف وخلف متحد ہیں) اس کے کچھ عرصے کے بعد آیات یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. نازل ہوئیں اور برابر وحی نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری ص ۳ ج ۱)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے اور سورۂ نحل کی آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے معلوم ہوا کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا جائے، پہلے استعاذہ پھر بسملہ دونوں پر امت کا عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور صحابہؓ اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔

سورت کے شروع میں اولاً مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کیونکہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کی شان ربوبیت کا مظہر ہے پھر خصوصی طور پر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا فرمایا لہٰذا انسان کو اپنے رَبّ کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا چاہئے اپنے خالق اور پروردگار کے ذکر میں اور اس کی نعمتوں کے شکر میں لگا رہے گو دوسرے حیوانات بھی نطفہ منی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں وہ عقل اور شعور وادراک نہیں ہے جو انسان کو عطا فرمایا گیا ہے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ (آپ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے)

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

ارشاد فرمایا کہ آپ پڑھیے، اس کا خیال نہ کیجئے کہ آپ نے مخلوق سے نہیں پڑھا، آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے اسے علم دینے کے لئے اسباب کی حاجت نہیں ہے اس نے قلم کے ذریعہ سکھایا اور جسے چاہا بغیر قلم کے بھی سکھا دیا انسانوں کے پاس جو علم ہے سارا استاد اور کتاب اور قلم ہی سے تو نہیں ہے، جس ذات پاک نے اسباب کے ذریعہ علم دیا اسے بلا اسباب بھی علم دینے پر قدرت ہے، آپ کو جو علم دیا بغیر قلم عطا فرمایا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰىٓ ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿۸﴾ اَرَءَیْتَ

یہ واقعی بات ہے کہ بلاشبہ انسان سرکشی کرتا ہے، اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے۔ اے مخاطب بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اے مخاطب تو

الَّذِیْ یَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾

اس شخص کا حال بتا دے جو بندہ کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے اے مخاطب یہ بتا دے کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا وہ تقویٰ کا حکم کرتا ہو۔

اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَىٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬

اے مخاطب! تو بتا دے اگر وہ جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو، خبردار کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بیشک اللہ دیکھتا ہے ہرگز نہیں اگر یہ شخص باز نہ آیا

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ﴿۱۸﴾

تو ہم ایسی پیشانی کو جو جھوٹی ہے خطا کار ہے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ سو چاہئے کہ اپنی مجلس کو بلا لے ہم عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾

ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور نماز پڑھتے رہتے اور قرب حاصل کرتے رہتے۔

روایات احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابوجہل کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے ایک دن ابوجہل نے لات اور عُزّیٰ کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مٹی میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدے میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا فوراً الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو 'لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ڈراؤنی حالت ہے اور بازوؤں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہوجاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اچک لیتے' اس پر آیات کریمہ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (رواہ مسلم ص ۳۷۲ ج ۲)

اب سبب نزول جاننے کے بعد آیات کا مطلب اور ترجمہ سمجھ لیجئے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى (یہ تحقیقی بات ہے کہ انسان ضرور ضرور سرکشی اختیار کر لیتا ہے) یعنی اپنی آدمیت کی حد سے نکل جاتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اپنے خلاق کی نافرمانی اور سرکشی میں لگ جاتا ہے اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (اس کا یہ سرکشی پر اتر آنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے) یعنی مال و دولت کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں ہی سب کچھ ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب کچھ دیا ہے وہ دے بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔ سرکش انسان پیدا کرنے والے اور مال دینے والے کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ (اے مخاطب بے شک تجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے) یہ سرکشی کرنے والا بھی اپنے رب کی طرف واپس ہوگا' دنیاوی مالداری کو نہ دیکھے اور اموال دنیا پر نظر کر کے اپنے رب کو نہ بھولے کیونکہ ہر حال میں مرنا ہے مر کر جہاں جائے گا وہاں مال و اولاد کوئی کسی کے کام نہ آئیں گے۔

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ

(اے مخاطب! تو بتا کہ جو شخص بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے اسکا کیسا عجیب اور قبیح حال ہے)۔

اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ

(اے مخاطب! تو ہی بتا کہ جو بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اس کو نماز سے روکنا کتنی بڑی قبیح اور شنیع بات ہے)۔

اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (اے مخاطب! تو بتا دے کہ اگر یہ نماز سے روکنے والا شخص حق کو جھٹلاتا ہو اور حق سے اعراض کرتا ہو تو اس کا کیا انجام ہوگا؟) ہر شخص غور کرے' صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں وتقدیر نظم الاٰیة اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى وھو علی الھدی و اَمَرَ بِالتَّقْوٰى والناھی مکذب متول عن الایمان فما أعجب من ھذا اھ (نظم آیت کی تقدیر یوں ہے کہ "کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا ہے جو ہمارے بندہ کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے۔ اور تقویٰ کا حکم کرتا

ہے اور روکنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے اعراض کرنے والا ہے۔ پس اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہوگی)

عربی میں لفظ ارایت محاورہ کے اعتبار سے اَخْبِرْنِیْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں تین جگہ لفظ اَرَءَیْتَ وارد ہوا ہے جو ہر صاحب فہم و بصیرت کو خطاب ہے۔ ہر سمجھنے والا بتائے کہ جو شخص نماز پڑھنے والے کو نماز سے روکتا ہے اور یہ نماز پڑھنے والا خود ہدایت پر رہتے ہوئے دوسروں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے اس کو نماز سے روکنے والے کا عمل کیا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے؟ جو شخص جھٹلانے والا اور اعراض کرنے والا ہے پھر اوپر سے نماز پڑھنے والے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے اس کا انجام سوچ لیا جائے پھر اس انجام کو اجمالی طور پر یوں بیان فرمایا کہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی.

(کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ بیشک اللہ دیکھتا ہے) جب اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے اور اسے نماز پڑھنے والے اور نماز سے روکنے والے کی حالت کا علم ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ نمازی کو نماز کا ثواب ملے گا اور نماز سے روکنے والے کو روکنے کی سزا ملے گی اور عذاب ہوگا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا تو آپ ؐ نے ابوجہل کو جھڑک دیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا (کہ مجھے جھڑکتے ہو) میں پوری وادی کو گھوڑوں سے اور فوجی لوگوں سے بھر دوں گا اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا ۢ بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ.

(خبردار! اگر یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹ لیں گے جو پیشانی جھوٹی ہے خطا کار ہے)

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ (سو جب وہ عذاب میں مبتلا ہو اپنی مجلس والوں کو بلا لے)

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (ہم عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے) جن کے سامنے اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا' معالم التنزیل میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ زَبَانِيَة سے دوزخ کے فرشتے مراد ہیں جنہیں سورۃ التحریم میں غِلَاظٌ شِدَادٌ فرمایا ہے نیز حضرات ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو بلالیتا تو اللہ تعالیٰ کے زَبَانِيَة فرشتے اسے پکڑ لیتے لفظ زبانیہ زَبَنٌ سے ماخوذ ہے جو دفع کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ دوزخ پر مقررہ فرشتے دوزخیوں کو دھکے دے دے کر دوزخ میں ڈالیں گے اس لئے ان کو زبانیہ فرمایا۔

كَلَّا اس شخص کا ایسی حرکتیں کرنا اچھا نہیں ہے ان سے باز آ جائے۔

لَا تُطِعْهُ اے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ اس کی بات نہ مانیے نماز نہ چھوڑیئے اور ایمان اور اعمال خیر سے جو یہ روکتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے وَاسْجُدْ (اور اپنے رب کے لئے سجدہ کرتے رہئے) وَاقْتَرِبْ (اور اپنے رب کا قرب حاصل کرتے رہئے) اس میں خوب زیادہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا جس میں تکثیر سجدات کا حکم بھی آ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ کی حالت میں ہو لہٰذا تم خوب زیادہ دُعا کیا کرو۔ (رواہ مسلم ص ۱۹۱ ج ۱) حضرت ربیعہ ابن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ (نماز تہجد کے لئے) میں نے آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دوسری ضرورت کی چیزیں حاضر کر دیں آپ ؐ نے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں آپ ؐ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے کہا کہ میرا تو یہی مطلوب ہے آپ ؐ نے فرمایا اچھا تو اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو اور خوب سجدے کیا کرو (رواہ مسلم ص ۱۹۳ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس آگے بڑھنے نہیں دیتا اور صرف دُعا پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے تم بھی محنت کرو

میں بھی عاکرۂ نفس سستی کرے تو اس کی بات نہ ماننا خوب ہمت اور محنت کے ساتھ سجدوں کی کثرت کرتے رہنا' بندہ کے پاس اپنا عجز و نیاز اور تذلیل اور شان عبدیت کا عملی اقرار ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اپنے اشرف الاعضاء یعنی سر کو ارذل العناصر یعنی مٹی پر رکھ دے اور اپنے رب کریم کے حضور اپنی ذات کو بالکل ذلیل کر کے پیش کر دے' اسی لئے حضرات اکابر نے فرمایا ہے کہ نماز کے ارکان میں سب سے بڑا رکن سجدہ ہی ہے اور اسی لئے ہر رکعت میں قیام اور رکوع ایک ایک بار اور سجدہ دو بار ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آیات بالا ابوجہل لعین کی بے ادبی اور بدتمیزی اور گستاخی پر نازل ہوئیں' اس کے بارے میں جو لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ فرمایا ہے اس سے اس کی دنیا کی ذلت بھی مراد لی جا سکتی ہے بدر کی لڑائی میں وہ دیگر مشرکین کے ساتھ بڑے طمطراق اور فخر و غرور کے ساتھ آیا اور بری طرح مقتول ہوا اگر آیت کریمہ سے یہ دنیا مراد لی جائے تو پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے ذلیل کرنا مراد ہوگا اور روح المعانی میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اس کا سر کاٹ دیا اور خدمت عالی میں حاضر کرنے کے لئے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکے لہٰذا انہوں نے ابوجہل کے کان میں سوراخ کیا اور اس میں دھاگہ ڈال کر کھینچتے ہوئے لے گئے۔

اور آخرت کا عذاب اور وہاں کی ذلت مراد لی جائے تو وہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

سورۃ المؤمن میں فرمایا ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ.

(سو عنقریب جان لیں گے جبکہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں کھینچے جائیں گے پھر آگ میں جھوک دیئے جائیں گے)

اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ

(مجرمین کو ان کی پیشانیوں سے اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا)

نَاصِيَةِ (پیشانی) کو كَاذِبَةِ سے موصوف فرمایا اس سے پوری شخصیت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ہر ہر جز ہر ہر عضو جھوٹا اور خطا کار ہے۔

قال صاحب الروح ويفيد انه لشدة كذبه وخطائه كان كل جزء من اجزائه يكذب ويخطى. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جھوٹ کی شدت اور اس کی خطا کاری کی شدت کی وجہ سے ہے گویا کہ اس کے اجزاء میں سے ہر جز جھٹلاتا تھا اور انکار کرتا تھا)

اس سورت میں كَلَّا تین جگہ آیا ہے عربی میں یہ لفظ ردع یعنی جھڑکنے اور روکنے کے لئے آتا ہے اور کبھی کبھی حَقًّا کے معنی میں بھی آتا ہے پہلی جگہ حَقًّا کے معنی میں ہے اور دوسری تیسری جگہ زجر و توبیخ کے لئے لایا گیا ہے یعنی جس شخص کی یہ حرکتیں ہیں اسے ان حرکتوں سے بچنا لازم ہے

لَنَسْفَعًا مصاحف میں الف کے ساتھ مکتوب ہے جو صیغہ جمع متکلم بالام تاکید و نون خفیفہ ہے سَفَعَ يَسْفَعُ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے شدت کے ساتھ کھینچنا نون خفیفہ کو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اس پر وقف کریں گے تو الف ہی کے ساتھ وقف کیا جائے گا یعنی نون واپس نہیں آئے گا جیسا کہ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ میں نون خفیفہ کو تنوین کی صورت میں لکھا گیا ہے اس کے آخر میں بھی الف ہے' اس پر

بھی الف کے ساتھ وقف کیا جائے گا۔

فائدہ:۔ آیت کریمہ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے سے روکنا مسلمان کا کام نہیں ہے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ابوجہل نے کیا تھا جس پر سورۃ العلق کی آیات نازل ہوئیں بہت سے لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اپنی اولاد کو فرض نماز تک پڑھنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں میں لگا دیتے ہیں جس میں نماز فرض کے اوقات آ جاتے ہیں اور محکمے والے یا کمپنی والے نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے اگر کسی لڑکے کو اس کا احساس ہو کہ فرائض ضائع ہو رہے اور ماں باپ سے کہے کہ میں اس کام کو چھوڑتا ہوں تو کہتے ہیں ایک تو ہی رہ گیا ہے ملاّ بننے کے لئے؟ کتنی دنیا ہے جو نماز نہیں پڑھتی تو نے ہی نہ پڑھی تو کیا ہو جائے گا؟ (یہ نہیں سمجھتے کہ فرض نماز چھوڑنے والوں کے لئے دوزخ کا داخلہ ہے) اسی طرح کمپنیوں کے ذمہ دار بڑے بڑے تاجر نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ ملازمین کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اگر کوئی شخص نماز کی بات کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا نقصان ہوگا' قضاء نماز گھر جا کر پڑھ لینا' اول تو ایسی جگہ ملازمت کرنا ہی حرام ہے جہاں فرائض ضائع ہوتے ہیں اور ایسی کمپنیوں کا ذمہ دار بننا جن میں نماز پڑھنے کا موقع نہ دیا جائے یہ بھی حرام ہے لوگ دنیا کے نقصان کو دیکھتے ہیں نماز کی دینی دنیاوی برکات' آخرت کے فوائد اور عذاب سے نجات اور بے انتہا اجر و ثواب کو نہیں دیکھتے۔

بندۂ مؤمن کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں فریضوں کو انجام دے نہ یہ کہ نماز پڑھنے والوں کو نماز سے روک دے ایک نماز ہی پر کیا منحصر ہے شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہر گناہ سے روکنا لازم ہے ہر گناہ سے بھی روکیں اور نیکیوں کا بھی حکم کرتے رہیں اگر کوئی شخص حرام روزی کماتا ہو اور کوئی عالم بتا دے کہ یہ پیشہ حرام ہے اور فلاں کاروبار کی آمدنی حرام ہے اور کوئی نوجوان اس کو چھوڑنے لگے اور حلال کے لئے فکرمند ہو جائے تو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار اور دوست احباب اس سے کہتے ہیں کہ تجھے تقوے کا ہیضہ ہو گیا ہے دنیا میں کون ہے جو حلال کھا رہا ہے وغیرہ وغیرہ' حالانکہ دوسروں کے حرام کھانے سے اپنے لئے حرام کھانا حلال نہیں ہو جاتا **فَتَفَكَّرُوْا يَآ اَهْلَ الْاِسْلَام**.

فائدہ:۔ اس سورت کی آخری آیت میں سجدۂ تلاوت کی آیت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سجدہ پر فرمایا تھا: کما روی مسلم (ص ۲۱۵ ج ۱) عن ابی هُريرة قال سجدنا مع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ.

وھٰذا اٰخر تفسير سورة العلق' والحمد للّٰه الذی خلق والصلاة والسلام علٰی رسوله الذی صدع بالحق' من اٰمن به اطمئن من البخس والرھق.

مکی	سورۃ القدر	۵ آیتیں ۱ رکوع

آیاتہا ۵ (۹۷) سُورَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ (۲۵) رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں

الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں۔ وہ سراپا سلامتی ہے۔ وہ فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔

اوپر سورۃ القدر کا ترجمہ کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید نازل فرمانے کا اور شب قدر کی برکات کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا) قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں نازل ہوا پھر شب قدر میں نازل فرمانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام نے فرمایا کہ پورا قرآن مجید لوح محفوظ سے اتار کر سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں اتار دیا گیا' وہاں بیت العزت میں رکھ دیا گیا پھر جبرئیل علیہ السلام حسب الحکم تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس وحی کے طور پر لاتے رہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ.

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم ماہ رمضان میں نازل ہوا' چونکہ شب قدر رمضان میں ہوتی ہے اس لئے اس میں کوئی تعارض نہیں۔

شب قدر کی فضیلت بتاتے ہوئے اول تو سوال کے پیرایہ میں اس کی اہمیت بتائی اور فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ط (اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟)

اس کے بعد ارشاد فرمایا: لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ.

(شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہزار مہینے تک اعمال صالحہ میں مشغول رہے جن میں شب قدر نہ ہو اور کوئی شخص شب قدر میں مشغول عبادت رہے تو اس کا یہ عمل ہزار ماہ اعمال صالحہ میں لگے رہنے والے شخص سے افضل ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو فی

ع
الثالثۃ معانقہ ۱۸
۲۲ وقف النبی ﷺ

سبیل اللہ ہزار ماہ تک اپنے کاندھے پر جہاد کے لئے ہتھیار اٹھائے رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے پروردگار! آپ نے میری امت کو دوسری امتوں کے مقابلہ میں عمریں کم دی ہیں اور عمریں کم ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال بھی کم ہیں (ان کے لئے بھی زیادہ ثواب کی کوئی سبیل ہونی چاہئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۂ قدر نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۵۱۳ ج ۴)

ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور ۴ مہینے ہوتے ہیں' پھر شب قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا' کس قدر بہتر ہے' علم اللہ ہی کو ہے' مؤمن بندوں کے لئے شب قدر بہت خیر و برکت کی چیز ہے' ایک رات جاگ کر عبادت کرلیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کا ثواب پالیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے؟ اسی لئے تو حدیث شریف میں فرمایا

مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ

(یعنی جو شخص شب قدر سے محروم ہوگا (گویا) پوری بھلائی سے محروم ہوگیا اور شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو۔ (ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کرلینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے' چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کرلینا کوئی ایسی قابل ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو' تکلیف ذرا سی اور ثواب بہت بڑا' اگر کوئی شخص ایک پیسہ تجارت میں لگادے اور بیس کروڑ روپیہ کا نفع پائے اس کو کتنی خوشی ہوگی اور جس شخص کو اتنے بڑے نفع کا موقع ملا' پھر اس نے توجہ نہ کی اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پورا اور پکا محروم ہے۔

پہلی امتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں' اس امت کی عمر بہت سا بہت ۷۰'۸۰ سال ہوتی ہے' اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو شب قدر عطا فرمادی' اور ایک شب قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کردیا' محنت کم ہوئی' وقت بھی کم لگا اور ثواب میں بڑی عمر والی امتوں سے بڑھادیا' اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و انعام ہے۔

(فللّٰه الحمد علىٰ ماأعطى وأنعم وأكرم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو (یعنی ان راتوں میں محنت کے ساتھ لگو' ان میں سے کوئی نہ کوئی شب قدر ہوگی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۲)۔ کیونکہ بعض روایات میں ستائیسویں شب کا خصوصی ذکر آیا ہے اس لئے اس میں شب بیداری کرنا یعنی نماز اور تلاوت اور ذکر میں لگے رہنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھتے ہوئے نمازوں میں قیام۔ اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر میں قیام کیا یعنی نماز پڑھتا رہا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۳ از بخاری)

قیام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں کھڑا رہنے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریاء وغیرہ کسی طرح کی خراب نیت سے عبادت میں مشغول نہ ہو' بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت

سے عبادت میں لگا رہے، علماء نے فرمایا کہ ثواب کا یقین کر کے بشارت قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے، ثواب کا یقین اور اعتقاد جس قدر زیادہ ہو گا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قرب الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اس کا انہماک زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت زیادہ سرزد ہوتے ہیں، عبادت کا ثواب ملے اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جائے کس قدر نفع عظیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس میں کون سی دعا مانگوں؟ آپؐ نے فرمایا یوں دعا مانگنا اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

(اے اللہ! اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا مجھے معاف فرما دیجئے)

دیکھئے کیسی دعا ارشاد فرمائی، نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن، نہ دولت، کیا مانگا معافی! بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں اللہ کے معاف فرمانے سے کام چلے گا، اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور دولت و ثروت بیکار ہوگی، اصل شئی معافی اور مغفرت ہی ہے۔

لڑائی جھگڑے کا اثر:۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعیین میرے ذہن سے اٹھا لی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو۔ (رواہ البخاری)

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر برا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے شب قدر کی تعیین اٹھالی، یعنی کس رات کو شب قدر ہے، مخصوص کر کے اس کا علم جو دے دیا گیا وہ قلب سے اٹھا لیا گیا، اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امت کا فائدہ ہو گیا جیسا کہ انشاء اللہ ہم ابھی ذکر کریں گے، لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا، جس سے آپس میں جھگڑے کی مذمت کا پتہ چلا۔

شب قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح: .... علماء کرام نے شب قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کر کے یوں نہ بتانے کے بارے میں فلاں رات کو شب قدر ہے، چند مصلحتیں بتائی ہیں۔

اول:۔ یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور موجودہ صورت میں اس احتمال پر شاید آج ہی شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

دوسری:۔ یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معاصی یعنی گناہ کئے بغیر نہیں رہتے، تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت اندیشناک تھی۔

تیسری:۔ یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا، اور اب بشاشت کے ساتھ رمضان کی چند راتوں کی عبادت شب قدر کی تلاش میں

نصیب ہو جاتی ہے۔

چوتھی:۔ یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملتا ہے۔

پانچویں:۔ یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جل شانہ ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں اس صورت میں تفاخر کا موقع زیادہ ہے کہ باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال پر رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتے ہیں۔ جھگڑے کی وجہ سے خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلا دی گئی اور اس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین چھوڑ دی گئی۔ اس میں بھی امت کے لئے خیر ہی ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ.

(اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں)

الـمـلائکـه کے ساتھ الـروح بھی فرمایا جس سے جمہور علماء کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اسی لئے ترجمہ میں لفظ روح القدس اختیار کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے روح کا ترجمہ رحمت بھی کیا ہے مِنْ كُلِّ اَمْرٍ کی تفسیر کے بارے میں روح المعانی میں چند اقوال لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فرشتے اللہ کی طرف سے ہر طرح کی خیر و برکت لے کر نازل ہوتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت میں نازل ہوتے ہیں اور ہر وہ بندہ جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہا ہو ان سب پر رحمت بھیجتے ہیں پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے بطور فخر ان بندوں کو پیش فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اس مزدور کی کیا جزاء ہے جس نے اپنا عمل پورا کر دیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کی جزاء یہ ہے کہ اس کا اجر پورا دے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ میرے فرشتو! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرا فریضہ پورا کر دیا جو ان پر لازم تھا اور اب گڑگڑانے کے لئے نکلے ہیں قسم ہے میرے عزت و جلال اور کرم کی اور میرے علو و ارتفاع کی کہ میں ضرور ان کی دعا قبول کروں گا۔ پھر بندوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا لہٰذا اس کے بعد (عید گاہ سے) بخشے بخشائے واپس ہوتے ہیں۔ (بیہقی شعب الایمان)

سَلٰمٌ یہ رات سراپا سلامتی ہے پوری رات فرشتے ان لوگوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں جو اللہ کے ذکر و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ شب قدر پوری کی پوری سلامتی اور خیر والی ہے۔ اس میں شر نام کو نہیں ہے اس میں شیطان پر کسی کو برائی پر ڈال دے یا کسی کو تکلیف پہنچا دے اس کی طاقت سے باہر ہے۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ. (یہ رات فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ لیلۃ القدر رات کے کسی حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے شروع حصے سے لے کر صبح صادق ہونے تک برابر شب قدر اپنی خیرات اور برکات کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

فائدہ:۔ وجہ تسمیہ: لیلۃ القدر اس نام سے کیوں موسوم کیا گیا؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں عبادت گزاروں کا شرف بڑھتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے اعمال کی قدر دانی بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے شب قدر کہا گیا)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ اس رات میں تمام مخلوقات کا نوشتہ آئندہ سال کے اسی رات کے آنے تک فرشتوں کے حوالے کر

دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں اس لئے اس کو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس میں ہر انسان کی عمر اور مال اور رزق اور بارش وغیرہ کے مقادیر مقررہ فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہے، محققین کے نزدیک چونکہ سورۃ دخان کی آیت فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ کا مصداق شب قدر ہی ہے اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال پیش آنے والے امور کا اس رات میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

شب قدر کی پندرہویں شب جسے لیلۃ البرأت کہا جاتا ہے اس کی جو فضیلتیں وارد ہوئی ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ بھی ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کون سا بچہ پیدا ہوگا اور کس آدمی کی موت ہوگی اور اس رات میں بنی آدم کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح (ص ۱۱۵) میں یہ حدیث کتاب الدعوات للامام البیہقی سے نقل کی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شب قدر اور شب برأت کے فیصلوں کے بارے میں توجیہہ کی ہے کہ ممکن ہے کہ واقعات شب برأت میں لکھ دیئے جاتے ہوں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہوں۔ صاحب بیان القرآن نے سورۂ دخان کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے احتمال کے لئے ثبوت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:۔ چونکہ شب قدر رات میں ہوتی ہے اس لئے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف اوقات میں ہو تو اس سے کوئی اشکال لازم نہیں ہوتا کیونکہ بمشیت الٰہی ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر ہوگی وہاں اس رات کی برکات حاصل ہوں گی۔

فائدہ:۔ جس قدر ممکن ہو سکے شب قدر کو عبادت میں گزارے، کچھ بھی نہیں تو کم از کم مغرب اور عشاء اور فجر کی نماز تو جماعت سے پڑھ ہی لے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات نماز میں قیام کیا اور جس نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھ لی گویا اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔ (رواہ مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

وهذا اٰخر تفسير سورة القدر والحمد للّٰه الذى اكرم هٰذه الامة بها وانعم عليها والصلوٰة والسلام علٰى سيد الرسل الذى انزلت عليه وجاء بها وعلٰى اٰله وصحبه ومن عمل بها.

مدنی	سورۃ البیّنۃ	۸ آیتیں ا رکوع

ایاتہا ۸ (۹۸) سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۰۰) رکوعہا ۱

سورۂ بیّنہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا

جو لوگ کافر تھے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی ' اللہ کا رسولؐ جو پاک

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

صحیفے پڑھ کر سنا دے جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔ اور جو لوگ اہل کتاب تھے وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی

الْبَیِّنَةُ ۝۴ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا

ے بعد مختلف ہو گئے حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی لئے خاص رکھیں' یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ۝۵

دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا۔

یہاں سے سورۃ البیّنہ شروع ہو رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں مشرکین بھی تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی تھے' یہ سب جماعتیں اپنے اپنے دین پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ' نے خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا یہ لوگ اتنے اڑیل تھے کہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کوئی مضبوط واضح دلیل سامنے نہ آ جائے' اللہ تعالیٰ جل شانہ نے واضح دلیل بھیجی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے آپؐ پر قرآن نازل ہوا' لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کے معجزات دیکھے اور برکات کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ اپنے کفر سے جدا ہونے والے نہ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس بیّنہ یعنی گواہ آ گئے ان گواہوں نے ثابت کر دیا کہ تم لوگ کفر و شرک پر ہو تمہاری نجات کا راستہ اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو' یہ گواہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہے اور وہ صحیفے بھی ہیں (یعنی انبیاء متقدمین علیہم الصلاۃ والسلام کی کتابیں) جن پر قرآن مجید مشتمل ہے نیز ان سے قرآن مجید

کی سورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں' ان صحیفوں کی تعریف میں مُطَھَّرَۃٌ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہر طرح کی کذب اور جھوٹ سے پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان صحیفوں میں کتب قیمہ یعنی آیات اور احکام ہیں اور جو اس میں مکتوب ہیں اور صحف قیمہ عدل وانصاف والے احکام اور صراط مستقیم والے قوانین ہیں جیسا کہ سورۃ الزمر میں فرمایا:

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ٭

(عربی قرآن میں ذرا کجی نہیں تا کہ یہ لوگ ڈریں)

قرآن کے جن مخاطبوں کو ہدایت قبول کرنا تھا انہوں نے ہدایت قبول کر لی (ان میں اہل کتاب بہت کم تھے) اور جنہیں ہدایت قبول کرنا نہ تھا وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان نہ لائے کھلی ہوئی دلیل سامنے آنے کے باوجود اپنی جگہ منکر ہی رہ گئے اور ان میں دو جماعتیں ہوگئیں' آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہود و نصاریٰ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ آپ کی بعثت ہونے والی ہے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو متفرق ہوگئے یعنی ایک جماعت آپ پر ایمان لے آئی جن کی تعداد تھوڑی سی تھی اور دوسرا فریق جو کثیر تعداد میں تھے وہ لوگ انکار پر ہی جمے رہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا (الآیۃ) اور مشرکین اور کفار کو صرف یہی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے لئے توحید میں بھی مخلص رہیں اور دیگر عبادات میں بھی اور دین اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے بچ کر اور ہٹ کر رہیں ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا کہ نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں اور یہ جو کچھ انہیں حکم دیا گیا وہ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ہے یعنی ایسی شریعت کے احکام ہیں جو بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی کجی نہیں یہی دین سارے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا دین ہے سب نے اسی کو تعلیم دی یہود و نصاریٰ خود بھی اس بات کو جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے حق کو جانتے ہوئے قبول نہ کیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۞

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۞ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں' ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۞

ع ۱ / ۸ / ۲۳

جنکے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ اس شخص کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

شرک و کفر کی مذمت اور توحید کا حکم بیان فرمانے کے بعد آخر کی تین آیتوں میں ہر دو فریق کا انجام بتایا ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ.

اس میں اہل یہود و نصاریٰ مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے' آگ میں جلیں گے ساتھ ہی ان کے بارے میں شَرُّ الْبَرِیَّۃِ بھی فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا فرمائی ہے یہ ان میں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔

انسانوں میں بہت بڑی تعداد میں وہ لوگ بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو نہ اہل کتاب ہیں اور نہ مشرک ہیں یعنی وہ کسی معبود کے

قائل ہی نہیں ہیں نہ موحد ہو کر اور نہ مشرک بن کر' اور ان میں وہ بھی ہیں جو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود ہی کے قائل نہیں اور ملحد اور زندیق بھی ہیں' جن کا کوئی دین نہیں یہ سب لوگ بھی اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا مصداق ہیں یعنی کافر ہیں' ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی نبی پر ایمان نہ لایا یا خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا یہ سب لوگ بھی کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام کے علاوہ کوئی دین مقبول نہیں ہے اور دین اسلام کا ہر منکر کافر ہے' سورۂ نساء میں فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝

(اے لوگو! تمہارے پاس رسول آ گیا حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے' تم اس پر ایمان لاؤ اور اپنی جانوں کے لئے خیر کا ارادہ کرو اور اگر تم کفر اختیار کرو تو بے شک اللہ کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمان میں اور زمین میں ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے)

سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

(اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ حال لوگوں میں سے ہوگا)

پھر سورۂ آل عمران میں (چند آیات کے بعد فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ جان چھڑانے کے لئے دینا چاہے' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا)۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ دین اسلام کا ہر منکر کافر ہے' اسلام کے جھوٹے دعوے دار منافق بھی کافر ہیں کیونکہ دل سے اسلام کے منکر ہیں یہ لوگ اگر کفر پر مر گئے تو ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہوگا اس میں ہمیشہ رہیں گے جو حال منکرین اسلام اہل کتاب اور مشرکین کا ہوگا وہی دوسرے کافروں کا بھی ہوگا دوزخ میں ہمیشہ کے لئے جانے والے کو شَرُّ الْبَرِیَّةِ سب سے زیادہ بدترین مخلوق بتایا ہے کیونکہ دنیا میں مخلوق نے اپنے خالق اور مالک کو نہ پہچانا اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول نہ کیا یہ لوگ آخرت میں بدترین عذاب میں ہوں گے جس سے کبھی بھی چھٹکارہ نہ ہوگا اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بھی بدترین اور انجام کے اعتبار سے بھی بدترین ہوں گے۔

پھر اہل ایمان اور اعمال والے بندوں کے لئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ.

(بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے یہ لوگ (خیر البریہ) ہیں یعنی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ

(ان لوگوں کی جزا انکے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جو رہنے کے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔)

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت بھی راضی تھا جب دنیا میں تھے اور عالم آخرت میں بھی ان سے راضی ہوگا۔

وَرَضُوْا عَنْهُ. (اور جو بندے جنت میں داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ سے راضی ہونگے)۔

انہیں اتنا ملے گا اتنا ملے گا کہ ان کے تصور سے باہر ہوگا اور وہ اس سب پر بہت بڑی خوشی کے ساتھ راضی ہوں گے کوئی طلب اور تمنا نہ رہے گی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے کہ اے رب ہم حاضر ہیں اور فرمانبرداری کے لئے موجود ہیں اور ساری خیر آپ ہی کے قبضے میں ہے! پھر ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب ہم کیوں راضی نہ ہوں گے آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی کو بھی نہیں دیں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ خبردار میں تم پر ہمیشہ کے لئے اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہوں گا ۔ (رواہ البخاری ص۹۶۹ ج۲)

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (یہ نعمتیں اس کے لئے ہیں جو اپنے رب سے ڈرا)

یعنی اس نے اپنے رب کی شان خالقیت اور شان ربوبیت اور شان انتقام کو سامنے رکھا اور اس بات کو بھی سامنے رکھا کہ قیامت کا دن ہوگا اس دن ایمان اور کفر کے فیصلے ہوں گے رب تعالیٰ شانہ منکرین کا مؤاخذہ فرمائے گا اور عذاب میں داخل کرے گا لہٰذا مجھے اسی دنیا میں رہتے ہوئے صاحبِ ایمان اور صاحبِ اعمال صالحہ ہونا چاہئے جب دنیا میں فکرمند ہوا اور اپنے رب سے ڈرتا رہا تو قیامت میں جا کر نعمتیں پالے گا جن کا اوپر ذکر ہوا۔

واللّٰہ المستعان علی کل خیر

☆☆☆..................☆☆☆

مدنی	سورۃ الزلزال	۸ آیتیں ۱ رکوع

سورۂ زلزال مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾

جب زمین میں زور دار زلزلہ آ جائے گا اور زمین اپنے بوجھوں کو نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا

اس دن وہ اپنی خبریں بیان کر دے گی، اس وجہ سے بیشک تیرا رب اس کو حکم فرما دے گا، اس دن لوگ واپس ہوں گے مختلف جماعتیں بن کر تا کہ انہیں ان کے

أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾ ع

اعمال دکھائے جائیں، سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہو گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ سورۃ الزلزال کا ترجمہ ہے لفظ زلزال اور زلزلہ دونوں سخت جھٹکا کھانے اور سخت حرکت کرنے کے معنی میں آتے ہیں دونوں باب فعللہ (رباعی مجرد) کے مصادر ہیں زِلْزَالَهَا مفعول مطلق ہے جو تاکید اور بیان شدت کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں فرمایا وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا. یہاں بھی قیامت کے زلزلے کو بیان فرمایا ہے یہ زلزلہ بہت زیادہ سخت اور شدید ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ.

(اے لوگو! بے شک اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے)

وہ زلزلے دنیا والے زلزلوں جیسا نہیں کہ دو چار شہروں میں آ گیا وہ تو پوری زمین کو جھنجوڑ کر رکھ دے گا۔ اس وقت کی سخت مصیبت کو سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ.

(جس روز تم اس کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور لوگ تجھے نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز)

اتنے بڑے سخت زلزلہ کے بعد میدان حشر میں حاضری ہوگی۔ سب قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لئے جمع کئے جائیں گے اب زمین اپنے اندر کے دفینوں کو نکال دے گی جسے وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا میں بیان فرمایا ہے مردے بھی باہر آ جائیں گے اور اموال بھی یہ سب اموال کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے جن پر دنیا میں لڑائیاں لڑا کرتے تھے اور لوگوں کی جانیں لیتے تھے میدان حشر میں لوگ جمع ہوں گے اعمال نامے پیش ہوں گے۔ گواہیاں ہوں گی انہی گواہیاں دینے والوں میں زمین بھی ہوگی جسے یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا میں بیان فرمایا ہے۔

انسان یہ حالت دیکھ کر حیران رہ جائے گا اور کہے گا کہ مَالَهَا ہائے ہائے اس زمین کو کیا ہوا یہ تو بے جان چیز تھی نہ بولتی تھی نہ کسی سے بات کرتی تھی آج تو باتیں کر رہی ہے، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا زمین کا یہ بات کرنا اس لئے ہے کہ اس کے رب نے اسے حکم دیا ہے اور بولنے کی قوت اور طاقت دے دی ہے (جیسے انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے ایسے ہی زمین گواہی دے دے گی جس پر سکونت اختیار کئے ہوئے تھے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا تلاوت فرمائی۔ پھر صحابہؓ سے خطاب کر کے فرمایا تم جانتے ہو اس کا خبر دینا کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ ہر بندہ اور بندی کے بارے میں ان اعمال کی گواہی دے گی جو اعمال اس کی پشت پر کئے تھے وہ کہے گی کہ فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا' زمین کی خبریں دینے کا یہ مطلب ہے۔ (رواہ الترمذی فی اواخر ابواب التفسیر)

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ (الآیۃ) قیامت کے دن پیشیوں اور حساب کتاب سے فارغ ہو کر لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہوں گے۔ متفرق جماعتوں میں بٹ کر چلیں گے، ان میں سے جنت والے داہنے ہاتھ کو روانہ ہو جائیں گے اور دوزخ والے بائیں طرف کے راستہ پر چل پڑیں گے لفظ اشتاتا میں مختلف جماعتیں بیان کرنا مقصود ہے' یہ شتیت کی جمع ہے جو متفرق کے معنی میں آتا ہے اس کو سورۃ الروم میں وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ میں بیان فرمایا ہے اور سورۃ الزمر کی آیات وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ میں بیان فرمایا ہے' وہ دن کیسا ہیبت ناک ہوگا جب ایمان و کفر کی بنیاد پر بٹوارہ ہوگا' دنیا میں جو مومن اور کافر' فاجر اور متقی ملے جلے رہتے تھے' یہ میل جل کر رہنے کی حالت ختم کر دی جائے گی اور ارشاد ہوگا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ.

(اور اے مجرمو! آج جدا ہو جاؤ)

لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ میں یہ بتا دیا کہ میدان حشر سے آگے اپنے مقام میں جانے کے لئے جو روانگی ہوگی وہ اپنے اپنے اعمال کی جزا سزا دیکھنے کے لئے ہوگی۔

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی (گو وہ تفصیل بھی اجمال کو لئے ہوئے ہے جو بڑی محکم اور فیصلہ کن بات کرنے والی ہے) ارشاد فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ.

(سو جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی خیر کا کام کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جنت میں نعمتوں سے نوازا جائیگا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. (اور جس شخص نے ایک ذرہ برابر کوئی شر (یعنی برائی) کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا) یعنی اس کی سزا پالے گا اپنے کئے کا انجام دیکھ لے گا۔

ان دونوں آیتوں میں خیر اور شر اور اصحاب خیر اور اصحاب شر کے بارے میں دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے ایمان ہو یا کفر' اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال سب کچھ سامنے آ جائے گا۔ لہٰذا کوئی کسی بھی نیکی کو نہ چھوڑے خواہ کتنی بھی معمولی معلوم ہو اور کسی بھی برائی کا ارتکاب نہ کرے

خواہ کتنی ہی معمولی ہو

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اموال زکوٰۃ کے نصاب بیان فرمائے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کو قیامت کے دن کا عذاب بتایا آخر میں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمایئے اگر کسی کے پاس گدھے ہوں۔ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ آپؐ نے فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم (خصوصی) نازل نہیں کیا گیا یہ آیت جو اپنے مضمون میں منفرد اور جامع ہے نازل کی گئی ہے یعنی فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (رواہ البخاری ص ۱۴۱ و مسلم ص ۳۱۹ ج ۱)

مؤمن بندوں کو کسی موقع پر بھی ثواب کمانے سے (اگر چہ تھوڑا ہی سا عمل ہو) غفلت نہیں برتنی چاہئے جیسا کہ گناہ سے بچنے کی فکر بھی لازم ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کا ہمیشہ یہی طرز رہا ہے' جس قدر بھی ممکن ہو جانی اور مالی عبادت میں لگے رہیں' اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کریں' اگر ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنے کا موقع مل جائے تو کہہ لیں۔ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کرنے کا موقع ہو تو اس کی تلاوت کرنے سے دریغ نہ کریں۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتقوا النَّارَ وَلو بشقّ تمرةٍ فمن لم يجد فبكلمةٍ طيبةٍ.

(دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو' سو اگر وہ بھی نہ پاؤ تو بھلی بات ہی کہہ دو (رواہ البخاری ص ۱۷۱ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبے میں فرمایا۔خبردار! یہ دنیا ایسا سامان ہے جو سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک اور بد سب کھاتے ہیں پھر فرمایا خبردار آخرت (اگر چہ ادھار ہے) اس کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو قدرت والا ہے' پھر فرمایا خبردار ساری خیر پوری کی پوری جنت میں ہوگی اور خبردار شر یعنی برائی پوری کی پوری دوزخ میں ہوگی۔پھر فرمایا کہ خبردار عمل کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کئے جاؤ گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.

(سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا)

(رواہ الشافعی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵)

ہر مؤمن کے سامنے سورۃ الزلزال کی آخری دونوں آیات پیش نظر رہنی چاہئیں خیر میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ہلکے سے ہلکے کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ معمولی گناہوں سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اعمال کے لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں)۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ بعض ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں' یعنی انہیں تم معمولی سا گناہ سمجھتے ہو اور ہمارا یہ حال تھا کہ ہم انہیں ہلاک کرنے والی چیزیں سمجھتے تھے۔(رواہ البخاری ص ۹۶۱ ج ۲)

فضیلت: ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ اِذَا

زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب فضائل القرآن)

وھٰذا اٰخر تفسير سورة الزلزال والحمد لله الكبير المتعال والصلاة والسلام عن من جاء بالحسنات والصالح من الاعمال، وعلٰى من صحبه وتبعه باحسان الٰى يوم المآل

☆☆☆..................☆☆☆
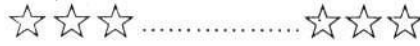
مکی	سورۃ العادیات	۱۱ آیتیں ۱ رکوع

آیاتہا ۱۱ — (۱۰۰) سُورَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۱۴) — رکوعہا ۱

سورۃ العادیات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑنے والے ہیں ہانپتے ہوئے، پھر ٹاپ مار کر آگ جلانے والے ہیں، پھر صبح کے وقت غارت گری کرنے والے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں،

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۝۷

پھر اس وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں، بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور بے شک وہ اس بات پر گواہ ہے،

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝۸ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِی

اور بے شک وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے کیا وہ نہیں جانتا جب وہ اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں اور جو کچھ سینوں میں ہے اسے ظاہر

الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝۱۱

کیا جائے گا۔ بے شک ان کا رب ان سے اس دن پوری طرح ضرور باخبر ہوگا۔

یہ سورۃ العادیات کا ترجمہ ہے۔ اس میں گھوڑوں کی پانچ حالتوں کی قسم کھا کر انسان کا ناشکرا ہونا بتایا ہے۔ عَادِیَات سے دوڑنے والے گھوڑے اور ضَبْحًا سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو دوڑتے وقت ہانپتے ہیں، لفظ فعل محذوف سے تَضْبَحُ کا مفعول مطلق ہے اور اَلْمُوْرِیَاتِ اَوْرٰی یُوْرِیْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ آگ جلانے کا ہے اور قَدْحًا اس کا مفعول ہے، چقماق کو ایک دوسرے پر مار کر آگ لگانے کو قَدْح کہا جاتا ہے، دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے ہانپنے والے ہیں جو چلتے ہوئے آگ جلانے والے ہیں، یعنی جس طرح چقماق سے آگ نکلتی ہے اسی طرح ان کے پاؤں مارنے سے آگ نکلتی ہے (خاص کر جن میں لوہے کے نعل لگے ہوئے ہوتے ہیں)۔

فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا.

(پھر یہ گھوڑے صبح صبح غارت گری ڈالنے والے ہیں پھر اپنے کھروں سے غبار اڑانے والے ہیں اَثَرْنَ اَثَارَ یُثِیْرُ سے ماضی معروف

جمع مؤنث کا صیغہ ہے اور نَقْعًا اس کا مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ یہ گھوڑے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں تو ان کے پاؤں سے غبار اڑتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا. (پھر یہ گھوڑے کسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں) اہل عرب کے نزدیک گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی۔ ان کا تو کام یہی تھا کہ باہم لڑتے رہتے تھے اور بڑے قبیلے چھوٹے قبیلوں پر صبح صبح کو غارت گری ڈالتے تھے یعنی رات کو رکے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو جہاں حملہ کرنا ہوتا وہاں حملہ کر دیتے تھے، اموال لوٹ لیتے تھے اور جو کوئی سامنے آتا اسے قتل کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی اور انہیں یاد دلائی کہ دیکھو ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں ایسے ایسے جاندار جنگوں میں کام آنے والے گھوڑے بھی دیئے ہیں، دوسری نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے اس شکر میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ (آپ پر ایمان لانے سے پہلے گھوڑوں کو غلط استعمال کرتے رہے تو اب اس کا رخ بھی بدل جائے گا اور یہ گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں استعمال ہونے لگیں گے) **هذا ما سنح في قلبي في ربط القسم به و المقسم به و اللّٰه تعالٰى اعلم باسرار كتابه.** (یہ وہ ہے جو میرے دل میں قسم اور مقسم بہ کے درمیان ربط کے بارے میں آیا ہے باقی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار کو خوب جانتا ہے)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کے گھوڑے مراد ہیں۔ (کما فی روح المعانی) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے حج میں کام آنے والے گھوڑے مراد ہیں جو عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے تھے (**واعترض على هذين القولين بان السورة مكية ولم يكن في ذلك الحين جهادا ولا حج، ولم يفرض اى واحد منهما في مكة المكرمه**)۔ (اور ان دونوں قولوں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سورت مکی ہے اور اس وقت نہ جہاد تھا نہ حج اور نہ ان میں سے کوئی فرض ہوا تھا)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. (بلاشبہ انسان اپنے رب کا واقعی بڑا ناشکرا ہے)۔

لفظ کَنُوْدٌ کا ترجمہ کَفُوْر (یعنی بہت ناشکرا کیا گیا ہے) اس کے علاوہ اور بھی بعض تفسیریں کی گئی ہیں حضرت ابوعبیدہ نے اس کا مطلب قلیل الخیر بتایا ہے حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ کنود وہ شخص ہے جو مصیبتوں کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے (من معالم التنزیل ص ۵۱۸ ج ۴)

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ (اور بلاشبہ انسان اس بات پر گواہ ہے) یعنی وہ اپنی ناشکری کے حال سے واقف ہے۔ جو جانتا ہے میں کیسا ہوں اور کیا کیا کرتا ہوں۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (اور بے شک وہ حب الخیر یعنی مال کی محبت میں بڑا سخت اور مضبوط ہے) مال دینے سے اور خرچ کرنے سے اس کا دل دکھتا ہے۔ ہاتھ آگے ہونے کے لئے بڑھتا ہی نہیں اور مال جمع کرنے میں بہت تیز ہے اور آگے آگے ہے۔

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ.

(کیا انسان کو اس وقت کا علم نہیں ہے جب قبروں والے اٹھائے جائیں گے)

یعنی مردہ زندہ ہو کر نکلیں گے (يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا) اور دلوں میں جو کچھ ہے وہ ظاہر کر دیا جائے گا، انسان کو یہ وقت جان لینا چاہئے اور نہیں جانتا تو اب جان لے اور وہ یہ سمجھ لے کہ مال کے بارے میں خالق کائنات جل مجدہ نے بہت سے احکامات عطا فرمائے ہیں، ان کی خلاف ورزی پر پکڑ ہوگی۔

وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ اور سینوں میں جو کچھ چھپا رکھا ہے وہ سب ظاہر کر دیا جائے گا جو کوئی گناہ بری نیت مال کی محبت دنیا کی الفت دل میں چھپائے ہوئے تھے قیامت کے دن سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ یوں آج بھی اسی دنیا میں ہر ایک کے احوال اور اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ پوری طرح سب حالات سے باخبر ہے چونکہ وہ حساب کا دن ہوگا اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو اس دن پوری طرح بندوں کے حالات کی خبر ہوگی نیز بندوں پر بھی ان کے اعمال واضح ہو جائیں گے جسے گزشتہ سورت کے آخر میں واضح فرمایا۔

والحمد للّٰہ تعالیٰ علی ماانعم واکرم من الآلاء والنعم

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ القارعہ	۱۱ آیتیں ارکوع

آیَاتُهَا ۱۱ (۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰) رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ القارعہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

وہ کھڑکھڑانے والے چیز کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز۔ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح

الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہو گا وہ خوشی والی زندگی

رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

میں ہو گا۔ جس شخص کا پلہ ہلکا ہو گا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے' ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

یہ سورۃ القارعہ کا ترجمہ ہے۔ القارعہ قرع یقرع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے کھڑکھڑانے والی چیز جب قیامت قائم ہوگی تو لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں، کاروباری دھندوں میں لگے ہوں گے۔ کوئی سورہا ہوگا' کوئی جاگ رہا ہوگا وہ بَغْتَةً یعنی اچانک آجائے گی۔ زمین پر جو زندہ لوگ ہوں گے اور زمین کے اندر جو مردے ہوں گے سب ہی کو کھڑکھڑا دے گی' ذہنوں میں اس کی اہمیت بڑھانے کے لئے اول فرمایا اَلْقَارِعَةُ (کھڑکھڑانے والی چیز) پھر فرمایا مَا الْقَارِعَةُ (کیا ہے کھڑکھڑانے والی) اس میں بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے اور حقیقت میں سب انسان اس کے مخاطب ہیں۔

قیامت کی کھڑکھڑاہٹ بیان کرتے ہوئے انسانوں کے اور پہاڑوں کے بعض حالات بیان فرمائے ارشاد فرمایا: یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ط

یعنی قیامت کا ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ انسان حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ایسے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے جیسے پروانے روشنی کے آس پاس منتشر نظر آتے ہیں' ان میں کوئی ٹھہراؤ اور جماؤ نہیں ہوتا' یہاں سورۃ القارعۃ میں کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ اور سورۃ القمر میں کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (گویا کہ وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی) فرمایا پھر پہاڑوں کا حال بتایا وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور پہاڑ جو زمین پر سب سے بڑی اور بوجھل اور بھاری چیز سمجھے جاتے ہیں قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اون کی طرح اڑتے ہوئے

پھریں گے اور اون بھی وہ جسے کسی دھننے والے نے دھن دیا ہو جب پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو زمین پر بسنے والی دوسری مخلوق کا کیا حال ہوگا اسی کو سورۃ الواقعہ میں فرمایا:

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا

(اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے سو وہ پھیلا ہوا غبار بن جائیں گے) اور سورۃ التکویر میں فرمایا ہے

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جبکہ پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا)

لفظ العھن رنگین اون کے لئے بولا جاتا ہے یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ پہاڑوں کے حسب حال یہ لفظ لایا گیا ہے کیونکہ وہ عموماً رنگین ہوتے ہیں اور یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اُون جانوروں کی پشتوں سے کاٹ کر حاصل کیا جاتا ہے اور وہ عموماً کالے یا لال یا کتھئی رنگ کے ہوتے ہیں اس لئے جانب مشبہ بہ کی حالت کے مطابق لفظ العِھْن (رنگین اون) لایا گیا انسانوں اور پہاڑوں کی حالت بیان کرنے کے بعد (جو قیامت کے دن ہوگی) میدان حشر میں حاضر ہونے والوں کے حساب کتاب اور حساب کتاب کے نتائج کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ

(پھر جس شخص کا پلّہ بھاری ہوگا وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا یعنی جنت میں جائے گا)

ایسے حضرات کو ایسی زندگی ملے گی جس سے راضی اور خوش ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رَاضِيَةٌ بمعنی مَرْضِيَّةٌ ہے جیسا کہ وَرَضُوْا عَنْهُ کی تفسیر میں بیان کیا گیا کہ اہل جنت اپنی نعمتوں سے پوری طرح دل و جان سے راضی ہوں گے اور اپنی زندگی کو بہت ہی عمدہ طیبہ جانتے اور مانتے ہوں گے کسی قسم کی کوئی تکلیف اور ناگواری انہیں محسوس نہ ہوگی اپنے احوال اور نعمتوں میں خوش اور مگن ہوں گے۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ

(اور جن لوگوں کے وزن ہلکے پڑ گئے یعنی برائیاں نیکیوں پر بھاری ہوگئیں ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا)

ہاویہ کے بارے میں سوال فرمایا فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ (اے مخاطب! تجھے کیا معلوم ہے ہاویہ کیا ہے؟ یہ سوال دوزخ کی عظیم مصیبت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا پھر خود ہی جواب میں فرمایا نَارٌ حَامِيَةٌ (کہ وہ آگ ہے خوب گرم تیز) وزن اعمال کے بارے میں سورۃ الاعراف کی آیت وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ کے ذیل میں ہم پوری تفصیل لکھ چکے ہیں۔ مختلف علمائے تفسیر کے اقوال بھی وہاں لکھ دیئے ہیں مطالعہ کر لیا جائے۔ سورۂ کہف کی آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا اور سورۃ المؤمنون کی آیت فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

سورۃ القارعہ میں جو وزن اعمال کا ذکر ہے اگر اس سے ایمان اور کفر کا وزن مراد لیا جائے (جیسا کہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ پہلے ایمان اور کفر کو تولا جائے گا۔ پھر جب مؤمن اور کفار کا امتیاز ہو جائے گا تو خاص مؤمنین کے اعمال کا وزن ہوگا) تو اس صورت میں عيشةٍ راضيةٍ والوں سے اہل ایمان اور اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ والوں سے اہل کفر مراد ہوں گے بظاہر آیت سے یہی متبادر ہوتا ہے یہ ان حضرات کے قول کے مطابق ہے جنہوں نے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کا یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے اعمال بالکل تولے ہی نہ جائیں گے اور اہل ایمان کے اوزان مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جن مؤمنین کے اعمال صالحہ بھاری ہوں گے گناہوں کا پلّہ ہلکا رہ جائے گا وہ امن اور چین کی زندگی میں ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا (اور برائیوں کا پلڑا نیکیوں کے مقابلے میں بھاری ہو جائے گا) وہ دوزخ

میں جائیں گے پھر اللہ کی مشیت کے مطابق سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس کی نیکیاں غالب ہوں گی وہ جنت میں داخل ہوگا اگر چہ برائیوں کے مقابلہ میں ایک ہی نیکی زیادہ ہو اور جس کی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا اگر چہ ایک ہی گناہ زیادہ نکلے گا اس کے بعد انہوں نے سورۃ الاعراف کی دونوں آیتیں فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آخر تک) تلاوت کیں اس کے بعد فرمایا کہ ترازو ایک حبہ کے برابر بوجھ کے ذریعہ بھی بھاری اور ہلکی ہو جائے گی۔ پھر فرمایا جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا ان کو اعراف میں روک دیا جائے گا (پھر یہ اعراف والے بھی بعد میں جنت میں چلے جائیں گے) اور جو لوگ گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ بھی شفاعت سے یا سزا بھگت کر یا محض اللہ کے فضل سے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے کیونکہ کوئی مؤمن ہمیشہ نہ دوزخ میں رہے گا نہ اعراف میں کما هو المقرر عند اهل السنة والجماعة۔

اہل دوزخ کے لئے فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ فرمایا یعنی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا ام عربی میں ماں کو کہتے ہیں اس میں یہ بتادیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذوق رکھنے والے دنیا میں گناہوں سے ہی چپکے رہتے ہیں جیسے ماں اپنے بچوں سے چمٹی رہتی ہے اسی طرح دوزخ ان سے چمٹ جائے گی لفظ هاویه هوی یهوی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کا معنیٰ ہے گہرائی میں گرنے والی چیز، دوزخ کی گہرائیوں میں تو انسان گریں گے لیکن دوزخ کو هاویة سے تعبیر فرمایا یہ استعمال مجازی ہے جو ظرف کے معنیٰ میں ہے۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ پتھر کو دوزخ کے منہ سے اندر پھینکا جائے تو وہ ستر سال تک گرتا رہے گا پھر بھی اس کی آخری گہرائی کو نہ پہنچے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۷ از مسلم)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہے بلکہ ماهی میں ہائے سکتہ ملحق کر دی گئی ہے اور نَارٌ حَامِيَةٌ جو فرمایا ہے یہ حَمٰى يَحْمِىْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو سخت گرمی پر دلالت کرتا ہے۔

ادخلنا اللّٰہ تعالیٰ جنتہ واعاذنا من نارہ

☆☆☆..........................☆☆☆

مکی	سورۂ التکاثر	۸ آیتیں ارکوع

(ایاتہا ۸) (۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶) (رکوعہا ۱)

سورۂ تکاثر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴

تم کو کر دیا کثرت کے مقابلہ نے غافل۔ یہاں تک کہ تم نے قبرستانوں کی زیارت کر لی۔ ہر گز نہیں۔ تم عنقریب جان لو گے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷

پھر ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے۔ ہرگز نہیں اگر تم علم الیقین کے طور پر جان لیتے۔ تم ضرور ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر یہ ضروری بات ہے کہ تم اسے عین الیقین کے طریقہ پر دیکھ لوگے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال کیا جائے گا

ع ۱ ۸ ۲۷

یہ سورۃ التکاثر کا ترجمہ ہے لفظ تکاثر کثرت سے تفاعل کا مصدر ہے' یہ باب دونوں طرف سے مقابلہ کرنے کے معنی میں آتا ہے جیسے تَقَاتَلَ دونوں سے آپس میں مل کر قتال کیا اور تَقَابَلَ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے آئے' یہاں پر مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے کا تذکرہ ہے' اہل دنیا کا طریقہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لئے کوششیں کرتے ہیں اور جس کے پاس زیادہ مال ہو جائے وہ اس پر فخر کرتا ہے' پھر دوسرا شخص اس کے مقابلے میں اپنے مال کی کثرت بیان کرتا ہے اور اگر بیان نہ کرے تو ذہنی مقابلہ تو رہتا ہے اس کو سورۃ الحدید میں یوں بیان فرمایا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ.

(جان لو کہ دنیا والی زندگی لعب اور لہو ہے اور سجاوٹ ہے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کرنا ہے اور اموال و اولاد میں آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بتانا ہے)

مال کی طلب اور کثرت مال کی مقابلہ بازی لوگوں کو اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف اور موت کے بعد زندگی کے لئے فکر مند ہونے سے غافل رکھتی ہے' اسی طرح دنیا گزارتے ہوئے مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں غفلت کی زندگی گزاری تھی' وہاں کے لئے کچھ کام نہ کیا تھا، جب وہاں کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ چھوڑا ہوا مال کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہوتا' اس غفلت کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے

انسانوں کی عمومی حالت بیان کی اور فرمایا۔

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ.

(تم کو مال کی کثرت کی مقابلہ بازی نے غافل رکھا یہاں تک کہ قبروں میں چلے گئے)

معالم التنزیل (ص ۵۲۰ ج ۴) میں اس موقعہ پر عرب کی مقابلہ بازی کا ایک قصہ بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ بنی عبد مناف بن قصی اور بنی سہم بن عمرو میں وہی دنیا داری والا تفاخر چلتا رہتا تھا۔ ایک دن آپس میں اپنے افراد کی تعداد میں مقابلہ ہوا کہ دیکھو کن کے سرداروں اور اشراف کی تعداد زیادہ ہے ہر فریق نے اپنی اپنی کثرت کا دعویٰ کیا جب شمار کیا تو بنو عبد مناف تعداد میں زیادہ نکلے بنی سہم نے کہا کہ ہمارے مردوں کو بھی تو شمار کرو وہ بھی ہم ہی میں سے تھے اس کے بعد قبروں کا شمار کیا تو بقدر تین گھروں کی آبادی کے بنو سہم کے چند افراد گنتی میں بڑھ گئے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل فرمائی۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی اس طرح مقابلہ بازی کے بعض قصے ذکر کئے ہیں اور انصار کے مقابلہ کے ذیل میں بنی حارثہ اور بنو الحارث کا نام ذکر کیا ہے۔ سبب نزول کے بارے میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں کوئی بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی کی طرف ان واقعات کے تذکرہ کو منسوب کیا ہے اور آیت شریفہ کی تفسیر اور توضیح ان واقعات کے جاننے پر موقوف بھی نہیں ہے آیت شریفہ کا جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تم تفاخر و تکاثر میں ایسے لگے کہ قبروں میں پہنچ گئے اس کے بعد تین مرتبہ لفظ كَلَّا لا کر متنبہ فرمایا' یہ لفظ جھڑ کنے' ڈانٹنے اور تنبیہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے' جس کا ترجمہ ''ہرگز نہیں'' کیا گیا ہے' فرمایا کلا (ہرگز یہ بات نہیں ہے کہ مالوں کا جمع کرنا اور ان کی کثرت پر مقابلہ کرنا تمہارے لئے مفید ہوگا) دنیا ہی میں تو ہمیشہ نہیں رہنا مرنا بھی تو ہے سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ (عنقریب ہی تم جان لو گے) مکرر فرمایا ثم کلا (پھر اس بات کو خوب سمجھ لو کہ عنقریب جان لو گے) تیسری بار پھر تاکیداً فرمایا

كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جواب شرط محذوف ہے اور مطلب یوں ہے لشغلکم ذلک عن التکاثر یعنی اگر تم پوری صورت حال خوب یقین والے علم کے ساتھ جان لیتے ہو تو یہ جو تم نے زندگی کا طریقہ بنا رکھا ہے کہ اموال جمع کرتے ہو اور اس کی کثرات پر مقابلہ کرتے ہو اس شغل میں نہ لگتے عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے اور بمعنی العِلۡم الۡيَقِيۡن ہے کیونکہ کبھی کبھی علم کا اطلاق غیر یقین کے لئے بھی آجاتا ہے اس لئے یہ لفظ لایا گیا جو لو تعلمون کا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔

پھر فرمایا لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ یہ جواب قسم ہے اور قسم محذوف ہے' مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قسم تم لوگ دوزخ کو ضرور ضرور دیکھو گے ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ پھر دوبارہ قسم ہے کہ تم ضرور ضرور دوزخ کو دیکھو گے' یہ دیکھنا عین الیقین ہوگا اس کا دیکھنا ہی اس کے یقین کا سبب ہو جائے گا اور یہ دیکھنا تمام انکشافات سے بڑھ کر ہوگا' صاحب روح المعانی نے بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ ہر عاقل کو اس بات کا یقین ہونا کہ مجھے مرنا ہے یہ علم الیقین ہے اور جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو یہ عین الیقین ہے اور جب واقعی موت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو یہ حق الیقین ہے۔ (روح المعانی ص ۶۲۰ ج ۳)

قرآن مجید میں تمام ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمادی جو دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں کمانا بھی دنیا کے لئے اور مقابلہ بھی دنیا کی کثرت میں، دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنا' آگے بھی دنیا' پیچھے بھی دنیا' دنیا ہی کے لئے مرتے ہیں اور دنیا ہی کے لئے جیتے ہیں' اس غفلت کی زندگی کا جو انجام ہوگا اس سے باخبر فرمادیا کہ اس سب کا نتیجہ دوزخ کا دیکھنا ہے اور دوزخ میں داخل ہونا ہے یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے اس کے بعد موت اور

آخرت بھی ہے اور نافرمانوں کے لئے دوزخ ہے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ صاحب روح المعانی نے یہاں طویل مضمون لکھا ہے سوال یہ ہے کہ یہ نعمتوں کا سوال کس سے ہوگا؟ چونکہ یہ آیت بھی ماسبق پر معطوف ہے اور اس میں بھی جمع مذکر حاضر کا صیغہ لایا گیا ہے اس لئے سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہوگا جو دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل ہوں گے اور یہ سوال بطور سرزنش اور ڈانٹ کے ہوگا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگانے کی بجائے دنیا میں منہمک رہے اللہ کی یاد سے اور آخرت سے غافل ہو گئے۔

قال صاحب الروح قدروی عن ابن عباس انه صرح بان الخطاب فی لترون الجحیم للمشرکین وحملوا الرؤیة علی رؤیة الدخول وحملوا السؤال هنا علی سؤال التقریع والتوبیخ لما انهم لم یشکروا ذلک بالایمان به عزوجل. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ لترون الجحیم میں خطاب مشرکین سے ہے اور انہوں نے رؤیت کو دخول کی رؤیت پر محمول کیا ہے اور یہاں سوال کو تنبیہ وڈانٹ کے سوال پر محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اس کا شکر ادا نہیں کیا۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے (یعنی ذلت کی حالت میں لایا جائے گا) اور اسے اللہ تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے نعمتیں دی ہیں اور تجھ پر انعام کیا تھا سو تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب! میں نے مال جمع کیا خوب بڑھایا اور اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جو پہلے تھا سو مجھے واپس لوٹا دیجئے میں سارا مال آپ کے پاس لے آتا ہوں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تو مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے بھیجا تھا' ابن آدم پھر وہی بات کہیگا کہ میں نے مال کو جمع کیا خوب بڑھایا اور اس سے خوب زیادہ چھوڑ کر آیا جتنا پہلے تھا آپ مجھے واپس لوٹا دیجئے سارا مال لے کر آپ کے پاس واپس آ جاتا ہوں (نتیجہ یہ ہوگا کہ) اس شخص نے ذرا سی خیر بھی آگے نہ بھیجی ہوگی لہٰذا اسے دوزخ کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۳۳)

گو بظاہر متبادر یہی ہے کہ یہ خطاب ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ بھی انہی لوگوں کو ہے جو شروع سورت سے مخاطب ہیں لیکن عمومی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سوال ہوگا۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹیں گے۔ جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔ عمر کو کہاں فنا کیا؟ ۲۔ جوانی کو کن کاموں میں ضائع کیا؟ ۳۔ مال کہاں سے کمایا؟ ۴۔ اور کہاں خرچ کیا؟ ۵۔ علم پر کیا عمل کیا؟۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ سے نعمتوں کے بارے میں جو سب سے پہلا سوال کیا جائے گا۔ وہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ فرمائیں گے۔ کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرست نہیں رکھا تھا' کیا ہم نے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ التکاثر)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا دھیان رکھتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر ایک انصاری

صحابی کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا خوشہ پیش کیا جن میں تینوں قسم کی کھجوریں تھیں۔ تر کھجوریں بھی، خشک بھی اور کچی پکی کے درمیان بھی۔ صاحب خانہ انصاری نے ایک بکری بھی ذبح کی آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں اور کھانا کھایا اور پانی پیا جب سیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا (کہ نعمت کا کیا حق ادا کیا اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی اس کو کس کام میں لگایا، شکر ادا کیا یا نہیں؟) تم کو بھوک نے گھروں سے نکالا، ابھی تم واپس نہیں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت عطا فرمادی۔ (رواہ مسلم)

ایک اور حدیث میں اسی طرح کا قصہ مروی ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصار کے باغ میں تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس میں سے کھایا پھر ٹھنڈا پانی طلب فرمایا، پانی پی کر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کا خوشہ ہاتھ میں لے کر زمین پر مارا جس سے کھجوریں بکھر گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا) سوائے تین چیزوں ہے۔ ۱۔ اتنا چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی شرم کی جگہ کو لپیٹ لے، ۲۔ روٹی کا ٹکڑا جس سے اپنی بھوک کو دفع کر دے، ۳۔ اتنا چھوٹا گھر جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے بہ تکلف داخل ہو سکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۹ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے تین چیزوں کے سواء کسی چیز میں حق نہیں ہے (وہ تین چیزیں یہ ہیں) ۱۔ رہنے کا گھر ۲۔ اتنا کپڑا جس سے اپنی شرم کی جگہ چھپا لے۔ ۳۔ روکھی روٹی بغیر سالن کے) اور اس کے ساتھ پانی (رواہ الترمذی فی ابواب الزھد)

حضرت عبداللہ بن شخیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال (انسان تو سمجھ لے کہ تیرا کون سا مال ہے؟) تیرا مال بس وہ ہے جو تو نے کھا لیا اور فنا کر دیا ہے جو تو نے پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا۔ یا وہ ہے جو صدقہ دے دیا اور پہلے سے آگے بھیج دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی حدیث مروی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ان تینوں اموال کے علاوہ جو کچھ ہے اسے لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۰)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب آیت کریمہ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سے کون سی نعمت کا سوال ہوگا ہم تو کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا عنقریب نعمتیں مل جائیں گی۔ (رواہ فی تفسیر سورۃ التکاثر وقال حدیث حسن صحیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دفتر ہوں گے۔ ایک دفتر میں اس کے نیک عمل لکھے ہوں گے۔ دوسرے دفتر میں اس کے گناہ درج ہوں گے، اور ایک دفتر میں اللہ کی وہ نعمتیں درج ہوں گی جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں دی گئی تھیں۔ اللہ عزوجل سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائیں گے کہ اپنی قیمت اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ چنانچہ وہ نعمت اس کے تمام اعمال کو اپنی قیمت میں لگا لے گی اور اس کے بعد عرض کرے گی کہ (اے رب)

آپ کی عزت کی قسم (ابھی) میں نے پوری قیمت وصول نہیں کی ہے۔ اب اس کے بعد گناہ باقی رہے اور نعمتیں بھی باقی رہیں (جن کی قیمت ادا نہیں ہوئی ہے) رہے نیک عمل سو وہ سب ختم ہو چکے ہیں' کیونکہ سب سے چھوٹی نعمت اپنی قیمت میں تمام نیک اعمال کو لگا چکی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر رحم کرنا چاہیں گے (یعنی مغفرت فرما کر جنت عطا فرمانا چاہیں گے) تو فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! میں نے تیری نیکیوں میں اضافہ کر دیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر خدائے پاک کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی نعمتیں (یوں ہی بغیر عوض کے) بخش دیں (الترغیب والترہیب ص ۳۹۷ ج ۴)

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عنایت فرمایا ہے بغیر استحقاق کے دیا ہے اس کو یہ حق ہے کہ اپنی نعمت کے بارے میں سوال کرے اور مؤاخذہ کرے کہ تم میری نعمتوں میں رہے ہو' بولو ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور میری عبادت میں کس قدر لگے؟ اور نعمتوں کے استعمال کے عوض کیا لے کر آئے؟

یہ سوال بڑا کٹھن ہوگا' مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریہ میں عمل صالح کرتے رہتے ہیں اور آخرت کی پوچھ سے لرزتے اور کانپتے ہیں' برخلاف ان کے وہ بدنصیب ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں پلتے بڑھتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو ذرا دھیان نہیں اور اس کے سامنے جھکنے کا ذرا خیال نہیں۔

خداوند عالم کی بے شمار نعمتیں ہیں' قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا پھر ساتھ ہی یوں فرمایا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے' بلاشبہ انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے)

بلاشبہ یہ انسان کی بڑی نادانی ہے کہ مخلوق کے ذرا سے احسان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے اور جس سے کچھ ملتا ہے اس سے دبتا ہے اور اس کے سامنے باادب کھڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ دینے والے مفت نہیں دیتے بلکہ کسی کام کے عوض یا آئندہ کوئی کام لینے کی امید میں دیتے دلاتے ہیں خداوند کریم خالق و مالک ہے۔ غنی و مغنی ہے وہ بغیر کسی عوض کے عنایت فرماتا ہے لیکن اس کے احکام پر چلنے اور سربسجود ہونے سے انسان گریز کرتا ہے' یہ بڑی بدبختی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کوئی کہاں تک شمار کرے گا جو نعمت ہے ہر ایک کا محتاج ہے۔ ایک بدن کی سلامتی اور تندرستی ہی کو لے لیجئے' کیسی بڑی نعمت ہے جب پیاس لگتی ہے تو غٹا غٹ ٹھنڈا پانی پی جاتے ہیں۔ یہ پانی کس نے پیدا کیا ہے؟ اس پیدا کرنے والے کے احکام پر چلنے اور شکر گزار بندہ بننے کی بھی فکر ہے یا نہیں؟ یہ غور کرنے کی بات ہے۔

فائدہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیت پڑھ لو' صحابہ نے عرض کیا روزانہ ایک ہزار آیت پڑھنے کی کسے طاقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ لو (اس کے پڑھنے سے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۰ از شعب الایمان)

مکی	سورۃ العصر	۳ آیتیں ۱ رکوع

آیاتہا ۳ (۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳) رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا

قسم ہے زمانہ کی! بلاشبہ انسان ضرور خسارہ میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے

بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

کو صبر کی وصیت کرتے رہے۔

اوپر سورۃ العصر کا ترجمہ لکھا گیا ہے اس میں انسان کی ناکامی اور کامیابی اور اجمالی طور پر ایک خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا وَالْعَصْرِ (قسم ہے زمانہ کی) اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے زمانہ کو پیش فرمایا' زمانہ اس بات کا گواہ ہے (جو اس کی زندگی کی انمول پونجی بھی ہے) کہ دنیا میں جو لوگ عموماً خسارہ ہی میں ہیں' دنیا میں جو کچھ کماتے ہیں اسے تو چھوڑ ہی جاتے ہیں اور چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے خالی ہوتے ہیں اس لئے آخرت میں ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے انسان اگر گزشتہ اقوام کی تاریخ پڑھے اپنے سامنے جو انقلابات جہاں ہیں ان کو دیکھے تو اس کی سمجھ میں اچھی طرح یہ بات آ جائے گی کہ عام انسانوں کے عمومی حالات ایسے ہی ہیں کہ وہ آخرت کے اعتبار سے بڑے خسارہ میں ہیں۔ دنیا میں بُرے لوگ بھی جی رہے ہیں اور مؤمن بھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ زندگی بخشی ہے انسان اگر صحیح طریقہ پر چلے تو کامیاب ہوگا اور اگر غلط طریقہ پر زندگی گزارے تو نقصان اٹھائے گا اور خسارہ میں پڑے گا۔

سب سے بڑا مقابلہ ایمان اور کفر کا ہے۔ چونکہ اکثر انسان کفر ہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اسلئے جنس کے طور پر فرمایا کہ انسان خسارہ میں ہیں۔ پھر اہل ایمان کو مستثنیٰ فرما دیا۔ کافروں کا خسارہ بتاتے ہوئے سورۂ زمر میں فرمایا

قُلْ اِنَّ الْخَاسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(آپ فرما دیجئے کہ بیشک نقصان والے لوگ وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں کا نقصان کر بیٹھے اور اپنے اہل وعیال کا بھی اور اپنی جانیں بھی دوزخ میں گئیں اور اہل وعیال بھی جدا ہوئے۔ کچھ کام نہ آئے)

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ. (خبردار یہ کھلا ہوا خسارہ ہے)

کافروں سے بڑھ کر کسی کا بھی خسارہ نہیں ہے۔ دنیا میں جو کچھ کمایا وہ بھی چھوڑا اور آخرت میں پہنچے تو ایمان پاس نہیں اور دنیا میں واپس لوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جانا ہوگا اور اس سے بڑا کوئی خسارہ نہیں ہے۔

خسارہ والوں سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی) جو حضرات ان صفات سے متصف ہیں وہ نقصان والے نہیں ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ انجام دینے والے ہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں یعنی خود تو اچھے اعمال کرتے ہیں (جن میں گناہوں کا چھوڑنا بھی شامل ہے) اپنے آپس کے ملنے جلنے والوں، پاس اٹھنے والوں کو مجلس کے ساتھیوں، ہمسفر اصحاب اور دیگر احباب اور گھر کے لوگ سب آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں کہ حق قبول کریں حق کے ساتھ چلیں اور انہی اعمال کو اختیار کریں جو حق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح ہوں اور تیسری صفت یہ ہے کہ آپس میں یہ بھی وصیت کریں کہ جو دنیا میں تکلیفیں آئیں برداشت کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں اور نیکیوں پر لگے رہیں (یہ تینوں صبر کے اجزاء ہیں) اور صبر کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کو حق کی دعوت دی جائے ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو بھی برداشت کیا جائے۔

انسان کو سوچنا چاہئے کہ میری زندگی کے لیل ونہار کس طرح گزر رہے ہیں؟ نقصان والی زندگی ہے یا فائدہ والی؟ جو لوگ اہل ایمان ہیں اور اپنے اعمال کی پختگی اور مضبوطی کی طرف دھیان دیں کہ کس درجہ کا ایمان ہے اعمال صالحہ میں بڑھتے چلے جائیں۔ عمر کا ذرا سا وقت بھی ضائع نہ ہونے دیں ذرا ذرا سے وقت کو آخرت کے کاموں میں خرچ کریں جب اللہ تعالیٰ شانہ نے سب سے بڑے خسارہ یعنی کفر سے بچا دیا ایمان کی دولت سے نواز دیا تو اب اس کے لئے فکر مند ہوں کہ زیادہ نیکیاں کمائیں اور آخرت میں بلند درجات حاصل کریں۔ لوگوں کو نہ اپنے آخرت کے منافع کی فکر ہے نہ دین کی قدردانی ہے۔ خود بھی نیک بنیں دوسروں کو بھی نیک بنائیں گناہوں سے روکیں اور جو کوئی تکلیف پہنچے اس پر صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کریں۔ رات دن کے ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں۔ ان میں سے عام طور پر تجارت یا سروس اور محنت مزدوری میں ۸ گھنٹے خرچ کرتے ہیں کچھ وقت سونے میں گزرتا ہے باقی گھنٹے کہاں جاتے ہیں؟

ان میں سے مجموعی حیثیت ۲، ۳ گھنٹے نماز کے اور کھانے کے، باقی وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور یہ ضائع بھی ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو گناہوں میں مشغول نہ ہوں کیونکہ جو وقت گناہوں میں لگا وہ تو وبال ہے اور باعث عذاب ہے۔ مسلمان آدمی کو آخرت کے درجات کے لئے اور وہاں کے رفع درجات کے لئے فکر مند رہنا لازم ہے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ملازمتوں سے ریٹائرڈ ہو گئے کاروبار لڑکوں کے سپرد کر دیئے۔ دنیا کمانے کی ضرورت بھی نہیں رہی بہت کرتے ہیں فرض نماز پڑھ لیتے ہیں یا پوتی پوتا کو گود میں لے لیتے ہیں، اس کے علاوہ سارا وقت یوں ہی گزر جاتا ہے حالانکہ یہ وقت بڑے اجر وثواب میں لگ سکتا ہے ذکر میں، تلاوت میں، درود شریف پڑھنے میں، اہل خانہ کو نماز سکھانے اور دینی اعمال پر ڈالنے اور تعلیم وتبلیغ میں سارا وقت خرچ کریں تو آخرت کے عظیم درجات حاصل ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ۵۰، ۵۵ سال کی عمر میں ریٹائرڈ ہوتے ہیں کاروبار سے فارغ ہو جاتے ہیں اس کے بعد برس ہا برس تک زندہ رہتے ہیں۔

بہت سے لوگ ۸۰ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر پاتے ہیں۔ ریٹائر ہونے کے بعد یہ ۲۵، ۳۰ سال کی زندگی لایعنی فضول باتوں، بلکہ

غیبتوں میں، تاش کھیلنے میں، ٹی وی دیکھنے میں اور وی سی آر سے لطف اندوز ہونے میں گزار دیتے ہیں نہ گناہ سے بچتے ہیں نہ لایعنی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرتے ہیں یہ بڑی محرومی کی زندگی ہے۔ گناہ تو باعث عذاب اور وبال ہی ہے ہوشمند وہ ہے جو اپنی زندگی کو نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ اس کی محنت اور مجاہدہ اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ نہ بنے آخرت کی عظیم اور کثیر نعمتوں کے نقصان اور خسران اور حرمان کی راہ اختیار نہ کرے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے خود اپنا نیک بننا ہی کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی حق اور صبر کی نصیحت کرتا رہے اور اعمال صالحہ پر ڈالتا رہے خاص کر اپنے اہل وعیال کو اور ماتحتوں کو بڑے اہتمام اور تاکید سے نیکیوں پر ڈالے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کرتا رہے۔ ورنہ قیامت کے دن یہ پیار ومحبت سے پالی ہوئی اولاد وبال بن جائے گی۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته.

(یعنی تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت (جس کی نگرانی سپرد کی گئی) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (رواہ البخاری)

آج کل اولاد کو دیندار بنانے کی فکر نہیں ہے۔ ان کو خود گناہوں کے راستے پر ڈالتے ہیں۔ حرام کمانا سکھاتے ہیں، ایسے ممالک میں لے جا کر انہیں بساتے ہیں جہاں ہر گناہ کا ماحول مل جاتا ہے اور اس کا نام ترقی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

والله المستعان، وهوولى الصالحين والصابرين

☆☆☆ .... ☆☆☆

مکی	سورۂ ھمزہ	۹ آیتیں ۱ رکوع

اٰیاتُھا ۹ (۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲) رُکُوْعُھَا ۱

سورہ ہمزہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں نو آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَا لَهٗٓ

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب نکالنے والا ہو طعنہ دینے والا ہو۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال

اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ﴿۵﴾

اس کو ہمیشہ رکھے گا۔ ہر گز نہیں وہ ضرور ضرور بھوسہ بنانے والی چیز میں ڈال دیا جائے گا اور کیا آپ کو معلوم ہے وہ بوسہ بنا دینے والی چیز کیا ہے؟

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۗ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

ع ۹ ۲۹

وہ اللہ کی آگ ہے جو جلائی گئی ہے جو دلوں پر چڑھ بیٹھنے والی ہے۔ بیشک وہ ان پر بند کر دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔

اوپر سورۃ الہمزۃ کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ اس میں هُـمَـزَةٌ اور لُـمَـزَةٌ کی ہلاکت بتائی ہے یہ دونوں فُعَلَةٌ کے وزن پر ہیں۔ پہلے لفظ کے حروف اصلی ھ م ز اور دوسرے کلمہ کے حروف اصلی ل۔م۔ز ہیں یہ دونوں کلمے عیب نکالنے اور عیب دار بتانے پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہوئے ہیں اور سورۃ القلم میں ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ.

اور سورۂ توبہ میں فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقَاتِ.

اور سورۃ الحجرات میں فرمایا وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ.

حضرات مفسرین کرام نے دونوں کلموں کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ خلاصہ سب کا یہی ہے کہ دونوں کلمے عیب لگانے، غیبت کرنے، طعن کرنے، آگے پیچھے کسی کی برائی کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ زبان سے برائی بیان کرنا، ہاتھوں سے یا سر سے یا بھوؤں کے اشارہ سے کسی کو برا بتانا، ہنسی اڑانا، مجموعی حیثیت سے یہ دونوں کلمے ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔ (راجع تفسیر القرطبی ص ۱۸۱، ص ۱۸۴ ج ۱۰)

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگوں پر طعن کرتا تھا اور ابن جریجؒ کا قول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، جو غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیبت کرتا تھا اور سامنے

بھی آپ کی ذات گرامی میں عیب نکالتا تھا' تیسرا قول یہ ہے کہ ابی بن خلف کے بارے میں اور چوتھا قول یہ ہے کہ جمیل بن عامر کے بارے میں ان کا نزول ہوا' سبب نزول جو بھی ہو' مفہوم اس کا عام ہے جو لوگ بھی غیبت کرنے اور عیب لگانے اور بدزبانی اور اشارہ بازی کا مشغلہ رکھتے ہیں اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، قرآن کریم میں ان لوگوں کے لئے ویل یعنی ہلاکت بتائی ہے۔ جن لوگوں کو اپنی عمر کی قدر نہیں ہوتی وہ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور عیب لگانے اور غیبت کرنے اور تہمتیں باندھنے میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں۔ ذکر و فکر اور عبادت میں وقت لگانے کے بجائے ان باتوں میں وقت لگاتے ہیں اور اپنی جان کو ہلاک کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱) حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سب سے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آئے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کو لئے پھرتے ہیں دوستوں کے درمیان برائی ڈالتے ہیں جو لوگ برائیوں سے بری ہیں انہیں معصیت میں ڈالنے کے طلب گار ہوتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت صفیہ کا قد بیان کرتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہیں (ان کا قد چھوٹا بتا دیا اور وہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بگاڑ کر رکھ دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طعنے دینے والا لعنت بکنے والا اور فحش کام میں لگنے والا مؤمن نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳)

غیبت کے بارے میں مستقل مضمون سورت حجرات کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے اس کا مراجعہ کر لیا جائے۔

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ. دنیا سے محبت کرنے والے اسی کو سب کچھ سمجھنے والے جہاں دوسروں کی غیبت و بدگوئی اور عیب تراشی میں وقت گزارتے ہیں وہاں مال سے محبت کرنا بھی ان کا خاص مزاج ہوتا ہے' مال کی محبت کے مظاہر کئی طرح سے ہوتے ہیں اولاً مال کو جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا' جسے اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ میں بیان فرمایا ہے جب مال جمع کرنے کا ذہن ہوتا ہے تو نہ حلال حرام کا خیال رہتا ہے اور نہ لوگوں کے حق مارنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ مال کمانے میں فرائض اور واجبات کے ضائع کرنے سے دکھ ہوتا ہے اور نہ نیکیاں کرنے کی توفیق ہوتی ہے ثانیاً مال جمع کرنے والے مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ مال ہی سب کچھ ہے یہ ہمیں دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا (موت کا یقین ہوتے ہوئے رنگ' ڈھنگ ایسا ہوتا ہے جیسے مرنا نہیں ہے اور یہ مال ہمیشہ کام دیتا رہے گا)۔

ان لوگوں کے اس مزاج کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) نہ یہ شخص ہمیشہ دنیا میں رہے گا نہ اس کا مال باقی رہے گا اور اسی پر بس نہیں کہ صرف دنیا میں جان و مال ہلاک ہوں گے بلکہ اس کے آگے بھی مصیبت ہے اور وہ یہ کہ لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ (اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) دوزخ کے لئے لفظ حُطَمَة استعمال فرمایا ہے جو اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کوٹ پیٹ کر بھوسہ بنا کر رکھ دے (کما فی آیۃ اُخرٰی (یَجْعَلُهٗ حُطَامًا)

پھر فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ (اور آپ کو معلوم ہے کہ حطمہ کیا چیز ہے) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (وہ اللہ کی آگ ہے جو جلائی گئی ہے) الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (جو دلوں پر چڑھ جائے گی) یعنی سارے جسموں کو جلا دے گی یہاں تک کہ دلوں پر چڑھ جائے گی) دنیا میں جب دل جلنے لگے لامحالہ انسان مر جاتا ہے دوزخی لوگ جلیں گے مگر مریں گے نہیں دلوں پر بھی آگ چڑھے گی مگر موت نہ آئے

گی۔ سورۃ النساء میں فرمایا:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ.

(جب بھی ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تا کہ عذاب ہی بھگتتے رہیں)

سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى.

(نہ اس میں مر ہی جائے گا اور نہ جئے گا)۔

پھر اس آگ کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ.

(بیشک وہ آگ ان پر بند کی ہوئی ہوگی یعنی وہ اندر دوزخ میں ہوں گے باہر سے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں گے فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (وہ ایسے ستونوں میں بند ہوں گے جو دراز یعنی لمبے لمبے بنائے ہوئے ہوں گے)۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو ستونوں کے اندر داخل کر دیا جائے گا یعنی ستونوں کے ذریعہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ سے مراد وہ طوق ہیں جو دوزخیوں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں گے اور بعض اکابر نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دوزخی آگ کے بڑے بڑے شعلوں میں ہوں گے جو ستونوں کی طرح ہوں گے اور وہ لوگ اس میں مقید ہوں گے۔

فائدہ:۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ. (اللہ کی آگ جو جلائی ہوئی ہوگی) اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ دوزخ کی آگ دوزخیوں کے داخل ہونے سے پہلے ہی سے جلائی ہوئی ہوگی ایسا نہیں ہوگا جیسا دنیا میں پہلے ایندھن تیار کرتے ہیں، پھر اس ایندھن میں آگ لگاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی لہٰذا اب وہ سیاہ ہے اندھیری ہے۔ (رواہ الترمذی)

اعاذنا اللّٰه تعالٰى من سائر انواع العذاب وهو الغفور الوهاب الرّحيم التّواب.

مکی	سورۃ الفیل	۵ آیتیں ۱ رکوع

(۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹) — اٰيَاتُهَا ۵ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الفیل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۞ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۞ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کر دیا' اور ان پر پرندے بھیج

اَبَابِيْلَ ۞ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۞

دیئے غول درغول وہ ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے۔ سو اللہ نے ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہو۔

اس سورت میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان فرمایا ہے لفظ فیل فارسی کے لفظ پیل سے لیا گیا ہے' عربی میں چونکہ (پ) نہیں ہے اس لئے اسے (ف) سے بدل دیا گیا۔ اصحاب فیل (ہاتھی والے لوگ) ان سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں یہ شخص شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ ابرہہ اپنے ساتھیوں کو ہاتھیوں پہ سوار کر کے لایا تھا اور مقصد ان لوگوں کا یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا دیں تا کہ لوگو کا رخ ان کے اپنے بنائے ہوئے گھر کی طرف ہو جائے جسے انہوں نے یمن میں بنایا تھا اور اسے کعبہ یمانیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے مگر خود ہی برباد ہوئے وہ بھی پرندوں کی پھینکی ہوئی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ۔ واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ یمن پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابرہہ نے ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہوا کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کی بجائے اس کی طرف آنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اتنا اونچا کنیسہ تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اب یمن سے کوئی شخص مکہ والے کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ مالک بن کنانہ کے ایک شخص نے رات کے وقت ابرہہ والے کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی قریشی نے ایسا کام کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کو گرا کر چھوڑوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا۔

بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔ ان کا پروگرام تھا کہ بیت اللہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ اور تجویز یہ کیا کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور لمبی زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تا کہ سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) زمین پر آ گرے۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست انسانوں کے ذریعہ نہ ہو لہٰذا عرب سے مقابلہ ہوا اور عرب ان کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا ارادہ تو اس کے قتل کا تھا لیکن یہ خیال کر کے کہ اس سے راستوں کا پتہ معلوم کریں گے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو چونکہ طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا ہم اس سے مقابلہ نہ کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ طائف میں جو ہم نے ایک بت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اس کو چھیڑ دے۔ انہوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ ابرہہ اس پر راضی ہو گیا۔ ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغمس پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لئے جن میں دوسو اونٹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا جان عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سردار کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے اس کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کر لے پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوتا ہے۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں؟ عبدالمطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اول دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت وعزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دوسو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے ان کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا مالک نہیں ہوں اس کا جو مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور

بھی قریش کے چند سردار گئے تھے انہوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور واپس لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی ایک جماعت بھی تھی۔ سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں ہے آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمائیں۔ الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے کیونکہ ان کو یہ یقین تھا کہ اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے اپنے اونٹوں کا تو مطالبہ کیا لیکن بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود اس کے مقابلے میں طاقت نہ تھی اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دے گا۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا نفیل بن حبیب جن کو ابرہہ نے راستہ میں گرفتار کر لیا تھا اس وقت آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا کیونکہ تو اللہ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا۔ ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا گیا اس نے اس کی بھی پرواہ نہ کی اس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا ان سب اطراف کی جانب چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں۔ جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں (ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں) واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں پیلے رنگ کی تھیں اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ یہ پرندے دریا سے نکل کر آئے تھے جن کے سر چوپایوں کی طرح تھے۔ ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لئے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے ہر ایک کنکر نے وہ کام کیا جو بندوق کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اس کے بدن سے پار ہوتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکر سے ہلاک ہوا۔ نیز لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ وہ ابرہہ جسے راستہ کے قبائل شکست نہ دے سکے اسے اللہ تعالیٰ نے پرندوں سے شکست دلوائی اس نے شکست بھی کھائی اور بدترین مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور وہ مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے ان کو مکہ معظمہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا (ابن کثیر صفحہ ۵۴۹ معالم التنزیل صفحہ ۵۲۵ ج ۴) اس وقت بہت سے آنکھوں سے دیکھنے والے موجود تھے۔ فسبحان من جلت قدرتہ و عظمت حکمتہ.

ہاتھی والوں کا کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لئے آنا پھر شکست کھانا اور ناکام ہونا یہ عجیب اور اہم واقعہ تھا۔ اس کے بعد اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کرتے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کا بھی یہی سال ہے جس

سال اصحاب الفیل برا ارادہ لے کر آئے تھے۔ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ جس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اصحاب فیل کے واقعہ سے مکہ معظمہ کے رہنے والے بلکہ عرب کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ اس لئے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ (اے مخاطب! کیا تو نے دیکھا) فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا تو قریش نے آپ کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اس کعبہ کی وجہ سے سارا عرب تمہارا احترام کرتا ہے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہو اس کعبہ پر دشمن چڑھائی کرنے آ گئے تھے اور دشمن بھی ایسے قوی تھے کہ ان سے مقابلہ کرنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ تمہارے پروردگار نے ان کی تدبیر نا کام بنا دی۔ سوچا انہوں نے کیا تھا اور ہوا کیا؟ ذرا ذرا سے پتھروں سے پورے ہاتھی اور ہاتھی والے ایسے ہلاک ہوئے کہ صرف مرے ہی نہیں بلکہ ان کے جسم بھوسہ بن کر رہ گئے جسے گائے بیل نے کھا کر اگل دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی اور نبی امی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہیں مبعوث فرمایا آپ کی بعثت سے اس کعبہ کی مزید عظمت ہوگئی لہٰذا قریش کو دونوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ جو ایسی چیزیں پیش آتی ہیں جن سے انسان عاجز ہوتے ہیں انہیں ارہاص کہا جاتا ہے اور نبوت کے بعد ان کو معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصحاب فیل کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارہاصات میں سے ہے گویا اس میں یہ بتا دیا کہ اس شہر میں ایک شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے۔ جس کا اس کعبہ شریف سے خاص تعلق ہوگا۔ اس کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حفاظت ہوگئی۔ وقال القرطبی قال علماؤنا کانت قصة الفیل فیما بعد من معجزات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وان کانت قبل التحدی لأنها کانت توکیداً لأمره وتمهیدًا لشانه ولما تلا علیهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم هذه السورة کان بمکة عدد کثیر ممن شهد تلک الواقعة (قرطبیؒ کہتے ہیں اصحاب فیل کا واقعہ گو کہ دعویٰ نبوت سے پہلے کا ہے لیکن چونکہ اس کا مقصد آپؐ کے معاملے کو مؤکد کرنا اور آپ کی شخصیت کو اجاگر کرنا تھا اس لئے یہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے شمار ہوتا ہے چنانچہ جب آپؐ نے اہل مکہ کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی اس وقت مکہ میں بہت سے لوگ اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو ملاحظہ کرنے والے موجود تھے)

طَیْـر: عربی میں پرندہ کو کہتے ہی ہیں جس کی جمع طیور ہے اور چونکہ یہاں اسم جنس واقع ہوا ہے' اس لئے ابابیل اس کی جمع لائی گئی ہے بہت زیادہ پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈ غول در غول آموجود ہوئے تھے۔ لہٰذا طَیْـرًا کے ساتھ ابابیل بھی فرمایا۔ ابابیل کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے اور بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ اس کا واحد (ابول یا ابال یا ابیل ہے (کما ذکره فی الجلالین) پرندہ کا جماعت در جماعت آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ابرہہ کے ساتھی بہت بڑی تعداد میں تھے اگرچہ ہاتھیوں کی تعداد آٹھ یا بارہ ہی بتائی جاتی ہے' عام طور سے ایک خاص چھوٹے سے پرندہ کو جو لوگ ابابیل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں وہ مراد نہیں ہے ابرہہ اور اس کے ساتھیوں پر جن پرندوں نے بارش برسائی ان کے بارے میں مفسرین نے کئی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنی جس مخلوق سے جو چاہے کام لے۔

پرندوں نے جو پتھر پھینکے تھے ان کے بارے میں حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ فرمایا ہے یعنی سجیل کے پتھر' یہ لفظ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے تذکرہ میں بھی آیا ہے لفظ سجیل سنگ اور گل سے معرب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کا گارہ بنا کر اس کی ذرا بڑی بڑی گولیاں بنا کر جو آگ میں پکالی جائیں' وہ سجیل کا مصداق ہیں' ان میں زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا اور پہاڑ والے پتھروں کی

طرح ان کی مار بھی نہیں ہوتی۔ اس لفظ کے لانے سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان میں ذاتی طور پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے آدمی مر جائے۔ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ لوگ ہلاک کئے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لئے ظاہری انتظام کے طور پر سَجِّیْلٌ کو استعمال فرمایا۔ مفسر قرطبی نے حضرت ابوصالح سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر میں میں نے ان کنکریوں میں سے دو قفیز کنکریاں دیکھیں تھیں ان کا رنگ کالا تھا سرخ رنگ کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں' نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ پرندوں کی پھینکی ہوئی پتھریاں اصحاب فیل پر گرتی تھیں تو ان کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن جاتے تھے اور دنیا میں سب سے پہلے چیچک کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۃ القریش	۴ آیتیں ۱ رکوع

سورۃ القریش مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

قریش کی الفت رکھنے کی وجہ سے اُن کی وہ الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کرنے سے ہے۔ سو ان کو چاہئے کہ اس بیت کے رب کی

الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

عبادت کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کعبہ مکرمہ تعمیر کرایا اور اس کا حج مشروع فرمایا۔ زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب اس کا حج کرتے تھے اگرچہ مشرک تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف واقع تھا جسے بیت اللہ کے نام سے لوگ جانتے اور مانتے تھے اس لئے قریش مکہ کی پورے عرب میں بڑی عزت تھی۔ اہل عرب لوٹ مار کرنے کا مزاج رکھتے تھے لیکن اہل مکہ پر کبھی کوئی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو سورۃ العنکبوت میں فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ.

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پرامن بنا دیا اور لوگوں کے اردگرد سے اچک لیا جاتا ہے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں) یوں تو گزشتہ زمانہ ہی سے عرب اہل مکہ کا اکرام واحترام کرتے تھے۔ جب اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا اور عرب میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے محفوظ فرمایا تو اور زیادہ ان کے قلوب میں اہل مکہ کی عظمت بڑھ گئی' یہ جوان کی حرمت مشہور ومعروف تھی اس کی وجہ سے پورے عرب کے علاوہ دوسرے علاقے کے لوگ بھی ان کا احترام کرتے تھے، مکہ معظمہ چٹیل میدان تھا۔ اس میں پہاڑ تھے' پانی کی بھی کمی تھی' نہ باغ تھے نہ کھیتی باڑی تھی' زندگی گزارنے کے لئے ان کے پاس ذرائع معاش عام طور پر سے نہیں پائے جاتے تھے' زندگی کے مقاصد پورا کرنے کے لئے یہ لوگ ملک شام اور یمن جایا کرتے تھے۔ ایک سفر سردی کے زمانہ میں اور ایک سفر گرمی کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ سردی میں یمن جاتے تھے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے اور دونوں ملکوں سے غلہ لاتے تھے جو ان کی غذا میں کام آتا تھا دیگر اموال بھی فروخت کرتے اور دوسرے کاموں میں بھی لاتے تھے۔ ابوسفیان کو بلا کر ہرقل نے جو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوال و جواب کئے وہ اسی تجارت کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ کفار قریش کا قافلہ تجارت کے لئے بیت المقدس میں پہنچا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کیلئے سردی اور گرمی کے سفروں کو ان کے کھانے پینے اور پہننے اور کعبہ شریف کی عظمت اور حرمت کو ان کے امن و امان کا ذریعہ بنا رکھا تھا سورۃ الفیل میں کعبہ شریف کی حفاظت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے قریش کو امن و امان حاصل تھا اس لئے اس کے متصل ہی سورۃ القریش کو سورۃ الفیل کے بعد ہی لایا گیا جس میں قریش مکہ کو یاد دلایا کہ دیکھو تم سردی اور گرمی میں تجارت کے لئے سفر کرتے ہو اور ان دونوں سفروں سے تمہیں دیگر مالوفات کی طرح خاص الفت ہے۔ سفروں میں جاتے ہو جن کے منافع اور مرابح سے فائدہ اٹھاتے ہو اور چونکہ تم مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو اس لئے اپنے اسفار میں جن قبائل پر گزرتے ہو تمہارا احترام کرتے ہیں تم مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی امن و امان میں ہو اور بلا خوف و خطر زندگی گزارتے ہو اور اسفار میں بھی مکہ معظمہ کی نسبت سے امن و امان کا فائدہ اٹھاتے ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگو جو اس بیت یعنی کعبہ شریف کا رب ہے وہ تمہیں کھانے پینے کو بھی دیتا ہے اور امن و امان سے بھی رکھتا ہے یہ خالق جل مجدہ کی ناشکری ہے کہ اس کی نعمتوں میں زندہ رہیں، پلیں اور بڑھیں اور عبادت میں کسی مخلوق کو شریک کر دیں۔

قال القرطبی ناقلاً عن الفراء: هٰذه السورة متصلة بالسورة الاولی لانه' ذكر اهل مكة عظيم نعمته عليهم فيما فعل بالحبشة ثم قال (لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ) أى فعلنا ذلک باصحاب الفيل نعمة منا علی قريش و ذلک ان قريشا كانت تخرج تجارتها فلا يغار عليها فی الجاهلية يقولون هم اهل بيت الله عزوجل. (علامہ قرطبی فراء سے نقل کر کے فرماتے ہیں یہ سورت پچھلی سورت سے متصل ہے اس لئے کہ اس سورت میں اللہ نے اہل مکہ کو اپنی عظیم نعمت یاد دلائی ہے اس بارے میں جو انہوں نے حبشہ میں کیا۔ پھر فرمایا لا يلف قريش یعنی یہ سب ہم نے اصحاب فیل قریش پر نعمت کرنے کے لئے کیا اور وہ یہ قریش اپنی تجارت کے لئے نکلتے تھے تو ان پر زمانہ جاہلیت میں بھی ڈاکو ڈاکہ نہ ڈالتے تھے کہتے کہ یہ لوگ بیت اللہ کے رہائشی ہیں)

ترکیب نحوی کے اعتبار سے اقرب الی الفہم یوں کہا جاتا ہے کہ ایلاف اول مبدل منہ ہے اور اِیْلَافِهِمْ اس سے بدل ہے اور جار مجرور مل کر لِيَعْبُدُوْا سے متعلق ہے سمجھنے کے لئے عبارت یوں ہوگی۔ ليعبدوا رب هٰذا البيت لاجل ايلافهم رحلة الشتاء و الصيف' والفاء زائدة والايلاف افعال من الالفة مهموز الفاء. (فليعبدوا رب هٰذا البيت: اس لئے کہ سردی و گرمی کے سفر میں ان کا انس پیدا کیا۔ فاء زائدہ ہے اور ایلاف، فعال کا مصدر ہے مہموز الفاء سے) (راجع روح المعانی ص ۲۷۶ ج ۳۰)

فائدہ:۔ سورۃ القریش میں قریش کے سالانہ دو سفروں کا ذکر ہے یہ قریش کون شخص تھا جس کے نام سے قریش کا قبیلہ ملقب ہوا؟ اول یہ سمجھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاشمی بھی تھے اور قریشی بھی آپ کے دادا کا لقب عبدالمطلب اور نام شیبہ تھا اور ان کے والد کا نام عمرو بن عبد مناف اور لقب ہاشم تھا اس وجہ سے آپ بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں اور عبد مناف کا نام مغیرہ بن قصی تھا اس کے بعد نسب یوں ہے قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ (الی آخر ماذکرہ اہل الانساب)

اس میں اختلاف ہے کہ قریش کس کا لقب تھا بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فہر بن مالک اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ میں دونوں قول نقل کئے ہیں اور دونوں کی دلیلیں بھی لکھی ہیں پھر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور اس سلسلہ میں مسند احمد اور سنن ابن ماجہ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ وهٰذا اسناد جيد قوی و هو فيصل فی هٰذه المسئلة فلا التفات الی قول من خالفه والله اعلم' والحمد و امنه. (اور یہ عمدہ و قوی سند ہے اور یہ اس مسئلہ میں فیصل ہے پس جو اس کا مخالف ہے اس کے قول کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں)

اب رہی یہ بات کہ لفظ قریش کا معنی کیا ہے اور قریش کو یہ لقب کیوں دیا گیا اس بارے میں بھی کئی قول ہیں اصل لفظ قرش ہے اور

قریش اس کی تصغیر ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جو بڑا قوی ہیکل ہوتا ہے اور چھوٹے بڑے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے یہی بات بتلائی گویا قوت اور طاقت میں اس بڑے دریائی جانور کے مشابہ ہونے کی وجہ سے قریش کو قریش کا لقب دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ حارث بن مخلد بن نضر بن کنانہ کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہ باہر سے غلے لایا کرتا تھا اور عرب کہا کرتے تھے قد جاءت عیر قریش 'یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بدر میں جس کنویں کے قریب جنگ ہوئی تھی اسے بدر بن قریش نے کھودا تھا اور اسی لئے اس جگہ کا نام بدر معروف ہوا۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ قریش مجتمع ہونے پر دلالت کرتا ہے قصی بن کلاب سے پہلے یہ لوگ منتشر تھے اس نے انہیں حرم میں لا کر اور بلا کر جمع کیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ قصی ہی کا لقب قریش تھا اور ایک قول یہ ہے کہ تقرُّش تکسُّب (یعنی مال کمانے) اور تجارت کرنے کے معنی میں آتا ہے اسی وجہ سے قریش اس لقب سے معروف اور مشہور ہوئے۔ نضر بن کنانہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجات کی تفتیش کرتا اور ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے بیٹے موسم حج میں لوگوں کی حاجات کی تفتیش کرتے تھے پھر انہیں اس قدر مال دیتے تھے کہ اپنے شہروں تک پہنچ جائیں۔ اس عمل کی وجہ سے وہ قریش کے لقب سے مشہور ہوا (قالوا و التقریش ھو التفتیش) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریشی بھی تھے اور ہاشمی بھی (کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کی ایک شاخ ہے اور آپ کے چچا عباسؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم بھی بنی ہاشم میں تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور تمام بنی امیہ قریش میں سے تھے ہاشمی نہیں تھے' حضرت واثلہ بن اسقع نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنی ہاشم سے چن لیا (رواہ مسلم)

قریش مکہ نے بہت دیر سے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیفیں بھی بہت پہنچائیں حتیٰ کہ آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی اور خدمت اسلام کی توفیق دی ان حضرات نے بڑے بڑے ممالک فتح کیے۔ حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید رضی اللہ عنہما انہی حضرات میں سے تھے۔ سنن ابی داؤد طیالسی میں ہے (ص ۴۰) کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

اللھم انک اذقت اوَّلَھا عَذَابًا او وَبَالًا فاذِقْ اٰخرَھا نَوَالًا. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵)

(اے اللہ! آپ نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب اور وبال چکھایا سو ان کے آخر کے لوگوں کو بخشش عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بہت کچھ عطا فرمایا اور ان سے دین کی بڑی خدمت لی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خلافت میرے بعد قریش میں ہوگی۔

جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ چہرہ کے بل اس کو اوندھے منہ کر کے ڈال دے گا جب تک یہ لوگ دین کو قائم رکھیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ بارہ خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا اور یہ بارہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۰ عن البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہی فرما دیا تھا کہ خلافت برابر قریش میں رکھی جائے لیکن ملوکیت کا مزاج جب دنیا میں آ گیا اور اس کے بعد جمہوریت کی جہالت نے جگہ پکڑ لی تو دوسرے لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے ملوک اور اُمراء بن گئے اور بنتے رہے۔ جو لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ہاشمی' قریشی' صدیقی' عثمانی' علوی' رضوی' نقوی لکھتے ہیں' یہ صرف نام بتانے تک ہے۔ بے عملی

میں شکل وصورت میں، نمازیں چھوڑنے میں دیگر معاصی میں دوسروں سے کم نہیں ہیں، دوسری قوموں کے افراد علوم ومعارف واعمال میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب انہوں نے اپنی ساکھ خود ہی کھودی تو امت میں بھی ان کی وہ حیثیت نہیں رہی جو ہونی چاہئے تھی جب ان کا یہ حال ہے تو خلافت کون ان کے سپرد کرے گا جہاں کہیں ان کی کوئی حکومت باقی ہے اس میں بھی ملوک اور وزراء دین داری کا خیال نہیں کرتے، دشمنوں کے اشاروں پر گناہ گاری کے اصول پر حکومت چلاتے ہیں، اسلامی قوانین کی بڑھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی، وھو المستعان وعلیہ التکلان.

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۂ ماعون	۷ آیتیں ارکوع

(۱۰۷) سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ (۱۷) — اٰیَاتُہَا ۷ — رُکُوْعُہَا ۱

سورۂ ماعون مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ﴿۲﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانے دینے کی

الْمِسْکِیْنِ ﴿۳﴾ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ ہُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاہُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ ہُمْ یُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾

ترغیب نہیں دیتا ' سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دیتے ہیں۔ جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں

وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

اور ماعون سے منع کرتے ہیں۔

اوپر سورۃ الماعون کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ ماعون ایسی چیز کو کہتے ہیں جو معمولی سی چیز ہو اگر کسی کو استعمال کے لئے دیدی جائے تو دینے والے کے مال میں کوئی خاص کمی نہ آئے چونکہ اس سورت کے آخر میں ماعون سے منع کرنے والوں کی مذمت وارد ہوئی ہے اس لئے سورۃ الماعون کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔

اس سورت میں چھ چیزوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اولاً فرمایا: اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ اے نبی! کیا آپ نے اسے دیکھا جو دین یعنی جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی قیامت کے دن کا اور اس بات کا انکار کرتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور اعمال کی جزا سزا ملے گی۔

ثانیاً: اس شخص کی بے رحمی کا ذکر کیا اور فرمایا فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ (سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)

ثالثاً: یوں فرمایا وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (کہ یہ شخص مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا) اس میں اس منکر قیامت کی کنجوسی کی انتہا بتادی کہ یہ خود تو کسی مسکین پر کیا خرچ کرتا' دوسروں کو بھی خرچ کرنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ یتیم کو بھی دھکے دیتا ہے اور مسکین پر بھی رحم نہیں کھاتا' روز جزاء کی تکذیب کرنے والے کی یہ دونوں صفات بیان فرمائیں جس میں یہ معلوم ہوا کہ ایمان ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دل نرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مؤمن بندے رحم کرتے ہیں اور ترس کھاتے ہیں اور یوم آخرت

میں اللہ تعالیٰ سے اس کی جزا ملنے کی امید رکھتے ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور روز جزاء کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہیں ان میں رحم دلی نہیں ہوتی اگر کسی پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے دنیوی مطلب سے کرتے ہیں اور یوم جزاء میں ثواب ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ جب آخرت ہی کو نہیں مانتے تو ثواب کی کیا امید رکھیں گے۔ سورۃ الحاقہ میں کافروں کا عذاب بتانے کے بعد فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ

(بے شک وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا)

منکرین قیامت کی بعض صفات بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی تین صفات بیان فرمائیں' جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر دعوے کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو منافق ہیں (ان کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے) اور وہ لوگ بھی ہیں جو ملت اسلامیہ سے تو خارج نہیں لیکن اعمال کے اعتبار سے ان کا طرز زندگی اوامر اسلامیہ کے خلاف ہے' فرمایا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ٥

(سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دینے والے ہیں)

(یہ پہلی صفت ہوئی) اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ. جو دکھلاوا کرتے ہیں (یہ دوسری صفت ہوئی)

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ، اور معمولی چیز کو منع کرتے ہیں۔ (یہ تیسری صفت ہوئی)

پہلی صفت میں یہ بیان کیا کہ کہنے کو نمازی بھی ہیں لیکن نماز سے غفلت برتتے ہیں' یہ لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو نماز کو بالکل ہی نہیں پڑھتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو وقت سے ناوقت کر کے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو اس کے ارکان اور شروط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو خشوع کی طرف دھیان نہیں کرتے اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے۔ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص ان صفات میں سے کسی بھی ایک صفت سے متصف ہوگا اسی درجہ میں آیت کا مضمون اس کو شامل ہوگا' پھر لکھا ہے کہ جس میں یہ صفات موجود ہوں وہ پوری طرح آیات کی وعید کا مستحق ہوگا اور اس میں پوری طرح نفاق عملی پایا جائے گا' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو بس ذرا سا یاد کرتا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ ریا کاری کرتے ہیں' بعض لوگ سستی کی وجہ سے اور بعض کاروباری دھندوں کی وجہ سے نماز کو بے وقت کر کے پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل میں نماز پڑھنے کا حقیقی جذبہ ہی نہیں ہوتا' دل تو چاہتا نہیں مگر یہ بھی خیال ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اس لئے وقت نکلتے ہوئے کھڑے ہو کر جلدی سے جھوٹے دل سے ٹکر مار لیتے ہیں۔

ریا کاری بہت بری بلا ہے سورۂ نساء میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ

(بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کے دھوکے کی جزاء دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو

سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر ذرا سا)

بات یہ ہے کہ جسے اللہ سے ثواب لینا ہو وہ خوب اچھی طرح دل کے ساتھ عبادت میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زبان پر جاری کرتا ہے اور دل میں بساتا ہے اس کے لئے خلوت اور جلوت برابر ہے وہ مخلوق کو اس لائق سمجھتا نہیں کہ ان کے لئے کوئی ایسا عمل کرے جو عبادات میں سے ہو اور جسے مخلوق کو راضی کرنا ہے وہ برے دل سے تھوڑا سا عمل کرتا ہے وہ بھی لوگوں کے سامنے (تنہائی میں نہیں کر سکتا) ذرا سا عمل کیا اس کا ڈھنڈورا پیٹ دیا، تہجد پڑھا لوٹا بجا دیا، صبح ہوئی تو لوگوں کے سامنے ترکیب سے بیان کر دیا کہ میاں آج رات کو اٹھا تو سردی کے مارے لرزہ چڑھ گیا، قرآن شریف پڑھا، لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے، اگر چند قاری جمع ہو گئے تو مجلس منعقد کرنے والوں سے ناراض ہو گئے کہ تم نے میرے بعد دوسرے کی تلاوت کیوں رکھی، میرا جو رنگ جما تھا اسے خراب کر دیا، مقرر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے تقریر فرمائی نہ اپنے گلے سے اتری نہ سننے والوں کے کانوں سے آگے بڑھی، مقرر داد لینے والے اور سننے والے کانوں کو غذا دینے والے۔ عمل کا ارادہ کسی کا نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ کو مستقل آیت قرار دے کر اور یُرَآءُوْنَ کا مفعول حذف فرما کر ہر قسم کے ریا کاروں کی مذمت بیان فرما دی۔ بدنی عبادت کے علاوہ مالیات خرچ کرنے میں بھی ریا کاری ہوتی ہے۔ مسجد بنا دی تو شہرت کے لئے۔ اپنے نام پر مسجد رکھنے کی ضد، کسی مدرسہ میں کوئی حجرہ بنوایا اس پر اپنے نام کا کتبہ لگانے کا اصرار، کوئی کتاب چھپوا کر تقسیم کر دی اس پر اپنے نام کی تشہیر، زکوٰۃ دی تو اس کا اشتہار، مدارس کے سفراء سے رسید لے کر اپنے ہاتھ سے اپنے القاب و آداب کے ساتھ نام لکھنا تا کہ روئداد میں معلے القاب کے ساتھ نام چھپے یہ چیزیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگ کسی کی مالی امداد کرتے ہیں تو احسان جتاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں سورۃ البقرہ میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

(اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان دھر کے اور ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا)

یاد رہے کہ اللہ نے جو عبادت کی توفیق دی اس سے دل میں مسرت اور خوشی آ جانا یہ ریا کاری نہیں ہے اور لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام بھی ریا کاری نہیں۔ ریا کاری یہ ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کا اور شہرت اور جاہ کا ارادہ ہو بعضے جاہل مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی ہے کہ لوگوں کے سامنے عمل کریں گے تو ریاء کاری ہو جائے گی حالانکہ ریاء کاری دل کے اس ارادہ کا نام ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے معتقد بنیں، سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ.

(اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے)

دیکھو صدقات ظاہر کر کے دینے کو بھی اچھی بات بتا دی، مؤمن بندے کے لئے لازم ہے کہ خلوت میں ہو یا جلوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرے۔ مخلوق سے نہ جاہ کا امیدوار ہو نہ مال کا طالب۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (کہ یہ لوگ ماعون سے روکتے ہیں۔ ماعون کے بارے میں مفسر ابن کثیر نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز استعمال سے نہ بڑھتی ہے اور نہ گھٹتی ہے نہ بدلتی ہے نہ خراب ہوتی ہے اس کے دینے میں کنجوسی کرنا یہ ماعون کا روکنا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ ماعون کیا ہے؟، انہوں نے

فرمایا کہ یہ جو لوگ آپس میں مانگے کے طور پر دیدیتے ہیں جیسے ہتھوڑا' ہانڈی' ڈول' ترازو اور اسی طرح کی چیزیں ماعون ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا متاع البیت یعنی گھر کا استعمالی سامان ماعون ہے۔ حضرت عکرمہؒ نے ماعون کی مثال دیتے ہوئے چھلنی' ڈول اور سوئی کا بھی تذکرہ فرمایا بعض حضرات نے وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عکرمہؒ سے یہ تفسیر کی گئی ہے۔ (ابن کثیر ص ۵۵۵' ص ۵۵۶ ج ۴)

اگر ریا کاری کے طور پر اچھی نماز پڑھے چونکہ وہ اللہ کے لئے نہیں ہے اس لئے خالق جل مجدہ کے حق کی ادائیگی میں وہ بھی کنجوسی ہے اس کنجوسی کو ذکر کرنے کے بعد مال کی کنجوسی ذکر کی اس میں مانگے پر استعمالی چیز نہ دینے کا تذکرہ فرماتے ہوئے وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ فرمایا جو مانگے پر کوئی چیز صرف استعمال کے لئے نہ دے جو استعمال سے نہ گھٹے وہ بالکل کوئی چیز کسی کو کیا دے سکتا ہے جو بالکل ہاتھ سے نکل جائے۔

زکوٰۃ نہ دینا بھی کنجوسی کی ایک شق ہے ایک آدمی کے پاس مال جمع ہو گیا اس میں قواعد شرعیہ کے مطابق زکوٰۃ فرض ہو گئی جو کل مال کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے وہ بھی پورا ایک سال گزرنے پر فرض ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی تو یہ بہت بڑی کنجوسی ہے کوئی شخص استعمال کی چیز ذرا بہت دیر کے لئے دینے سے منکر ہو جائے جیسے یہ کنجوسی ہے اسی طرح معمولی چیز نہ دینا بھی کنجوسی ہے کسی کو آگ دیدی ماچس کی ایک تیلی دیدی تلاوت کرنے کے لئے قرآن مجید دے دیا' نماز پڑھنے کے لئے چٹائی دے دی۔ ان سب چیزوں میں ثواب بہت زیادہ مل جاتا ہے اور روک لینے سے کوئی اپنے پاس مال زیادہ جمع نہیں ہو جاتا' جن لوگوں کا مزاج کنجوسی کا ہوتا ہے وہ کسی کو کچھ دینے یا ذرا سی مدد کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں؟ فرمایا پانی' نمک اور آگ۔ عرض کیا یا رسول اللہ! پانی کی بات تو سمجھ آ گئی نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟ فرمایا کہ جس نے آگ دیدی گویا اس سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے آگ نے پکایا اور جس نے نمک دیدیا گویا اس نے سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے نمک نے مزیدار بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا ہے تو گویا اس نے ایک جان کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۰ از ابن ماجہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرا دینا صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے جو شخص راستہ گم کئے ہوا سے راہ سے بتا دینا صدقہ ہے' کمزور بینائی والے کی مدد کر دینا صدقہ ہے اور راستہ سے پتھر' کانٹا' ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۱۶۹)

فائدہ: لفظ حضٌّ (مضاعف) قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ یتیم کو کھانا نہ کھلانے کی شکایت کے تذکرہ میں وارد ہوا ہے دو جگہ مجرد ہے ایک جگہ سورۃ الحاقہ میں اور ایک جگہ الماعون میں تیسرا جو سورۃ الفجر میں ہے باب تفاعل سے ہے۔

والله المستعان وعليه التكلان فى كُل حين وان.

☆☆☆.................☆☆☆

مکی	سورۃ الکوثر	۳ آیتیں ا رکوع

ایاتھا ۳ (۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵) رکوعھا ۱

سورۃ الکوثر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔ سو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے، بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

یہ سورۃ الکوثر کا ترجمہ ہے بعض حضرات نے اسے مدنی سورت بتایا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیات ہیں اور تعداد آیات کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کی سب سے چھوٹی سورت ہے۔ لفظ کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے اسی خیر کثیر میں سے نہر کوثر بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔ سورت کے سبب نزول کے بارے میں کئی روایات تفسیر کی کتابوں میں لکھی ہیں جنہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہم آخری آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھیں گے۔

ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا سید الانبیاء والرسل بنایا، قرآن عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ کے تابع بنائی۔ آپ کا دین سارے عالم اور ساری اقوام میں پھیلایا اور آخرت میں آپ کو بہت بڑی خیر سے نوازا اور مقام محمود بھی عطا فرمایا۔ نہر کوثر بھی خیر کثیر کا ایک حصہ ہے خیر کثیر اسی میں منحصر نہیں۔ احادیث شریفہ میں نہر کوثر کی بھی بہت عظیم صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (شب معراج) میں جنت میں چل پھر رہا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہر ہے اس کے دونوں جانب موتیوں کے بنائے ہوئے ایسے قبے ہیں کہ موتیوں کو اندر سے تراش کر ایک ایک موتی کا ایک ایک قبہ بنا دیا گیا ہے میں نے دریافت کیا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے اندر کی مٹی بہت تیز خوشبودار مشک ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے حوض کا طول اور عرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے ایک ماہ کی مدت درکار ہے اور اس کے گوشے برابر ہیں۔ (یعنی طول وعرض دونوں برابر ہیں) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس کے لوٹے اسقدر ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں، جو اس میں سے پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷ از مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض اس قدر عریض وطویل ہے کہ اس کی دو طرفوں کے درمیان اس فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جو ایلہ سے عدن تک ہے۔ سچ جانو وہ برف سے زیادہ سفید اور اس شہد سے زیادہ میٹھا ہے جو دودھ میں ملا ہوا ہو اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں (دوسری امتوں) کو اپنے حوض پر آنے سے ایسے ہٹاؤں گا جیسے (دنیا میں) کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس روز آپ ہم کو پہچانتے ہوں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (ضرور پہچانوں گا اس لئے کہ تمہاری ایک علامت ہوگی جو کسی اور امت کی نہ ہوگی۔ اور وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر سے تمہارے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد میں حوض کے اندر سونے چاندی کے لوٹے نظر آرہے ہوں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں دو نالے گر رہے ہوں گے جنت (کی نہر) سے اس کے پانی میں اضافہ کر رہے ہوں گے۔ ایک پرنالہ سونے کا اور دوسرا چاندی کا ہوگا (حوض کی وسعت کئی طرح ارشاد فرمائی ہے کہ کہیں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ اس کی طرفوں کے درمیان فرمایا کہیں ایلہ اور عدن کے درمیان فاصلہ سے بھی اس کی وسعت کی تشبیہ دی کہیں کچھ اور فرمایا۔ ان مثالوں کا مقصد حوض کی وسعت کو سمجھانا ہے۔ ناپی ہوئی مسافت بتانا مراد نہیں ہے اہل مجلس کے لحاظ سے وہ مسافت اور فاصلہ ذکر فرمایا ہے جسے وہ سمجھ سکتے تھے۔ حاصل روایات کا یہ ہے کہ اس حوض کی مسافت سینکڑوں میل ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ)۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہر کوثر جنت میں ہے۔ میدان قیامت میں اس میں سے ایک شاخ لائی جائے گی جس میں اوپر سے پانی آتا رہے گا اور اہل ایمان اس میں سے پیتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں جو اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء آئیں گے کسی نے (اہل مجلس میں سے) سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ان کا حال بتا دیجئے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں (دنیا میں) جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے (بھوک وتھکن کے باعث) بدلے ہوتے تھے۔ ان کے لئے (بادشاہوں اور حاکموں) کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں اور (ان کے معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ) ان کے ذمہ جو (کسی کا حق) ہوتا تھا سب چکا دیتے تھے اور ان کا حق جو (کسی پر ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے (بلکہ تھوڑا بہت چھوڑ دیتے تھے۔

یعنی دنیا میں ان کی بدحالی اور بے مائیگی کا یہ حال تھا کہ بال سدھارنے اور کپڑے صاف رکھنے کا مقدور بھی نہ تھا۔ اور ظاہر کے سنوارنے کا ان کو ایسا خاص دھیان بھی نہ تھا کہ بناؤ سنگار کے چوچلوں میں وقت گزارتے اور آخرت سے غفلت برتتے۔ ان کو دنیا میں افکار ومصائب ایسے درپیش رہتے تھے کہ چہروں پر ان کا اثر ظاہر تھا۔ اہل دنیا ان کو ایسا حقیر سمجھتے تھے کہ مجلسوں اور تقریبوں اور شاہی درباروں میں ان کو دعوت دے کر بلاتا تو کیا معنی ان کے لئے ایسے مواقع میں دروازے ہی نہ کھولے جاتے تھے اور وہ عورتیں جو ناز ونعمت میں پلی تھیں ان خاصانِ خدا کے نکاحوں میں نہیں دی جاتی تھیں۔ مگر آخرت میں ان کا یہ اعزاز ہوگا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچیں

گے۔ دوسرے لوگ ان کے بعد اس مقدس حوض سے پی سکیں گے۔ (بشرطیکہ اہل ایمان ہوں اور اس میں سے پینے کے لائق ہوں)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور میلے رہتے تھے اور جن سے عمدہ عورتوں کے نکاح نہ کئے جاتے تھے اور جن کے لئے دروازے نہ کھولے جاتے تھے تو اس ارشاد نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سن کر (گھبرا گئے) اور بے ساختہ فرمایا کہ میں ایسا نہیں ہوں میرے نکاح میں عبدالمطلب کی بیٹی فاطمہ (شہزادی) ہے اور میرے لئے دروازے کھولے جاتے ہیں لامحالہ اب تو ایسا کروں گا کہ اس وقت تک سر کو نہ دھوؤں گا جب تک بال بکھر نہ جایا کریں گے اور اپنے بدن کو اس وقت تک نہ دھوؤں گا جب تک میلا نہ ہو جایا کرے گا۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارے پلانے کا انتظام کرنے کے لئے پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو اس میں سے پی لے گا کبھی اسے پیاس نہیں لگے گی پھر فرمایا بہت سے لوگ میرے پاس سے گزریں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا دور رہو دور رہو جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دین میں پچر لگانے والوں کا اس وقت کیسا برا حال ہوگا جبکہ قیامت کے دن پیاس سے بے تاب اور عاجز و بے کس ہوں گے اور حوض کوثر کے قریب پہنچا کر دھتکار دیئے جائیں گے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی ایجادات کا حال سن کر ''دور دور'' فرما کر پھٹکار دیں گے۔

قرآن و حدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسی پر چلنے میں بھلائی ہے اور کامیابی ہے۔ لوگوں نے سینکڑوں بدعتیں نکال رکھی ہیں اور دین میں ادل بدل کر رکھا ہے جن سے ان کی دنیا بھی چلتی ہے اور نفس کو مزہ بھی آتا ہے اور مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں رواج پا گئی ہیں ایسے لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے تو الٹا سمجھانے والے کو ہی برا کہتے ہیں۔ ہم سیدھی اور موٹی سی ایک بات کہے دیتے ہیں کہ جو کوئی بھی کام کرنا ہو آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا اس طرح کریں اور جس طرح آپ نے کیا اسی طرح عمل کریں اور اپنے پاس سے کوئی عمل تجویز نہ کریں۔

دنیا دار پیر فقیر یا علم کے جھوٹے دعویدار اگر کہیں گے کہ فلاں کام میں ثواب ہے اور اچھا ہے تو ان سے ثبوت مانگو اور پوچھو کہ بتاؤ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں؟ اور حدیث شریف کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا کرنا پسند تھا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے)

(جب آپ کے رب نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما دی تو عبادت کی طرف زیادہ توجہ کیجئے نمازیں پڑھتے رہا کریں۔ فرائض بھی اور نوافل بھی اور جانوروں کی قربانی کرتے رہیں ان کے ذبح کے وقت رب کا نام لیں۔

پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوثر یعنی دنیا و آخرت میں خیر کثیر عطا فرمانے کی خوش خبری دی اب اس آیت میں اس کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور دو کاموں میں مشغول ہونے کی خاص تلقین فرمائی ایک نماز دوسری قربانی نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں

سب سے بڑی عبادت ہے اور قربانی مالی عبادتوں میں سے ہے اور اس بنا پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے خلاف ایک جہاد ہے مشرکین بتوں کے نام سے قربانی کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی کو اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کو حکم دیا کہ اللہ کے نام سے قربانی کیا کریں۔

لفظ نَحر عربی زبان میں اونٹوں کو ذبح کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا اہل عرب کے نزدیک اونٹ بڑا قیمتی مال سمجھا جاتا تھا اس آیت میں اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ گائے اور بکری کی قربانی بھی مشروع ہے جو احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ ایام حج میں منیٰ میں اور پورے عالم میں ذی الحجہ کی ۱۰'۱۱'۱۲ تاریخوں میں اللہ کی رضا کے لئے قربانیاں کی جاتی ہیں چونکہ لفظ لِــرَبِّكَ بھی ساتھ ہی لایا گیا ہے۔ اس لئے مطلق ذبح کرنا مراد نہیں ہے قربانی وہی ہے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔

بعض لوگوں نے وَانْــحَــرْ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے چاہئیں اور اسے حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ صحیح نہیں۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۵۵۸ ج ۴)

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ. (بیشک آپ سے بغض رکھنے والا ہی ابتر ہے)

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عاص بن وائل (جو مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک دشمن تھا) جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑو ان کے آل و اولاد تو ہے نہیں موت کے بعد ان کا ذکر وفکر ختم ہو جائے گا اس پر سورۃ الکوثر نازل ہوئی اس میں بتا دیا کہ آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ بہت بڑھائے گا' جو شخص آپ سے دشمنی کرنے والا ہے وہ ہی بے نام ونشان رہ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف (جو مدینہ منورہ کے رہنے والے یہودیوں میں ایک مالدار شخص تھا) وہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ پہنچا اس سے قریش مکہ نے کہا کہ تو سردار آدمی ہے اس نوعمر لڑکے کو دیکھ بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے ہم لوگ حجاج کی خدمت کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، کعبہ شریف کے متولی ہیں (کیا ہم اس سے بہتر نہیں ہیں؟) اس پر کعب بن اشرف نے کہا کہ تم لوگ اس سے بہتر ہو اس پر آیت کریمہ اِنَّ شَــانِــئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ نازل ہوئی۔ (رواہ البزار قال ابن کثیر هو اسناد صحیح)

اور حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ یہ سورت ابولہب کے بارے میں نازل ہوئی' جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادہ کی وفات ہوگئی تو ابولہب مشرکین کے پاس گیا اور کہا کہ ان کی نسل ختم ہوگئی۔ اب ان کا ذکر وفکر کچھ نہیں ہوگا۔

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' آپ کے دشمنوں نے یہ خیال کیا کہ آل اولاد ہی سے انسان کا ذکر اور چرچا باقی رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد میں سے کوئی باقی نہیں لہٰذا ان کا ذکر تھوڑے ہی سے دن ہے یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خوب بلند کیا' آسمانوں میں بھی بلایا' فرشتوں میں تعارف کرایا' پوری دنیا میں آپ پر ایمان لانے والے پیدا فرمائے' اذان اور اقامت میں اپنے ذکر کے ساتھ آپؐ کا ذکر بلند فرمایا، نمازوں میں آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا مشروع فرمایا' آپ پر کتاب نازل فرمائی' کروڑوں افراد کو پورے عالم میں آپ کی امت اجابت میں شامل فرمایا' ہر وقت لاکھوں کی تعداد میں آپ پر امت کا صلاۃ وسلام بھی پہنچتا ہے اور دشمنانِ اسلام بھی آپ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل (جو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے) لاکھوں کی تعداد میں گزر چکی ہے اور

ہزاروں کی تعداد میں اب بھی موجود ہے اور آپ پر ایمان لانے والے کروڑوں گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں، جن لوگوں نے آپ سے دشمنی رکھی اور یوں کہا کہ ان کا ذکر فکر کچھ نہ رہے گا خود یہ دشمن بے نام ونشان ہو گئے آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں ہے، دنیا سے خود بھی گئے نسل بھی ختم ہو گئی۔ فلعنة اللّٰه علٰی من عادی انبیاء اللّٰه تعالٰی

لفظ شَانِئی صیغہ اسم فاعل ہے اس کا مصدر شَنئَان ہے سورۃ مائدۃ میں فرمایا ہے۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔" اور لفظ اَبْتَر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا مادہ بتر ہے جو کاٹنے کے معنی میں آتا ہے یہاں مبتور کے معنی میں ہے جس کا ذکر منقطع ہو گیا ہو آگے پیچھے کوئی نہ رہا ہو ایسے شخص کو ابتر کہتے ہیں اور اردو والے اس کا بدتر کے معنی میں لیتے ہیں یہ ان کی وضع ہے عربی میں ابتر کا یہ معنی نہیں ہے۔

سقانا اللّٰه من حوض نبیه المجتبٰی ورسوله المصطفٰی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم دائمًا ابدًا۔

☆☆☆..................☆☆☆

مکی	سورۂ کافرون	٦ آیتیں ا رکوع

(۱۰۹) سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۱۸) — اٰیَاتُهَا ٦ — رُکُوْعُهَا ۱

سورۂ کافرون مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو' اور نہ میں تمہارے

اَنَاعَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

معبودوں کی پرستش کروں گا۔ اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے' تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

یہ سورۂ کافرون کا پورا ترجمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل مکہ مشرک تھے کعبہ معظمہ تک کے اندر بت رکھ چھوڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ایمان کی دعوت دی اور شرک چھوڑنے کی تبلیغ کی تو ان کو یہ بات بہت کھلی، پہلے تو آپ سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو الصادق الامین کہتے تھے۔ جب آپ نے بت پرستی چھوڑنے کا حکم فرمایا تو سخت ترین دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگے' ایک دن ایسا ہوا کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف آپس میں مل کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! آؤ ہم اور تم ساجھا کر لیں آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اس طرح سے ہمارا اور آپ کا دین مشترک ہو جائے گا آپ کو بھی ہمارے دین میں سے کچھ حصہ مل جائے گا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ قریش مکہ میں جو بہت سرکش لوگ تھے انہوں نے کہا کہ اے محمد! ﷺ آؤ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ شانہ کے سوا کسی کی عبادت کروں' کہنے لگے کہ آپ اتنا کیجئے ہمارے بعض معبودوں کو بوسہ دے دیجئے ہم آپ کی تصدیق کر لیں گے اور ہم آپ کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے۔ اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی آپ مسجد الحرام تشریف لے گئے وہاں قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ وہیں کھڑے ہو کر آپ نے برملا بلا خوف وخطر یہ سورت ان لوگوں کو سنا دی اسے سن کر یہ لوگ آپ کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کبھی ذرا بھی نہیں جھک سکتے

اور ہمارا دین قبول نہیں کر سکتے۔ (ذکرہ صاحب الروح)

دوسری اور تیسری آیت بظاہر چوتھی پانچویں کے ہم معنی ہے اس لئے بعض حضرات نے بعد والی دونوں آیتوں کو پہلی دو آیتوں کی تاکید قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ان چاروں کی پہلی آیت چونکہ جملہ فعلیہ ہے جو وقت موجودہ میں کسی کام کے کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لئے وہ اور اس کے بعد والا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ وقت موجودہ میں نہ تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور اس کے بعد جو وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ فرمایا ہے یہ جملہ اسمیہ ہے اس کی دلالت کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں لہٰذا یہ آئندہ زمانہ پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی کبھی میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں اور تم بھی آئندہ میرے معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ . دوجگہ ہے۔ دونوں جگہ ایک ہی معنی ہونا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے لیکن چونکہ پہلی جگہ صیغہ مضارع کے ساتھ منسلک ہے اسی لئے اسی کے ہم معنی لیا گیا اور چونکہ تاسیس اولیٰ ہے تاکید سے پہلی تصریح کو حال پر اور دوسری تصریح کو استقبال پر محمول کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ)

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے کے کافروں میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے پھر یہ کیسے فرمایا کہ تم لوگ آئندہ بھی میرے معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص موحد ہوتے ہوئے مشرک نہیں ہو سکتا اور مشرک ہوتے ہوئے موحد نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا خطاب کافروں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تم مشرک ہو میرے معبود کی عبادت نہیں کر سکتے جو اس کے ہاں مقبول ہے۔

آخر سورۃ میں لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلی بات کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا دین شرک ہے جس پر تم جمے ہوئے ہو اور میرا دین توحید ہے جس پر میں پختگی سے جما ہوا ہوں نہ تم میرا دین قبول کرنے والے ہو نہ میں تمہارے دین پر آنے والا ہوں اور بعض مفسرین نے یہ مطلب بتایا ہے کہ تم میرا دین قبول نہیں کرتے ہو تو تم جانو میں دعوت حق دے چکا، نجات کا راستہ بتا چکا۔ تم دعوت حق کو قبول نہیں کرتے تو میرا پیچھا چھوڑو، مجھے شرک کی دعوت نہ دو اور تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا ملے گی۔ تمہیں تمہارے شرک وکفر کا بدلہ ملے گا اور مجھے توحید پر رہنے اور جمنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا بدلہ ملے گا۔ تم تو حق قبول نہیں کرتے اور مجھے باطل کی دعوت دے کر باطل کی جزاء میں مبتلا کرنا چاہتے ہو میں اپنے رب کی طرف سے ملنے والی جزائے خیر کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

بعض حضرات نے سورۃ الکافرون کا یہ مطلب لے کر کہ کافروں سے صلح نہیں کی جا سکتی یوں کہا ہے کہ مضمون سورت منسوخ ہے کیونکہ شریعت مطہرہ میں بعض مواقع میں کفار ومشرکین سے صلح کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے صلح کر لی تھی، بات یہ ہے کہ سورۃ الکافرون میں اس خاص قسم کی صلح سے برأت ظاہر فرمائی ہے جس میں مسلمانوں کو کفر اختیار کرنا پڑے یا اصول اسلام کے خلاف کسی شریعت کے مطابق مصالحت کرنے کی اجازت ہے سورۃ الکافرون کی آیت کریمہ میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ: بعض ایسے فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں جب انہیں کوئی شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خود ساختہ دین کو چھوڑو اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کردہ عقائد اور اعمال کو

قبول کرو تو لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ سنا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو پورے قرآن مجید میں بس یہی ایک آیت ملی ہے وہ بھی حق سے دور بھاگنے کے لئے یاد کر رکھی ہے۔ آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایمان و کفر سے کوئی بحث نہیں اور جو شخص جو بھی دین اختیار کرلے کفر ہو یا ایمان اسے اس کی اجازت ہے۔ (العیاذ باللہ)

شروع سورت میں کافروں کو کافر کہہ کر خطاب فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ہے کہ تمہارا دین الگ ہے اور میرا دین الگ ہے پھر بھلا اس دین کے اختیار کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے جو قرآن کی تصریحات اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہو، گمراہ فرقوں کے قائدوں نے (جنہیں یہ لوگ امام کہتے ہیں) انہیں یہ آیت بتادی ہے یہ ان کی گمراہی کی بات ہے۔

فائدہ:۔ احادیث شریف میں سورۃ الکافرون کے پڑھنے کی فضیلت اور اس کی تلاوت کے مواقع جگہ جگہ مذکور ہیں۔ سورۃ الزلزال کی تفسیر میں حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی دو سنتوں میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے۔ (رواہ ابن ماجہ)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نہیں شمار کرسکتا کہ کتنی مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مغرب کے بعد والی دو رکعتوں میں اور فجر سے پہلے دو رکعتوں میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سنا۔ (الاحادیث من المشکوٰۃ ص ۸۰)

حضرت فروہ بن نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جسے میں اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا کہ سورت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کرو کیونکہ اس میں شرک سے بیزاری ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

بعض روایات میں ہے کہ اس کو پڑھ کر سو جاؤ (سوتے وقت جو آخری چیز تمہاری زبان سے نکلے وہ سورۃ الکافرون ہونی چاہئے۔ (رواہ ابوداؤد)

نسال اللہ تعالیٰ الدوام علی الایمان وھو المستعان وعلیہ التکلان

۳ آیتیں ۱ رکوع	سورۃ النصر	مدنی

آیاتہا ۳ (۱۱۰) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۴) رکوعہا ۱

سورۃ النصر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾

جب آ جائے اللہ کی مدد اور فتح اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں'

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

سو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو اور اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ع ۲۵ وقف النبی ﷺ

اوپر سورۃ النصر کا ترجمہ کیا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ جب اللہ کی مدد آ جائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج در فوج، جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہو جائیں اور تسبیح کے ساتھ اللہ کی حمد بھی بیان کریں مثلاً: یوں کہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کریں اور آخر میں یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہمیشہ ہی تسبیح وتحمید واستغفار میں لگے رہتے تھے اس صورت میں جو ان چیزوں میں مشغول رہنے کے لئے خطاب فرمایا ہے اس خطاب کی وجہ سے آپؐ نے اور زیادہ تسبیح وتحمید اور استغفار کی کثرت شروع فرما دی حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ آپؐ اپنی آخری عمر میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ (ذکرہ ابن کثیر وعزاہ الی الامام احمد)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آپؐ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے تھے میں نے جو اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے' پھر آپؐ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کو آخر تک تلاوت فرمایا۔ (ذکرہ ابن کثیر ایضاً وعزاہ الی ابن جریر)

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں الفتح سے فتح مکہ مراد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری موت قریب ہے یہ سن کر وہ رونے لگیں پھر آپؐ نے ان سے فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سے تم مجھے سب سے پہلے آ کر ملو گی یہ سن کر وہ ہنسنے لگیں۔

(ابن کثیر عن البیہقی ص ۵۶۱ ج ۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مشائخ بدر کی مجلس میں ساتھ بٹھایا کرتے تھے بعض حضرات کو نا گوار ہوا کہ ان کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں (حالانکہ نوعمر ہیں) اور ان جیسے ہمارے لڑکے بھی ہیں انہیں ہمارے ساتھ مجلس میں کیوں نہیں بٹھاتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو ایک دن ان حضرات کی موجودگی میں حضرت ابن عباسؓ کو بلایا اولاً ان حضرات سے پوچھا کہ بتاؤ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، میں کیا بات بتائی گئی ہے ان میں سے بعض نے خاموشی اختیار کی اور بعض نے جواب دیا کہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی مدد آ جائے اور ممالک فتح ہو جائیں تو اللہ کی حمد کریں اور استغفار میں مشغول رہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کیا بات اسی طرح ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نہیں۔ فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس سورت کا مطلب یہی سمجھتا ہوں۔ (تفرد بہ البخاری)

چونکہ اس سورت میں آپؐ کی وفات کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ دنیا سے جلدی تشریف لے جانے والے ہیں اور تسبیح اور استغفار میں مشغول ہونے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے آخر عمر میں آپ ان تینوں چیزوں کی مشغولیت کے ساتھ دیگر امور متعلقہ آخرت میں بھی پہلے کی نسبت اور زیادہ کوشش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ پوری سورت الفتح پڑھی اور آخیر میں کہا **فَاَخَذَ بِاَشَدِّ مَا کان قط اجتهادًا فی امر الاٰخرة** (ابن کثیر عن الطبرانی) (پس آپ آخرت کے امور میں سب سے زیادہ کوشش میں لگ گئے)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی وقت بھی اعمال آخرت سے غافل نہیں رہتے تھے اور ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے اور سورة النصر نازل ہونے کے بعد اس طرف اور زیادہ متوجہ ہو گئے، جو دعوت کا کام آپ کے ذمہ تھا یعنی لوگوں کو دین اسلام اور احکام اسلام پہنچانا یہ بھی بہت بڑا کام ہے اور بہت بڑی عبادت ہے لیکن اس کے انجام دینے میں مخلوق کی طرف بھی توجہ دینی پڑتی ہے لہٰذا آپ کو حکم دیا گیا کہ خصوصیت کے ساتھ ایسی عبادت کا بھی اہتمام کریں جس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دینی پڑتی ہے۔ لہٰذا آپ کو حکم دیا کہ خصوصیت کے ساتھ ایسی عبادت کا بھی اہتمام کریں جس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اسی کو فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ میں ارشاد فرمایا ہے اور اس سورت میں فرمایا کہ اب جب کہ اس دنیا سے جانے کا وقت قریب ہے تو اور زیادہ تسبیح و تحمید اور استغفار میں لگے رہیں آپؐ نے اس پر عمل فرمایا اور آیت کریمہ کے نازل ہونے کے دو سال بعد آپؐ کی وفات ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے کام میں بہت محنت کی، بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں مکہ والوں میں سے چند ہی آدمیوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور کیا پورے جزیرۂ عرب میں آپ کی بعثت کی خبر پھیل گئی تھی اور آپ کی دعوت حق کا علم ہو گیا تھا لیکن ایمان نہیں لاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ابھی انتظار کرو دیکھتے رہو ان کا اپنی قوم کے ساتھ کیا انجام ہوتا ہے، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تب بھی قریش مکہ ایمان نہ لائے اور بدر و اُحد میں جنگ کرنے کے لئے چڑھ آئے اور غزوۂ احزاب میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو مکہ والے بھی مسلمان ہو گئے اور عرب کے دوسرے قبائل نے بھی اسلام قبول کر لیا یہ لوگ جوق در جوق فوج در فوج مدینہ منورہ آتے تھے اور اسلام قبول کر کے واپس جاتے تھے اسی کی وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. میں پیشگی خبر دے دی تھی۔

حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو حضرات کسی بھی طرح سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ جب بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور موت قریب معلوم ہونے لگے تو حسب ہدایت قرآنیہ ذکر و تلاوت اور عبادت میں خوب زیادہ مشغول ہو جائیں۔

فضیلت:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دریافت فرمایا کیا تم نے نکاح نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، کیسے نکاح کروں؟ فرمایا کیا سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ نہیں ہے؟ عرض کیا ہاں ہے۔فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے پھر فرمایا کہ کیا تیرے پاس قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ نہیں ہے؟۔عرض کیا ہاں وہ میرے پاس ہے۔فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تیرے پاس سورۃ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ نہیں ہے؟ عرض کیا ہاں ہے۔فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے۔تم نکاح کرلو۔ان سورتوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارا نکاح کردے گا۔(ذکرہ ابن کثیر فی تفسیر سورۃ زلزال وعزاہ الی سنن الترمذی)

بعض روایات میں ہے کہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اس میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ نصف اور تہائی چوتھائی پر (بھی) مشتمل ہوتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے کم ثواب رکھا ہو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھادیا گیا ہو۔

وھذا اٰخر تفسیر سورۃ النصر، والحمد للّٰہ تعالٰی علٰی نصرہ جعلنا اللّٰہ تعالٰی مشتغلین بذکرہ وقائمین بشکرہ

☆☆☆..................☆☆☆

سورۃ اللھب مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے، نہ اسکے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے۔ وہ عنقریب شعلہ مارتی ہوئی بڑی آگ میں داخل ہوگا۔

وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

اور اس کی بیوی بھی بری عورت جو لکڑیاں لادنے والی ہے اس کے گلے میں رسی ہے کھجور کی چھال کی۔

ع ۳۶

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کے دس بھائی تھے جو عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان میں ایک شخص ابولہب بھی تھا اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا تو قریش مکہ میں سے جن لوگوں نے بہت زیادہ آپؐ کی دشمنی پر کمر باندھی ان میں ابولہب بھی تھا۔ وہ بہت زیادہ مخالفت کرتا تھا اور اس کی بیوی بھی آپ کی مخالفت میں بہت آگے بڑھی ہوئی تھی، جب سورۃ الشعراء کی آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور قریش کے قبیلوں کا نام لے لے کر پکارتے رہے اے بنی عدی! ادھر آؤ اے بنی فہر! ادھر آؤ۔ آپؐ کے بلانے پر قریش جمع ہو گئے اور انہوں نے اتنا اہتمام کیا کہ جو شخص خود نہیں آ سکتا تھا اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو بھیج دیا جو وہاں حاضر ہو کر بات سن لے، حاضر ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ یہاں قریب ہی وادی میں گھوڑ اسوار دشمن ٹھہرے ہوئے ہیں جو تم پر غارت گری کرنے والے حملہ کا ارادہ کر رہے ہیں کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں! ہم تصدیق کریں گے ہم نے آپ کے بارے میں یہی تجربہ کیا ہے کہ آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔ آپؐ نے نام لے لے کر سب کو موت کے بعد کے لئے فکرمند ہونے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اپنی جانوں کو خریدلو یعنی ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو مجھ سے جو چاہے میرے مال سے طلب کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا اور آپ نے تمام حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے یوں بھی فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ.

(میں تمہیں پہلے سے عذاب شدید سے ڈرا رہا ہوں اگر تم نے میری بات نہ مانی تو سخت عذاب میں مبتلا ہو گے یہ سن کر ابولہب بول پڑا اور اس نے کہا تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا؟ (ہمیشہ کے لئے تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے اس بات کے لئے ہمیں جمع کیا ہے اس پر تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ہ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ. نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۷۰۲ ج ۲)

صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ فَعَمَّ وَخَصَّ کہ آپ نے عمومی خطاب بھی فرمایا کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچا لو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اس پر ابولہب بول پڑا اور اس نے وہی بات کہی جو اوپر مذکور ہے اور سورۂ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی۔ (مسلم ص ۱۱۴ ج ۱)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا اس کا چہرہ سرخ تھا اس لئے وہ ابولہب کے لقب سے معروف تھا (لہب آگ کی لپٹ کو کہتے ہیں) خوبصورتی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اس کا یہ لقب مشہور تھا جب اس نے آپ کے خطاب کے جواب میں گستاخی والے الفاظ زبان سے نکالے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیا و آخرت والی رسوائی اور تکلیف اور عذاب کی خبر دی تو لہب یعنی آگ کی لپٹ کی مناسبت سے (جس میں اس کے جلنے کی پیشگی خبر دی ہے) لفظ ابولہب استعمال فرمایا جو آگ میں جلنے پر دلالت کرتا ہے پرانا لفظ جو اس کے لئے خوشی کا لقب تھا اب اس کی مذمت اور قباحت اور دنیا و آخرت کی رسوائی اور عذاب شدید میں مبتلا ہونے کی خبر پر دلالت والا بن گیا۔

تَبَّ ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل ضمیر ہے ابولہب کی طرف راجع ہے اور تبت واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ اس کا فاعل ہے (اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا) یہ لفظ تباب سے ماخوذ ہے تباب ہلاکت کو کہا جاتا ہے کما فی سورۃ المؤمن وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ٥

یہ جو فرمایا کہ ابولہب کے ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہو اس میں ہاتھوں کا ذکر کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اپنے ہاتھوں سے پتھر پھینکا تھا جس سے آپ کے پاؤں مبارک کی ایڑی خون آلود ہو گئی تھی لہٰذا اس کے ہاتھوں کی ہلاکت کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا۔

ترجمہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں' یہ اردو کے محاورے میں ہے اردو میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ ٹوٹیں یعنی پوری طرح ہلاک اور برباد ہو۔

ابولہب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو پیشگی خبر دی کہ وہ ہلاک ہو اور یہ کہ جلنے والی آگ میں داخل ہوگا اس میں پہلی بات کا مظاہرہ دنیا ہی میں ہو گیا اور اس طرح سے کہ اس کے جسم میں بہت خطرناک قسم کی چیچک نکل آئی جس کی وجہ سے لوگ اس سے گھن کرنے لگے اور اپنے عقیدہ کی وجہ سے اس کے پاس جانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ مرض ہمیں نہ لگ جائے لہٰذا اپنے اور پرائے اس سے دور ہو گئے' ایک گھر میں علیحدہ ڈال دیا گیا اور بے بسی اور بے کسی کی حالت میں مر گیا تین روز تک اس کی نعش یوں ہی پڑی رہی جب سڑنے لگی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو عار دلائی کہ دیکھو تمہارا باپ کس حال میں پڑا ہے اس پر انہوں نے ایک شخص کی مدد سے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور اس کے بعد اس کو برابر پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ وہ ان میں دب گیا (البدایہ ص ۳۰۹ ج ۳)

اور الروض الانف میں ہے کہ اس کو ایک لکڑی سے گڑھے میں ڈال دیا پھر اس پر پتھر برسا دیئے گئے (مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ابولہب کو اسی پر ڈال دیا گیا تھا اور یہ پہاڑ جبل ابولہب کے نام سے معروف ہے۔

مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ط (ابولہب کو اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس نے کچھ فائدہ نہ دیا)

ابولہب کثیر المال تھا تجارت کے منافع سے مالا مال تھا اور اولاد بھی اس کی خاصی تعداد میں تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے مَا كَسَبَ سے اولاد مراد ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ یعنی انسان کی اولاد اس کے کسب میں سے ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۲) لہٰذا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب کو اس کے مال نے اور اس کی اولاد نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا دنیا میں بھی بدحالی کے ساتھ مرا اور آخرت میں تو دوزخ میں جانا ہے ہی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کو ایمان کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے چھڑا لو۔ اس پر ابولہب نے کہا کہ اگر وہ بات صحیح ہے جو میرا بھتیجا بتا رہا ہے (کہ ایمان نہ لائے تو عذاب میں مبتلا ہو نگے) تو میں اپنی جان کے بدلہ میں اپنا مال اور اولاد دے کر چھوٹ جاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ نازل فرمائی۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ. (عنقریب یعنی قیامت کے دن لپٹ مارنے والی آگ میں داخل ہوگا)۔

وَامْرَاَتُهٗ (اور اس کی بیوی بھی) اس کی بیوی کا نام اروی اور کنیت ام جمیل تھی جو ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اپنے شوہر کی طرح یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت سخت دشمن تھی میاں بیوی دونوں کو لپیٹیں مارنے والی آگ میں داخل ہونے کی خبر دنیا ہی میں دے دی گئی۔ یوں تو سبھی کافر دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن ان دونوں کا خصوصی نام لے کر نار کی خبر دیدی جو مزید مذمت اور قباحت کا باعث بن گئی۔ رہتی دنیا تک یہ سورت پڑھی جاتی رہے گی اور قارئین کی زبان سے نکلتا رہے گا کہ یہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے۔ اعاذنا اللّٰہ منہا

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ط (بالنصب فی قرأۃ عاصم) اس کا عامل محذوف ہے جو اَذُمُّ ہے یعنی میں اس کی مذمت بیان کرتا ہوں، وہ لکڑیاں اٹھائی پھرتی تھی، اس کی دوسری مذموم حرکتیں تو تھیں ہی ان میں سے یہ حرکت بھی تھی کہ کانٹے دار لکڑیاں جمع کر کے اٹھائے پھرتی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راستے میں ڈال دیتی تھی، آپ تو اس پر آسانی سے گزر جاتے تھے لیکن اس عورت کی شقاوت اور بدبختی کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں اس کی کنجوسی بیان کی گئی ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تنگ دستی کا طعنہ دیا اس کے مقابلہ میں اس عورت کی کنجوسی ظاہر کی گئی کہ پیسے والی ہوتے ہوئے اپنی کمر پر لکڑی کی گٹھڑیاں اٹھا کر لاتی ہے حضرت مجاہد تابعیؒ نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ چغلی کھاتی تھی چغلی کھانے والا چونکہ لوگوں کے درمیان آگ جلاتا ہے اس لئے چغلی کھانے کو ہیزم کش لکڑیاں جلانے والا کہا جاتا ہے اس کی تفسیر میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے گناہوں کا بوجھ لاد کر لے جانا مراد ہے اور پانچویں تفسیر یوں کی گئی ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی میں اپنے شوہر کی مدد کرتی تھی اس طرح دوزخ میں وہ اپنے شوہر پر لکڑیاں ڈالتی رہے گی تا کہ اسکو اور زیادہ عذاب ہو۔ (ذکرہ ابن کثیر)

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ط (اس کی گردن میں رسی ہے کھجور کی چھال کی) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ پہلی بات سے متعلق ہے یعنی لکڑیاں لانے اور اٹھانے کے لئے اپنے گلے میں رسی باندھ لیتی تھی (یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ گٹھڑی اٹھانے کے لئے گلے میں رسی نہیں ڈالی جاتی) حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ اس کے گلے میں ایک قیمتی ہار تھا وہ کہتی تھی کہ میں اس ہار کی قیمت کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کر دوں گی اس کے عوض دوزخ کی ایک رسی اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی جو آگ کی رسی ہوگی جس

طرح کھجور کی چھال سے رسی بناتے ہیں اس طرح سے وہ رسی آگ سے بنائی ہوئی ہوگی
لفظ مسد کا ایک ترجمہ وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی کھجور کی چھال اور بعض حضرات نے اس کو بٹنے کے معنی میں لیا ہے یعنی اس کی گردن میں رسی ہوگی جو خوب بٹی ہوئی ہوگی۔ بیان القرآن میں اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

فائدہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان دونوں کے درمیان حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی تینوں بڑی لڑکیوں کی شادی کی ضرورت کا احساس ہوگیا تھا اس لئے آپؐ نے حضرت زینبؓ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ کا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ سورۂ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی لہٰذا ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم دونوں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دیدو ورنہ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں اس پر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک نے تو صرف طلاق دے دی اور دوسرے نے گستاخی کے الفاظ بھی زبان سے نکال دیئے' آپ نے اس کو بددعا دے دی اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ.

(کہ اے اللہ! اس پر اپنے پھاڑنے والے جانوروں میں سے ایک جانور کو مسلط فرما دے)

اس وقت آپ کے چچا ابوطالب بھی موجود تھے وہ خود مسلمان نہ ہونے کے باوجود یہ بددعا سن کر سہم گئے اور لڑکے سے کہا کہ اس بددعا سے تجھے خلاصی نہیں ہوسکتی۔ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑی دشمنی تھی مگر وہ بھی یہ سمجھتا تھا کہ میرے لڑکے کو آپ کی بددعا ضرور لگ کر رہے گی' جب ایک مرتبہ شام کے سفر کے لئے مکہ والوں کا قافلہ روانہ ہوا تو ابولہب نے اپنے اس لڑکے کو بھی ساتھ لے لیا ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددعا کی فکر ہے۔ سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ چلتے چلتے ایک منزل پر پہنچے' وہاں درندے بہت تھے لہٰذا حفاظتی تدبیر کے طور پر یہ انتظام کیا کہ تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کر کے ایک ٹیلہ بنا دیا۔ اور پھر اس کے اوپر لڑکے کو سلا دیا اور باقی تمام آدمی اس کے چاروں طرف سو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کون بدل سکتا ہے؟ تدبیر ناکام ہوئی اور رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے اور سب کو چھوڑتا چلا گیا۔ پھر اس زور سے زقند لگائی کہ سامان کے ٹیلہ پر جہاں وہ لڑکا سو رہا تھا وہیں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز بھی دی مگر ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا کوئی مدد نہ کر سکا نہ مدد کا فائدہ ہوسکتا تھا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا.

جمع الفوائد میں اس (شیر والے واقعہ) کو عتیبہ کے متعلق لکھا ہے اور اسی کو حضرت ام کلثومؓ کا شوہر بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شام کو جاتے ہوئے جب اس قافلہ نے مقام زرقاء میں منزل کی تو ایک شیر آکر ان کے گرد پھرنے لگا۔ اس کو دیکھ کر عتیبہ نے کہا کہ ہائے ہائے یہ تو مجھے کھائے بغیر نہ چھوڑے گا جیسا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بددعا دی تھی) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے بیٹھے بیٹھے مجھے یہاں قتل کر دیا اس کے بعد وہ شیر چلا گیا۔ اور جب مسافر سو گئے تو دوبارہ آکر اس کو قتل کر دیا۔

دلائل النبوت میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ مگر مقتول کا نام عتبہ بتایا ہے۔ سلسلۂ بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ قافلہ شام میں داخل ہوگیا تو ایک شیر زور سے بولا اس کی آواز سن کر اس کے لڑکے کا جسم تھرتھرانے لگا' لوگوں نے کہا کہ تو کیوں کانپتا ہے جو ہمارا حال ہے

وہی تیرا حال۔ اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے مجھے بددعا دی تھی' خدا کی قسم! آسمان کے نیچے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سچا کوئی نہیں۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ڈر کی وجہ سے اس لڑکے کا ہاتھ کھانے تک نہ گیا پھر سونے کا وقت آیا تو سب قافلہ والے اس کو گھیر کر اپنے درمیان میں لے کر سو گئے شیر بہت معمولی آواز سے بھنبھناتا ہوا آیا۔ اور ایک ایک کو سونگھتا رہا۔ حتی کہ اس لڑکے تک پہنچ گیا اور اس پر حملہ کر دیا آخری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سب سے زیادہ سچے ہیں یہ کہہ کر مر گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ میں پہلے سمجھ چکا تھا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددُعا سے اس لڑکے کو چھٹکارہ نہیں (دلائل النبوت ص ۱۶۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۱۲)

لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عتیبہ کے ساتھ پیش آیا کیونکہ عتبہ کے متعلق الاصابہ' اور الاستیعاب اور اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کے موقع پر مکہ معظّمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابولہب) کے بیٹے عتبہ معتب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دونوں مکہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں! اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا کے ان لڑکوں کو اپنے رب سے مانگ لیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ:

عتبہؓ مکہ ہی میں رہا اور وہیں وفات پائی غزوۂ حنین کے موقع پر یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

کتنی بڑی شقاوت اور بدبختی ہے کہ ابولہب اور خود اس کا لڑکا جان رہے ہیں اور دل سے مان رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ اور ان کی بددعا ضرور لگے گی اور خداوند عالم کی طرف سے ضرور عذاب دیا جائے گا۔ مگر پھر بھی دین حق قبول کرنے اور کلمہ اسلام پڑھنے کو تیار نہ ہوئے۔ جب دل میں ہٹ اور ضد بیٹھ جاتی ہے تو اچھا خاصا سمجھ دار انسان باطل پر جم جاتا ہے اور عقل کی رہنمائی کو قبول کرنے کی بجائے نفس کا شکار بن کر اللہ رب العزت کی ناراضگی کی طرف چلا جاتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک۔

فائدہ: .... رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں ۸ھ میں وفات پائی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دفن کرنے کے لئے خود ان کی قبر میں اترے اور جب عتبہ اور عتیبہ نے اپنی اپنی منکوحہ کو طلاق دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ دونوں میاں بیوی نے دو مرتبہ حبشہ اور تیسری مرتبہ مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں ۲ھ میں وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ بدر کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ کے پیچھے ہی ان کی وفات ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا چونکہ ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رہیں اس لئے وہ ذوالنورین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں (یعنی دونوروالے) ۹ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی (بے بیاہی) ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور اولاد بھی ہوئی اور انہیں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل چلی آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔

(تفصیلات کے لئے الاصابہ و اسد الغابہ کا مطالعہ کیجئے) (ہماری کتاب ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں'' کا بھی مطالعہ کرلیا جائے)

☆☆☆..........................☆☆☆

مکی	سورۂ اخلاص	۴ آیتیں ارکوع

(۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲) — اٰيَاتُهَا ۴ — رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ اخلاص مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اس سورت میں اللہ جل شانہ کی ذات اور صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ الفاظ اگرچہ مختصر ہیں لیکن واضح طور پر بتادیا کہ اللہ تعالیٰ بالکل تنہا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے نہ ذات میں نہ صفات میں' اور کوئی بھی ذرا بھی کسی طرح اس کا برابر نہیں' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کر دیجئے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عامر نے کہا کہ اے محمد! آپ کس کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں عامر نے کہا کہ اللہ کی توصیف کیجئے' ہمیں بتادیجئے کہ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا' لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا تھا کہ اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ کیا وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے؟)

اس پر سورۃ الاخلاص نازل ہوئی' اللہ تعالیٰ نے اربد کو بجلی سے ہلاک فرمادیا اور عامر بن طفیل طاعون میں ہلاک ہو گیا۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل)

چونکہ اس سورت میں خالص توحید ہی بیان کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورۃ الاخلاص معروف ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص مروی ہے (کما ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص ۴۱۴ ج ۶)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے اور سب سے پہلے نبی بھی تھے ان سے اور ان کی بیوی حوا سے انسان دنیا میں پھیلے اور ان کی بتائی ہوئی تعلیم پر چلتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم خالص توحید پر مشتمل تھی بہت سی قرنین اسی طرح گزر گئیں پھر شیطان ابلیس اور اس کی ذریت نے لوگوں کو شرک پر ڈال دیا خالق و مالک جل مجدہ کے وجود کا انکار کرانا تو اس زمانہ کے اعتبار سے ناممکن کے درجہ میں تھا البتہ شرکیہ عقائد اور شرکیہ عبادات پر ڈالنے میں وہ کامیاب ہو گیا۔ جو شرکیہ عقائد ابلیس نے بنی آدم کے دلوں میں ڈالے ان میں سے ایک یہ تھا کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات ایسی ہی ہے جیسے تم لوگوں کی ہے اس کا وجود بھی تمہاری طرح سے ہے' اس کی اولاد بھی ہے

اور اسے چیزوں کی حاجت بھی ہے اور یہ بھی بتایا کہ اس کی طرح مخلوق بھی معبود ہیں اور یہ معبود تمہیں تمہارے خالق تک پہنچا دیں گے ان کی سفارش سے تمہیں اس کا قرب حاصل ہوگا۔ شیطان نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا ہے اور حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اس کا بیٹا بتایا اور بتوں کو سجدے کرائے اور ان پر نیازیں چڑھوائیں۔ دنیا میں ان چیزوں کا بہت زیادہ رواج ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ ہی میں بلکہ اس سے پہلے ہی بت پرستی شروع ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ صحیفے بھی اتارے لیکن عموماً بنی آدم نے توحید کی دعوت کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی۔ عرب اور عجم میں کفر اور شرک کا دور دورہ تھا آپ نے توحید کی دعوت دی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگے

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ.

(کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا' بے شک یہ تو بڑے تعجب والی بات ہے)

جب کوئی چیز رواج میں آجائے خواہ کیسی ہی بری ہو اس کے خلاف جو بھی کچھ کہا جائے تعجب سے سنا جاتا ہے اور رواج کی وجہ سے لوگ اچھائی کی طرف پلٹا کھانے کو تیار نہیں ہوتے۔ عرب میں شرک کا یہ حال تھا کہ داعیٔ توحید سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا انہی کی نسل کے لوگوں نے کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے تھے اور عرب کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے بت خانے تھے' ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے نعرے اور جیکارے لگاتے تھے۔

جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے؟ تو سورۂ اخلاص نازل ہوگئی' جس میں اللہ تعالیٰ شانہ کی توحید خالص بیان فرمادی ارشاد فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. (آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ تنہا ہے (فالله خبر هو واحد بدل منه أو خبر ثان) اس آیت میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں، صفات میں واحد ہے، تنہا ہے، متوحد اور منفرد ہے اس کے بارے میں کوئی بھی ایسی بات سوچنا یا کوئی بھی ایسا سوال کرنا جس سے مخلوق کی کسی بھی مشابہت کی طرف ذہن جاتا ہو غلط ہے (لفظ احد اصل میں وَحَدٌ ہے ہمزہ واؤ سے بدلا ہوا ہے)۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ اردو میں اس کا ترجمہ بے نیاز کیا جاتا ہے (یعنی جو کسی کا محتاج نہیں ہے)۔

روح المعانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے هو المستغنی عن كل احد المحتاج اليه كل احد نقل (وہ ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک اسی کا محتاج ہے) کیا ہے لفظ بے نیاز اس کا آدھا ترجمہ ہے اس کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہیے کہ جس کے سب محتاج ہیں لفظ الصَّمَدُ میں بڑی معنویت ہے صاحب روح المعانی نے ابن الانباری سے نقل کیا ہے کہ اہل لغت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ الصمد کا معنی یہ ہے انه السيد الذى ليس فوقه احد الذى يصمد اليه الناس فى حوائجهم وامورهم.

(یعنی صمد وہ سردار ہے جس سے برتر وبالا کوئی نہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں اور تمام کاموں میں متوجہ ہوتے ہیں)۔

اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے هو السيد الذى قد كمل فى سودده والشريف الذى قد كمل فى شرفه والعظيم الذى قد كمل فى عظمته والحليم الذى قد كمل فى حلمه والعليم الذى قد كمل فى علمه والحكيم الذى قد كمل فى حكمته وهو الذى قد كمل فى انواع الشرف والسودد (یعنی صمد وہ سید ہے جس کی سرداری مکمل ہے اور جس کا شرف کامل ہے۔ وہ عظیم ہے جس کی عظمت کامل ہے، وہ حلیم ہے جس کا حلم پورا ہے اور وہ علیم ہے جس کا علم کامل ہے

حکیم ہے جس کی حکمت پوری ہے اور وہ ذات جو شرف اور سرداری کے تمام انواع میں کامل ہے) یہ معنی بہت اشمل واکمل ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے)

اس میں ان لوگوں کا جواب ہو گیا جنہوں نے کہا تھا کہ اپنے رب کا نسب بیان کریں اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ کسی خاندان کی طرف اس کی نسبت نہیں ہے والد اور مولود میں مشابہت و مجانست ہوتی ہے وہ تو بالکل تنہا ہے ہر اعتبار سے واحد اور متوحد ہے وہ کسی کی اولاد ہو یہ بھی محال ہے اور اس کے کوئی اولاد ہو۔

سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا، لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا، تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا، اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا، وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۔

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر لی ہے تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اس کا وجود ازلی و ابدی ہے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور اس کی اولاد ہونا اس کی شان احدیت کے خلاف ہے لہٰذا مشرکین نے اس کے لئے جو اولاد تجویز کی ہے جیسا کہ عرب کے مشرکوں نے فرشتوں کو بیٹیاں بتایا اور یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح ابن مریم کو اللہ کا بیٹا بتایا۔ یہ سب باطل ہے اور جھوٹ ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا والد بنے۔

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اس میں ہر طرح کی برابری کی نفی فرما دی کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا مثل نہیں اور برابر نہیں، نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں وہی معبود وحدہ لاشریک ہے صرف وہی حاجتیں پوری فرماتا ہے وہی علیم ہے، قدیر ہے، حکیم ہے حی لَا يَمُوْتُ ہے سب اسی کی طرف متوجہ ہوں اسی سے مانگیں اور اسی کی عبادت کریں۔ سورۃ الاخلاص اور سورۃ الشوریٰ کی آیت لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. کو سامنے رکھا جائے ان دونوں میں بہت جامع طریقے پر اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی ہے اثبات المحامد بھی ہے اور معائب اور نقائص سے تنزیہ کا بیان بھی ہے تجسیم تشبیہ تعطیل سب اس کی شان عالی کے خلاف ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (آخر احد (وهو اسم يكن) عن خبر هارعاية للفاصلة قرء حفص كفوًا بضم الفاء وفتح الواو من غير همزة وحلف ويعقوب با سكان الفاء مع الهمزة فى الوصل فاذا وقف حمزة ابدل! لهمزة واوًا مفتوحة اتباعاً للخط' والقياس أن يلقى حركتها على الفاء والباقون بضم الفاء مع الهمزة.

(احد جو کہ یکن کا اسم ہے۔ اسے فاصلہ کی رعایت کرتے ہوئے مؤخر کیا گیا ہے۔ حفص نے اسے کفواً فاء کے ضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہمزہ کے بغیر اور یعقوب نے فاء کے سکون اور وصل میں ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے پس جب ہمزہ پر وقف کیا جاتا ہے تو ہمزہ واؤ مفتوحہ سے بدل جاتا ہے۔ رسم الخط کے اتباع کی وجہ سے قیاس یہ ہے کہ اس کی حرکت فاء پر دی جائے اور باقی فاء کے ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ آپس میں برابر یہ سوال کرتے

رہیں گے کہ یہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی اللہ کو کس نے پیدا کیا جب لوگ ایسا سوال کریں تو کہو اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں یہ سوال کرتے رہیں گے کہ یہ مخلوق ہے اس کو اللہ نے پیدا فرمایا۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا' جب کوئی شخص اپنے اندر یہ بات محسوس کرے تو یوں کہہ دے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِهٖ کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور وہیں رک جائے۔ (البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے ابن آدم نے جھٹلایا اس کو ایسا کرنا نہ تھا' اور اس نے مجھے گالی دی اور اسے ایسا کرنا نہ تھا اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ مجھے موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کریگا۔ جیسا کہ اس نے مجھے پہلے کیا تھا' حالانکہ یہ بات نہیں ہے میرے لئے پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے (میرے لئے ابتداءً پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا دونوں برابر ہیں۔ جب یہ بات ہے تو دوبارہ پیدا کرنے کو مشکل سمجھنا اور بعثت پر ایمان لانا یہ مجھے جھٹلانا ہوا) اور انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد بنالی ہے حالانکہ میں احد ہوں، صمد ہوں، میں نے کسی کو نہیں جنا اور نہ میں کسی سے جنا گیا اور میرا کوئی ہمسر نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۳)

فضائل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سنی وہ اسے بار بار پڑھ رہا تھا جب صبح ہوئی تو یہ شخص (جس نے رات تلاوت سنی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو بار بار سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھ رہا تھا اور سائل کا انداز بیان ایسا تھا کہ جیسے اس عمل کو وہ کم سمجھ رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ سور تہائی قرآن کے برابر ہے (رواہ البخاری ص ۷۵۰ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تمہیں تہائی قرآن پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ o اَللّٰہُ الصَّمَدُ ختم تک پڑھ کر سنائی۔ (رواہ مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک (فوجی) دستہ روانہ فرمایا اور ایک شخص کو اس کا امیر بنادیا یہ شخص اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تھا تو ہر رکعت کو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ط پر ختم کرتا تھا' جب یہ حضرات واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا' آپ نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو ایسا کیوں کرتا تھا؟ اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے اور میں اس بات کو محبوب جانتا ہوں کہ اس کو پڑھا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے خبر دیدو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے اور وہ یوں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ط سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا کہ اس سورت سے تیری جو محبت ہے اس نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ط پڑھ لی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنادیا جائے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھ لی اس کے لئے جنت میں دو محل بنادیئے جائیں گے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ کی قسم اس صورت میں تو ہم اپنے بہت زیادہ محل بنالیں گے' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بہت بڑا داتا ہے جتنا عمل کرلو گے اس کے پاس اس سے بہت زیادہ انعام ہے۔ (رواہ الدارمی ص ۳۳۰ ج ۳ وھو حدیث مرسل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے روزانہ دوسو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لی اس کے پچاس سال کے گناہ (صغیرہ) اعمال نامہ سے مٹا دیئے جائیں گے، ہاں اگر اس کے اوپر کسی کا قرض ہو تو وہ معاف نہ ہو گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۸ عن الترمذی)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لے قیامت کے دن اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ اے میرے بندے! تو اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سن لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے واجب ہوگئی، میں نے پوچھا کیا؟ فرمایا جنت (روی الترمذی هٰذہ الاحادیث، باب ماجاء فی سورة الاخلاص)۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر فضائل پر عمل کریں

واللّٰه الموفق والمعين نسأل اللّٰه الواحد الاحد الصمدان يوفقنا لما يحب ويرضٰى

☆☆☆..................☆☆☆

۵ آیتیں ا رکوع	سورۃ الفلق	مکی

(اٰیَاتُهَا ۵) (۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۲۰) (رُكُوْعُهَا ۱)

سورۃ الفلق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ

آپ یوں کہئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی اور اندھیری کے شر سے جب وہ آ جائے اور گرہوں پر

النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

ع ۱ ۳۸

۶ آیتیں ا رکوع	سورۃ الناس	مکی

(اٰیَاتُهَا ۶) (۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱) (رُكُوْعُهَا ۱)

سورۃ الناس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵

آپ یوں کہیے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں جو لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے۔ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے'

الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۶

جو پیچھے ہٹ جانے والا ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنات میں سے اور انسانوں میں سے۔

ع ۱ ۳۹

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں معوذ تین کے نام سے معروف و مشہور ہیں بعض یہود نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بنی زریق کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے جادو کر دیا تھا جسے لبید بن عاصم کہا جاتا تھا اس کے اثر سے آپ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ وہ کام کیا ہوا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جب ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پھر فرمایا کہ عائشہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ میں نے اپنے مرض کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا' ان میں سے ایک نے دوسرے سے دریافت کیا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے جادو کیا ہے۔ کھجور کے پٹھوں پر جادو کیا ہے۔ پھر سائل نے دریافت کیا کہ یہ چیزیں کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ ذِیْ اَرْوَان نامی کنویں میں ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس خواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ اس کنویں کا پانی ایسا رنگین ہو چکا ہے جیسے اس میں مہندی ڈال دی گئی ہو اور وہاں جو کھجور کے درخت تھے وہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ان چیزوں کو نکالا کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ نے عافیت دے دی تو مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ لوگوں میں شر پھیلاؤں (یعنی مجھے اس کا چرچا ہونا پسند نہیں) لہٰذا میں نے اس کو دفن کر دیا۔ (صحیح بخاری ص ۸۵۸ و صحیح مسلم ص ۲۲۱ ج ۲)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا اس کی وجہ سے چند دن آپ کو تکلیف رہی' حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے۔ اس نے بالوں میں گرہیں لگا دیں ہیں جو فلاں فلاں کنوئیں میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بھیجا انہوں نے اس میں سے ان بالوں کو نکالا جب آپ کی خدمت میں ان کو لایا گیا تو آپؐ اپنے مرض سے اس طرح شفایاب ہو گئے جیسے کوئی شخص رسی میں بندھا ہوا ہو اس کو کھول دیا جائے اس یہودی سے اس بات کا تذکرہ نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد کبھی اسے اپنے سامنے دیکھا۔ (سنن نسائی تحت عنوان سحرۃ اہل الکتاب)

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ مذکورہ کنوئیں سے جب کھجور کا گچھا نکالا گیا تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنگھی بھی تھی اور مبارک بال بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت شریفہ بھی تھی جو موم سے بنائی گئی تھی اس میں سوئیاں گڑی ہوئی تھیں اور ان بالوں میں گیارہ گرہیں لگی ہوئیں تھیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتیں لے کر حاضر خدمت ہوئے (ان دونوں سورتوں میں مجموعی طور پر گیارہ آیات ہیں آپؐ ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھولتے گئے اور سوئیاں بھی نکالتے گئے آپؐ کو پوری طرح شفا حاصل ہو گئی۔

روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جادو کا عمل کرنے میں لبید بن عاصم کے ساتھ اس کی بیٹیاں بھی شریک تھیں اس اعتبار سے النَّفّٰثٰتِ مؤنث کا صیغہ لایا گیا جو نَفَّاثَة کی جمع ہے اور وہ نفاث کی تانیث ہے اور نفاث نافث کا صیغہ مبالغہ ہے جو دم کرنے والے کے معنی میں آتا ہے اگرچہ صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نفاثات نفوس کی صفت ہے اور یہی مراد لینا بہتر ہے تا کہ مردوں کے نفوس خبیثہ اور ارواح شریرہ کو بھی شامل ہو جائے۔ کما فی قوله تعالٰی ناقلا عن دعا موسیٰ علیه السلام وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ.

مفسر ابن کثیر نے تفسیر ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک لڑکا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا' یہودیوں نے اسے آمادہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنگھی سے نکلے ہوئے بال اور کنگھی کے کچھ دندانے حاصل کر کے یہودیوں کو دیدے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ان بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر یہودیوں نے جادو کر دیا (چونکہ جادو کرنے کے لئے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ جس کا اس شخص سے تعلق ہو جس پر جادو کرنا ہے اس لئے ان لوگوں نے اس لڑکے سے بال طلب کئے)۔

اس ساری تفصیل کے بعد اب سورۃ الفلق کا ترجمہ اور مطلب سمجھیں ارشاد فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (آپ اپنے رب کی پناہ لیتے ہوئے یوں کہئے کہ میں فلق یعنی صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں)

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (ہر اس چیز کے شر سے جو میرے رب نے پیدا فرمائی ہے)

لفظ فلق عربی میں پھاڑنے کے معنی میں آتا ہے ومنه قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی عموماً مفسرین کرام نے یہاں فلق سے صبح مراد لی ہے جب صبح ہوتی ہے تو اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور صبح اس طرح ظاہر ہوتی ہے جیسے اندھیرے کو پھاڑ کر روشنی ظاہر ہوگئی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ رَبِّ الْفَلَقِ فرما کر قیامت کے دن کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس طرح دنیا میں صبح ہونے پر لوگ اپنے مختلف اعمال و اشغال کے لئے نکلتے ہیں کوئی خوش ہے کوئی رنجیدہ ہے کوئی آرام میں ہے کوئی تکلیف میں ہے اسی طرح جب قیامت قائم ہوگی اور لوگ قبروں سے نکلیں گے تو مختلف احوال میں ہوں گے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ فلق مخلوق کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں' کچھ بھی وجود میں نہ تھا' اس نے سب کو عدم سے نکال کر وجود بخش دیا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ رب الفلق جل مجدہ کے حکم سے' جس طرح صبح ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور روشنی آجاتی ہے اسی طرح اللہ جل شانہ ان تمام ضرر دینے والی چیزوں سے محفوظ فرماتا ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ رب الفلق کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی اس کے عموم میں ساری مخلوق داخل ہوگئی۔ انسان' جنات' حیوانات' جمادات' پھاڑنے والے جانور' ڈسنے والے سانپ، بچھو جلانے والی آگ' ڈبونے والا پانی، اڑانے والی ہوا اور ہر وہ چیز اس کے عموم میں داخل ہے' جس سے کسی کو کوئی تکلیف جسمانی یا روحانی پہنچ سکتی ہے حتیٰ کہ اپنے نفس سے جو شر پہنچ سکتا ہے اس کو بھی شامل ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ. (اور صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں غاسق سے جب وہ داخل ہوتا ہے)

لفظ غَاسِقٍ غسق سے لیا گیا ہے جو تاریکی پر دلالت کرتا ہے اور وَقَبَ ماضی کا صیغہ ہے وقوب سے' یہ لفظ داخل ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے ای اذا دخل ظلامه فی کل شیء. (یعنی جب اس کا اندھیرا ہر چیز پر داخل ہو جائے)

مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ غاسق سے رات مراد ہے جب وہ اندھیرے کے ساتھ آ جائے' اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ چونکہ رات کے وقت میں جنات اور شیاطین اور حشرات الارض اور موذی جانور پھیل پڑتے ہیں اور چور ڈاکو بھی عموماً رات کی تاریکی میں اپنا کام کرتے ہیں اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے رات کی اندھیری سے پناہ مانگی۔

غسق کا معنی تاریکی اور غاسق کا معنی اندھیرے والی چیز ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غاسق کو رات کے معنی میں لیا ہے۔ یہاں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے جسے امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

یَاعَائِشَةُ اسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا فَاِنَّہٗ ھٰذَا ھُوَ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ
(کہ اے عائشہ! اس سے اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ یہ غاسق ہے جبکہ وہ داخل ہو جائے)
اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ چاند تو روشن ہوتا ہے اسے تاریک کیوں فرمایا گیا؟

صاحب قاموس نے تو یوں لکھ دیا ہے کہ الغاسق القمر او اللیل اذا غاب الشفق و من شر غاسق اذا وقب ای اللیل اذ دخل (غاسق چاند ہے یا رات ہے جب شفق غائب ہو جائے و من شر غاسق اذا وقب کا مطلب ہے جب رات داخل ہو جائے) پس اگر لفظ غاسق مشترک ہو چاند اور رات دونوں اس کا مدلول ہوں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چاند جب چھپ جاتا ہے یا گرہن ہوتا ہے اس وقت جو تاریکی آ جاتی ہے اس تاریکی کی وجہ سے اسکو غاسق فرمایا اس میں شرور کے وہ سب احتمالات سامنے آ جاتے ہیں جو رات کے اندھیرے میں پیش آتے ہیں اور آ سکتے ہیں۔ قال القاضی الغاسق اللیل اذا غاب الشفق و اعتکر ظلامه من غسق یغسق اذا أظلم و اطلق ھھنا علی القمر لأ نه ' یظلم و وقوبه دخوله فی الکسوف والسواد وانما استعاذ من کسوفه لا نه من ایات اللّٰه الدالة علی حدوث بیته و نزول نازلة (ذکره فی التعلیق الصبیح ص ۵۷ ا ج ۳) (قاضی عیاض کہتے ہیں الغاسق سے مراد رات ہے جب کہ شفق غائب ہو جائے اور اس کا سایہ پھیل جائے۔ یہ لفظ غسق یغسق سے ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب اندھیرا چھا جائے۔ یہاں چاند پر بولا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی تاریک ہو جاتا ہے اور اس کا وقوب گرہن اور سیاہی میں داخل ہونا ہے اور چاند گرہن سے پناہ اس لئے مانگی گئی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جو کسی مصیبت کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے)

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (اور رب الفلق کی پناہ لیتا ہوں گرہوں پر دم کرنے والیوں کے شر سے) اس کی پوری تفصیل سبب نزول کے بیان میں گزر چکی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں حسد کرنے والوں کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے) حسد بری بلا ہے انسان کا ناس کھو دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو علوم سے اعمال سے یا جمال سے یا اموال اور کمال سے نواز دیتا ہے تو دیکھنے والے اس سے جلنے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے بعض لوگ تو صرف اتنی آرزو سے اپنے نفس کی خواہش کا کام چلا لیتے ہیں اور بعض لوگ اس میں اضافہ کر لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کے پاس نہ رہے بلکہ ہمیں مل جائے اور بعض لوگ صرف آرزو پر بس نہیں کرتے۔ صاحب نعمت کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں اسے پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں اس کے مقابل کسی کو کھڑا کر دیتے ہیں لوگوں کو اس کی دشمنی پر ابھارتے ہیں احکام اور اصحاب اقتدار کو اس کی مخالفت پر آمادہ کرتے ہیں اور حسد اور جلن میں ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ حسد کرنے والے جنات بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی' اپنے بھی اور پرائے بھی مسلم بھی اور کافر بھی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لبید بن عاصم یہودی نے جو جادو کیا تھا وہ حسد ہی کی وجہ سے تھا۔ حسد دل ودماغ کا ناس کھو دیتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے الحسد حسک من تعلق به ھلک (حسد ایک کانٹا ہے جس نے اسے پکڑا ہلاک ہوا)۔

حسد کرنا حرام ہے اس کے حرام ہونے کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کچھ دیا ہے حکمت کے بغیر نہیں دیا ہے اب جو حسد کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت فلاں شخص کے پاس نہ رہے تو درحقیقت یہ اللہ پر اعتراض ہے کہ اس نے اس کو کیوں نوازا اور حکمت کے خلاف اس کو اس حال میں کیوں رکھا' ظاہر ہے کہ مخلوق کو خالق کے کام میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں اور نہ مخلوق اس لائق ہے کہ

اس کو یہ حق دیا جائے ہم اپنے دنیاوی انتظام میں اور خانگی امور میں روزانہ ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ہماری بیوی بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اگر ہمارے بیوی بچے ہمارے کام میں دخل دیں تو ہمیں کس قدر برا معلوم ہوتا ہے پھر اللہ رب العزت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ کی تقسیم میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟

جب کسی کو حسد ہو جاتا ہے تو جس سے حسد کرتا ہے اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے اس کی غیبت کرتا ہے اور اس کو جانی مالی نقصان پہنچانے کے فکر میں رہتا ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں میں گھر جاتا ہے پھر اول تو نیکی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور اگر کوئی نیکی کر گزرتا ہے تو چونکہ وہ آخرت میں اسے ملے گی جس سے حسد کیا ہے تو نیکی کرنا نہ کرنا برابر ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اسطرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کھا کو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتوں کا مرض یعنی حسد تم تک آ پہنچا ہے اور بغض مونڈ دینے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۸)

آنحضرت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغض کو دین کا مونڈنے والا فرمایا۔ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح استرہ ہر بال کو مونڈتا چلا جاتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے بال کو علیحدہ کر دیتا ہے اسی طرح بغض کی وجہ سے سب نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حاسد دنیا و آخرت میں اپنا برا کرتا ہے نیکیوں سے بھی محروم رہتا ہے اور نیکی ہو بھی جاتی ہے تو حسد کی آگ اسے راکھ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ دنیا میں حاسد کے لئے حسد ایک عذاب ہے۔ حسد کی آگ حاسد کے سینہ میں بھڑکتی رہتی ہے اور جس سے حسد کیا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا و نعم ما قیل۔

دع الحسود وما يلقاه من كمده کفاک منه لهيب النار فی كبده

اذا لمت ذاحسد نقشت كربته وان سكت فقد عذبته بيده

(حاسد کو اور اسے جو تکلیف پہنچتی ہے اسے چھوڑ دو۔ تیرے لئے اس کی طرف سے یہی کافی ہے جو آگ کے شعلے اس کے جگر میں ہیں۔ جب تو نے حسد کرنے والے کو ملامت کی تو تو نے اس کی تکلیف ختم کر دی اور اور اگر تو خاموش رہا تو تو نے اسے اپنے ہاتھوں عذاب دیا۔)

کیسا اچھا کلمه حکمت ھے جو کسی نے کہا ھے : كَفٰى بِالْحَاسِدِ اَنَّهٗ يَغْتَمُّ وَقْتَ سُرُوْرِكَ.

حسد سے انتقام لینے کے خیال میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہی انتقام کافی ہے کہ تمہاری خوشی کی وجہ سے اسے رنج پہنچتا ہے۔

حسد ایسی بری بلا ہے جو انسان کو جانتے بوجھتے ہوئے حق قبول کرنے سے روک دیتا ہے یہودی اسی مرض میں مبتلا ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن اس وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا کہ ہمارے علاوہ دوسری قوم میں نبی کیوں آیا انہیں ناگوار تھا کہ بنی اسماعیل میں سے اللہ نے رسول بھیجا اور یہ بات اپنے طور پر بنالی تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ہمیشہ ان کی ذریت میں سے کوئی نہ کوئی نبی ضرور رہے گا۔ (کما رواہ النسائی)

اور آپس میں یوں کہتے تھے کہ تم اس پر ایمان نہ لانا جو تمہارے دین کے تابع نہ ہو۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ یہ سورۂ آل عمران میں ہے اور سورۂ نساء میں فرمایا: اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. بلکہ وہ لوگوں سے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے عطا فرمایا۔

یہودی نہ صرف یہ کہ خود ایمان نہ لاتے تھے بلکہ یوں چاہتے تھے کہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا وہ بھی مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ اس و

سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ.

(بہت سے اہل کتاب نے یہ آرزو کی کہ کاش تم لوگوں کو ایمان قبول کرنے کے بعد واپس لوٹا کر کافر بنا دیں اپنی جانوں کی طرف سے حسد کرتے ہوئے اس کے بعد ان کے لئے حق ظاہر ہو گیا)

جس طرح یہودی حسد میں برباد ہو گئے۔ حق کو قبول نہیں کیا اسی طرح بہت سے مشرکین بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے جب ایک مرتبہ اخنس بن شریق نے ابوجہل سے تنہائی میں کہا کہ اس وقت یہاں ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے' تو اپنے دل کی بات سچ بتا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق ہیں یا کاذب ہیں؟ اس پر ابوجہل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! وہ سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن بات یہ ہے کہ بنو قصی ہی جھنڈے کے ذمہ دار ہیں اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی انہی کے سپرد ہو چکی ہے اور کعبہ کے چابی بردار بھی وہی ہیں اور نبوت بھی ان ہی میں چلی جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا' اس پر آیت کریمہ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ نازل ہوئی' منکرین کو حسد کھائے جا رہا تھا کہ فلاں فلاں خدمات تو بنو قصی کو مل گئیں اب ان کے کسی آدمی کے لئے ہم نبوت کیسے تسلیم کریں۔ ان لوگوں نے کفر پر مرنا گوارا کر لیا اور دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن حسد کی پوٹلی کو اپنے دلوں سے نہیں نکال سکے۔ اعاذنا الله من شر الحساد و لا جعلنا الله منهم)

آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض خاندانوں پر حسد کی مصیبت سوار ہو جاتی ہے فلاں شخص کیوں علم حاصل کر رہا ہے اور فلاں شخص کے پاس کیوں اٹھیں بیٹھیں وہ تو ایسے خاندان کا فرد ہے جسے دنیا والے اپنی نظروں میں گھٹیا سمجھتے ہیں اور مال کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور فلاں شخص کے پاس باغ نہیں' مال نہیں' جائیداد نہیں' اس کو علم کیسے مل گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ علوم اسلامیہ اور اعمال صالحہ کی طرف نہ خود بڑھتے ہیں اور نہ قوم و قبیلہ کو بڑھاتے ہیں اور اس جلن کی وجہ سے کہ فلاں شخص جو نسب اور نسل میں ہم سے کم ہے اس کے پاس کیوں جائیں جاہل رہنے کو پسند کر لیتے ہیں اور جاہل ہی رہ جاتے ہیں۔

اَوّلًا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. فرمایا جس سے تمام مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ پھر تین چیزوں کے شر سے محفوظ ہونے کے لئے مزید دعا فرمائی (اول) تاریکی سے جس کا شر عموماً سامنے آتا رہتا ہے (دوسرے) جادو کرنے والوں کے شر سے کیونکہ اس شر سے خاص تکلیف ہوتی ہے اور اس کے دفاع کی طرف ذہن نہیں جاتا جسمانی مرض سمجھ کر علاج کرتے رہتے ہیں جس سے فائدہ نہیں ہوتا اور جادو کی تکلیف بڑھتی رہتی ہے اور (تیسری) چیز جس سے پناہ مانگی وہ حسد کرنے والے کا حسد ہے۔ حاسدین اپنے حسد کی وجہ سے خفیہ حرکتیں کرتے ہیں بعض مرتبہ ان کا پتہ نہیں چلتا اور محسود (جس سے حسد کیا) ان کا دفاع کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ اعاذنا الله تعالى من شر جميع خلقه.

سورۃ الناس میں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کی ہیں اول ربّ النّاس' دوم ملک النّاس' سوم الٰہ النّاس چونکہ وسوسہ ڈالنے والے انسانوں ہی کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اس کے لئے رب اور ملک اور الٰہ کی اضافت الناس ہی کی طرف کی گئی جس میں یہ بتا دیا کہ وسوسہ ڈالنے کے شر سے انسانوں کا رب ہی بچا سکتا ہے اور ان وسوسوں کے اثر سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہ لوگوں کا رب ہے۔ بادشاہ بھی ہے اور معبود بھی ہے' نفوس انسانیہ میں جو برے وسوسے آتے ہیں' عموماً ایسے وساوس ہوتے ہیں' جن پر عمل

کرنے سے دین وایمان کی تباہی ہو جاتی ہے اس لئے اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ سورۃ الفلق میں دنیاوی آفات ومصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور سورۃ الناس میں اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے' شیاطین ایمان میں بھی وسوسے ڈالتے ہیں اور کفرو شرک کے خیالات بنی آدم کے سینوں میں ڈالتے ہیں اور گناہوں پر بھی ابھارتے ہیں' اس لئے شیاطین کے وسوسہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔سورۃ المؤمنون میں فرمایا ہے

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ.

(اور آپ اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کیجئے کہ اے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا اور وہ یوں کہے گا کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ سوال اٹھاتے اٹھاتے وہ کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ سو جب یہاں پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ لے اور وہیں رک جا (یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے) اور سنن ابوداؤد میں یوں ہے کہ جب لوگوں میں اس طرح کے سوالات اٹھیں گے تو تم (ان کے جوابات کے خیال میں نہ لگو بلکہ) یوں کہو

اَللّٰهُ اَحَدٌ.اَللّٰهُ الصَّمَدُ.لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.

اس کے بعد تین مرتبہ اپنی بائیں طرف تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے حدیث میں یہ جو فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آکر یوں سوال اٹھائے گا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا یہ ایمانیات میں وسوسے ڈالنے کی ایک مثال ہے۔وساوس شیطانیہ کی ایسی مثال ہے۔جیسے بھڑوں کا چھتہ ہو۔اگر اسے چھیڑ دیا جائے تو بھڑیں لپٹ جاتی ہیں اور پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وسوسہ آئے تو اس کو وہیں چھوڑ دے اور آگے نہ بڑھائے۔اگر آگے بڑھاتا رہا تو مصیبت میں پڑ جائے گا اور چھٹکارہ مشکل ہوگا یہ مشورہ بہت کامیاب ہے اور مجرب ہے۔

شیطان ایمان کا ڈاکو ہے۔ایمان کی دولت سے محروم کرنے کیلئے وسوسے ڈالتا ہے۔کافروں کے بارے میں شیطان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کفر اور شرک پر جمے رہیں اور اہل ایمان کے بارے میں اسکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایمان سے پھر جائیں' ان کا بہت پیچھا کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے ستاتا ہے۔ایمانیات اور اعتقادیات کے بارے میں شک ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور بُرے بُرے وسوسے ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات (علم وقدرت وغیرہ) کے بارے میں شیطان طرح طرح کے سوالات اٹھاتا ہے جب کہ ان سوالات اور ان جوابات پر ایمان موقوف نہیں پھر جب بندہ ان سوالات کے جوابات نہیں دے پاتا تو شیطان کہتا ہے کہ تو تو کافر ہو گیا۔لہٰذا سارے سوالات کے جوابات نہیں پاتا تو شیطان سے کہہ دے کہ بھاگ تو تو خود ہی کافر ہے تجھے میرے اسلام کی کیا فکر پڑی۔اگر شیطان کے ساتھ ساتھ چلتا رہے اور اس کے شکوک وشبہات اور وسوسوں کا ساتھ دیتا رہے تو وہ کافر ہی بنا کر چھوڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان وسوسوں کا علاج بتا دیا کہ وسوسہ آئے تو وہیں رک جائے اور بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ پڑھ لے۔

یہ تھوکنا شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہے۔

شیطان جس طرح اہل ایمان کے دل میں کفریہ وسوسے ڈالتا ہے اسی طرح گناہوں پر بھی ابھارتا ہے۔چوری' خیانت' حرام خوری' زنا

کاری کے وسوسے ڈالتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان بھی موجود ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

اس میں نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ شیطان مرد وعورت کے جذبات کو بڑھاتا ہے اور برا کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک میں لگ جاتا ہے (رواہ الترمذی)

عورت باہر نکلی اور شیطان نے اسے تاکنا نظریں اٹھا کر دیکھنا اور گزرنے والوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ شیطان ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی کے وسوسے بھی ڈالتا ہے۔ جو انسانوں میں اثر کر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے۔ آپ کی ازواج میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اعتکاف کی جگہ میں زیارت کرنے کیلئے آئیں کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد جب واپس ہونے کے لئے کھڑی ہوئیں تو آپ بھی ان کے ساتھ اٹھے تاکہ ان کو (مسجد کے حدود میں رہتے ہوئے) رخصت کر دیں۔ اسی وقت وہاں سے دو انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نکلے۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے آپ نے فرمایا تم ٹھیک اپنی رفتار کے موافق چلتے رہو یہ (میری بیوی) صفیہؓ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول! (کیا ہم آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کر سکتے ہیں؟) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح چلتا ہے مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری ص۲۷۴ ج۱)

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان کی صفت الخناس بیان فرمائی کہ وہ وسوسے ڈالتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اپنی سونڈ کو انسان کے دل پر جمائے ہوئے ہے اگر وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے دل کا لقمہ بنا لیتا ہے اسی کو الوسواس الخناس بتایا ہے۔ (حصن حصین)

آخر میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ فرمایا اور یہ بتا دیا کہ یہ وسوسہ ڈالنے والے صرف جنات ہی نہیں ہوتے انسان بھی ہوتے ہیں انسانوں کا وسوسہ ڈالنا اندر داخل ہو کر تو نہیں ہوتا البتہ باہر سے زبانی طور پر اقوال کے ذریعہ اور جسمانی حرکات اور اعمال کے ذریعہ وسوسے ڈالتے ہیں یعنی انسانوں کو راہ حق سے ہٹانے اور کفر و شرک اور معاصی میں فوائد بتانے اور دنیوی منافع سمجھانے اور بتانے کی کوشش کرتے ہیں آج کل تو انسانی وسوسوں اور گمراہی کے آلات کی کثرت ہوگئی ہے زبانی باتیں لیڈروں کی تقریریں' بے شرمی پھیلانے والے اخبار ورسالے' ٹیلی ویژن اور اس کے پروگرام' وی سی آر' انٹرنیٹ جیسی چیزیں انسان میں برائی کے جذبات داخل کرتی ہیں' جس کے جراثیم واثرات سے انسان برے اعمال اور بری حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے وسوسہ ڈالنے والے انسان کی شرارتیں اور حرکات بعض مرتبہ جنات کے وسوسوں سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے انسان' انسان کا ہم جنس اور آپس میں میل جول بھی زیادہ رہتا ہے اور انسان' انسان کو اپنا ہمدرد بھی سمجھتا ہے۔ شریر انسانوں کے مشورے اور وسوسے انسان کو زیادہ متاثر کر دیتے ہیں اور اس اعتبار سے شیطان وسوسے ڈالنے والا نظر نہیں آتا ہے۔ وسوسہ ڈال کر چکے سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ شیاطین کے وسوسے سے زیادہ شدید ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ.

(اے بنی آدم! تمہیں ہرگز شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جیسے کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا جو ان سے ان کے لباس کو علیحدہ کر رہا تھا تا کہ انہیں ان کی شرم کی جگہ دکھا دے۔ بیشک وہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے' بے شک ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے)

یہ بات طے شدہ ہے کہ جنات میں بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں بھی اور یہ دونوں انسانوں کی بدخواہی میں لگے رہتے ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط

(اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن' جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہ' ہر طرح کے شیاطین سے محفوظ فرمائے۔

فائدہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جس سے صحیحین کی روایات کی تکذیب لازم آتی ہے یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جادو سے متاثر ہونا شان نبوت کے خلاف ہے ان کا یہ خیال غلط ہے بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بشر تھے اور بشریت کے اثرات ان پر بھی طاری ہو جاتے تھے۔ اور ان کے اجسام تکالیف سے متاثر ہوتے تھے۔

بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو تو ان کی قوموں نے قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیز بخار آ جاتا تھا۔ آپ ایک مرتبہ سواری سے گر گئے تو آپ ؐ کی ایک جانب چھل گئی اس زمانہ میں آپ ؐ نے بیٹھ کر نمازیں پڑھائیں۔ صاحبزادے کی وفات پر آپ ؐ کے آنسو جاری ہو گئے۔ بچھو نے بھی آپ ؐ کو ڈس لیا آپ ؐ نے اس کا علاج کیا آپ کو بھوک بھی لگتی تھی اور پیاس بھی۔ یہ امور طبعیہ ہیں جن سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مستثنیٰ نہیں تھے اور جادو کا اثر بھی اس قسم کے اثرات میں سے ہے اس سے متاثر ہو جانا شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

استعاذہ کی ضرورت: .... دنیا میں ایسی چیزیں بھی بے شمار ہیں جو انسانوں کے حق میں نافع اور مفید ہیں اور بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہیں جو انسان کے لئے ضرر رساں ہیں اور تکلیف دینے والی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سی چیزوں سے پناہ مانگنا ثابت ہے۔ حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب سنن کے ختم کرنے سے چند صفحات پہلے کتاب الاستعاذہ کا عنوان قائم کیا ہے اور اچھی خاصی تعداد میں ضرر دینے والی چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر کیا ہے' مثلاً: بخل' بزدلی سینہ کا فتنہ (کفر اور شرک) قبر کا عذاب' سمع بصر' لسان قلب' بہت زیادہ بڑھاپا' عاجزی' مرض' سستی' غم زندگی اور موت کا فتنہ' دجال' تنگ دستی' ذلت کفر' عذاب النار' خیانت' بھوک' شقاق' نفاق سوء الاخلاق' لغزش کھانا' گمراہ ہونا' ظالم ہونا' دشمن کا غالب ہونا' دشمنوں کا خوش ہونا' بدبختی کا پالینا' برے امراض مثلاً: جنون، جذام اور برص کا لاحق ہونا' مظلوم کی بددعا' شیاطین الجن والانس' احیاء اور اموات کا فتنہ' زمین میں دھنس جانا' اوپر سے گر پڑنا' کسی چیز کے نیچے دب جانا' غرق ہونا' جل جانا' موت کے وقت شیطان کا پچھاڑنا' جہاد میں پشت پھیر کر بھاگتے ہوئے مرجانا' کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مرنا' علم کا نفع نہ دینا' دل میں خشوع نہ ہونا' نفس کا پیٹ نہ بھرنا' دعا کا قبول نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

جن احادیث میں ان چیزوں سے پناہ مانگنا مذکور ہے ان میں سے انتخاب کر کے استعاذہ کی دعائیں بعض علماء نے علیحدہ بھی لکھ دی

ہیں (مناجات مقبول میں بھی مذکور ہیں) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنات اور انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب معوذتین یعنی سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ و قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور ان کے سوا (استعاذہ کی) باقی دعاؤں کو چھوڑ دیا۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھتا ہے تو ہر اس چیز کے شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہے جو اللہ نے پیدا کی ہے اور رات کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے اور گرہوں میں دم کرنے والی عورتوں کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے جو جادو کرتی ہیں اور حسد کرنے والے کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھنے والا سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر اور بلا اور مصیبت اور جادو ٹونہ ٹوٹکہ سے محفوظ رہنے کے لئے مفید اور مجرب ہیں ان کو اور سورۂ اخلاص کو صبح شام تین بار پڑھے اور دیگر اوقات میں بھی ورد رکھے کسی بچے کو تکلیف ہو نظر لگ جائے تو ان دونوں کو پڑھ کر دم کرلے۔ دکھ تکلیف میں ان سے بھی پڑھوائیں۔

پریشانی کے وقت: .... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھا کہ اچانک آندھی آئی اور سخت اندھیرا ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ اس مصیبت سے اللہ کی پناہ مانگنے لگے یعنی ان کو پڑھنے لگے اور فرمایا کہ عقبہ ان سورتوں کے ذریعہ اللہ کی پناہ حاصل کرو کیونکہ ان جیسی کوئی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی پناہ لینے والا پناہ حاصل کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن خبیب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایسی رات میں جس میں بارش ہو رہی تھی اور سخت اندھیری بھی تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، چنانچہ ہم نے آپ کو پالیا۔ آپ نے فرمایا کہو میں نے عرض کیا کیا کہوں؟ فرمایا جب صبح اور شام ہو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تین بار پڑھ لو۔ یہ عمل کرلو گے تو ہر ایسی چیز سے تمہاری حفاظت ہوجائے گی جس سے پناہ لی جاتی ہے (یعنی ہر موذی سے اور ہر بلا سے محفوظ ہوجاؤ گے۔ (ترمذی)

فرض نمازوں کے بعد: .... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کرو۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص۹۸)

سفر میں فجر کی نماز: .... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عقبہ! کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں نہ بتادوں جو پناہ مانگنے کے لئے سب سے بہتر سورتیں ہیں پھر آپ نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ دونوں سورتیں سکھائیں آپ کو اندازہ ہوا کہ مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی جب فجر کی نماز کے لئے اترے تو آپ نے ان دونوں سورتوں کی نماز میں تلاوت فرمائی اور نماز سے فارغ ہوکر فرمایا بولو اے عقبہ! تم نے کیسا دیکھا؟ (یہ فرما کر آپ نے ان دونوں کی فضیلت جتائی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا اے عقبہ کیسا دیکھا؟ ان دونوں کو پڑھا کرو جب سونے لگو اور سو کر اٹھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

رات کو سوتے وقت کرنے کا ایک عمل: .... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ روزانہ رات کو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بستر پر تشریف لاتے تو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں اس طرح پھونک مارتے تھے کہ کچھ تھوک بھی پھونک کے ساتھ نکل جاتا تھا۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو پورے بدن پر جہاں تک ممکن ہوتا تھا پھیر لیتے تھے یہ ہاتھ پھیرنا سر اور چہرے سے اور سامنے کے حصہ سے شروع فرماتے تھے

اور یہ عمل تین بار فرماتے تھے۔ (بخاری ص ۷۵۰ ج ۲)

بیماری کا ایک عمل: .... نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تھی تو اپنے جسم پر سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے (جس کا طریقہ ابھی اوپر گزرا ہے) پھر جس مرض میں آپ کی وفات ہوئی اس میں میں یہ کرتی تھی کہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر دم کر دیتی تھی پھر آپ کے ہاتھ کو آپ کے جسم پر پھیر دیتی تھی۔ (بخاری ص ۷۵۰ ج ۲)

دم صرف پھونکنے کو نہیں کہتے دم یہ ہے کہ پھونک کے ساتھ تھوک بھی کچھ نکل جائے۔

اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ: .... حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (قبیل ابواب تفسیر القرآن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے فرمایا اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ یعنی اس شخص کا عمل جو منزل پر نازل ہو کر پھر سفر شروع کر دے اس کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند سے حدیث نقل کی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نام نہیں ہے (اور روایت کرنے والا زرارہ بن اوفی (تابعی کو بتایا ہے) اس اعتبار سے حدیث مرسل ہوئی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَهٰذَا عِنْدِی اَصَحُّ یعنی یہ حدیث مرسل میرے نزدیک حدیث متصل کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے امام ترمذی کے علاوہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شعب الایمان ص ۳۴۸ ج ا میں ذکر کیا ہے اس میں یوں ہے کہ زرارہ بن اوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ سب اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم حال اور مرتحل والے شخص کا عمل اختیار کرو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حال اور مرتحل کا کیا مطلب ہے فرمایا کہ اس سے صاحب قرآن مراد ہے وہ قرآن کو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آخر تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اول پر پہنچ جاتا ہے، جب کبھی بھی ٹھہرتا ہے پھر سفر شروع کر دیتا ہے۔ امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے النشر میں اس مضمون کی حدیث طبرانی سے بھی نقل کی ہے اور عموماً یہ روایات حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہیں اور النشر میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی نقل کی ہے۔ ان روایات کے جمع کرنے سے الحال المرتحل کا مطلب واضح ہو گیا یعنی یہ کہ قرآن پڑھتے پڑھتے ختم کرے تو دوبارہ اول سے پھر شروع کر دے (الحال) نازل ہونے والا یعنی سفر پورا کر کے ٹھہر جانے والا اور (المرتحل) سفر کرنے والا۔

ان روایات کی وجہ سے حضرات قراء کرام کا اور خاص کر قاری ابن کثیر مکی (احد القراء السبعہ) کی قرات پڑھنے والوں اور روایت کرنے والوں کا یہ معمول رہا ہے قرآن کریم اخیر تک ختم کر کے سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سورۃ البقرہ شروع کرتے ہیں اور وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرتے ہی دوبارہ شروع کر دیا ایسا کرنے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث مذکورہ بالا پر عمل ہو جاتا ہے۔ ایسا کرنا مستحب ہے کوئی فرض واجب نہیں ہے بہر حال قراء کا معمول ہے۔ حافظ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ النشر میں لکھتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے سائل نے جب سوال کیا ای الاعمال افضل گویا آپ نے فرمایا عمل الحال المرتحل

ضروری تنبیہ: .... بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن مجید کی سورتوں میں شمار نہیں کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ دونوں پناہ مانگنے کے لئے تعلیم دی گئی ہیں بعض علماء نے ان کے قول کی تاویل بھی کی ہے لیکن تاویل ایسی نہیں ہے جس سے اطمینان ہو جائے۔ حق بات یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں (گو صحیح السند ہیں) اخبار آحاد

ہیں اور اخبار آحاد ظنی ہوتی ہیں تواتر کے مقابلہ میں ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا اسی لئے تحقیق نے ان روایات کو تسلیم نہیں کیا۔ حافظ ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں:۔

وکل ماروی عن ابن مسعود من ان المعوذتین وام القران لم تکن فی مصحفه فکذب موضوع لایصح وانما صحت عنه قراءة عاصم عن زربن حبیش عن ابن مسعود فیها ام القران والمعوذتان (تمام روایتیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہیں کہ ان کے قرآن پاک کے نسخے میں معوذتین اور فاتحہ نہیں تھی تو یہ جھوٹ ہے گھڑی ہوئی بات ہے ان سے تو عاصم عن زر بن حبیش کی قراءت صحیح ثابت ہے اس میں معوذتین بھی ہیں اور فاتحہ بھی) (المحلی ص ۱۳ ج ۱)

اور امام نووی نے شرح مہذب میں فرمایا۔ **اجمع المسلمون علی أن المعوذتین والفاتحة من القران وان من جحد منها شیئا کفروما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح.** (مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کریم کا حصہ ہیں اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے جو منقول ہے وہ باطل ہے صحیح نہیں ہے)

اور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

فلعله لم یسمعها من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ولم یتواتر عنده ثم قد رجع عن قوله ذٰلک الی قول الجماعة فان الصحابة رضی اللّٰہ عنهم اجمعین . اثبتوهما فی المصاحف الأئمة ونفذوها الی سائر الافاق کذٰلک فللّٰہ الحمد والمنة. (شاید کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا اور اس کے ہاں متواتر نہیں ہے پھر آپؓ نے اپنے اس جماعت صحابہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ یقیناً صحابہؓ نے معوذتین کو آئمہ کرام کے مصاحف میں قائم رکھا اور انہیں اس طرح اطراف عالم میں بھیجا)

حضرت امام عاصمؒ کی قرات جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور حضرت زر بن حُبیش کے واسطہ سے ماثور ہے۔ اس میں معوذتین تواتر کے ساتھ محفوظ اور مروی ہیں یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ معوذتین قرآن کریم کی سورتیں نہیں ہیں یہ نقل صحیح نہیں ہے اور یہ روایت ہی غلط ہے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو فوراً رجوع فرمالیا تھا۔ چونکہ قراء سبعہ کی قراءت متواتر ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کی کسی بھی سورت یا کسی بھی آیت کا انکار کرنا کفر ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ **وانت تعلم انه قدوقع الاجماع علی قرانیتهما وقالواان انکار ذٰلک الیوم کفرولعل ابن مسعود رجع عن ذٰلک**

چونکہ حضرت امام عاصمؒ کی قراءت متواتر ہے اور معوذتین ان کی قراءت میں مروی ہیں اور تمام مصاحف میں مکتوب اور منقول ہیں اور جو مصاحف حضراتِ صحابہؓ نے آفاق میں بھیجے تھے ان سب میں یہ دونوں سورتیں بھی تھیں اس لئے ان کا قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے رجوع فرمالیا تھا۔ تو کوئی سوال باقی نہیں رہتا اور بالفرض رجوع نہ کیا ہو تو جو بات ان سے بطور خبر واحد منقول ہے (جو ظنی ہے) اجماع امت اور تواتر کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ صاحب روح المعانی نے شرح المواقف سے نقل کیا ہے۔

ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القران مروی بالآحاد المفیدة للظن ومجموع القران منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلته فتلک الآحادمما لایلتفت الیه ثم ان سلمنا اختلا فهم فیما ذکر قلنا انهم لم یختلفوا فی نزوله علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ولا فی بلوغه فی ابلاغه بل فی

مجرد کونہ من القراٰن وھو لایضر فبما نحن بصددہ. انتھٰی. (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض سورتوں میں اختلاف اخبار احاد سے منقول ہے جو ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور پورا قرآن کریم تواتر سے منقول ہے جو کہ یقین کو ثابت کرتا ہے کہ جس کے مقابلہ میں ظن ختم ہو جاتا ہے پس یہ احاد ایسی چیز ہیں جن کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہے پھر اگر ان کا مذکورہ اختلاف ہم تسلیم بھی کرلیں تو ہم کہتے ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے نازل ہونے میں اختلاف نہیں کیا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے ابلاغ میں اختلاف کیا ہے بلکہ خالی ان کے قرآن میں سے ہونے میں اختلاف کیا اور ہم جس چیز کو ثابت کررہے ہیں اس لئے یہ اختلاف مضر نہیں ہے)

آج کل بہت سے ملحد اور زندیق ایسے نکلے ہیں جو بہانے بنا بنا کر قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن روایات کو ائمۃ الاسلام نے رد کر دیا ہے ان کو اپنے کتابچوں میں درج کر کے مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کھرچنا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کافر کہتے ہیں تو ابن مسعود صحابی کو بھی کافر کہو۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت ہے' مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم نے یہ سطور حوالۂ قرطاس کردی ہیں۔

اعاذنا اللّٰہ تعالٰی من شر اعداء الاسلام الذین یوسوسون فی صدور المسلمین سوآء کانوا من الجنۃ او من الناس